اعجاز الرسول فی تذکرۃ الائمۃ من ذریۃ البتول

المعروف

اہل بیت کے امام رضی اللہ عنہم

- امام موسیٰ کاظم متوفی ۱۸۳ھ
- امام علی رضا متوفی ۲۰۳ھ
- امام محمد جواد متوفی ۲۲۰ھ
- امام علی نقی متوفی ۲۵۴ھ
- امام حسن عسکری متوفی ۲۶۰ھ
- امام محمد مہدی رضی اللہ عنہم

تالیف
مفتی اعجاز بشیر حفظہ اللہ

زیر سرپرستی
شیخ احمد دباغ حفظہ اللہ

ناشر دار البیان پاکستان کراچی

محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل کی تحقیقات سے ماخوذ، مستند مؤرخین کی آراء سے مزین
سوادِ اعظم کی طرف سے کسی بھی زبان میں متذکرہ ائمہ کی سیرت پر لکھی جانے والی پہلی تحقیقی کتاب

اعجاز الرسول فی تذکرۃ الائمۃ من ذریۃ البتول

المعروف

اہلِ بیت کے امام رضی اللہ عنہم

- امام موسیٰ کاظم متوفیٰ ۱۸۳ھ
- امام علی رِضا متوفیٰ ۲۰۳ھ
- امام محمد جواد متوفیٰ ۲۲۰ھ
- امام علی نقی متوفیٰ ۲۵۴ھ
- امام حسن عسکری متوفیٰ ۲۶۰ھ
- امام محمد مہدی رضی اللہ عنہم

تالیف
مفتی اعجاز بشیر حفظہ اللہ
ایم فل، بی ایڈ، پی ایچ ڈی اسکالر، کراچی یونیورسٹی

زیرِ سرپرستی
شیخ احمد دباغ حفظہ اللہ
موسس: زاویہ طریقہ محمدیہ انٹرنیشنل

ناشر
دار البیان کراچی پاکستان

طباعتی تفصیلات

کتاب : اہل بیت کے امام
مؤلف : مفتی اعجاز بشیر حفظہ اللہ
زیر سرپرستی : شیخ أحمد دباغ حفظہ اللہ
نظرِ ثانی : ڈاکٹر حامد علی (استاد: گورنمنٹ کالج برائے طلباء، ناظم آباد، کراچی)
تشکّر : محترم نصیر احمد (انگلینڈ)، محترم راجا جہانزیب سرفراز، علامہ سید نجم احمد شاہ قادری
طبع اوّل : اگست، ۲۰۲۲ء/ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ
مقامِ طبع : کراچی، صوبہ سندھ، اسلامی جمہوریہ پاکستان
قیمت :

ناشر

دار البیان کراچی پاکستان

Cell : 0321-2166548
Email: at_786@hotmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

شرفِ انتساب

تاجدارِ ختمِ نبوت
اِمام الانبیاء والمرسلین، صاحب لواء الحمد و مقام الوسیلہ
سَیِّدُنَا وَنَبِیُّنَا وَشَفِیْعُنَا وَحَبِیْبُنَا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

زِ اِعجازِ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں روشن است

ترے فقیروں میں اے شہریار ہم بھی ہیں

اِعجاز

اِهداء وایصالِ ثواب

والدِ گرامی، شہیدِ حرمِ مکہ

شہید بشیر احمد بن محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۴۴۰ھ / ۲۰۱۹ء۔ مدفون مقبرۃ الشرائع، مضافات منیٰ شریف، مکہ مکرمہ)

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا. (سورۂ بنی اسرائیل:۱۷/۲۴)

ترجمہ: اے میرے ربّ! اُن دونوں پر رحم فرما؛ جیسا کہ انھوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا۔

اِعجاز

Cell: 0092-321-2166548

فہرست اَبواب وعناوین (Table of Content)

مقدمہ

از قلم مؤلف

ائمہ اہل بیت پر سلسلۂ تالیفات کا داعی ایک خانقاہ میں رُونما ہونے والا حادثاتی واقعہ تھا، جس کی وجہ سے راقم حروف نے ۲۰۱۴ء کے اَواخر میں سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ پر مختصر مدت میں جمع مواد کرتے ہوئے پہلی تالیف مرتب کی، تاکہ اہل بیت سے محبت رکھنے والے عام افراد اگر کبھی خواہی نخواہی مطالعے کی جانب راغب ہوں، تو انھیں اہل سنت روایات کے تناظر میں لکھا گیا مواد میسّر آسکے۔ پس اُمید تو یہ تھی کہ اس پہلی کرن کے بعد مثبت نتائج بر آمد ہوں گے اور خانقاہی نظام میں علمی ماحول کی فضا ہموار ہو گی، لیکن نتیجہ اس کے بر عکس ظاہر ہوا اور طعن و تشنیع کے راستے کشادہ ہوتے گئے۔ بہر کیف کچھ عرصے بعد قریبی علم پَرور ساتھیوں کے مسلسل اِصرار پر ۲۰۱۷ء میں سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی حیات پر تالیف منظر عام پر آئی، اور اس بار سابق تالیف میں عجلت کے سبب باقی رہ جانے والی کمزوریوں کا اِزالہ کرنے کے ساتھ اکابر ائمہ کی روشنی میں مواد کو حتی الوسع سہل و مدلل کرنے کی سعی کی گئی، جس میں اَحادیثِ موسی کاظم رضی اللہ عنہ کا باب بھی صدیوں بعد مرتب ہوا، تو یوں اہل بیت پر تالیفات کا تسلسل دوسری کڑی تک جا پہنچا، لیکن اس سفر میں داخلی و خارجی اُمور اس حد تک اَثر انداز ہوئے کہ ہمیں اسی کے مقدمے میں اختتامِ سفر کی نویدِ دل سوز لکھنے کے سوا چارہ نہ رہا۔

بقولِ شاعر

حیف دَر چشم زَدن صحبت یار آخر شُد
رُوئے گل سیر نہ دِیدم کہ بہار آخر شُد

اس دل برداشتہ اَمر کی تحریر سے توقع تھی، کہ شاید اہل سنت میں سے کوئی دوسرا صاحبِ راز موضوع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اُٹھے گا اور ہم سے خفا پیرانِ عظام ہماری نہ سہی؛ پر اُس کی حوصلہ افزائی کر لیں گے اور یوں کسی نہ کسی طرح اہل بیت کے اُن حضرات کا تذکرہ کچھ حد تک محفوظ ہو کر منظر عام پر آجائے گا، جنھیں آج تک بالعموم نظر انداز کیا گیا۔ لیکن یہ بھی دیوانے کا خواب ہی تھا، لہٰذا نہ تو کوئی ذِی علم طبع آزمائی کرنے کے لیے میدان میں اُترا اور نہ ہی کسی مقتدر فرد نے حوصلہ افزائی و سرپرستی کی ضرورت محسوس کی، وإلى الله المشتكى.

بقول مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ

بَر بیاضِ رُخم ، مُحرّرِ اَشک

قصّۂ دَردِ انتظار ، نوشت

یعنی؛ میرے چہرے کی کتاب پر اشکوں کے محرر نے دردِ انتظار کی داستان لکھ دی۔

اسی دوران ہمارے چند کرم فرما مسلسل اصرار کرتے رہے اور راقم سے بارہا تقاضا ہوا کہ کم اَز کم اختتامی ائمہ کے ہی سہی؛ تذکار مرتب ہو جائیں، تو غنیمت ہے۔ اس سلسلے میں صاحب قرطاس و قلم، پروفیسر ڈاکٹر حامد علی (لیکچرار گورنمنٹ کالج برائے طلبہ ناظم آباد، کراچی)، علامہ سیّد طارق حسین بخاری، مولانا سیّد وقار حسین بخاری (فیصل آباد)، نیز حجاز مقدس، انگلینڈ اور بھارت وغیرہ سے بعض حضرات نے برقی سمع خراشی کی صورت میں کافی حد تک کوششیں جاری رکھیں، نیز اوّل الذکر حضرات نے تو ہر ممکن علمی و عملی تعاون سے بھی ساتھ دیا، تو یوں ۲۰۱۹ء کے اَوائل میں محض توفیقِ ربانی سے اس جانب رغبت ہوئی اور منتشر مواد کو اَز سرِ نو مرتب و منقح کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ ان جذبات کی ترجمانی کے لیے شیخ احمد بن حسین المعروف ابو الطیب متنبی، متوفی ۳۵۴ھ نے کیا خوب کہا:

رُبَّ مَا لَا يُعَبِّرُ اللَفْظُ عَنْهُ

وَالَّذِي يُضْمِرُ الفُؤادُ اِعتِقَادُهُ

چنانچہ پہلے پہل تو خیال تھا کہ صرف مطبوع شدہ دونوں کتب اور بالخصوص سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کے مواد پر نظر ثانی واضافہ کر دیا جائے اور انھیں خوبصورت و دیدہ زیب طرز پر دوبارہ شائع کروایا جائے، چنانچہ پہلے حصے کا بیشتر کام تو فروری ۲۰۱۹ء میں ہی مکمل ہو گیا کہ اسی دوران راقم حروف کو اپنے والدین کے ہمراہ پہلی مرتبہ حاضری حرمین کی سعادت نصیب ہوگئی، اِرادہ تھا کہ مسودے کو ساتھ لیا جائے اور ہوٹل میں فراغت کے وقت اس کی تصحیح کر لی جائے، لیکن بعض اَحباب نے توجہ دلا کر اس اَمر سے باز رکھا کہ پہلی مرتبہ کی حاضری حیات مستعار کی نعمت ہے، لہٰذا وہاں اَماکنِ مقدسہ اور عبادات سے فیض یاب ہوا جائے۔ پس یہ رائے نا صرف معقول تھی، بلکہ بعد اَزاں مفید بھی ثابت ہوئی کہ پہلے ہی روز والدین کی معیت میں جمعہ مبارک کی صبح جب سوئے حرم ادائیگی عمرہ کی غرض سے قدم اُٹھے، تو عین مسجد حرام کے مینار نظر آتے ہی والد گرامی میرے ہاتھوں میں ہی داعی اَجل کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تلبیہ کے حقیقی معنی؛ "میں حاضر ہوں"، کہتے

ہوئے راہی ملکِ بقا ہوئے اور پھر حرم مقدس میں لاکھوں افراد کی نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد مضافاتِ منیٰ شریف سے متصل حجاج کے قبرستان "مقبرۃ الشرائع" میں آسودۂ خاک ہوگئے، فإنّا لله وإنآ إليه راجعون .بقول علامہ اقبال:

آسماں تیری لحد پر شبنم اَفشانی کرے
سبزۂ نورستہ اِس گھر کی نگہبانی کرے

الغرض واپسی پر جب کام کا آغاز ہوا تو اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مزید عنایات شاملِ حال ہوئیں، اور یوں یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے بقیہ آخری ائمہ اہلِ بیت کی جانب بھی وسیع ہوتا چلا گیا اور مختصر مگر جامع مواد کی صورت میں ان حضرات کے تذکار بھی مرتب ہوگئے، وللہ الحمد۔ اس میں امام کاظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے امام مہدی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تک کے ائمہ پر ابواب مرتب ہوئے ہیں، کہ یہ جلد چھ سو سے زائد صفحات پر محیط ہو چکی، اسی لیے اس مجلد کو ان ائمہ کے تذکار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے، جبکہ امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ پر بشرطِ توفیق الٰہی الگ جلد میں تذکرہ پیش کیا جائے گا، اس کا اکثر مواد پیشِ نظر ہے اور بعد ترتیب و تنقیح اُمید ہے کہ یہ بھی اسی طرح چھ سات سو صفحات پر محیط ہوگا۔

بقول جگر مرادآبادی:

مری طلب بھی اُسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں ، اُٹھائے جاتے ہیں

منہجِ تالیف اور انتخابِ کتب و مواد

اس مرتبہ چونکہ بہت سی کتب جو سابق زمانے میں ہمیں دستیاب نہ تھیں، اُن پر دسترس اور جدید علمی ذرائع نے کافی سہولت پیدا کر دی، تو یوں سوانح کا یہ مواد پہلے کی دونوں مطبوعہ کتب سے زیادہ مستند و منقح ہو گیا ہے، نیز اس باب میں امام کاظم و رِضا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی روایات پر حتی الوسع ائمہ کے بیانات کی روشنی میں نظر ثانی کرنے کے بعد متوازن ذخیرہ شاملِ کتاب کیا گیا ہے اور چند زیادہ اختلافی روایات جو سابق میں شامل تھیں، انھیں حذف کر دیا گیا ہے، جس کی تفصیلات متعلقہ مقام پر بیان ہوئی ہیں۔ لہٰذا اَب ہماری سابق دونوں طبعات کے مواد کو کالعدم شمار کیا جائے اور محقق و منقح ہونے کے سبب اس تالیف پر اعتماد کیا جائے۔ الغرض ہم نے جن اُمور و اسالیب کو تالیفِ کتاب میں پیشِ نظر رکھا، وہ یہ ہیں:

- اَخذ مواد میں سوادِ اعظم اہل سنت کی فکر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے یہاں معتبر کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- موادِ کتاب موضوعی ہونے کے باوجود اَبحاث میں احقاقِ حق کے لیے ممکنہ حد تک معروضی اُسلوب اپنایا گیا ہے۔
- کبار ائمہ جرح وتعدیل کی تالیفات سے بھرپور استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- ائمہ کرام کی مستند اور قدیم تاریخی کتب سے مواد کا انتخاب کیا گیا ہے۔
- استنباطِ مواد اور ترتیبِ معلومات میں مصادرِ اصلیہ اور پھر مصادرِ ثانویہ کی جانب رجوع کیا گیا ہے۔
- اہم اُمور سے متعلق اصل عبارات کو ترجمہ کے ساتھ امتیازاً درج کیا گیا ہے، تاکہ دونوں پہلو واضح رہیں۔
- عمومی مواد کے حوالہ جات میں صرف کتاب، مصنف اور متعلقہ صفحات کا ذکر کیا گیا ہے۔
- تخریج حوالہ جات میں بھی مصادرِ اصلیہ وثانویہ کو فوقیت دی گئی ہے۔
- دیگر کتب سے بھی استشہادو حوالہ جات کو نقل کیا گیا، تاکہ کثرتِ نقل سے مضمون کو تقویت حاصل ہو۔
- تمام حوالہ جات اور اصل عبارات کو متعلقہ کتب سے براہِ راست نقل کیا گیا ہے۔
- آیاتِ قرآنی کے تراجم میں مفہومی ترجمہ زیب قرطاس کیا گیا، لیکن زیادہ تر "کنزالایمان" اور "جمالِ قرآن" اَز علامہ پیر کرم شاہ اَزہری سے مدد لی گئی ہے۔
- رجال و شخصیات کی تعدادِ مرویات کے لیے "جامع خادم الحرمين الشريفين للسنة النبوية المطهرة" سوفٹ ویئر سے مدد لی گئی، البتہ بعض مقامات پر دیگر کتب و مصادر سے اضافی معلومات بھی نقل کی گئی ہیں۔
- ائمہ و محدثین سے بعض مقامات پر علمی اختلاف کیا گیا ہے، لیکن ایسے مقامات پر راقم کی حیثیت صرف مبتدی طالب علم کی ہے، البتہ اکابرین سے صرف نظر ہونے والے اُمور اور چند مقامات پر لغزشوں کی اپنی دانست میں تنبیہ کسی تفوق کے طور پر ہرگز نہیں، اور عین ممکن ہے کہ یہ تنبیہات لائق ردّ ہوں، لیکن اپنی استطاعت کے مطابق جہاں کمزوری معلوم ہوئی، اُسے دیانت علمی کے تحت حفظ مراتب کے ساتھ عیاں کردیا ہے۔ وانّ العصمة لله ولرسوله عزّوجلّ وصلّى الله عليه وآله وبارك وسلّم.
- متاخرین علماء اور سیرت نگاروں سے علمی دلائل کے ساتھ کئی مقامات پر واضح اختلاف اور عبارات پر تعقب کیا گیا ہے۔

- تمام مکاتب فکر کے علمی و فکری حضرات کے اَسماء کو حتی الوسع احترام سے درج کیا گیا ہے۔
- اہل تشیع کی کتب سے بالعموم استفادہ نہیں کیا گیا، کیونکہ ہمارا مقصود اہل سنت ائمہ کے بیانات کی روشنی میں تالیف مرتب کرنا تھا، البتہ اُن کے اپنے مؤقف کو واضح کرنے اور اس بارے میں وسعتِ معلومات کے لیے براہِ راست منتخب کتب کا ذکر کیا گیا ہے، جو کہ ناگزیر تھا۔
- غیر یقینی اور موضوع مواد سے ممکنہ حد تک اجتناب کرنے کی سعی کی گئی ہے، اسی لیے کرامات کے عناوین میں شاید قارئین تشنگی محسوس کریں، لیکن ہمارے نزدیک ائمہ اہل بیت کی ذوات اور ان کا پابند شریعت پاکیزہ کردار ہی سب سے بڑی کرامت ہے، جسے تالیفِ ہذا میں بصورت الفاظ اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- کتاب ہذا میں ائمہ اہل بیت کے لیے الگ الگ اَبواب قائم کیے گئے ہیں۔
- مقدمہ تالیف میں ضروری تفصیلات کو بطور تمہید تفصیلاً پیش کر دیا گیا ہے۔
- امام کاظم و رِضا کی مرویات کو ابوابِ مناقب کے اختتام پر درج کیا گیا ہے، تاکہ سوانحی ترتیب میں خلل نہ ہو۔
- بقیہ ائمہ کی مرویات قلیل ہونے کی وجہ سے ان کے ابواب میں ہی درج کر دی گئی ہیں۔
- بابِ اَحادیث میں محولہ طبع کی تفصیل کو نسخوں کی تکثیر کے باعث ساتھ ہی درج کر دیا گیا ہے۔
- اختتام پر مآخذ و مراجع کے تحت تمام کتب محولہ کو حروفِ تہجی (الف بائی) ترتیب کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے اور اس میں کتاب کا نام، مصنّف / مؤلف، سن وفات، ناشر اور سن طباعت کو بیان کیا گیا ہے۔
- مراجع میں کتب و مصنفین کے بیشتر مشکل اسماء پر اعراب لگائے گئے ہیں، تاکہ پڑھنے میں صحیح تلفظ واضح رہے۔
- عیسوی سنین شیخ زَرکلی کی "الاعلام" سے اَخذ کیے گئے، لہٰذا سنِ ہجری سے مطابقت میں اختلاف ممکن ہے۔

تالیف ہذا کے دوران بہت سی اختلافی اور غیر مستند کتب سے اعراض برتا گیا ہے، تاکہ حتی الامکان مواد میں ثقاہت کے امکانات واضح رہیں اور غُلو و موضوعیت سے متاثرہ اُمور کا بھی امتیاز رہے، چنانچہ حصولِ مقصد کی خاطر جرح و تعدیل اور تواریخ و سیر کی اُمہات کتب سے براہِ راست استفادہ کیا گیا ہے، جس کی روشنی میں ترتیبِ احوال اور نقد و ثناء ایراد پذیر ہوئے ہیں۔ نیز متوسطین ائمہ کے تجریحی بیانات میں تطبیق و تضاد کی صورت میں بھی اصل کی جانب مراجعت کرتے ہوئے معاملے میں تتبع حقائق کی سعی کی گئی ہے، اس بارے میں مزید اُمور کی تفصیلات یوں ہیں:

مصادرِ اَصلیہ؛ جن کتب سے مطلقاً اِستفادہ کیا گیا

اس بارے میں راقم حروف نے ممتاز محدثین اورائمہ جرح وتعدیل کی کتب سے حتی الوسع بھرپوراستفادہ کی سعی کی ہے، جن میں ناصرف قرنِ ثالث کے ائمہ ومحدثین شامل ہیں، بلکہ دورِ متوسطین کے کبارائمہ بالخصوص امام خطیب بغدادی، امام ابن ابی حاتم رازی، امام ابن حبان، امام ابن جوزی، امام جمال الدین مزی، امام شمس الدین ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ سرفہرست ہیں، اللہ تعالی جَلَّ جَلَالُہٗ ان ائمہ کو جزائے خیر نصیب فرمائے کہ ان کی محنتوں سے پردۂ خفامیں گم ہوجانے والے بہت سے رجال وبلندپایہ حضرات کی معرفت حاصل ہوئی۔ الغرض اس باب میں بہت سی کتب ہیں، جنھیں تفصیلاً مصادرومراجع میں ذکر کر دیا گیاہے اور یہی ہماری تالیف کا سرمایہ وثمر ہیں، اس کے علاوہ دیگر مقتدرائمہ ومؤرخین مثلاً امام ابن جریر طبری، امام سمعانی، امام مغلطائی اور امام ابن اثیر کی تالیفات بھی اسی میں شامل کیے جانے کی حق دار ہیں۔

مصادرِ ثانویہ؛ جن کتب سے انتخاباًاوراجمالاً استفادہ کیا گیا

اس میں زیادہ تر متاخر محدثین، مؤرخین اور ممتاز علماء کی تذکارِ صوفیہ پر لکھی گئی کتب شامل ہیں، جن کی کیفیت یکساں نہیں، نیز اس ضمن میں شیخ مقریزی، علامہ مجد الدین ابن اثیر جزری، شیخ سیوطی، شیخ سخاوی اورابن عماد حنبلی وغیرہ کی کتب قابل ذکر ہیں، ان میں سے اکثر کتب کے مصنفین ممتاز علمی مقام کے حامل ہیں، لیکن تاریخی روایات میں ان کا رُسوخ دیگر کبارائمہ کی مثل نہیں، اور شاید اس کی وجہ متقدمین کی کثرتِ تالیفات کا وقوع ہو، اسی لیے ان کے یہاں تاریخی روایات کی تنقیح وتحقیق میں زیادہ توجہ نہ ہونے کے باعث کبھی کبھی کمزوری دَرآتی ہے، لہٰذاایسی کتب سے استفادے میں توراقم حروف نے پوری کوشش کی، لیکن اگر کسی مقام پر حقائق یازمانی لحاظ سے قریب ترائمہ کی واضح نصوص سے تضاد دکھائی دیا، توایسے میں قوت دلیل کوترجیح دینے کی سعی کی گئی اور بصورت دیگر حسبِ مقام قدماء کی تصریحات پر اعتماد کیا گیاہے، تاہم مجموعی طورپر یہ مصادروقیع علمی اہمیت کے حامل اور طالبان تحقیق کا سرمایہ ہیں، البتہ درج ذیل چند تالیفات ایسی ہیں، جن کے بارے میں درمیانی راہ بروئے کارلائی گئی اوران کے حقائق وشواہد سے ہم آہنگ بیانات کو اَخذ کرلیا گیا، لیکن بعض مقامات پر تضادوخلاف حقیقت اَمر عیاں ہونے کی صورت میں کمزوری کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے۔ سابق الذکرائمہ کی تالیفات توبکثرت ہیں، جواخیر میں درج ہیں، البتہ مؤخرسے متعلق چند اہم کتب یہ ہیں:

- **فَصْلُ الخِطَاب بِوَصْلِ الأَحْبَاب** ، للشيخ خواجة محمد البَارِسَا البخاري النَّقْشبَنْدِي ، المتوفى ٨٢٢هـ .

- **لَطَائِف أَشْرَفِي فِي بيان طوائِف صُوْفِي** ، للسّيد المخدوم مِير أَوحد الدِّين أشرف جَهَانگِير السَّمْنَاني ، المتوفى ٧٩٨هـ-أو-٨٣٢هـ .
- **الصَّواعِق المُحْرِقة** ، للشيخ شهاب الدين أحمد بن حجر المكي الهيتمي الشَّافعي القادري ، المتوفى ٩٧٤ هـ .
- **أخبار الدُّول وآثار الأُول في التَّاريخ** ، للشيخ المؤرخ أحمد بن يوسف القِرماني ، المتوفى ١٠١٩هـ
- **سَمْطُ النُّجُوْم والعَوَالِي في أَنبَاءِ الأَوائِل والتَّوَالِي** ، للشيخ عبد الملك العصامي المكي، المتوفى ١١١١هـ .

مصادرِ تائیدیہ؛ جن کتب سے بعض مقامات پر تائیداً اِستفادہ کیا گیا

ان کتب سے بعض مقامات پر دیگر متذکرہ مصادر کی تائید میں جزوی استفادہ کیا گیا، البتہ براہِ راست استناد سے گریز کیا ہے، کیونکہ ہماری دانست میں ان کا مواد زیادہ محقق و محفوظ نہیں، اور بیشتر مقامات پر واضح تضاد وغُلو بھی عیاں ہے، بالخصوص مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ایسا واقع ہوا ہے، اسی لیے ہم نے ان کی کتاب سے جُزوی تمسک کیا اور بیشتر واقعاتی اُمور کو دیگر مصادر میں نہ پائے جانے کے سبب عمداً ترک کر دیا ہے، حالانکہ درج ذیل کتب میں بھی ائمہ اہل بیت پر خاصا مواد ہے، جسے متعدد اُردو مؤلفین نے فراخدلی سے نقل کیا ہے، لیکن ہمیں کئی مقامات پر ان کتب کے واضح تضادات اور بلاحوالہ درج کردہ اُمور کے اضطرابی بیانات کا سامنا ہوا، لہٰذا ہم نے ان کے مندرجات میں سے صرف چند مقامات پر ایسے حوالہ جات لیے، جن کی تائید دیگر مصادر میں بھی موجود تھی، یا پھر انھیں کسی اضافی اَمر مثلاً تاریخ پیدائش وغیرہ کے مؤقف میں بصورتِ تفرد ورائے ذکر کیا ہے، جس سے مضمون کتاب میں خلل نہیں آتا، البتہ اس کے علاوہ سوانحی مضامین میں استناد نہیں کیا گیا اور یوں ہی "تاریخ یعقوبی" اور "مروج الذہب" اگرچہ قدیم تاریخی مصادر ہیں، لیکن تنقیح مواد کے فُقدان اور سقیم وموضوع روایات کی فراوانی نے ان کے علمی معیار پر قدغن لگا رکھی ہے، اسی لیے دونوں کتب سے جُزوی استفادہ کرتے ہوئے بقیہ فاضل مواد کو ترک کر دیا گیا ہے، اہل علم چاہیں، تو حسبِ مزاج ان کے اضافی نکات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ متذکرہ عنوان سے متعلق چند کتب درج ذیل ہیں:

- **تاريخ اليَعْقُوبي** ، للشيخ أحمد بن أبي يعقوب المعروف ابن واضح الأخباري ، المتوفى ٢٩٢هـ .
- **مُرُوْجُ الذَّهَب ومَعَادِنُ الجَوْهَر** ، للشيخ أبي الحسن علي بن الحسين المسعودي ، المتوفى ٣٤٦هـ .

- **شَوَاهِد النُّبُوَّة لِتَقْوِية يَقِيْنِ أَهْلِ الفُتوَّة**: للشيخ نور الدين عبد الرحمن الجامي ، المتوفى ٨٩٨هـ .
- **الإتّحاف بِحُبِّ الأَشْرَاف**: للشيخ جمال الدين أبي محمد عبد الله الشِّبراوي الشافعي ، شيخ الجامع الأزهر ، المتوفى ١١٧١هـ .
- **نُوْرُ الأَبصَار في مَنَاقِبِ آلِ بَيْتِ النَّبِيِّ المُخْتَار**: للسّيد مؤمن بن حسن الشَّبلَنْجِي ، المتوفى ١٣٠٨هـ .

کتبِ متروکہ؛ جن کتب سے کلیۃً استفادہ نہیں کیا گیا

ایسی کتب جن سے تالیف ہذا میں تکثیر مواد کے باوجود کلیۃً اعراض کیا گیا، حالانکہ ائمہ اہل بیت پر لکھنے والے اکثر متاخرین اور عصرِ رواں کے عربی واُردو سوانح نگاروں کا جم غفیر انھیں کتب سے مستفید ہوتا ہے، کیونکہ ان میں اہلِ بیت کے بارے میں ایسے دلچسپ اور حیران کن واقعات درج ہیں، جو عام قارئین کی دادِ تحسین لینے کے لیے کافی ہیں، اور پھر ان کتب سے استفادے میں بھی کوئی دِقت نہیں، کہ اکثر ائمہ اہل بیت کے عناوین مبوب ومرتب ہیں، بس حسب ضرورت مواد کا چناؤ مؤلف کی صواب دید پر منحصر ہے، اسی لیے اہل بیت پر لکھی جانے والی مشہور معاصر کتب میں بھی انھیں کتب کے حوالہ جات کی فراوانی دکھائی دیتی ہیں، لیکن ہم نے متعدد وجوہات کے پیش نظر ان سے اعراض کیا ہے، کیونکہ **اوّلاً** تو ہمارے نزدیک ان میں سے اکثر مؤلفین کا اہل سنت سے انتساب ہی جائے مقال ہے اور **ثانیاً** شخصیت کے ساتھ ساتھ بعض کی کتب بھی اختلافی ہیں، **ثالثاً** ان میں سے بیشتر واقعات بلاسند وبغیر حوالہ درج ہیں، اور جن کا حوالہ دیا گیا، وہ مآخذ بسااوقات ان سے بھی زیادہ قابل اعراض ہیں، **رابعاً** شاید جمع مواد کی نکتہ آفرینی نے مؤلفین کو صحیح وسقیم کے امتیاز کا موقع نہ دیا اور یوں اکثر مواد موضوعات سے متاثر ومملو ہو گیا، **خامساً** ان کتب کا خاصا مواد بعینہ وہی ہے، جو اہل تشیع کے یہاں منقول ہے؛ جن میں عصمت وغُلو سمیت متعدد قابل گرفت پہلوؤں پر نکتہ اعتدال سے تجاوز کیا گیا ہے، الغرض ایسے متعدد اُمور کی وجہ سے ہم نے ان کتب سے اَخذ مواد واِستفادے میں اجتناب کیا ہے، البتہ "مقاتل الطالبین" اور "تذکرۃ الخواص" کے شاید ایک دو مقامات پر حوالے نقل ہوئے، لیکن وہ بھی صرف تفردِ رائے کی نشاندہی اور توسیع معلومات کی غرض سے لائے گئے، مجموعی طور پر انھیں بھی نظر انداز ہی کیا گیا ہے، چنانچہ درج ذیل کتب اس ضمن میں قابل ذکر ہیں:

- **مَقاتل الطَّالِبِيِّين** : للشيخ أبي الفرج علي بن الحسين الأصفهاني ، المتوفى ٣٥٦هـ .

انہی کی "كتاب الأغاني" اَدبی ذخیرے کی اہم کتاب ہے، ہم نے تصحیح اشعار اور دیگر بعض مقامات پر مؤخر الذکر سے استفادہ کیا ہے، لیکن واضح رہے کہ بوجوہ اس کا مقام "مَقاتل الطَّالِبِيِّين" سے فائق تر ہے۔ فافہم

- **مَطَالِبُ السُّؤُول في مناقب آل الرَّسُول**: للشيخ كمال الدين محمد بن طلحة الشافعي، المتوفى ٦٥٢هـ .
- **تذكرة الخواص، أو تذكرة خواص الأُمَّة في خصائص الأَئِمَّة** : للشيخ شمس الدين أبي المظفر يوسف المعروف سبط إبن الجوزي ، المتوفى ٦٥٤هـ .

ان کی دوسری کتاب "مرآة الزمان في تاريخ الأعيان" ذخیرۂ تاریخ کی عمدہ کتاب ہے اور یہ متروکہ قسم میں شامل نہیں، مزید بر آں اس کتاب کے مندرجات بھی "تذكرة الخواص" سے مختلف معلوم ہوتے ہیں۔ محققین علماء کے یہاں مؤخر کا انتساب بھی مشکوک ہے، لہٰذا ان کی دونوں کتابوں کے مابین فرق واضح رہے۔

- **كَشْفُ الغُمَّة في معرفة الأئمَّة** : للشيخ أبي الحسن علي بن عيسى بن أبي الفتح الإربلي ، المتوفى ٦٩٢هـ.
- **فَرائِدُ السِّمْطَين في فضائل المرتضى و البُتول و السِّبْطَين والأئمّة من ذريتهم** : للشيخ إبراهيم بن محمد بن المؤيد الجُوَيني الخُرَاساني ، المتوفى ٧٢٢هـ.

بعض شیعی علماء انھیں اہلسنّت کا مستند امام شمار کرتے ہوئے اختلافی مسائل پر کتاب ہذا کے حوالہ جات بیان کرتے رہتے ہیں، لیکن شاید انھیں معلوم نہیں کہ یہ اہل سنت کے یہاں چنداں معتبر نہیں۔ اس نام کی متعدد شخصیات ہوئیں؛ جن میں مشہور امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک جوینی شافعی، متوفی ۴۷۸ھ ہیں، اور شیعی علماء انہی امام الحرمین کی کتاب سمجھتے ہوئے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں الگ الگ شخصیات ہیں۔ امام الحرمین بلاشبہ ہمارے یہاں مسلّم، لیکن صاحب "فرائد السمطین" ابراہیم جوینی جمہور ائمہ اہلسنّت کے یہاں قابل اعتناء نہیں، فافہم۔

- **الفُصُول المُهِمَّة في معرفة أحوال الأَئِمَّة** : للشيخ علي بن محمد المعروف بابن الصَّبَّاغ المالكي ، المتوفى ٨٥٥هـ .
- **إسْعَافُ الرَّاغبِيْن في سِيْرة المُصْطَفى وفضائل أهلِ بَيتهِ الطَّاهِرِيْن** : للشيخ محمد بن علي الصَّبَّان المصري ، المتوفى ١٢٠٦هـ .

کلماتِ تشکر

کتاب ہذا اپنے علمی محاسن کے ساتھ مکمل ہوئی، بشری تقاضے کی مطابق اس کی تصحیح وترتیب میں بھرپور کوشش کی گئی، لیکن بایں ہمہ نادانی سرشتِ انسانی کے ساتھ ہے، اس لیے جو کچھ حسن وخُوبی ہو؛ وہ صرف اللہ تعالی ربّ العرش الکریم جَلَّ جَلَالُہٗ کی توفیق سے ہے اور خطا کا سزاوار بندۂ پُر تقصیر ہے، جو اپنے ربّ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ سے حسنات کی مقبولیت ونافعیت اور سیئات کی معافی کا خواستگار ہے اور بعد اَزاں تاجدارِ ختم نبوت، شافع اُمت، نبی مکرم محمــد مصطفیٰ ﷺ سے اُمید وار کہ جنابِ الٰہی سے جب اس تالیف کا تحفہ بارگاہِ عالی میں پیش ہو، تو آلِ مبارک کے تصدق گنہگار اور والدین کی مغفرت وبخشش، خاتمہ ایمان اور سعادتِ دارین کی دعاؤں سے نوازیں گے اور بیشک سائل کو نامراد لوٹا دینا بمصداقِ حکم قرآنی "وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ.(سورة الضحى ، ٩٣/ ١٠)" آپ ﷺ کی شان سے بعید ہے۔ نیز طبرانی وبیہقی (الدعاء ، للطبراني ، ١/ ٥٩٨ . دلائل النبوة ، للبيهقي ، ٦/ ١٤١) روایت کرتے ہیں کہ ایک اَعرابی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے عرض کی:

وَلَيْسَ لَنَا إِلَّا إِلَيْكَ فِرَارُنَا
وَأَيْنَ فِرَارُ النَّاسِ إِلَّا إِلَى الرُّسْلِ

اَخیر میں ڈاکٹر حامد علی حَفِظَہُ اللہ کا ممنون ہوں، جن کی بدولت دیرینہ خواہش کی منزلِ اوّل پایۂ تکمیل کو پہنچی، اور سچ بات یہ ہے کہ اگر وہ تعاون نہ کرتے تو شاید یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ ہر اُس پُر خلوص معاون کا بھی شکریہ؛ جنھوں نے اپنی بساط کے مطابق ساتھ دیا اور وہ اَحباب بھی قابل ستائش ہیں، جنھوں نے غریب الوطنی میں مسافر کو بر سرِ راہ تنہا چھوڑا اور ایسے وعدہ کیے جو وفا نہ ہوئے، بقول الطاف حسین حالی:

وہ اُمید کیا ، جس کی ہو اِنتہا
وہ وعدہ نہیں ، جو وفا ہو گیا

بہر کیف اللہ تعالی جَلَّ جَلَالُہٗ سب کو جزائے خیر نصیب فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ . (سورة البقرة ، ٢/ ١٢٧) . وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لله رَبِّ الْعَالَمِينَ . (سورة يونس ، ١٠/ ١٠) . أَقُوْلُ قَوْلِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ الله لِي وَلِلْمُؤمِنِيْنَ وَالْمُؤمِنَات، آمين .

اہل بیت پر تحقیقی تالیف، ضرورت اور تاریخی حقائق

ائمہ اہل بیت پر قُرونِ وسطیٰ کے اہل علم سے موجودہ دور تک ہر زمانے میں مختلف جہات پر لکھا جاتا رہا ہے، جن میں بکثرت عربی وفارسی تالیفات مشہور ہیں۔ ان میں اہل تشیع کی طرف سے تو اپنے مکتبہ فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے کئی تالیفات پیش کی گئیں، لیکن اہل سنت کی جانب سے مستقل تحریری سرمایہ محدود نظر آیا، چنانچہ ائمہ اہل بیت کی سوانحی جہت پر مؤخر الذکر کے یہاں کچھ تصانیف ہی معروف ہیں[۱]، اوران میں سے بیشتر مستقل تالیفات کازمانہ دورِ متاخرین سے وابستہ ہے، نیز ان میں بھی استیعاب کے بجائے متقدم ائمہ اہل بیت اور بالخصوص مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیّدہ خاتون جنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا اور ساداتِ اہل جنت امام حسن اورامام حسین رضی اللہ عنہما پر کافی مواد مرتب ہوا[۲]، لیکن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بعد سے لے کر امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے تذکار پر کوئی خاطر خواہ اور مستقل و محقق تالیف ہماری معلومات میں نہیں آسکی؛ جس میں مفصلاً ان کے احوالِ زندگی اور دیگر سوانحی جہات پر کلام کیا گیا ہو، البتہ بعض کتب مثلاً "شواهد النبوة ، للجامي"[۳] وغیرہ میں ان سے متعلق اَبواب، یاپھر مختصر نوعیت کے رسائل مثلاً "الشذرات الذهبية/ الأئمة الاثنا عشر ، لابن طولون" اور "رسالة أئمة الإثنى عشر ، للدهلوي"[۴] وغیرہ ضرور تالیف ہوئے، لیکن یہ علمی

۱۔ جب سوانح ہی کمیاب ہو، توبقیہ جہات پر تالیفات کے بارے قارئین خود ہی بخوبی انداز لگاسکتے ہیں۔

۲۔ ان پر بکثرت تالیفات یقیناً حسنِ نیت اور خلوص ومحبت کی حامل تھیں، جن کی ضرورت بھی تھی اور اہمیت بھی، اسی لیے ائمہ نے ان جہات کی سیرابی میں ہر ممکن اقدام بروئے کارلائے، لیکن عصرِرواں میں انہی پر کثرتِ تالیفات کاایک سبب شاید یہ بھی ہو کہ ان حضرات پر حدیث، تاریخ اور سیرت وغیرہ کی قدیم وجدید ہر کتاب میں مبوب ومرتب بلکہ منظم و منقح مواد بآسانی میسّر ہے۔ یہ تنقید نہیں، بلکہ ایک اَمرِ واقعی کااظہار ہے، واللہ اعلم۔

۳۔ آپ کی اس کتاب پر مقدمہ میں ہی کچھ کلام کر دیا گیاہے، اس کے علاوہ مارکیٹ میں "بارہ امام" کے نام سے آپ کی کتاب اُردو میں ترجمہ شدہ عام ہے، جسے مختلف مطابع نے شائع کیا، لیکن درحقیقت وہ آپ کی تالیف ہی نہیں، خدا جانے کس نے گھڑ لیا، البتہ شبیر برادرز کی طبع میں اسے محمد شریف نقشبندی کی "شواہد النبوۃ" کے مضامین سے اَخذ کردہ تدوین لکھا گیاہے، لیکن اس کامواد پھر بھی قابل غور ہے، ہم یہاں بوجوہ مزید تفصیل سے اعراض کررہے ہیں، فافہم۔

۴۔ شیخ شمس الدین ابن طولون مصری، متوفی ۹۵۳ھ ممتاز صاحبِ تالیفات اور علمی مقام کے حامل تھے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سمیت مشہور مشائخ سے اکتساب علم کیا، ان کی متذکرہ بالا تالیف کو عرب محقق ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کیا۔ جبکہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ برصغیر کی معروف علمی شخصیت ہیں، ان کے متذکرہ رسالے کا مخطوطہ ہندوستان کی کسی لائبریری میں تھا، جسے علی گڑھ یونیورسٹی کے ایک فاضل نے شائع کیا، اس مطبوعہ نسخے کی کاپی عرصہ پہلے لاہور سے کسی صاحب نے عنایت کی، لیکن اس میں اس قدر اغلاط تھیں، کہ عبارات کامفہوم ہی متغیر ہو رہا تھا، ہم نے بارہا محقق سے بالواسطہ درخواست کی کہ مخطوط کا عکس عنایت کر دیا جائے، لیکن عرض منظور نہ ہو سکی، اسی لیے رسالے سے متعلق مزید کلام ممکن نہیں۔

کام اپنی نوعیت کی وقیع صلاحت رکھنے کے باوجود سوانحی اُمور کی تشنگی مٹانے اور موضوع پر ہمہ جہت دلالت کے تناظر میں کافی نہ تھے، نیز شیخ محقق کی تالیف تو دراصل خواجہ پارسا کی "فصل الخطاب لوصل الأحباب" کا فارسی ترجمہ تھا، جس میں اُن کی عربی عبارات کو مروجہ فارسی زبان کے قالب میں ڈھالا گیا، جیسا کہ شیخ محقق نے اسی کتاب کے مقدمہ میں بیان بھی کیا ہے، تو یوں یہ رسالہ بھی مستقل تالیف نہیں، بلکہ کتاب کے بعض عناوین کی تجرید اور فارسی ترجمہ ہے۔

بہر کیف اہل سنت کے یہاں ائمہ اہل بیت کے مناقب وتذکار پر مستقل تالیفات کا رجحان دیگر متنوع علوم وفنون اور رجال وشخصیات کی نسبت قلیل رہا، لیکن اس طرف توجہ نہ کرنے کے اَسباب بھی یقیناً پُر خلوص ہی تھے کہ دیگر علوم کی آبیاری، علوم اسلامیہ کی ترویج وبقا اور ثروت اہل بیت کی حفاظت ایسے اُمور نے انھیں اس جانب زیادہ متوجہ ہونے کی مہلت نہ دی، اسی لیے انھوں نے مختصر کلمات پر انحصار کرتے ہوئے مستقل تالیفات کو موضوع سخن نہیں بنایا، لیکن اپنی جگہ یہ بات بھی مسلّمہ ہے کہ فلاح دارین کی راہیں ان ہی کے گھرانے سے وابستہ ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو ان سے مضبوط تعلق کے بغیر چارہ نہیں، اوراسی لیے متقدمین ومتوسطین اہل علم نے اگرچہ مستقل تالیفات تو اس ضمن میں زیادہ مرتب نہ کیں، لیکن بکثرت مستحکم اور واضح بیانات ضرور فراہم کر دیے، جن کی روشنی میں حضرات اہل بیت کا مقام ومرتبہ روز روشن کی طرح آشکار اور محبت ومَودت آلِ رسول کا جذبہ سرحدِ عشق سے متصل ہو جاتا ہے۔ امام الائمہ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۲۰۴ھ نے کیا خوب فرمایا:

يَا آلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ حُبُّكُمُ
فَرْضٌ مِنَ اللهِ فِي القُرْآنِ أَنْزَلَهُ
يَكْفِيْكُم مِنْ عَظِيْمِ الفَخْرِ أَنَّكُمْ
مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلَاةَ لَهُ

چنانچہ اہلسنّت کی جانب سے باقی رہ جانے والی اس کمی کا اِزالہ کرنے اور اُردو دَان طبقے کو ائمہ اہل بیت کے تعارف وتذکرے سے روشناس کرنے کے لیے تالیف ہٰذا کو مرتب کیا گیا ہے، تا کہ نا صرف ائمہ اہلسنّت کے عقائد ونظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے مواد کو مدلل ومستحکم لباس وپیراہن دیا جائے، بلکہ علمی وتحقیقی لوازمات کی پاسداری کرتے ہوئے حتی الامکان یقینی ومعتبر ذرائع سے سیر ابی کا سامان فراہم کیا جائے کیونکہ بیسوی صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے موجودہ

دور سے تعلق رکھنے والی کئی ضخیم و مختصر اُردو تالیفات مارکیٹ میں دکھائی دیتی ہیں، جنھیں ائمہ اہل بیت کے حوالے سے لکھا گیا، لیکن اُن میں سے زیادہ تر بلکہ شاید چند ایک کے علاوہ بیشتر کا مواد اہل تشیع کی مشہور و معروف کتب سے منقول ہے اور مؤلفین نے اسے ہی نقل دَر نقل جاری رکھا ہے۔ ہمیں یہاں اہل تشیع کے مواد سے تعرض نہیں، بلکہ ہم یہ حقیقت عیاں کرنا چاہتے ہیں کہ اگر انھیں سے مواد لینا ہے تو پھر واشگاف طریقے سے اَخذ کیا جائے، حوالہ دیا جائے، یا پھر ان کی ائمہ اہل بیت پر مرتب کردہ کئی کئی مجلدات کا ترجمہ کر دیا جائے، یہ کیا طریقہ ہوا کہ صرف کچھ من پسند واقعات اور مواد وہاں سے اُٹھالیا گیا اور تالیف جناب کے نام ہوئی، یہ کہاں کا انصاف ہے۔۔۔؟

ایسے متعدد اُمور کو دیکھتے ہوئے خیال تھا[۵] کہ متوازی نوعیت کی ایسی تالیف مرتب کی جائے، جس میں نا صرف انتخابِ مواد کے لیے دائرۂ کار کو اہل سنت ائمہ و مؤرخین تک محدود رکھا جائے، تاکہ نظریاتی تصادم واضطراب کو راہ باقی نہ رہے، بلکہ قاری کے لیے بھی فکری ہم آہنگی کی صورت میں صاحبِ تذکرہ کے مواد سے مانوسیت اور استفادے میں سہولت پیدا ہو جائے اور یوں مسلمانوں کے لیے اہل بیت سے قربت و مودت کے راستے مزید کشادہ و ہموار ہوں، لہٰذا اس سلسلے میں اوّلاً اُن ائمہ اہل بیت کی جانب توجہ کی گئی، جن کے بارے میں مجموعی طور پر سابق اَدوار میں دو تین صفحات سے زائد کسی نے کلام نہیں کیا تھا اور یوں انھیں مسلسل پردۂ خفا میں رکھا گیا اور اس میں امام زین العابدین تا امام حسن عسکری کی شخصیات شامل ہیں، نیز ان میں بھی ابتدائی تین حضرات یعنی امام زین العابدین، امام باقر، امام صادق وغیرہ تو پھر بھی کسی نہ کسی طور پر معروف رہے کہ یہ رجالِ صحاح و سنن اور کبار ائمہ مثلاً امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام سفیان ثوری وغیرہ کے مشائخ تھے، پس ان فقہاء پر لکھنے والوں نے کہیں نہ کہیں اُن ائمہ کا ذکر بھی کر ہی دیا ہے، لیکن بقیہ ائمہ چونکہ اس فہرست میں داخل نہ ہونے کے سبب کتبِ جرح و تعدیل کے دائرے سے خارج رہے اور یوں ہی ذخائر تاریخ میں بھی انھیں خال خال ہی بیان کیا گیا، جس سے ان کے بارے میں معلومات کا فقدان ہوتا چلا گیا۔

پس راقم حروف نے سلسلۂ تالیف کا آغاز انھیں ائمہ سے کرنا مناسب خیال کیا، جن پر پہلے کوئی کام موجود نہ تھا، لیکن اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جب قدم اُٹھائے گئے تو اندازہ ہوا کہ یہ واقعی جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، کیونکہ محدثین کے یہاں بالعموم اُن رجال کے احوال و سوانح پر بحث ہوتی ہے؛ جن کی مرویات کتبِ صحاح و سنن، یا

۵۔ خانقاہ میں رُونما ہونے والا غُلو پر مبنی واقعہ اس خیال کو فی الفور علمی جامہ پہنانے کی مہمیز بنا، جس کا اشارۃً ذکر اسی مقدمہ میں کیا گیا ہے۔ فافہم

معروف کتبِ حدیث میں درج ہوں، لیکن امام کاظم تاامام عسکری کا معاملہ اس سے جدا تھا کہ ان سے ایک دو کے علاوہ مرویات بوجوہ معروف کتبِ محدثین میں درج نہ ہوسکیں، اسی لیے جرح وتعدیل کے بیانات اور محدثین کی تفصیلات کا ان سے متعلق ہونے کا ویسے ہی جواز نہ رہا اور اس پر مستزاد یہ ہوا کہ اُس زمانے کے حکومتی عتاب سے مؤرخین بھی خال خال ہی اس جانب راہ پاسکے، تو یوں اَخذ مواد کے راستے اور محدود و مسدود ہوتے چلے گئے، لیکن اللہ تعالیٰ جَلَّجَلَالُہٗ محدثین و مؤرخین کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے پھر بھی کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کی کڑیاں جوڑتے ہوئے کچھ نہ کچھ مواد درج کر ہی دیا، جس میں کہیں فراوانی اور کہیں قلت تھی، لیکن یہ تمام مواد کسی عنوان و باب کے تحت منظم نہ تھا اور شاید اسی انتشار و اختلاط کے سبب متاخر مؤلفین نے اس جانب پیش قدمی کی ہمت نہیں کی۔ بہر کیف ہم نے محض توفیقِ ربانی پر بھروسہ کرتے ہوئے ذخائرِ اسلامی کے سمندر سے موتیوں کو تلاش کیا اور پھر انھیں سنوارنے وسجانے میں بھرپور سعی کی، جس کے نتیجے میں تالیف ہذا مختلف عروج وزوال اور علمی مراحل سے گزرنے کے بعد مکمل ہوئی، وللہ الحمد۔

انتخابِ مواد، مطابقت، حذفِ زوائد، تصحیح وترجمہ، استشہاد واستنباط، تخریج مصادر، کمپوزنگ، درجہ بندی، پروف ریڈنگ اور فارمیٹنگ وغیرہ جیسے صبر آزما اور دقت طلب مراحل میں بندۂ بے توقیر نے تنہا ہی سفر جاری رکھا، کیونکہ ہمارے پاس نہ تو کوئی ٹیم ہے اور نہ ہی اتنے وسائل کہ ان اُمور کے لیے افراد شامل سفر کیا جاتے، لہٰذا ایسے میں کوتاہیوں کا وقوع غالب امکانات رکھتا ہے، اُمید ہے کہ اہل علم اور تالیفی نزاکتوں سے آشنا متذکرہ اُمور کے پیش نظر کمزوریوں میں ہمیں معذور جانیں، البتہ بقیہ قارئین اس بارے میں پیشگی معذرت قبول فرمائیں، اور بایں ہمہ علمی لغزشوں پر راقم حروف کو براہِ راست مطلع فرمائیں، تاکہ اصلاح کی جاسکے۔ اہل علم کی ناصحانہ آراء اور پُر خلوص اصلاحات کا ممنون رہوں گا اور میرا مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ ربّ العالمین جَلَّجَلَالُہٗ کے اس فرمان کے مطابق ہے، جو نبی اللہ سیّدنا شعیب عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِالله ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ . (سورة هود ، ١١/ ٨٨)

ترجمہ: میں تو جہاں تک بنے؛ سنوارنا ہی چاہتا ہوں، اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے، میں نے اُسی پر بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

ائمہ اہل بیت کی اصطلاح سے مراد

کتابِ ہذا میں ائمہ اہل بیت کی اصطلاح سے مراد وہی شخصیات ہیں، جنھیں عُرف عام میں "ائمہ اثنا عشر" بھی کہا جاتا ہے اور فی الحال ہمارے مباحث کا دائرہ انہی سے متعلق رہا، اگرچہ ائمہ اہل بیت کا ان بارہ حضرات میں حصر نہیں؛ کہ ان کے علاوہ بھی بہت سی مقتدر شخصیات علم و معرفت میں بلند مقام کی حامل ہوئی ہیں، لیکن تمام کا استیعاب فردِ واحد کے لیے مشکل تر ہے۔ ہم نے متذکرہ ائمہ پر تحریر کا انتخاب اس لیے بھی کیا کہ ان پر مسلمانوں کے معروف مکاتبِ فکر کا اتفاق ہے اور تمام کے یہاں تعبیرات کے بعض اختلافات کے علاوہ ان کا مقام و مرتبہ مسلّم و محترم ہے، لہٰذا بقیہ حضرات اہلبیت کی نسبت ان کی جانب اوّلاً عنانِ تحریر کا رُخ موڑنا زیادہ مفید اور عمومی نفع کا حامل معلوم ہوا۔

اہل بیت کی حیات و خدمات پر مشتمل تحقیقی منصوبہ

اہل بیت سے متعلق ہمارا منصوبہ و خیال ہے کہ اسے ضخیم مجلدات میں یوں ترتیب دیا جائے:

۱۔ محمد رسول اللہ ﷺ (سیرت نبوی پر کالج و یونیورسٹی کی علمی سطح کے پیش نظر معتبر و محقق روایات کے تناظر میں جدید تحقیقی لوازمات سے ہم آہنگ ایک ضخیم جلد کی تالیف، جس میں تاریخِ اسلام کے بجائے خالص مضامین سیرتِ نبوی موجود ہوں۔)

۲۔ مولیٰ علی مرتضیٰ تا امام عالی مقام حسین (کتبِ اَحادیث کی روشنی میں مستند و منقح مناقب و سوانح)

۳۔ امام زین العابدین تا امام جعفر صادق (ائمہ جرح و تعدیل اور معتبر مؤرخین کی کتب سے ماخوذ)

۴۔ امام موسیٰ کاظم تا امام حسن عسکری (۔۔۔۔ایضاً۔کتاب ہذا)

۵۔ نسائیات اہل بیت (اَزواج مطہرات، بناتِ رسول، سیّدہ زینب، سیّدہ سکینہ اور سیّدہ نفیسہ وغیرہ کی تحقیقی سوانح)

۶۔ افکارِ اہل بیت (سیاسی، معاشرتی اور قرنِ اوّل و ثانی میں تعمیر و نظم اُمت کے اَساسی مبادیات و مظاہر)

چھ مجلدات پر مشتمل افراط و تفریط اور مسلکی ابحاث سے بالاتر تحقیقی نوعیت کا یہ منصوبہ ایک خواب ہے، جسے شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے لمحاتِ زندگی اور وسائل کی فراوانی محض فضلِ ایزدی سے ہی ممکن ہے اور ہم بھی صرف اُسی کی بارگاہ سے توفیقات کے خواہاں ہیں۔ فی الحال اس خواب کی پہلی تعبیر تالیفِ ہذا کی صورت میں اُجاگر ہو رہی ہے اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے متعلق مجلد زیرِ تالیف ہے، جبکہ ان میں سے کسی کے بارے میں بھی تکمیل و طباعت کی نہ تو کوئی حدبندی و مدت معلوم اور نہ کوئی حتمی منزل و اختتامِ سفر کی نوید حاشیۂ خیال میں ہے، فافہم۔

پہلا باب

تَذْكِرَةُ الْكَاظِمْ لِرَاحَةِ أَبِي الْقَاسِمْ ﷺ

امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

(ولادت ۱۲۸ھ / وفات ۱۸۳ھ)

تاریخ پیدائش اور مقام ولادت

آپ رضی اللہ عنہ علم وحکمت کے آفتاب سیّد الاولیاء جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سال کی تعیین پر تو اکثر علمائے رِجال اور مؤرخین کا اتفاق، البتہ دیگر اُمور اور جزوی تفصیلات میں اختلاف ہے۔ اس بحث کو اجمالی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ صحیح وسقیم کا فرق عیاں ہو سکے۔

(۱) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۴ ہجری / ۷۴۱ عیسوی میں ہوئی۔

(۲) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۷ ہجری / ۷۴۴ عیسوی میں ہوئی۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۸ ہجری / ۷۴۵ عیسوی میں ہوئی۔

(۴) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۹ ہجری / ۷۴۶ عیسوی میں ہوئی۔

(۵) آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش "مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً" ہے۔

(۶) آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش مدینہ منورہ کا مضافاتی علاقہ "أبوَاء(Al-Abwa)" ہے۔

(۷) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا وقت "طلوع فجر" ہے۔

(۸) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا دن "منگل(Tuesday)" ہے۔

(۹) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا دن "اتوار(Sunday)" اور تاریخ ۷ صفر المظفر ہے۔

(۱) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۴ ہجری / ۷۴۱ عیسوی میں ہوئی

شیخ ولی الدین ابوزُرعہ عراقی "تحفة التحصیل" میں لکھتے ہیں: مولد موسی سنة أربع وعشرین (ومائة).[۱]

ائمہ میں سے دیگر کسی نے بھی اس قول سے استناد نہیں کیا، شاید اس باب میں یہ شاذ قول تھا؛ جسے کسی خارجی دلیل وقرینہ کی بنیاد پر امام عراقی نے اختیار فرمایا، لیکن جس مقام پر یہ قول درج ہے، وہیں ۱۲۸ھ کا قول بھی ذکر کیا گیا ہے جس سے مترشح ہے کہ انھوں نے صرف جمعِ اقوال پر توجہ فرمائی، لیکن ان کی باہم ترجیح پر زیادہ دِقت نظر سے کام لینے کے بجائے تاریخی شواہد کے حوالے کر دیا، لہٰذا اس قول کو مقدم ذکر کرنا اُن کے نزدیک اس کے راجح ہونے کو مستلزم نہیں۔

۱۔ تحفة التحصیل فی ذکر رُواة المراسیل ، للعراقي : الصفحة ۳۱۹ .

(۲) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۷ہجری / ۷۴۴عیسوی میں ہوئی

شہزادہ دارا شکوہ قادری "سفينة الأولياء" میں لکھتے ہیں: آپ کی پیدائش ۱۲۷ھ میں ہوئی۔ (۲)

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۸ہجری / ۷۴۵عیسوی میں ہوئی

جمہور علمائے سیرت و تاریخ اور تقریباً تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی پیدائش کا سال ۱۲۸ھ ہے۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف چند اقوال پیش ہیں۔ شیخ مزّی "تهذيب الكمال"، شیخ ذہبی "تاريخ الإسلام"، ابن حجر عسقلانی "تهذيب التهذيب" اور شیخ عبد الوہاب شعرانی "الطبقات الكبرى" میں لکھتے ہیں:

إنّه ولد بالمدينة في سنة ثمان وعشرين ومائة . (۳)

متذکرہ بالا اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۸ھ میں ہوئی۔اس ضمن میں کچھ علمائے کرام کے اقوال ایسے بھی ہیں جس میں انھوں نے ۱۲۸ھ، اور ۱۲۹ھ دونوں ہی کو بغیر کسی ترجیح کے نقل کیا ہے، لہٰذا اُن میں سے چند ملاحظ فرمائیں، شیخ ابو بکر احمد المعروف خطیب بغدادی "تاريخ بغداد" میں لکھتے ہیں:

انه ولد بالمدينة في سنة ثمان وعشرين و قيل : سنة تسع وعشرين ومائة. (۴)

شیخ ابن جوزی "صفوة الصفوة"، حافظ ابن کثیر "البداية والنهاية" اور شیخ تغری بردی "النجوم الزاهرة" میں لکھتے ہیں:

ولد موسى بن جعفر عليه‌السلام بالمدينة في سنة ثمان وعشرين ، وقيل : تسع وعشرين . (۵)

۲۔ **سفينة الأولياء** ، للشيخ دارا شِكوه القادرى : الصفحة ٤١ .

۳۔ **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ٢٩/ ٤٤ ، الرقم ٦٢٤٧ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٤/ ١٧٣ . **تاريخ الاسلام** ، للذهبي ، ١٢/ ٤١٧ ، الرقم ٣٧٢ . **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٩/ ١٣٣ ، الرقم ٦٩٩٧. **الطبقات الكبرى** ، للشعراني ، ١/ ٧٢ ، الرقم ٥٨ .

۴۔ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ١٥/ ١٤ ، الرقم ٦٩٣٩.

۵۔ **صفوة الصفوة** ، للابن الجوزي ، ٢/ ١٨٧ ، الرقم ١٩١ . **البداية والنهاية** ، للابن كثير الدمشقي ، ١٣/ ٦٢٣ . **النجوم الزاهرة** ، للابن تغري بردي ،٢/ ١٤٢.

(۴) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۹ہجری / ۷۴۶عیسوی میں ہوئی

شیخ عماد الدین ابو الفداء "المختصر في أخبار البشر" **اور شیخ ابو العباس ابن خلکان** "وفيات الأعيان" **میں لکھتے ہیں:**

ولد موسى المذكور في سنة تسع وعشرين ومائة .(۶)

(۵) آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش "مدینہ منورہ زادها الله شرفاً وتعظيماً **ہے**

شیخ مزّی "تهذيب الكمال"، **شیخ خطیب بغدادی** "تاريخ بغداد"، **شیخ ابن جوزی** "صفوة الصفوة"، **شیخ ذہبی** "سير أعلام النبلاء" **اور حافظ عسقلانی** "تهذيب التهذيب" **میں ذکر کرتے ہیں:**

سیّدنا موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی پیدائش "**مدینہ منورہ**" میں ہوئی۔(۷)

(۶) آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش مدینہ منورہ کا مضافاتی مقام "أَبوَاء(Al-Abwa)"(۸) **ہے**

تاریخی ذخیرے میں اس قول کی بابت کسی بھی جلیل الشان محقق ومؤرخ نے کوئی صراحت پیش نہیں کی، لیکن بعض حضرات کے یہاں اس قول کو بھی پسندیدگی حاصل ہے جس کی وجہ سے انھوں نے اس مقام کا ذکر خاص طور پر فرمایا ہے، اگرچہ اس معاملے سے اعتقادی طور پر تو کوئی دشواری پیش نہیں آتی، لیکن تاریخی حقائق میں جہاں آپ کے بارے میں دیگر اُمور زیب قرطاس ہوئے، وہیں اس اَمر کو عمداً چھوڑے جانے کی بھی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

جبکہ اس مقام پر پیدائش کا ذکر ہمیں اہل تشیع کے یہاں لکھی جانے والی کتب میں بطور خاص نظر آتا ہے، اس سے گمان گزرتا ہے کہ شاید انھیں سے نقل ہو کر یہ قول متأخرین کی چند کتب میں بھی ذکر ہوا، کیونکہ ائمہ اہل بیت پر اہل

۶۔ **المختصر في اخبار البشر** ، للشيخ عماد الدين أبي الفداء، ذكر خلافة الرشيد ، ۲/ ۱٦. **وفيات الاعيان** ، للابن خلكان، ٥/ ۳۱۰.

۷۔ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٦/ ۲۷۰ ، الرقم ۱۱۸ . بقیہ کی تخریج ماقبل گزر چکی۔

۸۔ یہ علاقہ حرمین شریفین کے درمیان واقع ہے، چنانچہ جب مکہ مکرمہ سے ساحلی راستہ اختیار کرتے ہوئے مدینہ منورہ کی جانب سفر کریں، تو موجودہ کنگ عبد اللہ انڈسٹریل سٹی سے گزرتے ہوئے شہر رابغ (Rabigh) کے بعد ابواء آتا ہے اور مکہ مکرمہ سے اس مقام کی مسافت تقریباً ۲۶۰ کلومیٹر ہے اور پھر یہاں سے آگے مدینہ منورہ کی مسافت تقریباً ۲۲۲ کلومیٹر ہے، اسی تناظر میں اسے قدیم جغرافیائی لحاظ سے مدینہ منورہ کا مضافات کہا جاتا تھا، نیز یہاں کے بیشتر قبائل مدینہ منورہ کے سرداروں کے زیر اثر تھے۔ واللہ اعلم۔ اسی مقام پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیّدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اور یہیں مدفون ہوئیں۔ نیز اسلام کا اوّلین غزوہ جسے غزوہ ابواء / غزوہ وَدَّان بھی کہتے ہیں، اسی مقام سے تعلق رکھتا ہے۔

سنت کے عمومی مصادر میں مواد کی دستیابی سہل الوصول نہیں، لہٰذا تذکرہ نگاروں کو جمع مواد کی نکتہ آفرینی شاید اس قول کی جانب راغب کر گئی اور انھوں نے اسے اعتقادی اُمور میں سے نہ گردانتے ہوئے تحقیق کے بجائے یوں ہی نقل کر دیا، اور نقل دَر نقل کا تسلسل جاری رہا، چنانچہ مولانا جامی "شواهد النبوة"، داراشکوہ قادری "سفينة الأولياء"، شیخ دیار بکری "تاريخ الخميس"، شیخ عصامی "سمط النجوم والعوالي"، شیخ مؤمن شبلنجی "نور الأبصار" اور شیخ خیر الدین زرکلی "الأعلام" میں لکھتے ہیں: ولد بالأبواء بين مكة والمدينة ...إلخ .[9]

(۷/۸) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا وقت "صبح صادق (فجر)" اور آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا دن "منگل" ہے

ان دونوں عنوانات پر ہمیں تاریخ کا صرف ایک حوالہ میسر آیا، جس سے سوانح کے پہلو میں قدرے اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ شیخ ابن خلکان "وفيات الأعيان" میں لکھتے ہیں: وكانت ولادته يوم الثلاثاء قبل طلوع الفجر.[10]

(۹) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا دن "اتوار" اور تاریخ "۷ صفر المظفر" ہے

شہزادہ داراشکوہ قادری "سفينة الأولياء" میں لکھتے ہیں:

آپ کی پیدائش روز یک شنبہ (اتوار)، ۷ صفر المظفر ۱۲۷ھ کو مقام اَبواء میں ہوئی۔[11]

متذکرہ اَقوال کا بغور مطالعہ کرنے اور حقائق و قرائن کی دلالتوں پر غور پر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۲۸ ہجری میں ہوئی اور اسی پر بکثرت ائمہ ومورخین کا اتفاق ہے، لیکن ائمہ میں سے کسی نے بھی مہینہ کا ذکر نہیں کیا، لہٰذا اس بارے میں کوئی رائے پیش نہیں کی جاسکتی۔

۹۔ **شواهد النبوة**، للجامی، الصفحة ۱۹۲، في اللغة الفارسية. **سفينة الأولياء**، للشيخ دارا شكوه القادري، الصفحة ٤١. **سمط النجوم والعوالي**، للعصامي المكي، ٤/ ١٤٣، ذكر نسب الطالبيين. **نور الأبصار**، للشبلنجي، الصفحة ٢٠٣، فصل في مناقب موسى الكاظم. **الأعلام**، للزركلي، ٧/ ٣٢١. **تاريخ الخميس**، للدياربكري، ٢/ ٢٨٧.

۱۰۔ **وفيات الاعيان وأنباءُ أبناءِ الزمان**، للابن خلكان، ٥/ ٣١٠.

۱۱۔ **سفينة الأولياء**، للشيخ دارا شكوه القادري، الصفحة ٤١.

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ پیدائش، طائرانہ جائزہ

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	مقام	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
ابو بکر خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد	مدینہ	—	—	—	۱۲۸ھ	جزماً
ابو بکر خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد	=	—	—	—	۱۲۹ھ	احتمالاً
عبد الرحمن ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ	المنتظم / صفوۃ	=	—	—	—	۱۲۸ھ	جزماً
عبد الرحمن ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ	المنتظم / صفوۃ	=	—	—	—	۱۲۹ھ	احتمالاً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	=	منگل	—	—	=	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	=	—	—	—	۱۲۸ھ	نقلاً
عماد الدین ابو الفداء، متوفی ۷۳۲ھ	المختصر فی اخبار البشر	—	—	—	—	۱۲۹ھ	جزماً
جمال الدین مزی، متوفی ۷۴۲ھ	تہذیب الکمال	مدینہ	—	—	—	۱۲۸ھ	نقلاً
شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	سیر اعلام النبلاء	=	—	—	—	=	نقلاً
ابن کثیر دمشقی، متوفی ۷۷۴ھ	البدایہ والنہایہ	—	—	—	—	=	جزماً
ابن کثیر دمشقی، متوفی ۷۷۴ھ	البدایہ والنہایہ	—	—	—	—	۱۲۹ھ	احتمالاً
ولی الدین ابو زرعہ عراقی، متوفی ۸۲۶ھ	تحفۃ التحصیل	—	—	—	—	۱۲۴ھ	جزماً
ولی الدین ابو زرعہ عراقی، متوفی ۸۲۶ھ	تحفۃ التحصیل	—	—	—	—	۱۲۸ھ	نقلاً
ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ	تہذیب التہذیب	مدینہ		—	—	=	نقلاً
یوسف بن تغری بردی، متوفی ۸۷۴ھ	النجوم الزاہرۃ	=	—	—	—	=	جزماً
یوسف بن تغری بردی، متوفی ۸۷۴ھ	النجوم الزاہرۃ	=	—	—	—	۱۲۹ھ	احتمالاً
عبد الرحمن جامی، متوفی ۸۹۸ھ	شواہد النبوۃ	ابواء	اتوار	۷	صفر	۱۲۸ھ	جزماً
قاضی علیمی مقدسی حنبلی، متوفی ۹۲۷ھ	التاریخ المعتبر	مدینہ	منگل	—	—	۱۲۹ھ	جزماً
قاضی علیمی مقدسی حنبلی، متوفی ۹۲۷ھ	التاریخ المعتبر	=	—	—	—	۱۲۸ھ	احتمالاً
احمد بن یوسف قرمانی، متوفی ۱۰۱۹ھ	اخبار الدول	ابواء	—	—	—	=	جزماً
شہزادہ دارا شکوہ قادری، متوفی ۱۰۶۹ھ	سفینۃ الاولیاء	=	اتوار	۷	صفر	۱۲۷ھ	جزماً

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے اَلقاب

آپ رضی اللہ عنہ کی ذات ہمہ جہت شخصیت کی حامل تھی، زندگی کی مشکلات میں صبر واستقلال، جفاء وستم پر خندہ پیشانی کا مظاہرہ اور اپنے وبیگانوں پر یکساں کرم نوازیاں آپ رضی اللہ عنہ کا خاص امتیاز اور خاندانی وطیرہ تھا۔ اسی لیے ان عناصر واخلاق کا ظہوراور شخصیت پر اس کے اثرات کا ظاہر ہونا بھی ایک فطری اَمر تھا، پس خاندانی اَوصاف اور قدرت کے وَدِیعت کردہ اَخلاقِ حسنہ کی تابانیاں آپ رضی اللہ عنہ کی عملی زندگی کے ہر زاویے میں دکھائی دیتی ہیں۔ جس طرح کوئی شخص اَن گنت محاسن رکھنے کے باوجود کسی ایک وصف میں زیادہ معروف وممتاز ہوتا ہے اور دنیا اُسی وصف کا زیادہ ذکر کرتی ہے، اُسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کی ذات میں بھی اَخلاق نبوی کے بے شمار محاسن تھے، لیکن آپ کا ذوق عبادت اور متحمل مزاج وبُردبار ہونا خلق خدا کی زبان پر عام تھا۔

عبادت کا ذوق جو کسی بھی کامل اور محبت الٰہی سے سرشار فرد کے لیے لازمی وضروری ہے کہ اس کے بغیر منازل عشق وقرب کو طے کرنا ممکن نہیں، وہ ذوق آپ رضی اللہ عنہ کی ذات میں اس قدر راسخ تھا کہ اس کے آثار ہر لمحہ، ہر آن، آپ میں نظر آتے، آپ رضی اللہ عنہ کی عبادتِ خداوندی سے محبت نے لوگوں کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ آپ کو "عبد صالح" یعنی نیک وعبادت گزار کے لقب سے یاد کرتے تھے، حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی دورِ نبوی سے مستفید کرنیں آب وتاب کے ساتھ روشن تھیں، صحابہ کرام کو دیکھنے اوراُن سے فیض یاب ہونے والوں کی ہستیاں بھی رونق افروز تھیں، ذوق عبادت، جذبہ عشق، آہِ سحر گاہی ایسی نعمتیں سینوں اور سفینوں میں موجزن تھیں، لیکن ایسے ماحول اور ایسی شخصیات میں بھی دنیاوالوں کا آپ کو "عبد صالح" کہہ کر یاد کرنا اور پکارنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اہل بیت پر نسبت کی سعادت کے ساتھ ساتھ اُمت کی قیادت، ہدایت اور تربیت کی بھاری ذمہ داریاں بھی عائد کی گئیں، جنھیں یہ حضرات بخوبی نبھاتے رہے۔ چونکہ ہدایت کے لیے سراپاہدایت بنناضروری ہے، اسی لیے یہ منابع ہدایت اپنی ذات کو محنت ومشقت کی صعوبتوں سے ایسامثالی بناتے تاکہ خلق خدا کو بارگاہ ربّ العزت سے مربوط کرنے کے لیے مؤثر کردار اداکرسکیں، نیز ان کے جد امجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے کہ سراپا ہدایت ورحمت ہونے کے باوجود بھی عبادت میں کمال مشقت برداشت فرمائی، اگرچہ حسن اخلاق کے مراتب عالیہ انھیں کے دم قدم سے دنیاوالوں نے جانے، لیکن اس کے باوجود تمام حیات خود بھی اخلاق حسنہ پر عمل فرماتے رہے اور مخلوق کو بھی اس کی تلقین کرتے رہے، یہی وصف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کا بھی شعار رہا کہ

صرف نسبت وخاندانی وجاہت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جہد مسلسل اور زُہد وتقویٰ پر عمل کرتے رہے حتیٰ کہ خالق ومخلوق دونوں کے محبوب بنے، بہر حال آپ کا وصفِ عبادت مشہور تھا اور یہی لقب شمار کیا جانے لگا۔

امام مزی "تہذیب الکمال" **میں لکھتے ہیں:**

كان موسى بن جعفر يدعى العبد الصالح من عبادته واجتهاده.(۱۲)

ترجمہ: موسیٰ بن جعفر کو ان کے زُہد وعبادت کی وجہ سے "عبد صالح" کہا جاتا تھا۔

شیخ ذہبی "تاريخ الإسلام" **میں لکھتے ہیں:**

قال النسابة يحيى بن جعفر العلوي المدني ، وكان موجوداً بعد الثلاثمائة:
كان موسى يدعى العبد الصالح من عبادته واجتهاده .(۱۳)

ترجمہ: ماہر اَنساب یحییٰ بن جعفر علوی مدنی نے کہا: موسیٰ (کاظم) کو ان کے زُہد و عبادت کی وجہ سے "عبد صالح" کہا جاتا تھا۔

خواجہ محمد پارسا نقشبندی "فصل الخطاب" **میں لکھتے ہیں:**

و كان رضي الله عنه صَالحاً عَابِداً جَوَّاداً حَلِيْماً كَبِيْرَ الْقَدْرِ كان يدعى بالعبد الصالح من عبادته و اجتهاده .(۱۴)

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ نیک، عبادت گزار، سخی، بُردبار اور بڑی شان والے تھے، آپ کو زُہد وعبادت کی کثرت کی وجہ سے "عبد صالح" کہا جاتا تھا۔

شیخ عبد الوہاب شعرانی "الطبقات الكبرى" **میں لکھتے ہیں:**

وكان يكنى بالعبد الصالح لكثرة عبادته واجتهاده وقيامه بالليل.(۱۵)

۱۲۔ **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ۲۹/ ٤٤ .

۱۳۔ **تاريخ الاسلام** ، للذهبي ، ۱۲/ ٤١٨ .

۱۴۔ **فصل الخطاب بوصل الأحباب** ، للشيخ محمد بارسا ، الصفحة ٤٣٠ .

ترجمہ: زُہد وعبادت کی کثرت اور راتوں کو قیام کی وجہ سے آپ کو عبد صالح کہا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ امام ابو نعیم نے "ذکر أخبار إصبهان "میں آپ کے شہزادے سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ سے سفر نیشاپور کی روایت نقل کی، پس اُس میں انھوں نے اپنے والد گرامی کو "العدل الصالح" سے موسوم کیا ہے [16]، یہ روایت آئندہ باب کے متعلقہ مقام پر آرہی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان "میں "الطیِّب "اور "المأمون "کو بھی آپ رضی اللہ عنہ کے القاب میں درج کیا ہے [17]۔ واللہ اعلم

شہرۂ آفاق لقب "اَلْکَاظِمْ"

آپ کا لقب عبد صالح تو زیادہ تر اُس زمانے میں زبان زَد عام رہا، یا پھر ائمہ کرام کی تصانیف وتراجم میں نقل ہوتا رہا، لیکن ایک لقب اور وصف ایسا بھی ہے جو آج بھی ہر خاص وعام کی زبان پر ہے، بلکہ اس لقب کو ایسا دوام ملا کہ اَب اس کے ذکر کے بغیر آپ کا اسم گرامی لیا ہی نہیں جاتا، لہٰذا آج اگر عوام الناس کے سامنے کوئی شخص کہے: موسی بن جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا، تو اہل علم کے علاوہ شاید ہی کسی کا ذہن آپ کی جانب متوجہ ہو، لیکن اگر کہا جائے کہ موسی کاظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تو ہر خاص وعام بلا کسی تردّد کے جان لے گا کہ اس سے مراد کون ہے۔

بہر حال آپ کا لقب مبارک "الکاظم "معروف ہے اور یہ دراصل قرآن مجید میں متقین کی صفات میں ذکر ہونے والا ایک وصف اور کلمہ ہے کہ جب لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے اندر اس وصف کی کیفیات ملاحظہ کیں، تو اُن کے دِلوں نے خود اس بات کی تصدیق کی کہ اس زمانے میں آپ کی ذات اس لقب کی زیادہ حق دار ہے، پھر یہی بات دلوں سے نکل کر زبانوں پہ آکر شہادت بن گئی جسے آج تک دوہرایا جارہا ہے۔ اللہ تعالی جل جلالہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

۱۵۔ **الطبقات الكبرى**، للشعراني، الصفحة ۷۲، الرقم ۵۸.

۱۶۔ **ذكر أخبار إصبهان**، للامام أبي نعيم الإصبهاني، ۱/ ۱۳۸، تحت الترجمة؛ أحمد بن علي الأنصاري.

۱۷۔ **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۱۳/ ۵٤.

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.[۱۸]

ترجمہ: اور جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگ دستی میں اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو، اور دَر گزر کرنے والے ہیں لوگوں سے۔ اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

آیت قرآنی میں اس مقام پر اللہ تعالی جَلَّجَلَالُہٗ نے متقین بندوں کی چند صفات ذکر فرمائی ہیں؛ ان میں سے ایک اہم صفت غصے کو پی جانا ہے یعنی جس وقت کسی سبب سے غصے آجائے اور ایسے جنون کے عالم میں جو اپنے غصے کو دبالے اور اس کا اظہار نہ کرے وہ اللہ تعالی جَلَّجَلَالُہٗ کے یہاں متقین کی صفات والا شمار ہوتا ہے، اسی آیت میں اگلی صفت در گزر کرنے کی ہے، جس کا مطلب بدلے کی قدرت اور طاقت کے باوجود بھی انسان در گزر سے کام لے اور غلطی کرنے والے کو معاف کردے، یہ متقین کی تیسری صفت ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ سب سے بلند درجہ ہے۔ پس امام موسی کاظم کو اللہ تعالی جَلَّجَلَالُہٗ نے آیت میں مذکور تینوں صفات میں سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، ان صفات کے مظاہر اور واقعات میں سے کچھ کا ذکر آئندہ آنے والے عناوین میں کریں گے، لہٰذا یہاں صرف یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس لقب کاظم کو آپ کے لیے کیوں استعمال کیا گیا تو اس بارے میں اہل علم کی چند آراء درج ذیل ہیں۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ اَزہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کَظَمَ بھری ہوئی مشک کے منہ باندھنے کو کہتے ہیں، بعض اوقات ایسی ناپسندیدہ حرکات اور ضرر رساں اُمور رونما ہوتے ہیں جن سے انسان برانگیختہ ہو جاتا ہے اور جذبہ انتقام سے اس کا دل لبریز ہو جاتا ہے، ایسے حال میں اپنے غصے کو پی جانا بیشک بڑی ہمت کا کام ہے۔[۱۹]

۱۸۔ القرآن الكريم ، سورة آل عمران ، ٣/ ١٣٤ .

۱۹۔ تفسير ضياء القرآن ، للشيخ محمد كرم شاه الازهري ، ١/ ٢٧٦ .

یعنی جس طرح مشک بھر جانے کے بعد پانی کو گرنے اور چھلکنے سے روکنے کے لیے اس کے منہ باندھنے کے عمل کو "کَظَمَ" کہتے ہیں، اسی طرح جب غصے کی شدت وانتقام کا جوش برانگیختہ ہو چکا ہو ایسے میں اپنے نفس پر قابو پا کر سامنے والے کو معاف کر دینا، "کَظَمَ" ہے اور جو غصہ کو پی جائے، اُسے "کاظم" کہتے ہیں۔

شیخ عماد الدین ابو الفداء "المختصر في أخبار البشر" میں لکھتے ہیں:

وكان يلقب الكاظم: لأنه كان يحسن إلى من يسيء إليه.[٢٠]

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ کو کاظم اس لیے کہا جاتا تھا کیونکہ آپ بُرائی سے پیش آنے والوں کے ساتھ بھی بھلائی سے ہی پیش آیا کرتے تھے۔

شیخ ابن حجر مکی ہیثمی شافعی قادری "الصواعق المحرقة" میں لکھتے ہیں:

سمي الكاظم لكثرة تجاوزه وحلمه.[٢١]

ترجمہ: آپ کو بکثرت درگزر کرنے اور بُردبار ہونے کی وجہ سے کاظم کہا جاتا تھا۔

لقب کاظم کی ایک وجہ تو آیت کی تفسیر اور ائمہ کے اقوال سے واضح ہو گئی، لیکن اسی لقب کی دوسری وجہ بھی ذکر کی گئی ہے، چنانچہ شیخ یوسف بن تغری بردی "النجوم الزاهرة" میں لکھتے ہیں:

كان موسى المذكور يدعى بالعبد الصالح لعبادته، وبالكاظم لعلمه.[٢٢]

ترجمہ: موسیٰ (بن جعفر) کو عبادت کی وجہ سے عبد صالح اور وُفور علم کی وجہ سے کاظم کہا جاتا تھا۔

یعنی آپ کو علم کی فراوانی و کثرت کے سبب "کاظم" کہا جاتا تھا، اگرچہ اس وجہ کو لغوی اعتبار سے تو "کَظَمَ" سے مناسبت ہے، جیسا کہ ما قبل گزرا، لیکن ہمیں تاریخی شواہد میں اس مناسبت کی کوئی تائید نہیں مل سکی۔

٢٠۔ **المختصر في أخبار البشر**، للشيخ عماد الدين أبي الفداء، ذكر خلافة الرشيد، ٢/ ١٥.

٢١۔ **الصواعق المحرقة**، للابن حجر المكي، الصفحة ٥٥٣.

٢٢۔ **النجوم الزاهرة**، للابن تغري بردي، ٢/ ١٤٢، السنة ١٨٣.

البتہ وُفور علم کا آپ کی ذات میں موجود ہونا ایک یقینی اَمر ہے جس پر بہت سے قرائن اور واقعات دلالت کرتے ہیں۔ فقہائے امت کے سردار سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ جن کی ذات سے اُمت مسلمہ کو علوم کے چراغ نصیب ہوئے، جن کی بدولت اَسرار مکنون کے پردے اُٹھے، اس جلیل القدر امام کے لخت جگر اور وارثِ علوم نبویہ کی حیثیت سے آپ کی ذات میں وفور علم کا تاباں ہونا معقول ہے، لیکن اس بنیاد پر آپ کو "کاظم" سے پکارا جانا معروف ومشہور نہیں ہو سکا۔ ہمارے نزدیک درست بات وہی ہے کہ آپ کو کاظم کہنے کی وجہ غصے کو پی جانا اور دشمنوں کو معاف کر دینا ہے، نیز اس پر بہت سے واقعات بھی دلالت کرتے ہیں، اور یہی سبب اہل علم کے یہاں کتب میں تواتر سے نقل ہوتا رہا، البتہ آپ رضی اللہ عنہ کے دادا سیّدنا محمد باقر رضی اللہ عنہ کو اُن کے علم کی فراوانی کی وجہ سے "باقر" کہا جاتا ہے، تو ممکن ہے کہ شیخ تغری بردی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کلمہ سے اشتباہ پیدا ہوا، یا پھر کتابت کی غلطی سے ایسا لکھا گیا۔

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی کنیت

امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی کنیت کے بارے میں زیادہ معروف دو قول ہیں، جبکہ دیگر شیعی اور بعض سوانحی کتب میں اس سے زیادہ اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں، ہم طوالت کے پیش نظر صرف چند کا ذکر کریں گے۔

(ا) ابوالحسن

آپ رضی اللہ عنہ کی یہ کنیت نہایت مشہور اور کتب میں درج ہے، نیز اہل سنت کے جس بھی امام نے آپ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ زیب قرطاس کیا تو انھوں نے اسی کنیت کو استعمال کرتے ہوئے عنوان ترتیب دیا ہے، لہٰذا علمائے اسلام کے کثرت سے استعمال کرنے اور قرائن وشواہد جو کہ واقعات میں مذکور ہیں، اُن کے دلالت کرنے کی بنیاد پر یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابوالحسن" تھی۔ ہم ذیل میں اُن ائمہ کے اسمائے گرامی مع کتب کا صرف اشارہ تحریر کر رہے ہیں جنھوں نے آپ کی کنیت "ابوالحسن" کو ذکر کیا ہے۔

چنانچہ امام خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد"، علامہ زمخشری نے "ربیع الأبرار"، شیخ ابن جوزی نے "صفوۃ الصفوۃ"، شیخ ابن خلکان نے "وفیات الأعیان"، شیخ صفی الدین خزرجی نے "خلاصۃ تذهیب تهذیب الکمال"، امام

ذہبی نے "سير أعلام النبلاء" اور "تاريخ الإسلام" جبکہ حافظ عسقلانی نے "تهذيب التهذيب" میں آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابوالحسن" ذکر کی ہے۔[۲۳]

(۲) ابو اِبراہیم

آپ رضی اللہ عنہ کی اس کنیت کو اہلسنّت میں سے خواجہ محمد پارسانے "فصل الخطاب"، شہزادہ داراشکوہ نے "سفينة الأولياء" اور شیخ عصامی نے "سمط النجوم" میں بیان کیا ہے۔

(۳) ابو علی، ابو اِسماعیل اور ابو اِسحاق

ان کا ذکر عام مصادرِ تاریخ و سیرت میں تو نہیں، البتہ اہل تشیع کے یہاں عمومی طور پر کیا جاتا ہے، چنانچہ شیخ محمد آل یاسین نے "الإمام موسى بن جعفر"[۲۴] میں اہل تشیع کی معتبر کتب مثلاً "الارشاد، تہذیب طوسی، مناقب شہر آشوب، بحارالانوار" وغیرہ سے تحقیق کے ساتھ انھیں نقل کیا، لیکن مجموعی طور پر اہل تشیع کی کتب میں بھی "ابوالحسن" کو ہی ترجیح دی گئی ہے، البتہ مؤخر الذکر کو شیخ عصامی نے "سمط النجوم" میں بھی بیان کیا ہے۔

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کا حلیہ مبارک

امام کاظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارے منتہی مصادر و مراجع زیادہ تر خاموش ہیں، اور جو تھوڑی بہت معلومات موجود، وہ اس قدر نہیں کہ ان کی روشنی میں آپ رضی اللہ عنہ کی حیات پر مکمل و جامع گفتگو کی جاسکے، اسی لیے کئی پہلو ایسے تشنہ ہیں کہ اُن سے نقاب کشائی ممکن نہیں، انھیں میں سے ایک آپ رضی اللہ عنہ کا حلیہ مبارک بھی ہے، اس پر ہماری معلومات کے مطابق کسی بھی امام نے تفصیلی تو دَر کنار جُزوی کلام بھی نہیں کیا، لہٰذا اس بارے میں کسی حتمی رائے پر پہنچنا دشوار ہے، ہاں متاخرین میں سے بعض نے بغیر حوالہ کچھ بیان کیا ہے، مثلاً شیخ قرمانی "أخبار الدُّول" میں کہتے ہیں:

"وكان أسمر اللون"[۲۵]۔ یعنی: آپ گندمی رنگت کے حامل تھے۔ (واللہ اعلم)

۲۳۔ ان تمام مصادر کی تخریج مع تفصیلات ما قبل کئی مرتبہ مذکور ہو چکی، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۴۔ **الامام موسى بن جعفر**، للشخ آل ياسين، الصفحة ١٦.

۲۵۔ **أخبار الدول وآثار الأول في التاريخ**، للقرماني، ١/ ٣٣٧.

عام طور پر مشاہدے میں آیا کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں معروف ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سیاہی مائل رنگت کے حامل تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے امام رِضا رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی تھے، پس جہاں تک امام رِضا رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو ہم نے اُن کی سیرت پر لکھی گئی تفصیلی کتاب جو اَب تنقیح و اضافہ جات کی صورت آئندہ باب میں سمٹ گئی ہے اُس میں صریح دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ اُن کی رنگت کے سیاہی مائل ہونے پر کئی ائمہ اور خود اُن کے اپنے اقوال بھی موجود ہیں، لہٰذا اُن کی رنگت کو تو کہا جا سکتا ہے، لیکن امام کاظم رضی اللہ عنہ کی رنگت کے بارے میں بالعموم کوئی خارجی و داخلی شہادت موجود نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ سیاہی مائل تھے، اس لیے بیٹے کی رنگت سے والد کی رنگت پر مخالف استدلال کرنا دُرست نہیں، نیز ابھی امام رِضا رضی اللہ عنہ پر بھی دستیاب مواد نامکمل ہے، تو عین ممکن ہے کہ مزید کسی قدیم مواد کی معرفت اس بارے میں بھی اَثر انداز ہو جائے، بہر کیف امام کاظم رضی اللہ عنہ کی رنگت کے بارے میں سیاہی مائل ہونے کا عام تاثر تو ہے ہی، تاہم خواجہ محمد پارسا نے "فصل الخطاب" میں اسی کو ذکر کیا ہے، لیکن ہمیں نا صرف اختلاف بلکہ اسے تسلیم کرنے سے بھی انکار ہے، کیونکہ خواجہ پارسا کی یہ بات ایک تو بلا حوالہ درج ہے اور دوسرا یہ کہ آپ امام کاظم رضی اللہ عنہ کے صدیوں بعد پیدا ہوئے، لہٰذا آپ نے نہ تو اُن کی زیارت کی اور نہ ہی کسی زیارت کرنے والے کا قول نقل کیا۔ اس لیے اس طرح کے قول کو بس ایک قول کی حد تک ہی رکھا جائے گا، البتہ ہمیں جس چیز نے اس بات سے انکار کرنے پر برانگیختہ کیا، وہ دَراصل ایسا قول ہے جو خود امام کاظم رضی اللہ عنہ کی زیارت کرنے والے کا ہے، لہٰذا علمی و عقلی لحاظ سے اسے ہی تقویت و فوقیت حاصل ہو گی، چنانچہ معروف عابد و زاہد، صوفیائے کرام کے سرخیل شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ(۲۶) سے حکایت منقول ہے، جسے ہم نے کتاب ہذا میں مع متن درج کر دیا ہے، اس میں واضح الفاظ موجود ہیں کہ آپ نے امام کاظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور اُن کے حلیہ کی کیفیت کو یوں بیان کیا:

۲۶۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ابو علی شقیق بن ابراہیم ازدی بلخی خراسانی ہے، آپ خراسان کے مقام بلخ کے رہنے والے تھے، آپ نے مشہور صوفی و تارک سلطنت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ کی صحبت اختیار کی، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کثیر حضرات نے علم و معرفت میں استفادہ کیا، آپ نے غزوہ کولان، ترکی میں ۱۹۴ھ میں جام شہادت نوش کیا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج۹، ص۳۱۳)، بعض اُردو کتب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام "شفیق" لکھا جاتا ہے جو غلط ہے، درست "شقیق" ہے یعنی "ف" کے بجائے "ق" ہے۔

نَظَرْتُ إِلَى فَتَى حَسَنِ الْوَجْهِ ، شَدِيْدِ السُّمْرَةِ .(۲۷)

ترجمہ: پس میں نے ایک خوبصورت، گندمی رنگت والے چہرے کا نوجوان دیکھا۔

اس میں شقیق بلخی نے آپ رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے جس میں چہرے کی خوبصورتی کو بیان کرنے کے بعد اس کی گندمی رنگت کو بھی امتیازی طور پر ذکر کیا ہے، جس سے صاف طور پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ گندمی یعنی سرخی مائل رنگت کا حامل تھا اور مردانہ وجاہت میں سرخی مائل خوبصورت چہرے کا پایا جانا قلیل ہے، تو معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی جانب سیاہی مائل ہونے کی بات غیر مستند ہے اور جن ائمہ نے اسے نقل کیا، انھیں سہو ہو گیا، یا پھر انھوں نے اس معاملے میں زیادہ تحقیق نہیں کی۔ فافہم

اگرچہ ہمارے ممدوح و سردار امام کاظم رضی اللہ عنہ یا آپ کے خاندان والے اس بات کے محتاج نہیں ہیں کہ انھیں ظاہری خوبصورتی سے پرکھا جائے یا ان کی خوبیوں کو رنگتوں کے ترازو میں تولا جائے اور پھر کسی معیار تک پہنچا جائے، کیونکہ قدرت کی فیاضی اور نسبت رسول انھیں دنیا و مافیہا میں ایسا محترم مقام بخش چکی، جس پر قیامت تک کا حسن و جمال قربان کیا جا سکتا ہے، لیکن ہم نے اسکی وضاحت یوں ضروری جانی کہ غلط بات کو اُن کی جانب منسوب نہ ہونے دیا جائے۔

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کے والدین

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا بنایا ہوا قانون فطرت ہے کہ انسانی شخصیت کی تعمیر و ترقی میں بہت سے عوامل و عناصر کارفرما ہوتے ہیں جن کی بدولت کسی مرقع حسن کا وجود ترتیب پاتا اور اس کے محاسن آشکار ہوتے ہیں، ان عوامل میں کچھ کسبی اور کچھ وہبی ہوتے ہیں، پس جب دونوں طرح کے عوامل میں کاملیت و حسن پایا جائے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنی قدرت سے آنے والے میں کمال و نکھار پیدا فرما دیتا ہے، اس تناظر میں جب ہم امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہیں تو قدرت کی فیاضی اور رحمتوں کی فراوانی واضح نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے آپ رضی اللہ عنہ کو کسبی اور وہبی دونوں ہی جہتوں میں کمال بخشا، پس

۲۷۔ **مثير الغرام الساكن الى اشرف الاماكن** ، للجوزي ، ذكر طرف مستحن من اخبار الصالحين ، الصفحة ٤٠٢ . **صفوة الصفوة** ، للجوزي ، باب الطبقة السابعة من اهل المدينة ، ٢/ ١٨٥.١٨٧، رقم الترجمة ١٩١ . **المختار من مناقب الاخيار** ، للابن الاثير ، ٥/ ٧٦-٧٨ . **الكواكب الدرية في تراجم السادة الصوفية** ، للمناوي ، ١/ ٣٦٢ .

آپ کو ایسے خاندان میں پیدا کیا گیا جس کی اہمیت اور وجاہت صرف زمین والوں میں ہی محترم اور مقبول نہیں، بلکہ ارض وجہاں کی قید سے بلند ملائک بھی اس گھرانے کے مدح خواں تھے، جہاں ارض وسماء کی سرحدیں ختم ہو کر اپنی وسعتوں کے باوجود سمٹ جاتی ہیں؛یعنی سدرۃ المنتہیٰ،وہاں کے رہنے والے طائرِ سدرہ نشیں،اوراَربوں سالوں سے اَرض وسما کی سیر کرنے والے واقف اَسرار، سیّدنا جبرائیل علیہ السلام بھی اسی گھرانے کی شاں میں رطب اللسان تھے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرتبہ جبرائیل نے مجھے سے کہا:

يَا مُحَمَّدُ، قَلَّبْتُ الْأَرْضَ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، فَلَمْ أَجِدْ وَلَدَ أَبٍ خَيْرًا مِنْ بَنِي هَاشِمٍ . (۲۸)

ترجمہ: اے محمد! میں نے زمین کے مشرق ومغرب چھان ڈالے، لیکن میں نے ہاشم کی اولاد سے افضل کسی کی اولاد کو نہیں پایا۔

جبکہ امام طبرانی نے حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی حدیث ان الفاظ سے روایت کی؛ جسے پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے:

قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْأَرْضِ، وَمَغَارِبَهَا، فَلَمْ أَجِدْ رَجُلًا أَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ أَرَ بَيْتًا أَفْضَلَ مِنْ بَيْتِ بَنِي هَاشِمٍ . (۲۹)

ترجمہ: میں نے زمین کے مشرق ومغرب چھان ڈالے، لیکن مجھے نہ تو کوئی شخص محمد سے افضل ملا اور نہ میں نے بنوہاشم کے گھرانے سے افضل کسی کا گھر دیکھا۔

جبرائیل علیہ السلام جس خاندان اور گھرانے کی تعریف کر رہے ہیں، وہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھرانہ ہے اور اسی گھرانے کے چشم وچراغ امام کاظم رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ آپ بنوہاشم کے گھرانے کے فرد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل، مولائے کائنات سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور شہزادی کونین سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اَولاد میں سے ہیں، آپ کا سلسلہ نسب تک یوں ہے:

۲۸۔ **فضائل الصحابة**، للامام احمد، باب فضائل علي، الصفحة ٦٢٩، الرقم ١٠٧٣ .

۲۹۔ **المعجم الاوسط**، للطبراني، ٦/ ٢٣٨، الرقم ٦٢٨٥ .

موسی کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زَین العابدین علی بن سیّد الشہداء حسین بن مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

اور سیّدنا علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما کی اَولاد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اَولاد قرار دیا ہے، جیسا کہ متعدد و مشہور اَحادیث میں موجود ہے، چنانچہ امام طبرانی نقل فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِي صُلْبِهِ، وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى جَعَلَ ذُرِّيَّتِي فِي صُلْبِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ.[٣٠]

ترجمہ: اللہ عزوجل نے ہر نبی کی اَولاد کو اُسی کے صلب (پشت) سے پیدا کیا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے میری اَولاد کو علی بن ابو طالب کے صلب سے پیدا کیا ہے۔

تو اس طرح امام کاظم رضی اللہ عنہ کو زمین کے مقدس و محترم گھرانے کے فرد ہونے کی سعادت نصیب ہوئی، اور یہ کسبی سعادت نہیں، یعنی انسان خود کسی گھرانے کی اولاد میں سے نہیں ہو سکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ عزوجل جس شخص کو جس خاندان اور جس فرد کی اولاد میں پیدا فرمادے، یہ اُسی کا اختیار ہے۔

امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا نام "جعفر" اور کنیت "ابو عبد اللہ" شہرۂ آفاق لقب "صادق" رضی اللہ عنہ تھا، ان کا مختصر تذکرہ اساتذہ کے ضمن میں آرہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام اوّلین مصادر میں تو دستیاب نہیں ہو سکا، البتہ خواجہ محمد پارسا نے "فصل الخطاب"، شیخ قرمانی نے "أخبار الدول"، اور شہزادہ دارا شکوہ قادری نے "سفينة الأولياء" میں "حُمَيدَة" ذکر کیا اور تعلق "بربری" قوم سے بتایا ہے۔ شیخ سبط ابن الجوزی نے "مرآة الزمان" میں انھیں "اندلسی" اور ایک قول کے مطابق "بربری" باندی لکھا، البتہ نام حسب سابق ہی مذکور ہے اور جمہور کے بر خلاف تاریخ کے قدیم لیکن کمزور ماخذ "تاريخ اليعقوبي" میں ان کا نام "حَمْدَة" مذکور ہے[٣١]۔ واللہ اعلم

٣٠۔ **المعجم الكبير**، للطبراني، ٣/ ٣٥، الرقم ٢٦٣٠.

٣١۔ **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ١٣/ ٥٤. **فصل الخطاب**، للشيخ محمد البارسا، الصفحة ٤٣٥. **أخبار الدول**، للقرماني، ١/ ٣٣٧. **سفينة الأولياء**، للشيخ دارا شكوه القادري، الصفحة ٢٩. **تاريخ اليعقوبي**، لابن واضح الأخباري، ٣/ ١٥٠.

یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی باندی تھیں، جن سے امام موسی کاظم کی پیدائش ہوئی، آپ باندی تھیں؛اتناذ کر امام ذہبی، خطیب بغدادی اور دیگر اَجلہ ائمہ رحمۃ اللہ علیہم نے بھی تحریر کیا ہے۔ آپ کی والدہ کے بارے میں اہل سنت کے مصادر میں کوئی تفصیل درج نہیں، لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ حریم جعفری میں رہنے والی اس عزت مآب خاتون کا تقدس واحترام نیز زُہد وتقوی یقیناً اپنے زمانے کے فائق لوگوں میں شمار ہوتا ہوگا۔ آپ کے خاندان کے بارے میں اس شعر پر اکتفا بہت لائق وشایاں ہے، چنانچہ مولانا احمد رضاخان محدثِ حنفی رحمۃ اللہ علیہ "حدائق بخشش" میں لکھتے ہیں:

تیری نسل پاک میں ہے ، بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور ، تیرا سب گھرانہ نور کا

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کے مشائخ واَساتذہ

(۱) جعفر الصَّادق بن محمد الباقِر، أبو عبد الله ، الـهَاشميُّ .[۳۲]

(سيّد الأولياء ، حبر الأمة ، إمام الأئمَّة)

آپ رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں بنو ہاشم کے سردار و امام تھے، آپ کی والدہ ماجدہ اُمّ فروۃ رضی اللہ عنہا بنت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم ہیں، اور اُن کی یعنی اُمّ فروۃ کی والدہ (اور امام صادق رضی اللہ عنہ کی نانی) اَسماء رضی اللہ عنہا بنت عبد الرحمن بن ابو بکر صدیق ہیں رضی اللہ عنہم، (یعنی اُمّ فروہ رضی اللہ عنہا کے والد اور والدہ دونوں ہی صدیقی ہیں)، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے دو مرتبہ پیدا کیا ہے۔ (چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ والد کی طرف سے علوی حسینی، جبکہ والدہ کی طرف سے صدیقی ہیں)۔

آپ اسّی ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے، بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ والد گرامی سیّدنا ابو جعفر محمد باقر، عبید اللہ بن ابو رافع، عروہ بن زبیر، عطا بن ابی رباح، محمد بن منکدر، زہری، مسلم بن ابو مریم اور اپنے نانا قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ آپ کی زیادہ تر روایات والد گرامی محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ سے اَحادیث روایت کرنے والوں میں فرزند جلیل موسی کاظم، یحیی بن سعید انصاری، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت[۳۳]، سفیان ثوری، شعبہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر کثیر محدثین وفقہائے اُمت شامل ہیں۔

۳۲۔ **الجرح والتعديل** ، للابن أبي حاتم ، ٨/ ١٣٩. **تاريخ الاسلام** ، للذهبي ، ١٢/ ٤١٧ ، الترجمة ٣٧٢ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ١٠/ ٣٣٩ . **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ٢٩/ ٤٣ ، الترجمة ٦٢٤٧ .

۳۳۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا شمار سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اَجلہ تلامذہ میں ہوتا ہے، امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اُن سے عقیدت واحترام کے بہت سے واقعات آپ کی سیرت پر لکھی گئی کتب میں منقول ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ اور دیگر چند حضرات نے اگرچہ آپ کی شاگردی کا انکار کیا لیکن درست یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے استفادہ کیا اور اسی طرح امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی مستفید ہوئے، لہٰذا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے وقت قیاس والی جو گفتگو مروی ہے وہ اگر درست ہو تو اس کا مطلب ہر گز وہ نہیں جو بعض حضرات نے نکالا ہے۔ بلکہ وہ اُستاد وشاگرد کا مکالمہ اور تعلیم وتعلم کا ایک انداز تھا، جسے لوگوں نے رنگ چڑھا کر پیش کیا، لہٰذا اس واقعے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو لاجواب کرنے گئے اور خود شرمندہ ہوگئے، یہ انتہائی غیر مہذب سوچ ہے، امام اعظم تو خود امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مداح اور ان کی شاگردی پر نازاں رہے، تو حقیقت میں فقہ حنفی

شیخ یحییٰ قطان رحمۃ اللہ علیہ نے حج کے بارے میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث املاء کرانے کے بعد کہا:

مجھے ان کے بارے میں کچھ توقف ہے، البتہ مجھے مجالد [۳۴] ان سے زیادہ محبوب ہے۔

اس پر امام ذہبی نے برجستہ گرفت کرتے ہوئے لکھا:

میں کہتا ہوں: یہ یحییٰ قطان کی لغزشات میں سے ہے، کیونکہ اکابر محدثین کی جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ مجالد سے زیادہ ثقہ ہیں، لہٰذا اس بارے میں یحییٰ قطان کی بات نہیں سنی جائے گی۔

شیخ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: ایک مناظرے (مکالمہ) کے دوران میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا: وہ آپ کے نزدیک کیسے ہیں؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ثقہ" ہیں۔

امام یحییٰ بن معین نے آپ کو "ثقہ، مامون" لکھا ہے۔ شیخ ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے امام ابوزرعۃ کو فرماتے ہوئے سنا:

جب آپ سے جعفر بن محمد کی اپنے والد سے، سہیل کی اپنے والد سے اور علاء کی اپنے والد رحمۃ اللہ علیہم سے روایات کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے ساتھ جمع نہ کرو (کہ وہ اِن سے بلند و بزرگ ہیں)۔

امام ذہبی نے سیّدنا جعفر صادق کے بارے میں نہایت جامع کلمات توثیق ذکر کیے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

دراصل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فیضان ہے، لہٰذا صحیح معنوں میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو ماننے والے اُن کے لائق تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہرگز زبان طعن دراز نہیں کریں گے، اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک ملاقات اور مکالمہ کو امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے بھی منسوب کیا جاتا ہے، اور اس میں بھی یہی بات ذکر کی جاتی ہے، جو من گھڑت ہے، نیز یہ واقعہ کسی مستند ماخذ سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔ بعض شیعی کتب میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کا دشمن و معاند بھی بیان کیا گیا ہے، جو سراسر بہتان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت اہل بیت روز روشن سے زیادہ آشکار ہے، سیّدنا زید بن علی رضی اللہ عنہ نے جب حکومت وقت کے خلاف قیام کیا، تو اُس وقت آپ نے سب سے بڑھ کر ان کی علمی، اخلاقی اور مالی حمایت کا اعلانیہ مظاہرہ کیا، سیّدنا باقر اور سیّدنا جعفر صادق کی دوسالہ شاگردی پر تمام عمر فخر اس پر مستزاد ہے، پس جب بنواُمیہ کے دور میں اعلانیہ حمایت اہل بیت آپ سے ثابت ہے، حالانکہ اس زمانے میں یہ ناقابل معافی اور گردن زنی جرم تھا، تو بعد میں امام صادق یا پھر ان کے بیٹے موسیٰ کاظم سے ایسے واقعات منسوب کرنا ہرگز لائق اعتناء نہیں۔ فافہم

۳۴۔ یہ ابو عمرو مجالد بن سعید بن عمیر بسطامی کوفی ہمدانی ہے، ان کے بیٹے اسماعیل بن مجالد بھی مشہور راوی ہیں، یہ امام شعبی، قیس بن ابو حازم وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، یہ اگرچہ دور صحابہ میں پیدا ہوئے، لیکن اُن سے روایت نہیں کر سکے، اسی لیے صغار تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ عبد الرحمن بن مہدی، ابو حاتم، احمد بن حنبل، دار قطنی نے انھیں ضعیف شمار کیا، البتہ امام نسائی نے انھیں ثقہ لکھا ہے۔ ۱۴۴ھ میں وصال فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج۶، ص ۲۸۴)۔ ملخصاً

جعفر "ثقہ، صدوق" ہیں، اور مقام ثبت میں شعبہ کی مثل ہیں، نیز سہیل اور ابن اسحاق سے زیادہ ثقہ ہیں، بلکہ میرے نزدیک آپ ابن ابی ذئب[۳۵] کے مرتبے میں ہیں، آپ کی زیادہ تر روایات والد گرامی محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بطریق اِرسال ہیں۔

شیخ عمرو بن ابی مقدام کہتے ہیں:

اگر تو جعفر بن محمد کو دیکھ لیتا، تو جانتا کہ وہ انبیاء کی نسل سے ہیں، میں نے انھیں (حج کے دوران) جمرہ کے مقام پر کھڑے ہو کر کہتے ہوئے سنا: مجھ سے سوال کر لو، مجھ سے پوچھ لو (یہ جد اَمجد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا فیض تھا، کیونکہ انھوں نے بھی بَر سر منبر فرمایا: مجھ سے جو چاہو سوال کر لو)۔

صالح بن اَسود کہتے ہیں: میں نے جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا:

میری وفات سے پہلے مجھ سے پوچھ لو، بیشک میرے بعد تمھیں مجھ جیسی اَحادیث سنانے والا نہیں ملے گا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سیّدنا ابو بکر و سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

تم مجھ سے اُن شخصیات کے بارے میں سوال کرتے ہو، جنھوں نے جنت کا پھل کھایا ہے۔

قیس بن عمرو ملائی کہتے ہیں کہ میں نے جعفر بن محمد کو کہتے ہوئے سنا:

جس نے ابو بکر و عمر پر تبرا کیا (بُرا کہا، یا گالی دی) تو اللہ عزوجل اُس شخص سے بری ہے۔

امام ذہبی کہتے ہیں: جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ قول تواتر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

نیز آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

۳۵۔ یہ ابو حارث محمد بن عبد الرحمن بن مغیرہ قرشی عامری، المعروف ابن ابی ذئب ہے، آپ کے اساتذہ میں عکرمہ، شرحبیل بن سعد، ابن شہاب زہری، شعبہ اور دیگر اکابر تابعین رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں، آپ کے تلامذہ میں امام عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید قطان، وکیع، واقدی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر محدثین شامل ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کے مشابہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مجھے کسی کے بھی وصال کر جانے کا اتنا افسوس نہیں، جتنا لیث بن سعد اور ابن ابی ذئب کے وصال پر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ۱۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء، للذہبی، ۶/۱۳۹۔ ملخصًا)۔

ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور پر مکھی بیٹھ گئی، اُس نے ہٹانے کی کوشش کی، تو عاجز آگیا اور جعفر صادق سے پوچھا: اللہ تعالیٰ عزوجل نے مکھی کو کیوں پیدا کیا ہے؟ آپ نے برجستہ اِرشاد فرمایا: تاکہ جابروں کو اس کے ذریعے ذلیل کرے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی بہت سی اولاد ہوئی، اور آپ رضی اللہ عنہ نے ۱۴۸ھ میں وصال فرمایا، بوقت وصال عمر ۶۸ سال تھی۔ (۳۶)

(۲) عبدالملك بن قُدامة بن إبراهيم ، الْجُمَحِيُّ ، القُرشيُّ . (۳۷)

آپ کا نسب یوں ہے: عبد الملک بن قدامہ بن ابراہیم بن محمد بن حاطب قرشی مدنی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور خاندان والے بھی روایتِ حدیث میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی صالح بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ راویوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کے بارے میں امام مزی "تہذیب الکمال" میں لکھتے ہیں:

انھوں نے قاسم بن محمد بن ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ اور سالم بن عبد اللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ہے۔ یہ اسحاق بن بکر بن ابوالفرات مدنی، سعید بن ابوسعید مقبری، عبداللہ بن دینار، عبداللہ بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک، عبدالرحمن بن دینار، عمر بن حسین مکی، عمر بن عبد العزیز، عمرو بن شعیب، قدامہ بن موسی جمحی اور اپنے والد قدامہ بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہم سے روایت کرتے ہیں۔ پھر آپ سے روایت کرنے والوں میں اسحاق بن ابراہیم حنینی، اسماعیل بن ابی اویس ،بشر بن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز، زیاد بن یونس حضرمی ،زید بن حباب، سلیمان بن بلال، عبد اللہ بن نافع صائغ، عبد الرحمن بن مقاتل قعنبی، محمد بن حسن بن زبالہ، موسی بن اسماعیل، نضر بن شمیل اور یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔

۳۶۔ سير اعلام النبلاء ، للذهبي ، الطبقة الخامسة من التابعين ، ٦/ ٢٥٥-٢٧٠ ، الترجمة ١١٧ . ملخصاً

۳۷۔ تهذيب التهذيب ، للعسقلاني ، ١٠/ ٣٣٩ . تاريخ الاسلام ، للذهبي ، ١٢/ ٤١٧ ، الترجمة ٣٧٢. تهذيب الكمال ، للمزي ، ٢٩/ ٤٣ ، الترجمة ٦٢٤٧ .

شیخ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا:

عبد الرحمن ان کی تعریف کیا کرتے تھے، البتہ ان کی مرویات میں نکارت ہے۔

عبد الرحمن نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان سے روایات بیان کرتے تھے۔[۳۸]

امام یحییٰ بن معین نے "تاریخ ابن مَعین"، ابو الحسن احمد عجلی نے "معرفة الثقات" اور ابن شاہین "تاریخ أسماء الثقات" میں "ثقة"، جبکہ امام ابو حاتم نے "الجرح والتعديل" میں "ليس بالقوي ، ضعيف الحديث" اور امام نسائی نے "الضعفاء والمتروكون" میں "ليس بالقوي" کہاہے۔ امام ابن سعد نے "الطبقات"، امام بغوی نے "معجم الصحابة" اور امام عسقلانی نے "الإصابة" میں یزید بن ہارون اور ابن اسماعیل بن ابو اُویس کے طریق سے روایات نقل کی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی "التاريخ الأوسط" میں ایک سو ساٹھ کی دہائی میں وصال کرنے والوں میں آپ کا ذکر موجود ہے، اس کے مطابق ۱۶۰ھ کے قریب وصال ہوا۔[۳۹] کتب اَحادیث میں ان سے زیادہ تعداد میں اَحادیث مروی نہیں، البتہ ان کے طریق سے "المستدرک للحاکم" میں ۵، "سنن ابن ماجہ"، "مسند احمد"، "سنن کبری للبیہقی"، "مصنف ابن ابی شیبہ" اور "معجم کبیر" میں دو دو، اَور "مسند عبد بن حمید"، "مسند بزار" اور "المطالب العالیہ" وغیرہ میں ایک ایک روایت بیان کی گئی ہے۔

(۳) مالك بن أنس بن مالك ، أبو عبد الله ، الأَصْبَحيُّ ، المدنيُّ .[۴۰]

(عالم المدينة ، المحدث الكبير ، إمام الائمة)

امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ اور امام الحدیث مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ و مقام ایک ہی ہے، امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور عرصہ دراز تک وہیں قیام فرما رہے، اسی شہر مقدس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مسند حدیث مشہور اور طالبان علم کے لیے کشش کا سامان تھی، چنانچہ ایسے جلیل القدر امام سے اکتساب فیض کرنا سعادت و خوش بختی کی علامت

۳۸- **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ۱۸/ ۳۸۰ ، الترجمة ۳۵۵۰ . ملخصاً

۳۹- **التاريخ الاوسط** ، للامام البخاري ، ۲/ ۱۳۷ ، ملخصاً.

۴۰- **تزيين الممالك بمناقب الامام مالك** ، للسيوطي ، الصفحة ۷۹ .

تھی، اسی لیے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ناناجان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو امام مالک رضی اللہ عنہ سے اخذ کیا۔ اس بات کا تذکرہ ہمیں جرح وتعدیل کے ذخائر میں تو بہت تلاش کے باوجود نہیں مل سکا لیکن یہی تلاش ایسی مرجع تک لے گئی جس میں بصراحت مذکور تھا کہ امام کاظم رضی اللہ عنہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سماع وروایت کی ہے۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی نے "تزيين الممالك بمناقب الإمام مالك" کے باب "فيمن أخذ عن مالك من التابعين" میں شیخ ابو الحسن بن فہر کی "فضائل مالك" سے نقل کرتے ہوئے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور امام موسیٰ بن جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کو آپ کے شاگردوں میں ذکر کیا ہے۔ امام صادق رضی اللہ عنہ کو امام مالک کے شاگردوں میں ذکر کرنا شاید سہو کی بناپر نقل ہو گیا، کیونکہ سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ شاگرد نہیں، بلکہ امام مالک کے شیخ ہیں، چنانچہ امام ذہبی نے "سير أعلام النبلاء" میں "جعفر بن محمد صادق" کے ترجمے میں تصریح کی ہے:

> امام مالک نے بنوعباس کی حکومت ظاہر ہونے تک جعفر صادق سے روایت نہیں کی، نیز اس زمانے سے قبل مالک آپ سے مروی احادیث کو کسی دوسری جانب منسوب کرکے ذکر کرتے تھے۔۔ الخ۔ [۴۱]

یعنی بطریق اِرسال، یا وہی حدیث کسی اور سے بھی سنی ہوتی اور آپ سے بھی، تو بنواُمیہ کی حکومت کے زمانے میں آپ دوسرے شیخ کا ذکر کرتے تھے، لیکن جب بنوعباس کی حکومت آئی تو آپ کے نام کی صراحت کے ساتھ بیان فرماتے تھے، چنانچہ اب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کئی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن میں واضح طور پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ سے اَحادیث بیان کیں۔ مثلاً "صحیح مسلم"، "سنن نسائی"، "موطا امام مالک"، "صحیح ابن حبان"، "صحیح ابن خزیمہ"، "سنن ترمذی"، "سنن ابن ماجہ"، "مسند احمد" اور دیگر کتب میں تقریباً (٦٧) روایات آپ رضی اللہ عنہ کے طریق ہی سے مروی ہیں، اور تلاش وتتبع سے اس میں اضافہ بھی ممکن ہے۔

تو درست یہی ہے کہ امام صادق رضی اللہ عنہ کے بجائے امام کاظم رضی اللہ عنہ آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ اس بات کو اگرچہ متقدمین ائمہ نے ذکر نہیں کیا، لیکن اس سے فرق نہیں پڑتا، کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سماع وروایت کرنے کے تمام تر

۴۱۔ **سير اعلام النبلاء**، للذهبي، الطبقة الخامسة من التابعين، ٦/ ٢٥٦، الترجمة ١١٧.

قرائن کامل طور پر موجود، جن میں معاصرت، اتحاد مکان اور لقاء یقینی طور پر کتب متقدمہ میں ثابت شدہ ہیں، اور صرف تصریح کا نہ پایا جانا مانع سماع نہیں، فتدبر۔ اور امام واحدی نیشاپوری نے "التفسیر الوسیط" میں ایک روایت بطریق موسیٰ بن جعفر اَز امام مالک بن انس ذکر کی، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ امام کاظم رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ تفسیر مذکور کے محققین کی جماعت نے بھی حاشیہ میں اسی کی تصریح کی ہے، لیکن خلجان یہ پیدا ہوتا ہے کہ راوی "محمد بن اسماعیل علوی" ہے، جبکہ محققین نے جس کی تفصیلات امام سمعانی کی "الأنساب" سے نقل کیں، وہ "محمد بن اسماعیل جعفری" ہے اور خود سمعانی نے بھی انھیں "جعفریوں" کے عنوان میں بایں طور ذکر کیا:

محمد بن اسماعيل بن جعفر بن ابراهيم بن محمد ابن علي بن عبد الله بن جعفر بن ابي طالب الجعفري. (۴۲)

اب متن اور حاشیہ میں تضاد ہے، کیونکہ بیک وقت اس راوی کا علوی اور جعفری ہونا ممکن نہیں، محققین کو اس مقام پر اشتباہ واقع ہوا کہ انھوں نے مشہور محمد بن اسماعیل جعفری کے تذکرہ کو محمد بن اسماعیل علوی کے ساتھ ملحق کر دیا۔ یہ محمد بن اسماعیل بن جعفر جعفری اپنے چچا موسیٰ بن جعفر سے روایت کرتے ہیں، لیکن وہ امام کاظم نہیں، بلکہ موسیٰ بن جعفر بن ابراہیم ہیں، جیسا کہ معروف حدیث جسے بہت سے محدثین نے نقل کیا، اُسی کی ایک سند "تاریخ دمشق" میں ہے:

محمد بن إسماعيل بن جعفر بن إبراهيم بن محمد بن محمد بن علي بن عبد الله بن جعفر بن أبي طالب ، نا عمي موسى بن جعفر ، عن أبيه جعفر بن إبراهيم قال : قال عبد الله بن جعفر : سمعت من رسول الله – صلى الله عليه وسلم – كلمة ما احب ان لي بها حمر النعم ، سمعت رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يقول : **جعفر أشبه خلقي وخلقي وأما انت يا عبد الله فأشبه خلق الله بأبيك** . (۴۳)

۴۲۔ الأنساب ، للسمعاني ، ۳/ ۲۶۷ .

۴۳۔ **تاريخ دمشق الكبير** ، للإمام ابن عساكر ، ۲۷/ ۲۶۱ ، الرقم ۵۸۱۴ .

راوی نے اس سند میں وضاحت کے ساتھ اپنے چچا موسی بن جعفر اور پھر ان کے والد جعفر بن ابراہیم کو ذکر کیا ہے، اگر یہ موسی کاظم رضی اللہ عنہ ہوتے تو پھر جعفر بن محمد باقر رضی اللہ عنہ ذکر کیا جاتا۔ تو معلوم ہوا کہ محمد بن اسماعیل جعفری سے مروی احادیث جو طبرانی، تاریخ دمشق اور دیگر بہت سی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے اکثر امام کاظم رضی اللہ عنہ کے طریق سے نہیں، لیکن تفسیر وسیط کے متن میں بطور خاص "علوی" کی نسبت اس جانب اشارہ کر رہی ہے کہ یہ امام کاظم رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ اور محمد بن اسماعیل علوی کی نسبت ہمیں معلومات فراہم نہیں ہو سکیں کہ یہ کب اور کہاں پیدا ہوئے اور ان کے شیوخ و تلامذہ کون ہیں؟ بہر حال ہم نے دونوں احتمالات کو مد نظر رکھتے ہوئے کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم

تفسیر وسیط کی اس روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بھی موجود ہے، جس سے واضح طور پر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے اور ہمیں ابھی تک صرف ایک ہی روایت مل سکی، عین ممکن ہے کہ مزید کتب کی ورق گردانی اس میں اضافے کا باعث بن جائے۔

(۴) عبدالله بن دينار ، أبو عبد الرحمن ، المدنيُّ ، التابعيُّ ، مَولى ابن عمر رضي الله عنه .[۴۴]

آپ رحمۃ اللہ علیہ تابعین کی مبارک جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، کنیت ابو عبد الرحمن اور نام عبد اللہ، جبکہ عدوی، مدنی اور تابعی نسبت کے حامل تھے۔ صحابی رسول سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ان سے حدیث روایت کی، اس کے علاوہ بھی کچھ صحابہ کرام کی زیارت کی، البتہ کبار تابعین واکابر ثقہ محدثین سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے "تهذيب التهذيب" اور امام عجلی کوفی نے "معرفة الثقات" میں آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے، نیز محدثین کی اکثریت نے آپ کو "ثقة" لکھا ہے۔ شیخ مزی "تهذيب الكمال" میں لکھتے ہیں:

> آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، خالد بن خلاد بن سائب، ذکوان ابو صالح سمان (بن عبد اللہ)، سلیمان بن یسار، صالح بن محمد بن زائدۃ لیثی، محمد بن اسامہ بن زید اور نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور پھر آپ سے

۴۴- تهذيب الكمال ، للمزي ، ۲۹/ ۴۳ ، الترجمة ٦٢٤٧ . تهذيب التهذيب ، للعسقلاني ، ۱۰/ ۳۳۹ .

روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن عبد اللہ جمحی، اسماعیل بن جعفر مدنی، عبد اللہ بن جعفر مدنی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبہ بن حجاج، لیث بن سعد، مالک بن انس اور موسی بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہم جیسے جلیل القدر ائمہ شامل ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے آپ کو "مستقیم الحدیث" جبکہ اسحاق بن منصور نے یحیٰ بن معین کے حوالے سے، نیز ابوزُرعہ، ابو حاتم، محمد بن سعد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہم نے "ثقة"، جبکہ امام ابن سعد نے آپ کو "كثير الحديث" ذکر کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات (معروف قول کے مطابق) ۱۲۷ھ میں ہوئی۔ (۴۵)

ائمہ صحاح وسنن سمیت کبار محدثین نے ان کے طریق سے روایات لی ہیں، چنانچہ مختلف کتب میں ان سے تقریباً (۱۲۱۶) اَحادیث مروی ہیں، جن میں سے "صحیح بخاری" میں ۹۵، "صحیح مسلم" میں ۵۸، "موطا" میں ۴۶، "سنن نسائی" میں ۳۵، "سنن ابی داود" میں ۱۷، "سنن ترمذی" میں ۳۱، اور "سنن ابن ماجہ" میں ۱۷ مرویات موجود ہیں۔

عبد اللہ بن دِینار سے امام کاظم رضی اللہ عنہ کی روایت پر محدث مغلطائی کا اعتراض

امام کاظم رضی اللہ عنہ کے مشائخ میں حضرت عبد اللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ اس نام سے دو افراد معروف ہیں، ان میں سے ایک ثقہ وصدوق اور جلیل القدر ائمہ کرام کے استاد ہیں، جبکہ دوسرے اکثر ائمہ کے نزدیک ضعیف شمار کیے گئے ہیں۔ امام کاظم رضی اللہ عنہ کے شیخ کا تفصیلی ذکر ما قبل گزر چکا ہے، جبکہ دوسرے ابو محمد عبد اللہ بن دینار بہرانی حمصی اسدی ہیں، ان پر جرح وتعدیل کے ائمہ نے کلام کیا ہے، اکثر کے نزدیک یہ ضعیف ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ "تهذيب التهذيب" میں کیا ہے۔ (۴۶)

ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن دینار مدنی کا وصال باتفاق علماء ۱۲۷ھ میں ہوا، جبکہ امام کاظم رضی اللہ عنہ کی پیدائش اَصح قول کے مطابق ۱۲۸ھ میں اور شاذ قول کے مطابق ۱۲۴ھ میں ہوئی، دونوں صورتوں میں امام کاظم رضی اللہ عنہ کی عمر اتنی نہیں بنتی کہ وہ عبد اللہ بن دینار سے روایات لیتے، چنانچہ شیخ علاء الدین مغلطائی نے یہی اعتراض اپنی کتاب میں ذکر کیا:

۴۵- تهذيب الكمال، للمزي، ١٤/ ٤٧١، الترجمة ٣٢٥١، ملخصاً.

۴۶- تهذيب التهذيب، للعسقلاني، ٢/ ٣٢٨ .

جب موسیٰ کاظم کی پیدائش نہیں ہوئی، اُس سے قبل ہی عبد اللہ بن دینار انتقال کر گئے تھے، تو اَخذ و استفاد کیسے ہوا۔۔؟[۴۷]

اسی سے مشابہ کلام شیخ ابن تغری بردی نے "النجوم الزاهرة" میں بھی لکھا ہے اور اس بات میں واقعی صداقت ہے کہ جمہور ائمہ کی آراء کے پیشِ نظر امام کاظم رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے ایک سال قبل ہی عبد اللہ بن دینار وصال فرما گئے، لیکن یہاں اس بات کو مدِ نظر رکھنا بھی ضروری کہ جرح وتعدیل کے امام عبد الرحمن ابن ابی حاتم رازی، پھر امام ذہبی اور امام عسقلانی سمیت دیگر بہت سے محققین انھیں امام کاظم رضی اللہ عنہ کے مشائخ کی فہرست میں بلا کسی تردّد کے ذکر فرما رہے ہیں، اس کی کوئی وجہ ضرور ہوگی، کیونکہ اتنے مشہور امام کے سن وفات اور امام کاظم رضی اللہ عنہ کے سنِ پیدائش کی مطابقت سے ایسے ائمہ کا صرف نظر کر جانا عمومی حالات کے خلاف ہے۔ بہر حال امام مغلطائی کا یہ نکتہ اپنی جگہ بالکل درست ہے، لیکن ائمہ کا مشائخ کی فہرست میں پے درپے ذکر کرنا ایسا اَمر تھا، جس کی وضاحت ضروری تھی، چنانچہ ذہبی کی کتاب "الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة" میں مذکور ہے کہ موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن دینار سے اِرسال[۴۸] کرتے ہوئے اَحادیث روایت کرتے تھے[۴۹]۔ امام ذہبی کے اس بیان کو دیکھنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول نظر آیا کہ انھوں نے "تهذيب التهذيب" میں "مُرسل" کے بجائے "منقطع"[۵۰] ذکر کیا ہے[۵۱]۔

۴۷۔ اکمال تهذيب الكمال، للمغلطائي الحنفي، ۱۲/ ۱۳.

۴۸۔ لغوی اعتبار سے اِرسال کا اسم مفعول مُرسل آتا ہے اور اسی وجہ سے حدیث مرسل کی اصطلاح عام طور پر استعمال کی جاتی ہے، محدثین کے نزدیک حدیث مرسل اُسے کہتے ہیں: جس میں تابعی کے بعد والے راوی یعنی صحابی کو حذف کر دیا گیا ہو اور تابعی حدیث کی روایت میں اپنے بعد رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرے۔ اس کی ایک مثال "صحیح مسلم" میں مذکور ہے کہ حضرت سعید بن مسیب تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ (تازہ کھجوروں کو چھوہاروں کے بدلے بیچنے) سے منع فرمایا۔ اور مذکورہ تعریف محدثین کے نزدیک ہے، جبکہ اُصولیین مطلق انقطاع کو بھی مُرسل پر محمول کرتے ہیں، خواہ وہ انقطاع سند کے کسی بھی مقام سے ہو۔ اس بارے میں مزید علمی آراء ہیں، جن کے لیے کتب اُصول ملاحظہ فرمائیں۔

۴۹۔ الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة، للذهبي، ۲/ ۳۰۳، الرقم ۵٦۸۸.

۵۰۔ منقطع دراصل انقطاع سے ماخوذ ہے، اور اصطلاح حدیث میں منقطع وہ حدیث ہوتی ہے جس میں کسی وجہ سے سند میں عدم اتصال ہوا اور اس کا اکثر اطلاق اس حدیث پر ہوتا ہے جس میں تابعی سے نیچے درجے کا کوئی شخص صحابی سے روایت کرے۔ مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہو تو اسے منقطع کہا جائے گا۔ انقطاع کو عام رکھنے سے مُرسل، معلق اور معضل بھی اس تعریف کے ضمن میں شامل ہو جاتی ہیں، والتفصيل في المطولات۔

لیکن ان دونوں میں تطبیق ممکن ہے، کیونکہ علوم حدیث کی کچھ اصطلاحات متقدمین علمائے حدیث کے نزدیک مخصوص تناظر میں استعمال ہوتی تھیں، مگر بعد کے محققین نے انھیں وسیع معنوں میں استعمال کرنے کی طرح ڈالی، اور یہ معاملہ صرف محدثین کا ہی نہیں، بلکہ فقہاء اور علمائے اُصول کے یہاں بھی ایسا ہے، چنانچہ علم حدیث سے شغف رکھنے والے جانتے ہیں کہ مرسل و منقطع متقدمین کے یہاں خاص تناظر میں مستعمل اصطلاحات تھیں، لیکن بعد کے محققین نے وسیع تناظر میں پرکھتے ہوئے اُصول وضع کیے، جس سے منقطع کبھی معلق، مرسل اور معضل کو بھی شامل ہوتی ہے۔ ان میں امتیاز کرنے کے لیے اضافی قیود ہیں؛ جن سے ان میں باہمی فرق واضح ہوتا ہے۔ بہر کیف دونوں ائمہ کے اقوال اپنی مخصوص جہت کے لحاظ سے دُرست ہے۔

محدث مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح

یہاں قابل غور اَمر یہ ہے کہ خود شیخ مغلطائی حنفی نے اسی کتاب میں جہاں عبد اللہ بن دینار کا ترجمہ لکھا ہے، وہاں ابتداء میں ہی بحوالہ ابن اَثیر اُن کا سال وفات ۱۳۶ھ تحریر کیا اور پھر اسی میں ۱۳۱ھ / ۱۳۲ھ میں وفات کا قول بھی بیان کیا ہے[۵۲]۔ اگرچہ ان سنین کو جمہور محدثین کی تائید حاصل نہیں، لیکن اگر بالفرض ۱۳۶ھ کا قول دُرست ہو تو ان سے امام کاظم رضی اللہ عنہ کے سماع حدیث کرنے میں کوئی مانع واشکال باقی نہیں رہتا، کیونکہ بایں صورت امام کاظم رضی اللہ عنہ کی عمر قریباً آٹھ سال بنتی ہے اور زمانی معاصرت اور امکانِ لقاء یقینی ٹھہرتا ہے کہ دونوں حضرات مدینہ منورہ میں رہتے تھے، لہٰذا اگر یہ سن دُرست قرار پائے، تو پھر مرسل و منقطع کی دونوں صورتیں کالعدم ہو جائیں گی اور ائمہ کا امام کاظم رضی اللہ عنہ کو ان کا تلمیذ قرار دینا حقیقی معنی پر منطبق ہوگا کہ آٹھ سال کی عمر میں سماع حدیث عند المحدثین بالاتفاق مقبول ہے، لیکن اس میں مزید توسیع کرتے ہوئے اگر ہم شیخ مغلطائی کے قول یعنی ۱۳۲ھ کو دیکھیں، تو ایسی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً چار سال بنتی ہے اور تب بھی محدثین کے نزدیک بعض صورتوں میں یہ عمر تحمل حدیث اور سماع کے لیے کافی ہے۔ تو اس تناظر میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کی روایات سے انقطاع وارسال کا وہم ختم ہو جاتا ہے۔ فافہم

۵۱۔ تهذيب التهذيب، للعسقلاني، ۱۰/ ۳٤۰.

۵۲۔ اكمال تهذيب الكمال، للمغلطائي الحنفي، ۹/ ۳۳۱، الرقم ۲۹۱۰.

الغرض شیخ مغلطائی نے موسی کاظم رضی اللہ عنہ کا ترجمہ لکھتے وقت تو مذکورہ بالا اعتراض نقل کیا اور وہاں امام کاظم کی پیدائش ۱۲۸ھ اور عبد اللہ بن دینار کا وصال ۱۲۷ھ میں تحریر کیا ہے، لیکن اس سے پہلے عبد اللہ بن دینار کے ترجمہ میں وہ خود ہی مذکورہ بالا اقوال وفات یعنی ۱۳۱ھ / ۱۳۲ھ / ۱۳۶ھ درج کر چکے تھے، پس اس طرح دونوں مقامات میں واضح تضاد موجود ہے، بہر کیف ہم نے تمام احتمالات کے پیش نظر کلام پیش کر دیا ہے، لہٰذا اگر جمہور ائمہ کا بیان کردہ سن وفات ہی درست ہو، تو البتہ شیخ مغلطائی وغیرہ کا اعتراض بجا ہے اور اگر بقیہ اقوال کی روشنی میں پرکھا جائے تو پھر سماع میں انقطاع کا عنصر باقی نہیں رہتا۔ نیز عبد اللہ بن دینار سے اگرچہ براہِ راست امام کاظم رضی اللہ عنہ کا سماع نہیں، لیکن آپ کے بڑے بھائی اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا سماع حضرت عبد اللہ بن دینار سے ثابت ہے، اسی طرح آپ کے دوسرے شیخ عبد الملک بن قدامہ جمحی رحمۃ اللہ علیہ کا سماع بھی عبد اللہ بن دینار سے مشہور و ثابت ہے، پس انہی حضرات سے آپ رضی اللہ عنہ اَحادیث کو روایت کرتے ہوں گے۔ ان بھائیوں کا تذکرہ سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کے باب میں آرہا ہے۔

"کتاب الضُّعَفَاء" میں شیخ عقیلی کا غیر منصفانہ رویّہ

شیخ ابو جعفر عقیلی مکی نے "الضعفاء الکبیر" کے نام سے کتاب تصنیف کی؛ جس میں (۲۱۰۱) ضعیف راویوں پر کلام کیا ہے۔ اسی کتاب میں انھوں نے امام کاظم رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کیا جو اُن کی لغزش کا نتیجہ ہے، چنانچہ انھوں نے اُمت محمدیہ کے جلیل القدر امام، عابد اور مرجعِ اَنام شخصیت کے بارے میں ضعیف ہونا تو اپنی جگہ رہا، اُسلوب کلام کو جس انداز میں ترتیب دیا، اُس پر حیرت ہے، حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ان کے علاوہ جس بھی امام جرح و تعدیل نے درج کیا، تو نہایت دیانت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہے، مثلاً امام ذہبی کو ہی دیکھ لیں کہ انھوں نے حقائق کی بنیاد پر امام کی مرویاتِ حدیث میں قلت کا ذکر ضرور درج کیا، لیکن ساتھ ہی دوسری حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے کہ اُن سے کثرتِ روایت نہ ہونے کی وجہ عمر کی قلت اور مواقع کا میسر نہ ہونا تھا، لہٰذا ایک جانب تو انھوں نے صورت حال کو دیانت کے ساتھ واضح کیا اور دوسری جانب پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے اُسلوب میں احترام کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ لیکن شیخ عقیلی سے اس مقام پر شدید لغزش صادر ہو گئی کہ انھوں نے نہ تو ائمہ جرح و تعدیل کے کلام کو اس باب میں مدنظر رکھا اور نہ ہی خود زیادہ تحقیق فرمائی، جس کے سبب ایسی سبقت قلمی رونما ہوئی۔ بہر حال انھوں نے یک سطری تعارف کی زحمت کرتے ہوئے یوں لکھا:

موسي بن جعفر بن محمد بن علي بن حسين : عن أبيه ، حديثه غير محفوظ و الحمل فيه على أبي الصلت الهروي.(۵۳)

شیخ عقیلی کی ایسی غیر محققانہ روش پر ائمہ نے بھرپور گرفت کی جس سے اُن کی علمی دیانت عیاں ہوتی ہے، چنانچہ امام ذہبی نے گرفت کی، پس "میزان الأعتدال" میں لکھتے ہیں:

وإنما أوردته لأن العقيلي ذكره في كتابه وقال : حديثه غير محفوظ يعني في الايمان . قال: الحمل فيه على أبي الصلت الهروي . قلت : فإذا كان الحمل فيه على أبي الصلت فما ذنب موسى تذكروه؟(۵۴)

ترجمہ: میں نے آپ کا ذکر کتاب ہذا میں اس وجہ سے کیا، کیونکہ عقیلی نے اپنی کتاب میں ان کے بارے میں لکھا تھا: ایمان کے متعلق ان کی حدیث غیر محفوظ ہے اور اس میں قصور ابو الصلت ہروی کا ہے، میں کہتا ہوں: جب قصور ابو الصلت کا ہے، تو موسی (کاظم) کا کیا گناہ جنھیں ذکر کیا گیا؟

امام ذہبی نے یہاں اُصولی نکتہ پیش کیا کہ اگر شیخ عقیلی کے نزدیک ابو الصلت ہروی کی وجہ سے حدیث کی سند میں سقم واقع ہوا ہے تو پھر انہی کا نام عنوان میں لکھ کر کلام کیا جاتا، لیکن شیخ عقیلی نے ان کا عنوان ذکر کرنے کے بجائے امام کاظم رضی اللہ عنہ کا عنوان لکھ دیا، حالانکہ ان پر نقد وجرح کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی، اگر ہوتی تو ضرور پیش کرتے۔

شیخ عقیلی کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی اُستاد کا شاگرد یا اس سے روایت کرنے والا ضعیف ہو تو اس کا استاد بھی ضعیف ہو جاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں اور نہ ہی محدثین کے یہاں ایسا کوئی اُصول وضع کیا گیا، کیونکہ اگر بالفرض ایسا مان لیا جائے تو پھر امام کاظم رضی اللہ عنہ ہی کیا، امام مالک، سفیان بن عیینہ اور ائمہ صحاح سمیت جلیل القدر ائمہ کو بھی ضعیف شمار کرنا پڑے گا کہ ان کے شاگردین تو ایک طرف کچھ اَساتذہ بھی ایسے گزرے ہیں، جنھیں محدثین نے بالاتفاق ضعیف تسلیم کیا

۵۳۔ **الضعفاء الكبير** ، للشيخ ابن حماد العقيلي ، ٤/ ١٥٦، الرقم ١٧٢٦.

۵۴۔ **ميزان الاعتدال** ، للذهبي ، ٤/ ٢٠١ ، الرقم ٨٨٥٥ .

ہے اور یہ تو شیخ عقیلی کی عبارت سے مترشح ہونے والا اُصول تھا، لیکن محدثین کے یہاں اُصول وہی ہے جو حقیقت پر مبنی اور قرآنی آیات کے مصداق ہے کہ کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی، پس جس راوی میں عیب ہو گا، وہی ذمہ دار بھی۔ اور شیخ عقیلی نے اپنے کلام میں ابو الصلت ہروی کی سند سے جس روایت کو پیش کیا ہے، ہمیں اس کے دلیل ہونے پر ہی اعتراض ہے، کیونکہ اس میں امام کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت ایک واسطے سے ہے، پہلے عبارت ملاحظہ فرمائیں:

حدّثناه علي بن عبدالعزيز ، حدّثنا عبدالسلام بن صالح ، حدّثني علي بن موسى بن جعفر بن محمد بن علي بن حسين بن علي بن أبي طالب ، قال حدّثني أبي (موسى الكاظم) ، عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن علي بن حسين ، عن أبيه علي رضي‌الله‌عنه ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وآله: الايمان معرفة بالقلب وإقرار باللسان وعمل بالأركان . ولا يتابع عليه إلاّ من جهة تقاربه .[۵۵]

ہم نے خط کشیدہ عبارات کے ذریعے سند کے سلسلے میں راویوں کا امتیاز واضح کر دیا ہے تاکہ عام قاری بھی بآسانی جان لے کہ کس شخص نے کس سے روایت کی ہے، پس سب سے پہلے علی بن عبد العزیز نے روایت کی ہے عبد السلام بن صالح سے اور یہ ابو الصلت ہروی ہیں، پھر انھوں نے حضرت علی بن موسی سے روایت کی ہے اور یہ امام رِضا رضی اللہ عنہ ہیں، پھر انھوں نے اپنے والد امام کاظم سے روایت کی ہے۔۔ الخ۔ اس سند پر غور فرمائیں تو شیخ عقیلی کی دلیل کس قدر کمزور دکھائی دیتی ہے کہ ابو الصلت نے اس حدیث کو براہِ راست امام کاظم سے روایت ہی نہیں کیا، بلکہ وہ امام رِضا سے روایت کر رہے ہیں، پھر امام رِضا اپنے باباجان موسی کاظم سے۔ تو معلوم ہوا کہ امام کاظم اور ابو الصلت کے درمیان ایک شخصیت کا فاصلہ موجود ہے، لیکن عقیلی نے خدا جانے کیوں اس فاصلے کو نظر انداز کرتے ہوئے حکم سیدھا امام کاظم رضی اللہ عنہ پر لگا دیا۔

اور شیخ عبد السلام بن صالح ہروی جن کا ذکر شیخ عقیلی نے کیا، وہ بھی نامکمل اور بلا تحقیق ہے اور یہ شیخ ابو الصلت ہروی "سنن ابن ماجہ" کے رجال اور جلیل القدر محدثین کے شاگرد ہیں، پھر ان سے اَجلہ ائمہ نے اَخذ علم کیا ہے۔ ان کے

۵۵۔ **الضعفاء الكبير** ، للشيخ ابن حماد العقيلي ، ٤/ ١٥٦، الرقم ١٧٢٦.

اساتذہ میں امام مالک، حماد بن زید، شریک، عبد السلام بن حرب، امام ابن عیینہ اور امام رضا رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں، جبکہ ان کے تلامذہ میں حافظ الحدیث ابو بکر بن ابی الدنیا، امام ابن ابی خیثمہ، محمد بن ضریس اور عبد اللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم جیسی جلیل القدر شخصیات شامل ہیں۔ امام ذہبی نے ان کی تعریف کرتے ہوئے شیخ عالم، عابد اور زاہد لکھا ہے اور جرح وتعدیل کے امام یحیی بن معین نے آپ کی توثیق فرمائی، البتہ دیگر بعض ائمہ نے آپ پر جرح بھی کی ہے۔[٥٦]

شیخ عقیلی کے نقد کرنے اور ان کے علمی پایہ کے بارے میں امام احمد رضا خان محدث حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں، جس میں انھوں نے ایک طرف تو عقیلی پر عمار راوی کے بارے میں نقد کرنے پر کلام کرتے ہوئے گرفت کی ہے اور دوسری جانب اُن کے ایسی بلا تحقیق اور جلیل القدر شخصیات پر نقد کرنے کی عادت کا بھی تذکرہ کیا ہے:

قلت: و ناهيك توثيق الائمة ، انه شيخ شعبة و السفيانين ولا عليك دندنة العقيلي ، فقد أخذ يلين ذاك الجبل الشامخ علي بن المديني الذي قال فيه البخاري: ما استصغرت نفسي إلا عنده . وقد أورد الامام موسى الكاظم في الضعفاء ، فحسبنا الله ، و لاحول ولاقوة إلا بالله .[٥٧]

ترجمہ: میں کہتا ہوں: تجھے یہ بات کافی ہے کہ جن ائمہ نے عمار کی توثیق کی ہے وہ شیخ شعبہ اور دو سفیان (یعنی سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری) ہیں اور تو مت توجہ دے عقیلی کی بھنبھناہٹ کی طرف، وہ تو علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پہاڑ کو نرم اور کمزور قرار دیتا ہے، جس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں اپنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھتا مگر علی بن مدینی کے پاس، اور اس نے امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کو ضعفاء میں وارد کیا۔ پس اللہ تعالی ہی ہمیں کافی ہے اور اللہ تعالی جل جلالہ کی توفیق کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے، نہ نیکی کرنے کی قوت۔

٥٦۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ١١/ ٤٤٦-٤٤٧ . ملخصاً

٥٧۔ الفتاوى الرضوية ، للشيخ أحمد رضا الحنفي ، ٢٥/ ١٧٣-١٧٤ .

تو ایسی شخصیت جن پر نقد و جرح بہر دو موجود، اُن کے صرف ایک پہلو کو لے کر کلام کرنا اور کمزور کلام کو دلیل بنا کر انکے شیخ الشیخ کو ضعیف قرار دینا ہر گز انصاف اور علمی اُصول کے مطابق نہیں، اللہ تعالی عزوجل اُن سے دَر گزر فرمائے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیلی پر گرفت اور پھر خود اُسی اَمر کا اِرتکاب

جس طرح امام ذہبی نے شیخ عقیلی کے موسی بن جعفر رضی اللہ عنہ کو درج کرنے پر نقد کیا کہ جب قصور راوی کا ہے، تو پھر صرف اُسی کو ذکر کیا جاتا، موسی کاظم رضی اللہ عنہ کو کیوں ذکر کیا گیا۔ تو یوں ہی خود ان سے بھی سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی لغزش واقع ہوئی، چنانچہ انھوں نے "المغني في الضعفاء،(٢/ ٢٦ ، الرقم ٤٣٤٥)" میں علی بن موسی الرضا کو درج کرنے کے بعد راویوں کی کذب بیانی پر کلام کیا۔ ان کی اصل عبارت یوں ہے:

علي بن موسى بن جعفر الرِّضا عن آبائه . قال ابن طاهر : يأتي عن آبائه بعجائب . قلت الشأن في صحة الإسناد إليه فإنه كذب عليه وعلى جده .

پس اگر قصور رُواۃ کا تھا، تو صرف انہی کو درج کرنے کے بعد کلام و نقد کی جاتی، جیسا کہ اسی کتاب میں انھوں نے احمد بن علی بن صدقہ پر جرح کی بھی، لیکن سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کو عنوانِ کلام میں کیوں لائے؟ لہٰذا جس سبب کے باعث انھوں نے شیخ عقیلی کے ایراد پر نقد کی، تو اَب خود سیّدنا رِضا کو ذکر کر کے اُسی کا ارتکاب کر دیا۔ البتہ اس کی تاویل میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابن طاہر کی جرح کو رفع کرنے کے لیے انھوں نے مجبوراً عنوانِ کلام میں نام درج کیا کہ ابن طاہر کی جرح براہِ راست علی رِضا سے متعلق تھی، لیکن یہ صرف ایک توجیہ ہے، کیونکہ علمی طور پر ابن طاہر کی جرح کو رفع کرنے کی اور بھی صورت تھی، اور دیگر مقامات پر امام ذہبی نے دفاع میں ایسا کیا بھی ہے، پھر انھیں خاص ضعفاء سے متعلق کتاب میں درج کرنے کی حاجت نہ تھی، واللہ اعلم۔

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ اور اکابرین اُمت کا خراج عقیدت

ا۔ شیخ عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی اپنے والد سے امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

سئل أبي عنه ، فقال: ثقة ، صدوق ، إمام من أئمة المسلمين.[(٥٨)]

٥٨۔ **الجرح والتعديل** ، للابن ابي حاتم الرازي ، ٨/ ١٣٩ .

ترجمہ: میرے والد سے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا: وہ ثقہ، صدوق اور مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک تھے۔

امام ابو حاتم کے اس قول کو بہت سے ائمہ نے نقل کیا ہے، مثلاً امام ذہبی نے "سیر أعلام النبلاء"، شیخ عسقلانی نے "تہذیب التہذیب" میں، جبکہ قدرے تغیر سے ذہبی نے "میزان الأعتدال" اور صفی الدین خزرجی نے "خلاصة تذهیب تهذیب الکمال" میں نقل کیا ہے، نیز امام عبد الرحمن ابن ابی حاتم رازی کا اپنا قول بھی یہی ہے۔

۲۔ امام ذہبی "تاریخ الإسلام" میں لکھتے ہیں:

كان صالحاً، عالماً، عابداً، متألهاً.[۵۹]

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ نیک، عالم، عبادت گزار اور زاہد شخصیت تھے۔

۳۔ یہی امام "العبر في خبر من غبر" میں لکھتے ہیں:

كان صالحاً، عابداً، جَوَّاداً، حَليماً، كبيرَ القدر.[۶۰]

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ نیک، عبادت گزار، سخی، بُردبار اور بڑی شان والے تھے۔

۴۔ نیز آپ ہی "میزان الأعتدال" میں لکھتے ہیں:

كان موسى من أجوادِ الحكماء ومن العبادِ الأتقياء.[۶۱]

ترجمہ: موسی دانشمندوں میں بہترین اور بندگانِ خدا میں سے متقی تھے۔

۵۔ امام ابن کثیر دمشقی "التكميل في الجرح والتعديل" میں لکھتے ہیں:

كان عبداً صالحاً، ناسِكاً، كثيرَ العبادة والبِرّ والإحسان إلى الخلق.[۶۲]

۵۹۔ **تاريخ الاسلام**، للذهبي، ۱۲/ ٤۱۷، الرقم ۳۷۲.

۶۰۔ **العبر في خبر من غبر**، للذهبي، ۱/ ۲۲۲.

۶۱۔ **ميزان الاعتدال في نقد الرجال**، للذهبي، ٤/ ۲۰۲.

ترجمہ: آپ نیک، روزہ دار، بہت زیادہ عبادات، بھلائی اور مخلوقِ خداوندی سے احسان کرنے والے تھے۔

۶۔ امام ابن حجر عسقلانی ”تقریب التهذیب“ میں لکھتے ہیں:

صدوقٌ ، عابدٌ ، من السابعة .(۶۳)

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ صدوق، عابد اور (رِجال حدیث کے) ساتویں طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

۷۔ امام ابن تغری بردی لکھتے ہیں:

كان سيّداً ، عالماً ، فاضلاً ، سنيًّا ، جواداً ، مُمدَّحاً ، مُجابَ الدَّعوة.(۶۴)

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ آل رسول، عالم، عمدہ خوبیوں والے، سخی، ممدوح زمانہ اور مقبول الدعاء تھے۔

۶۲۔ **التكميل في الجرح والتعديل**، لإبن كثير الدمشقي، ١/ ٢٣٦، الرقم ٣٤٧.

۶۳۔ **تقريب التهذيب**، للعسقلاني، الصفحة ٩٧٩، الرقم ٧٠٠٤ .

۶۴۔ **النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة**، للشيخ تغري بردي، ٢/ ١٤٢، سنة ١٨٣ .

تلامذہ اور فیض یافتگان

اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کی بہت سی کتب خوانی کے باوجود ہمیں امام کاظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ وشاگردین کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں مل سکیں، عام طور پر ائمہ نے صرف چند ناموں پر اکتفا کیا ہے، بہر حال سعی وتلاش سے درج ذیل چند اسمائے گرامی مہیا ہوئے، جنھیں زیب قرطاس کیا جارہاہے، عین ممکن ہے کہ دیگر مآخذ ومصادر میں مزید تلاش وتتبع کے بعد اس نامکمل فہرست میں اضافہ ہو جائے۔ ہم ذیل میں ناموں کے ساتھ ملحق حاشیہ کے رقم میں طوالت سے بچنے کے لیے صرف اُن کتب کا ذکر کریں گے جن میں ان کی اخذ روایت اور شاگردی کا بیان ہے، مزید تفصیلات متعلقہ مقام پر درج ہے، لہٰذا اہل علم اس بارے میں مراجع سے استفادہ فرمائیں۔

(۱) إبراهيم بن موسى الكاظم .[۶۵]

اہلسنّت کے مصادر سے ان کے بارے میں معلومات نہیں ملیں اور نہ ہی ان سے کوئی روایت میسر آسکی۔

(۲) إسماعيل بن عبد الله ابن أبي أويس ، أبو عبد الله ، الأصبحي.[۶۶]

آپ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بہن نسیبہ کے بیٹے اور ائمہ صحاح کے مشائخ میں سے ہیں، آپ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ۱۳۹ھ میں ہوئی۔ جلیل القدر محدثین سے استفادہ کیا، جن میں والد گرامی، سلمہ بن وردان، مالک بن انس، عبد العزیز ابن ماجشون، سلیمان بن بلال رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں، نیز علم قرآت کے امام حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کے اَجل اوران کے تلامذہ میں سب سے اَخیر میں وصال کرنے والے تھے۔ آپ سے بخاری، مسلم، احمد، ابن خزیمہ، دار قطنی، دارمی، حاکم وبیہقی سمیت اکابر محدثین نے روایت لیں، البتہ امام نسائی نے ان سے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ امام بخاری نے ۲۲۸، امام مسلم نے ۸، امام ترمذی نے ۵، امام ابوداود نے ایک، جبکہ امام ابن ماجہ نے ۴ اَحادیث روایت کی ہیں، مجموعی طور پر متونِ حدیث میں ان

۶۵- تهذيب الكمال ، للمزي ، ۲۹/ ۴۳ . تاريخ الإسلام ، للذهبي ۱۲/ ۴۱۷ . سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ۶/ ۲۷۰ . التذكرة ، للحسيني ، الصفحة ۱۷۲۸ ، الرقم ۶۹۲۶ . تهذيب التهذيب ، للعسقلاني ، ۱۰/ ۳۳۹ . التكميل في الجرح والتعديل ، لإبن كثير ، ۱/ ۲۳۶ ، الرقم ۳۴۷.

۶۶- المستدرك ، للحاكم ، ۳/ ۱۷۸ ، الرقم ۴۷۶۸ . المعجم الأوسط ، للطبراني ، ۵/ ۳۵ ، الرقم ۴۶۰۲. المعجم الصغير ، للطبراني ، ۱/ ۳۹۳ ، الرقم ۶۵۹.

سے ۷۹۲ اَحادیث منقول ہیں۔ امام نسائی سمیت بعض نے ان کی تضعیف کی، لیکن شیخین سمیت اَجلہ محدثین وائمہ نے توثیق واستناد کیا ہے، جمہور کے نزدیک رِجال کے "طبقۂ عاشرہ" سے "صدوق" ہے۔

(۳) إسماعيل بن موسى الكاظم .(٦٧)

آپ کی والد گرامی سے روایات کی اسناد امام بیہقی نے "دلائل النبوة" اور "السنن الكبرى"، امام ابن عبد البر نے "التمهيد شرح الموطأ" اور امام حاکم نے "المستدرك" میں نقل کی ہیں۔

(۴) جعفر بن خلف ، الكوفي .(٦٨)

(۵) جعفر بن عمرو بن زياد الباهلي .(٦٩)

امام عثمان بن سعید ابو عمرو الدانی، متوفی ۴۴۴ھ نے "المكتفى في الوقف والابتدا في كتاب الله عزَّوجلَّ" میں موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کو ان سے بصیغہ جزم نقل کیا ہے۔ البتہ ان کے احوال معلوم نہ ہو سکے۔

متذکرہ کتاب "طبعة مؤسسة الرسالة" کے محققین نے جعفر بن عمرو کو "ابو عون جعفر بن عون بن محمد کوفی مخزومی" اور زیاد باہلی کو "زیاد بن حسان بن قرۃ" شمار کیا ہے، لیکن یہ ان کی لغزش ہے کہ اگر ان کی تعیین فرض کی جائے، تو ابو عون جعفر ۱۱۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۲۰۶ھ / ۲۰۷ھ میں وفات پائی، جبکہ زیاد بن حسان بن قرۃ تلمیذ حسن بصری نے ان کی پیدائش کے سالوں میں ہی ۱۱۰ھ کے قریب وفات پائی، تو اوّلاً ان دونوں حضرات کا سماع ہی ممکن نہیں۔ اور ثانیاً زیاد باہلی بصیغہ جزم موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، حالانکہ امام کاظم رضی اللہ عنہ تو ان کی وفات کے کئی سال بعد ۱۲۸ھ میں

٦٧- تهذيب الكمال ، للمزي ، ٢٩/ ٤٣ . تاريخ الإسلام ، للذهبي ١٢/ ٤١٧ . سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ٦/ ٢٧٠ . التذكرة ، للحسيني ، الصفحة ١٧٢٨ ، الرقم ٦٩٢٦ . تهذيب التهذيب ، للعسقلاني ، ١٠/ ٣٣٩ . التكميل في الجرح والتعديل ، لإبن كثير ، ١/ ٢٣٦ ، الرقم ٣٤٧.

٦٨- لسان الميزان ، للعسقلاني ، ٢/ ٤٥٢ ، الرقم ١٨٤٠.

٦٩- المكتفى في الوقف والابتدا في كتاب الله عزَّوجلَّ ، للامام ابي عمرو الداني ، سورة الفتح ، الصفحة ٥٣١-٥٣٠. مؤسسة الرسالة بيروت . والصفحة ٢٢١ ، طبعة دار الصحابة بطنطا .

پیدا ہوئے، پھر بھلا انھوں نے پیدا ہونے سے قبل ہی سماع کیسے کر لیا؟ لہٰذا درست یہی ہے کہ یہاں جعفر بن عمرو بن زیاد باہلی مراد ہیں، اور یہی متذکرہ کتاب "طبعة دار الصحابة بطنطا" میں بھی درج ہے۔

(٦) حسين بن موسى الكاظم .[٧٠]

آپ کی والد گرامی سے روایت کو امام دار قطنی نے "السنن" اور "كتاب النزول" جبکہ دینوری نے "المجالسة وجواهر العلم" میں ذکر کیا ہے۔

(٧) علي العُريضي بن جعفر الصادق .[٧١]

امام ابن حجر عسقلانی "تهذيب التهذيب" میں لکھتے ہیں:

> آپ والد جعفر صادق، بھائی موسیٰ کاظم، حسین بن زید بن علی بن حسین، ثوری، معتب اور ابو سعید مکی رحمۃ اللہ علیہم سے روایت کرتے ہیں، جبکہ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے بیٹے احمد، محمد، پوتے عبد اللہ بن حسن بن علی، علی بن حسن بن علی بن عمر بن علی ابن ابو طالب، زید بن علی بن حسین، اسماعیل بن محمد بن اسحاق بن جعفر، سلمہ بن شیب، نصر بن علی جہضمی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر شامل ہیں۔ آپ کے بھائی اسحاق بن جعفر کے پوتے نے کہا: انھوں نے ۲۱۰ھ میں وصال فرمایا۔[٧٢]

٧٠- **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ٢٩/ ٤٣ . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ١٢/ ٤١٧ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٦/ ٢٧٠ . **التذكرة** ، للحسيني ، الصفحة ١٧٢٩ ، الرقم ٦٩٢٦ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ١٠/ ٣٣٩ . **التكميل في الجرح والتعديل** ، لإبن كثير ، ١/ ٢٣٦ ، الرقم ٣٤٧.

٧١- **الجرح والتعديل** ، للرازي ، ٨/ ١٣٩ ، الرقم ٦٢٥. **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ٢٩/ ٤٣ . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ١٢/ ٤١٧ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٦/ ٢٧٠ . **التذكرة** ، للحسيني ، الصفحة ١٧٢٩ ، الرقم ٦٩٢٦ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ١٠/ ٣٣٩ . **التكميل في الجرح والتعديل** ، لإبن كثير ، ١/ ٢٣٦ ، الرقم ٣٤٧.

٧٢- **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٧/ ٢٩٣ ، طبعة دائرة المعارف النظامية ، الهند .

آپ کی امام کاظم رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک حدیث تو وہی حسنین کریمین کی فضلیت والی ہے، جسے امام ترمذی نے "سنن" امام احمد نے "مسند" اورامام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" اور "السنن الکبری" میں روایت کیا ہے، اس کے علاوہ محدثین نے بھی مختلف اَحادیث آپ سے روایت کی ہیں۔ آپ کے احوال آئندہ باب رِضا رضی اللہ عنہ میں مذکور ہیں۔

(٨) علي بن حمزة ، الكِسَائيُّ ، الكوفيُّ ، أبو الحسن ، المُقْرِيءُ ، النحويُّ ، الإمام . (٧٣)

اَدب عربی اور نحو وقراءت کے مشہور امام ہیں، انھوں نے امام جعفر صادق، اَعمش، سلیمان بن اَرقم، ابن ابی لیلی اور حمزہ بن حبیب الزیات کوفی سے اکتساب علم کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا: جو علم نحو میں تبحر حاصل کرنا چاہے، تو وہ کسائی کا محتاج ہے۔ انھوں نے بہت سے تالیفات لکھیں؛ جن میں معانی القرآن، کتاب القراءت، النوادر الکبیر، اور مختصر فی النحو وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ "ری" کے قریب "اَرنبویہ" میں ١٨٩ھ میں وصال کیا۔ "سير أعلام النبلاء، (٩/ ١٣١، الرقم٤٤)، ملخصاً"۔ ابن حبان نے "الثقات، (٨/ ٤٥٧)" میں لاتے ہوئے انھیں "مستقيم الحديث" کہا ہے، امام حاکم نے "المستدرك، (٢/ ٢٧٦)" میں ان کے طریق سے بشرط شیخین روایت نقل کرکے ضمنی توثیق کی ہے، جبکہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الإيمان" میں محولہ مقام پر امام کاظم رضی اللہ عنہ سے بصیغہ جزم روایت نقل کی ہے۔

(٩) علي الرضا بن موسى الكاظم ، أبو الحسن ، المدني ، الحسينيُّ . (٧٤)

آپ کی والد گرامی سے اَخذِ روایت اور اکتساب علم کو تقریباً تمام ہی ائمہ نے ذکر کیا ہے، نیز آپ ہی کی سند سے حدیث "السنن لابن ماجة" میں مذکور ہے، آپ کے احوال مستقل باب میں آرہے ہیں۔

(١٠) علي بن المُؤَمَّل . (٧٥)

٧٣۔ **شعب الايمان** ، للبيهقي ، ٤/ ١١٧.

٧٤۔ **الجرح والتعديل** ، للرازي ، ٨/ ١٣٩ ، الرقم ٦٢٥. **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ٢٩/ ٤٣ . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ١٢/ ٤١٧ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٦/ ٢٧٠ . **التذكرة** ، للحسيني ، الصفحة ١٧٢٩ ، الرقم ٦٩٢٦ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ١٠/ ٣٣٩ . **التكميل في الجرح والتعديل** ، لإبن كثير ، ١/ ٢٣٦ ، الرقم ٣٤٧.

٧٥۔ **مسند الشهاب** ، للقضاعي ، ٢/ ٢٥٨ ، الرقم ١٣١٢.

(۱۱) محمد بن إسماعيل بن مسلم ابن أبي فديك ، أبو إسماعيل ، المدني .[۷۶]

امام ذہبی "سیر أعلام النبلاء" میں لکھتے ہیں:

> یہ ثقہ، محدث اورامام تھے ،انھوں نے سلمہ بن وَردان ،ضحاک بن عثمان، ابن ابی ذئب، ابراہیم بن فضل مخزومی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر بہت سے اہل مدینہ سے احادیث لیں، آپ سے احادیث روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن منذر حزامی، سلمہ بن شبیب ، احمد بن ازہر ،عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر حضرات شامل ہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: انھوں نے ۲۰۰ھ میں وصال فرمایا، جبکہ امام ابن سعد نے ان کی وفات ۱۹۹ھ میں ذکر کی ہے۔[۷۷]

ان سے ایک روایت خطیب بغدادی نے "الموضِّح لأوهام الجمع والتفريق" میں لی ہے، جس میں واضح طور پر راوی نے "موسی بن ابی عبد اللہ" کا ذکر کیا ہے اور خود خطیب بغدادی نے موسی بن جعفر کے عنوان کے تحت اس حدیث کو ذکر کر کے متعین کیا ہے کہ ابن ابی فدیک نے یہ روایت امام کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور یوں آپ رضی اللہ عنہ ان کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں، تاہم خطیب کے علاوہ اسی مفہوم کی روایات کو دیگر ائمہ مثلاً امام ابن سعد، بخاری اور ذہبی نے انھیں کے طریق سے محمد بن موسی مخزومی اور پھر عون بن محمد بن علی بن ابو طالب کی سند سے روایت کیا ہے جس میں امام کاظم رضی اللہ عنہ کے بجائے محمد بن موسی کا ذکر ہے۔تو ممکن ہے کہ ابن ابی فدیک نے یہ روایت محمد بن موسی مخزومی اور موسی کاظم دونوں ہی سے لی ہو، پس دونوں کی اسناد سے ذکر کیں، البتہ خطیب کی یہ سند دیگر ائمہ کی اسناد سے مختلف ہے۔

البتہ ہمیں خطیب بغدادی کے علاوہ کسی اور کے یہاں اس روایت کی سندی موافقت معلوم نہ ہو سکی، یعنی اس بحث کا مدار صرف خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل پر ہے، لیکن خطیب نے اسے اپنی جس مخصوص کتاب میں ذکر کیا ہے، اُس میں ایسے ہی اوہام کا ازالہ مقصود تھا اور بایں وجہ ان کی نقل پر اعتماد زیادہ قرین صواب ہے، واللہ اعلم

۷۶۔ الموضح لأوهام الجمع والتفريق ، للخطيب البغدادي ، ۲/ ۴۰۳ .

۷۷۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ۹/ ۴۸۶ .

(۱۲) محمد الدِّيْبَاج بن جعفر الصادق ، أبو جعفر ، المدني . (۷۸)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور امام کاظم کے بھائی ہیں، مقام و مرتبے میں اپنے بھائی کے ہم پلہ تھے، انھوں نے والد گرامی اور ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے احادیث لیں، جبکہ آپ سے روایت کرنے والوں میں محمد بن یحییٰ عدنی، یعقوب بن کاسب، ابراہیم بن منذر حزامی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر حضرات شامل ہیں۔ آپ کے وصال کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حمام میں داخل ہوئے اور فصد لگوایا، جس کی وجہ سے اچانک وصال فرما گئے۔ ۲۰۳ھ میں انتقال ہوا۔ (۷۹)

خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں ذکر کیا:

آپ نے ۲۰۳ھ، شعبان کے مہینے میں جرجان میں وصال فرمایا اور خلیفہ مامون نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (۸۰)

خطیب نے متعلقہ مقام پر مزید اُمور کی کچھ تفصیلات بھی تحریر کی ہیں۔ یاد رہے کہ اسی سال آپ کے بھتیجے اور امام کاظم کے بیٹے امام رِضا رضی اللہ عنہ کا بھی "طوس" میں وصال ہوا اور اُن کی نمازِ جنازہ بھی خلیفہ مامون نے پڑھائی تھی۔

(۱۳) محمد بن صدقة ، العنبري . (۸۱)

مصادرِ اہل سنّت میں انھیں مجہول شمار کیا گیا اور بیشتر محدثین نے ان کی سند بیان کرتے ہوئے ضعیف و مجہول ہونا ہی ذکر کیا ہے، جبکہ بعض نے بغیر کسی حکم کے محض ایراد پر اکتفا کیا، جیسا کہ تمّام رازی کی "الفوائد" میں ہے، البتہ اہل

۷۸۔ **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ۲۹/ ۴۳ . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ۱۲/ ۴۱۷ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ۶/ ۲۷۰ . **التذكرة** ، للحسيني ، الصفحة ۱۷۲۹ ، الرقم ۶۹۲۶ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ۱۰/ ۳۳۹ . **التكميل في الجرح والتعديل** ، لإبن كثير ، ۱/ ۲۳۶ ، الرقم ۳۴۷.

۷۹۔ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ۹/ ۴۸۶ .

۸۰۔ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ۲/ ۴۷۵ .

۸۱۔ **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ۲۹/ ۴۳ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ۶/ ۲۷۰ . **التذكرة** ، للحسيني ، الصفحة ۱۷۲۹ ، الرقم ۶۹۲۶ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ۱۰/ ۳۳۹ . **التكميل في الجرح والتعديل** ، لإبن كثير ، ۱/ ۲۳۶ ، الرقم ۳۴۷. **الفوائد** ، للإمام تمام الرازي ، ۱/ ۲۹۵ ، الرقم ۷۳۹.

تشیع کے یہاں کنیت "ابو جعفر" اور نسبت "عنبری بصری" مذکور ہے، نیز انھیں امام کاظم ورِضا دونوں کا تلمیذ بیان کیا گیا، جیسا کہ "موسوعة سيرة أهل البيت، للقرشي، (٢٩/ ٣٠٨، الرقم ٢٤٨)" میں بحوالہ "رجال النجاشي" مذکور ہے۔

(۱۴) سهل بن إبراهيم، المروزي. (۸۲)

(۱۵) صالح بن يزيد. (۸۳)

(۱۶) موسى بن إبراهيم، أبو عمران، المروزي، البغدادي. (۸۴)

خطیب بغدادی نے ان کا ذکر "تاريخ بغداد، ١٥/ ٢٨" پر درج کیا ہے نیز یہ وہی شخصیت ہیں جن سے امام ابو بکر شافعی کی اَخذ کردہ احادیث کا "جزء مسند موسى بن جعفر" مروی ہے، غالب گمان یہ ہے کہ انھوں نے امام کاظم سے قید بغداد کے دوران استفادہ کیا، جبکہ شیعی محقق آل یاسین اور باقر شریف وغیرہ کی رائے میں یہ سندی بن شاہک کے بیٹے کو پڑھانے والے تھے اور یہ سندی وہی ہے جسے ہارون نے امام کاظم کو قید میں رکھنے اور بعد اَزاں قتل کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی، پس اگر یہ اُس کے بیٹے کے معلّم تھے، تو قید کے دوران استفادے کا امکان قوی ہے۔

(۱۷) موسي ابن إبراهيم، الورّاق. (۸۵)

ان کے بارے میں تفصیلات حاصل نہیں ہو سکیں، البتہ بعض کے نزدیک سابق ابو عمران موسی اور یہ دونوں ایک ہی ہیں، پس اگر ایسا ہے، تو ان کا بیان گزر چکا۔ ان کے بارے میں جرح کی تفصیلات اَحادیث میں "مَنْ تَكَلَّمَ فِي اللهِ فَاقْتُلُوهُ، وَمَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقُرْآنِ فَاقْتُلُوهُ" کے ضمن میں بیان ہوں گی۔ ان شاء اللہ

۸۲۔ **مسند الشهاب**، للقضاعي، ١/ ٢٠٥، الرقم ٣١٠.

۸۳۔ **تهذيب الكمال**، للمزي، ٢٩/ ٤٣. **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٦/ ٢٧٠. **تهذيب التهذيب**، للعسقلاني، ١٠/ ٣٣٩. **التكميل في الجرح والتعديل**، لإبن كثير، ١/ ٢٣٦، الرقم ٣٤٧.

۸۴۔ **مسند الشهاب**، للقضاعي، ١/ ٧٥، الرقم ٦٨. **الحجة في بيان المحجة**، للإمام قوام السنة الإصبهاني، ١/ ٣١٣. **الترغيب في الدعاء**، للإمام المقدسي، الصفحة ٢٢، الرقم ١٣.

۸۵۔ **الإبانة الكبرى**، للإمام ابن بطة الحنبلي، ٦/ ٤٣، الرقم ٢٣٥.

الغرض اہل سنت کے اوّلین مصادرِ جرح وتعدیل اور تاریخ میں صرف اسی قدر تلامذہ وفیض یافتگان کے نام مل سکے، لیکن شیعی مصادر میں امام کاظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہے، مثلاً صرف باقر شریف قرشی نے "حیاة الإمام موسی بن جعفر "میں (۳۲۰) تلامذہ کا ذکر کیا ہے [۸۶]۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اَولاد اور دیگر اس کے علاوہ ہیں۔ فافہم

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کا مثالی کردار

کسی شخصیت کے بلند مرتبہ ہونے کا عکس اس کے کردار میں واضح دکھائی دیتا ہے، کیونکہ انسانی کردار کو اللہ تعالی عزوجل نے اندرونی خیالات وجذبات کا عکاس بنایا ہے جس میں تصنع اور بناوٹ کے عناصر زیادہ دیر تک اثر پذیر نہیں رہ سکتے اور بالآخر اس شخص کی اندرونی کیفیت جھلکنا شروع ہو جاتی ہے نیز کردار سازی اور اس کی تعمیر ایسا وصف ہے جس پر قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیث مبارکہ کا بیشتر ذخیرہ موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اعلیٰ اَخلاقیات کی تکمیل کے لیے تشریف لائے، چنانچہ اخلاقی محاسن کو مکمل کرنے والے جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلاَقِ . [۸۷]

ترجمہ: مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ حُسن اخلاق کی تکمیل کر دوں۔

امام بیہقی نے سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث ان الفاظ سے روایت کی:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلاَقِ . [۸۸]

ترجمہ: مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اخلاقی محاسن کی تکمیل کر دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں مسلمانوں کو اخلاقیات کی جانب بہت توجہ دلائی، پس ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا. [۸۹]

۸۶۔ **حياة الإمام موسى بن جعفر**، للشيخ باقر القرشي، ۲/ ۲۳۱-۳۷۲.

۸۷۔ **الموطأ**، للإمام مالک، كتاب حسن الخلق، الصفحة ۹۰٤، الرقم ۸ .

۸۸۔ **السنن الكبرى**، للبيهقي، ۱۰/ ۳۳۳، الرقم ۲۰۷۸۲ .

۸۹۔ **السنن**، للامام أبي داود، كتاب السنة، باب الدليل علي زيادة الايمان، ٤/ ۲۲۰، الرقم ٤٦٨۲ .

ترجمہ: کامل ایمان والا مؤمن وہ ہے؛ جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

اور یہی اخلاقی محاسن ہیں جن کی بدولت کسی انسان کے اثرات معاشرتی سطح پر نفوذ کر جاتے ہیں اور دیگر انسان بھی اس کی خوبیوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ حضرات صوفیاء نے اپنی تعلیمات کا نقطہ آغاز اسی کو بنایا، اسی لیے وہ چلہ کشی اور منازل سلوک کے ہر مرحلے پر اخلاقیات، خلق خدا کو فیض رسانی اوران کے لیے کشادہ دِلی جیسے لوازم کو اہم گردانتے ہیں اور صرف جنگل کی یکسوئی میں آواز حق کی ضربیں لگانے کو کافی نہیں سمجھتے، بلکہ ان کے یہاں یہ بات مسلّم ہے کہ اصل مجاہدہ وزُہد خلق خدا کے درمیان رہتے ہوئے ہے یعنی ایک صوفی مخلوق کے درمیان رہے اور پھر بھی ہمہ وقت خدا سے قلبی وروحانی تعلق اُستوار رکھے، ان کے یہاں سلوک روحانی میں یہ مرتبہ کمال ہے۔

بہرحال امام کاظم رضی اللہ عنہ جو حضرات صوفیاء کے مقتداو پیشوا ہیں، ان کی زندگی میں اپنے جدّ کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا عکس جمیل نہایت آب وتاب سے دکھائی دیتا ہے جیسا کہ ہم نے ما قبل کنیت والقاب کے ضمن میں بھی کچھ گفتگو کی، پس آپ رضی اللہ عنہ جس طرح وصف عبادت میں مرتبہ کمال کے حامل تھے، اُسی طرح اخلاقی محاسن واَوصاف میں بھی ممتاز تھے، خلق خدا آپ رضی اللہ عنہ کی دونوں ہی صفات سے بخوبی واقف وفیض یاب تھی، آپ رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ ہمیشہ دَرگزر سے کام لیتے اور خلق خدا پر آسانی فرماتے، بلکہ معاف کرنے کے ساتھ ساتھ مزید بلند کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے تکلیف پہنچانے والے کو تحائف بھجوایا کرتے تھے، خواہ کسی نے آپ رضی اللہ عنہ کو جسمانی تکلیف پہنچائی ہو یا زبانی، آپ رضی اللہ عنہ کی کرم نوازی کا دریا ان اُمور سے متاثر نہیں ہوتا تھا، چنانچہ سیرت نگاروں نے آپ کی اخلاقی خوبی کا تذکرہ یوں درج کیا:

کان إذا بلغه عن أحد أنه يؤذيه يبعث إليه بمال.[٩٠]

ترجمہ: آپ کو جب علم ہوتا کہ کسی نے آپ کو بُرا کہا، تو اسے کوئی مالی تحفہ ارسال کرتے تھے۔

جبکہ شیخ ابن کثیر نے دیے جانے والے مال کی وضاحت بھی پیش کی، چنانچہ "البداية والنهاية" میں لکھتے ہیں:

وكان كثيرَ العبادة والمرُوءة ، إذا بلغه عن أحد أنه يُؤذِيه أرسل إليه بالتُّحَف والذَّهب.[٩١]

٩٠۔ **خلاصة تذهيب تهذيب الكمال**، للخزرجي ،الصفحة ٣٩٠. **صفوة الصفوة**، للابن الجوزي، ٢/ ١٨٤، رقم الترجمة ١٩١.

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ عبادت کرنے والے اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے، پس جب کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اُس نے انھیں بُرا کہا ہے، تو اسے سونا و دیگر قیمتی تحائف بھیج دیا کرتے تھے۔

شیخ ابن جوزی نے "المنتظم" میں چند حسین کلمات کا اضافہ بھی نقل کیا:

وإذا بلغه عن رجل أنه يؤذيه بعث إليه ألف دينار و خرج الى الصلح.(٩٢)

ترجمہ: آپ کو جب معلوم ہوتا کہ کسی نے انھیں بُرا کہا ہے، تو اُسے ہزار دینار بھجواتے اور خود بھی صلح کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

ابن جوزی کے ان اضافی کلمات سے امام کاظم رضی اللہ عنہ کی بُردباری اور عفو و درگزر کا عملی نمونہ مزید نکھر کر سامنے آرہا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ صرف تحائف بھیجنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ پہل کرتے ہوئے خود تشریف لے جا کر معاملے کو صلح میں تبدیل کر دیا کرتے تھے اور یہ آپ کے لقب "کاظم" کی عمدہ نظیر ہے۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی سخاوت والی تھیلی

خطیب بغدادی "تاريخ بغداد" اور ابن خلکان "وفيات الأعيان" میں لکھتے ہیں:

وكان سخياً كريماً ، وكان يبْلُغه عن الرجل أنه يؤذيه ، فبعث إليه بصُرّةٍ فيها ألف دينار، وكان يُصِرّ الصُّرَرَ ثلاثمائة دينار، واربعمائة دينار، ومائتي دينار ثم يقسّمها بالمدينة ، وكان مثل صُرَر موسى بن جعفر إذا جاءت الإنسان الصُرَّة فقد استغنى.(٩٣)

٩١- **البداية والنهاية** ، للابن كثير الدمشقي ، سنة ثلاث و ثمانين و مائة ، ١٣/ ٦٢٣ .

٩٢- **المنتظم في تاريخ الملوك والامم** ، للابن الجوزي ، ٩/ ٨٧ ، سنة ١٨٣ .

٩٣- **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ١٥ / ١٥ ، رقم الترجمة ٦٩٣٩ . **وفيات الاعيان** ، للابن خلكان ، ٥/ ٣٠٨ ،الرقم ٧٤٦ .

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ نہایت سخی و کریم تھے، ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کو کسی شخص کے بارے میں خبر ملی کہ اُس نے آپ کو بُرا کہا ہے، تو آپ نے تھیلی میں ہزار دینار رکھ کر اُسے بھیج دیے اور آپ کا معمول تھا کہ تین سو، چار سو اور دو سو دیناروں کی تھیلیاں باندھ کر مدینہ منورہ میں تقسیم کر دیا کرتے اور موسی بن جعفر کی تھیلی کی مثال مشہور زمانہ تھی کہ جب کسی شخص کے پاس ان کی تھیلی پہنچتی، تو وہ خوشحال ہو جاتا تھا (یا جب کوئی پژمُردہ حال شخص اِن کے پاس آتا، تو قیمتی تحائف ملنے سے خوشحال ہو جاتا تھا)۔

عباسی خلفاء کی عطائیں یا اہل بیت کا حق؟

متذکرہ بالا واقعہ ذکر کرنے کے بعد امام ذہبی نے "تاریخ الإسلام" میں ایک نکتہ بیان کیا:

قلت: هذا يدل على كثرة إعطاء الخلفاء العباسيين له.[۹۴]

ترجمہ: میں کہتا ہوں: یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عباسی خلفاء آپ کو بکثرت مال دیا کرتے تھے۔

امام ذہبی کا یہ نکتہ اپنی جگہ درست، لیکن اس سے عباسی خلفاء کی سخاوت کے آثار نہیں جھلک سکے، کیونکہ اس دور میں فتوحات کا سلسلہ براعظم افریقہ اور مغرب کی بہت سی سلطنتوں پر پھیل چکا تھا، ایشیاء و ہند اور دیگر بلاد و ممالک سرنگوں ہو رہے تھے، اُن فتوحات میں اسلامی احکامات کے مطابق مال فَیْئ کی صورت میں اہل بیت کا حق موجود تھا، نیز زمانہ نبوی سے چلی آرہی کچھ مدّات کے منافع بھی، جنھیں بنو اُمیہ کے اکثر دور میں اہل بیت تک نہیں پہنچایا گیا تھا، البتہ بنو عباس کی خلافت میں اس کا اجراء کر دیا گیا، پس جو مال و متاع خلفائے عباسیہ نے اُس زمانے میں اہل بیت کو دیا، وہ کسی احسان و تحفہ کے طور پر نہیں، بلکہ اُنہی کے اَموال میں سے تھا، لہٰذا صرف خلفائے عباسیہ کی کثرت عطا کو ملحوظ رکھنا مشکل ہے۔

اور اگر صرف عطائیں ہوتیں تو بعد کے تاریخی شواہد و حالات بھی اس کی مخالفت نہ کرتے، یہاں کسی کے ذہن میں خیال آئے کہ بھلا اُن خلفاء کو کس سے ڈر تھا جو ایسا کرتے تھے اور اہل بیت کے اموال میں سے انھیں حصہ دیتے،

۹۴۔ تاريخ الاسلام، للذهبي، ۱۲/ ۴۱۸.

اگر بالفرض وہ ایسا نہ کرتے تو کیا حرج تھا؟اس کا جواب سہل ہے کہ بنواُمیہ کی حکومت نے قریباً ایک صدی تک اہل بیت پر جن مظالم کو روا رکھا، انھیں میں سے مالی حقوق کا معاملہ بھی تھا، جسے وہ غصب کر جاتے تھے اور بنوعباس جنھیں اہل بیت کی حمایت اور تعلق نسبی حاصل تھا،وہ اسی حکومت کے بالمقابل آئے تھے، اگر ابتدائے حکومت میں یہ بھی ویسا ہی سلوک اختیار کرتے تو مسائل وحالات میں اضطراب کا سامنا کرنا پڑتا، لہٰذا انھوں نے ابتدائی اور ظاہری طور پر اپنا سلوک مناسب وحامیانہ رکھا، لیکن دَرپردہ اہل بیت کے خلاف محاذ آرائی کی سازباز جاری رکھی، جس کا واضح عکس امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مشکلات اور پھر امام کاظم رضی اللہ عنہ کی مسلسل قید وبند اور شہادت کی صعوبتوں میں نظر آتا ہے اور یہاں تک تو وہ کلام تھا جو تاریخی مواد کے جھروکوں کی روشنی میں مرتب ہوا، لیکن اگر معاملہ ایسا نہیں، بلکہ واقعی سلوک واحسان پیش نظر تھا، تو تاریخی مواد کچھ بھی کہے پر۔۔ ”اللہ تعالی عَزَّوَجَلَّ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا“۔

سیّدناموسی کاظم رضی اللہ عنہ کی سخاوتوں کے مظاہر

آپ رضی اللہ عنہ کا خاندان سخاوت میں اس قدر مشہور کہ روئے زمین پر اس سے زیادہ کسی بھی خاندان میں سخاوت کے آثار نہیں ملتے، شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کی مثالیں حیاتِ اقدس سے عیاں اور اَحادیث میں محفوظ ہیں، اور پھر مولائے کائنات سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت؛ جس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی اشارۃً مذکور ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ. (۹۵)

ترجمہ: تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اوراس کا رسول اورایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اوراللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔

قارئین کرام متذکرہ بالا گفتگو میں دشمنوں اور تکلیف پہنچانے والوں پر ضمناً سخاوت کرنے کا ذکر ہو چکا، لیکن ہم یہاں اسی سخاوت کے وصف پر چند دیگر نظائر بھی پیش کر رہے ہیں، تاکہ ایک طرف تو آپ رضی اللہ عنہ کے وصف سخاوت کا بیان جامع ہو اور دوسری طرف آپ رضی اللہ عنہ کے اخلاقیاتی محاسن کی پختگی اوراتباع رسول کی کیفیت نکھر کر سامنے آئے، جس سے

۹۵- القرآن الكريم ، سورة المائدة : ۵/ ۵۵ .

معلوم ہو کہ اہل بیت عملی میدانوں میں بھی کس قدر مستحکم تھے، چنانچہ شیخ ابن کثیر "البداية والنهاية" میں لکھتے ہیں:

وأهدي له مرة عبد عصيدة فاشتراه واشترى المزرعة التي هو فيها بألف دينار وأعتقه ووهب المزرعة له. (٩٦)

ترجمہ: ایک مرتبہ کسی غلام نے آپ رضی اللہ عنہ کو حلوے کا تحفہ پیش کیا، تو آپ نے غلام کو؛ جس کھیت میں کام کر رہا تھا، اُس سمیت ہزار دینار میں خرید لیا اور پھر آزاد کرتے ہوئے وہ کھیت بھی اُسے ہی عنایت کر دیا۔ (یعنی وہ غلام حلوے کا تحفہ لے کر حاضر ہوا، لیکن آپ نے اُسے آزادی اور جاگیر کا تحفہ عنایت فرمایا)۔

امام ذہبی "تاريخ الإسلام" میں لکھتے ہیں کہ عیسی بن مغیث قرظی نے کہا:

زرعت بِطِّيْخاً وقِثَّاءً في موضع بالجوَّانية على بئر، فلما استوى بيته الجراد فأتى عليه كله ، وكنت عرضت عليه مائة وعشرين ديناراً ، فبينما أنا جالس إذ طلع موسى بن جعفر فسلم ، ثم قال: أيش حالك؟ فقلت: أصبحت كالعديم ، بيتني الجراد ، فقال: يا عرفة ! غلامه ، زن له مائة وخمسين ديناراً ، ثم دعا لي فيها ، فبعث منها بعشرة آلاف درهم. (٩٧)

ترجمہ: میں نے جوانیہ کے مقام پر ایک کنویں کے قریب خربوزے اور کھیرے کی فصل لگائی، جب وہ تیار ہوئی تو ٹڈیوں نے کھا کر ساری فصل برباد کر دی، حالانکہ میں نے اس کی کھیتی پر ایک سو بیس دینار خرچ کیے تھے، پس میں اسی حال میں بیٹھا تھا کہ موسیٰ بن جعفر تشریف لائے اور سلام کیا، پھر فرمانے لگے: کیا حال ہیں؟

٩٦۔ **البداية والنهاية**، للابن كثير الدمشقي، سنة ثلاث و ثمانين و مائة، ١٣/ ٦٢٣. **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ١٣/ ٥٤.

٩٧۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ١٥/ ١٦. **تهذيب الكمال**، للمزي، ٢٩/ ٤٦. **تاريخ الاسلام**، للذهبي، ١٢/ ٤١٩. **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٦/ ٢٧٢.

میں نے عرض کی: میں قلاش ہوچکا ہوں، ٹڈیوں نے کھیتی کو برباد کر دیا ہے، یہ سن کر آپ نے اپنے غلام سے فرمایا: اے عرفہ! اسے ایک سو پچاس دینار دے دو اور میرے لیے اس میں برکت کی دعا کی۔ پس میں نے اس سے مزید دس ہزار درہم کمائے۔

اس واقعے کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" اور امام ذہبی نے "سير أعلام النبلاء" میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے، نیز تہذیب الکمال میں مذکور ہے: اس کنویں کا نام "أُمّ عِظَام" تھا۔ بہرکیف ایک سو پچاس دینار ملنے کے بعد اس شخص نے آپ سے عرض کی: اے برکت والے! ذرا میری کھیتی میں آکر دعا فرمادیں پس آپ نے کھیتی میں داخل ہو کر اس کے لیے دعا فرمائی۔۔ الخ۔

اسماعیل بن یعقوب کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن عبد اللہ بکری نے بیان کیا:

ایک مرتبہ وہ مدینہ منورہ آئے تاکہ کسی سے قرض لے سکیں تو ان سے کہا گیا: وہ ابو الحسن موسی بن جعفر کے پاس جائیں اور ان سے اپنی کیفیت عرض کریں، پس میں ان سے "نقمی" کے مقام پر کھیت میں ملا، تو وہ ایک غلام کے ساتھ مجھ سے ملے، جس کے ہاتھ میں بڑی سے چھلنی میں بھنا ہوا گوشت تھا، نیز میرے علاوہ وہاں کوئی اور نہیں تھا، پس انھوں نے مجھے اپنے ساتھ کھلایا، پھر مجھ سے آنے کا سبب پوچھا تو میں نے اپنا معاملہ عرض کر دیا، وہ اپنے گھر گئے اور تھوڑی ہی دیر میں واپس آئے اور اپنے غلام کو بھیج دیا، پھر ہاتھ بڑھا کر ایک تھیلی میرے سپرد کی؛ جس میں تین سو دینار تھے، اس کے بعد وہ تشریف لے گئے، پس میں بھی وہاں سے سوار ہو کر واپس پلٹ آیا (یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے ایسے سخاوت کی کہ اپنے غلام تک کو خبر نہ لگنے دی، اور سائل کی عزت کا بھی خیال رکھا)۔ [(۹۸)]

۹۸- **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۵/ ۱۵ . **تهذيب الكمال**، للمزي، ۲۹/ ٤٥ . **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٦/ ۲۷۱ .

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی جانشینی، نیز سلسلۂ امامت میں اہل تشیع کی آراء

امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی جانشینی اوراپنے والد گرامی سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بعد سلسلہ امامت کو جاری رکھے جانے پر اہل سنت میں کوئی نزاع واختلاف نہیں، بلکہ اہل سنت وجماعت نے امام کاظم رضی اللہ عنہ کو ہی اپنے والد کا جانشین اور وارث قرار دیا اورانھیں سے علوم وفیضان کے تسلسل کو تسلیم کیا ہے۔ تاہم اہل تشیع کے یہاں اس پر بہت نزاع رہا، اسی اختلاف کے نتیجے میں ان کے یہاں بہت سے فرقے مزید تقسیم ہوتے گئے، مثلاً شیعی مؤرخین کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ شیعہ اثناعشریہ اور شیعہ اسماعیلیہ کی بنیاد امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وصال فرمانے کے بعد رکھی گئی، جس کا مدار آپ رضی اللہ عنہ کے جانشین کے تعین پر ہے، لہٰذا اسماعیل بن جعفر رضی اللہ عنہ کی امامت کو تسلیم کرنے والوں کو "اسماعیلی" جبکہ موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی امامت تسلیم کرنے والوں کو "اثناعشری" کہا جاتا ہے۔

اس بارے میں شیعی روایات اور مواد میں کافی تفصیلات اوراختلافات کا ذکر بھی موجود ہے کہ آخر امامت ایسے اہم معاملے میں ان دونوں فریقین کے مابین اختلافات کیوں رُونما ہوئے، بعض قدیم شیعی مورخین مثلاً قمی، نوبختی اور دیگر محققین نے اس خلجان کو رفع کرنے کے لیے کہا ہے کہ امام صادق رضی اللہ عنہ کے بعد امامت تو جناب موسی کاظم رضی اللہ عنہ کو ہی ملی تھی، لیکن آپ کے بھائیوں نے امامت کا اظہار اُصولِ تقیہ اور حکومت وقت کی وجہ سے کیا تھا تاکہ حکومتی کارندوں کو اس بات کا اندازہ نہ ہوسکے کہ حقیقی جانشین کون ہے، پس امام صادق رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کی جانب سے امامت کے دَعاوی انہی اُمور کی وجہ سے تھے۔ یہ تاویل اثناعشریہ حضرات تو قبول کرتے ہیں، لیکن اسماعیلی اسے نہیں مانتے، بلکہ وہ اسی بات پر مصر ہیں کہ اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو ہی امامت کا منصب تفویض ہوا تھا اوران کے بعد محمد بن اسماعیل کو۔

بہرحال ہم ان تمام تفصیلات کو درج کرکے سوانح کو بوجھل اور قارئین کو طوالت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے، البتہ موضوع کی مناسبت کے پیش نظر صرف چند اہم اُمور کا خلاصہ درج کررہے ہیں، اس بارے میں نہایت تفصیل کے ساتھ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے "تحفة اثناء عشرية" میں اور امام عبدالقاہر بغدادی نے "الفَرْق بين الفِرَق" میں کلام کیا ہے۔ "تحفہ اثناء عشریہ" کو شیخ غلام محمد ابن عمر اسلمی نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور پھر شیخ محمود شکری آلوسی نے اس تعریب سے اختصار کیا، جسے مکتبہ سلفیہ قاہرہ نے شائع کیا ہے، نیز میر محمد کتب خانہ، کراچی سے اصل کتاب کا اُردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے، اس باب میں یہ کتب جامع معلومات پر مبنی ہیں، جسے مزید تفصیل اور فرقوں کی طبقاتی وتدریجی تقسیم کی

معرفت حاصل کرنی ہو، وہ ان کی جانب مراجعت کرے، ہم ذیل میں عربی اختصار سے حوالہ جات نقل کریں گے، تاکہ سہولت رہے، البتہ گفتگو کے اخیر میں مجموعی ماخذ کا بھی ذکر کریں گے۔

اہل تشیع میں کچھ کے نزدیک حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے وصال فرمانے کے بعد امامت کی ذمہ داری کا حق حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو تفویض کیا گیا اور بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ ہی کی اَولاد میں یہ سلسلہ جاری رہا، یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے بیٹے حسن مثنی رضی اللہ عنہ کو پھر ان کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو پھر ان کے بیٹے محمد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ کو۔ اسے **"فرقہ حسنیہ"** کہتے ہیں۔

ایک فرقے کے نزدیک امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد امامت کا سلسلہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پھر انہی کی اَولاد میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک جاری رہا، اس کے بعد ان کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسے **"فرقہ حکمیہ"** کہتے ہیں۔

ایک فرقے کے نزدیک سلسلہ امامت سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اَولاد میں سے چلتا ہوا سیّدنا محمد باقر رضی اللہ عنہ تک آیا اور ان پر آکر موقوف ہو گیا، آپ رضی اللہ عنہ اُن کے نزدیک زندہ ہیں اور آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے، اسے **"فرقہ باقریہ"** کہتے ہیں، نیز اسی فرقے کی ایک شاخ میں اتنا مزید ہے کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے بعد امامت آپ کے بیٹے زکریا بن محمد باقر کو منتقل ہوئی، جو "حاضر" نامی پہاڑ میں پوشیدہ اور اجازت کے منتظر ہیں۔ اسے **"فرقہ حاضریہ"** کہتے ہیں۔

ایک فرقے کے نزدیک امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے وصال فرمانے کے بعد سلسلہ امامت سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور امام صادق رضی اللہ عنہ نے اُن کے نزدیک ابھی وصال نہیں کیا، بلکہ وہ زندہ وغائب ہیں اور یہی امام مہدی ہیں، جن کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ اسے **"فرقہ ناؤوسیہ"** کہتے ہیں[99]۔ اس فرقے کو عبد اللہ بن ناووس بصری (عجلان) اور اس کے پیروکاروں کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔[100]

ایک فرقے کے نزدیک اس کے بعد امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا اور امامت ان کے بعد انہی کی اولاد میں جاری رہی، اسے **"فرقہ شمیطیہ"** کہتے ہیں۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نزدیک فرقہ شمیطیہ دراصل یحییٰ بن ابی شمیط کی جانب منسوب ہے، اور یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد امامت کو اس ترتیب سے مانتے ہیں، کہ پہلے اسماعیل بن

۹۹۔ فرقہ ناووسیہ کے بارے میں مزید وضاحت آگے "واقفیہ" کے تحت حاشیہ میں آرہی ہے۔

۱۰۰۔ امام عبد القاہر بغدادی نے مزید تفصیل بھی درج کی ہے، ملاحظہ ہو: الفرق بين الفرق ، الصفحة ٦١.

جعفر، پھر محمد بن جعفر، پھر موسی بن جعفر، پھر عبد اللہ بن افطح، اور پھر اسحاق۔[101] جبکہ عبد القاہر بغدادی کے نزدیک فرقہ شمیطیہ امام صادق رضی اللہ عنہ کے وصال کو مانتے ہیں، لیکن سلسلہ امامت کو آپ کے بیٹے محمد بن جعفر صادق اور پھر ان کے بعد اُنہی کی اولاد میں منحصر رکھتے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ مہدی منتظر انھیں کی اولاد میں سے ہو گا۔[102]

ایک فرقے کے نزدیک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے بڑے بیٹے عبد اللہ بن جعفر کو امامت ملی، انھیں امتیاز کے لیے عبد اللہ الافطح بھی کہا جاتا ہے۔ اسے **"فرقہ عماریہ اَفطحیہ"** کہتے ہیں۔ یہ عبد اللہ بن عمار اور اس کے پیروکاروں کی وجہ سے "عماریہ" کہلاتا ہے۔[103]

ایک فرقے کے نزدیک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بعد امامت کا سلسلہ اسماعیل بن جعفر کے پاس آیا، پھر انھیں کی اولاد میں جاری رہا، اس فرقے میں بہت زیادہ تقسیم ہوئی، جن کی تفصیلات یہاں درج نہیں کی جاسکتیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ بعض نے انہی کو مہدی منتظر اور مخفی مان رکھا ہے، بعض نے ان کی اولاد میں سلسلہ امامت کو جاری جانا، انھیں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، مثلاً شاہ عبد العزیز کی تفصیلات کے مطابق انھیں، فرقہ اسماعیلیہ، فرقہ مبارکیہ، فرقہ باطنیہ، فرقہ قرامطہ، فرقہ میمونیہ، فرقہ خلفیہ، فرقہ برقعیہ، فرقہ جنابیہ، فرقہ سبعیہ اور فرقہ مہدویہ کہتے ہیں[104]۔ ان تمام فرقوں کے نزدیک امامت کا منصب اسماعیل بن جعفر تک آیا، اس پر یہ سب متفق ہیں، لیکن اس کے بعد کی تفصیلات اور باہمی اعتقادی امور میں نزاع کی بنیاد پر ان کی تقسیم دَر تقسیم ہوتی گئی۔

ایک فرقے کے نزدیک امام صادق رضی اللہ عنہ کے بعد امام کاظم رضی اللہ عنہ ہی منصب امامت پر رونق افروز ہوئے، لیکن ان کے بعد کی صورت حال کے پیش نظر اس میں مزید گروہ بن گئے، پس مفضل بن عمرو کے گروہ نے کہا: موسی کاظم رضی اللہ عنہ پر سلسلہ امامت ختم ہو گیا اور ان کا انتقال بھی نہیں ہوا۔ اس فرقے کو **"فرقہ مفضّلیہ اور فرقہ قطعیہ"** کہتے ہیں۔

۱۰۱۔ مختصر التحفة الاثنى عشرية ، للشكري الآلوسي ، الصفحة ۱۸ .

۱۰۲۔ الفرق بين الفرق ، للقاهر البغدادي ، الصفحة ٦٢.

۱۰۳۔ فرقہ عماریہ کے نام سے ایک اور فرقہ بھی ہے جو امامت کو محمد بن جعفر الصادق کے لیے مانتا ہے۔ مختصر التحفة الاثنى عشرية ، الصفحة ۱۸.

۱۰۴۔ مختصر التحفة الاثنى عشرية ، الصفحة ۱۹-۱۸. شیخ عبد القاہر بغدادی نے اس بارے میں اسماعیلیہ کے عنوان کے تحت اختصار سے صرف دو فرقوں کا ذکر کیا ہے، مزید تفصیلات درج نہیں فرمائیں۔ ملاحظہ کریں، الفرق بين الفرق ، للقاهر البغدادي ، ٦٣-٦٢.

جبکہ ایک گروہ امام کاظم رضی اللہ عنہ تک امامت تسلیم کرتا ہے، لیکن آپ کی موت وحیات کے بارے میں متذبذب ہے، اسی لیے آپ کی اَولاد میں اجرائے امامت کا قائل نہیں۔ انھیں **"فرقہ موسویہ"** کہتے ہیں۔

تیسرا گروہ امام کاظم رضی اللہ عنہ کی امامت کو تسلیم کرتا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کے زندہ ہونے کا قائل ہے، ان کے نزدیک آپ ہی مہدی منتظر ہیں۔ اسے **"فرقہ ممطوریہ"** کہتے ہیں۔ یہ یونس بن عبد الرحمن کی طرف منسوب ہے۔

اس کے علاوہ چوتھا گروہ ہے جو امام کاظم رضی اللہ عنہ کی امامت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ہی آپ کی وفات کا تو قائل ہے لیکن یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ دوبارہ تشریف لائیں گے۔ اسے **"فرقہ رجعیہ"** کہتے ہیں۔ اوران آخری چار فرقوں کو امام کاظم رضی اللہ عنہ پر امامت موقوف رکھنے کی وجہ سے **"فرقہ واقفیہ"**[۱۰۵] بھی کہتے ہیں۔[۱۰۶]

اہل تشیع کے یہاں اس کے علاوہ بھی بہت سے فرقے ہیں جن سے ہمیں اس مقام پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ہمیں سلسلہ امامت کے تسلسل میں اختلافی جائزے کو امام کاظم تک لانا تھا وہ ہو چکا، تاکہ ہمارے موضوع کی مناسبت سے اس پر کلام کیا جاسکے۔

سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے بارے میں اہل سنت کا مؤقف

متذکرہ بالا شیعی اختلافات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی گروہی تقسیم کو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، اہل سنت کے یہاں ہماری معلومات کے مطابق اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ امام صادق رضی اللہ عنہ کے بعد جانشینی سوائے امام کاظم رضی اللہ عنہ کے کسی اور کے حصے میں آئی ہو، پس اہل سنت کے مصادر و مراجع اور اکابر ائمہ کی کتب میں اس کی تصریح

۱۰۵۔ ماقبل مذکور فرقہ ناووسیہ کو بعض شیعہ مورخین نے ناووسیہ اور بعض نے واقفیہ کہا ہے، لیکن قمی کے نزدیک ناووسیہ اور واقفیہ دونوں الگ الگ فرقے ہیں، ان کے نزدیک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی موت کا انکار کرنے والے ناووسیہ، جبکہ امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی موت کا انکار کرنے والے واقفیہ کہلاتے ہیں، فرقہ واقفیہ اور اس کی تفصیلات کے بارے میں شیعہ عالم ریاض محمد حبیب الناصری کی ضخیم کتاب "الواقفیة" ہے، جسے المؤتمر العالمی للامام الرضا، مشہد مقدس کی جانب سے ۱۴۰۹ھ میں شائع کیا گیا ہے، مزید تفصیلات اس میں ملاحظہ کریں۔

۱۰۶۔ **مختصر التحفة الاثنى عشرية**، للشاه عبد العزيز الدهلوي، تعريب: للشيخ غلام محمد الأسلمي، أختصره: الشيخ محمود شكري الآلوسي، طبعة المكتبة السلفية، القاهرة، الصفحة ٢٢-١٥. **تحفة اثناء عشرية**، المترجم في الأردية، طبعة مير محمد كتب خانه، كراتشي، الباكستان، الصفحة ٣٤-٢٦.

موجود ہے، نیز اہل بیت سے متعلق ہونے والے اُمت مسلمہ کے سلاسل تصوف اوران کے پیشواؤں کے یہاں بھی یہی بات مسلّم ہے کہ امام کاظم رضی اللہ عنہ ہی کو جانشینی کے لیے منتخب کیا گیا اور پھر انہی کی اولاد سے سلسلہ منتقل ہوتا ہوا سیّد الاولیاء شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا اور اب ان کے بعد قرب قیامت میں سیّدنا امام مہدی رضی اللہ عنہ اس منصبِ جلیل پر متمکن ہوں گے۔ چنانچہ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی "مکتوبات" میں لکھتے ہیں:

> میں سمجھتا ہوں کہ حضرت اَمیر (علی مرتضی رضی اللہ عنہ) اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجاء وماوی تھے، جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض وہدایت اس راہ سے پہنچی کہ ان کے ذریعے سے پہنچی، کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اوراس مقام کا مرکز اُن سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت اَمیر کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کو سپرد ہوا اوران کے بعد وہی منصب ائمہ اثناء عشر میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اوران بزرگواروں کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض اور ہدایت پہنچتا ہے ان بزگواروں کے ذریعے اور حیلولہ سے پہنچا ہے، اگرچہ اَقطاب ونجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں، سب کے ملجاء وماوی یہی بزرگ ہیں، کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنے سے چارہ نہیں ہے اور یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچی اور جب اس بزگوار تک نوبت پہنچی تو منصب مذکور آپ کے سپرد ہوا۔(۱۰۷)

جبکہ اسی مؤقف کو مولانا احمد رضا خان حنفی نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے حوالے سے یوں بیان کیا:

> فیوض و برکات کارخانہ ولایت کہ اَز جناب الٰہی بَر اَولیاء اللہ نازل مے شود ، اول بریک شخص نازل مے شود وازاں شخص قسمت شدہ بہریک اَز اولیائے عصر موافق مرتبہ و بحسب

۱۰۷۔ **المکتوبات**، للشیخ أحمد السرهندي، الباب الثاني، الجزء الثالث، رقم المکتوب ۱۲۳، ۳/ ۱۴٤۷. في اللغة الأردية.

استعداد می رسد ،وبہ ہیچ کس اَز اولیاء اللہ بے توسط اُو فیضی نمی رسد وکسے اَز مردان خدا بے وسیلہ اُو درجہ ولایت نمی یابد ، اقطاب جزئی و اَوتاد واَبدال و نُجباء ونُقباء وجمیع اقسام اَز اولیائے خدا بوے محتاج می باشند صاحب این منصب عالی را امام و قطب الارشاد بالاصالۃ نیز خوانند وایں منصب عالی از وقت ظہور آدم علیہ السلام بروح پاک علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ مقرر بود ۔

ترجمہ: کارخانہ ولایت کے فیوض وبرکات جو خدا کی بارگاہ سے اولیاء اللہ پر نازل ہوتے ہیں، پہلے ایک شخص پر اُترتے ہیں اور اس شخص سے تقسیم ہوکر اولیائے وقت میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبے واستعداد کے مطابق پہنچتے ہیں اور کسی ولی کو بھی اس کی وساطت کے بغیر کوئی فیض نہیں پہنچتا۔ اور اہل اللہ میں سے کوئی بھی اس کے وسیلے کے بغیر درجہ ولایت نہیں پاتا۔ جزئی اقطاب، اَوتاد، اَبدال، نجباء، نُقباء اور تمام اقسام کے اولیاء اللہ اس کے محتاج ہوتے ہیں، اس منصب بلند والے کو امام اور قطب الارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں، اور یہ منصب عالی ظہور آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کے لیے مقرر تھا۔

پھر ائمہ اطہار رضوان اللہ تعالی علیہم کو بترتیب اس منصب عظیم کا عطا ہونا لکھ کر (قاضی پانی پتی) کہتے ہیں:

بعد وفات عسکری علیہ السلام تا وقت ظہور سیّد الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر الجیلی ایں منصب بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بود ۔[۱۰۸]

۱۰۸۔ **سيف المسلول** ، للشيخ القاضي ثناء الله ، الصفحة ۵۲۷–۵۲۹ ، الماخوذ من **الفتاوى الرضوية** ، للشيخ احمد رضا الحنفي ، ۸۱۰/۹–۸۱۱ .

ترجمہ: حضرت عسکری کی وفات کے بعد سیّد الشرفا، غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی کے زمانہ ظہور تک یہ منصب حضرت حسن عسکری کی روح سے متعلق رہا۔

اسی طرح امام احمد رضا خان محدثِ حنفی رحمۃ اللہ علیہ "ملفوظات" میں فرماتے ہیں:

اُمت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ و عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو عطا ہوئی، اس کے بعد امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ و مولیٰ علی رضی اللہ عنہ وزیر ہوئے، پھر امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو غوثیت عنایت ہوئی اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ و امام حسن رضی اللہ عنہ وزیر ہوئے، پھر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو اور امامین محترمین رضی اللہ عنہما وزیر ہوئے، پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے، امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے بعد حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ تک جتنے حضرات ہوئے سب اُن کے نائب ہوئے، ان کے بعد سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ مستقل غوث، حضور تنہا غوثیتِ کبریٰ کے درجہ پر فائز ہوئے۔ حضور "غوثِ اعظم" بھی ہیں اور "سیّد الاَفراد" بھی۔ حضور کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہوں گے حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ تک؛ سب نائبِ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ ہوں گے، پھر امام مہدی رضی اللہ عنہ کو غوثیتِ کبریٰ عطا ہوگی۔(۱۰۹)

۱۰۹- **الملفوظ**، للشيخ أحمد رضا الحنفي، الصفحة ۱۷۸. في اللغة الأردية.

سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے موسی کاظم رضی اللہ عنہ کو نصیحت
سحر انگیز کلمات کا حسین مجموعہ

اہل بیت کے کلمات کی جامعیت اور وعظ و نصیحت میں اثرات کا تیر بہدف ہونا مسلّمہ اَمر ہے، جلیل القدر ائمہ نے خاندان نبوت کے افراد کی اس امتیازی شان کو خصوصیت سے بیان کیا ہے نیز اہل بیت کا یہ وصف مخالفین کے یہاں بھی سراہا گیا اور اہل بیت میں اس تاثیر کی بنیادی وجہ جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نسبی ہے، جس کے طفیل ذَوات مقدسہ کی زبانیں مختصر کلمات میں ایسی گفتگو پر قادر ہوئیں کہ طویل دفاتر تشریح سے عاجز ہیں۔ امام کاظم رضی اللہ عنہ کی ایسی ہی جامع گفتگو کو ہم آئندہ ذکر کریں گے جو آپ نے قید خانے سے حاکم وقت کے لیے لکھی۔ اور یہاں پیش کردہ نصیحت بھی عظیم تر ہے، چنانچہ قارئین اسے بغور پڑھیں اور ہو سکے تو عمل کی کوشش کریں کہ ان چند کلمات میں زندگی کے معاشرتی اُصولوں کی ایک رہنما دستاویز مرتب ہوگئی ہے، جس پر عمل کرنے سے انسان آپسی تعلقات کو بالخصوص بہتر اور زندگی کو قدرے پُر سکون بنا سکتا ہے۔ اس کلام کی چاشنی اور لطافت کا اصل مزہ تو عربی کلمات میں ہے اور راقم اس مرقعۂ حسن و جمال کو کما حقہ اُردو زبان کے قالب میں ڈھالنے سے واقعی عاجز ہے، اسی لیے پہلے عربی عبارت کو اعراب کے ساتھ ذکر کر کے بعد میں مفہومی ترجمہ زیب قرطاس کیا جا رہا ہے، تاکہ عوام وخواص اپنے ذوق کے مطابق اس سے بہرہ یاب ہوں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اَصحاب سے کسی شخص نے روایت کیا ہے کہ انھوں نے امام صادق رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے موسی کو نصیحت کرتے ہوئے دیکھا اور آپ فرما رہے تھے:

يَا بُنَيَّ ! مَنْ قَنِعَ بِمَا قُسِمَ لَهُ ، اسْتَغْنَى ، وَمَنْ مَدَّ عَيْنَيْهِ إِلَى مَا فِي يَدِ غَيْرِه ، مَاتَ فَقِيْراً ، وَمَنْ لَمْ يَرْضَ بِمَا قُسِمَ لَهُ ، اتَّهَمَ اللهَ فِي قَضَائِهِ ، وَمَنِ اسْتَصْغَرَ زَلَّةَ غَيْرِه ، اسْتَعْظَمَ زَلَّةَ نَفْسِه ، وَمَنْ كَشَفَ حِجَابَ غَيْرِه ، انكَشَفَتْ عَوْرَتُهُ ، وَمَنْ سَلَّ سَيْفَ البَغْيِ ، قُتِلَ بِهِ ، وَمَنِ احْتَفَرَ بِئْراً لأَخِيْهِ ، أَوقَعَهُ اللهُ فِيْهِ ، وَمَنْ دَاخَلَ السُّفَهَاءَ ، حُقِّرَ ، وَمَنْ خَالطَ العُلَمَاءَ ، وُقِّرَ ، وَمَنْ دَخَلَ مَدَاخِلَ السُّوءِ ، اتُّهِمَ .

يَا بُنَيَّ ! إِيَّاكَ أَنْ تُزرِيَ بِالرِّجَالِ ، فَيُزْرَى بِكَ ، وَإِيَّاكَ وَالدُّخُوْلَ فِيْمَا لاَ يَعْنِيكَ ، فَتَذِلَّ لِذَلِكَ .

يَا بُنَيَّ ! قُلِ الحَقَّ لَكَ وَعَلَيْكَ ، تُسْتَشَارُ مِنْ بَيْنِ أَقْرِبَائِكَ ، كُنْ لِلْقُرْآنِ تَالِياً ، وَللإِسْلاَمِ فَاشِياً ، وَللمَعْرُوْفِ آمِراً ، وَعَنِ الْمُنْكرِ نَاهِياً ، وَلِمَنْ قَطَعَكَ وَاصِلاً ، وَلِمَنْ سَكَتَ عَنْكَ مُبتَدِئاً ، وَلِمَنْ سَأَلَكَ مُعطِياً ، وَإِيَّاكَ وَالنَّمِيْمَةَ ، فَإِنَّهَا تَزرَعُ الشَّحْنَاءَ فِي القُلُوْبِ ، وَإِيَّاكَ وَالتَّعَرُّضَ لِعُيُوْبِ النَّاسِ ، فَمَنْزِلَةُ الْمُتَعَرِّضِ لِعُيُوبِ النَّاسِ ، كَمَنْزِلَةِ الهَدَفِ ، إِذَا طَلَبْتَ الجُوْدَ ، فَعَلَيْكَ بِمَعَادِنِهِ ، فَإِنَّ لِلْجُوْدِ مَعَادِنَ ، وَللمَعَادِنِ أُصُوْلاً ، وَللأُصُوْلِ فُرُوعاً ، وَلِلفُرُوعِ ثَمَراً ، وَلاَ يَطِيْبُ ثَمَرٌ إِلاَّ بِفَرعٍ ، وَلاَ فَرعٌ إِلاَّ بِأَصلٍ ، وَلاَ أَصلٌ إِلاَّ بِمَعدنٍ طَيِّبٍ ، زُرِ الأَخْيَارَ ، وَلاَ تَزُرِ الفُجَّارَ ، فَإِنَّهُم صَخْرَةٌ لاَ يَتَفَجَّرُ مَاؤُهَا ، وَشَجَرَةٌ لاَ يَخضَرُّ وَرَقُهَا ، وَأَرْضٌ لاَ يَظْهَرُ عُشْبُهَا .(۱۱۰)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! جس نے اپنے نصیب کی ملنے والی چیزوں پر قناعت کی، وہ غنی رہا۔ جس نے اپنی آنکھوں کو دوسرے کے ہاتھوں موجود چیزوں پر جمائے رکھا وہ فقیر ہی مرا۔ جو اپنی قسمت پر راضی نہ ہوا اس نے اللہ کی تقسیم پر تہمت لگائی۔ جس نے دوسروں کی لغزشوں کو حقیر جانا، وہ اپنی کوتاہی کو بڑا جانے گا۔ جو دوسروں کے عیب اُچھالے گا، اس کے اپنے عیوب بھی ظاہر ہوں گے۔ جو بغاوت کی تلوار تانے گا، وہ خود اُسی سے قتل کیا جائے گا۔ جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودے گا، اللہ اِسے بھی اُس میں گرائے گا۔ جو بے وقوفوں کے ساتھ

۱۱۰۔ **سیر اعلام النبلاء** ، للذهبي ، الترجمة جعفر بن محمد ، ٦/ ٢٦٣ .**وفيات الاعيان وأنباء ابناءِ الزمان** ، للابن خلكان ، الترجمة جعفر الصادق ، ١/ ٤٣٥ .

صحبتیں رکھے گا، اُسے ذِلت ہی ملے گی۔ جو علماء کے ساتھ ہم نشیں ہو گا، اُسے وَقار ملے گا۔ جو برائی کے مقامات پر جائے گا، اُس پر تہمت لگے گی۔

اے میرے بیٹے! لوگوں کو حقیر نہ سمجھو کہ تمھیں بھی حقارت سے دیکھا جائے (یا لوگوں کو ذلیل نہ کرو کہ اس کے سبب تمھیں ذلیل کیا جائے)۔ خبر دار! فضول کاموں میں مت پڑنا کہ اس کی وجہ سے ذِلت اُٹھانی پڑے۔

اے میرے بیٹے! حق بات کہو، خواہ تمہارے حق میں ہو، یا تمہارے خلاف۔ اپنے قریبی رشتے داروں سے مشاورت کرو۔ قرآن مجید کی ہمہ وقت تلاوت کرتے رہو۔ اِسلام کی تبلیغ کرتے رہو۔ بھلائی کا حکم دیتے رہو۔ بُرائی سے منع کرتے رہو۔ جو تم سے توڑے، اُس سے جوڑو، جو تم سے قطع کلامی کرے، تم بات کرنے میں پہل کر لو۔ جو تم سے سوال کرے، اُسے عطا کرو۔ خبر دار! چغلی سے بچنا، کیونکہ یہ دِلوں میں بُغض پیدا کرتی ہے۔ خبر دار! لوگوں کی عیب جوئی سے بچنا، کیونکہ لوگوں کی عیب جوئی کرنے والا خود بھی نشانے پر ہوتا ہے۔ جب تم سخاوت کے طالب بنو تو تم پر لازم ہے کہ اس کی جڑ تک پہنچو، کیونکہ سخاوت کی جڑیں ہیں، جڑوں سے تنے اور تنوں سے شاخیں نکلتی ہیں، اور شاخوں پر پھل ہوتے ہیں، پس کوئی بھی پھل اپنی شاخوں کے بغیر اچھا نہیں ہو سکتا اور شاخیں اپنے تنے کے بغیر اور تنا اپنی اچھی جڑ کے بغیر توانا نہیں ہو سکتا (اسی لیے سخاوت میں جڑوں تک پہنچو، تاکہ اس کے تمام ثمرات حاصل کر سکو)۔ نیک لوگوں کی زیارت کیا کرو۔ بُرے لوگوں سے ملاقات نہ رکھو، کیونکہ یہ ایسی چٹان ہیں؛ جن سے پانی نہیں نکلتا، ایسے درخت ہیں؛ جن کے پتے سرسبز نہیں ہوتے اور ایسی زمین ہیں؛ جن میں گھاس نہیں اُگتی۔

اسی نصیحت کو امام کمال الدین دمیری نے "حیاۃ الحیوان" میں ذکر کیا، اور اس میں چند اضافی کلمات ہیں:

جو اپنی کوتاہیوں کو معمولی جانتا ہے، وہ دوسروں کی لغزشوں کو بڑا سمجھتا ہے اور جو اپنی غلطیوں کو بڑا جانتا ہے وہ دوسروں کی لغزشوں کو معمولی خیال کرتا ہے۔ اے میرے بیٹے! جو دوسروں کے پوشیدہ عیوب ظاہر کرتا ہے، اس کے اپنے گھر کے عیوب بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔[111]

بارگاہِ رسالت میں خلیفہ ہارون کا سلام اور سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کا انداز

امام ذہبی "تاريخ الإسلام" میں لکھتے ہیں کہ عبد الرحمن بن صالح اَزدی نے کہا:

زار الرشيد قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقال : السلام عليك يا رسول الله، يا ابن عمّ ، يفتخر بذلك . فتقدم موسى بن جعفر فقال : السلام عليك يا أبه . فتغير وجه الرشيد وقال: هذا الفخر حقاً يا أبا حسن.[112]

ترجمہ: خلیفہ رشید نے قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، تو عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول، اے میرے چچا کے بیٹے! آپ پر سلام ہو۔ اس طرح وہ حاضرین کے سامنے اپنی نسبت پر فخر کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں موسی بن جعفر آگے بڑھے اور یوں سلام عرض کیا: اے میرے والد! آپ پر سلام ہو۔ پس رشید کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہنے لگا: اے ابوالحسن! بلاشبہ تمہارا یہ فخر کرنا حق ہے۔

امام ذہبی نے اس واقعے کا سال بیان نہیں کیا، لیکن دیگر کتب میں موجود ہے، چنانچہ شیخ شہاب الدین نویری "نهاية الأرب في فنون الأدب" میں لکھتے ہیں:

١١١۔ **حياة الحيوان** ، للدميري ، دار البشائر دمشق ، باب الظبي ، ٣/ ٥٤ .

١١٢۔ **تاريخ الاسلام** ، للذهبي ، ١٢/ ٤١٨ . **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ١٥/ ١٨ . **البداية و النهاية** ، للابن كثير الدمشقي ، ١٣/ ٦٢٣ . **سير اعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٦/ ٢٧٣ .

یہ واقعہ سن ۱۷۹ھ کو پیش آیا، جب خلیفہ رشید رمضان کے مہینے میں عمرے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوا تھا اور اس کا یہ عمرہ ولید بن طریف تغلبی خارجی کے قتل ہونے کے شکرانے میں تھا، پس اس سال اُس نے رمضان کے مہینے میں عمرہ کیا اور پھر حج تک مدینے میں مقیم رہا اور بعد ازاں حج بھی ادا کیا اور اسی سال امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ محدث جلیل کا بھی وصال ہوا تھا۔(۱۱۳)

عباسی خلیفہ ہارون کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں متصل ہوتا ہے: ابو جعفر ہارون رشید بن محمد مہدی بن عبد اللہ منصور بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے عبد المطلب رضی اللہ عنہ پر نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے، لیکن یہ امام کاظم رضی اللہ عنہ کے نسب سے افضل نہیں، کیونکہ انھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اَولاد ہونے کا شرف حاصل ہے، اسی لیے جب خلیفہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چچا کے بیٹے کہہ کر مخاطب کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نسب کا اظہار فرمایا، جس پر اُسے اقرار کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس واقعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ کو بارگاہِ رسالت میں سلام کا طریقہ سکھا رہے تھے کہ اس جنابِ کریم میں سلام عرض کرنے میں رشتوں کو نہیں، بلکہ احترام وآداب کو ملحوظ رکھ کر سلام کیا جائے اور خود قرآن مجید نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے وقت القابِ نبوت ورسالت کو بیان فرمایا، نیز صحابہ کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ "یا رسول الله ، یا حبیب الله ، حِبِّي رسول الله" ایسے کلمات کا استعمال فرماتے تھے، چنانچہ خود سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تر ہوگا، لیکن وہ بھی کلام کرتے وقت انھیں متذکرہ کلمات کا استعمال فرماتے تھے، لہٰذا جہاں اس واقعے میں خلیفہ کی خِفّت اور امام کاظم رضی اللہ عنہ کی برجستگی کا معاملہ ظاہر ہو رہا ہے، وہیں اس میں آدابِ رسالت کی تعلیمات بھی آشکار ہو رہی ہیں، اور یہ بارگاہ تو ایسی ہے کہ جس کے احترام کا ذکر اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اور صالحین اُمت نے نسبی و کسبی ہر شرافت کے حامل ہونے کے باوجود بھی اس مقام کے لیے قولاً وفعلاً اس شعر کا مصداق ظاہر کیا، چنانچہ عزت بخاری کہتے ہیں:

اَدب گاہیست زیرِ آسماں ، اَز عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید ، جنید و بایزید اینجا

۱۱۳- نهاية الارب في فنون الادب ، للشيخ النويري ، ۲۲/ ۹۲-۹٤ ، ملخصاً .

باغِ فَدک کی حُدود اور خلیفہ ہارون رشید کی افسردگی

علامہ زمخشری "ربیع الأبرار" اور شیخ ابن حمدون "التذكرة الحمدونية" میں لکھتے ہیں:

كان الرشيد يقول لموسى الكاظم بن جعفر: يا أبا الحسن خُذْ فَدَك حتى أرُدَّها إليك ، فيأبَى ، حتى ألحَّ عليه فقال : لا آخُذُها إلا بِحُدُوْدِها ، قال : وما حدودها ؟ قال : يا أمير المؤمنين إن حدَّدْتُهَا لم تَرُدَّها ، قال : بحقّ جدِّك إلا فعلتَ ، قال : أما الحدُّ الأول فعَدَن ، فتغيَّر وجهُ الرَّشيد وقال : هيه ، قال : والحدُّ الثاني سَمرقَنْد ، فأربَدَّ وجهُهُ ، قال : والحدُّ الثالث أفريقيَّة ، فأسودَّ وجهُهُ وقال : هيه ، قال : والرابع سِيْفُ البَحْر مما يلي الخَزَر وأُرْمِيْنِية ، قال الرشيد : فلم يبق لنا شيء فتَحوَّلَ في مجْلِسي ، قال موسى:قد أعْلَمْتُك أنّي إن حَدَّدْتُها لم تَرُدَّهَا .(۱۱۴)

ترجمہ: خلیفہ رشید نے ایک مرتبہ موسیٰ کاظم بن جعفر سے کہا: اے ابوالحسن! فدک لے لو، میں اسے تمہیں واپس دِلوا دیتا ہوں۔ پس آپ نے انکار کر دیا، لیکن جب خلیفہ نے بہت اِصرار کیا تو آپ نے فرمایا: میں اسے مکمل حدود کے بغیر نہیں لوں گا، خلیفہ نے کہا: اس کی حدود کہاں تک ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین !اگر میں نے اس کی حدود متعین کر دیں، تو آپ مجھے نہیں دیں گے۔ اس پر خلیفہ نے کہا: مجھے آپ کے جد اعلیٰ کی قسم !ضرور دُوں گا(یا آپ کو جد اعلیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم !ضرور بیان کریں)۔ آپ نے فرمایا: اس کی پہلی سمت مقام عدن تک ہے۔ یہ سنتے ہی خلیفہ رشید کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور کہنے لگا: مزید بیان کریں؟ آپ

۱۱۴- **ربيع الابرار ونصوص الاخبار** ، للشيخ الزمخشري ، الباب التاسع ، البلاد والديار ، ۱/ ۲۵۹ ، الرقم ٦١ . **التذكرة الحمدونية** ، للابن حمدون ، ۹/ ۲۸۹ ، الرقم ٥٥٠ . **مرآة الزمان** ، للسبط ابن الجوزي ، ۱۳/ ٥٦.

نے فرمایا: دوسری سمت مقام سمرقند تک ہے۔ اُس کا چہرہ زَرد پڑ گیا، پھر فرمایا: اس کی تیسری سمت افریقہ تک ہے۔ یہ سنتے ہی اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں، لیکن ساتھ ہی اُس نے کہا: مزید بیان کریں؟ آپ نے فرمایا: چوتھی سمت سِیف البحر کے اُس مقام تک ہے جو خزر اور اَرمینیہ سے متصل ہے، اس پر رشید نے کہا: آپ نے ہمارے لیے تو کچھ چھوڑا ہی نہیں، یہ کہہ کر مجلس سے اُٹھا تو جناب موسی کاظم نے فرمایا: میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اگر میں نے اس کی حدود متعین کردیں، تو آپ نہیں لوٹائیں گے۔

برصدق واقعہ اس کی توضیح یہ ہے کہ سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ نے اس میں الزامی صورت حال کے پیش نظر کلام کیا اور شاید اس وقت تک ہارونی حکومت کی سرحدیں ان علاقوں تک وسیع ہو چکی تھیں (۱۱۵)، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے پوری مملکت کی جانب اشارہ کیا، لیکن اس میں حکومت اور خلافت طلبی کا عنصر نہیں تھا، بلکہ یہ تعریضی گفتگو تھی، جس کے ذریعے خلیفہ کو خاموش کرایا گیا، کیونکہ ایسے اُمور سے خلفائے زَمن وقتاً فوقتاً چٹکیاں بھرتے رہتے اور ناراض ہونے پر بسااوقات سنگین سزائیں دیا کرتے تھے، مثلاً امام ذہبی نے سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کی ایک گرفتاری کا سبب اُس سلام والے واقعہ کو ہی قرار دیا ہے؛ جس میں آپ نے خلیفہ کے رُوبرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے باباجان سے خطاب کیا تھا، تو ہارون کا چہرہ اُتر گیا، الغرض مذکورہ واقعے میں خلیفہ نے جس طرح سوال کرتے ہوئے نشتر چبھوئے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ویسے ہی کلام سے جواب دیا، جس پر اُسے خاموشی کے بغیر چارہ نہ رہا۔

باقی اگر حقیقت میں فدک کی جاگیر دیکھی جائے تو وہ مخصوص علاقہ ہے اور اس میں مذکورہ مقامات شامل نہیں، اور مسئلہ فدک کی توضیحات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے یہاں اس کا معاملہ اجرائے وراثت سے متعلق تھا، اسی لیے حوالگی کی جانی چاہیے تھی، جبکہ اہلسنّت کے یہاں وراثت سے نہیں، بلکہ انتظامی اَمر تھا، اس لیے انتفاع ومنافع کا اجراء جاری رہا، لیکن انتظامی معاملات خلافت راشدہ کے پاس رہے۔ مزید تفصیل کے لیے متعلقہ کتب ملاحظہ کریں۔

۱۱۵۔ انٹرنیٹ پر عہد ہارونی کے مختلف نقشہ جات موجود ہیں، جن میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ جن چار مقامات کا امام کاظم رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے، یہ اُس زمانے میں عباسی حکومت کی آخری سرحدیں تھیں۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی حاضر جوابی

حجّ الرشیدُ فلقیهُ موسى بن جعفر على بَغْلَةٍ ، فقال له الرشيد : مثلك في حَسَبِك وشرفك وتقدُّمِك يلقانِي على بغلة ؟ فقال: تطأطأتْ عن خُيَلاءِ الخَيْلِ ، وارتفعتْ عن دَنَاءةِ العَيْرِ ، وخَيْرُ الأُمُوْرِ أَوْسَطُهَا. (۱۱۶)

ترجمہ: خلیفہ رشید نے حج کیا تو اس دوران موسیٰ بن جعفر نے خچر پر سوار ہو کر اُس سے ملاقات کی، اس پر رشید نے کہا: آپ جیسے حسب و نسب اور مقام و مرتبے والا شخص مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے خچر پر سوار ہو کر آیا ہے؟ آپ نے فرمایا: (یہ خچر) گھوڑے سے پست اور گدھے کی کمتری سے بلند ہے اور بہتر معاملہ بھی درمیانی ہوتا ہے۔ (یہ کلام بر جستگی کا غماز ہے، اُصولی نہیں، فافہم)۔

اَولادِ رسول کون؟

سَأَلَ الرَّشيدُ موسىَ بن جعفر فقال : لِمَ زَعَمْتُم أَنَّكُم أقربُ إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم مِنَّا ؟ فقال : يا أمير المؤمنين ، لو أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم أُنشِرَ فخطب إليك كَرِيْمَتَكَ أَكُنْتَ تُجِيْبُه ؟ فقال : سبحانَ الله ، وكنت أَفْتَخِرُ بذلك على العجم والعرب ؛ فقال : لكنَّه لا يخطبُ إليَّ ولا أُزَوِّجُهُ لأنَّه وَلَدَنا ولم يَلِدْكُمْ . (۱۱۷)

ترجمہ: ایک مرتبہ رشید نے موسیٰ بن جعفر سے سوال کیا: آپ لوگوں کو یہ گمان کیوں ہے کہ آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہماری نسبت زیادہ قریب ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے امیر المومنین! اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے اور تمہاری

۱۱۶۔ التذكرة الحمدونية ، للابن حمدون ، ۷/ ۱۷۳ ، الرقم ۸۱۳ .

۱۱۷۔ التذكرة الحمدونية ، للابن حمدون ، ۷/ ۱۸۰ ، الرقم ۸۳٤ .

بیٹی کے لیے رشتے کا پیغام بھیجتے تو کیا تم قبول کرتے ؟اس نے کہا: سبحان اللہ ! بلکہ میں تو اس بات پر عرب و عجم میں فخر کرتا۔ آپ نے فرمایا: لیکن آپ ﷺ ہماری جانب رشتے کا پیغام نہیں بھیجتے اور نہ ہم اپنی بیٹی کا نکاح اُن سے کرتے ، کیونکہ انھوں نے ہمیں پیدا کیا ہے (ہم اُن کی اولاد ہیں) تم لوگوں کو نہیں (اسی لیے تم ان کی اَولاد نہیں۔ پس جب اَولاد نہیں، تو رشتہ بھی ہو سکتا ہے، لیکن ہم آپ ﷺ کی اَولاد ہیں، اسی لیے ایسا رشتہ نہیں ہو سکتا اور اَولاد ہی اپنے والدین کے زیادہ قریب بھی ہوتی ہے)۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی نسبِ سادات پر خلیفہ ہارون سے مزید گفتگو

اسی طرح ایک موقع پر خلیفہ ہارون نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

آپ حضرات کیوں کہتے ہیں کہ آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ہیں، حالانکہ آپ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ، وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ . وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ . (سورة الأنعام: ٦/ ٨٥-٨٤) وَلَيْسَ لَهُ أَبٌ . وَأَيْضًا قَالَ تَعَالَى : فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ الله عَلَى الْكَاذِبِينَ . (سورة آل عمران : ٣/ ٦١). وَلم يدع النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عِنْد مباهلته النَّصَارَى غير عَليّ وَفَاطِمَة وَالْحسن وَالْحُسَيْن رَضِي الله عَنْهُم فَكَانَ الْحسن وَالْحُسَيْن هما الْأَبْنَاء.[118]

ترجمہ: [اور اس (ابراہیم) کی اَولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو، اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو، اور زکریا اور یحییٰ

١١٨- **الصواعق المحرقة** ، للابن حجر المكي ، الصفحة ٥٥٣ .

اور عیسی اور الیاس کو، یہ سب ہمارے قُرب کے لائق ہیں۔] اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عیسی علیہ السلام کے والد ہی نہیں تھے (پھر کیسے انھیں اَولادِ ابراہیمی میں شمار کیا گیا؟ صرف ان کی والدہ مریم کے نسب کی وجہ سے)۔ اسی طرح اللہ تعالی جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: [تو اُن سے فرمادو، آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے، اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں، اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔]۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں سے مباہلہ کے وقت، علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی کو شامل نہیں کیا تھا۔ تو حسن و حسین (آیت کی روشنی میں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ہوئے (اور ہم اُن کی اَولاد ہیں)۔

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ اور قلوبِ انسانی

شیخ عبد الرؤف مناوی "الکواکب الدریة" اور شیخ ابن حجر مکی "الصواعق المحرقة" میں لکھتے ہیں:

قَالَ لَهُ الرَّشِيْدُ حِيْنَ رَآهُ جَالِساً عِنْدَ الْكَعْبَةِ: أَنْتَ الَّذِي تُبَايِعُكَ النَّاسُ سِرًّا فَقَالَ : أَنَا إِمَامُ الْقُلُوبِ وَأَنتَ إِمَامُ الجُسُوْمِ . (۱۱۹)

ترجمہ: ایک مرتبہ خلیفہ رشید نے آپ کو خانہ کعبہ کے نزدیک (لوگوں کے جھرمٹ میں) بیٹھے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا: لوگ آپ سے خفیہ طور پر بیعت ہوتے ہیں، (جبکہ ظاہری طور پر ہم سے بیعت کرتے ہیں)، تو آپ نے فرمایا: تم صرف جسموں کے حاکم ہو، جبکہ میں دِلوں کا بھی امام ہوں۔

یہ بات اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ نے برجستہ اور خلیفہ رشید کو لاجواب کرنے کے لیے فرمائی، کیونکہ اس نے جس طرح کا اعتراض کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے ویسا ہی برجستہ جواب ارشاد فرمایا، لیکن اس بات میں مبالغہ آرائی یا خود نمائی نہیں، بلکہ واقعی اللہ تعالی عزوجل کی جانب سے اپنے منتخب بندوں کو مقام محبوبیت پر فائز ہونے کی وجہ سے قلوب انسانیت پر حکمرانی عطا کر دی

۱۱۹۔ **الصواعق المحرقة**، للابن حجر المكي، الصفحة ٥٥٦ . **الكواكب الدرية**، للمناوي، ١/ ٤٦٢.

جاتی ہے، الغرض اولیاء اللہ کا یہ تصرف دراصل عطائے خداوندی سے ہی ہوتا ہے، جیسا کہ مشہور حدیث "بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ الخ" میں بھی اسی جانب اشارہ موجود ہے، جس کی وضاحت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے "التفسير الكبير" میں تفصیلاً رقم فرمائی، جو قابل مطالعہ ہے۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے مستند ملفوظات

(۱) المعروف لا يفكّه إلا المكافأة أو الشكر ، وقال : قلة الشكر تُزهّد في اصطناع المعروف.(۱۲۰)

ترجمہ: بھلائی کا بدلہ بھلائی یا شکر سے اَدا ہوتا ہے اور فرمایا: شکر کی کمی بھلائی کے کاموں سے دُور کر دیتی ہے۔

(۲) المعروف غلٌّ لا يفكُّهُ إلا المكافأة أو الشكر.(۱۲۱)

ترجمہ: بھلائی (احسان) ایسا بوجھ ہے، جسے بھلائی یا شکر کے ساتھ ہی اُتارا جاسکتا ہے۔

(۳) ما تسابّ اثنان إلا انحطّ الأعلى إلى رتبة الأسفل.(۱۲۲)

ترجمہ: جب دو لوگ باہم گالی گلوچ کرتے ہیں، تو اُن میں سے اعلیٰ مرتبے کا حامل بھی گھٹیا مرتبہ کا ہو جاتا ہے۔

(۴) إذا صحبت رجلاً وكان موافقاً لك ، ثم غاب عنك ، فلقيته ، فاضطرب تجلبك عليه ، فارجع إلى نفسك ، فانظر فإن كنت اعوججت فتُب ، وإن كنت مستقيماً فاعلم أنه ترك الطريق ، وقف عند ذلك ، ولا تقطع منه حتى يستبين لك إن شاء الله تعالى.(۱۲۳)

ترجمہ: اگر تم کسی شخص کی صحبت اختیار کرو اور وہ بھی تمھیں موافق آئے اور پھر کچھ عرصے کے لیے نہ ملے، تو بعد ازاں جب تم اُس سے ملو اور اُس پر تمہاری ملاقات گراں ہو، تو پہلے اپنے آپ کو دیکھو، اگر خود میں کمی پاؤ، تو اس سے توبہ کرو (یعنی کمی دُور کرو) اور اگر تم خود کو دُرست سمجھتے ہو، تو جان لو کہ اُس شخص نے راستہ بدل لیا ہے (یعنی تم سے تعلق نہیں

۱۲۰۔ **نهاية الارب في فنون الأدب** ، للشيخ النويري ، باب في الشكر والثناء ، ۳/ ۲۳۳.

۱۲۱۔ **التذكرة الحمدونية** ، للابن حمدون ، ٤/ ٨٤ ، الرقم ٢٢٤.

۱۲۲۔ **نهاية الارب في فنون الأدب** ، للشيخ النويري ، ذكر شيء من الحكم ، ٨/ ١٤١ .

۱۲۳۔ **الطبقات الكبرى** ، للشعراني ، ترجمة موسى الكاظم ، الصفحة ٧٢ .

رکھنا چاہتا)، لہٰذا انتظار کرو اور اس سے قطع تعلقی (میں جلدی) نہ کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل سے تم پر معاملہ واضح نہ ہو جائے۔

(۵) اتّقِ العدوَّ، وكُن من الصّديق على حذر ، فإنّ القلوب إنما سمّيت قلوباً لِتَقَلُّبِهَا. [۱۲۴]

ترجمہ: دشمن سے ضرور سے بچو، لیکن دوستوں سے بھی ہُوشیار رہو کہ دِلوں کو اسی وجہ سے "قلوب" کہا جاتا ہے کہ وہ بدلتے رہتے ہیں۔

(۶) إذا تغيّر صاحبك عليك ، فاعْلَم أن ذلك من ذنْبٍ أحدثته ، فتُب إلى الله من كلّ ذنْبٍ ، يستقيم لك وُدّه. [۱۲۵]

ترجمہ: جب تیرا دوست تجھ سے برگشتہ ہو جائے، تو جان لے کہ ایسا تمہارے کسی گناہ کی وجہ سے ہوا ہے، پس اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی بارگاہ میں ہر گناہ سے توبہ کرو، تاکہ پھر سے تمہارے لیے محبت کا رشتہ قائم ہو جائے۔

(۷) مَنْ لَكَ بِأَخِيكَ كلِّه ، لا تَستَقْصِ عَلَيْه فتَبْقَى بلا أخٍ. [۱۲۶]

ترجمہ: جس کے ہاتھ میں اپنے بھائی کا معاملہ (کوئی کام) ہو، تو اس پر اتنی سختی نہ کرے کہ کہیں بغیر بھائی کے (یعنی؛ تنہا) ہو جائے۔

یعنی اگر کبھی اپنے بھائی اور دوست کا معاملہ تمہارے اختیار میں آجائے، تو اتنی سختی و تنگی مت کرنا کہ دوستی ہی ختم ہو جائے اور تمھیں تنہا رہنا پڑے۔

(۸) خير إخوانك المعين لك على دهرك ، وشرهم من لك بسوق يومه . [۱۲۷]

۱۲۴- **بهجة المجالس وأنس المجالس** ، للابن عبد البر ، باب الصديق و العدو، ۲/ ۶۹۱.

۱۲۵- **فيض القدير شرح الجامع الصغير** ، للمناوي ، ۵/ ۴۳۸ ، تحت الرقم ۷۸۷۹ .

۱۲۶- **بهجة المجالس** ، للابن عبد البر ، باب جامع متخير في الاخوان ، ۲/ ۷۰۵ . **الآداب الشرعية والمنح المرعية** ، للمقدسي ، فصل ماجاء عن الاخوان ، ۱/ ۳۲۱ .

۱۲۷- **الصداقة والصديق** ، للابي حيان التوحيدي ، ۱/ ۲۵۶ .

ترجمہ: تمہارے بہترین دوست وہ ہیں؛ جو ہمیشہ تمہارے معاون رہیں، اور بُرے دوست وہ ہیں؛ جو بازار کے ایک دن کے ساتھی ہوں (خوشی میں دیکھا، تو ساتھ اور غم و پریشانی میں دیکھا، تو غائب)۔

(۹) مَنْ لم يجِدْ للإسَاءةِ مِضَضاً ، لم يكُنْ لِلإحْسَان عِنْدهُ مَوْقِعٌ.(۱۲۸)

ترجمہ: جو شخص بُرائی کو ناگوار نہیں سمجھتا، اُس کے نزدیک احسان کی قدر بھی نہیں ہوگی۔

(۱۰) وَجَدْتُ عِلْمَ النَّاس في أربع : أوّلها أن تعرف ربّك ، والثانية أن تعرف ما صَنَع بك ، والثالثة أن تعرف ما أراد بك ، والرابعة أن تعرف ما يخرجك من ذنبك .(۱۲۹)

ترجمہ: میں نے لوگوں (کی فلاح) کا علم چار چیزوں میں منحصر پایا۔ اُن میں سے پہلی بات یہ ہے؛ تجھے اپنے ربّ کی معرفت حاصل ہو جائے، دوسری بات یہ ہے؛ تو خود پر اُس کی نعمتوں کو جان لے (تاکہ ان کا شکر ادا کرے)، تیسری بات یہ ہے؛ تو اس بات کو جان لے کہ وہ تجھ سے چاہتا کیا ہے (یعنی کن فرائض کو اس نے تجھ پر لازم کیا ہے جن کی ادائیگی سے تجھے ثواب دیا جائے گا)، چوتھی بات یہ ہے؛ تو اُس چیز سے باخبر ہو جائے کہ کون سے کام تجھے گناہ سے باز رکھنے والا ہے، (جس کے ذریعے گناہوں سے بچا جا سکتا ہے)۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی مانگی ہوئی دعائیں

يَا رَبِّ عَظُمَ الذَّنْبُ مِنْ عَبْدِكَ ، فَلْيَحْسُنِ الْعَفْوُ مِنْ عِنْدِكَ.(۱۳۰)

ترجمہ: اے میرے ربّ! تیرے بندے کے گناہ بڑھ گئے ہیں، اب تو اپنی بخشش کی خیرات سے احسان فرما۔

امام خطیب بغدادی اور دیگر نے اسی دعا میں یہ الفاظ زائد بیان کیے:

۱۲۸- **التذكرة الحمدونية** ، للابن حمدون ، ۱/ ۲۷۵ ، الرقم ۷۱۲.

۱۲۹- **التذكرة الحمدونية** ، للابن حمدون ، ۱/ ۱۱۲ ، الرقم ۲۲٤.

۱۳۰- **ربيع الأبرار** ، للزمخشري ، الباب التاسع والعشرون ، ذكر الله ، ۲/ ۳٥٤ ، الرقم ۲۰ .

عَظُمَ الذَّنْبُ مِنْ عَبْدِكَ ، فَلْيَحْسُنِ الْعَفْوُ مِنْ عِنْدِكَ يَا أَهْلَ التَّقْوَى وَ يَا أَهْلَ المغْفِرَة.(١٣١)

ترجمہ: تیرے بندے کے گناہ بڑھ گئے ہیں، اب تو اپنی بخشش کی خیرات سے احسان فرما۔ اے بُزرگی والے، اے بخشنے والے۔

اَللّٰهُمَّ أَفْرِغْنِي لما شَغَلْتَنِي لَهُ ، وَلَا تَشْغِلْنِي بِمَا تَكَفَّلْتَ لي بِه ، يَا رَبَّ العَالَمِيْنَ.(١٣٢)

ترجمہ: اے میرے پرودگار! مجھے اپنی بندگی کے لیے فراغت نصیب فرمااور اُن کاموں کے لیے مہلت نہ دے جنھیں مجھے دینے کا تو ذِمہ دار ہے (یعنی رزق)، اے تمام جہانوں کے ربّ۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے منسوب تصانیف

تصنیف و تالیف کسی شخصیت کی معرفت اور علمی رسوخ پر دلالت کے اہم اسباب میں سے ایک ہے، اسی لیے اہل علم کے یہاں کتابوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے، لیکن یہ اُصول ہر ایک پر علی الاطلاق نافذ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ بہت سے حضرات ایسے بھی گزرے ہیں، جو ائمہ کے نزدیک مسلّم تھے، لیکن اس کے باوجود یا تو انھوں نے تحریر کی جانب توجہ نہیں فرمائی، یا ان کی تصانیف مرورِ زمانہ کے سبب مفقود ہو گئیں، یا انھیں کسی سبب سے لکھنے کا موقع ہی میسر نہیں آسکا، البتہ ان سے منقول علم کا تسلسل تلامذہ و مستفیدین سے منتقل ہوتا رہا۔ امام کاظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت بھی کچھ ایسی تھی کہ اوّلاً تو انھیں خلفائے وقت نے چین سے زندگی بسر کرنے ہی نہ دی کہ وہ کسی مسند علم کو باقاعدہ آراستہ کرتے، طمانیت کے ساتھ علوم اَجداد کے خزینے کو اَوراق و صحائف پر منتقل کرتے اور اُمت مسلمہ کے لیے اسرار و رُموز کے ذخائر کا ورثہ یادگار چھوڑتے

١٣١۔ **تاريخ بغداد** ، للامام خطيب البغدادي ، ١٥/ ١٤ . **وفيات الأعيان** ، للشيخ ابن خلكان ، ٥/ ٣٠٨. **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٦/ ٢٧١ . **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٩/ ١٣٣.

١٣٢۔ **محاضرات الأدباء ومحاورات الشعراء والبلغاء** ، للشيخ راغب الاصبهاني ، باب الاذان ، ما جاء في الادعية ،٤/ ٤٧٣ .

اور دوسری جانب آپ کے عنفوان شباب کے بعد کا اکثر زمانہ قید وبند اور سیاسی صعوبتوں میں گزرا، جہاں ایسے کسی اقدام کی سبیل ہی نہ تھی، لہٰذا یہ وہ اَسباب ووجوہ ہیں جن کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ تصنیف وتالیف کی طرف توجہ نہیں فرما سکے۔

بایں ہمہ آپ کی شخصیت اپنے تعارف ومقام کے لیے کسی کتاب وتحریر کی محتاج نہیں، کیونکہ سورج اگرچہ مکمل طلوع نہ بھی ہو، پھر بھی اس کی تمازت اپنا احساس کروا دیتی ہے، اسی طرح امام کاظم رضی اللہ عنہ کو اگرچہ درس وتدریس اور تحریر وتالیف کا باقاعدہ موقع تو میسر نہیں آسکا لیکن آپ رضی اللہ عنہ سے قید وبند یا دیگر مراحل حیات میں کسی نہ کسی طرح اکتساب علم کرنے والے حضرات وائمہ نے جو خزانہ آپ کے توسط سے نقل فرمایا اور جس طور پر انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں علم کی فروانی کا مشاہدہ کیا، وہ باتیں آج بھی زندہ وجاوید شاہد ہیں کہ اللہ تعالی عزوجل نے آپ رضی اللہ عنہ کو کسبی علوم کے علاوہ وہبی علوم سے بھی نوازا تھا۔

بہر کیف آپ کی کسی تصنیف کا ذکر ہماری تلاش کے دائرے میں نہیں آسکا، البتہ آپ سے منسوب ''مسند'' کا ذکر بعض مؤرخین نے کیا ہے، لیکن وہ بھی بنیادی طور پر آپ کی تصنیف نہیں، بلکہ آپ سے مروی احادیث کا مجموعہ ہے، چنانچہ امام ابو بکر شافعی متوفی ۳۵۴ھ کی ''جزء مسند موسی بن جعفر'' ہماری معلومات کے مطابق امام کاظم رحمۃ اللہ علیہ پر ہونے والی اہل سنت کی جانب سے پہلی کاوش ہے اور اس جزء مسند کی متصل اَسانید کئی ائمہ سے منقول ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی ''المعجم المفہرس'' میں اپنی سند کے ساتھ ''جزء مسند موسی بن جعفر'' کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

مُسْند مُوسَى بن جَعْفَر بن مُحَمَّد بن عَلِيّ ابْن الْحُسَيْن بن عَلِيّ عَن أَبِيه عَن آبَائِهِ . أخبرنَا أَبُو الْعَبَّاس بن الْعِزّ الْمَقْدِسِي فِي كِتَابه عَن يحيى ابْن مُحَمَّد بن سعد ، أَنبأَنَا جَعْفَر بن عَلِيّ مشافهة ، أَنبأَنَا السلَفِي ، أَنبأَنَا أَبُو بكر الطريثيثي ، أَنبأَنَا الْحسن بن شُجَاع ، أَنبأَنَا أَبُو بكر الشَّافِعِي ، أَنبأَنَا مُحَمَّد بن خلف بن إِبْرَاهِيم الْمروزِي ، أَنبأَنَا مُوسَى بن جَعْفَر بِهِ.(۱۳۳)

۱۳۳۔ المعجم المفهرس أو تجريد أسانيد الكتب المشهورة والأجزاء المنثورة ، للعسقلاني ، الصفحة ۱۴۳ ، الرقم ۵۱۴.

حافظ عسقلانی کی سند میں محمد بن خلف بن ابراہیم مروزی ہیں، جو امام کاظم سے روایت کرتے ہیں، لیکن دیگر اسانید میں محمد بن خلف اپنے شیخ موسی بن ابراہیم مروزی سے اوروہ امام کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ شیخ محمد بن سلیمان رودانی متوفی ۱۰۹۴ھ "صلة الخلف بموصول السلف" میں لکھتے ہیں:

مسند أبي محمد موسى بن جعفر الكاظم ، به الى السلفي ، عن أبي بكر محمد بن علي الطريثيثي ، عن الحسن بن شجاع الصوفي ، عن أبي بكر محمد بن عبد الله ابن عبدوية ، عن محمد بن خلف المروزي ، عن موسي بن ابراهيم المروزي عنه. (۱۳۴)

شیخ حاجی خلیفہ نے "كشف الظنون" میں بھی موسی بن ابراہیم کی سند کو ہی ذکر کیا ہے۔ (۱۳۵)

راقم کے خیال میں یہی بات زیادہ درست ہے کہ موسی بن ابراہیم مروزی نے امام موسی کاظم سے احادیث روایت کیں اور پھر محمد بن خلف نے اُن سے استفادہ کیا، چنانچہ امام سلامہ قضاعی کی "مسند الشهاب"، امام مقدسی کی "الترغيب في الدعاء" اورامام قوام السنۃ کی "الحجة" میں اسی سند سے احادیث مذکور ہیں، کیونکہ محمد بن خلف دراصل محمد بن خلف بن عبد السلام ہیں، اور خطیب بغدادی کے مطابق ان کا وصال ۲۸۱ھ میں ہوا تو قرین قیاس یہی ہے کہ انھوں نے امام کاظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ ہی ان سے ملاقات واستفادہ ہوا، جبکہ موسی بن ابراہیم مروزی دراصل ابو عمران موسی بن ابراہیم بغدادی ہیں، ان کے بارے میں خطیب بغدادی نے ذکر کیا ہے کہ یہ امام کاظم سے روایت کرنے والوں میں سے ہیں، جیسا کہ تلامذہ کے ذیل میں مختصر کلام گزر چکا، فافہم۔

اور تاریخ بغداد میں محمد بن خلف کے تذکرے میں انھیں موسی بن ابراہیم کے تلامذہ میں لکھا گیا ہے تو واضح ہوا کہ امام ابن حجر عسقلانی نے جو عبارت ذکر کی ہے، اس میں کتابت یا سہو کی وجہ سے "محمد بن خلف بن ابراہیم" لکھا گیا ہے، ورنہ درست "محمد بن خلف عن موسی بن ابراہیم" ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ محمد بن خلف کے دادا کا نام عبد السلام ہے،

۱۳۴۔ **صلة الخلف بموصول السلف** ، للشيخ الروداني ، باب الميم ، الصفحة ٣٦٣.

۱۳۵۔ **كشف الظنون** ، للشيخ حاجي خليفة ، الصفحة ١٦٨٢.

ابراہیم نہیں اور صحیح محمد بن خلف بن عبد السلام ہے، تو اس قرینے کی وجہ سے امام عسقلانی کی عبارت میں معمولی ترمیم سے معاملہ درست ہو جاتا ہے۔

اہل تشیع کے محقق شیخ محمد آل یاسین نے "مسند موسی بن جعفر" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> انھوں نے ابو عمران موسی بن ابراہیم مروزی کی مسند کو دار الکتب الظاہریہ دمشق کے مخطوطات میں ملاحظہ کیا ہے۔ گمان ہے کہ یہ ابو المحاسن عمر بن علی قرشی متوفی ۵۷۵ھ کے خط سے لکھی ہوئی مذکورہ مسند سے منتخب شدہ احادیث کا مجموعہ ہے، جسے موصوف نے الکافی، تاریخ بغداد، تہذیب طوسی وغیرہ میں مروی احادیث سے جمع کیا ہے، ملخصاً۔ (۱۳۶)

لیکن یہاں شیعی محقق کو تسامح ہوا، چنانچہ دار الکتب الظاہریہ، دمشق کی جس "مسند موسی" کی وہ بات کر رہے ہیں، اُس کا مخطوط بحمد اللہ راقم کو دستیاب ہو گیا اور یہ ابو المحاسن عمر بن علی المذکور کی نہیں، بلکہ امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ شافعی، متوفی ۳۵۴ھ کی تالیف ہے، جسے انھوں نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن خلف بن عبد السلام اور انھوں نے موسی بن ابراہیم مروزی سے روایت کیا ہے، شیعی محقق کو یہ سہو شاید اس لیے لاحق ہوا کہ انھوں نے مخطوط کے اَخیر میں واضح پڑھے جانے والے ناموں میں سے ایک نام ابو المحاسن عمر بن علی دمشقی دیکھ لیا، جسے انھوں نے ابو المحاسن عمر بن علی قرشی، متوفی ۵۷۵ھ ذکر کیا، اسی وجہ سے وہ گمان کر بیٹھے کہ یہی اس جزء کے ناقل اور انتخاب کرنے والے ہیں، کیونکہ مسند کے عنوان سے تو شاید خاصی تعداد میں احادیث ہوں گی، جن میں سے چند کو یہاں درج کیا گیا، لیکن معاملہ ایسا نہیں، کیونکہ اصل مسند موسی بن جعفر میں بھی بسند مروزی یہی چند احادیث درج ہیں، کوئی ضخیم کتاب مسند منقول نہ تھی، کہ اُس میں سے انتخاب کیا جاتا اور اس اَمر کی تفصیلات ائمہ کی نقد و جرح کی روشنی میں بھی واضح ہے۔ نیز ورق ۵۷ پر ائمہ کی اس نسخے کی "سماعات وملاحظات" کا ذکر ہے، جس میں سے ایک متذکرہ بالا ابو المحاسن ہیں، البتہ ان سماعات میں زیادہ تر کی سند سماع ابو المکارم بادرائی سے ہے، جو جزء مسند کی ابتداء میں بصراحت مذکور بھی ہیں۔ خدا کرے کوئی محقق اس جزء کو مع سماعات وملاحظات

۱۳۶۔ الامام موسی بن جعفر ، للشیخ محمد حسن آل یاسین ، الصفحة ۱٤٨.

اصل نسخے سے تقابل کرکے شائع کردے۔ ابھی تک کی معلومات کے مطابق اسی جزء کی تفصیلات واضح ہیں، اوراس کے علاوہ راقم کی مرتب کردہ مسند اہل بیت؛ جس میں مرویات امام کاظم ورِضا رضی اللہ عنہ کو ہزار سال بعد ترتیب دیا گیا، تو اس طرح پہلی کاوش امام ابو بکر شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اور دوسری اہلسنّت میں سے راقم کے حصے میں آئی، وللہ الحمد۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک کی تحریر

امام کاظم رضی اللہ عنہ کی کسی تصنیف کا وجود تو نہیں پایا جاتا، البتہ آپ کے مقدس ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر کا ذکر باقی رہ گیا، چنانچہ امام ابو شامہ "عیون الروضتین" میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ أصل الْمُوَطَّأ بسماع الرشيد على مَالك رَحْمَة الله عَلَيْهِ فِي خزانَة الْكتب المصرية فَإِن كَانَ قد حصل بالخزانة الناصرية فَهُوَ بركَة عَظِيمَة ومنقبة كَرِيمَة وذخيرة قديمَة وَإِلَّا فليلتمس **وَكَذَلِكَ خطّ مُوسَى بن جَعْفَر فِي فتيا الْمَأْمُون** رحمهمَا الله كَانَ أَيْضا فِيهَا وَهُوَ مِمَّا يتبرك بِمثلِهِ وَيعلم بِهِ فضل الْعلم لَا خلا الْمولى أبقاه الله من فَضله۔[۱۳۷]

ترجمہ: اور (امام مالک کی مشہور کتاب) موطا کا اصل نسخہ جسے خلیفہ رشید نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا، وہ خزانۃ الکتب المصریۃ میں موجود ہے اور یہ نسخہ خزانہ ناصریہ سے لیا گیا، پس یہ عظیم برکت، بڑی خوشی اور قدیم ذخائر میں سے ہے، تمھیں چاہیے کہ اسے تلاش کرو، اوراسی طرح موسیٰ بن جعفر کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ فتوی جو مامون کو دیا گیا تھا، وہ بھی اسی ذخیرے میں موجود ہے۔ پس یہ اُن آثار میں سے ہیں؛ جن سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے، اہل علم ان کی فضیلت کو جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے فضل سے انھیں باقی رکھے۔

۱۳۷۔ **عيون الروضتين في أخبار الدولتين النورية والصلاحية**، للابي شامة، دخلت سنة سبع و سبعين وخمسمائة، فصل توجه السلطان الى الاسكندرية، ٣/ ٦١.

مامون الرشید کے جس فتویٰ کا ذکر ہوا، وہ منصب خلافت کی تفویض سے پہلے کے دور سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ امام کاظم رضی اللہ عنہ نے تو اس کے خلیفہ بننے سے بہت پہلے وصال فرمایا تھا، چنانچہ حیات زندگی کے کسی دور میں اُس نے آپ رضی اللہ عنہ سے فتویٰ طلب کیا ہو گا، جسے آپ نے تحریر کیا، تو اُسی کو یہاں اشارۃً بیان کیا گیا ہے اور اس سے ضمناً یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ علمی و فقہی لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ فائق تر تھے، اسی لیے خلیفہ وقت کے بیٹے نے کسی معاملے میں شرعی رہنمائی کے لیے آپ کی جانب رجوع کیا، حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ مذاہب فقہ کے اکابر ائمہ نا صرف موجود، بلکہ دیگر ممتاز اہل علم خود خلیفہ کے دربار سے بھی وابستہ تھے، لیکن ایسے میں مامون کا ان کی جانب مراجعت کرنا آپ کے تبحر کی واضح دلیل ہے۔ فافہم

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی اَولاد

۱۔ شیخ ابن حزم نے "جمهرة أنساب العرب" میں امام کاظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے صرف اُن کے نام درج کیے، جن سے مزید نسل چلی، بقیہ کے نام ذکر نہیں کیے، اسی طرح ناموں کے ساتھ جزوی تفصیل اور اولاد کی تعداد بھی بیان کی ہے، ہم اُن میں سے صرف آپ رضی اللہ عنہ کی اَولاد کے اسماء کو حروف تہجی کی ترتیب پر ذکر کر رہے ہیں:

١. إبراهيم	٢. إسحاق	٣. إسماعيل	٤. جعفر
٥. حسن	٦. حسن	٧. حمزة	٨. زيد النَّار
٩. عبّاس	١٠. عبد الله	١١. عُبيد الله	١٢. علي الرضا
١٣. محمّد	١٤. هارون.[١٣٨]		

شیخ ابن حزم نے "حسن" دو صاحبزادوں کے نام وضاحت کے ساتھ الگ ذکر کیے ہیں، ممکن ہے کہ ایک ہی نام کے دو صاحبزادے ہوں، یا پھر حسین نام کے بجائے حسن تحریر ہو گیا ہو، لیکن ابن حزم کی مذکورہ کتاب کے محقق نے بھی حسین کو حاشیہ میں غلط لکھ کر حسن نام کی ہی تصویب کی ہے، البتہ خواجہ محمد پارسا اور دیگر حضرات نے جن صاحب نسل فرزندوں کا ذکر کیا ہے، اس میں حسین بن موسیٰ ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح تر ہے۔

۲۔ شیخ مزّی "تهذيب الكمال" اور شیخ ذہبی "سير أعلام النبلاء" میں لکھتے ہیں:

١٣٨۔ جمهرة أنساب العرب ، لابن حزم الأندلسي ، الصفحة ٦١/ ٦٢.

آپ رضی اللہ عنہ کی تمام تر اَولاد باندیوں سے پیدا ہوئیں۔ زبیر بن بکّار نے کہا: موسیٰ بن جعفر بن محمد کی یہ اَولاد تھیں:

بیٹے

١.	إبراهيم	٢.	أَحْمَد	٣.	إِسْحَاق	٤.	إسماعيل
٥.	جَعْفَر	٦.	حَسَنْ	٧.	حُسَيْن	٨.	حَمْزَة
٩.	زَيْد	١٠.	سُلَيْمَان	١١.	عَبَّاس	١٢.	عَبْدُ الله
١٣.	عُبَيْدُ الله	١٤.	علي (الرِّضا)	١٥.	فَضَل	١٦.	قَاسِم
١٧.	محمّد	١٨.	هَارُوْن .				

بیٹیاں

١.	أَسْمَاء	٢.	أُمَيْنَة	٣.	أُمُّ البَهَاء [١٣٩]	٤.	بُرَيْهَة
٥.	أُمُّ جَعْفَر	٦.	حَسَنَة	٧.	حُكَيْمَة	٨.	خُدَيْجَة
٩.	رُقيَّة	١٠.	زَيْنَبْ	١١.	أُمُّ سَلَمَة [١٤٠]	١٢.	عَائِشَة
١٣.	عَبَّاسَة	١٤.	عُلَيَّة	١٥.	أُمُّ فَرْوَة	١٦.	فَاطِمَة (الكبرى)
١٧.	فَاطِمَة (الصغرى)	١٨.	قَسِيْمة	١٩.	أُمُّ كُلْثُوْم	٢٠.	كَلْثَم
٢١.	لُبَابَة	٢٢.	مَيْمُوْنَة .				

شیخ ابو حسین یحییٰ علوی "النَسَّابَة" نے کہا: موسیٰ بن جعفر بن محمد کے یہاں علی رِضا اور فاطمہ پیدا ہوئے اور ان دونوں کی والدہ کنیز تھی [١٤١]۔

١٣٩۔ امام جزری کی "الكامل في التاريخ" میں ٢٣١ھ کے تحت وفات پانے والوں میں ان کا نام بایں طور درج ہے: أم أبيها بنت موسى بن جعفر ، أخت علي الرضا۔ نیز امام محمد بن خلف ابن حیان المعروف وکیع بغدادی، متوفی ٣٠٦ھ نے "اخبار القضاۃ" میں محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن کاظم سے اورانھوں نے اپنے والد کی پھوپھی "عمَّة أبي أُمّ أُبيهَا بنت موسى" سے روایت نقل کی ہے، یہ روایت احادیث کے تحت مذکور ہے۔ اب یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں، یا پھر دونوں امام کاظم رضی اللہ عنہ کی الگ الگ صاحبزادیاں ہیں، اس بارے میں علم نہیں۔ واللہ اعلم

١٤٠۔ شیخ یعقوبی کے مطابق انھوں نے مصر میں قاسم بن محمد بن جعفر صادق سے شادی کی تھی۔ اس بارے میں ان کی عبارت کچھ صفحات بعد آرہی ہے۔

شیخ مزی نے متذکرہ ماخذ میں فاطمہ نامی دو بہنوں کا الگ ذکر کیا ہے، پس ان میں سے امام رِضا رضی اللہ عنہ کی ماں شریک بہن کون سی ہیں، اس کا تعین نہیں ہو سکا۔ واللہ اعلم

۳۔ خواجہ محمد پارسا نے "فصل الخطاب" میں جن ناموں کو ان حضرات سے زائد ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

١. داود ٢. عبد الرحمن ٣. عقيل ٤. يحيى

٥. آمنة .[١٤٢]

ان کے علاوہ بھی کچھ فرزندوں کے نام ملتے ہیں، جن سے بعض خاندانی انساب منسوب ہیں، مثلاً خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو "ادریس بن موسیٰ کاظم" اور شیخ ابوالحسن علی الاهدل کو "عون بن موسیٰ کاظم" کے نسب سے بیان کیا جاتا ہے اور یوں ہی دیگر انساب بھی ہیں، الغرض آپ رضی اللہ عنہ کی کثیر اَولاد ہوئی، جن سے نسل کا سلسلہ جاری رہا، بعض حضرات نے خاص آپ رضی اللہ عنہ کی نسل سے جاری ہونے والے انساب پر اُردو اور عربی میں کتابیں بھی تحریر کی ہیں، اسی لیے ہم تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے صرف ماقبل مذکور ائمہ کی چند نصوص پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی اَولاد کی کل تعداد

اہل سنت کے یہاں شیخ ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقة" میں چھتیس ۳۶، شیخ ابن کثیر نے "البداية والنهاية" میں چالیس ۴۰، جبکہ خواجہ محمد پارسا نے ۵۹ بیان کی ہے، جس میں ۳۷ بیٹیاں اور ۲۲ بیٹے شامل ہیں، ہمارے نزدیک ابن حجر مکی کی تعداد قرین قیاس جبکہ خواجہ پارسا کی تعداد دلیل کی محتاج ہے۔ اوران اسماء وتعداد میں زیادہ اختلاف شاید اس لیے پیدا ہوا کہ یہ بیانات صدیوں بعد مرتب ہوئے ہیں، اور ائمہ نے شیخ زبیر بن بکار سے جو اقتباسات نقل کیے، وہ جزوی ہیں، مکمل نہیں، اے کاش ان سے مکمل تفصیلات نقل ہو جاتیں، تو اس قدر خلجان نہ ہوتا، کیونکہ شیخ زبیر اُسی صدی سے تعلق رکھتے ہیں، جس میں امام کاظم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، اور یہ ناصرف خود خاندان قریش سے ہیں، بلکہ انھوں نے اہل بیت کے ائمہ مثلاً امام رِضا و دیگر کا بھی زمانہ پایا، تو ایسے میں ان کا بیان قوی تر شہادت تھا، بہرحال ان کی جس "النسب" کا حوالہ

١٤١۔ تهذيب الكمال ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٩ ، الرقم ٤١٤١ . سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ٩/ ٣٩٢-٣٩١. ملخصاً .

١٤٢۔ فصل الخطاب بوصل الاحباب ، للشيخ محمد پارسا ، الصفحة ٤٣١ .

امام ذہبی اورابن حزم نے دیا،وہ ہمارے زمانے میں "جمهرة نسب قريش وأخبارها "کے نام سے دارالکتب العلمیہ نے دو جلدوں میں شائع کی، لیکن اس میں امام کاظم کی اَولاد کا تذکرہ موجود نہیں، بلکہ پوری کتاب میں آپ کا نام ہی صرف دو تین مقامات پر آیا اورایسا اس لیے واقع ہوا کہ "النسب"اب مکمل طور پر شاید ہی موجود ہو، محقق کو بھی اس کے جو مخطوطے ملے،وہ تمام ناقص تھے اور ناقص ہی کو شائع کیا گیا، چنانچہ کتاب کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا، یا پھر اَوراق کے سمندر میں غرق کسی قدردان کا منتظر ہے، لہٰذا جس قدر مواد میسر آسکا،اس کی روشنی میں ماقبل اسمائے گرامی مذکور ہوئے۔

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی اَولاد، مصادرِ اہل تشیع کی روشنی میں

اہل تشیع کے یہاں اَولاد کی تفصیلات میں کئی ناموں کا اضافہ ملتاہے، چنانچہ ان کے یہاں بیٹوں کے چودہ(۱۴)اور بیٹیوں کے پینتیس(۳۵)نام بیان کیے گئے ہیں، جن میں متذکرہ بالا اسماء بھی شامل ہیں، نیز انھوں نے اپنی کتب وروایات کی روشنی میں ان کے حالات کو بھی ذکر کیاہے،اس بارے میں اسماعیل خفاف کی "الإمام الكاظم وذراريه في التراث الشعري والتاريخي والفقهي "موزوں ہے اوریوں ہی شیخ محمد آل یاسین نے اپنی کتاب میں اہل تشیع کی مستند کتب مثلاً "بحارالانوار، مناقب شہر بن آشوب، الارشاد، عمدۃ المطالب "وغیرہ کی روشنی میں تحقیق کے بعد بیٹوں کی تعداد ۲۳ درج کی ہے،اسی طرح باقر شریف قرشی نے مشہد مقدس کاظمیہ سے شائع ہونے والی تحقیقی کتاب میں آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کے اسمائے گرامی کی تعداد بائیس لکھی، لیکن ان میں ہمارے مرتب کردہ اور شیخ محمد آل یاسین کے ذکر کردہ ناموں کے علاوہ درج ذیل اسماءزائد ہیں:

١. عون ٢. إدريس ٣. شمس ٤. شرف الدين

٥. صالح.[۱۴۳]

شیخ یحیی بن محمد المعروف ابن طباطبا متوفی ۴۷۸ھ نے "أبناء الإمام في مصر والشام الحسن والحسين "میں امام کاظم رضی اللہ عنہ کی اَولاد اور آگے نسل کی تفصیلات کو شیعی مصادر کی روشنی میں جامعیت کے ساتھ مرتب کیاہے، یہ کتاب پہلی

۱۴۳۔ الامام موسى بن جعفر ، للشخ آل ياسين ، الصفحة ٢١-٢٢ . حياة الامام موسى بن جعفر ، للشيخ باقر القرشي ، ٢/ ٣٧٥-٤٤٠ .

بار مکتبہ "جل المعرفہ، الریاض" سے ۲۰۰۴ء سے شائع ہوئی، اس میں امام کاظم رضی اللہ عنہ کی اَولاد کی تعداد دیگر شیعی مصادر سے مختلف اور زیادہ، نیز چارٹ کی صورت مرتب کی گئی ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نسب

برصغیر پاک وہند بلکہ دنیائے اسلام کی معروف شخصیت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، متوفی ۶۳۳ھ کا نسب بھی ائمہ اہل بیت سے متصل ہوتا ہے، البتہ اس میں معمولی اختلاف موجود ہے، چنانچہ مؤرخین صوفیاء میں سے بیشتر نے "عبد العزیز بن ابراہیم بن علی رِضا بن موسی کاظم رضی اللہ عنہ" کے ذریعے اتصال نسب بیان کیا، جیسا کہ شیخ عبد الرحمن چشتی، متوفی ۱۰۹۴ھ نے "مرآۃ الأسرار" اور مؤرخ غلام سرور لاہوری، متوفی ۱۸۹۰ء نے "خزینۃ الأولیاء" میں لکھا ہے [۱۴۴]۔ جبکہ انٹرنیٹ پر نسب معین الدین چشتی کے حوالے سے کچھ حضرات نے کلام کرتے ہوئے "ابراہیم مرتضیٰ بن موسی کاظم" کی اَولاد میں شمار کیا اور بطور حوالہ شیعی مؤرخ نجم الدین ابن ابی الغنائم، من اعلام القرن الخامس کی "المجدي في أنساب الطالبين" اور مقالہ دَر نسب معین الدین چشتی، مسمّی "وُرود سادات دَر افغانستان" اَز ثاقب عماد کاظمی مشوانی کو بیان کیا ہے۔ اوّل الذکر پیش نظر لیکن اس میں خواجہ صاحب کا نسب مذکور نہیں، کیونکہ یہ خواجہ صاحب سے قبل ہو گزرے، البتہ "ابراہیم بن موسی کاظم" کی اَولاد کا ذکر موجود ہے اور ممکن ہے شیعی محققین نے انہی اَنساب کو پیش نظر رکھتے ہوئے مؤقف بالا پر استدلال کیا ہو، نیز ثانی الذکر مقالہ میسّر نہیں آسکا۔ ہمارے نزدیک نسب میں شبہ کا سبب یہ ہے کہ سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ اور سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ دونوں کے صاحبزادوں میں ابراہیم نام کے بیٹے ہوئے ہیں، تو گمان ہے انہی سے وہم لاحق ہوا۔ بہر دو صورت اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ یا پھر سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے "ابراہیم" سے ہو کر آپ کا نسب مبارک ائمہ اہل بیت سے ملتا ہے اور اسی مناسب سے ہم نے یہاں اشارۃً کلام کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۴- **مرآة الأسرار**، للجشتي، في اللغة الأردية، الصفحة ۵۹۲. **خزينة الأولياء**، للشيخ اللاهوري، في اللغة الفارسية. الصفحة ۲۵٦، في اللغة الأردية، الصفحة ۲/ ٦۲. **المجدي في أنساب الطالبين**، للابن أبي الغنائم، الصحفة ۳۱٦.

بلادِ سندھ میں بی بی ماہم بنت کاظم کا مزار، حقیقت یا افسانہ؟

بلادِ سندھ میں ایک مقام پر سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا مزار معروف ہے، جن کے کتبہ پر بی بی ماہم بنت موسی کاظم، اور تاریخ وفات بروز پیر شعبان ۱۰۷ھ رقم ہے۔ کچھ حضرات نے اس کی ڈاکیومنٹری (Documentary) بنا کر یوٹیوب (Youtube) پر ڈالی، جس سے قیل و قال کا سلسلہ جاری ہے۔ بہر حال معتمد کتب اَنساب میں اس نام کی کسی صاحبزادی کا ثبوت نہیں، نیز اہل سنت کے علاوہ اہل تشیع کی کتب میں بھی ہمیں ان کے بارے میں کوئی اشارہ تک میسّر نہیں آسکا اور پھر مدینہ منورہ سے کوسوں دُور صرف آپ کی صاحبزادی کا تشریف لانا اور سکونت اختیار کرنا بھی ایسے قرائن ہیں، جنھیں بغیر کسی قوی شہادت معقول قرار نہیں دیا جاسکتا، چنانچہ تاریخی قرائن و شہادتوں سے متصادم ہونے کے سبب واضح ہوتا ہے کہ یہ آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نہیں، البتہ ممکن ہے کہ یہ اُسی دور سے تعلق رکھنے والی ہوں اور صدیوں کی گردنے اُن کے نام و نسب میں اختلاط پیدا کر دیا ہو، یا پھر بعد والے نادانوں نے مزار گھڑ لیا ہو، واللہ اعلم۔ کیونکہ صدیوں سے اس خطے میں اسلام موجود اور اہل بیت کے عقیدت مند ائمہ بھی یہاں بکثرت ہوئے ہیں، لہٰذا اگر واقعی مزار کی کچھ حقیقت ہوتی، تو بلادِ سندھ کے اکابر مؤرخین و علماء نے جہاں سندھ کی دیگر شخصیات و مزارات کا تعارف لکھا، وہاں انھیں نظر انداز کرنے کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ اُن کے نزدیک معاملہ برعکس تھا اور یہ صرف امام کاظم کی صاحبزادی کا ہی معاملہ نہیں، بلکہ اسی خطے میں سیّدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا بھی مزار بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ شرقاً غرباً یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ آپ رضی اللہ عنہ کبھی یہاں تشریف نہیں لائے، بلکہ معتمد روایات کے مطابق انھوں نے سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی۔ لیکن پھر بھی ان کا مزار یہاں بیان کیا جاتا ہے اور لوگ ذوق سے حاضریاں دیتے ہیں۔ پس اسی تناظر میں بی بی ماہم بنتِ موسی کاظم کے معاملے کو بھی پرکھ لیا جائے، هذا ما ظهر لي والعلم عند الله۔

ویسے بی بی ماہم کے مزار کا واحد ثبوت وہ کتبہ ہے، جو اُن کی قبر پر نصب ہے، پس اگر کوئی خدا ترس ماہر آثارِ قدیمہ (Archaeologist) فی سبیل اللہ اس کی جانچ کر دے، یا کوئی ماہر اَرضیات (Geologist) اپنی خدمات پیش کر دے، تو اس کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی، کہ یہ کتبہ کب اور کہاں سے برآمد کیا گیا، کیونکہ موجودہ سائنسی ذرائع اس قابل ہو چکے ہیں، کہ وہ ان اشیاء کی تاریخ پیش کر سکیں، اور ہم نے فی سبیل اللہ کی قید اس لیے ذکر کی ہے، کیونکہ اس طرح کے کاموں میں ایسے علوم کے ماہرین ویسے بھی اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کریں گے، لیکن پھر بھی اگر کوئی مردِ خدا لوگوں کی

اصلاح کی خاطر ایسا کر دے، توکم اَز کم حق پسندوں کے لیے تشفی کا سامان ہو جائے، باقی جہلاء کو ویسے بھی کسی دلیل و ثبوت کی ضرورت نہیں، اور اگر دلائل خلاف پر پیش کر بھی دیئے جائیں، تو وہ ماننے والے نہیں۔

سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کی اپنی بیٹیوں کو شادی نہ کرنے کی وصیّت

یہ بات اگرچہ ہمارے عنوان سے کامل مطابقت نہیں رکھتی، لیکن جزوی طور پر اَولاد کے ضمن میں ہی اسے بیان کرنا موزوں معلوم ہوتا ہے، چنانچہ قدیم لیکن کمزور تاریخی ماخذ "تاریخ اليعقوبي" میں مذکور ہے:

وأوصى موسى بن جعفر : أن لا تتزوج بناته ، فلم تتزوّج واحدة منهن إلا أمّ سلمة ، فانّها تزوّجت بمصر ، تزوّجها القاسم بن محمد بن جعفر بن محمد ، فجرى في هذا بينه وبين أهله شيء شديد..إلخ .[١٤٥]

ترجمہ: موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی، کہ اُن کی کوئی صاحبزادی شادی نہ کرے، چنانچہ سوائے اُمّ سلمہ کے کسی نے شادی نہیں کی، اور انھوں نے مصر میں قاسم بن محمد بن جعفر (صادق) بن محمد سے شادی کی، تو ان دونوں کے مابین شدید اختلافات ہو گئے۔۔ الخ۔

بادی النظر میں ہی اہل علم پر اس کا بطلان واضح ہے کہ سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ جیسے نیک و متقی اور ائمہ کے امام بھلا ایسی وصیت کیوں کریں گے، جو نا صرف قرآنی تعلیمات بلکہ ان کے نانا جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے عملی اُسوہ کے بھی مخالف ہے، چنانچہ اس وصیت کو نہ تو شرعاً تسلیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی عقلاً یہ بات قابل اعتناء ہے۔ تاہم اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی خاص قوم میں شادی نہ کرنے کی وصیت کی ہو، لیکن ناقلین سے اس کا لفظ ساقط ہو گیا، واللہ اعلم۔ اس وصیت کے بطلان کو بعض محققین اہل تشیع[١٤٦] بھی تسلیم کرتے ہیں۔

١٤٥- **تاريخ اليعقوبي** ، للشيخ ابن واضح ، ٣/ ١٥١ . تحت العنوان ؛ وفاة موسى بن جعفر .

١٤٦- **موسوعة سيرة أهل البيت** ، للقرشي ، ٢٩/ ٤٩٢ .

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی پہلی گرفتاری

امام کاظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ سیاسی ساز باز سے بھرپور تھا، اس میں چہار جانب سے سیاسی محاذ آرائیاں عروج پر تھیں، ان اُمور کا لازمی نتیجہ تھا کہ اہل بیت کو خلفائے وقت نے سخت نگاہوں میں رکھا، خود امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی ایسے مراحل سے نبرد آزما رہی، لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کر جانے کے بعد جب عباسی خلافت کو بلادِ اسلامیہ پر کامل تسلط مل گیا تو ابو جعفر منصور اور اس کے بعد والوں نے اپنے بیگانے کسی کو نہ چھوڑا، ایسے میں اہل بیت کی جانب عوام کا ہجوم اور خلق خدا کا مرجع ہونا بھلا خلفائے وقت کیسے نظر انداز کر سکتے تھے، اسی لیے امام کاظم رضی اللہ عنہ نے جس سیاسی ماحول کا سامنا کیا وہ زیادہ مشکل وصعوبت انگیز تھا، بہر حال ابو جعفر منصور کی حکومت میں تو امام کاظم رضی اللہ عنہ کے والد حکمرانوں کی نظروں میں رہے، لیکن امام کاظم رضی اللہ عنہ غالباً جواں سال اور گوشہ نشیں ہونے کی وجہ سے ترجیحی اَہداف میں نہ رہے۔

لیکن ۱۴۸ھ میں امام صادق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ان کی جانشینی کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے خاموش فضا میں ہیجان پیدا ہوا اور ماحول نے کروٹیں بدلنا شروع کیں، گوناگوں مصائب وفتن نے منصور کو تو اس جانب زیادہ مہلت نہ دی، مگر خلیفہ مہدی نے اپنی خلافت کے آغاز میں ہی اس اَمر کی جانب پیش قدمی کی اور امام کاظم رضی اللہ عنہ کی پہلی گرفتاری عمل میں آئی۔ چنانچہ قرین قیاس یہی ہے کہ مہدی نے اقتدار میں آنے کے بعد امام کاظم رضی اللہ عنہ کو قید کروایا اور یہ زمانہ ۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ کے مابین کا ہے، کیونکہ عباسی خلیفہ ابو عبد اللہ مہدی بن ابو جعفر عبد اللہ منصور ۱۲۶ھ میں پیدا ہوا اور اپنے باپ کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن ہوا۔ امام ذہبی نے ''دُول الإسلام'' میں اس کی مسند نشینی کا سال ۱۵۸ھ لکھا ہے [۱۴۷]۔ اس کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا تو اس حساب سے مدتِ خلافت دس سال اور چند مہینے بنتی ہے اور امام کاظم رضی اللہ عنہ کی پہلی گرفتاری اسی مدت کے دوران واقع ہوئی۔ خلیفہ مہدی نے امام کاظم رضی اللہ عنہ کو بغداد بلایا، آپ رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے، تو اُس نے قید کر دیا، اس قید وبند میں آپ کتنا عرصہ رہے، اس کا تعین تو نہیں ہو سکا، البتہ اس قید سے خلاصی کا واقعہ مشہور ہے، چنانچہ شیخ خطیب بغدادی اور شیخ مزی وغیرہ لکھتے ہیں:

ایک رات مہدی نے خواب میں علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، تو آپ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے:

۱۴۷۔ دول الاسلام، للذهبي، ۱/ ۱۴۷.

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ. (۱۴۸)

ترجمہ: تو کیا تمہارے یہ اَنداز نظر آتے ہیں کہ اگر تمھیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو۔

یہ خواب دیکھتے ہی مہدی بیدار ہو گیا اور اس نے ربیع کو حکم دیا کہ موسی بن جعفر رضی اللہ عنہ کو قید خانے سے لے کر آؤ، پس ربیع انھیں لے آیا تو مہدی نے اُٹھ کر انھیں سینے سے لگایا اور ماتھے پر بوسہ دیا اور کہنے لگا: میں نے ابھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ لہٰذا اَب آپ مجھے صرف اس بات کی ضمانت دے دیں کہ میرے یا میری اَولاد کے خلاف خروج نہیں کریں گے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ایسا کرنے والا نہیں ہوں اور نہ ہی یہ بات مجھے شایاں ہے۔ اس پر مہدی کہنے لگا: آپ نے سچ کہا، پھر اس نے ربیع کو حکم دیا کہ تین ہزار دینار انھیں دے کر مدینہ منورہ روانہ کر دو۔ چنانچہ اس نے صبح ہونے سے پہلے ہی آپ رضی اللہ عنہ کو تین ہزار دینار دے کر مدینہ منورہ کی جانب روانہ کر دیا۔ (۱۴۹)

یہ عباسی خلفاء کی جانب سے آپ رضی اللہ عنہ کو پہلی بار قید اور پھر آزاد کرنے کا واقعہ تھا، اس کے بعد اکثر ائمہ ومؤرخین نے ہارون الرشید کی جانب سے قید کیے جانے کا ذکر کیا ہے، لیکن ابن حجر مکی نے خلیفہ ہادی کی جانب سے پہلی بار قید کیے جانے کا لکھتے ہوئے متذکرہ واقعے کو مہدی کے بجائے خلیفہ ابو محمد موسی المعروف ہادی بن مہدی کے لئے ذکر کیا ہے۔ ہادی کی خلافت کا آغاز خلیفہ مہدی کے ۱۶۹ھ میں انتقال کر جانے کے بعد شروع اور ۱۷۰ھ میں وفات پر ختم ہوتا ہے۔

الغرض شیخ ابن حجر مکی ''الصواعق المحرقة'' میں لکھتے ہیں:

۱۴۸۔ **القرآن الكريم**، سورة محمد: ٤٧/ ٢٢.

۱۴۹۔ **تهذيب الكمال**، للمزي، ٢٩/ ٤٩. **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ١٥/ ١٨. **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ٥/ ٣٠٨. **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ٩/ ١٣٤. **مرآة الجنان**، لليافعي، ١/ ٣٠٥.

كَانَ مُوسَى الْهَادِي حَبَسَهُ أَوَّلاً ثمَّ أطلَقَهُ لِأَنَّهُ رَأى عَلِيًّا رَضِي الله عَنهُ يَقُول لَهُ : فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ.(سورة محمد : ٤٧/ ٢٢). فَانتبَه وَعَرَفَ أَنَّهُ المُرَادُ فَأَطْلَقَهُ لَيْلًا.(١٥٠)

ترجمہ:(خلیفہ)موسیٰ ہادی نے انھیں(امام کاظم کو)پہلی مرتبہ قید کروایا اور پھر چھوڑدیا، کیونکہ اس نے خواب میں علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ فرمارہے تھے:[توکیا تمہارے یہ اَنداز نظر آتے ہیں کہ اگر تمھیں حکومت ملے،توزمین میں فساد پھیلاؤ اوراپنے رشتے کاٹ دو۔]تب وہ ڈر کر بیدار ہوااوراِشارہ سمجھ گیا،چنانچہ اُس نے رات ہی کو انھیں آزاد کردیا۔

ابن حجر مکی کے علاوہ ہمیں کسی اور کا قول نہیں مل سکا کہ ہادی نے آپ رضی اللہ عنہ کو قید کروایاتھا۔جمہور نے خلیفہ مہدی کی جانب سے پہلی مرتبہ قید کیے جانے کاذکر کیاہے،نیز اُس دور کے تاریخی حالات بھی اسی جانب دلالت کرتے ہیں، اوردوسری بات یہ کہ مہدی کی خلافت دس سال پر محیط رہی جس میں اُسے ایسے اقدامات کا بھرپور موقع میسر آیا،نیز امام کاظم نے کسی فوجی مہم کی تیاری نہیں کررکھی تھی کہ خلیفہ کو فی الفور کوئی اقدام کرناپڑتا،بلکہ سازشی عناصر نے طویل دورِ حکومت میں اس کے کان بھرے،جس کی وجہ سے اُس نے بالآخر آپ کو بلاکر گرفتار کروایا۔لیکن اس کے برعکس خلیفہ ہادی کو ایسی کسی عجلت کی مہلت ہی نہیں مل سکی،کہ ایک سال کے عرصے میں اُسے زندیقین کے فتنے، حسین بن علی کاظہوراور جنگ،حمزہ بن مالک خارجی کی بغاوت،رُومیوں سے معرکہ آرائی ایسے معاملات نے گھیر رکھا تھااور پھر خلافت کی چپقلش اس پر مستزاد تھی،کیونکہ ہارون کو اپنے بعد خلافت سے دستبردار کرنے اوراپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد مقرر کرنے کے فسادات نے بھی اسے خارجی عوامل کی جانب متوجہ ہونے سے بازرکھا تھا،لہٰذا یہ وہ قرائن ہیں؛جن کی بدولت گمان ہے کہ خلیفہ مہدی ہی نے امام کاظم کو پہلی مرتبہ قید کیا تھااور خلیفہ ہادی کی جانب سے قید کا عمل نہیں ہوا،لہٰذا ابن حجر مکی نے خلیفہ ہادی کاذکر سہو کی بناپر کردیا،جمہور کے نزدیک صحیح خلیفہ مہدی کی جانب سے قید ہے،واللہ اعلم۔

١٥٠- **الصواعق المحرقة** ، للابن حجر المكي ، الباب الحادي عشر ، الصفحة ٥٥٥ .

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی دوسری گرفتاری

بہر حال جب خلیفہ ہادی کا انتقال ہوا تو عباسی خلافت کی مشہور شخصیت ہارون الرشید کو منصب خلافت پر بٹھایا گیا، اس کی تخت نشینی ربیع الاوّل ۱۷۰ھ میں ہوئی۔ اس کے امام کاظم رضی اللہ عنہ کو قید کرنے کے بارے میں تو سب ہی ائمہ کا اتفاق ہے، البتہ عبارات سے مترشح ہوتا ہے کہ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ قید کیا، کیونکہ ایک مرتبہ کی قید سے آزاد کیے جانے کی صراحت بعض علماء ومؤرخین کی عبارات میں موجود ہے، جبکہ دوسری مرتبہ کی وہ قید جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا، اُس آخری قید کا سن اور تفصیل کتب ائمہ میں موجود اور سب کے یہاں تسلیم شدہ ہے۔ لیکن رشید کی جانب سے پہلی گرفتاری کب عمل میں آئی، اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ اس قید سے آزادی کا ذکر بہت سے حضرات نے تحریر کیا، پس ہم اس اَمر کی تلاش میں شیخ ابن تغری بردی کی "النجوم الزاهرة" تک پہنچے، جہاں انھوں نے سن ۱۷۳ھ کے تحت لکھا:

وفيها حج الرشيد بالناس ولما عاد أخذ معه موسى بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب وحبسه إلى أن مات.(۱۵۱)

ترجمہ: اس سال رشید نے لوگوں کے ساتھ حج کیا اور واپسی میں موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابو طالب کو قید کرتا ہوا لے آیا اور وصال تک اپنے پاس ہی قید رکھا۔

ابن تغری بردی نے خلیفہ رشید کے پانچ سفر حج کا تذکرہ لکھا، جو بالترتیب ۱۷۰ھ، ۱۷۳ھ، ۱۸۶ھ، ۱۸۸ھ ہیں، اوران میں ۱۷۹ھ کے سفر حج کو عمرے کے ذیل میں لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حجِ قران تھا۔

وفيها اعتمر الرشيد في رمضان ودام على إحرامه إلى أن حج ومشى من بيوت مكة إلى عرفات.(۱۵۲)

۱۵۱۔ **النجوم الزاهرة**، للشيخ ابن تغري بردي، ۲/ ۹۱.

۱۵۲۔ **النجوم الزاهرة**، للشيخ ابن تغري بردي، ۲/ ۱۲۵.

ترجمہ:اس سال رشید نے رمضان میں عمرہ کیا اور اِحرام کو زمانہ حج تک باندھے رکھا اور اس حج کے دوران وہ مکہ مکرمہ کے مقامات سے عرفات تک پیدل گیا۔

ابن تغری بردی کا رجحان اس جانب ہے کہ خلیفہ رشید نے سن ۱۷۳ھ میں جو حج کیا، اُس سے فراغت کے بعد ہی امام کاظم رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرلایا اور پھر وصال تک نہیں چھوڑا۔ اسی لیے انھوں نے ہارون کے سن ۱۷۹ھ کے عمرے اور حج کی تفصیل تو ذکر کی، لیکن اس میں قید کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ان کے نزدیک امام کاظم رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے بغداد میں مقید تھے، پس اگر یہ وجہ مان لی جائے تو خلیفہ رشید کی جانب سے ایک ہی بار کی گرفتاری عیاں ہوتی ہے اور یوں امام کاظم رضی اللہ عنہ کی قید کا دورانیہ دس طویل سالوں پر محیط ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک صحیح اَمر وہی ہے جسے جمہور ائمہ کی تصریح اور تاریخی شواہد کی تائید حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ خلیفہ رشید نے آپ رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ قید کیا، اُن میں سے ایک سے آزادی ملی، جبکہ دوسری قید ہی میں وصال فرمایا اور یہاں ابن تغری بردی نے ۱۷۳ھ کی جس قید کا ذکر کیا، یہ رشید کی جانب سے پہلی قید تھی، لیکن اس کا تسلسل وصال تک محیط نہیں رہا، بلکہ رہائی مل گئی تھی، ممکن ہے کہ موصوف کو رہائی کے بارے میں علم نہ ہو سکا، یا پھر ان کا موقف ہی یہی ہو۔ الغرض اس قید سے رہا ہونے کے بارے میں دلائل درج ذیل ہیں، چنانچہ امام یافعی "مرآۃ الجنان"، ابن عماد "شذرات الذهب"، دمیری "حیاۃ الحیوان" اور خواجہ پارسا "فصل الخطاب" میں لکھتے ہیں:

ہارون رشید نے جب امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کو قید کیا، تو اس دوران خواب میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ میں نیزہ لیے فرما رہے ہیں: اگر تم نے موسیٰ کو رہا نہیں کیا، تو میں اسی سے تمھیں ذبح کردوں گا۔ پس اُس نے بیدار ہو کر انھیں آزاد کر دیا اور تیس ہزار درہم بھی ہمراہ کیے۔ (۱۵۳)

بعض ائمہ نے "حسین" کی جگہ کسی "حبشی" کو دیکھنے کا ذکر کیا، لیکن دُرست حسین ہے، شاید کتابت کی غلطی سے الفاظ بدل گئے۔ نیز اس واقعے کی تائید خود امام کاظم سے بھی مروی کہ انھوں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے موسیٰ! ظلماً قید کیے گئے ہو، یہ کلمات کہو، تو آج رات قید خانے میں نہ گزرے گی:

۱۵۳۔ اس کی تخریج اگلے حاشیہ میں درج ہے۔

يَا سَامِعَ كُلِّ صَوْتٍ ، يَا سَائِقَ الفَوْتِ ، يَا كَاسِيَ العِظَامِ لَحْماً وَ مُنْشِزَهَا بَعْدَ المَوْتِ ، أَسْأَلُكَ بِأَسْمَائِكَ الحُسْنَى ، وَ بِاسْمِكَ الأَعْظَمِ الأَكْبَرِ المَخْزُوْنِ المَكْنُوْنِ الَّذِيْ لَمْ يَطَّلِعْ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنَ المَخْلُوْقِيْنَ ، يَا حَلِيْماً ذَا أَنَاةٍ ، يَا ذَا المَعْرُوْفِ الَّذِيْ لَا يَنْقَطِعُ أَبَداً وَلَا يُحْصَى عَدَداً ، فَرِّجْ عَنِّيْ .(۱۵۴)

اور یہ سبب خلیفہ مہدی والے واقعے سے بالکل جدا ہے جس میں خلیفہ کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی تھی اور اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا گیا تھا۔ نیز اس واقعے میں ایک جانب امام کاظم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دعا تعلیم کیے جانے کا ذکر ہے، جبکہ اِسی رات خواب میں خلیفہ ہارون کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت اور تنبیہ کرنے کا تذکرہ ہے۔ البتہ ابن حجر مکی نے اس قید کے لیے بحوالہ مسعودی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہی زیارت کا ذکر کیا ہے کہ آپ نے ہارون کے خواب میں آکر متذکرہ بات فرمائی تھی، واللہ اعلم۔ پس خواب کی شخصیت میں اگرچہ معمولی اختلاف ہے، لیکن دونوں ائمہ کے نزدیک اس کے بعد ہارون رشید کی جانب سے آزاد کرنے کا ذکر موجود ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ہارون رشید کی جانب سے امام کاظم رضی اللہ عنہ کی یہ پہلی اور مطلقاً خلفائے عباسیہ کی جانب سے دوسری قید تھی اور اس قید کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو رہا کر دیا گیا، اس قید کا زمانہ ۱۷۳ھ سے ۱۷۹ھ کے مابین ہے۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی تیسری گرفتاری

اس کے بعد سن ۱۷۹ھ میں جب خلیفہ ہارون الرشید نے حج و عمرے کا سفر کیا، تو واپسی میں امام کاظم رضی اللہ عنہ کو پھر قید کر لایا اور ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ قید بصرہ کے حاکم عیسیٰ بن جعفر بن منصور کے یہاں ہوئی اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایک سال تک قید میں رکھا، بعد ازاں خلیفہ رشید کو خط لکھا کہ کسی اور کو یہ ذمہ داری سونپ دے، ورنہ میں انھیں آزاد کر دوں گا، تب رشید نے سندی بن شاہک کو یہ ذمہ داری سونپی، اور غالباً وہی انھیں اپنے ساتھ بغداد لایا اور پھر وصال تک یہی محبوس رکھا گیا۔ اس سفر کی نوعیت میں ائمہ نے اختلاف کیا، چنانچہ بعض نے کہا کہ جب رشید رمضان ۱۷۹ھ میں

۱۵۴۔ **شذرات الذهب**، للابن العماد، ۲/ ۳۷۷ . **فصل الخطاب بوصل الأحباب**، للشيخ محمد پارسا، الصفحة ٤٣١ . **مرآة الجنان**، لليافعي المكي، ۱/ ۳۰٦ . **حياة الحيوان**، للدميري، ۱/ ٤٣٢ . **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ٥/ ۳۱۰.

عمرہ سے واپس لوٹ رہا تھا، تو مدینہ منورہ میں حاضری کے دوران سلام والے واقعے کے بعد امام کاظم رضی اللہ عنہ کو قید کیا، یہ خطیب بغدادی اور جمال الدین مزی کا مؤقف ہے جبکہ اکثر ائمہ نے اسی سال سفر حج سے واپسی کے موقع پر بارگاہ نبوی میں سلام والے واقعے اور آپ رضی اللہ عنہ کے قید کیے جانے کا ذکر کیا ہے، یہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مؤرخین کا مؤقف ہے۔

چنانچہ ہمارے نزدیک دونوں واقعات میں زیادہ اختلاف نہیں، کیونکہ خلیفہ رشید نے رمضان کے مہینے میں عمرہ اَدا کیا اور پھر ابن تغری بردی کے مطابق حج کے زمانے تک احرام باندھے رکھا اور اسی احرام سے حج ادا کیا، جو حج قران تھا، جبکہ بعض دیگر ائمہ نے کہا کہ عُمرہ ادا کرنے کے بعد وہ مدینہ منورہ آگیا اور پھر یہاں سے دوبارہ حج کے لیے گیا اور حج سے واپسی پر بغداد کے لیے روانہ ہوا تو امام کاظم رضی اللہ عنہ کو قید کرتے ہوئے ساتھ لے گیا لہٰذا حج اور عُمرے کے دونوں سفروں میں اتحاد اور قربت کی وجہ سے راویوں میں سے بعض نے عمرے اور بعض نے حج کا ذکر کیا ہے، بہر کیف اس مرتبہ کی گرفتاری کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بغداد میں قید کر دیا گیا اور اسی پانچ سالہ قید کے دوران آپ رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا۔

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کو قید کیوں کیا گیا؟

امام شمس الدین ذہبی "تاریخ الإسلام" میں لکھتے ہیں:

ولعل الرشيد ما حبسه إلا لقولته تلك: السلام عليك يا أبه. فإن الخلفاء لا يحتملون مثل هذا.(۱۵۵)

ترجمہ: شاید رشید نے آپ کو اس قول "اے میرے بابا! آپ پر سلام ہو" کی وجہ سے قید کروایا تھا کیونکہ خلفاء اپنے سامنے ایسی باتوں کو گوارا نہیں کرتے۔

امام ذہبی نے آپ رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کا ایک سبب سلام والا واقعہ ذکر کیا ہے جسے ہم ما قبل تفصیل سے درج کر چکے ہیں کہ مزارِ نبوی پر ہارون رشید نے "اے اللہ کے رسول! اے میرے چچا کے بیٹے" کہہ کر سلام پیش کیا اور اس کا مقصد آس پاس کے لوگوں پر اپنی فضیلت جتانا تھا اور اسی اثناء میں امام کاظم رضی اللہ عنہ نے "اے میرے بابا! آپ پر سلام ہو" عرض کیا، تو خلیفہ رشید کا منہ اُتر گیا تھا اور یہی واقعہ آپ رضی اللہ عنہ کے قید کیے جانے کا سبب بنا۔ لیکن ہمیں اس میں قدرے تامل ہے

۱۵۵۔ تاریخ الإسلام، للذهبي، ۱۲/ ٤۱۸.

کیونکہ یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ کی گرفتاری کا سبب بنا تھا، جبکہ ہم ماقبل ذکر کر چکے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ مہدی کی جانب سے اور ۱۷۳ھ میں خود رشید کی جانب سے آپ رضی اللہ عنہ کو قید کیا جاچکا تھا، اُن دو گرفتاریوں کا سبب یہ سلام والا واقعہ نہیں تھا، کیونکہ یہ تو سن ۱۷۹ھ میں رونما ہوا، لہٰذا یہ واقعہ صرف اُس آخری گرفتاری کا سبب ہے، جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا، اس سے قبل کی گرفتاریاں سیاست، دشمنی یا دیگر اُمور کی وجہ سے واقع ہوئی تھیں۔ فتدبر

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کا دورانِ قید خلیفہ ہارون کو لکھا گیا سحر انگیز خط

آپ رضی اللہ عنہ نے قید کے دوران خلیفہ ہارون رشید کو نصیحت کرنے کے لیے خط تحریر کیا، جس کا مضمون اپنی جاذبیت اور اَثر آفرینی میں بے مثال ہے، اسے بہت سے ائمہ نے نقل کیا اور اکثر نے بلاسند ہی ذکر کیا ہے، لیکن شیخ ابن جوزی نے "المنتظم في تاريخ الملوك والأمم" میں سند متصل سے درج کیا کہ امام کاظم رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

إِنَّهُ لَنْ يَنْقَضِيَ عَنِّي يَوْمٌ مِنَ البَلاَءِ ، إِلَّا انْقَضَى عَنْكَ مَعَهُ يَوْمٌ مِنَ الرَّخَاءِ ، حَتَّى نُفضِيَ جَمِيْعاً إِلَى يَوْمٍ لَيْسَ لَهُ انْقِضَاءٌ ، يَخْسَرُ فِيْهِ الْمُبْطِلُوْنَ . (١٥٦)

ترجمہ: بیشک میری اس آزمائش کا جو بھی دن کٹ رہا ہے، وہ تمہاری عیش وعشرت سے بھی ایک دن کاٹ رہا ہے، یہاں تک کہ ہم دونوں ایک ایسے دن تک پہنچ جائیں گے جو کبھی ختم نہیں ہو گا، اُس دن خسارے میں وہ لوگ ہوں گے؛ جو (آج ظلم وستم اور) باطل (راستے) پر ہیں۔

١٥٦ـ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٦/ ٢٧٣ . **البداية والنهاية** ، للابن كثير ، ١٣/ ٦٢٤ . **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ٢٩/ ٥٠ . **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ١٥/ ١٩ . **الكامل في التاريخ** ، للابن الاثير الجزري ، الصفحة ٨٧٥ . **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم** ، للابن الجوزي ، ٩/ ٨٨ . **تاريخ الاسلام** ، للذهبي ، ١٢/ ٤١٨ . **مرآة الزمان** ، للسبط ابن الجوزي ، ١٣/ ٥٦. **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٩/ ١٣٤.

قید خانے کے معمولات

جب امام کاظم رضی اللہ عنہ کو ابو منصور سندی بن شاہک، مولیٰ منصور دوانیقی کے پاس قید میں رکھا گیا اور اُس نے اپنی دیندار بہن سے نگرانی کرنے کے لیے کہا، تو وہ رضامند ہو گئی، چنانچہ وہ کہتی ہے کہ قید خانے میں آپ رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا:

كَانَ إِذَا صَلَّى العَتَمَةَ ، حَمِدَ اللهَ ، وَمَجَّدَهُ ، وَدَعَاهُ ، فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى يَزُولَ اللَّيْلُ ، فَإِذَا زَالَ اللَّيْلُ ، قَامَ يُصَلِّي ، حَتَّى يُصَلِّيَ الصُّبحَ ، ثُمَّ يَذْكُرُ قَلِيْلاً حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، ثُمَّ يَقعُدُ إِلَى ارْتفَاعِ الضُّحَى ، ثُمَّ يَتَهَيَّأُ ، وَيَسْتَاكُ ، وَيَأْكُلُ ، ثُمَّ يَرقُدُ إِلَى قَبْلِ الزَّوَالِ ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ ، وَ يُصَلِّي حَتَّى يُصَلِّيَ العَصْرَ ، ثُمَّ يَذْكُرُ فِي القِبلَةِ حَتَّى يُصَلِّيَ المَغْرِبَ ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا بَيْنَ المَغْرِبِ إِلَى العَتَمَةِ .[١٥٧]

ترجمہ: جب آپ عشاء کی نماز پڑھ لیتے، تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی حمد و ثنا اور دعا میں مشغول ہو جاتے، حتیٰ کہ ساری رات اسی عالم میں گزر جاتی، پھر رات کے آخری حصے میں کھڑے ہو کر فجر تک نماز پڑھتے رہتے، پھر فجر کی نماز ادا کرتے اور طلوع شمس تک ذکر میں مصروف ہو جاتے، پھر چاشت کے وقت تک بیٹھے رہتے، بعد ازاں اُٹھ کر مسواک کرتے اور کچھ تناول فرماتے، پھر زوال سے کچھ پہلے تک آرام کرتے، اس کے بعد اُٹھ کر وضو کرتے اور ظہر سے عصر تک نماز میں مشغول رہتے، عصر سے مغرب کے مابین قبلے کی جانب متوجہ ہو کر ذکر کرتے، پھر مغرب سے عشاء تک نماز میں مشغول ہو جاتے، یہ آپ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا۔ سندی کی بہن جب کبھی آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھتی تو کہتی: وہ لوگ برباد ہوں؛ جنھوں نے اس نیکوکار بندے کو قید کر رکھا ہے۔

١٥٧ـ تهذيب الكمال ، للمزي ، ٢٩/ ٥٠ . تذهيب تهذيب الكمال ، للذهبي ، ٩/ ١٣٤ . سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ٦/ ٢٧٣.

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی شہادت

تاریخ ورجال کے ماہرین کے نزدیک امام کاظم رضی اللہ عنہ کا وصال بروز جمعہ ۲۵ رجب المرجب، سن ۱۸۳ھ، بغداد میں بحالت قید ہوا اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ رشید کی قید میں تھے۔ چنانچہ اس سال پر اہل سنت کا اتفاق ہے، نیز ان میں سے کچھ ائمہ نے سال کے ساتھ مہینے اور تاریخ کو ذکر کیا، جبکہ باقی نے صرف سال بیان کیا ہے۔ ہم ذیل میں طوالت سے بچنے کے لیے تمام کی عبارات نقل کرنے کے بجائے صرف نام وموٴقف پر اکتفا کر رہے ہیں، البتہ حوالہ جات کو حواشی میں لکھ دیا گیا ہے، تاکہ اہل علم کے لیے مراجعت میں سہولت رہے۔

۱۔ **۲۵ رجب المرجب، ۱۸۳ھ**

اسے خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد"، ابن جوزی نے "صفوة الصفوة"، ابن کثیر نے "البداية والنهاية"، جمال الدین مزی نے "تهذيب الكمال" اور ابن خلکان نے "وفيات الأعيان" میں ذکر کیا ہے۔[۱۵۸]

۲۔ **رجب المرجب، ۱۸۳ھ**

اسے حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تهذيب التهذيب"، شیخ ابن اثیر جزری نے "المختار" اور شیخ ذہبی نے "تاريخ الإسلام" اور "سير أعلام النبلاء" میں ذکر کیا ہے۔[۱۵۹]

۳۔ **سن ۱۸۳ھ**

اسے امام ابن جریر طبری نے "تاريخ الرسل والملوك"، امام ذہبی نے "ميزان الأعتدال"، "الكاشف" اور "العبر في خبر من غبر"، شیخ ابو المحاسن محمد بن علوی حسینی نے "التذكرة"، ابن عماد حنبلی نے "شذرات الذهب"، شیخ یافعی مکی نے "مرآة الجنان" اور شیخ عزالدین ابن اثیر جزری نے "الكامل في التاريخ" میں ذکر کیا ہے۔[۱۶۰]

۱۵۸۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۵/ ۲۰. **صفوة الصفوة**، للجوزي، ۲/ ۱۸۷. **البداية والنهاية**، للابن كثير الدمشقي، ۱۳/ ٦٢٤. **تهذيب الكمال**، للمزي، ۲۹/ ۵۱. **وفيات الاعيان**، للابن خلكان، ۵/ ۳۱۰.

۱۵۹۔ **تهذيب التهذيب**، للعسقلاني، ٤/ ۱۷۳. **تاريخ الاسلام**، للذهبي، ۱۲/ ٤۱۹. **سير اعلام النبلاء**، للذهبي، ٦/ ۲۷٤. **المختار من مناقب الاخيار**، للمجد الدين ابن الاثير، ۵/ ۷۹.

۴۔ **سن ۱۸٦ھ**

اسے اہلسنّت میں سے ابن خلکان نے "وفيات الأعيان"، شیخ ذہبی نے "تاريخ الإسلام" اور خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد" میں کمزور قول کی صورت میں بیان کیا ہے، جبکہ شیخ عبد الرحمن جامی نے "شواهد النبوة" میں اسی پر جزم کیا ہے (۱٦۱)۔ اس کے علاوہ کسی اور مصدر سے اس کی تائید نہیں مل سکی، البتہ اہل تشیع کے یہاں "بحار الانوار، مروج الذہب اور مناقب شہر آشوب" وغیرہ سے اس قول کو ذکر کیا جاتا ہے، جن کی تفصیل متعلقہ مقامات پر درج ہے، لیکن اہل تشیع کی اُمہات کتب اور مناقب و سوانح کی عامہ کتب میں جمہور اہل سنت کے مطابق ۲۵ رجب المرجب ۱۸۳ھ کے قول کو ہی ترجیح دی گئی ہے، ملاحظہ ہو: (موسوعة سيرة أهل البيت، للقرشي، ۲۹/ ۵۱۲)۔

۵۔ **رجب المرجب، ۱۸۷ھ**

اسے شیخ کمال الدین دمیری نے "حياة الحيوان" میں ذکر کیا ہے۔ (۱٦۲)

٦۔ **۱۸۸ھ**

اسے صرف شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان" میں بیان کیا ہے، لیکن اسے لکھ کر ضعیف کہتے ہوئے جمہور کے ہی مؤقف کی تائید کی ہے۔ (۱٦۳)

۱٦۰۔ **تاريخ الرسل والملوك**، للطبري، ۸/ ۲۷۱. **ميزان الاعتدال**، للذهبي، ٤/ ۲۰۲. **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة**، للذهبي، ۲/ ۳۰۳. **العبر في خبر من غبر**، للذهبي، ۱/ ۲۲۱. **التذكرة بمعرفة رجال الكتب العشرة**، للحسيني، الصفحة ۱۷۲۹، الرقم ٦۹۲٦. **مرآة الجنان**، لليافعي، ۱/ ۳۰٦ . **الكامل في التاريخ**، للابن الاثير الجزري، ۸۷٤، سنة ثلاث و ثمانين ومائة . **شذرات الذهب**، لإبن العماد، ۲/ ۳۷۷ .

۱٦۱۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۵/ ۲۰. **وفيات الاعيان**، للابن خلكان، ۵/ ۳۱۰ . **تاريخ الاسلام**، للذهبي، ۱۲/ ٤۱۹. **شواهد النبوة**، للجامي، في اللغة الفارسية، ۱۹۲.

۱٦۲۔ **حياة الحيوان**، للدميري، ۱/ ٤۳۲ .

۱٦۳۔ **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۱۳/ ۵۷، ذكر السنة ۱۸۳هـ .

سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت، اختلافی آراء کا اجمالی جائزہ

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
ابن واضح اخباری، متوفی ۲۹۲ھ	تاریخ یعقوبی	—	—	—	۱۸۳ھ	جزماً
محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ	تاریخ الرسل والملوک	—	—	—	=	=
علی بن حسین مسعودی، متوفی ۳۴۶ھ	مروج الذہب	—	—	—	۱۸۶ھ	=
عبد الرحمن ابن جوزی، متوفی ۵۹۸ھ	المنتظم فی التاریخ	—	۲۵	رجب	۱۸۳ھ	=
عز الدین ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	الکامل فی التاریخ	—	—	—	=	=
سبط ابن الجوزی، متوفی ۶۵۴ھ	مرآۃ الزمان	—	۲۵	رجب	=	=
سبط ابن الجوزی، متوفی ۶۵۴ھ	مرآۃ الزمان	—	—	—	۱۸۸ھ	نقلاً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	۲۵	رجب	۱۸۳ھ	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	—	—	۱۸۶ھ	احتمالاً
جمال الدین مزی، متوفی ۷۴۲ھ	تہذیب الکمال	—	۲۵	رجب	۱۸۳ھ	جزماً
شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	سیر اعلام النبلاء / تاریخ الاسلام	—	—	رجب	=	=
شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	تذہیب تہذیب الکمال	—	۲۵	رجب	=	نقلاً
ابو محمد عبد اللہ یافعی، متوفی ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان	—	—	—	=	جزماً
ابن کثیر دمشقی، متوفی ۷۷۴ھ	البدایۃ والنہایہ	—	۲۵	رجب	=	=
ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ	تہذیب التہذیب / تقریب	—	—	رجب	=	نقلاً
عبد الرحمن جامی، متوفی ۸۹۸ھ	شواہد النبوۃ	جمعہ	۵	رجب	۱۸۶ھ	جزماً
احمد بن یوسف قرمانی، متوفی ۱۰۱۹ھ	اخبار الدُّول فی التاریخ	—	—	—	۱۸۳ھ	=
شہزادہ دارا شکوہ قادری، متوفی ۱۰۶۹ھ	سفینۃ الاولیاء	جمعہ	۶/۷/۱۵	رجب	=	=

سببِ شہادت

آپ رضی اللہ عنہ عرصہ دراز تک خلیفہ ہارون رشید کی قید میں تکالیف برداشت کرتے رہے، حتی کہ اُسی دوران واصل بحق ہوئے، اس وفات کا سبب کیا تھا، اکثر علماء نے اس کا ذکر نہیں کیا، لیکن بعض کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ کو قید خانے میں زہر دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ چنانچہ شیخ ابن خلکان "وفیات الأعیان"، شیخ دمیری "حیاۃ الحیوان" اور شیخ ابن حجر مکی "الصواعق المحرقۃ" میں لکھتے ہیں:

> ہارون رشید کی جانب سے سندی بن شاہک کو (قید کی) ذمہ داری سونپنے کے ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ انھیں ہلاک کردے، چنانچہ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو کھانے، یا کھجوروں میں زہر ملا کر دیا، جسے کھانے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ شیخ ابن حجر کے بیان میں اس قدر زائد ہے: اس زہر کو کھانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ تین دن تک تکلیف میں رہے اور پھر شہادت ہوئی۔ (۱۶۴)

بہر حال یہ وہی شہادت ہے جو اس خاندان کے ساتھ ابتدا سے منسلک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زہر آلود کھانے سے شہید ہو کر تشریف لے گئے، پھر آپ کے دادا سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ، نیز آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے امام رِضا رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے حضرات اسی طرح شہادت سے سرفراز ہوئے۔

مَشْهَدُ الكَاظِمِيَّة (Kadhimiya)، بغداد میں تدفین

خطیب بغدادی اپنی سند سے سندی بن شاہک کے پوتے ابراہیم بن عبد السلام بن سندی بن شاہک سے نقل کرتے ہیں:

> موسی بن جعفر اُس کے یہاں قید تھے، پس جب ان کا وصال ہوا تو اُس نے کرخ کے شیوخ (اکابر) کو بلوایا اور انھیں آپ کی موت کی تصدیق کروائی، اور بعد ازاں "مقابر شونیزین" میں تدفین کی گئی۔

۱۶۴۔ **وفيات الاعيان**، للابن خلكان، ٥/ ٣١٠. **حياة الحيوان**، للدميري، ١/ ٤٣٢. **الصواعق المحرقة**، للابن حجر المكي، الصفحة ٥٥٥.

امام ذہبی نے "سیر أعلام النبلاء" میں اتنا مزید لکھا:

آپ رضی اللہ عنہ کا عظیم مقبرہ بغداد میں مشہور ہے اسی جگہ بعد میں آپ رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد جواد (بن امام رضا رضی اللہ عنہ) کی بھی تدفین ہوئی۔

جبکہ ابن خلکان نے "وفیات الأعیان" میں لکھا:

آپ رضی اللہ عنہ کی قبر اُس مقام پر (بغداد میں) مشہور ہے؛ جس کی زیارت کی جاتی ہے، اس پر عظیم مقبرہ بھی تعمیر کیا گیا، جس میں سونے چاندی کی قنادیل اور بیش قیمت اقسام کے سامان وفرش موجود ہیں، آپ کا مزار غربی جانب واقع ہے۔(۱۶۵)

اب عراق کے شہر بغداد کا یہ علاقہ "کاظمیہ" کے نام سے دنیا بھر میں معروف ہے، اسے مشہد کاظمیہ، مشہد کاظمین، حرم کاظمین کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی تدفین سے متعلق اسی قدر تفصیل اہلسنّت کی کتب میں درج ہے، جبکہ اہل تشیع کے یہاں اس کے علاوہ بھی تفصیلات ہیں، جن کا ثبوت ہمارے یہاں نہیں ملتا، پس ہم انھیں باتوں پر اکتفا کرتے ہیں، جو اہل سنت ائمہ نے نقل کی ہیں، چنانچہ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کس نے ادا کی اور تدفین کے مراحل کیسے مکمل ہوئے، اس کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں مل سکیں۔

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی وفات پر امام رضا رضی اللہ عنہ کا قول

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا صدمہ اور غم نہایت جانکاہ تھا اور اس کے اثرات آپ رضی اللہ عنہ کے گھر والے ہی زیادہ محسوس کر رہے تھے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے زندگی کے آخری سالوں میں بہت زیادہ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں اور بالآخر اسی عالم میں دارِ بقاء کی جانب بحالتِ شہادت رحلت فرمائی، لیکن "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ.(سورۃ الرحمن:۵۵/۲۶)" کے تحت آپ رضی اللہ عنہ کو اس مرحلے سے گزرنا ہی تھا، سو آپ رضی اللہ عنہ اپنے ربّ جل جلالہ کی فرمانبرداری میں اس منزل سے بخیر وعافیت تشریف لے گئے، لیکن آپ سے محبت کرنے والوں میں سے کچھ افراد نے مشہور کر دیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو موت نہیں آئی، بلکہ زندہ

۱۶۵- **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۵/ ۱۹-۲۰ . **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٦/ ٢٧٤ . **وفيات الأعيان**، للابن خلكان، ٥/ ٣١٠ .

ہی اُٹھالیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ جلد واپس تشریف لاکر اپنے اَہداف کی تکمیل فرمائیں گے۔ اس مؤقف کے تحت بہت سے گروہ بنے؛ جنھیں مؤرخین اوراہل تشیع "الواقفية" کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح کا قول آپ رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے ابراہیم بن کاظم سے منسوب ہے کہ انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی موت کا انکار کیا، جس پر آپ کے بھائی سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ نے نہایت دانشمندی سے جواب دیا:

إن إبراهيم يحلف أنّ أباه موسى حيٌّ؛ قال: أيموت رسول الله – صلّى الله عليه وسلّم – ولا يموت موسى؟ .[١٦٦]

ترجمہ: ابراہیم اس بات پر قسم اُٹھا رہے ہیں؛ کہ اُن کے والد موسیٰ زندہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال کرسکتے ہیں، تو موسیٰ (کاظم) کیوں نہیں انتقال کرسکتے؟

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ اور خانوادۂ اہل بیت کی عمریں

تاریخی لحاظ سے ایک عجوبہ لیکن شاید قدرت کا کوئی راز ہے کہ خاندان اہل بیت میں سے ممتاز افراد کی عُمروں نے ساٹھ سے تجاوز نہیں کیا، بلکہ ان میں سے کچھ تو ایک ہی عمر کے حصے میں آکر واصل بحق ہوئے۔ ذیل میں آپ کے خاندان میں سے صرف چند حضرات کی پیدائش اور وفات کی تواریخ کو عمروں کے ساتھ درج کیا جارہا ہے:

❖ امام حسن بن علی	۳ھ	تا	۴۹ھ	=	۴۶سال
❖ امام حسین بن علی	۴ھ	تا	۶۱ھ	=	۵۷سال
❖ امام زین العابدین	۳۷ھ	تا	۹۴ھ	=	۵۷سال
❖ امام محمد باقر	۵۷ھ	تا	۱۱۳ھ	=	۵۶سال
❖ امام جعفر صادق	۸۰ھ	تا	۱۴۸ھ	=	۶۸سال
❖ امام موسیٰ کاظم	۱۲۸ھ	تا	۱۸۳ھ	=	۵۵سال

١٦٦- **البصائر و الذخائر**، للشيخ ابن حيان التوحيدي، ٧/ ١٧، الرقم ٢٢.

❖ امام علی رِضا	۱۴۸ھ	تا	۲۰۳ھ	=	۵۵سال
❖ امام محمد جواد	۱۹۵ھ	تا	۲۲۰ھ	=	۲۵سال
❖ امام علی نقی	۲۱۴ھ	تا	۲۵۴ھ	=	۴۰سال
❖ امام حسن عسکری	۲۳۱ھ	تا	۲۶۰ھ	=	۲۹سال

امام ذہبی نے "تاریخ الإسلام" میں اس جانب اشارہ فرمایا:

وعاش بِضعًا وخمسين سنة كأبيه وجدّه وجدّ أبيه، وجدّ جدّه، ما في الخمسة مَن بلغ الستّين.[۱۶۷]

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد (جعفر صادق)، دادا (محمد باقر)، اور دادا کے والد (زین العابدین)، اور دادا کے دادا (حسین بن علی رضی اللہ عنہ) کی طرح ساٹھ کی درمیانی عمر پائی، ان پانچوں میں سے کوئی بھی ساٹھ کی عمر کو نہیں پہنچا۔

یہاں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو بھی ساٹھ کی عمر تک نہ پہنچنے والوں میں ذکر کیا ہے، حالانکہ ان کی عمر ۶۸ سال کی ہوئی، اور اگر ان کی پیدائش ۸۳ھ بھی مان لی جائے، جیسا کہ ایک قول میں مذکور ہے تب بھی عمر مبارک ۶۵ سال ہوتی ہے، پس ان کی عمر کو ذکر کرنے میں امام ذہبی سے تسامح ہو گیا، اسی طرح امام ذہبی نے آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے امام رِضا کی عمر کی جانب توجہ نہیں فرمائی، حالانکہ ان کی عمر اپنے والد کی طرح ۵۵ سال ہوئی، جیسا کہ ما قبل گزر چکا۔

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کے مزار پر "مسند احمد" کا ختم

خلیفہ ابو العباس احمد بن حسن المعروف "النَّاصِرُ لِدِيْنِ الله" جس کا دور حکومت ۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ پر محیط رہا، اُس نے سن ۶۰۸ھ میں فرمان جاری کیا کہ امام کاظم رضی اللہ عنہ کے مزار پر شیخ صفی الدین موسوی کی موجودگی میں "مسند احمد" کا ختم کیا جائے۔

۱۶۷۔ تاریخ الاسلام، للذهبي، ۱۲/ ۴۱۹.

وفيها أمر الخليفة بأن يُقرأ «مُسْنَد» الإمام أَحْمَد بمشهد موسى بْن جَعْفَر بحضرة صفيّ الدّين مُحَمَّد بْن سعد المُوسويّ بالإجازة لَهُ من النّاصر لدين الله.(۱۶۸)

ترجمہ: اس سال خلیفہ نے حکم جاری کیا کہ موسیٰ بن جعفر کے مزار پر صفی الدین محمد بن سعد موسوی کی موجودگی میں الناصر لدین اللہ کی اجازت کے ساتھ "مسند امام احمد" کو پڑھا جائے۔

یہ غالباً ۴۴۳ھ کے اس واقعے کا تسلسل تھا، جسے ہم نے کتاب ہذا میں آئندہ ذکر کیا ہے، کیونکہ اس واقعے سے پیدا ہونے والے مختلف اثرات بغداد کی تاریخ میں جابجا نظر آتے ہیں، اس کی جھلک سبط ابن الجوزی کے یہاں یوں ملتی ہے:

اس سال (۴۴۸ھ) امام کاظم رضی اللہ عنہ کے مزار اور کرخ کی مساجد میں اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" کے کلمات کو بحال کیا گیا اور شیعوں کی جانب سے "حی علی خیر العمل" کے اضافے کو ختم کیا گیا، نیز اسی دوران "باب بصرۃ" والوں میں سے ایک قوم داخل ہوئی اور انھوں نے صحابہ کرام کی تعریف میں اشعار پڑھے، اکابرین کی ایک جماعت فوج کے سالار نَسوی کے پاس ابو عبد اللہ بن جلاب شیخ بزازین کا معاملہ لے کر گئی کیونکہ اس نے صحابہ کرام کو اعلانیہ گالی دی تھی، پس اُسے قتل کر کے دکانہ کے بازار میں سولی چڑھایا گیا، اسی دوران شیعوں کا مصنف و مفسر ابو جعفر طوسی بھاگ اُٹھا اور لوگوں نے اس کا گھر برباد کر دیا۔(۱۶۹)

چنانچہ مزارِ کاظم رضی اللہ عنہ پر حکومتی سطح کے اہتمام سے "مسند احمد" کا ختم کروانا بھی غالباً اسی تسلسل کی ایک کڑی ہے، تاکہ ایک طرف تو احادیثِ رسول کی قراءت سے برکت حاصل کی جائے اور دوسری طرف مخالفین و معاندین کے سامنے جم غفیر میں صحابہ کرام کی تعریف و توصیف میں وارد فرامین کو سنایا جائے، تاکہ عوام کے قلوب و اذہان میں حضرات صحابہ کا احترام مضبوط و مستحکم ہو جائے۔ ہمارے اس اندازے کو سبط ابن الجوزی کی تفصیلات سے بھی تائید ملتی ہے کہ ختم مسند کی پہلی نشست میں "مسند ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ" اور "حدیث فدک" کی قراءت کی گئی۔ تو یہ اس تناظر میں واضح دلیل ہے، فافہم۔

۱۶۸- **تاريخ الاسلام**، للذهبي، ۴۳/ ۳۵. **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۲۲/ ۱۸۶.

۱۶۹- **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۱۸/ ۵۱۰.

محدث وماہر اَنساب امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کی مزارِ کاظمین پر حاضریاں

علم الانساب کے امام اور مشہور مؤرخ و محدث عبد الکریم سمعانی، متوفی ۵۶۲ھ دنیائے علم کی معتبر شخصیات میں سے ایک ہیں، اکابر علماء و محدثین نے آپ سے استفادہ کیا، چنانچہ وہ "الأنساب" میں مزارِ کاظمین یعنی سیّدنا موسی کاظم اور سیّدنا محمد جواد پر اپنی حاضری کو یوں بیان کرتے ہیں:

میں نے متعدد مرتبہ بغداد کے مقابرِ قریش میں موسی کاظم اور ان کے پوتے محمد بن علی بن موسی کے مزارات پر حاضری دی ہے۔ (۱۷۰)

امام سمعانی کا "متعدد مرتبہ۔۔" کہنا ہمارے موضوع سے مناسبت رکھتا ہے کہ صرف ایک دو مرتبہ حاضری سے مخالفین کہہ سکتے تھے کہ اتفاقاً ایسا ہوا، لیکن متعدد مرتبہ حاضریوں سے بالقصد کا مفہوم بر آمد ہوتا ہے، جس سے عیاں ہے کہ محدثین وائمہ اہل بیت کے مزارات پر قصداً حاضر ہو کر فیوضِ ربانی سے مستفید ہوا کرتے تھے، فتدبر۔

سیّدنا موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی قبر قبولیتِ دعا کے لیے تریاقِ مُجرب

شیخ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں اپنی سند کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر محدث، امام حسن بن ابراہیم المعروف ابو علی خلال، متوفی ۲۴۲ھ سے نقل کیا ہے، کہ انھوں نے فرمایا:

مَا هَمَّنِي أَمْرٌ فَقَصَدْتُ قَبْرَ مُوْسَى بْن جَعْفَر فَتَوسَّلْتُ بِه إِلَّا سَهَّلَ الله تَعَالى لِيْ مَا أُحِبُّ. (۱۷۱)

ترجمہ: مجھے جب کوئی مشکل پیش آتی، تو میں موسی بن جعفر کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور ان کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں، پس اللہ تعالی جل جلالہ میرے معاملے کو میری خواہش کے مطابق آسان کر دیتا ہے۔

علم حیوانیات کے ماہر شیخ کمال الدین دمیری نے "حیاة الحیوان" میں "البعوض" کی بحث میں کلام کرتے ہوئے امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کا مختصر تذکرہ نقل کیا ہے؛ جس میں انھوں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا:

۱۷۰۔ **الأنساب**، للسمعاني، ۱۱/ ۵۲۰، تحت الذكر ؛ الموسوي .

۱۷۱۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، باب : ما ذكر في مقابر بغداد المخصوصة بالعلماء والزهاد، ۱/ ۴۴۲ . **المنتظم في تاريخ الملوك**، للابن الجوزي، ۹/ ۸۹، رقم الترجمة ۹۹۷. **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۱۳/ ۵۷.

كَانَ الشَّافِعِيُّ يَقُوْلُ : قَبْرُ مُوْسَى الكَاظِمِ ، التِّرْيَاقُ الْمُجَرَّبُ.(۱۷۲)

ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا: موسی کاظم کی قبر (قبولت دعا کے لیے) تریاق مجرب (آزمودہ) ہے۔

ابو علی خلال رحمۃ اللہ علیہ کون؟ تحقیقی جائزہ

امام ابو علی خلال رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر مخالفین اہل سنت بہت سیخ پا نظر آئے، پس انھوں نے اہل سنت کو قبوری ومشرک کہہ کر نجانے کیا کیا فتاوی صادر کر رکھے ہیں، ایسے ہی کچھ حضرات کو متذکرہ بالا قول بالکل ہضم نہ ہو سکا، لیکن اسے ردّ کرنا ذرا مشکل تھا کیونکہ اس کے ناقل امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ ومحدثین ہیں، اسی لیے ہم نے دیکھا کہ مخالفین نے اس بارے میں نہایت رکیک کلام سے بہت سی کتب میں زہر افشانی کی، تو ہمارے لیے ضروری تھا کہ ابو علی خلال رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول، امام کے تعین اور اس کے متعلقات پر مختصر کلام پیش کریں، تاکہ اہل علم حضرات بھی اس بارے میں کسی مغالطے کا شکار نہ رہیں۔

لہٰذا اوّلاً معلوم ہونا چاہیے کہ "خلال" کے نام سے حدیث و تاریخ کی کتب میں بہت سی شخصیات کا ذکر ملتا ہے، مثلاً شیخ ابو جعفر احمد بن خالد بغدادی حنبلی، شیخ ابو نصر حبشون بن موسی بغدادی، شیخ ابو عبد اللہ حسین بن عبد الملک اصبہانی، شیخ ابو سلمہ حفص بن سلیمان ہمدانی کوفی وغیرہ، ان تمام کے ساتھ "خلال" کی نسبت استعمال ہوتی ہے، لیکن اہل علم کے عام طبقے میں امام ابن خلال کے نام سے معروف شخصیت امام ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال، متوفی ۳۱۱ھ ہیں، جن کی کتاب "السنة" معروف ہے۔

لیکن متذکرہ بالا قول امام ابن خلال، صاحب کتاب السنہ کا نہیں، جیسا کہ بہت سے علماء نے بھی مغالطے میں آپ کا ہی قول سمجھ کر بیان کیا، بلکہ یہ دوسری شخصیت ہیں، چنانچہ زیادہ تر مخالفین کے نزدیک یہ ابو علی حسن بن علی خلال حلوانی ہیں، جبکہ خطیب بغدادی کی اپنی تصریح اور راقم کے مطابق یہ ابو علی حسن بن ابراہیم بن توبہ خلال ہیں۔ چونکہ مخالفین نے اپنا زور شیخ خلال حلوانی سمجھ کر صرف کیا، اس لیے پہلے ہم ان کے بارے میں شکوک رفع کرتے ہوئے آپ کے علمی مقام پر مختصر کلام کر رہے ہیں، اور بعد ازاں دوسری شخصیت اور اس قول کو بیان کرنے والے شیخ خلال کا ذکر کریں گے۔

۱۷۲۔ **حياة الحيوان**، للدميري، ۱/ ۴۳۲ . **أشعة اللمعات شرح المشكاة**، للدهلوي، باب زيارة القبور، ۲/ ۹۲۳.

اعتراض: مخالفین نے اس قول کو ردّ کرنے کے لیے کہا:

اوّلاً تو یہ امام ابو بکر خلال صاحب کتاب السنہ نہیں، کیونکہ وہ بہت بڑے امام اور موحد تھے اُن سے ایسی بات کا صادر ہونا ممکن نہیں، پس یہ دوسری شخصیت ابو علی خلال ہیں؛ جن سے قبوریت کی بُو آتی ہے اور یہ شیخ حسن بن علی المعروف حلوانی ہے، ان کا قول معتبر نہیں۔

ثانیاً اسی کے ساتھ انھوں نے امام احمد بن حنبل کا تبصرہ بھی جڑ دیا کہ انھوں نے فرمایا: میں نے اس شخص کو طلب حدیث کرتے نہیں دیکھا، کسی نے کہا: انھوں نے یزید بن ہارون کی صحبت رکھی، اس پر امام احمد نے فرمایا: ہاں کبھی کبھی وہاں سلام کرنے آجایا کرتے تھے۔

جواب: اس طور پر مخالفین نے امام کاظم رضی اللہ عنہ کے حوالے بیان کرنے والے امام جلیل پر طعن و تشنیع کی، لیکن وہ یہ بھول گئے کہ دروغ گو حافظہ نباشد۔ یہ لوگ ایک قول کے سبب جس شخصیت پر ردّ کرتے ہوئے اتنا سیخ پا ہو رہے ہیں، انھیں اندازہ نہیں کہ محدثین کے نزدیک ان کا کیا مقام ہے اور وہ کتنی جلیل القدر شخصیات کے اُستاد ہیں، آیئے ہم بتاتے ہیں کہ جس شیخ ابو علی خلال حلوانی کو اہل بیت کی محبت کی وجہ سے مخالفین نے اتنا معمولی کر کے بیان کیا وہ کون ہیں؟

(۱) ان کا پورا نام "ابو علی حسن بن علی بن محمد ہذلی" ہے اور آپ حلوانی کی نسبت سے معروف ہیں، آپ نے عبد اللہ بن نمیر، یحییٰ بن آدم، یعقوب بن ابراہیم بن سعد، عبد الرزاق صنعانی، یزید بن ہارون اور دیگر اَجلہ محدثین سے احادیث روایت کی ہیں، آپ سے احادیث روایت کرنے والوں میں امام نسائی کے علاوہ صحاح ستہ کے ائمہ یعنی امام بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ نیز ابن ابو عاصم، محمد بن اسحاق سراج، ابراہیم حربی، جعفر طیالسی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر اکابر محدثین شامل ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ان سے ایک، امام مسلم نے ۱۳۴، امام ترمذی نے ۱۰۲، امام ابو داود نے ۱۴۸، اور امام ابن ماجہ نے ۲۴ اَحادیث نقل کی ہیں۔ امام بخاری نے "الجامع الصحیح" کتاب الحج، باب: من أهلّ فی زمن النبی" میں آپ سے "حدثنا الحسن بن علی الخلال الھذلی" کہہ کر روایت ذکر کی ہے۔

مخالفین کا اولیاء اللہ سے بغض و عداوت انھیں اس مقام تک لے آیا کہ انھیں یاد ہی نہیں رہا کہ امام ابو بکر ابن الخلال "صاحب السنہ" جیسی جلیل الشان شخصیت کو بچا کر جس دوسری شخصیت پر غبار ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ خود صاحب السنہ کے شیخ، بلکہ اَساتذہ کے بھی شیخ ہے، اگرچہ ہم نے ائمہ صحاح کے حوالے سے آپ کی مرویات اور نسبت کا

ذکر کر دیا، لیکن پھر بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی جرح والے قول کا جواب باقی ہے، پس ہم جرح و تعدیل کے مستند و محقق ائمہ میں سے صرف چند کے اقوال بطور نمونہ نقل کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ امام احمد کی جرح کے مقابلے میں ان ائمہ کرام کی توثیق زیادہ وزن دار ہے چنانچہ امام ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی "التعدیل والتجریح "میں لکھتے ہیں:

الْحسن بن عَليّ أَبُو عَليّ الْخلال الْهُذلِيّ الْحلْوَانِي ، أخرج البُخَارِيّ فِي الْحَج عَنهُ ، عَن عبد الصَّمد بن عبد الْوَارِث . قَالَ البُخَارِيّ مَاتَ فِي ذِي الْحجَّة سنة ثِنْتَيْنِ وَأَرْبَعين وَمِائَتَيْنِ . قَالَه البُخَارِيّ : قَالَ أَبُو حَاتِم الرَّازِيّ : هُوَ صَدُوق ، وَقَالَ عبد الرَّحْمَن بن أبي حَاتِم : يكنى أَبَا مُحَمَّد . (۱۷۳)

ترجمہ: حسن بن علی، ابو علی خلال ہذلی حلوانی، امام بخاری نے ان سے حج کے باب میں عبد الصمد بن عبد الوارث بن سعید کے طریق سے روایت ذکر کی ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: ذی الحجہ ۲۴۲ھ میں ان کا وصال ہوا، آپ ہی نے امام ابو حاتم رازی کا ان کے بارے میں قول ذکر کیا کہ انھوں نے انھیں "صدوق" کہا، جبکہ عبد الرحمن بن ابی حاتم نے کہا: ان کی کنیت ابو محمد تھی۔

امام ابن حجر عسقلانی نے "تقریب التہذیب" میں لکھا:

الحسن بن علي بن محمد الهذلي ، أبو علي الخلال الحُلْوَاني ، نزيل مكة ، ثقة ، حافظ ، له تصانيف ، من الحادية عشرة ، مات سنة اثنتين وأربعين . خ ، م ، د ، ت ، ق . (۱۷۴)

ترجمہ: ابو علی حسن بن علی بن محمد ہذلی خلال حُلوانی، آپ مکہ میں رہنے والے، ثقہ، حافظ اور صاحب تصنیف تھے، گیارہویں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، ۲۴۲ھ

۱۷۳۔ **التعديل و التجريح لمن خرج له البخاري في الجامع الصحيح** ، للشيخ أبي الوليد الباجي ، ۱/ ٤٨٣ ، الرقم ٢٣٠ .

۱۷۴۔ **تقريب التهذيب** ، للعسقلاني ، رقم الترجمة ١٢٧٢ ، الصفحة ٢٤٠ .

میں انتقال فرمایا، آپ سے امام بخاری، مسلم ،ابوداود، ترمذی اورابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے اَحادیث روایت کی ہیں۔

امام صفی الدین خزرجی نے "خلاصة تذهيب تهذيب الكمال" میں لکھا:

(خ ، م ، د ، ت ، ق) الحسن بن عَليّ بن مُحَمَّد بن عَليّ الْهُذلِيّ ، أَبو عَليّ الْخلال الْحلْوانِي الريحاني الْمَكِّيّ ، الْحَافِظ ، عن عبد الصَّمد وعبد الرَّزَّاق والربيع بن نَافِع ، و وكيع وخلق ، وعنهُ (خ ، م ، د ، ت ، ق) . قَالَ يَعْقُوب ابن شبة : كان ثِقةً ثبتاً متقناً ، توفّي بِمَكَّة سنة اثْنَتَيْنِ وَأَرْبَعين وَمِائَتَيْن.(۱۷۵)

ترجمہ:ابو علی حسن بن علی بن محمد بن علی ہذلی، حلوانی، ریحانی، مکی۔ آپ حافظ تھے۔عبد الصمد، عبد الرزاق، ربیع بن نافع، وکیع اور دیگر حضرات سے روایت کرتے ہیں، اورآپ سے امام بخاری، مسلم، ترمذی ،ابوداود، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے احادیث روایت کی ہیں۔یعقوب ابن شیبہ نے کہا: یہ ثقہ، ثبت، متقن تھے۔مکہ مکرمہ میں ۲۴۲ھ میں وصال فرمایا۔

(۲) دوسری شخصیت نیز امام کاظم رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرنے والے ابو علی حسن بن ابراہیم خلال ہے، انھیں کے قول کو خطیب نے "تاریخ بغداد" اورابن جوزی نے "المنتظم" نیز دیگر حضرات نے نقل کیا ہے۔مخالفین نے ان کی جانب توجہ نہیں کی، بلکہ وہ اسی پر مُصر ہیں کہ قائل حلوانی ہیں، حالانکہ اگر یہ لوگ خطیب کی عبارت ہی غور سے پڑھتے، تو معلوم ہو جاتا کہ آپ نے صاف "حسن بن ابراہیم" تحریر کیا اوراسی کو ابن جوزی نے بھی برقرار رکھا، عبارت یوں ہے:

أخبرنا القاضي أبو محمد الحسن بن الحسين بن محمد بن رَامين الإِسْتراباذي ، قال أخبرنا أحمد بن جعفر بن حَمْدَان القَطِيْعِي ، قال : سمعتُ **الحسن بن إبراهيم أبا علي الخَلَّال** يقول .

۱۷۵۔ **خلاصة تذهيب تهذيب الكمال** ، للخزرجي ، الصفحة ۷۹.

جبکہ شیخ حلوانی "حسن بن علی بن محمد" ہے۔ جوش جنون مخالفین کو کہاں لے گیا، قارئین اس کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ اگر اَب بھی کہا جائے کہ قائل شیخ حلوانی ہی ہیں، تو اس کا جواب ہم نے اُن کا تذکرہ اور محدثین کے اقوال نقل کر کے پیش کر دیا ہے کہ وہ ثقہ، صدوق، حافظ اور جلیل القدر محدثین کے اُستاد ہیں، ویسے نہیں؛ جیسا کہ مخالفین نے ان کے بارے میں لکھا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں ان کا قول معتبر اور لائق استناد ہے۔

البتہ امام ابو علی حسن بن ابراہیم بن توبہ المعروف ابو علی خلال کا تفصیلی تذکرہ تلاش و جستجو کے باوجود کسی ماخذ میں دستیاب نہیں ہو سکا، ہاں خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں ان کا مختصر ذکر کیا، لکھتے ہیں:

الحَسَن بن إبراهيم بن تَوْبَة ، أبو علي الخَلَّال . حدَّث عَنْ مُحَمَّد بن مَنْصُور الطُّوسي ، و أَبُو بَكْر المَرُّوْذِي صاحب أَحْمَد بن حنبل . روى عنه أبو حَفْص بن الزَّيَّات.(١٧٦)

ترجمہ: آپ محمد بن منصور طوسی اور ابو بکر مروذی صاحب احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں، جبکہ آپ سے ابو حفص بن الزیات روایت کرتے ہیں۔

اور تاریخ بغداد ہی میں ابو بکر بن عنبر خراسانی کے تذکرے میں لکھا ہے:

أَخْبَرَنِيه أبو الحسن محمد بن عبد الواحد ، قال : أَخْبَرَنَا عُمَر بْن مُحَمَّد بْن علي الناقد ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْحَسَن بْن إِبْرَاهِيم بْن تَوبة الخلال ، قَالَ : سمعتُ أَبَا بَكْر بْن عَنْبَر الخراساني.(١٧٧)

ترجمہ: ہمیں خبر دی ابو الحسن محمد بن عبد الواحد نے، انھوں نے کہا: ہمیں خبر دی عمر بن محمد بن علی الناقد نے، انھوں نے کہا: ہمیں حسن بن ابراہیم بن توبہ الخلال نے بیان کیا کہ انھوں نے ابو بکر بن عنبر خراسانی سے سنا۔ الخ

١٧٦۔ تاریخ بغداد ، للخطيب البغدادي ، ٨/ ٢٢٨ ، رقم الترجمة ٣٧٣٣ .

١٧٧۔ تاریخ بغداد ، للخطيب البغدادي ، ١٦/ ٥٦١ ، رقم الترجمة ٧٦٥٥ .

یعنی اس سے مزید اتنا معلوم ہوا کہ آپ سے سماع کرنے والے تلامذہ میں عمر بن محمد بن علی الناقد اور آپ کے شیوخ میں ابو بکر بن عنبر خراسانی بھی شامل ہیں (عمر بن محمد الناقد ہی سے سفیان بن عیینہ کے بارے میں ایک حکایت بھی تاریخ بغداد کے متعلقہ مقام پر مذکور ہے)۔ یہ امام خلال بھی شیخ خلال حلوانی کے ہی معاصر ہیں، البتہ ان کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل خاموش ہیں، اگرچہ خطیب بغدادی کا بغیر کسی جرح کے تذکرہ کرنا ایک گونہ توثیق کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ "اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی بارگاہ میں قبولیت کا دروازہ"

اللہ تعالیٰ عزوجل نے امام کاظم رضی اللہ عنہ کو حیاتِ ظاہری میں بھی لوگوں کی حاجات کو پورا کرنے، مصائب وآلام کے ماروں کی فریادرَسی کرنے اور محتاجوں ومسافروں کی مدد کرنے والا بنایا تھا اور اسی فیض وکرم کو آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد بھی جاری رکھا کہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر انور سے توسل کرکے اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ سے اپنی حاجات کے حصول میں کامیاب وکامران ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا آپ رضی اللہ عنہ پر فضل وکرم ہے، چنانچہ ہم نے تفصیل کے ساتھ محدث ابو علی خلال کے آپ رضی اللہ عنہ کے مزار سے توسل کرنے کی تحقیق لکھی، اَب یہاں مختصراً ملاحظہ فرمائیں کہ دیگر ائمہ نے اس بارے میں کیا ارشاد فرمایا چنانچہ ابن حجر مکی "الصواعق المحرقة" اور مناوی "الكواكب الدرية" میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ مَعْرُوْفاً عِنْدَ أَهْلِ الْعِرَاقِ بِبَابِ قَضَاءِ الْحَوَائِجِ عِنْدَ الله.(١٧٨)

ترجمہ: آپ کا عراق والوں کے یہاں اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں "باب قضاء الحوائج" ہونا مشہور ہے۔

یعنی آپ رضی اللہ عنہ ایسی ہستی ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں ان کی ذات سے توسل کرتا اور دعا مانگتا ہے تو اللہ کریم جل جلالہ اپنے فضل سے اسے قبول فرماکر اُس بندے کی مشکل دُور کردیتا ہے۔ یہ ربّ جلیل جل جلالہ کی کرم نوازی ہے کہ وہ اپنے محبوب بندے کی نسبت پر فیض واکرام سے نواز دیتا ہے اور مانگنے والوں کی کوتاہیوں پر نظر نہیں فرماتا۔ نیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے:

اطْلُبُوا الْحَوَائِجَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوهِ .(١٧٩)

١٧٨ـ **الصواعق المحرقة**، للابن حجر المكي، الصفحة ٥٥٣. **الكواكب الدرية**، للمناوي، ١/ ٤٦٢. **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ١٣/ ٥٧.

ترجمہ: اپنی ضرورتوں کو خوبصورت (انوارِ ربانی کے حامل) چہرے والوں کے پاس طلب کرو۔

اس میں چہرے کی جس خوبصورتی کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ ظاہری بھی ہو سکتی ہے اور باطنی بھی، اگرچہ یہاں ظاہری پہلو کا مراد ہونا واضح ہے، لیکن باطنی پہلو کا مراد بننا بھی دیگر احادیث کی روشنی میں ممکن ہے، جیسا کہ اولیاء اللہ کے بارے میں وارد حدیث ہے: "جب تم انھیں دیکھو تو اللہ کی یاد آجائے"۔ پس اس میں جس رؤیت کو ذکر کیا گیا؛ وہ خشیت الٰہی اوراطاعت خداوندی سے پیدا ہونے والی نورانیت ہے، جو رنگ و نسل کی محتاج نہیں، بلکہ ربّ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ اپنے فرمانبردار و محبوب بندوں میں عبادت وریاضت کی کثرت کے طفیل ایسی کشش وجاذبیت پیدا فرمادیتا ہے کہ لوگ ان کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں اور اگر ہم حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کریں تب بھی حرج نہیں، کیونکہ تخلیق خداوندی کا کمال ہے کہ اس نے بہت سی ظاہری علامات کو باطن پر دلالت کرنے اور بہت سی باطنی علامات کو ظاہر سے پرکھنے کی راہ تخلیق فرمائی ہے۔

چنانچہ ظاہری علامات کا انسان کی باطنی کیفیات پر اور باطنی کیفیات کا ظاہری اَعضائے انسانی پر اَثر انداز ہونا فطری اَمر ہے، پس دل کی سختی ایک باطنی کیفیت ہے لیکن اس کے واضح اثرات انسان کے ظاہری خدوخال اور چہرے سے عیاں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نرمی وشفقت کا تعلق انسان کے باطن سے ہے، لیکن بہت سے چہروں کو دیکھ کر ہی ان کی معصومیت اور نرمی کا احساس پیدا ہونے لگتا ہے اور انسان گمان کرتا ہے کہ اگر یہ شخص میرے معاملے کا نگران ہوا تو کام آسان ہو جائے گا، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیفیت کی اطلاقی صورت کو بیان فرمایا ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہر خوبصورت چہرے والا ہی ایسی صفات کا حامل ہو، یا پھر چہروں کی خوبصورتی کو ہی معیار بنالیا جائے، کیونکہ ایسا نہ تو فرمانِ رسول سے عیاں ہورہا ہے اور نہ ہی اخلاقی تعلیمات اس بات کی اجازت دیتی ہیں۔

بہر کیف امام کاظم رضی اللہ عنہ جس طرح اپنی حیات میں حسن ظاہری و معنوی سے مزین اور عوام الناس کے مرجع تھے، اس دنیا سے قرب خداوندی میں جانے کے بعد بھی ان کا یہ تسلسل جاری ہے اور اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی قبر انور کو لوگوں کے لیے وسیلہ بنادیا، جس سے فیضان کا دروازہ کھلتا ہے اور چونکہ صاحبِ مزار کے توسل سے اہل عراق کی حاجتیں اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ پوری فرمادیتا ہے۔ اس لیے عراق والے آپ رضی اللہ عنہ کو "اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں قبولیت کا دروازہ" کہہ کر یاد کرتے ہیں، یہی مفہوم ہے "باب قضاء الحوائج" کا۔ اور عراق والوں کی تخصیص اس لیے بیان کی گئی ہے، کیونکہ وہ وہاں کے

۱۷۹۔ **المصنف**، للإمام ابن أبي شيبة، ۸/ ۵۴۸، الرقم۲٦٦٨٠. **قضاء الحوائج**، للامام ابن ابي الدنيا، الصفحة ٤٨، الرقم ٥١.

باشندے اور اکثر حاضر ہونے والے ہیں، جبکہ فیض خداوندی کا دریا ہر ایک کے لیے یکساں ہے۔ البتہ توسل اور وسیلے کے بارے میں شرعی تقاضوں کی پاسداری لازمی ہے، ورنہ جُہال وغالی عقیدت مند جس طرح کے معاملات کرتے ہیں، اُن سے اسلامی تعلیمات کا قطعاً کوئی تعلق نہیں، اور نہ ہی ایسی بدعت کو توسل کے باب میں دلیل بنایا جاسکتا ہے، نیز ایسی قبیح حرکات سے فیضان تو اپنی جگہ صاحبِ مزار کی جانب سے بھی برأت ہوتی ہے اور اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی نافرمانی کا جُرم بھی دامن اعمال کو بوجھل کر دیتا ہے، لہٰذا ہماری تمام تر گفتگو میں شرعی احکامات کی پاسداری کا عنصر ہی غالب ہے اور اسی تناظر میں بحث کو دیکھا جائے، ورنہ ہر کوئی اپنے بُرے اعمال اور بدعات کا خود ذمہ دار ہے، وما عليّ إلا البلاغ .

مزارِ کاظم رضی اللہ عنہ کی بے حُرمتی اور قبر کو منتقل کرنے کی کوشش

امام کاظم رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مزارات مقدسہ ابتدا ہی سے مسلمانوں کے درمیان محترم، بلکہ سبب رحمت رہے ہیں، اسی لیے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے مسلمانوں نے نا صرف اُن کی توقیر کا خیال رکھا، بلکہ ان کی جانب انگشت طعن دراز کرنے والوں کا بھی سد باب کیا ہے لیکن تاریخ کے اوراق میں ایک واقعہ ایسا بھی ملتا ہے جس میں غلط فہمی نے خوفناک کیفیت اختیار کر لی اور پھر وہ ہوا جس کا اس زمانے سے قبل کسی نے اندازہ بھی نہیں لگایا تھا۔ دراصل ماہ صفر سن چار سو تینتالیس ۴۴۳ھ میں بغداد کے اندر شیعہ سنی فساد رُونما ہوا، جس کی بنیاد یہ تھی کہ باشندگانِ کرخ کے کچھ شیعوں نے مرکزی دروازے پر سونے سے کندہ کروا کر لکھوایا: محمد وعلي خير البشر۔ یہ جملہ کندہ کروانے پر وہاں کے اہل سنت نے کہا: شیعوں نے دراصل یہ پیغام دینا چاہا کہ محمد و علی خیر بشر ہیں، جو انھیں مانے وہ شکر ادا کرے اور جو ان کا انکار کرے، وہ کافر ہے"۔ اس پر شیعوں کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ہماری مساجد میں فقط اتنا ہی لکھا ہوتا ہے، مزید اضافہ ہماری جانب سے نہیں ہے۔ یا واقعہ یوں تھا "محمد و علی خیر البشر" شیعوں نے لکھوایا اور بعد میں کسی سازشی نے اس میں مذکورہ بالا اضافہ کر دیا تاکہ فساد پیدا ہو جائے، اس پر جب شیعوں سے کہا گیا تو انھوں نے وہی جواب دیا کہ ہم نے تو صرف "محمد و علی خیر البشر" ہی لکھا تھا۔ ابن جوزی نے "المنتظم" اور ابن کثیر نے "البداية والنهاية" میں اس تحریر اور اختلاف کی نوعیت قدرے مختلف ذکر کی ہے [۱۸۰]۔ ان تمام تفصیلات کو یہاں درج کرنے مناسب نہیں۔

۱۸۰- المنتظم في تاريخ الملوك والامم، للجوزي، ۱۵/ ۳۲۹ . البداية و النهاية، للابن كثير، ۱۵/ ۷۱۹.

بہر حال اختلاف ہوتا رہا اور شدت بڑھتی رہی، اسی اثنا میں اہل سنت کے ایک ہاشمی شخص کو قتل کر دیا گیا، تو معاملہ اور سنگین نوعیت اختیار کر گیا۔ اہل سنت کے لوگوں نے اس کی لاش اُٹھا کر شہر میں جلوس نکالے اور بالآخر اسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے میں دفن کر دیا گیا، بس اسی کے انتقام نے کچھ کم فہم لوگوں کو برانگیختہ کیا اور انھوں نے تدفین سے واپسی پر باب تِبن کے مشاہد و مزارات کا رُخ کیا اور وہاں خوب فساد برپا کیا، رات ہونے کی وجہ سے انھیں لوٹنا پڑا، نیز یہ باب تبن وہی ہے؛ جہاں بہت سے ہاشمی و قُرشی ائمہ کے مزارات ہیں۔ دوسرے دن فسادیوں کی کافی تعداد اکٹھی ہو گئی اور انھوں نے مشہد مقدس کا رُخ کیا وہاں جا کر دروازے بند کر دیے اور مزارات کی اس حد تک بے حرمتی کی کہ امام کاظم رضی اللہ عنہ اور امام جواد رضی اللہ عنہ کے مزارات تک کو آگ لگا دی، اسی طرح وہاں موجود معزالدولہ، جلال الدولہ، جعفر بن ابو جعفر منصور، زبیدہ خاتون اور دیگر قبور کو بھی جلا دیا، ان بدبختوں کا فساد اسی پر ختم نہ ہوا، بلکہ دوسرے دن یہ لوگ پھر آئے اور انھوں نے امام کاظم اور امام محمد جواد کے مزارات کھودنا شروع کیے، تاکہ انھیں یہاں سے نکال کر مقبرہ امام احمد بن حنبل میں منتقل کر دیں، لیکن قدرت خداوندی کہ اچانک دیوار گر پڑی اور امام کاظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے پوتے کی قبر کا دُرست مقام اُن پر مشتبہ ہو گیا، پس وہ اس کے اطراف میں ہی کھدائی کرتے رہے اسی دوران شیعوں نے حنفیوں پر مختلف مقامات پر حملے کرنا شروع کر دیے، انھیں حملوں میں شیخ ابو سعد سرخسی حنفی کا بھی انتقال ہوا۔ نیز انھوں نے بھی بہت سے مدارس، بازار اور دیگر اَملاک کو جلا کر خاک کر دیا۔ اس دلخراش واقعے کو کئی مؤرخین نے نقل کیا ہے اور ہم نے واقعے کو اختصار کے ساتھ ذکر کر دیا، البتہ مشت نمونہ صرف ابن اثیر کی "الکامل" سے مختصر عبارت نقل کر رہے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ كَثُرَ الْجَمْعُ، فَقَصَدُوا الْمَشْهَدَ، وَأَحْرَقُوا جَمِيعَ التُّرْبِ وَالْآزَاجِ ،وَاحْتَرَقَ ضَرِيحُ مُوسَى، وَضَرِيحُ ابْنِ ابْنِهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، وَالْجِوَارُ، وَالْقُبَّتَانِ السَّاجُ اللَّتَانِ عَلَيْهِمَا، وَاحْتَرَقَ مَا يُقَابِلُهُمَا وَيُجَاوِرُهُمَا مِنْ قُبُورِ مُلُوكِ بَنِي بُوَيْهِ مُعِزِّ الدَّوْلَةِ، وَجَلَالِ الدَّوْلَةِ، وَمِنْ قُبُورِ الْوُزَرَاءِ وَالرُّؤَسَاءِ، وَقَبْرُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي الْمَنْصُورِ، وَقَبْرُ الْأَمِيرِ مُحَمَّدِ بْنِ الرَّشِيدِ، وَقَبْرُ أُمِّهِ زُبَيْدَةَ، وَجَرَى مِنَ الْأَمْرِ الْفَظِيعِ مَا لَمْ يَجْرِ فِي الدُّنْيَا مِثْلُهُ . فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ خَامِسُ الشَّهْرِ عَادُوا وَحَفَرُوا قَبْرَ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ،

لِيَنْقُلُوهُمَا إِلَى مَقْبَرَةِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، فَحَالَ الْهَدْمُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَعْرِفَةِ الْقَبْرِ، فَجَاءَ الْحَفْرُ إِلَى جَانِبِهِ.(۱۸۱)

ترجمہ: جب دوسرا دن ہوا تو جمع غفیر اکٹھا ہوا اور انھوں نے مشہد کا رُخ کیا پس وہاں موجود سازوسامان جلا دیا، حتیٰ امام موسی کاظم، آپ کے پوتے محمد بن علی کے مزارات اور اُن پر موجود قبوں کو بھی آگ لگا دی، نیز ان مزارات کے اطراف میں بھی جو قبور شاہان بنی بویہ، معزالدولہ، جلال الدولہ، دیگر وزراء ورؤساء، جعفر بن ابو منصور، اَمیر محمد بن رشید، ان کی والدہ زبیدہ کی قبروں کو بھی جلا ڈالا، اور وہاں وہ شنیع کام ہوئے جس کی مثال نہیں، پس جب اسی مہینے (صفر) کی پانچویں تاریخ کا دن چڑھا، تو یہ گروہ دوبارہ لوٹا اور موسی بن جعفر اور محمد بن علی کی قبریں کھودنے لگا تاکہ انھیں مقبرۂ احمد بن حنبل میں منتقل کر دیں، اچانک دیوار گر پڑی، قبر مشتبہ ہو گئی اور اس کے اطراف میں ہی کھدائی ہوتی رہی ۔

اس واقعے کو بہت سے مؤرخین نے ذکر کیا ہے، امام ذہبی اور ابن جوزی نے واقعہ تو لکھا لیکن امام کاظم رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا، جبکہ باقی مورخین مثلاً ابن اثیر جزری نے "الکامل" اور عماد الدین ابو الفداء نے "المختصر في أخبار البشر" میں اس کا بھی ذکر کیا ہے،(۱۸۲)۔ البتہ شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآۃ الزمان" میں مختصراً یوں بیان کیا:

فسادیوں نے عونی شاعر، ناشی اور جذوعی کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر جلایا، جبکہ باقی قبور مثلاً امام کاظم، امام محمد جواد ودیگر کو اُوپر سے آگ لگا دی، نیز ان کا ارادہ تھا کہ موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی قبر کو یہاں سے مقبرۂ امام احمد میں منتقل کر دیں، لیکن علوی اور دیگر حضرات آڑے آ گئے اور معاملہ سرد پڑ گیا۔(۱۸۳)

۱۸۱۔ **الكامل في التاريخ**، للجزري، السنة ٤٤٣هـ، ذكر الفتنة بين العامة ببغداد وإحراق المشهد..، الصفحة ١٤٤١ .

۱۸۲۔ **المختصر في اخبار البشر**، للشيخ عماد الدين أبي الفداء، باب ذكر مسير العرب من جهة مصر..الخ، ٢/ ١٧١ . **تاريخ الاسلام ووفيات مشاهير و الاعلام**، للذهبي، ٣٠/ ٩.

سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی شَقِيْق بَلَخِيْ سے ملاقات، عجائبات کا ظہور

امام ابن جوزی نے آپ کے مشہور واقعے کو ولی اللہ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے بہ سند نقل کیا ہے، چنانچہ:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي مَنْصُورٍ ، أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ ، وَالْمُبَارَكُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ ، قَالا: أَنْبَأَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ الصَّيْرَفِيُّ ، أَنْبَأَنَا أَبُو الْفَضْلِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الشَّيْبَانِيُّ ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَيْرِ الْبَلْخِيَّ حَدَّثَهُمْ ، حَدَّثَنَا خُشْنَامُ بْنُ حَاتِمٍ الأَصَمُّ ، حَدَّثَنِي أَبِي ، قَالَ: قَالَ لِي شَقِيقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْبَلْخِيُّ:

خَرَجْتُ حَاجًّا فَنَزَلْتُ الْقَادِسِيَّةَ ، فَبَيْنَمَا أَنَا أَنْظُرُ إِلَى النَّاسِ فِي زِينَتِهِمْ وَكَثْرَتِهِمْ ، نَظَرْتُ إِلَى فَتًى حَسَنِ الْوَجْهِ ، شَدِيدِ السُّمْرَةِ ، فَوْقَ ثِيَابِهِ ثَوْبٌ مِنْ صُوفٍ ، مُشْتَمِلٌ بِشَمْلَةٍ ، فِي رِجْلَيْهِ نَعْلانِ ، وَقَدْ جَلَسَ مُنْفَرِدًا ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي : هَذَا مِنَ الصُّوفِيَّةِ يُرِيدُ أَنْ يَكُونَ كَلّا عَلَى النَّاسِ ، وَاللهِ لأَمْضِيَنَّ إِلَيْهِ ولأُوَبِخَنَّهُ ، فَدَنَوْتُ إِلَيْهِ ، فَلَمَّا رَآنِي مُقْبِلاً قَالَ : يَا شَقِيقُ: {اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ } [الحجرات: ١٢] .ثُمَّ مَضَى ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي : قَدْ تَكَلَّمَ عَلَى خَاطِرِي وَمَا هَذَا إِلا عَبْدٌ صَالِحٌ، وَغَابَ عَنْ عَيْنِي ، فَلَمَّا نَزَلْنَا وَاقِصَةَ إِذَا هُوَ يُصَلِّي وَأَعْضَاؤُهُ تَضْطَرِبُ ، وَدُمُوعُهُ تَجْرِي ، قُلْتُ : هَذَا صَاحِبِي ، أَمْضِي إِلَيْهِ وَأَسْتَحِلُّهُ ، فَصَبَرْتُ حَتَّى جَلَسَ ، فَأَقْبَلْتُ ، فَقَالَ: يَا شَقِيقُ ! اتْلُ: {وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ} [طه: ٨٢] ، ثُمَّ مَضَى، فَقُلْتُ: إِنَّ هَذَا لَمِنَ الأَبْدَالِ قَدْ تَكَلَّمَ عَلَى سِرِّي مَرَّتَيْنِ ، فَلَمَّا نَزَلْنَا زَبَالَةَ، إِذَا بِالْفَتَى قَائِمٌ عَلَى الْبِئْرِ وَبِيَدِهِ رَكْوَةٌ ، يُرِيدُ أَنْ يَسْتَقِيَ مِنَ الْمَاءِ فَسَقَطَتِ الرَّكْوَةُ مِنْ يَدِهِ فِي الْبِئْرِ ، فَرَأَيْتُهُ قَدْ رَمَقَ إِلَى السَّمَاءِ ، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ :

أَنْتَ رَبِّي إِذَا ظَمِئْتُ مِنَ الْمَاءِ … وَقُوتِي إِذَا أَرَدْتُ الطَّعَامَا

١٨٣- **مرآة الزمان و تواريخ الاعيان** ، للسبط ابن الجوزي ، ١٨/ ٤٨٩ .

اللَّهُمَّ يَا سَيِّدِي ! مَا لِي سِوَاهَا فَلا تُعْدِمْنِيهَا . قَالَ شَقِيقٌ : فَوَاللهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ الْبِئْرَ وَقَدِ ارْتَفَعَ مَاؤُهَا، فَمَدَّ يَدَهُ فَأَخَذَ الرَّكْوَةَ وَمَلأَهَا مَاءً، وَتَوَضَّأَ وَصَلَّى رَكَعَاتٍ، ثُمَّ مَالَ إِلَى كَثِيبِ رَمْلٍ، فَجَعَلَ يَقْبِضُ بِيَدِهِ وَيَطْرَحُهُ فِي الرَّكْوَةِ وَيُحَرِّكُهُ وَيَشْرَبُ ، فَأَقْبَلْتُ إِلَيْهِ ، وَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ، وَقُلْتُ: أَطْعِمْنِي مِنْ فَضْلِ مَا أَنْعَمَ اللهُ بِهِ عَلَيْكَ . فَقَالَ: يَا شَقِيقُ، لَمْ تَزَلْ نِعْمَةُ اللهِ عَلَيْنَا ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ، فَأَحْسِنْ ظَنَّكَ بِرَبِّكَ، ثُمَّ نَاوَلَنِي الرَّكْوَةَ ، فَشَرِبْتُ مِنْهَا، فَإِذَا سُوَيْقٌ وَسُكَّرٌ، فَوَاللهِ مَا شَرِبْتُ قَطُّ أَلَذَّ مِنْهُ، فَشَبِعْتُ وَرَوِيتُ ، وَأَقَمْتُ أَيَّامًا لا أَشْتَهِي طَعَامًا، ثُمَّ لَمْ أَرَهْ حَتَّى دَخَلْنَا مَكَّةَ، فَرَأَيْتُهُ لَيْلَةً إِلَى جَنْبِ قُبَّةِ الشَّرَابِ فِي نِصْفِ اللَّيْلِ يُصَلِّي بِخُشُوعٍ وَأَنِينٍ وَبُكَاءٍ، فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى ذَهَبَ اللَّيْلُ، فَلَمَّا رَأَى الْفَجْرَ ، جَلَسَ فِي مُصَلاهُ يُسَبِّحُ اللهَ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى الْغَدَاةَ، وَطَافَ بِالْبَيْتِ أُسْبُوعًا وَخَرَجَ ، فَتَبِعْتُهُ ، فَإِذَا لَهُ غَاشِيَتُهُ وَأَمْوَالٌ ، وَهُوَ عَلَى خِلافِ مَا رَأَيْتُهُ فِي الطَّرِيقِ ، وَدَارَ بِهِ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِ يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ ، فَقُلْتُ لِبَعْضِ مَنْ رَأَيْتُهُ بِقُرْبٍ مِنْهُ : مَنْ هَذَا الْفَتَى؟ فَقَالَ: هَذَا مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ.

فَقُلْتُ: قَدْ عَجِبْتُ أَنْ تَكُونَ مِثْلُ هَذِهِ الْعَجَائِبِ إِلا لِمِثْلِ هَذَا السَّيِّدِ.[۱۸۴]

ترجمہ: حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی نے مجھ سے بیان کیا:

میں حج کے لیے روانہ ہوا[۱۸۵]، دورانِ سفر "قادسیہ"[۱۸۶] کے مقام پر قافلے نے

۱۸۴۔ **مثير الغرام الساكن**، للجوزي ، ذكر طرف مستحسن من اخبار الصالحين ، الصفحة ٤٠٢ . **صفوة الصفوة**، للجوزي ، باب الطبقة السابعة من اهل المدينة ، ٢/ ١٨٥.١٨٧، رقم الترجمة ١٩١ . **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي ، ١٣/ ٥٤. **المختار من مناقب الاخيار**، للشيخ مجد الدين ابن الاثير ، ٥/ ٧٦-٧٨ . **الكواكب الدرية في تراجم السادة الصوفية**، للمناوي ، ١/ ٣٦٢ .

پڑاؤ کیا، تو وہاں مختلف لوگ نظر آئے جو خوبصورت کپڑوں میں ملبوس، بڑی تعداد میں موجود تھے، اسی جگہ میں نے خوبصورت چہرے، گندمی رنگت والا نوجوان شخص دیکھا، اس نے کپڑوں کے اُوپر سے اُونی لباس اور پاؤں میں چپل پہن رکھی تھی، یہ تنہا بیٹھا ہوا تھا، میں نے گمان کیا کہ یہ نوجوان صوفیاء کی جماعت میں سے ہے اور اس کا دوران سفر لوگوں پر بوجھ بننے کا ارادہ لگتا ہے، پس میں ابھی جا کر اسے ڈانٹتا ہوں، جب میں اس کے قریب پہنچا تو اُس نے مجھے آتا دیکھ کر کہا: اے شقیق! "بہت سے گمانوں سے دُور رہا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"۔

اتنا کہہ کر وہ نوجوان چلا گیا، میں نے اپنے دل میں کہا: اس نے تو میرے ساتھ عجیب معاملہ کیا کہ میری اندرونی کیفیت کو بیان کر دیا، پس ضرور یہ کوئی مردِ صالح ہے، (میں ضرور مل کر راز دریافت کروں گا، جب میں نے اس کا پیچھا کیا تو اسے نہ پا سکا) اور وہ میری آنکھوں سے اَوجھل ہو گیا، پھر جب قافلے نے "واقصہ" کے مقام پر پڑاؤ کیا، تو میں نے اس نوجوان کو وہاں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کا جسم لرز رہا ہے اور آنسو بہہ رہے ہیں، میں نے کہا: یہی میرا ساتھی ہے، مجھے اسی کی تلاش تھی، میں جلدی سے اس کے قریب گیا تاکہ اس سے دریافت کروں، قریب جا کر نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا، نماز ختم ہوئی تو میں اس کی جانب متوجہ ہوا، اس نوجوان نے

۱۸۵۔ "صفوۃ الصفوۃ" اور بعض دیگر کتب میں اس سفر حج کا سال ۲۴۹ھ لکھا گیا، جو درست نہیں۔ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، جبکہ یہاں ابن جوزی نے سال ذکر نہیں کیا۔ پس ۲۴۹ھ نہ تو شقیق بلخی کا زمانہ ہے اور نہ ہی امام کاظم رضی اللہ عنہ کا، اس لیے یہ سن درست نہیں، جبکہ شیخ مجد الدین ابن اثیر نے "المختار" اور شیخ سبط ابن الجوزی نے "مرآۃ الزمان" اور دیگر حضرات نے ۱۴۹ھ بیان کیا ہے، اور یہی درست بھی ہے۔ فافہم

۱۸۶۔ قادسیہ کے نام سے دو مقامات کتب اماکن میں بیان کیے گئے ہیں، ایک بغداد و سامراء کے مابین دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے، جبکہ دوسرا کوفہ کے مضافات میں معروف ہے اور یہ دونوں ہی علاقے عراق میں ہیں، جنگ قادسیہ دوسرے مقام سے تعلق رکھتی ہے۔ نیز کوفہ سے جب حجاز مقدس سفر کیا جاتا تھا، تو خلفاء کے محلات سے گزر کر پہلی منزل یہی قادسیہ کا مقام تھی، اسی لیے شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قافلے کی پہلی منزل کا پڑاؤ بیان کیا ہے، اسی طرح واقعے میں مذکور "واقصہ" سفر کی چوتھی اور "زبالہ" ساتویں منزل ہے۔ (البلدان، للیعقوبی، ص ۱۵۰)

مجھے دیکھ کر کہا: اے شقیق! یہ آیت پڑھو، ”بے شک میں توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہوں“۔ یہ کہا اور مجھے وہیں چھوڑ کر چل دیا، میں نے کہا: یہ نوجوان لازماً اَبدالوں میں سے ہے، اس نے میرے دل کی بات دو مرتبہ ظاہر کر دی۔ پھر جب قافلے نے ”زبالہ“ پہنچ کر پڑاؤ کیا تو میں نے اچانک اسی نوجوان کو کنوئیں کے قریب دیکھا، اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا برتن تھا، جس سے وہ پانی پینا چاہتا تھا کہ اسی اثنا میں برتن ہاتھ سے کنوئیں میں گر گیا، میں نے اس نوجوان کو دیکھا، اُس نے آسمان کی جانب نگاہ کی اور کہنے لگا:

جب مجھے پانی کی پیاس لگتی ہے تب بھی میرا ربّ تو ہی ہے، اور جب میں کھانے کا اِرادہ کرتا ہوں تب بھی میری طاقت تو ہی ہے۔ اے میرے ربّ! اے میرے معبود! تو جانتا ہے کہ میرے پاس اس برتن کے علاوہ دوسرا برتن نہیں، پس تو مجھے اس سے محروم نہ کر۔

شقیق کہتے ہیں: خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ کنوئیں کا پانی بلند ہوا اور اس نوجوان نے ہاتھ بڑھا کر اپنے برتن کو اُٹھا لیا، پھر اس میں پانی بھرا اور وضو کر کے کچھ (چار) رکعت نماز ادا کی، پھر ریت کے ایک ٹیلے کی جانب آیا اور وہاں بیٹھ کر اس برتن میں مٹی بھرنے لگا، پھر ہلایا اور منہ لگا کر پی لیا، اسی دوران میں بھی وہاں پہنچ گیا اور سلام کیا تو اس نے میرے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا: اللہ تعالی جَلَّ جَلَالُہٗ نے اپنے فضل سے تمہیں جو نعمت دی، اُس میں سے مجھے بھی دو، اُس نوجوان نے کہا: اے شقیق! اللہ تعالی عَزَّوَجَلَّ کی ظاہری و باطنی نعمتوں کا نزول ہوتا ہی رہتا ہے، بس اپنے ربّ کے بارے میں حسن ظن رکھو، پھر اس نے مجھے برتن دیا، میں نے اس میں سے پیا اس میں شکر اور سَتّو تھا، خدا کی قسم! میں نے آج تک ایسا لذیذ اور خوشبودار کچھ نہیں پیا پایا، پس میں نے سیر ہو کر پیا، اور کئی دن تک مجھے کچھ

کھانے پینے کی طلب ہی نہیں ہوئی۔ پھر وہ نوجوان مجھے دکھائی نہ دیا، حتیٰ کہ قافلہ مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو میں نے اس نوجوان کو آدھی رات کے وقت پانی کی ٹینکی کے قریب دیکھا کہ وہ نہایت خشوع وخضوع سے روتے ہوئے نمازادا کر رہا ہے، وہ ساری رات یوں ہی رہا، جب فجر ہوئی تو وہ مصلیٰ پر بیٹھ گیا، تسبیح شروع کی اور پھر نمازِ فجر ادا کی، جب نماز کا سلام پھیرا تو بیت اللہ کے گرد سات چکر لگا کر طواف مکمل کیا اور خانہ کعبہ سے نکل آیا۔ میں بھی پیچھے ہو لیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے بہت سے خادم اور مال واسباب بھی ہیں، اب وہ مجھے اس حال میں دکھائی دیا جسے میں نے راستے میں نہیں دیکھا تھا، پس لوگوں نے اس کے گرد دائرہ بنا رکھا تھا تاکہ سلام کر سکیں، یہ معاملہ دیکھ کر میں نے قریب کھڑے شخص سے پوچھا: یہ نوجوان کون ہے؟ اس نے جواب دیا:

یہ موسیٰ بن جعفر (بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم) ہیں۔ تو میں نے کہا: ایسے عجائب وکرامات کا صدور ایسی شان والے سردار سے ہی ہو سکتا ہے۔

کھیتی سلامت رہی اور دل بدل گیا

شیخ خطیب بغدادی "تاریخ بغداد" اور دیگر ائمہ اپنی کتب میں لکھتے ہیں:

مدینہ منورہ میں ایک عُمری شخص تھا (جو کسی غلط فہمی کی وجہ سے) آپ رضی اللہ عنہ کو تکلیف دیتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا کہتا تھا، (اس کی حرکتوں سے تنگ آکر) آپ رضی اللہ عنہ کے کچھ اَحباب نے عرض کی: ہمیں اجازت دیں کہ اُسے قتل کر دیں، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ انھیں منع کر دیا اور بہت ڈانٹا، پھر اس عُمری کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے عرض کی: وہ مدینہ کے مضافات میں کھیتی کرتا ہے، پس آپ رضی اللہ عنہ سوار ہو کر اُس کی جانب تشریف لے گئے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ اپنی کھیتی میں بیٹھا ہوا ہے، آپ رضی اللہ عنہ گدھے پر سوار ہی اُس کی کھیتی میں داخل ہو گئے،

جسے دیکھ کر وہ عُمری چلّانے لگا: میری کھیتی برباد نہ کرو۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ گدھے پر سوار ہی چلتے ہوئے اُس کے قریب جا پہنچے، وہاں اُتر کر بیٹھے اور مسکرانے لگے، پھر اُس سے پوچھا: کھیتی میں تجھے کتنا نقصان ہوا (یعنی کتنا لگایا تھا جو برباد ہوا)؟ اُس نے کہا: سو دینار۔ آپ نے پوچھا: کتنے ملنے تھے؟ اس نے کہا: میں غیب نہیں جانتا۔ آپ نے اُس سے فرمایا: میں نے پوچھا کہ تمھیں اس کھیتی سے کتنا نفع حاصل ہونے کی اُمید تھی، اُس نے کہا: مجھے اُمید تھی کہ دو سو دینار تو مل ہی جاتے۔ آپ نے اُسے تین سو دینار دیے اور فرمانے لگے: لو تمہارے کھیتی بھی سلامت ہے۔

پس عُمری نے کھڑے ہو کر آپ رضی اللہ عنہ کا سر چوم لیا، پھر آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے لوٹ آئے، جب آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ عُمری پہلے سے آکر بیٹھا ہوا ہے، جب اُس نے آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہنے لگا: "اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے، (۱۸۷)"۔ (۱۸۸)۔ سارے لوگ حیرانی سے جمع ہو کر اُس سے پوچھنے لگے: ماجرا کیا ہے؟ کیونکہ تم تو کچھ اور ہی تھے؟ اُس نے کہا: ہاں میں انھیں گالیاں دیتا اور بُرا کہتا تھا، لیکن اب حال یہ ہے کہ آتے جاتے ابوالحسن موسی کو دعائیں دیتا ہوں، اس کیفیت کو دیکھ کر امام کاظم نے اپنے اُن احباب سے فرمایا؛ جنھوں نے اُسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا: کون سا معاملہ بہتر ہوا، وہ جس کا تم نے ارادہ کیا تھا، یا وہ صلح؛ جس کا میں نے ارادہ کیا؟۔ (۱۸۹)

۱۸۷۔ **القرآن الكريم**، سورة الأنعام: ٦/ ١٢٤ .

۱۸۸۔ آیت مبارک کے ذریعے اس نے اہل بیت کی فضیلت کا ارادہ کیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ایسی ہی صفات ہونی چاہیے جیسا کہ امام کاظم رضی اللہ عنہ نے اُس کے ساتھ نرمی و احسان کا معاملہ کیا کہ دشمن کو قتل ہونے سے بھی بچا لیا، کھیتی بھی برباد نہ ہونے دی اور پھر احسان کرتے ہوئے گالیاں دینے والے سخت دشمن کو تین سو دیناروں کی خطیر رقم بغیر کسی وجہ کے عنایت کر دی۔

۱۸۹۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب، ١٥/ ١٥ . **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٦/ ٢٧١ . **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ٩/ ١٣٤ .

دوسرا باب

تَذْكِرَةُ الرِّضَا لِرَاحَةِ الـمُصْطَفَى ﷺ

امام علی رِضا رضی اللہ عنہ

(ولادت ۱۴۸ھ / وفات ۲۰۳ھ)

تاریخ پیدائش اور مقامِ ولادت

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں مؤرخین نے متفرق آراء پیش کی ہیں، جن میں سے کچھ کا بطلان حقائق وروایات کے تناظر میں واضح ہے، البتہ چند اہم اقوال جو مستند علماء نے تحریر کیے، اُن کی بابت کچھ تفصیلی کلام کیا جارہا ہے، تاکہ اہل علم حضرات جب اِن سطور کا مطالعہ کریں، تو انھیں ذہنی خلجان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ان اقوال کا اجمالی خلاصہ یوں ہے:

(۱) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۴۸ہجری / ۷۶۵عیسوی میں ہوئی۔

(۲) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۵۱ہجری / ۷۶۸عیسوی میں ہوئی۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۵۳ہجری / ۷۷۰عیسوی میں ہوئی۔

(۴) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۵۶ہجری / ۷۷۳عیسوی میں ہوئی۔

(۵) آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش "مدینہ منورہ زَادها الله شرفاً وتعظیماً" ہے۔

(۶) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا مہینہ "ربیع الاوّل"، "ربیع الآخر" یا "شوال" ہے۔

(۷) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا دن "جمعرات (Thursday)" یا "جمعہ (Friday)" ہے۔

اب ہم اس اجمالی بیان کو ائمہ ومؤرخین کی نصوص وعبارات سے مقتبس کررہے ہیں۔

(۱) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۴۸ہجری / ۷۶۵عیسوی میں ہوئی

جمہور محدثین وعلمائے تاریخ نے اسی سال میں پیدائش کا ذکر کیا ہے، چنانچہ شیخ ذہبی "سیر أعلام النبلاء"، شیخ ابن اثیر جزری "الكَامِل فِيْ التَّارِيْخ"، مؤرخ صلاح الدین صفدی "الوَافِي بِالوَفيّاتِ" اور مؤرخ شیخ احمد بن یوسف قرمانی "أخبار الدُّول وآثار الأُول في التاريخ" میں لکھتے ہیں:

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ نیز اِسی سال آپ کے جدِ امجد (جعفر صادق) کا وصال ہوا۔[1]

۱۔ سير أعلام النبلاء، للذهبي، ۹/ ۳۸۷. الكامل في التاريخ، للجزري، الصفحة ۹۲٤، حوادث سنة ثلاث ومئتين. الوافي بالوفيات، للصفدي، ۲۲/ ۱۵۷-۱۵٤. أخبار الدول، للقرماني، ۱/ ۳٤۱، ذكر علي بن موسى الرضا.

(۲) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۵۱ ہجری / ۷۶۸ عیسوی میں ہوئی

شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان"، امام یافعی نے "مرآة الجنان وعبرة اليقظان" اور شیخ علیمی مقدسی نے "التاريخ المعتبر في أنباء من غبر" میں ایک قول کے مطابق متذکرہ بالا سالِ پیدائش ذکر کیا ہے۔[۲]

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۵۳ ہجری / ۷۷۰ عیسوی میں ہوئی

شیخ مسعودی "مروج الذهب"، ابن خلکان "وفيات الأعيان"، امام یافعی "مرآة الجنان وعبرة اليقظان"، شیخ علیمی مقدسی "التاريخ المعتبر في أنباء من غبر"، شہزادہ داراشکوہ "سفينة الأولياء"، شیخ ابن عماد حنبلی دمشقی "شذرات الذهب"، شیخ عبد الرحمن جامی "شواهد النبوة" اور خیر الدین زرکلی "الأعلام" میں اسی مؤقف کی جانب میلان وجزم رکھتے ہیں[۳]۔ جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس سال کو بطور قولِ ثانی یعنی احتمالاً بیان کیا گیا ہے، جس کی تفصیلات آنے والے نقشہ میں عیاں ہیں۔

(۴) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۵۶ ہجری / ۷۷۳ عیسوی میں ہوئی

شہزادہ داراشکوہ قادری نے "سفينة الأولياء" میں لکھا ہے:

ونزد بعض در سال یکصد وپنجاہ وشش ہجری بودہ۔[۴]

ترجمہ: اور بعض کے نزدیک ۱۵۶ ہجری میں پیدائش ہوئی۔

۲۔ **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلّكان، ۳/ ۲۷۰ . **مرآة الجنان وعبرة اليقظان**، لليافعي، ۲/ ۱۰، ذكر السنة ۲۰۳هـ . **التاريخ المعتبر في أنباء من غبر**، للعُليمي المقدسي، ۳/ ٥٤، الرقم ۲۳٦ .

۳۔ **مروج الذهب**، للمسعودي، ٤/ ۲٤، ذكر خلافة المأمون . **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلّكان، ۳/ ۲۷۰ . **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ۱۰، ذكر السنة ۲۰۳هـ . **التاريخ المعتبر**، للعُليمي المقدسي، ۳/ ٥٤، الرقم ۲۳٦ . **الأعلام**، للزركلي، ٥/ ۲٦ . **شواهد النبوة**، للجامي، الصفحة ۱۹٦ . **سفينة الأولياء**، للشيخ دارا شكوه القادري، الصفحة ۲۹ . **شذرات الذهب**، للشيخ ابن العماد، ۳/ ۱٤ .

۴۔ **سفينة الأولياء**، للشيخ دارا شكوه القادري، الصفحة ۲۹، ذكر علي بن موسى الرضا . وعبارته مختلطاً فتدبر .

(۵) آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش "مدینہ منورہ زَادھا اللہ شرفاً وتعظیماً" ہے

متذکرہ بالا تمام ائمہ ومؤرخین نے سابق مقامات میں آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش "مدینہ منورہ" ہی بیان کیا ہے، جس سے عیاں ہوتا ہے کہ اس پر جمہور علمائے تاریخ وسیر کا اتفاق ہے، ما قبل حوالہ جات درج کیے گئے، لہٰذا اِعادے کی حاجت نہیں۔

(۶) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا مہینہ "ربیع الاوّل"، "ربیع الآخر" یا "شوال" ہے

شیخ ابن خلکان نے "وفیات الأعیان"، امام یافعی نے "مرآة الجنان وعبرة الیقظان" اور شیخ علیمی نے "التاریخ المعتبر في أنباء من غبر" میں ایک قول کے مطابق "شوال" کے مہینے میں پیدائش بیان کی ہے، جبکہ شیخ جامی نے "شواهد النبوة" میں "ربیع الاوّل" اور شہزادہ داراشکوہ قادری نے "سفینة الأولیاء" میں "ربیع الآخر" کے مہینے میں پیدائش کا ذکر کیاہے۔ اسی طرح تاریخ کے تعین میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ شوال کے مہینے کی چھ، سات اور آٹھ تاریخ بیان کی گئی ہے، جبکہ بقیہ دونوں مہینوں کی تاریخ "گیارہ" ذکر کی گئی ہے[۵]۔ واللہ اعلم

(۷) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا دن "جمعرات" یا "جمعہ" ہے

شیخ ابن خلکان نے "وفیات الأعیان"، شیخ یافعی نے "مرآة الجنان وعبرة الیقظان" اور شیخ علیمی نے "التاریخ المعتبر في أنباء من غبر" میں "جمعہ"، جبکہ شیخ جامی نے "شواهد النبوة" اور شہزادہ داراشکوہ نے "سفینة الأولیاء" میں "جمعرات" کا دن تحریر کیاہے[۶]۔

۵- **وفیات الأعیان**، للشیخ ابن خلّکان، ۳/ ۲۷۰. **مرآة الجنان**، للیافعي، ۲/ ۱۰، ذکر السنة ۲۰۳ھ. **التاریخ المعتبر**، للعُلیمي المقدسي، ۳/ ٥٤، الرقم ۲۳٦. **شواهد النبوة**، للجامي، الصفحة ۱۹٦. **سفینة الأولیاء**، للشیخ دارا شکوه القادري، الصفحة ۲۹.

۶- ...أیضاً.

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کی تاریخ پیدائش، طائرانہ جائزہ

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	مقام	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
علی بن حسین مسعودی، متوفی ۳۴۶ھ	مروج الذہب	مدینہ	—	—	—	۱۵۳ھ	جزماً
عزالدین ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ ھ	الکامل فی التاریخ	=	—	—	—	۱۴۸ھ	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	=	جمعہ	—	—	۱۵۳ھ	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	=	—	۶/۷/۸	شوال	۱۵۱ھ	نقلاً
شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	سیر اعلام النبلاء	=	—	—	—	۱۴۸ھ	جزماً
صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ	الوافی بالوفیات	=	—	—	—	۱۴۸ھ	جزماً
ابو محمد عبد اللہ یافعی مکی، متوفی ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان	=	جمعہ	—	—	۱۵۳ھ	جزماً
ابو محمد عبد اللہ یافعی مکی متوفی ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان	=	—	۶/۷/۸	شوال	۱۵۱ھ	نقلاً
عبد الرحمن جامی، متوفی ۸۹۸ھ	شواہد النبوۃ	=	جمعرات	۱۱	ربیع الآخر	۱۵۳ھ	جزماً
قاضی علیمی مقدسی حنبلی، متوفی ۹۲۷ھ	التاریخ المعتبر	=	جمعہ	—	—	۱۵۳ھ	جزماً
قاضی علیمی مقدسی حنبلی، متوفی ۹۲۷ھ	التاریخ المعتبر	=	—	۶/۷/۸	شوال	۱۵۱ھ	نقلاً
احمد بن یوسف قرمانی، متوفی ۱۰۱۹ھ	اخبار الدول	=	—	—	—	۱۴۸ھ	جزماً
شہزادہ دارا شکوہ قادری، متوفی ۱۰۶۹ ھ	سفینۃ الاولیاء	=	جمعرات	۱۱	ربیع الآخر	۱۵۳ھ	جزماً
شہزادہ دارا شکوہ، قادری، متوفی ۱۰۶۹ھ	سفینۃ الاولیاء	=	—	۶/۷/۸	شوال	۱۵۳ھ	احتمالاً
شہزادہ دارا شکوہ قادری، متوفی ۱۰۶۹ھ	سفینۃ الاولیاء	=	—	—	—	۱۵۶ھ	احتمالاً
ابن العماد حنبلی دمشقی، متوفی ۱۰۸۹ھ	شذرات الذہب	=	—	—	—	۱۵۳ھ	جزماً
ابن العماد حنبلی دمشقی، متوفی ۱۰۸۹ھ	شذرات الذہب	=	—	—	—	۱۵۱ھ	احتمالاً

کنیت، لقب اور لفظ "الرِّضَا"

امام ابونصر ابن ماکولا"، متوفی ۴۷۵ھ "الإكمال في رفع الإرتياب" میں لکھتے ہیں:

أَمَّا "رِضَى" بِكَسْرِ الرَّاءِ ، فَهُوَ أَبو الحَسَن عَلِيُّ بْنُ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، لقبه "الرِّضَا".[۷]

ترجمہ: "رِضَى" اور اس سے مراد ابوالحسن علی بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں، "الرِّضَا" اُن کا لقب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام رِضا کی کنیت "أبو الحسن" اور لقب "الرِّضَا" تھا۔ آپ کی کنیت اور اس لقب کو ائمہ ومؤرخین نے بالاتفاق ذکر کیا ہے۔ امام موصوف کو یہ لقب بادشاہ مامون نے ولی عہدی کے وقت دیا اور یہی بات بکثرت کتبِ تاریخ میں موجود ہے، البتہ بعض کتب میں اس کی تردید بھی آئی ہے کہ یہ لقب مامون نے نہیں، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد نے دیا تھا، تو واضح رہے کہ یہ بات اہلسنّت کے مستند ماخذ میں بیان نہیں ہوئی[۸]۔ ابوالفرج اصفہانی نے "مقاتل الطالبين" میں کنیت "أبو بكر" بھی ذکر کی ہے[۹]، لیکن جمہور ائمہ بلکہ اہل تشیع کے یہاں بھی اس کی جانب التفات نہیں، چنانچہ زیادہ مؤکد و مدلل نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں اس قول پر شرح صدر نہیں، پس جمہور کا قول ہی مناسب و معتبر ہے۔ مذکورہ بالا عنوان پر تمام کے متفق ہونے کی وجہ سے زیادہ کلام کرنے کی حاجت نہیں، لہٰذا اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۷۔ **الإكمال في رفع الإرتياب**، للإمام ابن ماكولا ، ٤/ ٧٥ . **الأنساب** ، للسمعاني ، ٦/ ١٣٤ ، حرف الراء ، باب الراء والضاد . **اللباب في تهذيب الأنساب** ، للجزري ، ٢/ ٣٠ .

۸۔ اہل تشیع کے اکثر علماء کی تحقیق یہی ہے کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کا قاتل وزہر دینے والا دراصل بادشاہ مامون رشید تھا، اسی لیے وہ لقب کو اُس کی جانب منسوب نہیں کرتے، نیز ان کی روایات کے تناظر میں یہ لقب امام کاظم رضی اللہ عنہ کا عطا کردہ ہے، لیکن ہمیں ان روایات واقوال پر شرح صدر نہیں ہو سکا جبکہ اہل سنت کی مستند تواریخ وکتب اعلام میں لقب کو مامون کی جانب منسوب کیا گیا ہے، چنانچہ ہم بھی اسی موقف کو اختیار کر رہے ہیں، واللہ اعلم۔ البتہ مامون آپ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا، یا نہیں، اس پر شہادت کے عنوان میں بحث آ رہی ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔

۹۔ **مقاتل الطالبين** ، للأبي الفرج الأصفهاني ، الصفحة ٤٥٣-٤٥٤ ، رقم الترجمة ٥٥ .

خاندانِ ذیشان

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کا خاندان اپنی حسبی و نسبی وَجاہت کے باعث ممتاز ہے، روئے زمین پر اس خانوادے کی مثل کوئی نہ ہو سکا، اسکی آب و تاب کی ضیاء پاشیاں اہل ایمان کے قلوب جگمگا رہی ہیں، جس نے بھی اس سلسلۂ ذَہب کی زیارت کی وہ بے اختیار پکار اُٹھا:

تیری نسلِ پاک میں ہے ، بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور ، تیرا سب گھرانہ نور کا

الغرض رسالت کے آفتاب محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے گھرانے میں کیا کیا ستارے ہو گزرے، تفصیل ممکن نہیں اور قلم تصویر کھینچے، مجال نہیں، بس اِک نظر اُس چمنستانِ کرم کی جانب کرتے ہیں، جن کی کلیاں دِلوں کو مہکا دیتی ہیں، جن کا ذکر اِکسیر جاں ہے، چنانچہ ہم صرف سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کے نام ہی سے آغاز کرتے ہوئے مرکز فیض مولائے کائنات مولی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک متصل ہوتے ہیں:

أَبو الحَسَنِ عَلِيُّ الرِّضَا بْنُ مُوْسَى الكَاظِمِ بْنِ أَبِي عَبْدِ الله جَعْفَرِ الصَّادِقِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ البَاقِرِ بْنِ عَلِيٍّ زَيْنِ العَابِدِيْن بْنِ أَبِي عَبْدِ الله الحُسَيْنِ الشَّهِيْدِ وَسَيِّد شَبابِ أَهْلِ الجَنَّة بْنِ أَسَدِ الله و أَسَد رَسُوْلِهِ أَمِيْرِ المُؤْمِنِيْنَ أَبِي الحَسَن عَلِيِّ المرْتَضى رَضِيَ الله تَعَالَى عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ .

اوران شخصیات کے فیض و کرم کا مرکز وہی ذات؛ جسے اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے کائناتِ اَرض و سما کے لیے اپنی رضا کا قبلہ قرار دیا؛ یعنی سیّدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کے باباجان محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذاتِ والاصفات، کہ یہ سب اُسی چشمہ اِرم سے سیراب و فیض یافتہ ہیں، واللہ العظیم! جس گھرانے کی آبرو ایسے افرادِ جلیل کی ذوات سے وابستہ ہو، اِن کی مثل زمین تو کیا آسمان میں بھی نہیں ہو سکتی کہ اِن کے اجسام میں خونِ رسول کی تابانیاں جلوہ فرما ہیں۔

والد گرامی سیّدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

امام رِضا کے والد موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ اس بات کے محتاج نہیں کہ ان کی تعریف وتوصیف کی جائے، مسلمانوں کے امام، اَولیائے زَمن کے سرخیل اور علم ظاہری وباطنی کے حامل تھے، ان کے حالات ماقبل مستقل باب میں گزر چکے ہیں۔

والدۂ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا

امام ذہبی لکھتے ہیں: آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ اُمّ ولد (باندی) تھیں اور ان کا نام "سُكَيْنَة" تھا۔(١٠)

جبکہ شیخ صفدی "الوافي بالوفيات" میں لکھتے ہیں:

آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ اُمّ ولد نوبیہ تھیں، نام "سُكَيْنَة" اور کنیت "أُمُّ البَنِيْنَ" تھی۔(١١)

اوران کے برعکس شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان" میں بیان کیا:

آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ اُمّ ولد "خَيْزُرَان" تھیں۔(١٢)

بہرکیف اس کے علاوہ تلاش کے باوجود حالات زندگی پر مواد حاصل نہ ہو سکا، لیکن اہل تشیع کے یہاں مختلف روایات واقوال کی روشنی میں ان کے نام کا اختلاف اور مختصر حالات بھی مذکور ہوئے ہیں، لہٰذا اہم ضمنی مبحث پر وسعت معلومات کی غرض سے صرف نام کی بابت تفصیلات کا اختصار پیش کر رہے ہیں، چنانچہ "بحار الأنوار" میں متقدمین اہل تشیع کی بہت سے کتب کے حوالہ جات کو یکجا کرتے ہوئے درج ذیل اُمور بیان ہوئے:

آپ رحمۃ اللہ علیہا کی کنیت " أم البنين " اور ایک قول کے مطابق لقب "شُقراء النُّوبيَّة/ صَقر" ہے، جبکہ نام کے تعین میں کافی اختلاف ہے، چنانچہ " أَرْوَى ، تُكْتَم ، خَيْزُرَان الْمُرسِية ، سَكَن النُّوبية ، سَمان ، سُكَيْنَة ، نَجْمَة "وغیرہ اسماء بیان ہوئے ہیں(١٣)۔ الغرض آپ کی والدہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں تواریخ وکتب میں تفصیل میسر نہیں آسکی۔

١٠- **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٩/ ٣٨٧ . **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٧/ ٤٤ ، الرقم ٤٨٤٣ .

١١- **الوافي بالوفيات** ، للصفدي ، ٢٢/ ١٥٤ .

١٢- **مرآة الزمان** ، للسبط ابن الجوزي ، ١٣/ ٣٨٨ ، ذكر السنة ٢٠٣هـ .

حلیہ مبارک

امام رِضا رضی اللہ عنہ جس ذاتِ والاصفات کی مبارک نسل سے تعلق رکھتے اور جس خانوادۂ حرمت کے جانشین ہیں، اُس کی نسبت ہی ذرّے کو ہمدوشِ ثریا کرنے کے لیے کافی ہے۔۔۔ جن کی زیارت ایسی نعمت کہ دنیا بھر کی عبادت و مجاہدے ایک طرف اور اُس روئے خوش لقا کی دید ایک طرف۔۔۔ جن کی زیارت کے بنا پیکر نورانیت جبرئیل امین علیہ السلام کو بھی چین و قرار نہ آتا۔۔۔ اور بار بار شوقِ دید میں سدرۃ المنتہیٰ چھوڑ کر سوئے طیبہ سفر کرتے۔۔۔ ایسے ہی شوق و مستی کے جذبات کو مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے خوب بیان کیا:

بے لِقائے یار اُن کو چین آجاتا اگر !
بار بار آتے نہ یوں ، جبریل سدرہ چھوڑ کر

ایسی ذات کی نسل بے مثال میں شامل ہونا قدرت کی فیاضی اور اَزلی سعادت کے سوا ممکن نہیں۔۔ اور جن خوش نصیبوں کو یہ سعادت ملی۔۔ اُن کی مثال پھر ممکن نہیں۔۔۔ الغرض آپ خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ اور اپنے زمانے میں اہل بیت کے سردار تھے۔۔۔ اس لیے ظاہری حسن و صورت کا احتیاج آپ کے لیے وجہِ افتخار نہیں۔۔۔ بلکہ آپ کی نسبت سے دنیا کے ظاہری و باطنی حسن والے فیضیاب ہوئے۔۔۔ اِس گھرانے کی خوبصورتی کی بات اور پھر تمثیل لانا۔۔ اہل دل جانتے ہیں کہ کس قدر مشکل ہے۔

بایں ہمہ نظام قدرت کہ نسل نورانی کو یہاں لباس بشری لازم۔۔۔ تو آپ کا حلیہ بھی ظاہری آنکھوں نے جو دیکھا ،بیان کیا کہ مادرِ اقدس (اُمّ ولد کنیز) کی جانب سے رنگت میں سیاہی کی آمیزش، لیکن اس میں بھی صوفیائے کرام اور اہلِ نظر کے لیے اشارہ "تجلّی ذاتِ بُحْت"(۱۴) کی طرف تھا۔ رنگت میں ایسی جاذبیت کہ حسن ظاہری والے ہزاروں کی تعداد میں پروانہ وار نکل کر شمع کی دید میں فدا ہونے کو تیار۔۔ اور خدا گواہ ہے کہ اُن میں ایسے افرادِ ذی شان بھی تھے، جن کی مثل

۱۳۔ بحار الأنوار ، للمجلسي ، ۱۲/ ۱۰-۰٦ . موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي ، ۳۰/ ۲۷-۲٦. ملخصاً .

۱۴۔ یہ صوفیائے کرام کی خاص اصطلاح ہے، مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرات صوفیاء کرام نے ارشاد فرمایا: تجلی ذات بحت کا رنگ خالص سیاہ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، طبع جدید،۱۵/۳۰۷)

علم و عرفان کے دانشکدے آج تک پیدا نہ کر سکے۔۔۔ چشم تصور میں وہ نظارہ بھی کیسا حسین ودِل کش ہو گا، جب امام رِضا رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ "نیشاپور" تشریف لائے۔۔ ایسے میں حلیہ مبارک کی کیفیت مولانا احمد رضا محدثِ حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی قلمی تصویر کشی میں ملاحظہ کریں، چنانچہ آپ بحوالہ "الصواعق المحرقۃ" لکھتے ہیں:

> جب امام عـلی رِضا رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ "نیشاپور" میں تشریف لائے، چہرۂ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظانِ حدیث امام ابوزُرعہ رازی و امام محمد بن اسلم طوسی اور اِن کے ساتھ بے شمار طالبانِ علم وحدیث حاضرِ خدمتِ اَنور ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کیا کہ اپنا جمالِ مبارک ہمیں دکھایئے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمایئے۔ امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا کہ پردہ ہٹالیں، خلق کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں، دو گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی چلّاتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔(۱۵)

اس واقعے میں جہاں عشق و محبت کا پہلو اور ائمہ حدیث کا خانوادۂ نبوت کے لیے احترام کا عکس دیکھنے میں آتا ہے وہیں امام رِضا رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کے حلیہ مبارکہ میں سے آپ کے "گیسو" کا ذکر ملتا ہے کہ آپ کے گیسوئے اقدس دونوں شانوں پر لٹک رہے تھے، یعنی زلفوں کی سنت کا حسین نمونہ آپ کی تنویر میں نمایاں تھا۔

نیز رنگت کے بارے میں شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں:

> آپ کا رنگ سیاہی مائل تھا، کیونکہ آپ کی والدہ بھی سیاہ رنگت والی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ حمام میں تشریف لے گئے تو ابھی آپ کھڑے ہی تھے کہ ایک سپاہی آیا، آپ وہاں سے قدرے ہٹ گئے، وہ سپاہی آپ سے کہنے لگا: اے سیاہ

۱۵۔ **الفتاوی الرضویة**، للشیخ أحمد رضا الحنفي، ۹/ ۱۳۳.

رنگت والے! میرے سر پر پانی ڈال۔ تو آپ نے پانی ڈالنا شروع کیا، اتنے میں آپ کا کوئی جاننے والا وہاں آگیا، اُس نے چیختے ہوئے سپاہی سے کہا:

تو ہلاک ہوا۔۔۔ تو ہلاک ہوا۔۔۔ کیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (فاطمہ) کی اولاد اور مسلمانوں کے امام سے خدمت لینا چاہتا ہے؟

سپاہی یہ سنتے ہی قدموں میں گر پڑا، قدم چومے اور عرض کرنے لگا: حضرت جب میں نے آپ سے کہا، تو آپ نے اُسی وقت انکار کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: یہ تو ثواب کا کام ہے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تیری خلاف ورزی کر کے میں آنے والے ثواب کو ضائع کروں۔ پھر آپ نے فرمایا:

قَـالَ لِيْ : يَـا عَبْـدُ أَوْ يَـا أَسْـوَدُ	لَـيْسَ لِيْ ذَنْـبٌ وَ لَا ذَنْـبٌ لِمَـنْ
ظُلْمَـةً ، وَ هُـوَ سِـنًى لَا يُحْمَـدُ	إِنَّمَا الـذَّنْبُ ، لِمَـنْ أَلْبَـسَنِي

ترجمہ: اِس میں نہ تو مجھ پر الزام ہے اور نہ مجھے غلام اور سیاہ کہنے والے کا قصور ہے بلکہ یہ الزام تو اُن پر جاتا ہے جنھوں نے بلند شان والا ہوتے ہوئے مجھے سیاہی کا ایسا لباس بخشا، جس کی تعریف نہیں کی جاتی (لہٰذا اُن پر بھی کوئی الزام نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ عزوجل کی مشیت و تخلیق ہے، جسے چاہے جیسی رنگت بخشے)۔[۱۶]

نیز آخری شعر کا ترجمہ یوں بھی ممکن ہے: "گناہ تو اُس شخص کا ہے، جس کے ظلم نے مجھے گھیر رکھا ہے اور ایسے فعل کی تعریف نہیں کی جاتی"۔ اگرچہ یہ ترجمہ سیاق کلام سے کامل مناسبت تو نہیں رکھتا، لیکن دیگر قرائن کی روشنی میں دُرست ہے۔ ہم نے دونوں صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کر دیا ہے۔ اس آخری شعر کا ترجمہ کرنے کے بارے میں ایک عرصے تک تذبذب رہا، چنانچہ احتیاط و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا۔

۱۶۔ **الوافي بالوفيات**، للصّفدي، ۲۲/ ۱۵۷-۱۵۴. **أخبار الدول وآثار الأول في التاريخ**، للقرماني، ۱/ ۳۴۳.

تعلیم وتربیت اور اَساتذہ

کسی بھی شخصیت کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہی اُسے زندگی بھر ترقی کی منازل سے روشناس کرانے میں معاونت کرتی ہے، اِسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں کی آغوش کو حصول علم کی اوّلین بنیاد قرار دیتے ہوئے علم کی ترغیب ارشاد فرمائی۔ امام رِضا رضی اللہ عنہ کا گھرانہ ایسا تعلیمی، اخلاقی اور روحانی مرکز تھا کہ اُس زمانے میں تشنگانِ علم وفیض اِسی چشمہ حیات سے تسکین پاتے۔۔۔ جنھیں علم حدیث وفنون کے گیسوئے سنوارنے میں کسی مشاطہ کی حاجت نہ تھی۔۔۔ وہی افرادِ بلند شان اِس گھر کے دروازے پر بستر لگائے قطرۂ معرفت وعلم کے خواستگار نظر آتے تھے۔۔۔ کون نہیں جانتا کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ اِسی چشمۂ علم سے سیر اب ہوئے اوراِس شاگردی کو اپنے لیے سرمایہ نجات قرار دیا۔۔۔ ایسے گھرانے میں چشم حیات کھولنے سے پہلی ہی تعلیم وتربیت کا انتظام ہونا بھی قدرت کی فیاضی ہے۔ اُس گھرانے میں چشم امام کھلتی ہے ۔۔۔ جس میں باب مدینۃ العلم کا فیضان آب وتاب سے جاری وساری ہے۔۔۔ استاذ المحدثین سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا علمی تفوق چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔۔۔ پھر اِن کے جانشین، مستجاب الدعوات، باب قضاء الحوائج، امام کاظم رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔۔ انہی کی آغوشِ شفقت میں سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کی تعلیم وتربیت کا انتظام ہوا اورامام کاظم رضی اللہ عنہ جس طرح دریائے معرفت کے غواص تھے۔۔۔ اُسی طرح علوم اِسلامیہ کے میدانِ علمی کے بھی شہسوار تھے۔۔۔ الغرض امام رِضا رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ محدثین، مفسرین اور صوفیاء کا تھا۔۔۔ اَوروں کہ پاس روایت، دِرایت اور علم ومعرفت کا خزانہ مستعار تھا۔۔۔ لیکن اِس خانوادے کا سب کچھ اپنا تھا۔ اب نُصوصِ ائمہ سے اساتذہ کی قدرے جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

امام جمال الدین مزّی ''تہذیب الکمال'' لکھتے ہیں:

آپ (رِضا رضی اللہ عنہ) عبید اللہ بن اَرطاۃ بن منذر اور اپنے والد موسی کاظم بن جعفر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ (۱۷)

امام شمس الدین ذہبی ''سِيَر أَعْلَامِ النُبَلَاء'' میں لکھتے ہیں:

آپ نے والد (موسی کاظم) اور چچاؤں مثلاً اسماعیل، اسحاق، عبد اللہ، علی، یعنی؛ اَولادِ جعفر (صادق)، نیز عبد الرحمٰن بن ابی الموالی سے سماعِ (روایات اور اکتسابِ علم) کیا۔ آپ کا علم، دین اور بزرگی میں بلند مقام تھا۔ (۱۸)

۱۷۔ تهذيب الكمال، للمزّي، ۲۱/ ۱٤۸، الرقم ٤١٤١. سير أعلام النبلاء، للذهبي، ۹/ ۳۸۸، الرقم ۱۲۵.

اساتذہ کی اجمالی فہرست

- ❖ إِسْحَاقُ بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ، الـمُؤتمنُ، عَمُّ الإمام الرِّضا.(١٩)
- ❖ إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ، الأَعْرَجُ، عَمُّ الإمام الرِّضا.(٢٠)
- ❖ عَبْدُ الرَّحْمَن بْنُ أَبِي الـمَوَالِي.(٢١)
- ❖ عَبْدُ الله بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ، الأَفْطَحُ، عَمُّ الإمام الرِّضا.(٢٢)
- ❖ عُبَيْدُ الله بْنُ أَرْطَاة بْنِ الـمُنْذِر.(٢٣)
- ❖ عَلِيُّ بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ، العُرَيْضِيُّ، عَمُّ الإمام الرِّضا.(٢٤)
- ❖ مُوْسَى الكَاظِمُ بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ، وَالِدُ الإمام الرِّضا.(٢٥)
- ❖ يَحْيىَ بْنِ جَعْفَرِ الصَّادِقِ، عَمُّ الإمام الرِّضا.(٢٦)

١٨-سير **أعلام النبلاء**، للذهبي، ٩/ ٣٨٨، الرقم ١٢٥. **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ٧/ ٤٤، الرقم ٤٨٤٣.

١٩- **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٩/ ٣٨٨، الرقم ١٢٥. **إكمال تهذيب الكمال**، للإمام مغلطاي، ٩/ ٣٧٩، الرقم ٣٨٨٥. **التحفة اللطيفة**، للسخاوي. ٣/ ٢٦٤.

٢٠- **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٩/ ٣٨٨، الرقم ١٢٥. **إكمال تهذيب الكمال**، للإمام مغلطاي، ٩/ ٣٧٩، الرقم ٣٨٨٥. **التحفة اللطيفة**، للسخاوي. ٣/ ٢٦٤.

٢١- **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٩/ ٣٨٧، الرقم ١٢٥. **إكمال تهذيب الكمال**، للإمام مغلطاي، ٩/ ٣٧٩، الرقم ٣٨٨٥. **التحفة اللطيفة**، للسخاوي. ٣/ ٢٦٤.

٢٢- **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٩/ ٣٨٨، الرقم ١٢٥. **إكمال تهذيب الكمال**، للإمام مغلطاي، ٩/ ٣٧٩، الرقم ٣٨٨٥. **التحفة اللطيفة**، للسخاوي. ٣/ ٢٦٤.

٢٣- **تهذيب الكمال**، للمزّي، ٢١/ ١٤٨، الرقم ٤١٤١. **تهذيب التهذيب**، للعسقلاني، ٧/ ٣٨٧. **النجوم الزاهرة**، لابن تغرى بردي، ٢/ ٢١٩، ذكر السنة ٢٠٣هـ. **التحفة اللطيفة**، للسخاوي. ٣/ ٢٦٤.

٢٤- **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٩/ ٣٨٨، الرقم ١٢٥. **التحفة اللطيفة**، للسخاوي. ٣/ ٢٦٤.

٢٥- **تهذيب الكمال**، للمزّي، ٢١/ ١٤٨، الرقم ٤١٤١. **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٩/ ٣٨٨، الرقم ١٢٥. **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ٧/ ٤٤، الرقم ٤٨٤٣. **شذرات الذهب**، للشيخ ابن العماد، ٣/ ١٤. **النجوم الزاهرة**، لإبن تغرى بردي، ٢/ ٢١٩، ذكر السنة ٢٠٣هـ.

١. إسْحَاقُ بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ ، الـمُؤتمنُ ، عَمُّ الإمام الرِّضا

یہ امام صادق رضی اللہ عنہ کے فرزند جلیل اور اہل بیت کی معروف زاہدہ سیّدہ نفیسہ بنت حسن رضی اللہ عنہم کے شوہر ہیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: انھیں "حزین" کہا جاتا تھا، کیونکہ کسی نے آپ رضی اللہ عنہ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ مصر میں قیام پذیر ہوئے اور وہیں وصال فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مشائخ میں کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف، عبد اللہ بن جعفر مخزومی اور صالح بن معاویہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن منذر، یعقوب بن حمید بن کاسب اور یعقوب بن محمد زہری رضی اللہ عنہم قابل ذکر ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ امام بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، دار قطنی، طبرانی اور حاکم کے شیخ الشیوخ ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے طریق سے "الصّحیح" کے علاوہ کتب مثلاً "التاريخ الكبير"، "خلق أفعال العباد" میں، ترمذی، ابن ماجہ اور دار قطنی نے "السُّنن"، حاکم نے "المستدرك على الصحيحين" اور طبرانی نے "المعجم الأوسط" میں روایات لی ہیں۔ حافظ عسقلانی نے "تقريب التهذيب" میں ان کے لیے "سُنن أبي داود" کی رَمز[27] بھی ذکر کی ہے۔ امام دارمی نے یحییٰ بن معین کا قول ذکر کیا: میں نے انھیں "صدوق" پایا ہے۔ اگرچہ عسقلانی انھیں "لسان الميزان" میں لائے، لیکن انھوں نے "تقريب التهذيب" میں "صدوق من التاسعة" لکھا ہے، جبکہ ابن حبان نے "الثّقات" میں لانے کے باوجود انھیں "كان يخطئ" بھی ذکر کیا ہے اور شیخ ذہبی نے "الكاشف" میں توثیق کرتے ہوئے "مقبول" لکھا ہے۔[28]

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش اور وصال کے بارے میں واضح قول معلوم نہیں ہو سکا، البتہ قُم کے فاضل عبد الحسین شبستری نے تین ضخیم مجلدات میں امام صادق رضی اللہ عنہ کے تلامذہ و مستفیدین پر کتاب "الفائق في رُواة وأصحاب الإمام

٢٦۔ إكمال تهذيب الكمال ، للإمام مغلطاي ، ٩/ ٣٧٩ ، الرقم ٣٨٨٥ .

٢٧۔ "سنن ابو داوٗد" میں "اسحاق بن جعفر بن محمد" سے روایات موجود نہیں، اسی لیے بقیہ ائمہ نے ان سے سنن ابو داوٗد کی مرویات کا ذکر نہیں کیا اور گمان ہے کہ امام عسقلانی کی "تقریب التہذیب" میں لکھی رَمز میں تبدیلی یا سہو واقع ہوا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

٢٨۔ تهذيب التهذيب ، للعسقلاني ، ١/ ٢٢٩ . تقريب التهذيب ، للعسقلاني ، الصفحة ١٢٨ ، الرقم ٣٥٠ . التاريخ الكبير ، للبخاري ، ١/ ٣٨٣ ، الرقم ١٢٢٥ . تهذيب الكمال ، للمزي ، ٢/ ٤١٦ ، الرقم ٣٤٧ . لسان الميزان ، للعسقلاني ، ٢/ ٥١ ، الرقم ١٠١٠ . الكاشف ، للذهبي ، ١/ ٢٣٥ ، الرقم ٢٩٢ . ملخصاً بتصرّف .

الصّادق "لکھی ہے اوراس میں اہل تشیع کے اُمہات مصادر جرح وتعدیل کی روشنی میں تحقیقی مواد جمع کیاہے، اس میں انھوں نے ۱۴۸ھ تک آپ رضی اللہ عنہ کا بقید حیات ہونا ذکر کیاہے (۲۹)۔ اس سے گمان ہوتاہے کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ نے آپ سے استفادہ نہیں کیاہو گا، کیونکہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کی تو پیدائش ہی ۱۴۸ھ میں ہوئی تھی۔

لیکن ان کا یہ بیان تاریخ شواہد کی روشنی میں کمزور معلوم ہوتاہے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ تو ۱۴۸ھ کے بعد تک زندہ رہے اور اپنی زوجہ سیّدہ نفیسہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مصر منتقل ہوئے اور پھر وہیں دونوں نے وفات پائی۔ جبکہ ابن العماد رحمۃ اللہ علیہ نے "شذرات الذهب" میں تو یہاں تک لکھا: "سیّدہ کے انتقال ۲۰۸ھ کے وقت آپ رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ مدینہ منورہ تدفین کی غرض سے لیجانے کا ارادہ کیا، تو اہل مصر نے انھیں روک دیا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں مصر ہی میں دفن کیا"۔ (۳۰) پس اگر ابن العماد کا یہ قول درست ہو، تو پھر امام رِضا رضی اللہ عنہ کے اِن سے استفادے میں کوئی مانع نہیں، کیونکہ امام رِضا رضی اللہ عنہ نے ۲۰۳ھ میں شہادت پائی۔ لیکن اگر بالفرض یہ قول ثابت نہ بھی ہو، تب بھی سیّدہ نفیسہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنا اور پھر مصر منتقل ہونا تو مسلّمہ ہے (۳۱)، پس اس لحاظ سے دیکھیں، تو سیّدہ کی پیدائش ہی ۱۴۵ھ بیان کی گئی ہے، اب پیدائش کے بعد شادی اور پھر اَولاد کے لیے زمانے کا تخمینہ رکھیں، تو اَقل درجہ بھی پندرہ بیس سال مزید درکار ہیں، اور یہی زمانہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کی معاصرت کا بھی بنتاہے، جس سے امام رِضا رضی اللہ عنہ کا اِستفادہ مدلل و متحقق ہو جاتاہے۔ چنانچہ متذکرہ شیعی مؤرخ کو امام اسحاق کے سن وصال کی بابت اشتباہ لاحق ہواہے، واللہ اعلم۔ ہمیں آپ رضی اللہ عنہ کی سند سے درج ذیل اَحادیث مل سکیں:

التاريخ الكبير ، للبخاري ، ١/ ٣٦٨ ، الرقم ١١٦٦ . ٥/ ٤٥٠ ، الرقم ١٤٦٦ ، دائرة المعارف العثمانية الهند . **خلق أفعال العباد ، للبخاري** ، ١/ ٦٢ ، دار المعارف السعودية ، الرياض . **السنن ، للترمذي** ، الصفحة ١٧٤ ، الرقم ٦٩٤ ، كتاب الصوم ، باب ما جاء الصوم يوم تصومون ، مكتبة المعارف الرياض . **السنن ، لإبن ماجة** ، الصفحة ٣٨٤ ، الرقم ٢٢٣٨ ، كتاب التجارات ، باب ما يرجى من البركة ، مكتبة المعارف الرياض . **السنن ، للدارقطني** ، ٥/ ٣٨٠ ، الرقم ٤٤٨٨ ، كتاب الأقضية ، مؤسسة الرسالة بيروت . **المستدرك للحاكم** ، ٣/ ٢٠٨ ، الرقم ٤٨٦٤ ، ذكر مناقب عمير بن أبي وقاص ، دار الكتب العلمية . **المعجم الأوسط للطبراني** ، الرقم ٦٢٣٥/ ٧٤٤٠/ ٧٥١٦/ ٩١٠٣/ ٩١٠٧/ ٩١١٥/ ٩١٣٩/ ٩١٤٠. دار الحرمين القاهرة.

٢٩- **الفائق في رُواة وأصحاب الإمام الصّادق** ، للشبستري الشيعي ، ١/ ١٣٦ ، الرقم ٢٨٩ .

٣٠- **شذرات الذهب** ، للشيخ ابن العماد ، ٣/ ٤٣ .

٣١- **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ١/ ٢٢٩ . **الأعلام** ، للزركلي ، ٨/ ٤٤ .

۲. إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ ، الأَعْرَجُ ، عَمُّ الإمام الرِّضا

یہ امام صادق رضی اللہ عنہ کے محبوب بیٹے تھے، انھوں نے زیادہ عمر نہیں پائی اور اپنے والد گرامی کی حیات میں ہی باختلاف سن ۱۳۸ / ۱۴۳ھ میں مدینہ منورہ کے مضافاتی علاقے "عریض" میں وصال کیا، بعد ازاں والد بزرگوار نے جنت البقیع میں تدفین کی۔ شیخ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے کتب حدیث میں کوئی روایت موجود نہیں۔[۳۲]

اہل تشیع میں سلسلہ امامت کا اہم اختلاف انہی کی جانشینی سے مترشح ہوتا ہے، چنانچہ "اثنا عشری" امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سیّدنا کاظم کو خلیفہ و جانشین قرار دیتے ہیں، جبکہ "اسماعیلی" ان کے بجائے جناب اسماعیل کو منصب امامت تفویض کیے جانے اور پھر انہی کی نسل میں اس کے تسلسل جاری رہنے کے قائل ہیں۔ الغرض انہی سے فرقہ اسماعیلیہ وجود پایا، جس نے تیسری صدی کے اختتام تک خاصا استحکام حاصل کر لیا تھا، چنانچہ انہی کی اولاد نے بعد میں خلافت فاطمی قائم کی، اسی لیے انھیں خلفائے فاطمی کی اصل قرار دیا جاتا ہے۔[۳۳]

پس اگر تو متذکرہ بالا ائمہ کی امام رضا رضی اللہ عنہ کے اساتذہ میں ذکر کردہ نام "اسماعیل بن جعفر" سے مراد یہی ہیں، جن سے اسماعیلی مذہب منسوب ہے، جیسا کہ کلمات ائمہ سے بھی عیاں ہے، تو ان کا وصال امام رضا رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے بہت سال قبل امام صادق رضی اللہ عنہ کی حیات میں ہی ہو چکا تھا۔ اس بات پر مؤرخین اور جرح و تعدیل کے ائمہ کا اتفاق ہے، حتی کہ جمہور اثنا عشری بھی اسی مؤقف کے حامل ہیں[۳۴]۔ علاوہ بریں امام صادق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں "اسماعیل" نام کے یہی ایک بیٹے معروف ہیں، چنانچہ بایں صورت ائمہ کا انھیں امام رضا رضی اللہ عنہ کے اساتذہ میں ذکر کرنا محل نظر ہے کہ امام رضا رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہی ۱۴۸ھ میں ہوئی، پس امام رضا کا اُن سے احادیث روایت کرنا ممکن ہی نہیں، اور یہاں ائمہ کے بیان کو "مرسل" پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ انھوں نے بطور خاص اُن سے سماع کی تصریح کی ہے۔ الغرض ان قرائن کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ متذکرہ ائمہ سے سہو واقع ہوا اور راقم کا گمان ہے کہ شاید اس اشتباہ کا قوی سبب آپ رضی اللہ عنہ کے ہم زمانہ اور ہم نام شخصیات ہیں، کہ محدثین عام طور پر "اسماعیل بن جعفر" ہی ذکر کرتے ہیں، جس سے ایسے اشتباہ کا لاحق ہو جانا بعید

۳۲۔ **خلاصة تذهيب تهذيب الكمال** ، للخزرجي ، الصفحة ۳۳. **الأعلام** ، للزركلي ، ۱/ ۳۱۱.

۳۳۔ **أردو دائرة معارف الإسلامية** ، لجنة من الباحثين ، ۲/ ۷۵۵ .

۳۴۔ **الفائق في رُاوة وأصحاب الإمام الصّادق** ، للشبستري ، ۱/ ۱۶۱ ، الرقم ۳۴۲ .

نہیں، جبکہ قرب زمانی اور دیگر اُمور بھی اشتباہ کو تقویت دینے والے ہوں، چنانچہ ایسے ہی دقائق پر اطلاع کے لیے علم حدیث میں باقاعدہ کتب موجود ہیں۔

- ❖ إسماعيل بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب ، المتوفى ١٤٣هـ .
- ❖ إسماعيل بن جعفر بن أبي كثير ، أبو إسحاق ، الأنصاري المدني القارئ . المتوفى ١٨٠هـ .
- ❖ إسماعيل بن جعفر بن إبراهيم بن علي بن عبد الله بن جعفر بن أبي طالب.

ان میں سے ثانی الذکر تو امام صادق کے تلمیذ بھی ہیں، اور ذہبی کو ان کے جزء کی اجازت بھی حاصل ہے[٣٥]۔ ممکن ہے کہ معاصرت، اسماء میں یکسانیت اور امام صادق کے تلمیذ ہونے کے سبب شبہ لاحق ہو گیا ہو، واللہ اعلم۔

٣. عَبْدُ الرَّحْمَن بْنُ أَبِي الـمَوَالِي ، أبو محمَّد ، الـمَدنيُّ ، مَوْلَى عَلِيِّ بْن أَبِي طَالِب

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نام میں قدرے اختلاف ہے، بعض نے "عبد الرحمن بن زید بن ابی الموال" اور بعض نے "عبد الرحمن بن ابی الموال زید" ذکر کیا ہے۔ آپ کے اساتذہ میں ابراہیم بن سریع انصاری، حسن بن علی بن محمد بن علی المرتضیٰ، حسین بن علی بن حسین الشہید، محمد بن سلیمان کرمانی، ابو جعفر محمد الباقر اور محمد بن مسلم بن شہاب زہری وغیرہ شامل ہیں، جبکہ آپ سے روایت کرنے والوں میں اسحاق بن ابراہیم حنینی، خالد بن مخلد قطوانی، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، قتیبہ بن سعید، محمد بن عمر واقدی اور معلّی بن منصور رازی جیسے محدثین شامل ہیں۔ احمد بن حنبل، ابوزُرعہ رازی اور ابو حاتم نے انھیں "لا بأس به"، امام یحییٰ بن معین، ترمذی، نسائی اور ابو داود نے "ثقة" لکھا، جبکہ عسقلانی نے "تقريب التهذيب" میں "صدوق رُبما أخطأ من السابعة" لکھا ہے۔ آپ نے ۱۷۳ھ میں وصال کیا ہے۔ ائمہ صحاح میں سے امام مسلم کے علاوہ محدثین نے آپ سے اَحادیث روایت کی ہیں،[٣٦]۔ ہمیں کتب صحاح میں آپ سے درج ذیل اَحادیث مل سکیں:

<u>الجامع الصحيح ، للبخاري</u> ، الرقم ، ٣٥٣/ ٣٧٠/ ١١٦٢/ ٦٣٨٢/ ٧٣٩٠. دار ابن كثير ، بيروت . <u>السنن ، للنسائي</u> ، باب كيف الإستخارة ، الصفحة ٥٠٤ ، الرقم ٣٢٥٣ ، مكتبة المعارف الرياض . **السنن ، لأبي داود** ، الرقم ١٥٣٨/ ٣٨٥٨/ ٤٨٢٠/ ، مكتبة

٣٥- **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٨/ ٢٣٠ ، الرقم ٤٣ .

٣٦- تهذيب **الكمال** ، للمزي ، ١٧/ ٤٤٦ ، الرقم ٣٩٧٢ . تهذيب **التهذيب** ، للعسقلاني ، ٦/ ٢٨٢ ، الرقم ٥٥٢ . تقريب **التهذيب** ، للعسقلاني ، الصفحة ٦٠١ ، الرقم ٤٠٤٨ .

المعارف الرياض . **السنن ، للترمذي** ، الصفحة ١٢٧، الرقم ٤٨٠ ، مكتبة المعارف الرياض . **السنن ، لإبن ماجة** ، الصفحة ٢٤٥ ، الرقم ١٣٨٣ ، مكتبة المعارف الرياض.

٤. عَبْدُ الله بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ ، الأَفْطَحُ ، عَمُّ الإمام الرِّضا

امام صادق رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے ہیں، اسماعیل الاعرج، اوران کی بہن اُمّ فروہ کے ماں شریک ہیں، ان کی والدہ فاطمہ بنت حسین الاثرم ابن علی مرتضیٰ ہیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کا ذکر "المغني في الضعفاء" میں لائے ہیں، نیز اسی مقام پر امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا ان کے بارے میں "ليس بشيء" کا قول بیان کیا ہے۔ شہرستانی کے مطابق انھوں نے والد امام صادق رضی اللہ عنہ کے (۱۴۸ھ میں) وصال کرنے کے ستّر (۷۰) روز بعد انتقال کیا اور کوئی اَولاد نرینہ نہ چھوڑی۔

امام عسقلانی نے "لسان الميزان" میں شیخ ابن حزم کی "الجمهرة" کے حوالے سے بیان کیا:

> محدث زُرارۃ بن اَعین اوران کی جماعت عبد اللہ الافطح بن (جعفر بن) محمد (الباقر) کی امامت کے قائل تھے، پس ایک مرتبہ زُرارہ مدینہ منورہ آئے، تو عبد اللہ الافطح سے ملاقات ہوئی، پس انھوں نے ان سے فقہی مسائل پوچھے، تو وہ جواب ہی نہ دے سکے۔ جب زُرارۃ کوفہ واپس گئے تو ان کے احباب نے استفسار کیا، دریں حال کہ قرآن مجید ان کے سامنے رکھا ہوا تھا، تو انھوں نے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا: بس یہی میرا امام ہے اور کوئی نہیں۔ امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تشیع سے رجوع کر لیا تھا۔(۳۷)

شیعوں کا فرقہ "الأفطحية" یا "الفطحية" ان کی امامت کا قائل ہے، لیکن جمہور اہل تشیع اس کے مخالف ہیں، نیز ان کا کہنا ہے کہ ان کے پیروکاروں نے بھی قلیل عرصہ میں ہی امام کاظم رضی اللہ عنہ کی خلافت و جانشینی کا اقرار کر لیا تھا، جیسا کہ "بحار الأنوار"(۳۸) میں مذکور ہے۔

۳۷۔ **الملل والنحل** ، للشهرستاني ، ١/ ١٦٨ . **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ٣/ ٤٩٦ ، الرقم ٣١٩٨ .

۳۸۔ **بحار الأنوار** ، للعلامة باقر المجلسي ، ١١/ ٢٧٥-٢٨٣ ، ملخصاً .

ان کا وصال ۱۴۸ھ میں امام صادق رضی اللہ عنہ کے کچھ روز بعد ہوا، جیسا کہ مذکور ہوا۔ ان کے وصال پر متذکرہ بالا کتب اور جمہور شیعی مصادر کا اتفاق ہے، لہٰذا اس تناظر میں دیکھیں تو امام رضا کا ان سے سماع کرنا ممکن ہی نہیں، کیونکہ جس سال انھوں نے وصال کیا، اسی سال امام رضا رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی، تو بایں طور امام رضا نے ان کا زمانہ ہی نہیں پایا، پھر بھلا سماع حدیث کیونکر درست قرار دیا جاسکتا ہے، الغرض ان دستیاب معلومات کے پیش نظر راقم کا گمان یہ ہے کہ متذکرہ بالا ائمہ کو سہو لاحق ہوا ہے، یا پھر ان کا وصال کچھ عرصے بعد ہوا ہوگا، لیکن معلومات کی کمی اُن مقامات تک رسائی حاصل کرنے سے فی الحال قاصر ہے۔ واللہ اعلم

٥. عُبَيْدُ الله بْنُ أَرْطَاة بْنِ الـمُنْذر

ان کے حالات پر تلاش کے باوجود رسائی حاصل نہیں ہوئی، البتہ ان کے والد "أرطاة بن المنذر بن الأسود بن ثابت" معروف محدث اور صغار تابعین میں سے ہیں، کیونکہ انھوں نے حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ اور حضرت عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ، متوفی ۸۸ھ کی زیارت کی، جیسا کہ ذہبی کی "تاريخ الإسلام" اور عسقلانی کی "تهذيب التهذيب" میں ہے۔ ان کی کنیت "ابوعدی" ہے۔ طبقہ سادسہ میں "ثقة ،حافظ، فقيه" شمار ہوتے ہیں۔ ابوداود، ابن ماجہ، دارمی اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم ایسے محدثین نے ان کے طریق سے روایات لی ہیں۔ ۱۶۳ھ / ۱۵۶ھ میں وصال کیا۔

شیخ مزی نے "تهذيب الكمال" اور حافظ عسقلانی نے "تقريب التهذيب"[۳۹] وغیرہ میں تذکرہ لکھا ہے، لیکن تلامذہ میں بیٹے کا ذکر نہیں کیا۔ نیز اہل تشیع کے مصادر میں بھی اس نام سے کوئی ذکر نہیں مل سکا، واللہ اعلم۔

٦. عَلِيُّ بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ ، العُرَيْضِيُّ ، عَمُّ الإمام الرِّضا

آپ رضی اللہ عنہ امام صادق کے فرزند ہیں، آپ کی والدہ اُمّ ولد (کنیز) تھیں۔ آپ والد جعفر صادق[۴۰]، والد کے چچا زاد بھائی حسین بن زید بن علی زین العابدین، سفیان ثوری، مُعتّب مولی جعفر صادق، موسی کاظم اور ابوسعید مکی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ

۳۹۔ تهذيب الكمال ، للمزي ، ۲/ ۳۱۱ ، الرقم ، ۲۹۸ . تقريب التهذيب ، للعسقلاني ، الصفحة ۱۲۲ ، الرقم ۳۰۰ .

۴۰۔ امام مزی کہتے ہیں: یہ اپنے والد سے احادیث روایت کرتے ہیں، لیکن معلوم نہیں کہ انھوں نے سماع کیا یا نہیں؟ جبکہ امام عسقلانی نے بھی احتمال ہی کا ذکر کیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے شیخ عراقی نے انھیں "تحفة التحصيل في ذكر رُواة المراسيل" (باب العین، ص ۲۳۳) میں ذکر کیا ہے۔

سے روایت کرتے ہیں، جبکہ آپ سے احادیث روایت کرنے والوں میں بیٹے احمد بن علی بن جعفر، احمد ابن ابی بزّہ مکی المقری، بھتیجے محمد بن اسحاق بن جعفر کے بیٹے اسماعیل، پوتے عبد اللہ بن حسن، سلمہ بن شبیب نیشاپوری، نصر بن علی جہضمی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ممتاز ہیں۔ماہر انساب شیخ زبیر بن بکّار کہتے ہیں: آپ کے بیٹے محمد، حسن، احمد اور علی کی والدہ اُمّ ولد (کنیز) تھیں، جبکہ جعفر اور کَلثم فاطمہ بنت محمد بن عبد اللہ بن زین العابدین سے پیدا ہوئے۔اسحاق بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسماعیل نے کہا: انھوں نے ۲۱۰ھ میں وصال کیا۔

امام عسقلانی نے "تقريب التهذيب" میں انھیں "مقبول ، كبار من العاشرة" شمار کیاہے اورامام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "المستدرک" میں حدیث لے کر ضمنی توثیق کی ہے، جبکہ امام ذہبی نے "ميزان الاعتدال" میں "ما رأيت أحداً ليّنه ؛ نعم ولا مَن وثقه ، ولكن حديثه منكر جداً" کے ساتھ ذکر کیاہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے جو روایت لی ہے، اس کے کلمات میں اختلاف ہے۔بعض نسخوں میں صرف "غرابت" کا ذکر، جبکہ بعض میں "حسن غريب" بھی مذکور ہے۔شیخ مغلطائی نے "إكمال تهذيب الكمال" میں "سنن الدّارمي" میں آپ سے روایت کا تذکرہ کیا، لیکن ہمیں تلاش کے باوجود روایت میسر نہیں آسکی، اگر واقعی اس میں حدیث موجود ہے، تو یہ امام دارمی کی جانب سے توثیق ہوگی۔آپ سے کتب حدیث میں درج ذیل روایات معلوم ہوسکیں:

المسند ، للإمام أحمد ، ٢/ ١٧، الرقم ، ٥٧٦ ، مؤسسة الرسالة بيروت . المسند ، للبزار ، ٩/ ٢٦٤ ، الرقم ٣٨٠٣ ، مكتبة العلوم والحكم المدينة المنورة . المستدرك ، للحاكم ، ٣/ ١٨٨ ، الرقم ٤٨٠٢ ، دار الكتب العلمية . الأحاديث المختارة ، للمقدسي ، ٢/ ٤٣ ، الرقم ٤١٦/ ٤٢١ ، باب مسند علي بن أبي طالب ، دار خضر بيروت .السنن ، للترمذي ، كتاب المناقب ٤٦ ، باب ٢١ ، الرقم ٣٧٣٣ ، الصفحة ٨٤٦ ، مكتبة المعارف الرياض . السنن الكبرى ، للبيهقي ، ٧/ ٦٦ ، الرقم ١٣٢٨٥ ، دار الكتب العلمية . دلائل النبوة ، للبيهقي ، ١/ ٢٨٦ ، دار الكتب العلمية . المعجم الصغير ، للطبراني ، ٢/ ١٦٣ ، الرقم ٩٦٠ ، المكتب الإسلامي بيروت . المعجم الكبير ، للطبراني ، ٣/ ٤٣ ، ٢٦٥٤ ، مكتبة ابن تيمية بالقاهرة . كتاب الشريعة ، للآجري ، الصفحة ٢١٥١ ، الرقم ١٦٣٨ ، دار الوطن الرياض .

"تهذيب التهذيب" کے حواشی میں مصنف کی رمز کے ساتھ درج ہے:

آپ کو ”العُرَيْضِي“ کہا جاتا تھا کہ آپ مدینہ منورہ سے تین میل دور ”عُرَيْضٌ“ نامی جگہ پر سکونت پذیر رہے اور اسی مقام پر وصال فرمایا، نیز آپ کا شاندار مقبرہ بھی اسی جگہ موجود ہے۔[٤١]

٧. مُوْسَى الكَاظِمُ بْنُ جَعْفَرِ الصَّادِقِ ، وَالِدُ الإمام الرِّضا

آپ رضی اللہ عنہ کی ذات محتاج تعارف نہیں، اہل بیت کی ممتاز شخصیات میں سے ہیں، علم و معرفت اور زُہد و تقویٰ میں بلند مقام کے حامل تھے، محدثین وفقہاء کی کثیر تعداد نے علم واکتساب کی صورت میں استفادہ کیا۔ ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے حالات وسوانح سے متعلق پہلے مستقل تالیف ”امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ“ تحریر کی تھی، جسے مزید تحقیقی مواد کے اضافے اور نظر ثانی کے ساتھ کتاب ہذا کے باب سابق میں سمو دیا ہے، یوں اس کا مواد پہلے سے زیادہ منقّح ومبرہن ہو گیا، چنانچہ بایں ہمہ یہاں اختصار واِعادے کی حاجت نہیں، متعلقہ مقام کی جانب مراجعت کریں۔

٨. يَحْيىَ بْن جَعْفَرِ الصَّادِقِ ، عَمُّ الإمام الرِّضا

ان کا تذکرہ مصادر اہل سنت اور جرح وتعدیل کی کتب میں نہیں مل سکا، انھیں صرف مغلطائی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی متذکرہ بالا مقام پر ذکر کیا ہے۔ جمہور اہل تشیع کے یہاں بھی اس نام کے صاحبزادے کو مستقلاً ذکر نہیں کیا گیا، البتہ ”بحار الأنوار“، ”تذکرة الخواص“ اور ”كشف الغمة“ میں صرف نام بیان ہوا، تفصیلات درج نہیں[٤٢]۔ لہٰذا ہم شیخ مغلطائی کی نقل پر اعتماد کرتے ہوئے اسے باقی رکھ رہے ہیں، ممکن ہے کہ بعد اَزاں کسی مصدر سے توثیق وتردید کے شواہد بھی میسر آجائیں۔

٤١۔ **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٧/ ٢٩٣ . **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢٠/ ٣٥٢ ، الرقم ٤٠٣٥ . **إكمال تهذيب الكمال** ، للإمام مغلطائي ، ٩/ ٢٨٦، الرقم ٣٧٥٧. **تقريب التهذيب** ، للعسقلاني ، الصفحة ٦٩١ ، الرقم ٤٧٣٣ . **تحفة التحصيل في ذكر رواة المراسيل** ، للعراقي ، الصفحة ٢٣٣ . **العبر في خَبر مَنْ غَبر** ، للذهبي ، ١/ ٢٨٢ ، ذكر السنة ٢١٠هـ . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ، ١٤/ ٢٦٣ ، ذكر السنة ٢١٠هـ . **ميزان الأعتدال** ، للذهبي ، ٣/ ١١٧ ، الرقم ٥٧٩٩ . **خلاصة تذهيب تهذيب الكمال** ، للخزرجي ، الصفحة ٢٧٢. **معجم البلدان** ، للياقوت الحموي ، ٤/ ١٢٩ ، ٨٣٥٥ . ملخصاً بتصرف .

٤٢۔ **بحار الأنوار** ، للعلامة باقر المجلسي ، ١١/ ٢٧٥ . **تذكرة الخواص** ، للشيخ سبط ابن الجوزي ، الصفحة ٣٤٧ . **كشف الغمة** ، للشيخ الإربلي ، ٢/ ٣٧٤.

مسجد نبوی میں مسند علم و افتاء

امام علی رِضا رضی اللہ عنہ نے جس زمانے میں آنکھ کھولی وہ علم و آگہی کا ایسا روشن زمانہ تھا کہ ایک طرف ''قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ'' کی صدائیں تھیں، تو دوسری جانب فقہی اُصول وضوابط کے تحت قرآن وسنت سے اِستدلال واستنباط کرکے اُمت مسلمہ کے لیے مسائل مرتب کیے جارہے تھے، آپ کے عنفوانِ شباب کے زمانے میں بالخصوص فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی کتابیں مرتب ہورہی تھیں، البتہ فقہ شافعی اور فقہ حنبلی ابھی معرض وجود میں نہیں آئی تھی، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ابھی تحصیل علم میں مشغول تھے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تو پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، ایسے زمانے میں فقہ حنفی کا ظاہری مرکز عراق تھا، جبکہ فقہ مالکی کی تابانیاں مدینہ منورہ کی آغوش سے آشکار تھیں، امام رِضا کی ولادت چونکہ مدینہ منورہ میں ہوئی، اسی لیے آپ کو امام مالک رضی اللہ عنہ جیسی بے مثل شخصیت کی معاصرت بھی میسر آئی، اس دور میں مدینہ منورہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کا علمی شہرہ آفتاب سے بھی زیادہ روشن اور زبانِ زدعام تھا، طالبانِ علم شدِّرحال کرکے اِن سے مسائل ورِوایت لینے کے لیے کھنچے چلے آتے تھے، ایسے میں آلِ فاطمہ کے اِس دُرّنایاب کی علمی جوانی بھی دیدنی تھی، کہ مسجد نبوی میں اپنے نانا جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت میں مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وراثت لیے ہوئے مسند علم وافتاء آراستہ کیے ہوئے ہیں، چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آپ بحالت نوجوانی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں فتوی دیا کرتے تھے۔ (۴۳)

یہ فتاوی خاص مسجد نبوی میں صادر فرماتے، پس ابن جوزی ''المنتظم'' اور حافظ عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں لکھتے ہیں:

كَانَ يُفْتِي فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ هُوَ اِبْنُ نَيِّفٌ وَعِشْرِيْنَ سَنَة . (۴۴)

ترجمہ: آپ (علی رِضا رضی اللہ عنہ) تقریباً بیس سال کی عمر میں مسجد نبوی میں فتوی دیا کرتے تھے۔

۴۳۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ۹/ ۳۸۸ .

۴۴۔ المنتظم في تاريخ الملوك والأمم ، للابن الجوزي ، ۱۰/ ۱۱۹. تهذيب التهذيب ، للعسقلاني ، ۷/ ۳۸۷. التحفة اللطيفة ، للسخاوي . ۳/ ۲٦٤.

اس بارے میں امام بیہقی کی تفصیلی عبارت مسئلہ تقدیر کے تحت آرہی ہے(۴۵)۔الغرض علماء کا جم غفیر ایک طرف پر خانوادۂ رسالت کی تابانیاں ایک طرف،اگر چند لمحوں کے لیے غور کیا جائے تو بھلا امام مالک رضی اللہ عنہ کے آخری زمانے میں، جبکہ اُن کی شہرت دنیا بھر میں پھیل چکی تھی،کسے مجال تھی کہ اُنہی کے شہر میں مسند علم اور پھر مسند افتاء کو آراستہ کرے کہ سورج کے ہوتے ہوئے لوگ چراغ سے روشنی نہیں لیتے، بلکہ سورج سے اِستفادہ کرتے ہیں۔لیکن چشم فلک نے یہ نظارہ کئی بار دیکھا کہ بیس سال کا کم سن نوجوان حرم رسول میں بڑے احترام ووقار سے مسند علمی سجائے بیٹھااور پیاسوں کا اِک ہجوم ہے،جو سیراب ہونے کے لیے بیتاب ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے تعلق

اگرچہ یہ بات کسی کتاب یا امام کے قول میں نہیں، لیکن عشق ومحبت کے تقاضے اِسے واضح بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو مدینہ منورہ کے ساکن تھے،ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت بلند آپ تو شہر رسول کا بھی اتنا ادب واحترام کرتے تھے کہ کبھی اس میں قضائے حاجت نہیں کی،ہمیشہ شہر رسول میں برہنہ پا چلا کرتے اور قدم سنبھال کر رکھتے تھے،تو ایسے عاشق صادق کے بارے میں دل یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ ان کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اَولاد کا چشم وچراغ اور وہ بھی مسجد نبوی میں جہاں امام مالک روزانہ حاضر ہوتے،مسند علم وافتاء سجائے بیٹھا ہو اور سیّد العاشقین امام مالک کبھی اُن کے پاس تشریف بھی نہ لائے ہوں۔ایسی بے رُخی تو کوئی غیر بھی نہیں کرسکتا، پھر بھلا اُس امام جلیل کے بارے میں یہ گمانِ بد کیوں کر روا ہو؟ چنانچہ قرائن وشواہد تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امام رِضا نے اسی مقام پر امام مالک سے بھی ضرور کچھ نہ کچھ علمی استفادہ کیا ہو گا،اگرچہ یہ بات تحریری طور پر معلوم نہیں ہو سکی،واللہ اعلم۔(۴۶)

۴۵۔ **القضاء والقدر** ، للبيهقي ، بتحقيق : الشيخ صلاح الدين شكر ، الصفحة ۷۳۷ ، الرقم ۳۸۲ .

۴۶۔ ہم نے "امام علی رِضا رضی اللہ عنہ" کی طبع اوّل میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو احتمالاً تلمیذ بھی لکھا تھا، لیکن بعد ازاں "امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ" پر تحقیقی کام کرتے ہوئے واضح نص دیکھنے میں آئی، جس میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک کو آپ کے والد موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کا استاد تحریر کیا ہے، چنانچہ اس تصریح کے بعد ان کے بیٹے کے حق میں بھی تلمیذ والی جہت کالعدم ہو جاتی ہے، اسی لیے ہم بھی یہاں رجوع کرتے ہوئے اُستاد کی جہت کو ہی برقرار رکھ رہے ہیں۔واللہ اعلم

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کی شجاعت

شیخ ابو محمد صفوان بن یحیٰ کوفی بیان کرتے ہیں:

جب موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا اور ان کے بیٹے ابو الحسن (علی رِضا) جانشین مقرر ہوئے، تو انھوں نے ایسا کلام کیا جس کی وجہ سے ہمیں خطرہ لاحق ہوا (کہ حکومت وقت کوئی سنگین اقدام نہ کر بیٹھے) تو ہم نے ان کی خدمت میں عرض کی: حضور! آپ نے تو بہت بڑا معاملہ کر دیا اور ہمیں آپ کے حوالے سے خوف ہو گیا ہے کہ کہیں ہارون رشید کوئی سنگین قدم نہ اٹھالے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ اپنی پوری طاقت لگالے، لیکن میرے بال کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (۴۷)

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کے ذاتی محاسن، ائمہ کی نگاہوں میں

اہل بیت کی تعریف و توثیق کا واضح بیان قرآن مجید اور اَحادیث رسول میں ذکر فرمادیا گیا۔ اِسی لیے اِن کی تعظیم و توقیر کو ہر ایک پر مقدم جاننا اور ماننا اَز حد ضروری اور ایمان کامل کی شرائط میں سے ہے، لہٰذا یہی وجہ ہے کہ ہمیں تمام ہی صحابہ اور علماء و محدثین اِن حضرات کی مدح و ثناء میں مشغول دکھائی دیتے ہیں، اگرچہ جن اہل بیت کا ذکر خیر خاص کر قرآن و حدیث میں آیا، اُن کے مصادیق خصوصی ہیں، لیکن اُن کا فیضان عمومی اور تا قیامت آنے والے نسلوں کو شامل ہے۔ باقی رہا نسبت رسول کی بناپر احترام، تو اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں کہ سادات کو ہر جگہ ممتاز مقام و احترام دیا جائے گا۔ بہر حال اہل بیت ہونے کی بنا تو تمام ہی محدثین وغیرہ نے امام رِضا رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف کی ہی، لیکن اِن اُمور سے قطع نظر خاص ذاتی خوبیوں اور محاسن کی بنیاد پر بھی آپ کا مقام ائمہ کی نظروں میں بہت بلند ہے۔

مشک آں ست کہ ببوید
نہ آں کہ عطّار بگوید

ترجمہ: مشک تو وہ ہے؛ جو خود مہکے، نہ کہ وہ جسے عطر بیچنے والا بتائے کہ یہ مشک ہے۔

۴۷۔ الإتحاف بحبّ الأشراف، للشبراوي، الصفحة ۳۱٤. جامع كرامات الأولياء، للنبهاني، ۲/ ۳۱۲.

اِسے آسان الفاظ میں یوں سمجھیں کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ نے صرف نسب کی بنا پر تکیہ نہیں کیا، بلکہ نسبی شرافت کے ساتھ عملی میدان و علمی صفوف میں بھی اوّل درجہ کے کردار کا مظاہرہ فرمایا، جس سے شرافت نسبی کی عظمت بام عروج پر پہنچی، اور موجودہ دَور میں اس بات کی اَشد ضرورت ہے کہ سادات نسبی شرافت کے ساتھ علم و عمل کے میدانوں میں بھی بلند کردار کا مظاہرہ کریں، لیکن افسوس! آج کچھ حضرات صرف نسبی شرافت کو بنیاد بنا کر علم و عمل کی حقیقی نبوی میراث سے محروم نظر آتے ہیں، لہٰذا آج کے دور میں عاشقین رِضا کو چاہیے کہ اُن سے محبت کے ساتھ اُن کے اخلاق و عمل کو بھی اپنے لیے مشعل راہ بنائیں، تا کہ امام کے حقیقی چاہنے والوں میں شمار ہو سکیں۔ ورنہ صرف محبت کی دعویدار تو بہت سی خلقِ خدا ہے، پھر بھلا مخلص عاشق اور بناوٹی محبت کرنے والے میں کیا فرق بچے گا۔؟ اب ہم ذیل میں صرف چند ائمہ کے اقوال نقل کر رہے ہیں، جس سے ہماری گفتگو کی تائید اور امام رِضا کی ذات سے ان حضرات کی عقیدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ امام ابن ابی حاتم، متوفی ۳۵۴ھ "کِتَابُ الثِّقَاتْ" میں لکھتے ہیں:

> "علی بن موسی الرضا، ابو حسن علی" بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔ یہ اہل بیت کے سردار، ذہین و فطین، آل ہاشم میں ممتاز اور ذکی شخصیت کے حامل تھے۔[۴۸]

۲۔ امام ابو نصر ابن ماکولا، متوفی ۴۷۵ھ فرماتے ہیں:

> "الرِّضَا" اِن کا لقب ہے، مامون نے انھیں اپنا جانشین مقرر کیا، اِن کے پاس اپنے آبائے کرام سے مروی نسخہ تھا، جسے اُن سے روایت کرتے تھے، آپ علم و فضل میں اہل بیت کے سردار تھے۔[۴۹]

۳۔ امام شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں:

یہ (امام رِضا رضی اللہ عنہ) اپنے زمانے میں بنو ہاشم کے سردار، اُن میں ممتاز اور ذہین شخصیت کے حامل تھے۔[۵۰]

۴۸۔ كتاب الثقات ، للإمام ابن حبان ، ۸/ ٤٥٦ .

۴۹۔ الإكمال في رفع الإرتياب ، للإمام ابن ماكولا ، ٤/ ٧٥.

۵۰۔ تذهيب تهذيب الكمال ، للذهبي ، ۷/ ٤٥ ، الترجمة٤٨٤٣ .

تلامذہ و فیض یافتگان

کسی بھی شخصیت کے تعارف و پہچان میں اُس کے فیض یافتگان و تلامذہ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کسی عالم کی حقیقی پہچان و معرفت کے اَسباب میں سے ایک اُس کے لائق طلبہ ہوتے ہیں، کسی بلند مرتبہ صوفی کے مقام و معارف کی شناخت کا ایک پہلو اُس کے تربیت کردہ خلفاء و مریدین ہوتے ہیں، جن میں اُس کی تعلیم و تربیت کا عکس واضح نظر آتا ہے۔ الغرض کسی بھی علم و فن کے اُستاد کا علمی تفوق اُسی وقت صحیح طور پر دیکھا جاسکتا ہے، جبکہ اس کے تلامذہ میں بھی وہی رنگ جھلکتا نظر آئے، اس تناظر میں جب ہم امام رِضا کی شخصیت دیکھتے ہیں، تو نگاہوں کے سامنے اِن کے مکتب علم و معدنِ فیض سے مستفید ایسے چہرے جھلملاتے دکھائی دیتے ہیں، جن کی توصیف میں لسانِ ائمہ رطب اللّسان، جن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کو ائمہ صحاح جیسی معتبر شخصیات نے اپنے لیے باعث افتخار جانا، یعنی اَجل ائمہ، محدثین، فقہاء اور صوفیاء کی کثیر جماعت آپ کے فیض یافتگان میں ممتاز نظر آتی ہے۔

ذیل میں امام رِضا رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سے چند ائمہ کے نام اور اُن میں سے بعض کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے، جن سے بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ مکتب رِضا رضی اللہ عنہ کے فیض یافتہ حضرات کس پایہ کے علمائے ملت اور اَساطین اُمت شمار ہوتے تھے اور یہ زحمت ہم نے یوں بھی گوارا کرلی کہ ایک تو اسماء الرجال کی کتب میں "تذکرۃ الرضا" کے تحت بعض اوقات دو اور بعض اوقات تین چار کے قریب تلامذہ کے فقط نام ذکر کیے گئے، کسی بھی جگہ مفصل فہرست یا اُن کا احوال بیان نہیں کیا گیا اور دوسری وجہ یہ کہ امام ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں ایک مقام پر آپ کے بارے میں لکھا: آپ رضی اللہ عنہ سے ضعفاء نے روایت کیا ہے۔ یہ بات بظاہر اُن کی علمی تحقیق کا ہی ثمر ہوگی، لیکن اس بات کے لیے اسماء الرجال کی منتہی اور تاریخ و تراجم کی شہرۂ آفاق کتب سے جتنا ممکن ہوسکا، اسماء مع احوال تحریر کیے گئے ہیں، تاکہ کچھ نہ کچھ پردے نگاہوں سے اٹھیں۔ چنانچہ پہلے ہم علماء کی چند نقول پیش کریں گے، جن میں متفرق عبارات میں فیض یافتگان کا ذکر ہے، اور بعد اَزاں اجمالی فہرست ہوگی، جس میں تلامذہ کی تعداد اور کس امام نے انھیں آپ کے تلامذہ میں ذکر کیا ہے، اُسے حواشی میں لکھیں گے اور اَخیر میں منتخب افراد کا مختصر تذکرہ زیب قرطاس کریں گے۔ ان شاء اللہ

امام شمس الدین ذہبی "تذهيب تهذيب الكمال" اور "الكَاشِف" میں لکھتے ہیں:

اِن (امام رِضا) سے عبد السلام بن صالح، ابو عثمان مازنی، عامر بن سلیمان طائی اور داؤد بن سلیمان قزويني وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ نیز ان روایت کرنے والوں میں سے ہر ایک کے پاس (امام رِضا رضی اللہ عنہ سے) مروی حدیث کا نسخہ ہے، آپ سے روایت کرنے والوں میں بہت سی خلق خدا ہے، نیز آپ کے بہت سے بھائی بھی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۵۱)

جبکہ "سير اعلام النبلاء" میں لکھتے ہیں:

آپ سے ضعیف راویوں أبو الصَلْت عبد السلام ہروی، احمد بن عامر طائی، عبد اللہ بن عباس قزويني نے روایات کیا ہے اور بعض نے ان کا بھی ذکر کیا ہے: آدم ابن ابی ایاس، یہ عمر میں آپ سے بڑے تھے، احمد بن حنبل، محمد بن رافع، نصر بن علی جَهْضَمي، خالد بن احمد ذہلی الامیر۔ لیکن اکثر حضرات کے طرق کی صحت آپ کی جانب درست نہیں۔ مفید نے روایت کیا اور یہ ثقہ راوی نہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے بیان کیا اور انھیں ان کے والد نے بیان کیا، اُن سے علی بن موسی نے اپنے والد کے طریق سے روایت کیا۔ اس کے بعد ایسی حدیث ذکر کی گئی، جس کا متن منکر ہے۔

علی بن موسی رِضا رضی اللہ عنہ نے اپنے والد (موسی کاظم رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

جب دنیا کسی انسان کی طرف متوجہ ہوتی ہے، تو اس انسان میں بہت سے اضافی محاسن پیدا کر دیتی ہے اور جب دنیا اُس سے منہ موڑتی ہے تو اِس کی ذاتی خوبیوں کو بھی چھین لیتی ہے۔

۵۱۔ **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ۷/ ٤٤، الترجمة ٤٨٤٣. **الكاشف**، للذهبي، ۲/ ٤٨، الرقم ۳۹۷۱.

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

علی بن موسیٰ (رضا) نے اپنے والد سے بہت سے عجائبات کو روایت کیا ہے۔ آپ سے أبو الصلت ہروی اور دیگر حضرات نے روایت کیا ہے، روایت کرنے میں کبھی ان (ابو الصلت ہروی) کو وہم و خطا بھی ہوتی ہے۔ (۵۲)

امام علاء الدین مغلطائی حنفی لکھتے ہیں:

آپ سے حدیث کے ائمہ؛ معلی بن منصور، مضر بن ابی ایاس اور محمد رافع رحمۃ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں۔ (۵۳)

امام ابو العباس ابن خلکان "وَفِياتُ الأعْيَان وَ إنْبَاءُ أَبْنَاءِ الزَّمَان" میں لکھتے ہیں:

مشہور زمانہ بزرگ ابو محفوظ معروف بن فیروز علی کرخی۔ یہ علی بن موسی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے موالی (خادم) تھے۔ (۵۴)

یہ وہ نقول و عبارات تھیں، جو ہم نے اختصار کے ساتھ پیش کر دیں، اب اجمالی فہرست میں اِن کے علاوہ بھی اسماء کا شمار کریں گے، البتہ اُن کے مآخذ ذکر ہوں گے، تاکہ اہل علم کو مراجعت میں آسانی ہو اور مآخذ سے مراد یہ ہے کہ جہاں ائمہ و مؤرخین نے اُس نام کو آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں صریحاً ذکر کیا، یا پھر اُس مقام پر کوئی ایسی شہادت موجود ہے، جس سے سماع و استفادے کی صورت میں انھیں تلمیذ قرار دیا جاسکتا ہے۔ فتدبر

۵۲۔ سیر أعلام النبلاء، للذهبي، ۹/ ۳۹۰-۳۸۹.

۵۳۔ إكمال تهذيب الكمال، للإمام مغلطاي، ۹/ ۳۷۹.

۵۴۔ وفيات الأعيان، للإمام ابن خلّكان، ۵/ ۲۳۱، الرقم ۷۲۹.

تلامذہ و فیض یافتگان کی اجمالی فہرست

❖ أَبو الحَسَنْ آدَمُ ابْنُ أَبِي أَيَاسٍ ، الـمحَدِّثُ ، الإمامُ.(٥٥)

❖ أبو إسْحَاق إبْرَاهِيْمُ بْنُ الْعَبَّاسِ بْنِ محمَّدِ بْنِ صُوْلِ الـخُراسَانِيُّ ، مَوْلَى يَزِيْدِ بْنِ الـمُهَلَّبْ .(٥٦)

❖ أَبو بَكر أَحْمَدُ بْنُ الـحُبَّابِ بْنِ حَمْزَةَ ، الـحِمْيَرِيُّ ، النَسَّابَة.(٥٧)

❖ أبو عَبْدِ الله أَحْمَدُ بْنُ حَرْبِ بْنِ عَبْدِ الله بْنِ سَهْلِ بْنِ فَيْرُوْزٍ النَّيْسَابُورِيُّ ، الأَبدَالُ ، الصُّوْفِيُّ .(٥٨)

❖ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلْ ، أَمِيْرُ الـمُؤمِنِيْن فِي الـحَدِيْثِ ، الإمامُ ، الـحُجَّةُ ، صَاحِبُ الـمُسْنَدِ .(٥٩)

❖ أَحْمَدُ بْنُ رَزِيْنٍ .(٦٠)

❖ أَحْمَدُ بْنُ عَامِرِ بْنِ سُلَيْمَانَ ، الطَّائِيُّ .(٦١)

❖ أَحمدُ بْنِ عَلِيِّ بْنِ صَدَقَة .(٦٢)

❖ أَحمدُ بْنِ عِيْسَى بْنِ عَلِيِّ بْنِ الحُسَيْنِ الصَّغِيْرِ بْنِ عَلِيّ زَيْنِ العَابِدِيْن ، العَلَوِيُّ ، الـحَاكِمُ بِقَزْوِيْن .(٦٣)

❖ إسْحَاقُ بْنُ رَاهُوَيْة ، الـمُحَدِّثُ ، الفَقِيْهُ ، الـمُجْتَهِدُ ، صَاحِبُ الـمُسْنَدِ.(٦٤)

٥٥ـ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٩/ ٣٨٨ ، الرقم ١٢٥ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٨٧ . **التحفة اللطيفة** ، للسخاوي . ٣/ ٢٦٤.

٥٦ـ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٧/ ٣٠ ، الرقم ٣١٠٠ . **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم** ، للابن الجوزي ، ١١/ ٣٠٦ ، الرقم ١٤٥٢. **الأنساب** ، للسمعاني ، ٨/ ١١٢ ، تحت ذكر : الصولي .

٥٧ـ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٨ ، الرقم ٤١٤١ .

٥٨ـ **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم** ، للابن الجوزي ، ١٠/ ١٢٠ ، الرقم ١١١٤ .

٥٩ـ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٩/ ٣٨٨ ، الرقم ١٢٥.

٦٠ـ **حلية الأولياء** ، للإمام أبي نعيم ، ٣/ ١٩٢.

٦١ـ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٩/ ٣٨٨ ، الرقم ١٢٥. **النكت الظراف على الأطراف** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٦٦ ، الرقم ١٠٠٧٦ . **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٥/ ٥٥١ ، الرقم ٢٤٢٨ .

٦٢ـ **مسند الشهاب** ، للقضاعي ، ٢/ ٣٢٣ ، الرقم ١٤٥١ .

٦٣ـ **التدوين في أخبار قزوين** ، للرافعي القزويني ، ٢/ ٢١٢ .

❖ أَيُّوْبُ ابْنُ مَنْصُوْرٍ ، النَّيْسَابُوْرِيُّ .[65]

❖ أَيُّوْبُ بْنُ نُوْح بْنِ دَرَّاج ، النَّخَعِيُّ، مَوْلَاهُمْ الكُوْفِيُّ .[66]

❖ أَبو عُثْمَانَ بَكْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ المَازِنِيُّ ، النَّحْوِيُّ ، إِمَامُ العَرَبِيَّة ، صَاحِبُ كِتَابِ التَّصْرِيْفِ في عِلْمِ الصَّرْفِ .[67]

❖ اَلْحَسْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْنُسٍ .[68]

❖ خَالِدُ بْنُ أَحْمَدَ الذُهلِيُّ ، الأَمِيْرُ ، اَلـحَاكِمُ.[69]

❖ أَبُو أَحْمَدَ دَاؤُدُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ يُوْسُفَ ، القَزْوِيْنِيُّ ، الغَازِيُّ .[70]

❖ دَارَمُ بْنُ قَبِيْصَةِ بْنِ نَهْشَلِ ، الصَنْعَانِيُّ .[71]

❖ دَاوُدَ بْنُ القَاسِمِ بْنِ إِسْحَاق بْنِ عَبْدِ الله بْنِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، أبو هَاشِمٍ ، الـجَعْفَرِيُّ .[72]

❖ سُلَيْمَانُ بْنُ جَعْفَرٍ .[73]

❖ عَامِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الطَّائِي ، وَالِدُ أَحْمَدَ بْنِ عَامِر الطَّائِي ، الـمُحَدِّثُ .[74]

٦٤ـ **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم** ، للابن الجوزي ، ١٠/ ١٢٠ ، الرقم ١١١٤.

٦٥ـ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٨ ، الرقم ٤١٤١ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٨٧ .

٦٦ـ **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ٢/ ٢٥٧ ، الرقم ١٣٨٨ .

٦٧ـ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٩ ، الرقم ٤١٤١ . **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٧/ ٤٤ ، الرقم ٤٨٤٣ . **الكاشف** ، للذهبي ، ٢/ ٤٨ ، الرقم ٣٩٧١ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٨٧ . **البداية والنهاية** ، للإمام ابن كثير ، ١٤/ ١٢٨ . **النجوم الزاهرة** ، لابن تغرى بردي ، ٢/ ٢١٩ ، ذكر السنة ٢٠٣هـ . **التحفة اللطيفة** ، للسخاوي . ٣/ ٢٦٤.

٦٨ـ **تاريخ بغداد مع ذيوله** ، للخطيب البغدادي ، تتمة ذيل التاريخ لإبن النجار ، ١٩/ ١٣٦ ، الرقم ٩٦٩ .

٦٩ـ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٩/ ٣٨٨ ، الرقم ١٢٥.

٧٠ـ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٨ ، الرقم ٤١٤١ . **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٧/ ٤٤ ، الرقم ٤٨٤٣ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٨٧ .

٧١ـ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٨ ، الرقم ٤١٤١.

٧٢ـ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٩/ ٣٤١ ، الرقم ٤٤٢٤ . **الأنساب** ، للسمعاني ، ٣/ ٢٦٦ ، تحت ذكر : الجعفري .

٧٣ـ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٨ ، الرقم ٤١٤١ .

❖ أَبو الصَلْت عَبْدُ السَّلَامُ بْنُ صَالِح الـهَرَوِيّ ، الـمُحَدِّثُ ، الإمَامُ .[۷۵]

❖ عَبْدُ الله بْنُ عَبَّاسٍ ، القَزْوَيْنِيُّ .[۷۶]

❖ أَبُوْ العَبَّاسِ عَبْدُ الله الـمَأمُوْنُ بْنُ هَارُوْنِ الرَّشِيْدِ ، خَلِيْفَةُ الـمُسْلِمِيْنَ مِنْ بَنِي العَبَّاسِ.[۷۷]

❖ عَبْدُ الله بْنُ عَلِي ، العَلَوِيُّ .[۷۸]

❖ عَبْدُ الله بْنُ يَحْيٰى بْنِ مُوْسَى بْنِ جَعْفَر بْنِ مُحَمَّدٍ (اِبْنُ أَخ الإمَامِ عَلِيِّ الرِّضَا).[۷۹]

❖ أَبُوْ زُرْعَةَ عُبَيْدُ الله بْنِ عَبْدِ الكَرِيْمِ الرَّازِيُّ ، حَافِظُ الحَدِيْث ، الإمامُ ، الـحُجَّةُ .[۸۰]/ [۸۱]

❖ أَبو الحَسَن عَلِىُّ ابْنُ غُرَابٍ ، الفَزَارِيُّ ، الـمُحَدِّثُ.[۸۲]

❖ عَلِيّ بْنُ حَمْزَةَ ، الْعَلَوِيُّ .[۸۳]

❖ عَلِيّ بْنُ صَدَقَةَ ، الشَّطِّيُّ ، الرقِّيُّ .[۸۴]

۷۴۔ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٨ ، الرقم ٤١٤١ . **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٧/ ٤٤ ، الرقم ٤٨٤٣ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٨٧ .

۷۵۔ **السنن** ، للإمام ابن ماجة ، باب في الايمان ، الصفحة ٢٦ ، الرقم ٦٥ . **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٩ ، الرقم ٤١٤١. **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٧/ ٤٤ ، الرقم ٤٨٤٣ . **الكاشف** ، للذهبي ، ٢/ ٤٨ ، الرقم ٣٩٧١ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٩/ ٣٨٨ ، الرقم ١٢٥. **التحفة اللطيفة** ، للسخاوي ، ٣/ ٢٦٤.

۷۶۔ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٩/ ٣٨٨ ، الرقم ١٢٥. **البداية والنهاية** ، للإمام ابن كثير ، ١٤/ ١٢٨ .

۷۷۔ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٨ ، الرقم ٤١٤١ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٨٧ . **التذكرة** ، للإمام أبي المحاسن الحسيني ، الصفحة ١٢١٢ ، الرقم ٤٨١٢ . **البداية والنهاية** ، للإمام ابن كثير ، ١٤/ ١٢٨ . **النجوم الزاهرة** ، لابن تغرى بردي ، ٢/ ٢١٩ ، ذكر السنة ٢٠٣هـ . **التحفة اللطيفة** ، للسخاوي ، ٣/ ٢٦٤.

۷۸۔ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٨ ، الرقم ٤١٤١ .

۷۹۔ **النكت الظراف على هامش الأطراف** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٦٦ ، الرقم ١٠٠٧٦ .

۸۰۔ **الصواعق المحرقة** ، للإمام ابن حجر المكي ، ذكر الإمام الرِّضا ، الصفحة ٢٨٦ .

۸۱۔ ان کے تلمیذ ہونے کی حیثیت پر کلام آگے آرہا ہے۔

۸۲۔ **النكت الظراف على الأطراف** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٦٦ ، الرقم ١٠٠٧٦ .

۸۳۔ **الموضح لأوهام الجمع والتفريق** ، للخطيب البغدادي ، ٢/ ٣٩٥ .

❖ عَلِيُّ بْنُ عَلِيّ ، الـخُزَاعِيُّ ، الدِّعْبِلِيُّ ، الشَّاعِرُ .(۸۵)

❖ عَلِيُّ بْنُ مَهدِيٍّ بْنِ صَدَقَةَ بْنِ هِشَّامٍ ، القَاضِيُّ .(۸۶)

❖ مُحَمَّدُ بْنُ أَسْلَمَ الطُّوْسِيُّ ، أَمِيْرُ الـمُؤمِنِيْن فِي الـحَدِيْثِ ، الإمامُ ، العَارِفُ بِالله ، الأَبدَالُ.(۸۷)

❖ أَبوعَبْدُ الله محمَّدُ الرَافِعُ ، القُشَيْرِيُّ ، النَيْسَابُوْرِيُّ ، الـمُحَدِّثُ ، الإِمَامُ ، الثِّقةُ .(۸۸)

❖ مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادِ ، السُّلَمِيُّ (امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ صابونی کی ''المائتین'' کے حوالے سے ''السَّهْمِيُّ'' لکھا ہے۔(۸۹)

❖ مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَامِرِ ، البَجَلِيُّ .(۹۰)

❖ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الله بْنِ مُسْلِمٍ الصَّفَّارُ ، اللَّاحِقِيُّ .(۹۱)

❖ أَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى(اِبْنُ الإمام عَلِيِّ الرِّضَا).(۹۲)

❖ أَبوْجَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ حَيَّانَ التَّمَّارُ ، البَصَرِيُّ .(۹۳)

❖ مُسْلِمُ بْنُ صَالِحٍ .(۹۴)

۸۴۔ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ۲۱/ ۱۴۹ ، الرقم ۴۱۴۱ .

۸۵۔ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ۲۱/ ۱۴۹ ، الرقم ۴۱۴۱ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ۷/ ۳۸۷ .

۸۶۔ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ۲۱/ ۱۴۸ ، الرقم ۴۱۴۱ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ۷/ ۳۸۷ .

۸۷۔ **الصواعق المحرقة** ، للإمام ابن حجر المكي ، ذكر الإمام الرِّضا ، الصفحة ۲۸۶ .

۸۸۔ **إكمال تهذيب الكمال** ، للإمام مغلطاي ، ۹/ ۳۷۹ ، الرقم ۳۸۸۵ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ۹/ ۳۸۸ ، الرقم ۱۲۵. **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ۷/ ۳۸۷ . **التحفة اللطيفة** ، للسخاوي ، ۳/ ۲٦٤.

۸۹۔ **تحفة الأشرف** ، للمزّي ، ۷/ ۳٦٦ ، الرقم ۱۰۰۷٦ . **اللآلي المصنوعة** ، للسيوطي ، كتاب الايمان ، ۱/ ۳۵ .

۹۰۔ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ۲۱/ ۱۴۹ ، الرقم ۴۱۴۱ . **تحفة الأشرف** ، للمزّي ، ۷/ ۳٦٦ ، الرقم ۱۰۰۷٦ . **النكت الظراف** ، للعسقلاني ، ۷/ ۳٦٦ ، الرقم ۱۰۰۷٦ .

۹۱۔ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ۳/ ۴۳۸ ، الرقم ۹٦۵ .

۹۲۔ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ۲۱/ ۱۴۹ ، الرقم ۴۱۴۱ . **التذكرة** ، للحسيني ، الصفحة ۱۲۱۲ ، الرقم ۴۸۱۲ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ۷/ ۳۸۷ . **النجوم الزاهرة** ، لابن تغرى بردي ، ۲/ ۲۱۹ ، ذكر السنة ۲۰۳ھ .

۹۳۔ **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ۲۱/ ۱۴۹ ، الرقم ۴۱۴۱ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ۷/ ۳۸۷ .

۹۴۔ **مناقب علي بن أبي طالب** . للجزري ، الصفحة ۵۷ ، الرقم ٦۰ .

- ❖ أبومَحْفُوْظٍ مَعْرُوْفُ بْنُ فَيْرُوْز عَلِي ، الكَرْخِيُّ ، العَارِفُ بِالله ، شَيْخُ السَّلَاسِلِ الصُّوْفِيَة .[٩٥]
- ❖ مُضَرُ بْنُ أَبِي أَيَاسٍ .[٩٦]
- ❖ مُعَلَّى بْنُ مَنْصُوْر الحَنَفِيُّ ، الفَقِيْهُ ، الإمامُ ، شَيْخُ الشُّيُوْخ البُخَارِي ومُسْلِم وغيرها.[٩٧]
- ❖ مُوْسَى بْنُ عَلِي ، القُرُشِيُّ.[٩٨]
- ❖ نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ ، الجَهْضَمِيُّ ، المُحَدِّثُ ، الإمامُ ، شَيْخُ البُخَارِي ومُسْلِم وغيرها.[٩٩]
- ❖ هَارُوْنُ بْنُ سُلَيْمَانَ ، الغَازِيُّ .[١٠٠]
- ❖ أبو زكريا يَحْيىٰ بْنُ يحيىٰ بْنِ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحمانِ ، التَّمِيْمِيُّ ، النَّيْسَابُوْرِيُّ ، الإمَامُ ، الثِّقَةُ ، الثَّبَتُ.[١٠١]
- ❖ أبو سَعِيْد ياسِيْن بْنُ النَّضْرِ بْنِ يُونُس بْنِ سُلَيمان ، البَاهِلِيُّ ، القَاضِيُّ ، النَّيْسَابُوْرِيُّ .[١٠٢]
- ❖ آپ کے بہت سے بھائی بھی آپ سے روایت کرتے ہیں، جن کی تعداد بیس کے قریب ہے۔[١٠٣]

٩٥- **وفيات الأعيان** ، للشيخ ابن خلّكان ، ٥/ ٢٣١ ، الرقم ٧٢٩ . **الكواكب الدريّة** ، للمناوي ، ١/ ٧١٦ ، الرقم ٢٨٣. **شذرات الذهب** ، للشيخ ابن العماد ، ٢/ ٤٧٨ .

٩٦- **إكمال تهذيب الكمال** ، للإمام مغلطاي ، ٩/ ٣٧٩ ، الرقم ٣٨٨٥ .

٩٧- **إكمال تهذيب الكمال** ، للإمام مغلطاي ، ٩/ ٣٧٩ ، الرقم ٣٨٨٥ .

٩٨- **تهذيب الكمال** ، للمزّي ، ٢١/ ١٤٩ ، الرقم ٤١٤١ .

٩٩- **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٩/ ٣٨٨ ، الرقم ١٢٥. **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٨٧ . **التحفة اللطيفة** ، للسخاوي ، ٣/ ٢٦٤.

١٠٠- **النكت الظراف** ، للعسقلاني ، ٧/ ٣٦٦ ، الرقم ١٠٠٧٦ .

١٠١- **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم** ، للجوزي ، ١٠/ ١٢٠ ، الرقم ١١١٤ .

١٠٢- **ذكر أخبار إصبهان** ، للإمام أبي نعيم الاصبهاني ، ١/ ١٣٨ ، الترجمة : أحمد بن علي الأنصاري . **تاريخ مدينة دمشق** ، للإمام ابن عساكر ، ٤٨/ ٣٦٦ ، الرقم ٥٦٢٧ . رقم الحديث ١٠٤٥٧ .

١٠٣- **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٧/ ٤٤ ، الرقم ٤٨٤٣ .

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ سے متعلق سند پر اشکال

امام ابن حجر عسقلانی نے "النكت الظراف" میں سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ پر کلام کرتے ہوئے "معجم ابن الأعرابي" کے حوالے سے ایک سند بیان کی:

نَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى السَّاجِيُّ ، عَنْ عَبْدِ الغَنِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الحَسَنِ ، عَنْ عَبْدِ الله بْنِ يَحْيَى بْنِ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَخِيْهِ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى بِهِ . (۱۰۴)

لیکن جب ہم نے اصل کتاب "معجم ابن الأعرابي" میں دیکھا، تو وہاں سند بالا تغیر کے ساتھ یوں تھی:

نَا زَكَرِيَّا قَالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ الغَنِيِّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الحَسَنِ ، نَا عَبْدُ الله بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، قَالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ أَخِي عَلِيُّ بْنُ مُوْسَى ، عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّه ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ الحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ الله عَنْهُمْ، عَنْ أَبِيْهِ عَلِيّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ الله ﷺ :

"الإِيمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالقَلْبِ ، وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ ، وَ عَمَلٌ بِالأَرْكَانِ". (۱۰۵)

چنانچہ اگر ابن الاعرابی کی سند دیکھیں، تو اس میں چچا "عبد اللہ بن جعفر بن محمد" اپنے بھتیجے سیّدنا رِضا سے روایت کر رہے ہیں، تو اِس صورت میں چچا کی بھتیجے سے روایت شمار ہو گی۔ لیکن اگر عسقلانی کی سند دیکھیں، تو بھتیجا "عبد اللہ بن یحییٰ بن موسیٰ" اپنے چچا سیّدنا رضا سے روایت کر رہا ہے، تو اس صورت میں بھتیجے کی اپنے چچا سے روایت ہو گی۔

لیکن اس بحث پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر اوّل الذکر صورت مراد لی جائے یعنی عبد اللہ بن جعفر صادق اپنے بھتیجے سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ہوں، تو خلجان یہ ہے کہ وہ تو مشہور قول کے مطابق ۱۴۸ھ میں ہی وصال کر چکے، حالانکہ اسی سال امام رِضا کی پیدائش ہوئی، تو انھوں نے آپ سے حدیث کیسے روایت کی؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ ما قبل اَساتذہ کے ضمن میں گزر چکا کہ ائمہ نے تو انھیں امام رِضا رضی اللہ عنہ کے اساتذہ میں شمار کیا ہے، لہٰذا اس توجیہ کے مطابق وہ آپ رضی اللہ عنہ کے شیخ ہوں گے، تلمیذ نہیں، فافہم۔

۱۰۴- **النكت الظراف على هامش الأطراف**، للعسقلاني، ۷/ ۳٦٦، الرقم ۱۰۰۷٦.

۱۰۵- **المعجم**، للإمام ابن الأعرابي، الصفحة ۷۹۲، الرقم ۱٦۲۱.

اگرچہ ہمارے نزدیک ان کے حوالے سے دونوں ہی صورتیں یعنی شیخ اور تلمیذ محتاج دلیل ہیں، جیسا کہ ما قبل کلام گزر چکا۔ اور اگر دوسری صورت مراد لی جائے جیسا کہ عسقلانی کی سند میں مذکور ہے، تو ایسی صورت میں امام رضا رضی اللہ عنہ کا بھتیجا "عبد اللہ بن یحییٰ بن موسیٰ" روایت کرتے ہوئے اپنے چچا رضا کو "بھائی" کہہ رہا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رُاوۃ کا تصرف ہے، چنانچہ یا توں بھتیجے اور چچا کے درمیان کسی شخصیت کا واسطہ ہے، جو راویوں سے ساقط ہو گیا، یا پھر "بھائی" کا کلمہ ناقلین نے سہواً اضافہ کر دیا ہے، جس کے سبب اختلاط واشتباہ پیدا ہو رہا ہے، بہر کیف حافظ عسقلانی کی بیان کردہ سند میں راوی کا سماع تو ممکن ہے کیونکہ خاندانی نسبت اور زمانی معاصرت کے تمام عناصر پورے ہیں، البتہ تصریحات میسر نہیں، پس بایں طور اس پر کلام ممکن نہیں، لیکن یہ ابن الاعرابی والی سند سے قدرے واضح ہے اور اس میں تطبیق کا امکان موجود ہے، جبکہ وہاں ایسا امکان تقریباً ناپید ہے، فتدبر بين الأمرين . ہم نے امام رضا پر اپنی کتاب کی طبع اوّل میں ائمہ پر اعتماد اور زیادہ تحقیق سے کام نہ لینے کے سبب دونوں حضرات کو تلامذہ میں لکھ دیا تھا، لیکن موجودہ شواہد اور تحقیق کے پیش نظر یہاں رجوع کرتے ہیں۔

الغرض یہاں تک اُن تلامذہ و مستفیدین کے اسماء پیش کیے گئے، جنھیں حدیث و تاریخ کے ائمہ نے اپنی کتب میں ذکر کیا۔ ان کے علاوہ متاخرین علماء میں اہل بیت پر لکھنے والے معروف اہل علم شیخ نبہانی اور شیخ شبراوی کی تالیفات میں چند مزید بھی نام میسر آئے، جو واقعات و روایات کے ضمن میں مذکور تھے،، چنانچہ ہم نے انھیں بھی شامل کر لیا، البتہ متقدمین ائمہ سے امتیاز کے لیے ذیل میں اسماء الگ تحریر کیے جا رہے ہیں، لیکن یاد رہے ہمارے نزدیک یہ کتب استنادی لحاظ سے زیادہ معتبر نہیں، اس لیے اہل علم ان پر اپنی تحقیق کے مطابق رائے رکھ سکتے ہیں:

❖ بِكْرُ بْنُ صَالِح.[١٠٦]

اہل تشیع کے یہاں بحوالہ "رجال الطوسي" مذکور ہیں، اور ان کے نزدیک "ضعيفٌ جداً" شمار کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: "موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي، (٣١/ ١٣٨)"

❖ حَسَنُ بْنُ مُوْسَى.[١٠٧]

١٠٦- **الإتحاف بحُبّ الأشراف** ، للشُبراوي ، الصفحة ٣١٦. **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني ، الصفحة ٣١٣ .

علامہ شبراوی اور شیخ نبہانی نے ایک واقعے کو مذکورہ نام سے نقل کیا(یہ کرامت کے ضمن میں آرہاہے)، جس کی بنیاد پر ہم نے انھیں تلامذہ میں شمار کیاہے۔ لیکن یہ واقعہ اہل تشیع کی "بحار الأنوار" میں بھی موجود ہے اور وہاں "حسین بن کاظم، المعروف سیّد علاء الدین" ہے اوران کی محقق کتاب "موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي، (٢٩/ ٤١٤)" پر ان کے احوال ومدفن کا تفصیلی بیان بھی درج ہے، لہٰذا اقرین قیاس یہ ہے کہ دونوں حضرات کو نقل کرنے میں تسامح لاحق ہوا۔

❖ حُسَيْنُ بْنُ يَسَارٍ (أو يسارة).[١٠٨]

اہل سنت کے یہاں تذکرہ موجود نہیں، البتہ اہل تشیع میں سے علامہ خوئی نے "معجم رجال الحديث" میں انھیں امام رِضا رضی اللہ عنہ کا تلمیذ لکھاہے، ملاحظہ ہو: "موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي، (٣١/ ١٥٦)"

❖ حَمْزَة بْنُ جَعْفَرٍ الأَرْجَانِيُّ .[١٠٩]۔ان کا تذکرہ معلوم نہیں ہوسکا۔

❖ سَعِيْدُ بْنُ سَعْدٍ .[١١٠]

اہل تشیع کے یہاں اس نام سے تو کوئی فرد معلوم نہیں ہوسکا، البتہ "سعد بن سعد ابن الاحوص اشعری" اور "سعید بن سعید" نام کے رجال مذکورہیں، اور یہ دونوں ہی ان کے یہاں "ثقة" ہیں، ملاحظہ ہو: "موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي، (٣١/ ١٧٩-١٧٨)"۔

❖ صَفْوَانُ بْنُ يَحْيَى ، أَبُو مُحَمَّدٍ ، البَجَلِيُّ الكُوْفِيُّ (مِنْ اَصْحَابِ الإمَامِ الصادق والكاظِمِ والرضا).[١١١]

اہل تشیع کے یہاں "ثقة" وصاحب تالیف شمار کیے گئے ہیں، نیز انھیں ائمہ ثلاثہ کے تلامذہ میں لکھا گیا ہے، ملاحظہ ہو: "موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي، (٣١/ ١٨٢)"۔

١٠٧۔ **الإتحاف بحُبّ الأشراف** ، للشُبراوي ، الصفحة ٣١٨ . **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني، الصفحة ٣١٣ .
١٠٨۔ **الإتحاف بحُبّ الأشراف** ، للشُبراوي ، الصفحة ٣١٨. **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني، الصفحة ٣١٣ .
١٠٩۔ **الإتحاف بحُبّ الأشراف** ، للشُبراوي ، الصفحة ٣١٦ . **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني ، الصفحة ٣١٣ .
١١٠۔ **الإتحاف بحُبّ الأشراف** ، للشُبراوي ، الصفحة ٣١٧.
١١١۔ **الإتحاف بحُبّ الأشراف** ، للشُبراوي ، الصفحة ٣١٤. **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني ، الصفحة ٣١٢.

❖ مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسَىَ بْنِ أَبِي حَبِيْبٍ النبَاجِيُّ. [112]

ان کے یہاں اس نام سے دو افراد معروف ہیں، ایک "محمد بن عیسیٰ ابن یقطین" اور دوسرے "محمد بن عیسیٰ قمی"۔ ان میں سے اوّل الذکر "ثقة" ہیں، اہل سنت کی ان شخصیات نے جس عبارت کو ذکر کیا، ہمیں اس میں مذکور شخصیت کی تعیین نہیں ہو سکی، ملاحظہ ہو: "موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي، (٣١/ ٢٢٤-٢٢٣)"۔

❖ مُسَافِرٌ. [113]

انھیں بحوالہ "رجال الكشي" "سیّد نا رِضا رضی اللہ عنہ کا مولیٰ (خادم) بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: "موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي، (٣١/ ٢٢٨)"۔

❖ مُوْسَى بْنُ مِهْرَانٍ (أو؛ مروان) [114].

انھیں بحوالہ "رجال الطوسي" "تلمیذ رضا ذکر کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: "موسوعة سيرة أهل البيت، للقرشي، (٣١/ ٢٣٣)"۔ البتہ اہل سنت کے مذکورہ کتب میں محققین نے نسبت میں مہران کی جگہ مروان بھی لکھا ہے، پس اگر یہ دُرست ہو، تو پھر یہ کوئی اور شخصیت ہو گی، جس کا تذکرہ کتب تشیع میں نہیں مل سکا۔

اب ہم اوّل الذکر فہرست میں سے چند ائمہ کا مختصر تذکرہ کریں گے، جن سے ہمارا بنیادی مقصد یہ ہو گا کہ اِس امام کی علمی حیثیت کیا تھی؟ کن اَساتذہ سے اِکتساب علم کیا اور پھر ان کے تلامذہ کیسے پایہ کے علماء ہوئے؟ تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ سے اِکتساب علم اور رِوایت کرنے والوں میں ضعفاء اور اہل تشیع ہی نہیں، بلکہ اہلسنّت کے ائمہ اور امیر المومنین فی الحدیث ، فقہاء جیسی ممتاز شخصیات شامل ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

١١٢- **الإتحاف بحُبّ الأشراف** ، للشُبراوي ، الصفحة ٣١٧-٣١٦. **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني ، الصفحة ٣١١.

١١٣- **الإتحاف بحُبّ الأشراف** ، للشُبراوي ، الصفحة ٣١٤. **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني ، الصفحة ٣١٢.

١١٤- **الإتحاف بحُبّ الأشراف** ، للشُبراوي ، الصفحة ٣١٥. **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني، الصفحة ٣١٢ .

سرخیل صوفیاء معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام "معروف بن فیروز علی" کنیت "ابو محفوظ" ہے، "کرخ" کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے، اسی لیے "کرخی" کہلائے۔ امام سراج الدین عمر ابن الملقن مصری، متوفی ۸۰۴ھ "طبقات الأولیاء" میں لکھتے ہیں:

ابو محفوظ معروف بن فیروز کرخی۔ اُستادوں میں سے مستجاب الدعوات شخصیت تھے۔ مشہور صوفی سَری سقطی کے اُستاد ہیں۔ آپ کا وصال بغداد میں ۲۰۰ھ، جبکہ ایک قول کے مطابق ۲۰۱ھ میں ہوا۔ اہلیانِ بغداداِن سے استغاثہ کرتے اور کہتے: "معروف کرخی کی قبر (قبولیت دعا کے لیے) تریاق مجرب ہے"۔
ابو عبد الرحمٰن زہری نے فرمایا: معروف کرخی کی قبر مبارک مشکلات ٹالنے کے لیے مشہور ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا: جو ان کی قبر کے پاس سو مرتبہ "قل هو الله أحد" پڑھ کر اللہ تعالیٰ عزوجل سے کسی چیز کا سوال کرے، تو اس کی خواہش پوری ہو گی۔ (۱۱۵)

شیخ ابن خلکان "وَفِيَاتُ الأعْيَان وَ إنْبَاءُ أبْنَاءِ الزَّمَان" میں لکھتے ہیں:

معروف کرخی کے والدین نصرانی مذہب کے حامل تھے اور انھوں نے معروف کرخی کو بچپن ہی میں پادری کے سپرد کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ پادری نے آپ سے کہا: کہو؛ تین میں سے ایک۔ تو جواباً آپ نے کہا: نہیں، وہ تو ایک ہی ہے۔ اس پر معلم نے بہت مارا۔ آپ وہاں سے بھاگ نکلے، جب والدین کو پتا چلا کہ تو انھوں نے کہا: کاش ہمارا بیٹا واپس لوٹ آئے، خواہ کسی بھی دین پر ہو، ہم اس کی موافقت کریں گے بعد اَزاں معروف کرخی نے علی بن موسی رِضا رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور اپنے گھر واپس آئے، دروازے پر دستک دی، تو اندر سے آواز آئی کون؟ آپ نے کہا: معروف۔ پوچھا: کس دین پر ہو؟ کہا: اسلام پر۔ لہٰذا ان کے والدین

۱۱۵۔ **طبقات الأولياء**، للإمام ابن الملقّن، الصفحة ۲۸۰ .

نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ (۱۱۲)

سلاسل تصوف بالخصوص طریقہ قادریہ، سہروردیہ وغیرہ میں ان کا مقام ومرتبہ شرقاً غرباً مشہور ہے۔ ان کے خلفاء میں سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ پیشوائے طریقت ہوئے ہیں، جو عارف باللہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مربی ومرشد ہیں۔ معروف کرخی نے سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ کی حیات میں ہی وصال فرمایا۔ چونکہ آپ کی شخصیت معروف ہے، اس لیے مزید کلام کی حاجت نہیں، اہل ذوق طبقاتِ صوفیہ پر تحریر شدہ کتب کی جانب مراجعت کریں۔

فقیہ جلیل معلّی بن منصور حنفی رحمۃ اللہ علیہ

فقہ حنفی کے سرخیل وممتاز ائمہ میں سے بلند مقام کے حامل اور کبار محدثین کے اُستاذ ہیں، آپ کی شخصیت پر جرح وتعدیل کے کئی مسلّم ائمہ کے تعریفی کلمات موجود ہیں، آپ کی معروف کنیت "ابویعلی" جبکہ بیٹے "یحییٰ" کی وجہ سے "ابویحییٰ" بھی منقول ہے، امام اعظم ابوحنیفہ کے کبار تلامذہ سے اِستفادہ کیا اور پھر آپ سے کثیر خلق خدا مستفید ہوئی۔ آپ کے بارے میں امام ذہبی لکھتے ہیں:

> العلامة ، الحافظ ، الفقيه ، أبو يعلى الحنفي. شہر بغداد کے ساکن ومفتی تھے، پیدائش قریباً ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ اَساتذہ میں عکرمہ بن ابراہیم اَزدی، سلیمان بن ہلال، شریک القاضی، ابوعوانہ، صدقہ بن خالد، لیث بن سعد، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک اور قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہم جیسی شخصیات شامل ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں "فقہ ابوثور" کے بانی قاضی ابوثور، محمد ابن اسماعیل بخاری، محمد بن یحییٰ ذہلی، محمد بن اسحاق صاغانی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر شخصیات شامل ہیں۔ علی بن مدینی، امام ابوخیثمہ اور دیگر نے آپ کو "صدوق" امام یحییٰ بن معین نے "ثقة" اورابوحاتم نے "صدوقًا في الحديث" کہا ہے۔ شیخ عجلی کہتے ہیں: آپ کوئی

۱۱۲۔ **وفيات الأعيان** ، للإمام ابن خلّكان ، ٥/ ٢٣٢-٢٣١ ، الرقم ٧٢٩ . **كشف المحجوب** ، للشيخ الهجويري ، الصفحة ١٧٦ ، ذكره قصة إسلامه .

مرتبہ منصبِ قضاء کی پیش کش ہوئی، لیکن آپ نے کبھی قبول نہیں کی۔ شیخ ابن سعد اور احمد بن زہیر فرماتے ہیں: آپ کا وصال ۲۱۱ھ میں ہوا۔[۱۱۷]

آپ کی تصانیف میں "النوادر، الأمالي، كتاب الصلاة، كتاب الصّوم، كتاب الضَّحايا" کا ذکر ملتا ہے۔ "نوادر مُعلَّى بن منصور الرازي الحنفي" کو جامعہ اُمّ القریٰ، میں ماسٹرز کے تحقیقی مقالہ جات کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ ان کے طریق سے "صحیح بخاری" میں ۲، "صحیح مسلم"، "سنن ابی داود" اور "سنن ابن ماجہ" میں چار، "سنن دار قطنی" میں ۵۱، "سنن کبری، للبیہقی" میں ۱۴۱ اور "سنن کبری، للنسائی" اور "سنن ترمذی" میں تین تین روایات منقول ہیں، اور مختلف کتب حدیث میں تقریباً (۲۱۹) اَحادیث مروی ہیں۔

امیر المؤمنین فی الحدیث احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام برحق اور منصبِ شیخ الاسلام کے حقیقی مصداق، ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، مروزی، بغدادی۔ آپ کے والد "مرو" کے باشندے تھے، انھوں نے بحالت جوانی تیس سال کی عمر میں وصال کیا، اسی لیے امام موصوف کی پرورش یتیمی کی حالت میں ہوئی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے "صالح" والد سے نقل کرتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری پیدائش ربیع الاوّل ۱۶۴ھ میں ہوئی۔ میں والد کے ساتھ "مرو" آیا، تو وہاں نوجوانی میں اُن کا وصال ہو گیا، بعد اَزاں والدہ نے پرورش فرمائی۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> میں نے ۱۶۹ھ ہی سے احادیث کی سماعت شروع کر دی تھی، میں نے حماد بن زید (متوفی ۱۷۹ھ) کی موت کے بارے میں اُس وقت سنا، جبکہ میں "ہُشیم (بن بشیر ابو معاویہ سلمی)" کی مجلس میں (تحصیل علم کے لیے) بیٹھا ہوا تھا۔

آپ کے اساتذہ میں ابراہیم بن سعد، ہشیم بن بشیر، عباد بن عباد، معتمر بن سلیمان تیمی، سفیان بن عیینہ ہلالی، قاضی ابو یوسف، علی بن غراب، وکیع بن جراح، یحییٰ قطان، محمد بن اِدریس شافعی رحمۃ اللہ علیہم جیسے علمائے اسلام شامل ہیں۔ نیز آپ کے تلامذہ میں بخاری، مسلم، ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی اور بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہم جیسے محدثین ممتاز نظر آتے ہیں۔

۱۱۷۔ سير أعلام النبلاء، للذهبي، ۱۰/ ۳٦٥.

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے چالیس سال کی عمر میں شادی کی اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے مجھے خیر کثیر (اولاد) سے نوازا۔

اورآپ کے بیٹے عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے ابو بکر بن حماد کو کہتے ہوئے سنا، انھوں نے ابن ابی شیبہ سے سنا، وہ فرماتے تھے: احمد بن حنبل سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ انھوں نے یہ بات کہاں سے لی؟

ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) کو دیکھا، گویا اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان میں اوّلین وآخرین کا علم جمع کر دیا ہے۔ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: احمد بن حنبل کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ عزوجل اور لوگوں کے درمیان حجت ہے۔ آپ کا وصال بارہ ربیع الاوّل ۲۴۱ھ میں ظہر سے قبل ہوا۔ آپ کے جنازے میں سات لاکھ افراد شریک ہوئے۔ آپ کی وصیت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک آپ کی آنکھوں اور منہ پر رکھے گئے اوراسی حالت میں آپ کو دفن کیا گیا۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "سير أعلام النبلاء" میں آپ کا تذکرہ گیارہویں جلد میں صفحہ ۱۷۷ تا ۳۵۷ یعنی کل ۱۸۰ صفحات پر کیا ہے[۱۱۸]۔ تفصیلات وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نے بضرورت چند باتیں اَخذ کی ہیں، ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، محدثین صحاح وسنن اورائمہ حدیث وفن ان کے چشمہ علم سے سیراب ہوئے ہیں۔

امام المحدثین محمد بن اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث وتصوف کے امام، محدثین وائمہ کے شیخ اور صوفیائے زَمن کے مقتدا" أَبو الحَسَن مُحَمَّدُ بْنُ أَسْلَمَ بْنِ سَالِمِ بْنِ يَزِيْدِ الطُّوْسِيُّ "۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "سير أعلام النبلاء" میں ان کا تعارف یوں لکھتے ہیں:

الإمام ، الحافظ الربانيّ ، شيخ الإسلام ، أبو الحسن ، الكندي مولاهم الخراساني الطوسي. ان کی پیدائش ۱۸۰ھ کے قریب ہوئی۔ انھوں نے یزید بن ہارون، یعلیٰ بن عبید، قبیصہ، نضر بن شُمیل، عبد الحکم بن میسرہ صاحب ابن جریج اور حسین بن ولید نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہم سے سماع کیا، نیز آپ سے روایت کرنے والوں میں امام الائمہ ابن خزیمہ، ابو بکر بن ابی داؤد، محمد بن وکیع طوسی اورابراہیم بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔

۱۱۸۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ۱۱/ ۱۷۷ .

امام ابو عبد اللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا: یہ ایسے ابدال تھے، جن کے نقوش کی پیروی کی جاتی ہے۔ جبکہ شیخ محمد بن رافع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں محمد بن اسلم کے پاس حاضر ہوا تو میں نے (عبادات و تقوی کے تناظر میں) انھیں اَصحاب رسول سے تشبیہ دی۔ جبکہ امام المحدثین ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہمیں انھوں نے حدیث بیان کی، جن کی مثل آنکھوں نے نہیں دیکھا یعنی ابو عبد اللہ محمد بن اسلم۔

آپ کی فضیلت پر فقیہ اسلام اسحاق بن راہویہ کی یہ شہادت کافی ہے:

ایک مرتبہ انھوں نے حدیث "إن الله لا يجمع أمة محمد صلى الله عليه وسلم على ضلالة فإذا رأيتم الاختلاف ، فعليكم بالسواد الاعظم" بیان کی، تو ایک شخص نے دریافت کیا: اے ابو یعقوب! سوادِ اَعظم کون ہے؟ تو فرمایا: محمد بن اسلم اور ان کے اَصحاب [119]۔ اس کے بعد فرمانے لگے: میں نے پچاس سال سے کسی عالم کے بارے میں نہیں سنا، جس نے محمد بن اسلم سے زیادہ سنن نبوی کو تھام رکھا ہو۔

شیخ محمد بن موسی باشانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: محمد بن اسلم نے محرم ۲۴۲ھ میں نیشاپور میں وصال کیا۔ بعد اَزاں حاکم وقت طاہر بن عبد اللہ نے نماز جنازہ کی امامت کی اور پھر فقیہ اسحاق بن راہویہ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ [120]

محدث و فقیہ اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ

امام شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام "اسحاق" اور لقب "ابن راہویہ" ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: "اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم تمیمی حنظلی مروزی نیشاپوری"۔ پیدائش ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ اتباع تابعین کی کثیر جماعت سے اکتساب علم کیا۔ آپ کے

۱۱۹۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے متذکرہ بیان کے علاوہ امام ابو نعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو "حلیۃ الاولیاء" میں ان کے تذکرہ کی ابتداء ہی ان کلمات سے کی ہے: ومنهم السليم الأسلم المذكور بالسّواد الأعظم ، الطوسي أبوالحسن محمد بن أسلم. نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس وصف پر چند دلائل بھی لکھے ہیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا ایمان افروز تذکرہ لکھا ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، اہل ذوق ضرور مطالعہ فرمائیں۔

۱۲۰۔ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ۱۲/ ۱۹۵ . **حلية الأولياء** ، للإمام أبي نعيم ، ۹/ ۲۳۸. **طبقات الحفاظ** ، للسيوطي ، الصفحة ۲۳۸ ، الرقم ۵۲۸ . **الجرح والتعديل** ، للامام ابن أبي حاتم ، ۷/ ۲۱۰. **التاريخ الصغير** ، للبخاري ، ۲/ ۳۴۷. ملخصاً.

شیوخ میں شیخ فضل بن موسی سینانی، فضیل بن عیاض، معتمر بن سلیمان، سفیان بن عیینہ، اسماعیل ابن علیہ، وکیع بن جراح، عبد الرحمن بن مہدی اور عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہم نیز خراسان، عراق، حجاز، یمن اور شام کے ممتاز اہل علم شامل ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والوں میں احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، اسحاق بن منصور، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، ابو داؤد، نسائی، محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہم جیسے محدثین صحاح وسنن شامل ہیں۔

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے وہب بن جریر کو کہتے ہوئے سنا:

اللہ تعالیٰ عزوجل اسحاق بن راہویہ، صدقہ بن فضل اور یعمر ابن بشر کو اسلام کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے کہ انھوں نے مشرق (عام طور پر اس سے عجمی ممالک مثلاً ایران، افغانستان، ہندو غیرہ مراد ہوتے ہیں) میں سنت کو زندہ کیا۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اسحاق بن راہویہ حفظ وفتویٰ میں اپنے زمانے کے امام تھے، نیشاپور میں رہے اور وہیں وصال کیا۔ حالانکہ آپ "مروزی" تھے۔

محمد بن اسلم طوسی نے فرمایا: جب اسحاق نے انتقال کیا، تو میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا تھا، جو اسحاق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ عزوجل کی خشیت رکھنے والا ہو۔ جبکہ بعض حضرات نے تو یہاں تک کہا: اگر آج حسن بصری، سفیان ثوری اور حماد جیسے لوگ زندہ ہوتے، تو انھیں بھی بہت سے معاملات میں اسحاق کی ضرورت پڑتی۔ امام احمد بن حنبل سے اسحاق بن راہویہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ایسوں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا، بیشک اسحاق تو ہمارے نزدیک امام ہیں۔ ابو یزید محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق کو کہتے ہوئے سنا: میں نے ستر ہزار احادیث سینے میں محفوظ کر رکھی ہیں۔ جبکہ ابوزُرعہ رازی کہتے ہیں: میں نے اسحاق سے بڑا حافظ نہیں دیکھا[۱۲۱]۔ شیخ دُولابی کہتے ہیں: انھوں نے نصف شعبان ۲۳۸ھ میں وصال کیا[۱۲۲]۔ شیخ خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں:

> آپ کے والد کو "راہویہ" اس لیے کہا جاتا تھا کہ اُنکی پیدائش راستے میں ہوئی، اسی لیے اہلیان مَرو انھیں "راہویہ" راستے میں پیدا ہونے والا کہنے لگے۔[۱۲۳]

۱۲۱۔ حالانکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ الاسلام" میں اور دیگر ائمہ نے اپنی کتب میں ان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں تقریباً چھ لاکھ احادیث کا حافظ بیان کیا ہے، جبکہ دیگر بعض نے دو اور تین لاکھ کی تعداد ذکر کی ہے، لہٰذا جس کے بارے میں وہ گواہی دیں، اُس کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ فافہم

۱۲۲۔ سير أعلام النبلاء، للذهبي، ۱۱/ ۳۸۳-۳۵۸. ملخصاً.

۱۲۳۔ الأعلام، للزّركلي، ۱/ ۲۹۲.

شیخ المحدثین محمد بن رافع نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

دوسری صدی ہجری میں علم حدیث کے ممتاز امام اور اکابر محدثین کے شیخ ہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

> الإمام ، الحافظ ، الحجة ، القدوة ، بقية الأعلام ، ابوعبد اللہ (محمد بن رافع) ابن ابی زید قشیری نیشاپوری۔ آپ کا نام "سَابُوْر" ہے۔ پیدائش ۱۷۰ھ کے بعد کی دہائی میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہوئی۔ نو سال کی عمر میں سفر علم شروع کیا اور کثیر علمائے زَمن سے اکتساب کیا۔

امام حاکم نے "التاریخ" میں کہا:

> آپ اپنے زمانے میں سچائی اور سفر علم میں خراسان کے شیخ شمار کیے جاتے تھے۔ آپ نے سفیان بن عیینہ، معن بن عیسیٰ، ابن ابی فدیک، وکیع، یونس بن نمیر رحمۃ اللہ علیہم و دیگر ائمہ حدیث سے استفادہ کیا۔ آپ کے تلامذہ میں محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم ، ابوداوٗد، نسائی، ترمذی، ابوزُرعہ، ابو بکر بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہم جیسے جلیل الشان محدثین وائمہ شامل ہیں۔(۱۲۴)

ائمہ صحاح وسنن کے شیخ اور شیخ الشیوخ ہیں، ان کے طریق سے "صحیح بخاری" میں ۷، "صحیح مسلم" میں ۴۲۸، "صحیح ابن خزیمہ" میں ۱۰۱، "صحیح ابن حبان" میں ۲۳، "سنن نسائی" میں ۵۳، "سنن ابی داود" میں ۲۲، "سنن ترمذی" میں ۱۷، اور "سنن کبری، للبیہقی" میں ۹۱ اَحادیث منقول ہیں، نیز مختلف کتب میں (۸۵۴) اَحادیث مروی ہیں۔

اُستاد بخاری و مسلم نصر بن علی بصری رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث کے معتبر امام، ائمہ صحاح کے اُستاد ہیں، اَتباع تابعین سے اکتساب علم کیا، ان کے والد اور بیٹے بھی ممتاز محدثین کی جماعت میں شامل ہیں، جرح وتعدیل کے مسلّم ائمہ مثلاً امام ذہبی، امام ابن ابی حاتم اور امام ابن حجر

۱۲۴۔ سیر أعلام النبلاء ، للذهبي ، ۱۲/ ۲۱٤ .

عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں ”ثقة ، ثبت ، أحفظ“ قرار دیا ہے۔ امام مزی نے ”تهذيب الكمال“ میں مفصل تذکرہ لکھا ہے، جس میں شیوخ و تلامذہ اور تعدیل کی بابت نصوص بھی شامل ہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

الحافظ ، العلامة ، الثقة ،ابو عمرو نصر بن على الأزدي الجهضمي البصري الصغير.

آپ کی پیدائش سن ۱۶۰ھ کی دہائی کے بعد کسی زمانے میں ہوئی۔ آپ کے اساتذہ میں یزید بن زُریع، نوح بن قیس حدانی، سفیان بن عیینہ، ابن علیہ اور عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابرین شامل ہیں، نیز آپ سے روایت واستفادہ کرنے والوں میں، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابو داؤد، بقی بن مخلد اور اِبن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ جیسے اَساطین اُمت شامل ہیں۔

ابن ابی حاتم سے سوال کیا گیا: آپ کے نزدیک نصر بن علی اور عمرو بن علی صیرفی میں کون زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نصر میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے کہ وہ ”أوثق ، أحفظ ، ثِقة“ ہے۔ سرّاج اور دیگر حضرات نے کہا: آپ کا وصال ۲۵۰ھ میں ہوا، جبکہ امام بخاری نے اسی سال ربیع الآخر کے مہینے میں وصال لکھا ہے۔ [۱۲۵]

شیخ ابن العماد ”شَذَرَاتُ الذَّهَبْ فِي أَخْبَارِ مَنْ ذَهَبْ“ میں لکھتے ہیں:

قال أبو بكر بن أبي داود : كان المستعين طلب نصر بن علي ليوليه القضاء فقال لأمير البصرة : حتى أرجع فاستخير الله ، فرجع وصلّى ركعتين وقال : اللّهم إن كان لي عندك خير ، فاقبضني إليك . ثم نام فنبهوه فإذا هو ميت رحمه الله تعالى . مات في ربيع الآخر سنة إحدى وخمسين ومائتين فيها . [۱۲۶]

۱۲۵۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ۱۲/ ۱۳۳ .

۱۲۶۔ شذرات الذهب ، للشيخ ابن العماد ، ۳/ ۲۳۳ . تهذيب الكمال ، للمزّي ، ۲۹/ ۳۶۱ .

ترجمہ: ابو بکر بن ابی داؤد نے کہا: (خلیفہ) مستعین (باللہ) نے نصر بن علی کو منصب قضاء کے لیے پیش کش کی، تو آپ نے جواباً بصرہ کے حاکم (عبد الملک) سے کہا: اجازت دیجیے، تاکہ اللہ تعالیٰ عزوجل سے اِستخارہ کرلوں، چنانچہ آپ (دوپہر کے وقت) واپس آئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگی: اے اللہ! اگر میرے حق میں تیرے پاس خیر ہو تو مجھے اپنے قرب میں اُٹھالے۔ پھر آپ سو گئے، جب جگایا گیا، تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ان پر رحمت فرمائے۔ (ایک قول کے مطابق) انھوں نے ۲۵۱ھ میں وصال کیا۔

ان کے طریق سے "صحیح بخاری" میں ۵، "صحیح مسلم" میں ۵۷، "صحیح ابن خزیمہ" میں ۲۴، "صحیح ابن حبان" میں ۵۶، "سنن نسائی" میں ۱۸، "سنن ترمذی" میں ۶۱، "سنن ابی داود" میں ۴۹، اور "سنن ابن ماجہ" میں ۷۷ اَحادیث مروی ہیں، نیز مختلف کتب حدیث میں مجموعی طور پر (۷۷۶) اَحادیث منقول ہیں۔

محدث آدم بن ابو ایاس عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ محدثین صحاح وسنن کے شیخ اور علم حدیث کے مسلّمہ امام ہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

الإمام، الحافظ، القدوة، شیخ الشام، ابو الحسن آدم بن ابی ایاس خراسانی، مروذی، بغدادی۔ والد کا نام "ناہیہ بن شعیب" جبکہ بعض نے "عبد الرحمٰن" ذکر کیا ہے۔ ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حرمین شریفین، مصر، شام اور عراق کے ائمہ، مثلاً ابن ابی ذئب، مبارک بن فضالہ، شعبۃ بن حجاج، لیث بن سعد اور شیبان نحوی سے استفادہ کیا اور آپ سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، ابوزرعہ دمشقی اور ابو حاتم رازی جیسے حضرات شامل ہیں۔ محمد بن سعد نے کہا: آپ کا وصال جمادی الآخر ۲۲۰ھ میں ہوا۔ اُس وقت عمر قریباً ۸۸ برس تھی۔[۱۲۷]

۱۲۷۔ سیر أعلام النبلاء، للذهبي، ۱۰/ ۳۳۵.

امام محمد بن اسماعیل بخاری نے "الصحیح" میں ان سے بطریق شعبہ بن حجاج، ابن ابی ذئب، سلیمان بن مغیرہ، شیبان اور اسرائیل وغیرہ(۱۹۲)روایات لی ہیں۔اسی طرح نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، ابن حبان اورابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہم جیسے مقتدر محدثین نے کتب میں آپ سے مرویات نقل کی ہیں۔البتہ امام مسلم اور امام ابو داود نے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف کتب میں قریباً(۷۳۲)اَحادیث مروی ہیں، آپ کی زیادہ تر مرویات طبقہ سابعہ اور ثامنہ سے ہیں، البتہ سند عالی کی چند روایات طبقہ خامسہ وسادسہ سے بھی منقول ہیں۔آپ کے بیٹے "عبید بن آدم" اور پوتے "محمد بن عبید بن آدم" بھی راویانِ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ائمہ جرح وتعدیل میں سے ابو حاتم رازی نے انھیں "ثقة ، مأمون ، متعبد من خیار عباد الله" امام ابوداؤد نے "ثقة" اور امام ابن حجر عسقلانی نے "ثقة عابد" ذکر کیا ہے۔

امام النحو والأدب ابو عثمان مازنی رحمۃ اللہ علیہ

أبو عثمان بكر بن محمد بن بقية المازني. جبکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:بكر بن محمد بن عدي. قبیلہ "بنی مازن بن شیبان" سے تعلق رکھتے تھے۔بعض نے کہا: اَصلاً تو "بنی سدوس" کے مولیٰ تھے، لیکن "بنی مازن بن شیبان" کے یہاں رہنے کی وجہ سے مشہور ہوئے، انھوں نے اپنے زمانے میں بصرہ کے تین یکتائے علم افراد شیخ ابو عبیدۃ معمر بن المثنی بصری تمیمی، متوفی ۲۰۹ھ، شیخ ابو سعید عبد الملک بن قرب قیسی باہلی بصری، المعروف "اصمعی" متوفی ۲۱۶ھ اور شیخ ابو زید سعید بن ثابت انصاری بصری، متوفی ۲۱۵ھ سے اکتسابِ علم کیا۔آپ کے تلامذہ میں علم نحو کی شہرۂ آفاق شخصیت "ابو العباس محمد بن یزید المعروف مبرّد" متوفی ۲۸۵ھ کا نام ہی کافی ہے۔مبرّد نے کہا:سیبویہ کے بعد نحو کو مازنی سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔آپ کی تصانیف میں سے چند یہ ہیں:"ما تلحن فيه العامة ، الألف واللام ، كتاب التصريف ، كتاب العروض ، الديباج"۔سن وصال میں اختلاف ہے:۲۴۹ھ، ۲۴۸ھ، ۲۴۷ھ، جبکہ بعض نے ۲۳۰ھ بھی بیان کیا، لیکن ۲۴۷ھ درست ہے، کیونکہ آپ کا خلیفہ متوکل کی محفل میں بیٹھنا اور مکالمہ کرنا ثابت ہے اور اسے خلافت ہی ۲۳۲ھ میں ملی تھی۔جس سال یعنی ۲۴۷ھ میں آپ کا وصال ہوا، اُسی سال میں متوکل کا بھی قتل ہوا۔(۱۲۸)

۱۲۸۔ **المنصف شرح كتاب التصريف** ، للشيخ ابن جنّی النّحوي ، أحوال المصنف ، ۳/ ۳۱۳. **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ۱۲/ ۲۷۰. **الأعلام** ، للزّركلي ،۳/ ۶۹.

محدث علی بن غُراب رحمۃ اللہ علیہ

امام علاء الدین مغلطائی حنفی، متوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

ابو الحسن / ابو الولید، علی بن عبد العزیز فزاری، انھیں "علی بن غراب" بھی کہا جاتا ہے۔ ابن سعد نے انھیں اہل کوفہ کے طبقہ سابعہ میں شمار کیا ہے۔ امام بخاری نے "التاریخ" میں احمد بن حنبل سے نقل کیا: ابن غراب روایت میں تدلیس کرتے تھے۔ اس پر امام بخاری نے فرمایا: تدلیس کے باوجود میں نے انھیں سچا ہی پایا۔

امام ابو حفص بن شاہین نے "کتاب الثقات" میں انھیں "ثقہ" قرار دیتے ہوئے فرمایا: ابن ابی شیبہ کا بھی یہی موقف ہے۔ خلیفہ بن خیاط نے فرمایا: ان کا وصال ۱۸۴ھ میں ہوا۔ ابن سعد نے کہا: ان کا وصال کوفہ میں ۱۸۴ھ اَوائل خلافتِ ہارون میں ہوا[۱۲۹]۔ طبقہ ثامنہ سے تعلق رکھتے ہیں، امام نسائی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ، دار قطنی، بزار، حاکم اور بیہقی سمیت اَجلہ محدثین نے ان سے راویات لی ہیں، جبکہ امام بخاری نے بھی صحیح کے علاوہ کتب میں ان کی روایت درج کی ہے۔ حافظ عسقلانی نے "النکت الظراف"[۱۳۰] میں ان کی روایت کو متابعاً امام رِضا سے بیان کیا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی امام رِضا سے روایت کرنے والوں میں سے ایک ہیں، اگرچہ آپ عمر میں امام سے بڑے ہیں۔

منصبِ خلافت کی پیشکش اور امام رِضا رضی اللہ عنہ کی فراست

امام رِضا رضی اللہ عنہ کو مسند نشین ہونے کی خواہش نہ تھی، آپ کا منشاو مقصود اسلامی اَحکامات کا نفاذ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے آباء واَجداد نے بھی مسند نشینی کے لیے کبھی تگ ودو نہیں کی، بلکہ سیّدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے تو خون ریزی اور اُمت میں فساد کے پیش نظر خود اپنی خلافت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی، تاکہ خلافت کو بنیاد بنا کر کوئی اُمت میں رخنہ اَندوزی نہ کرنے پائے۔ اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے تمام ہی ائمہ اہل بیت نے ساری عمر صرف اصلاح و تبلیغ اور اسلام کی حمایت میں بسر فرمائی، جب کبھی حکومت وقت کی جانب سے اُمورِ خلافت و مناصب کی پیشکش کی بھی گئی، تو بھی انھوں

۱۲۹۔ إكمال تهذيب الكمال، للمغلطائي، ۹/ ۳٦۰، الرقم ۳۸۲۹.

۱۳۰۔ النكت الظراف على الأطراف، للعسقلاني، ۷/ ۳٦٦، الرقم ۱۰۰۷٦.

نے اِعراض فرماتے ہوئے کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ہارون رشید کا امام کاظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ناروا سُلوک تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو کر رہ گیا، لیکن اِن تمام کے باوجود بھی امام موصوف نے کوئی انتقامی کاروائی گوارا نہیں فرمائی، اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کے پاس قوت موجود نہ تھی، کیونکہ اگر امام چاہتے تو بالخصوص حرمین شریفین اور کوفہ سے ہی آپ کے اتنے عقیدت منداور خاندان والے جمع ہو جاتے کہ ہارون کا پایہ تخت کچھ عرصے میں نیست ونابود ہو جاتا۔

بہر کیف حالات زمانہ کی تبدیلی نے عرصہ دراز کے بعد ایسی کروٹ لی کہ اہل بیت کے چراغ امام رِضا رضی اللہ عنہ کو منت سماجت کے ساتھ خلافت کے لیے پیشکش کی گئی، جس میں اِسے آپ کا حق کہہ کر قبول کرنے کو کہا گیا، بلکہ بعض کتب میں تو یہاں تک منقول ہے کہ مامون نے کہا: میرے آباءواَجداد نے آپ کے خاندان کا حق ادا نہیں کیا۔ اس کا اشارہ آگے توثیق خلافت کی دستاویز میں بھی آرہا ہے، تو ان تمام کاروائیوں کے بعد امام نے یہ کہتے ہوئے قبول کیا:

تمہاری شدید خواہش کی بنیاد پر میں اسے قبول کرتا ہو، لیکن مجھے یہ اَمر پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا کہ ''جفر اور جامعہ'' اس کے پورا نہ ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔

یہ جفر اور جامعہ کیا ہے؟ اس کی بارے میں امام سیّد شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ ''شرح المواقف'' میں لکھتے ہیں:

اَلجَفْرُ وَالجَامِعَةُ كِتَابَانِ لِعَلِيٍّ رَضِي الله تَعَالى عَنْهُ قَدْ ذَكَرَ فِيْهِمَا عَلَى طَرِيْقَةِ عِلْمِ الحُرُوْفِ الحَوَادِثَ الَّتِي تُحْدِثُ اِلَى اِنْقِرَاضِ العَالَمِ وَكَانَتِ الأَئِمَّةُ المَعْرُوْفُوْنَ مِنْ أَوْلَادِهِ يَعْرِفُوْنَهُمَا وَيَحْكُمُوْنَ بِهَا. وَفِي كِتَابِ قُبُوْلِ العَهْدِ الَّذِي كَتَبَهُ عَلِيُّ بْنُ مُوْسَى رَضِىَ الله تَعَالَى عَنْهُمَا اِلَى المَأْمُوْنِ : اِنَّكَ قَدْ عَرَفْتَ مِنْ حُقُوْقِنَا مَا لَمْ يَعْرِفْهُ أَبَاؤُكَ ، فَقَبِلْتُ مِنْكَ عَهْدَكَ اِلَّا اَنَّ الجَفْرَ وَ الجَامِعَةَ يَدُلَّانِ عَلَى اَنَّهُ لَا يَتِمُّ . وَ لِمَشَائِخِ المَغَارِبَةِ نَصِيْبٌ مِنْ عِلْمِ الحُرُوْفِ يَنْتَسِبُوْنَ فِيْهِ اِلَى أَهْلِ البَيْتِ وَرَأَيْتُ أَنَا بِالشَّامِ نَظْمًا أُشِيْرَ فِيْهِ بِالرُّمُوْزِ اِلَى أَحْوَالِ مُلُوْكِ مِصْرَ وَسَمِعْتُ اَنَّهُ مُسْتَخْرَجٌ مِنْ ذَيْنِكَ الكِتَابَيْنِ . [۱۳۱]

۱۳۱۔ **شرح المواقف** ، للسيّد الجرجاني، النوع الثاني من الأنواع الخمسة، المقصد الثاني ، العلم الواحد وتعلّقه بمعلومين ،٦/ ٢٣.

ترجمہ: جفر و جامعہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی دو کتابیں ہیں، آپ نے اِن دونوں میں علم الحروف کی روش پر ختم دنیا تک جتنے وقائع ہونے والے ہیں، (اشارۃً) انھیں ذکر کر دیا ہے۔ اِن کی اولاد سے ائمہ رضی اللہ عنہم اُن کتابوں کے رُموز جانتے اور اُن سے احکام نکالتے تھے۔ مامون نے جب امام علی بن موسیٰ (رِضا) کو اپنے بعد ولی عہد مقرر کیا اور خلافت نامہ لکھ دیا تو امام رضی اللہ عنہ نے اس کے قبول میں ایک فرمان تحریر فرمایا: "تم نے ہمارے حق پہنچانے، جو تمہارے باپ دادا نے نہ پہچانے۔ اس لیے میں تمہاری ولی عہدی قبول کرتا ہوں، مگر "جفر و جامعہ" بتا رہی ہیں کہ یہ کام پورا نہ ہو گا۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور امام علی رِضا نے مامون رشید کی زندگی ہی میں شہادت پائی)"۔ مشائخ مغرب کو بھی اس علم سے حصہ ملا، جسے وہ اہلبیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں نے ملک شام میں ایک نظم دیکھی، جس میں شاہانِ مصر کے احوال کی طرف رُموز میں اشارہ کیا گیا ہے۔ میں نے سنا کہ وہ احکام بھی انھیں دونوں کتابوں سے نکالے گئے تھے۔

الغرض مامون کو امام رِضا رضی اللہ عنہ سے ایسی عقیدت ہوئی، جس کا ظہور اس کے افعال سے بھی مترشح تھا، چنانچہ امام ذہبی اور شیخ صفدی کی یہ عبارت اسی بات کو واضح کرتی ہے۔

مامون نے آپ سے خراسان آنے کی درخواست کی اور آپ کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، حتی کہ آپ کو اپنا ولی عہد نامزد کیا۔[۱۳۲]

مامون کی امام رِضا رضی اللہ عنہ سے عقیدت کو ہم کسی غیر مستند مؤرخ کے قول کی بنیاد پر بناوٹی قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ مامون کو بھلا ایسی جعلی محبت ظاہر کرنے اور اپنانے سے کیا فائدہ تھا؟ وہ تو خود حاکم وقت تھا، اُسے بھلا کیا پڑی تھی کہ تصنع اختیار کرتا، جبکہ حقیقت تو ائمہ کے کلام اور خود مامون کے افعال سے ظاہر ہے کہ اُسے اہل بیت کی عظمت کا احساس ہو گیا تھا اور وہ اپنے آباء کا اہل بیت کے ساتھ ناروا سلوک بھی دیکھ چکا تھا، لہٰذا وہ اپنے تئیں معافی کا خواستگار تھا، نیز مامون کا

۱۳۲- سير أعلام النبلاء، للذهبي، ۹/ ۳۸۸. الوافي بالوفيات، للصّفدي، ۲۲/ ۱۵٦.

امام رِضا رضی اللہ عنہ سے محبت کا تعلق اتنا مضبوط ہو چلا تھا کہ اس کی رعایا اور درباری افراد کو بھی اس کا بخوبی اندازہ تھا، جس کی ایک جھلک ذیل کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

مامون رشید ان کی تعظیم کا بہت خیال رکھتا تھا، اسی لیے مامون نے اپنے بعد خلافت کا منصب بھی آپ کے سپرد کر دیا تھا، حتی کہ کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا" لگتا ہے کہ بادشاہ خود معزول ہو کر اِن کی پیروی اختیار کرلے گا"۔ (۱۳۳)

اس عبارت میں مامون کی امام رِضا رضی اللہ عنہ سے والہانہ محبت کا اندازہ اُس کے دربار سے وابستہ ہونے والوں لوگوں پر بھی آشکار تھا کہ وہ اپنی خلافت کو بھی امام کے قدموں پر قربان کرنے سے گریزاں نہ ہو گا۔ اسی بات کو تاریخ کے مستند عالم شیخ صفدی اور امام سیوطی نے واضح طور پر یوں لکھا:

مامون نے اِرادہ کیا کہ وہ اَز خود خلافت سے دستبردار ہو جائے اور یہ منصب علی بن موسی رِضا رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دے۔ (۱۳۴)

مذکورہ بالا حقائق کے بعد اب خفا باقی نہیں رہتا کہ مامون کی امام رِضا رضی اللہ عنہ سے محبت کا تعلق سیاسی نہیں، بلکہ حقیقی تھا، اللہ تعالی عزوجل نے اسے توفیق بخشی تھی کہ وہ اہل بیت کے دامن سے وابستہ ہو جائے اور اپنے ظالم آباء کے نقش قدم پر نہ چلے، جنھوں نے ناحق اہل بیت کا خون بہایا تھا۔ ہمیں علمائے اسلام اور ماہرین تاریخ کے کلام سے یہی بات واضح نظر آتی ہے، لیکن ان تمام کے باوجود دِلوں کا پوشیدہ حال اور حقیقت کا علم اللہ تعالی عزوجل کے پاس ہے، البتہ ہمیں یقینی دلیل کے بغیر کسی مسلمان کے لیے بدگمانی کرنے کا شریعت نے کوئی بھی حق نہیں بخشا۔ لہٰذا تاریخی کتب کا مطالعہ کرنے والے حضرات بھی اس نکتہ کا ضرور خیال رکھیں۔

۱۳۳- تذهيب تهذيب الكمال، للذهبي، ۷/ ٤٥، الرقم ٤٨٤٣.

۱۳۴- الوافي بالوفيات، للصّفدي، ۲۲/ ۱۵۵. تاريخ الخلفاء، للسيوطي، الصفحة ٤٨٧، ذكر خلافة المأمون.

خلیفہ مامون کے ہاتھوں سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ کے لیے لکھی گئی دستاویزِ خلافت کا متن

بسْم الله الرحمٰن الرّحيم

هَذَا كتَابٌ كتَبَهُ عَبْدُ الله بْنُ هارُوْن الرَّشِيْدِ ، أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِيَدِهِ لِعَلِيِّ بْنِ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرٍ وَلِيِّ عَهْده . أَمَّا بَعْدُ :

فَإِنَّ الله اصْطَفَى الإِسْلَامَ دِيْناً ، وَ اصْطَفَى لَهُ عِبَادَهُ رُسُلاً دَالِّيْنَ عَلَيْهِ ، وَهَادِيْنَ إِلَيْهِ ، يُبَشِّرُ أَوَّلُهُمْ بِآخِرِهِمْ ، وَيُصَدِّقُ تَالِيهُمْ مَاضِيَهُمْ ، حَتَّى انْتَهَتْ نُبُوَّةُ الله تَعَالَى إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ، وَدُرُوْسٍ مِنَ العِلْمِ ، وَانْقِطَاعٍ مِنَ الوَحْيِ، وَاقْتِرَابٍ مِنَ السَّاعَةِ ، فَخَتَمَ الله بِهِ النَّبِيِّيْنَ ، وَجَعَلَهُ شَاهِداً لَهُمْ ، وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِمْ ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابَهُ العَزِيْزَ الَّذِي ﴿ لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِه تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ[١٣٥] ﴾. بِمَا أَحَلَ وَحَرَّمَ ، وَوَعَدَ وَأَوْعَدَ ، وَحَذَّرَ وَ أَنْذَرَ ، لِيَكُوْنَ لَهُ الحُجَّةُ البَالِغَةُ عَلَى خَلْقِهِ ،﴿ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ الله لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ[١٣٦] ﴾.

فَبَلَّغَ عَنِ الله رِسَالَتَهُ ، وَدَعَا إِلَى سَبِيْلِهِ بِمَا أَمَرَهُ بِهِ مِنَ الحِكْمَةِ وَالمَوْعِظَةِ الحَسَنَةِ ، وَالمُجَادَلَةِ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ، ثُمَّ الجِهَادِ وَالغِلْظَةِ حَتَّى قَبَضَهُ الله إِلَيْهِ ، وَاخْتَارَ لَهُ مَا عِنْدَهُ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم ، فَلَمَّا انْقَضَتِ النُّبُوَّةُ ، وَخَتَمَ الله بِمُحَمَّدٍ الوَحْيَّ وَ الرِّسَالَةَ ، جَعَلَ قِوَامَ الدِّيْنِ وَنِظَامَ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ بِالخِلَافَةِ ، وَإِتْمَامَهَا وَعِزَّهَا ، وَالقِيَامَ بِحَقِّ الله فِيْهَا بِالطَّاعَة الَّتِي بِهَا تُقَامُ فَرَائِضُ الله وَحُدُوْدُهُ وَشَرَائِعُ الإِسْلَامِ وَسُنَنُهُ ، وَ يُجَاهَدُ بِهَا عَدُوُّهُ .

فَعَلَى خُلَفَاءِ الله طَاعَتُهُ فِيْمَا اسْتَخْلَفَهُمْ ، وَ اسْتَرْعَاهُمْ مِنْ أَمْرِ دِيْنِهِ وَعِبَادِه ، وَعَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَاعَةُ خُلَفَائِهِمْ وَمُعَاوَنَتُهُمْ عَلَى إِقَامَةِ حَقِّ الله وَعَدْلِهِ ، وَ أَمْنِ السُّبُلِ ، وَحِقْنِ الدِّمَاءِ ، وَ إِصْلَاحِ ذَاتِ البَيْنِ ، وَجَمْعِ الأُلْفَةِ ، وَ فِي خِلَافِ ذَلِکَ اضْطِرَابُ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ ، وَاخْتِلَافُ مِلَّتِهِمْ ، وَقَهْرُ دِيْنِهِمْ، وَاسْتِعْلَاءُ عَدُوِّهِمْ ، وَتَفَرُّقُ الكَلِمَةِ ، وَخُسْرَانُ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ ، فَحَقٌّ عَلَى مَنِ اسْتَخْلَفَهُ فِي أَرْضِهِ ، وَائْتَمَنَهُ عَلَى خَلْقِهِ أَن يُجْهِدَ لله نَفْسَهُ ، وَيُؤْثِرَ

١٣٥- **القرآن الكريم**، سورة فصلت ، ٤١/ ٤٢ .

١٣٦- **القرآن الكريم**، سورة الأنفال ، ٨/ ٤٢ .

عَلَى مَا فِيْهِ رِضَى الله وَطَاعَتُهُ ، وَيَعْمَلَ لِمَا الله وَاقِفُهُ عَلَيْهِ ، وَسَائِلُهُ عَنْهُ ، وَ يَحْكُمَ بِالحَقِّ ، وَيَعْمَلَ بِالعَدْلِ فِيمَا حَمَلَهُ الله وَقَلَّدَهُ ، فَإِنَّ الله عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ لِنَبِيِّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ﴿ يٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ [١٣٧] ﴾ وقال تعالى: ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [١٣٨] ﴾.

وَبَلَغَنَا أَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ قَالَ : " لَوْ ضَاعَتْ سَخْلَةٌ بِشَاطِيءِ الفُرَاتِ لَتَخَوَّفْتُ أَن يَسْأَلَنِيَ الله عَنْهَا ". وَأَيْمِ الله! إِنَّ المَسْؤُوْلَ عَنْ خَاصَةِ نَفْسِهِ عَلَى عَمَلِهِ فِيمَا بَيْنَ الله وَبَيْنَهُ لِيُعْرِضَ أَمْرٌ كَبِيْرٌ عَلَى خَطْرٍ عَظِيْمٍ ، فَكَيْفَ بِالمَسْؤُوْلِ عَنْ رِعَايَةِ الأُمَّةِ ، وَبِالله الثِّقَةُ ، وَ إِلَيْه المَفْزِعُ وَالرَّغْبَةُ فِي التَّوْفِيْقِ وَالعِصْمَةِ وَالتَّسْدِيْدِ وَالهِدَايَةِ إِلَى مَا فِيْهِ ثُبُوْتُ الحُجَّةِ ، وَالفَوْزُ مِنَ الله ، وَالرِّضْوَانُ وَالرَّحْمَةُ ، وَأَنْظَرُ الأَئِمَّةِ لِنَفْسِهِ وَأَنْصَحُهُمْ لله فِي دِيْنِهِ وَعِبَادِهِ، وَخِلَافَتِهِ فِي أَرْضِهِ مَنْ عَمِلَ بِطَاعَتِهِ وَدِيْنِهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي مُدَّةِ أَيَّامِهِ وَبَعْدَهَا ، فَأَجْهَدُ رَأْيَهُ وَنَظَرَهُ فِيْمَنْ يُوَلِّيهُ عَهْدَهُ ، وَيَخْتَارُهُ لِإِمَارَةِ المُسْلِمِيْنَ وَرِعَايَتِهِمْ بَعْدَهُ ، وَيَنْصُبُهُ عِلْماً لَهُمْ ، وَمَفْزِعاً فِي جَمْعِ أُلْفَتِهِمْ، وَلَمِّ شَعْثَهُمْ ، وَحِقَنِ دِمَائِهُمْ ، وَالأَمْنِ بِإِذْنِ الله مِنْ فِرْقَتِهِمْ ، وَفَسَادِ ذَاتِ بَيْنِهِمْ ، واخْتِلَافِهِمْ ، وَرَفْعِ نَزْغِ الشَّيْطَان وَكَيْدِه عَنْهُمْ. وَإِنَّ الله عَزَّوَجَلَّ جَعَلَ العَهْدَ بَعْدَ الخِلَافَةِ مِنْ تَمَامِ أَمْرِ الإِسْلَامِ وَكَمَالِهِ وَعِزِّهِ وَصَلَاح أَهْلِهِ ، وَأَنَّهُمْ خُلَفَاؤُهُ مِنْ تَوْكِيْدِهِ لِمَنْ يَخْتَارُوْنَهُ لَهُمْ مِنْ بَعْدِهِمْ مَا عَظُمَتْ بِهِ النِّعْمَةُ ، وَسَلِمَتْ فِيْهِ العَاقِبَةُ ، وَيَنْقُضُ الله بِذَلِكَ الشِّقَاقَ وَالعَدَاوةَ ، وَالسَّعْيَّ فِي الفِرْقَةِ ، وَالتَرَبُّصَ لِلْفِتْنَةِ .

وَلَمْ يَزَلْ أَمِيْرُ المُؤْمِنِيْنَ مُذْ أَفَضْتُّ إِلَيْهِ الخِلَافَةَ ، فَاخْتَبَرَ بِشَاعَةِ مَذَاقِهَا ، وَثِقْلِ مَحْمَلِهَا ، وَشِدَّةِ مُؤُوْنَتِهَا ، وَمَا يَجِبُ عَلَى مَنْ تَقَلَّدَهَا مِن ارْتِبَاطِ طَاعَةِ الله وَمُرَاقِبَتِهِ فِيمَا حَمَلَهُ فِيْهَا وَأَنْصَبَ بَدَنَهُ ، وَ أَسْهَرَ عَيْنَهُ ، وَأَطَالَ فِكْرَهُ فِيمَا فِيْهِ عِزُّ الدِّيْنِ ، وَقَمْعُ المُشْرِكِيْنَ ، وَصَلَاحُ الأُمَّةِ ، وَنَشْرُ العَدْلِ ، وَ إِقَامَةُ الكِتَابِ وَالسُّنَّةِ ، وَمَنَعَ ذَلِكَ مِنَ الخِفْضِ ، وَالدّعْة ، وَمِهَنَّأَ العَيْشِ ، عِلْماً بِمَا الله سَائِلُهُ عَنْهُ ، وَمَحَبَّتُهُ أَن يَلْقَى الله مُنَاصِحاً فِي دِيْنِه وَعِبَادِهِ ، وَمُخْتَاراً لِوَلَايَةِ عَهْدِهِ وَرِعَايَةِ الأُمَّةِ مِنْ بَعْدِه أَفْضَلُ مَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ فِي دِيْنِهِ وَوَرَعِهِ ، وَأَرْجَاهُمْ لِلقِيَام بِأَمْرِ الله وَحَقِّهِ ، مُنَاجِياً لله

١٣٧ـ **القرآن الكريم**، سورة ص، ٣٨/ ٢٦ .

١٣٨ـ **القرآن الكريم**، سورة الحجر، ١٥/ ٩٣-٩٢.

بِالاسْتِخَارَةِ فِي ذَلِکَ ، وَمَسْأَلَتُهُ إِلهَامُهُ مَا فِيْهِ رِضَاهُ وَطَاعَتُهُ فِي آنَائ لَيْلِهِ وَنَهَارِهِ ، مُعَمّلاً فِي طَلَبِهِ ، وَ التِمَاسِهِ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ مِنْ وُلْدِ عَبْدِ الله بْنِ العَبَّاسِ وَعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ.

فَكَّرَهُ وَنَظَرَهُ ، مُقْتَصِراً فِيْمَنْ عُلِمَ حَالُهُ ، وَمَذْهَبُهُ مِنْهُمْ عَلَى الحَقِّ عِلْماً بَالِغاً فِي المَسَأَلَةِ فِيْمَنْ خَفِيَ عَلَيْهِ أَمْرُهُ ، وَجُهْدُهُ وَطَاقَتُهُ ، حَتَّى اسْتَقْضَى أُمُوْرُهُمْ مَعْرِفَةً ، وَ ابْتَلى أَخْبَارَهُمْ مُشَاهَدَةً وَكَشَفَ مَا عِنْدَهُمْ مُسَاءَلَةً ، فَكَانَتْ خِيَرَتُهُ بَعْدَ اِسْتِخَارَتِهِ لله ، وَ إِجْهَادِ نَفْسِهِ فِي قَضَاءِ حَقِّهِ فِي عِبَادِهِ مِنَ البَيْتَيْنِ جَمِيْعاً : **عَلِيُّ بْنُ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ** ، لَمَا رَأَى مِنْ فَضْلِهِ البَارِعِ ، وَعِلْمِهِ النَافِعِ، وَوَرْعِهِ الظَاهِرِ ، وَ زُهْدِهِ الخَالِصِ ، وَتَخَلِّيْهِ مِنَ الدُّنْيَا ، وَ مُسْلَمَتِهُ مِنَ النَّاسِ ، فَقَدْ اسْتَبَانَ لَهُ مَا لَمْ تَزَلِ الأَخْبَارُ عَلَيْهِ مُتَوَاطِئَةً ، وَ الأَلْسِنُ مُتَّفِقَةً ، وَالكَلِمَةُ فِيْهِ جَامِعَةً ، وَمَا لَمْ يَزَلْ يَعْرِفُهُ بِهِ ، مِنَ الفَضْلِ يَافِعاً وَنَاشِئاً ، وَحَدثاً وَمُكْتَهِلاً ، فَعَقَدَ لَهُ العَهْدَ وَالوِلَايَةَ مِنْ بَعْدِهِ ، وَاثِقاً بِخِيَرَةِ الله فِي ذَلِکَ ، إِذْ عَلِمَ الله مِنْ فِعْلِهِ إِيْثَاراً لَهُ وَ لِلدِّيْنِ ، وَنَظْراً لِلْمُسْلِمِيْنَ ، وَطَلَباً لِلسَّلَامَةِ ، وَ ثُبَاتِ الحُجَّةِ ، وَالنَّجَاةِ فِي اليُوْمِ الَّذِي يَقُوْمُ النَّاسُ فِيْهِ لِرَبِّ العَالَمِيْنَ.

وَدَعَا أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وُلْدَهُ وَ أَهْلَ بَيْتِهِ وَخَاصَّتِهِ وقِوَادِهِ وَجُنْدِهِ ، فَبَايَعُوْهُ مُسَارِعِيْنَ مَسْرُوْرِيْنَ عَالِمِيْنَ بِإِيْثَارِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ طَاعَةَ الله عَلَى الهَوَى فِي وُلْدِهِ وَغَيْرِهِمْ مِمَّنْ هُوَ أَشْبَکُ رَحْماً ، وَ أَقْرَبُ قَرَابَةً ، وَسَمَّاهُ "الرِّضَي" إِذْ كَانَ رِضًا عِنْدَ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، فَبَايَعُوْهُ مَعْشَرُ بَيْتِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، وَمَنْ بِالمَدِيْنَةِ المَحْرُوْسَةِ مِنْ قُوَادِهِ وَجُنْدِهِ وَعَامَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ لِأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالرِّضَي مِنْ بَعْدِهِ عَلَى اِسْمِ الله وَ بَرَكَتِهِ وَحَسُنَ قضَائهُ لِدِيْنِهِ وَعِبَادِهِ ، بَيْعَةٌ مَبْسُوْطَةٌ إِلَيْهَا أَيْدِيْكُمْ ، مُنْشَرِحَةٌ لَهَا صُدُرُوْكُمْ ، عَالِمِيْنَ مَا أَرَادَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِهَا ، وَأثِرِ طَاعَةَ الله ، وَالنَّظْرُ لِنَفْسِهِ وَلَكُمْ فِيهَا ، شَاكِرِيْنَ لله عَلَى مَا أَلْهَمَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ قَضَاء حَقِّهِ فِي رِعَايَتِکم ، وَحِرْصُهُ عَلَى رُشْدِكُمْ وَ صَلَاحِكُمْ ، رَاجِيْنَ عَائِدَةَ الله فِي جَمْعِ أَلفَتِكُم ، وَحِقْنِ دِمَائِكُم ، وَ لَمِّ شَعْثَكُم ، وَسَدِّ ثُغُوْرَكُم ، وَقُوّةَ دِيْنِكُم ، وَقَمْعِ عَدُوِّكُم ، وَ اِسْتِقَامَةِ أُمُوْرِكُم ، فَسَارِعُوْا إِلَى طَاعَةِ الله وَطَاعَةِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، فَإِنَّهُ الأَمْرُ إِن سَارَعْتُمْ إِلَيْهِ ، وَحَمِدتّمُ الله عَلَيْهِ ، عَرَفْتُمُ الحَظَّ فِيْهِ إِن شَاءَ الله .

وَكَتَبَ بِيَدِهِ لِسَبْعِ خَلَوْنَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ الْمُعَظَّم قَدْرهُ سَنَة إِحْدَى وَمِائَتَيْنِ . (١٣٩)

١٣٩ـ **المنتظم** ، للابن الجوزي ، ١٠/ ٩٧-٩٤ . **صبح الأعشي في صناعة الانشاء** ، للقلقشندي ، ٩/ ٣٨٣-٣٨٠. **مآثر الإنافة في معالم الخلافة** ، للقلقشندي ، ٣٣٢-٣٢٥.

دستاویز خلافت کا ترجمہ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور رحم والا
یہ دستاویز ہے، جسے امیر المومنین عبد اللہ بن ہارون الرشید نے اپنے ولی عہد
"علی بن موسیٰ بن جعفر" کے لیے اپنے ہاتھوں سے لکھا۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد!

بیشک اللہ تعالیٰ عزوجل نے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا اور اس کی طرف راہنمائی کرنے اور ہدایت دینے کے لیے اپنے بندوں ہی میں سے رسول منتخب فرمائے، ان کے اگلے (گزرے ہوئے لوگ) آنے والوں کی بشارت دیتے رہے اور آنے والے، ما قبل لوگوں کی تصدیق کرتے رہے تا آنکہ سلسلۂ نبوت جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک آن پہنچا اور انبیائے کرام کی آمد موقوف ہو چکی، علم کا سلسلہ بند اور وحی کا نزول رُک چکا، قیامت قریب آگئی، پس اللہ تعالی عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ مکمل بند فرما دیا اور آپ کو اُن تمام پر گواہ اور نگہبان فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسی شان والا قرآن نازل کیا ﴿باطل کو اس کی طرف راہ نہیں، نہ اس کے آگے سے، نہ اس کے پیچھے سے، اُتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا﴾ اس میں حلال و حرام، وعدہ وعید اور تحذیر و تہدید وغیرہ جیسے اہم اُمور بیان فرما دیئے تا کہ مخلوق پر اللہ تعالی عزوجل کی حجت مکمل ہو جائے ﴿جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو اور جو جئے دلیل سے جئے اور بیشک اللہ ضرور سنتا جانتا ہے﴾۔

تو آپ نے اللہ تعالی عزوجل کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا اور حکمت و دانائی کے ساتھ اس کے فرمان کی طرف دعوت دی اور جس سے سختی کرنی تھی اُس سے بھی اچھے انداز کو ملحوظ رکھا پھر جہاد کیا حتی کہ اللہ تعالی عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف بلا لیا اور وہ نعمتیں جو اپنے یہاں تھیں اُن سے سرفراز فرمایا۔ جب نبوت ختم ہو گئی اور وحی ورسالت کا سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکمل کر دیا گیا تو اللہ تعالی عزوجل نے دین کی بنیاد اور اُمورِ مسلمین کا معاملہ خلافت کے ذریعہ آگے بڑھایا، تا کہ اس کو شایانِ شان طریقے سے چلایا جائے اور حقوق الٰہی کے پیش نظر اس کے فرائض وحدود کو قائم اور اس کے دشمنوں سے جہاد کیا جائے، لہٰذا خلفاء پر اِس کام کی پیروی لازمی ہے جس کے لیے انھیں منصب خلافت تفویض کیا گیا ہے نیز دین کے اُمور اور لوگوں کے مسائل کی نگہداشت بھی انہی کے ذمہ ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے خلفاء کی اطاعت و معاونت کریں

تا کہ حقوق الٰہی کا نفاذ ہو، عدل ہو، سکون ہو، خون ریزی کی روک تھام ہو اور باہمی امن و محبت کا راج ہو، کیونکہ اس کے برخلاف عمل کی صورت میں مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہو گا، ملت کا شیرازہ بکھرے گا، دین کے معاملے میں مشکلات ہوں گی، دشمن غلبہ پائیں گے، باتیں مختلف ہوں گی اور دنیا و آخرت کا نقصان ہو گا۔

لہٰذا جنھیں اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی زمین میں خلافت بخشی اور بندوں پر انھیں امین مقرر کیا اُن خلفاء پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لیے اپنی جانوں کو صرف کریں اور اس کی اطاعت و رضا پر اپنی خواہشات کو نثار کریں اور وہی کام کریں جو اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ چاہتا ہے، حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور اُس عدل کو پیش نظر رکھیں، جسے اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے انھیں بخشا ہے بیشک اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے نبی داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام سے ارشاد فرمایا: ﴿اے داوٗد بیشک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر﴾ اور اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: ﴿تو تمہارے ربّ کی قسم! ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے، جو کچھ وہ کرتے تھے﴾۔

ہمیں حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر دریائے فرات کے کنارہ ایک بکری کا بچہ بھی مر جائے تو مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ مجھ سے اس بارے میں سوال فرمائے گا۔ اللہ کی قسم! وہ بندہ جس سے صرف اس کے ایسے عمل کے بارے میں ہی پوچھ لیا جائے گا جو کہ صرف اس کے اور اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان کا معاملہ تھا تب بھی یہ بہت سنگین اور مشکل معاملہ ہو گا تو پھر بھلا اُس شخص کا کیا حال ہو گا جس سے اُمت و رعیت کے بارے میں بھی باز پرس ہو گی؟ اللہ کی پناہ اور اُسی کی رحمت میں عافیت ہے کہ اسی کی توفیق سے سلامتی اور ہدایت مل سکتی ہے جس سے بندہ حجت کو پالے، بیشک اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہی کامیابی اور رحمت و رضوان ہوتی ہے۔

خلفاء کو چاہیے کہ وہ اپنے تئیں دیکھیں اور لوگوں کو دین و خلق خدا کے بارے میں نصیحت کریں اور جانچیں کہ کون ہے جو اُن کے زمانہ خلافت اور بعد میں بھی اطاعت کے ساتھ دین اور سنت نبی عَلَیْہِ السَّلَام پر گامزن رہنے والا ہے، تو اس بارے میں خوب غور و خوض سے کام لیں کہ اپنے بعد کس کے لیے جانشینی کا منصب مناسب رہے گا تا کہ اُسے مسلمانوں کا امام بنایا جائے اور وہ خلیفہ کے بعد اُن کی نگہداشت کرے اور اُن کے لیے رحمت کی نشانی بنے اور لوگ اِس کی جانب پناہ لینے آئیں، یہ اُن کی اصلاح کرے، انھیں خون ریزی سے بچائے اور جن میں لڑائی ہو تو اُن میں صلح کرائے اور باہمی محبت کو فروغ دے، اختلافات کو ختم کرے، شیطان کے ہتھکنڈوں کو روکے اور اس کے فریب کو دفع کرے۔

بیشک اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے خلافت کے بعد جانشینی کو بھی اسلام کے کمال اور عزت وفلاح کے لیے مقرر کیا ہے اور یہ بات خلفاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بعد کسے اِس منصب کی تاکید کرتے ہیں جس سے نعمت مزید بلند ہو اور نتیجہ معنی خیز ہو، تاکہ اِس کے ذریعہ باہمی عداوت وفساد کا زور ٹوٹے اوراِس منصب کے حصول میں لوگوں کی کوششوں کا فتنہ وجود نہ پاسکے۔امیر المومنین نے جب سے منصب خلافت سنبھالا،اِس کی لذت کو محسوس کیا، اِس کا بوجھ اُٹھایا،اِس کی مشکلات کو ملاحظہ کیا اور بارِ خلافت کے بعد اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت وفرمانبرادی کی کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہے اُسے جان لیا تو اپنے جسم کو مشقت میں ڈال کے، آنکھوں کو جگا کے،اِس فکر میں لگ گئے جس سے دین کی عزت، مشرکین کا خاتمہ، امت کی اصلاح، عدل کا فروغ، کتاب و سنت کا نفاذوابستہ تھا۔اِن باتوں نے اُن سے چین وآرام اور عیش وعشرت کو دور کر دیا،اُن کے پیش نظر یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے پوچھے جانے والے سوال کی بابت اپنی کوشش کرلیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کے دین کے بارے میں نصیحت کرکے اُس کی محبت کو حاصل کرلیں نیز اپنے بعد ایسے شخص کو جانشین کریں جو ان کی نگاہ میں تقویٰ ودین اوراُمت کی نگہداشت میں سب سے زیادہ موزوں ہو، جس سے امید وابستہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کے احکامات کا نفاذ کرے گا۔تو ان اس بارے میں انھوں نے اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ سے استخارہ کیا اور عرض کی کہ وہ اُس جانب راہنمائی فرمائے؛ جس میں دن رات اِس کی رضا اور فرمانبرداری ہو اوروہ اسی میں شب وروز مشغول رہے ۔لہٰذا اپنی اس طلب پر عمل کرتے ہوئے اپنے خاندان یعنی عبد اللہ بن عباس کی اَولاد اور علی بن ابو طالب کی آل سے کسی کے خواہش مند ہوئے۔

تو انھوں نے اپنی فکرونظر کو ان افراد کے بارے میں محدود کرتے ہوئے تلاش جاری رکھی جن کے مذہب واحوال کا انھیں مکمل یقین تھا کہ وہ اس منصب کے اہل ہوسکتے ہیں،اُس کے لیے انھوں نے پوشیدہ معاملات کے بارے میں بھی چھان بین کی اور معلومات اَخذ کیں،بسااوقات مشاہدے کے ذریعے جانچا،جبکہ بسااوقات سوالات کے ذریعہ تہہ تک پہنچے،تو اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ سے استخارہ کرنے اور تمام تر صعوبتوں کو دونوں خانوادوں کے ممکنہ اہل افراد کی بابت حتی الوسع برداشت کرتے ہوئے دیانت داری کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچے کہ ”علی بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب“ہی اس منصب کے لیے موزوں ترین شخصیت ہیں، کیونکہ جب امیر المومنین نے ان کا مقام ومرتبہ، علم نافع، ظاہری تقویٰ وپاکیزگی، زہد خالص، دنیا سے بے رغبتی،لوگوں کے لیے سلامتی کا مظہر ہونا دیکھا تو ان پر ظاہر ہو گیا کہ

ان کے بارے میں مشہور باتیں صحیح، زبانیں اِن کے کردار پر متفق اور تمام مبیّنہ کمالات اِن میں موجود ہیں نیز اِن کی فضیلت وشان ہر دورِ جوانی و پختگی میں یکساں رہی ہے تو امیر المومنین نے اللہ تعالیٰ عزوجل کی رحمت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے بعد انھیں جانشینی کا حق دار قرار دیا اور اللہ تعالیٰ عزوجل جانتا ہے کہ اس سے امیر المومنین کی غرض دین اور ایثار کا جذبہ تھا نیز مسلمانوں کی سلامتی، حجت ربانی کا اہتمام اور یوم قیامت نجات کی سبیل تھی۔

امیر المومنین نے اپنی اولاد، گھر والوں، لشکریوں اور تمام ہی ماتحتوں کو بلایا ہے کہ وہ تمام ہی خوش دلی کے ساتھ اِن اُمور کو جانتے ہوئے اِس بیعت میں جلدی کریں کیونکہ امیر المومنین نے اپنی اولاد کی جانشینی کی خواہش کو اللہ تعالیٰ عزوجل کی اطاعت پر قربان کر دیا ہے، اُس شخصیت پر جو کہ زیادہ رحمدل اور بھلائی کا پیکر ہے نیز اِن کا لقب "الرِّضي" تجویز کیا ہے کیونکہ یہ امیر المومنین کی رِضا ہیں۔ پس امیر المومنین کے تمام گھر والوں نے اور جو بھی لشکریوں اور عامۃ الناس میں سے اِن کی مملکت میں سے تھا سب نے امیر المومنین کی اور ان کے بعد "الرِّضي" کی بیعت کی، اللہ تعالیٰ عزوجل کے نام اور اس کی برکت پر، جس نے اپنے دین اور بندوں کے لیے ایسا بہترین فیصلہ کیا۔ اس بیعت میں امیر المومنین کے ارادے سے باخبر ہوتے ہوئے تمام لوگوں کے ہاتھ فراخدلی سے پھیلے اور سینے کشادہ ہوئے ہیں کیونکہ سب کا مقصود اللہ تعالیٰ عزوجل کی اطاعت ہے۔ میں اپنے اندر یہی جذبات پاتا ہوں اور باقی سب کا حال انھیں معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا شکر ہے کہ اس نے امیر المومنین کو اپنی رعایا کے بارے میں ایسے بہترین فیصلے کی توفیق بخشی اور انھیں رعایا کی فلاح وبقاء کی حرص دی۔

اللہ تعالیٰ عزوجل ہی کی طرف امید ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اکٹھا کرے، خون ریزی سے بچائے، ان کے احوال کی اصلاح کرے، فتنوں کا سدباب کرے اور دین کو غلبہ دیتے ہوئے دشمنوں کا قلع قمع کرے گا اور انھیں اُمورِ مذکورہ کی ادائیگی میں استقامت بخشے گا۔ لہٰذا سب لوگ اللہ تعالیٰ عزوجل اور امیر المومنین کی اطاعت میں جلدی کریں کہ یہی تو جلدی کرنے والا کام ہے، اللہ تعالیٰ عزوجل تمھیں اِس پر جزا دے، بیشک تم لوگ جلد ہی اِس بارے میں اپنے فیصلے کے صحیح نتائج جان لوگے۔ ان شاء اللہ

"اسے امیر المومنین نے اپنے ہاتھوں سے ۹ رمضان المعظم ۲۰۱ھ میں تحریر کیا"۔

سیّدنا علی رضا رضی اللہ عنہ کا توثیق نامہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلحَمْدُ لله رَبِّ العَالَمِيْنَ ، الفَعَّالِ لما يُرِيْدُ ، لَا مُعَقّبَ لِحُكْمِهِ ، وَلاَ رَآدَّ لِقَضَائِهِ ، يَعْلَمُ خَائِنَةَ الأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُدُوْرُ ، وَصَلَواتُهُ عَلَى نَبِيِّهِ وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ . أَقُوْلُ وَأَنَا عَلِيُّ بْنُ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرٍ:

إِنَّ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَضَدَهُ الله بِالسَّدَادِ ، وَوَفَّقَهُ لِلرَّشَادِ ، عَرَفَ مِنْ حَقِّنَا مَا جهِلَهُ غَيْرُهُ ، فَوَصَلَ أَرْحاماً قُطِعَتْ ، وَ أمَنَ أَنْفُساً فُزِعَتْ ، بَلْ أَحْيَاهَا وَقَدْ تَلَفَتْ ، وَأَغْنَاهَا وَقَدِ افْتَقَرَتْ ، مُبْتَغِياً رِضَا رَبِّ العَالَمِيْنَ ، لاَ يَرْضَى جَزَاءً مِنْ غَيْرِهِ ، وَسَيَجْزِي الله الشَّاكِرِيْنَ ، وَلَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ، وَإِنَّهُ جَعَلَ إِلَيَّ عَهْدَهُ وَالإِمْرَة الكُبْرَى إِن بَقِيْتُ مِنْ بَعْدِهِ ، فَمَنْ حَلَّ عُقْدَةً أَمَرَهَا ، وَفَصَمَ عُرْوَةً أَحَبَّ إِيثَاقَهَا ، فَقَدْ أَبَاحَ حَرِيْمَهُ وَأَحَلَّ مُحَرَمَهُ ، إِذ كَانَ بِذَلِكَ زَارِياً عَلَى الإِمَامِ ، مُنْتَهِكاً حُرْمَةَ الإِسْلَامِ وَقَدْ جَعَلْتُ لله عَلَى نَفْسِي إِن استَرْعَانِي أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَقَلَّدَنِي خَلَافَتَهُ العَمَلَ فِيْهِمْ عَامَّةً ، وَ فِي بَنِي العَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ خَاصَّةً ، بِطَاعَتِهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَأَن لاَ أَسفِكَ دَماً حَرَاماً ، وَ لا أُبِيحَ فَرْجاً وَلَا مَالاً إِلَّا مَا سَفَكَتْهُ حُدُوْدُهُ ، وَ أَبَاحَتْهُ فَرَائِضُهُ ، وَأَن أَتَخَيَّرَ الكَفَاةُ جُهْدِي وَطَاقَتِي ، وَقَدْ جَعَلْتُ بِذَلِكَ عَلَى نَفْسِي عَهْداً مُؤَكّداً ، يَسْأَلُنِيَ الله عَنْهُ ، فَإِنَّهُ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: ﴿ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (١٤٠)﴾. فَإِن حَدَثْتُ أَوْ غَيَّرْتُ أَو بَدَّلْتُ كُنْتُ لِلتَّغْيِيْرِ مُسْتَحِقّاً ، وَلِلنّكَالِ مُتَعَرِّضاً . فَأَعُوْذُ بِالله مِنْ سَخَطِهِ وَ إِلَيْهِ أَرْغَبُ فِي التَّوْفِيْقِ لِطَاعَتِهِ وَالحَوْلُ بَيْنِي وَ بَيْنَ مَعْصِيَتِهِ فِي عَافِيَتِهِ لِي وَ لِلْمُسْلِمِيْنَ.وَقَدْ امْتَثَلْتُ أَمْرَ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، وَ آثَرتُ رِضَاهُ ، وَالله يَعْصِمُنِي وَ إِيَّاهُ ، وَأَشْهَدتُ الله عَلَى نَفْسِي، وَكَفَى بِالله شَهِيْداً .وَكَتَبْتُ خَطِّي بِحَضْرَةِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، أَطَالَ الله بَقَاءَهُ ، وَالفَضْلِ بْنِ سَهْلٍ ، وَ يَحْيَي بْنِ أَكْثَم ، وَ عَبْدِ الله بْنِ طَاهِرٍ ، وَ ثُمَامَةَ بْنِ أَشْرَس ، وَبِشْرِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ ، وَحَمَّادِ بْنِ النُّعْمَان ، فِي شَهْرِ رَمَضَانَ سَنَة إِحْدَي وَمِائَتَيْنَ. (١٤١)

١٤٠ـ **القرآن الكريم** ، سورة الإسراء ١٧/ ٣٤.

١٤١ـ **المنتظم** ، للابن الجوزي ، ١٠/ ٩٨ . **صبح الأعشي في صناعة الانشاء** ، للقلقشندي ، ٩/ ٤١٢-٤١١. **مآثر الإنافة في معالم الخلافة** ، للقلقشندي ، ٣٣٤-٣٣٢.

توثیق نامہ کا ترجمہ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور رحم والا

تمام تعریفیں اللہ ربّ العالمین جَلَّ جَلَالُہٗ کے لیے ہیں کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اُس کا حکم کوئی روک نہیں سکتا اور اس کا فیصلے کوئی ردّ نہیں کر سکتا۔ بیشک وہ نگاہوں کی خیانتیں اور دلوں کے پوشیدہ احوال کو بھی جانتا ہے۔ دُرود ہوں؛ اُس کے نبی اور اِن کی پاکیزہ آل پر۔ میں علی بن موسیٰ بن جعفر کہتا ہوں:

بیشک امیر المومنین "اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ انھیں سلامتی اور راہِ ہدایت کی توفیق بخشے" نے ہمارے اُس حق کو پہچان لیا جس سے اِن کے علاوہ لوگ غافل رہے، لہٰذا انھوں نے منقطع ہو چکے رشتوں کو جوڑا، ہماری بے چین جانوں کو سکون دیا جو کہ گھبراہٹ میں مبتلا تھیں بلکہ انھیں ضائع ہو جانے کے بعد گویا دوبارہ جِلا بخشی، انھیں غنی کیا حالانکہ وہ مفلس ہو چکیں تھیں، اِن تمام باتوں سے اُن کا مقصود ربّ العالمین عَزَّوَجَلَّ کی رضا تھی نیز اس کے لیے وہ کسی اور سے داد کے خواہاں بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ شکر کرنے والوں کو جزا دیتا ہے اور نیکوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا ہے۔

انھوں نے مجھ سے اپنے بعد جانشینی کا عہد لیا ہے اگر میں اِن کے بعد زندہ رہا، لہٰذا اب جو کوئی اس گرہ کو کھولنے کی کوشش کرے گا اور اس میں دخل انداز ہو گا حالانکہ اس کی محافظت محبوب ہے تو گویا ایسا کرنے والا اِس کی حرمت کو پامال کرے گا اور حرام کو حلال کرنے والے کی مثل ہو گا اور یہ کوشش امام کی تحقیر اور حرمت اسلام کی حدود کو پامال کرنے کے مترادف ہو گی۔ میں نے اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ سے عہد کیا ہے کہ اگر مجھے امیر المؤمنین بننے کا موقعہ ملا اور خلافت کے عملی منصب کی تفویض ہوئی تو میں تمام لوگوں کے لیے بالعموم اور بنو عباس بن عبد المطلب کے لیے خصوصاً اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت اور سنتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے طریقے کو ملحوظ رکھوں گا اور یہ کہ کسی خون ناحق کو بہنے نہیں دوں گا، نہ کسی عفت کو مباح ہونے دوں گا، مگر جس نے کسی حدود کو توڑا اور اس کے فرائض کی خلاف ورزی کی تو میں اس کی بابت اپنی تمام تر طاقت و قوت کو سوچ سمجھ کر بروئے کار لاؤں گا۔ میں اس بارے میں خود سے بھی پختہ ارادہ کرتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے مجھ سے بھی اس بارے میں سوال کرنا ہے کہ وہ ربّ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اور عہد پورا کرو بیشک عہد سے سوال ہونا ہے﴾۔

پس اگر بالفرض میں نے حد سے تجاوز کیا، یا اپنے منصبی تقاضوں سے پیچھے ہٹا، یا اُن میں غیر معقول تبدیلی لائی تو میں معزول ہونے اور خود کو سزا کے لیے پیش کرنے کا حق دار ہوں گا۔ لہٰذا میں اللہ تعالیٰ عزوجل سے اُس کی ناراضگی کی پناہ چاہتا ہوں اور اس کی اطاعت کی توفیق ملنے کا خواہش مند ہوں، نیز متمنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل میرے اور مسلمانوں کی عافیت کے معاملے میں اپنی رحمت کو شامل فرمائے۔ میں نے امیر المومنین کا حکم مانا اور ان کی خواہش کو ترجیح دی، اللہ تعالیٰ عزوجل مجھے اور انھیں حفاظت میں رکھے، میں اپنی ذات پر اللہ تعالیٰ عزوجل کو گواہ بناتا ہوں اور اللہ تعالیٰ عزوجل سب کا نگہبان ہے۔ میں نے یہ دستاویز امیر المومنین - اللہ تعالیٰ عزوجل انھیں سلامتی بخشے - اور فضل بن سہل، یحییٰ بن اکثم، عبد اللہ بن طاہر، ثمامہ بن اشرس، بشر بن معتمر اور حماد بن نعمان کے سامنے رمضان ۲۰۱ھ میں تحریر کی۔

دستاویز خلافت کی توثیق، گواہان اور اُن کی تحریرات

رَسَمَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَطَالَ الله بَقَاءَهُ وَكَبَّت أَعْدَاءَهُ قِرَاءَةَ مَضْمُوْن هَذِهِ الصَّحِيْفَةِ ، ظَهرِهَا وَبَطنِهَا بِحَرَمِ سيّدنا رَسُوْلِ الله صَلَّى الله عَلَيهِ وَسَلَّم بَيْنَ الرَّوْضَةِ وَالمِنْبَرِ ، عَلَى رُؤُوسِ الأَشْهَادِ ، وَبِمَرأء وَمُسْمعٍ مِنْ وُجُوْهِ بَنِي هَاشِم وَسَائِرِ الأَوْلِيَاءِ وَالأَجْنَادِ ، بِمَا أَوْجَبَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الحُجَّةَ بِهِ عَلَى سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ ، وَأَبْطَلَ الشُّبْهَةَ الَّتِي كَانَت اعتَرَضَت آرَاء الجَاهِلِيْنَ ، ﴿مَا كَانَ الله لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ.[۱۴۲]﴾. وَكَتَبَ الفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ بِحَضْرَةِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي التَّارِيْخِ الْمَذْكُوْر ، عَبْدُ الله بْنُ طَاهِرِ بْنِ الحُسَيْنِ أَثبَت شَهَادَتُهُ فِي تَارِيْخِهِ.شَهِدَ يَحْيَى بْنُ أُكْثُمْ عَلَى مَضْمُوْنِ هَذَا الْمَكْتُوْبِ ، ظَهرُهُ وَبَطنُهُ ، وَهُوَ يَسأَلُ الله عَزَّوَجَلَّ أَن يَعْرِفَ أَمِيْر الْمُؤْمِنِيْنَ وَكَافةَ الْمُسْلِمِيْنَ بَرَكَاتِ هَذَا العَهْدِ وَالمِيْثَاقِ ، وَكَتَبَ بِخَطِّهِ فِي التَّارِيْخِ الْمُبَيَّن . شَهِدَ حَمَّادُ بْنُ النُّعْمَان عَلَى مَضْمُوْنِ ظَهْرُهُ وَبَطنُهُ ، وَكَتَبَ بِيَدِه فِي تَارِيْخِهِ . بِشْرِ بْنُ الْمُعْتَمرِ يَشْهَدُ بِذَلِک ، وَكتَبَ بِيَدِهِ فِي التَّارِيْخ . ثُمَامَةُ بْنُ أَشْرُس ، حَضَرَ وَكَتَبَ خَطّهُ . قَالَ هِبَةُ الله بْنُ الفَضْلِ بْنِ صَاعِدِ الكَاتِبِ : هَذَا العَهْدُ رَأَيْتُهُ بِخَطِّ الْمَأْمُوْن ، ابْتَاعَهُ خَالِي يَحْيَى بْنُ صَاعِدٍ بِمِائَتي دِيْنَارٍ ، وَحَمَلَهُ إِلَى سَيْفِ الدَّوْلَةِ صَدَقَةِ بْنِ مَنْصُوْرٍ ، وَكَانَ فِيْهِ خُطُوْطُ جَمَاعَةٌ مِنَ الكُتَّابِ ، مثلَ : الصُّوْلِي عَبْدُ الله بْنُ العَبَّاسِ ، وَالوَزِيْر الْمَغْرِبِيُّ .[۱۴۳]

۱۴۲- **القرآن الكريم**، سورة آل عمران، ۳/ ۱۷۹.

۱۴۳- **المنتظم**، للشيخ ابن الجوزي، ۱۰/ ۹۹.

گواہان کے توثیق نامہ کا ترجمہ

امیر المومنین "اللہ تعالیٰ عزوجل انھیں سلامتی دے اور ان کے دشمنوں کو برباد کرے" نے اس دستاویز کی تحریر کو حرم نبوی میں روضہ شریفہ اور منبر کے درمیان تمام رؤساء وفضلاء، بنو ہاشم اور دیگر تمام ہی لشکریوں کے سامنے پڑھنے کا حکم دیا تاکہ جو حجت جس چیز کو امیر المومنین نے تمام مسلمانوں پر لازم کیا ہے وہ ظاہر ہو جائے اور جہلاء کی سازشیں باطل ہو جائیں ﴿اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں، جس پر تم ہو﴾۔

فضل بن سہل نے مذکورہ تاریخ میں امیر المومنین کے رُوبرو اِس دستاویز پر تائیدی دستخط کیے۔ عبد اللہ بن طاہر نے بھی اسی تاریخ میں اپنی گواہی ثبت کی۔ یحییٰ بن اکثم اِس دستاویز کے ظاہری وباطنی بیانات پر آگاہ ہوئے اور وہ اللہ تعالیٰ عزوجل سے سوال کرتے ہیں کہ امیر المومنین اور سارے مسلمان اِس دستاویز کے وعدے کی پاسداری سے مستفید ہوں۔ یہ عبارت اپنے ہاتھوں سے تاریخ مذکور میں تحریر کی۔ حماد بن نعمان اس مضمون کے ظاہری وباطنی بیانات پر مطلع ہوئے اور یہ عبارت اپنے ہاتھوں سے تاریخ مذکور میں تحریر کی۔ بشر بن معتمر اِس دستاویز کے گواہ ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے تاریخ مذکور میں تحریر لکھی۔ ثمامہ بن اشرس معاملے کے گواہ ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے تحریر لکھی۔

ہبۃ اللہ بن فضل بن صاعد الکاتب نے کہا:

> میں نے اس دستاویز کی اصل مامون کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی دیکھی، میرے چچا یحییٰ بن صاعد نے اسے دو سو دینار میں خریدا اور سیف الدولہ صدقہ بن منصور کے پاس پیش کیا۔ اس میں کچھ کاتبین کے خطوط بھی تھے، مثلاً عبد اللہ بن عباس صولی اور وزیر مغربی وغیرہ۔

سیاسی انقلاب اور سیاہ لباس کی تبدیلی

امام رِضا رضی اللہ عنہ نے مامون سے اپنی جانشینی کا عہدہ قبول کر لینے کے بعد حکومتی مناصب ومراعات کی خواہش کے بجائے اسلامی شعائر وَاَحکام کے نفاذ کا مطالبہ کیا، جو آپ کی سیاسی بصیرت اور منصب ولایت کے شایانِ شاں تھا۔ آپ نے رسم جانشینی کے فوراً بعد اُس دور میں رائج بدعات وخرافات کا قلع قمع کرنے کے لیے مامون کو نصیحتیں فرمائیں، جن میں

سب سے اہم تبدیلی جو ہمیں اوراقِ تاریخ میں نظر آتی ہے، وہ فی الفور سیاہ لباس کا خاتمہ تھا[۱۴۴]۔ بادی النظر میں یہ کوئی بڑا کام دکھائی نہیں دیتا، لیکن اہلِ علم جانتے ہیں کہ امام نے کس بصیرت کا مظاہر کرتے ہوئے اُس دور میں انقلاب کا بیج بویا تھا، مامون کے دور میں جو سیاسی مشکلات تھی، اُس کے پیشِ نظر ایسی تبدیلی کا سوچنا بھی خواب ہی دکھائی دیتا تھا، کیونکہ سیاہ لباس کو عباسی سلطنت میں صرف لباس کی حیثیت ہی حاصل نہ تھی، بلکہ اس میں دَرپردہ مذہبی عناصر بھی شامل تھے، جو رفتہ رفتہ بدعات کی شکل اختیار کرتے ہوئے مذہبی فتنہ بنتے جا رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سر اُٹھاتے فتنے کا اس انداز میں قلع قمع کیا کہ کوئی سیاسی فساد بھی نہیں ہوا اور عوام الناس میں اس کی اہمیت بھی ختم ہوتی چلی گئی۔

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام ابن جریر نے "التاریخ" میں لکھا:

إِنَّ عِيْسَى بنَ مُحَمَّدِ بنِ أَبِي خَالِدٍ بَيْنَمَا هُوَ فِي عَرْضِ أَصْحَابِه ، وَرَدَ عَلَيْهِ كِتَابُ الحَسَنِ بنِ سَهْلٍ يُعلِمُهُ فِيْهِ أَنَّ المَأْمُوْنَ جَعَلَ عَلِيَّ بنَ مُوْسَى وَلِيَّ عَهْدِهِ ؛ لأَنَّهُ نَظَرَ فِي بَنِي العَبَّاسِ ، وَبَنِي عَلِيٍّ ، فَلَمْ يَجِدْ أَحَداً هُوَ أَفْضَلَ وَلاَ أَعْلَمَ وَلاَ أَورَعَ مِنْهُ ، وَأَنَّهُ سَمَّاهُ الرِّضَى مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ ، وَأَمَرَهُ بِطَرحِ لُبْسِ السَّوَادِ وَلُبْسِ الخُضرَةِ فِي رَمَضَانَ سَنَةَ إِحْدَى وَمائَتَيْنِ ، وَيَأْمُرُهُ أَنْ يَأْمُرَ مَنْ قِبَلَهُ بِالبَيْعَةِ لَهُ ، وَيَلْبَسَ الخُضرَةَ فِي أَقْبِيَتِهِم وَقَلاَنِسِهِم وَأَعْلاَمِهِم ، وَيَأْخُذَ أَهْلَ بَغْدَادَ جَمِيْعاً بِذَلِكَ .[۱۴۵]

یعنی؛ عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد اپنی فوج کی تفتیش میں مصروف تھا کہ دریں حال اس کے پاس حسن بن سہل کا پیغام آیا، جس میں اعلامیہ درج تھا کہ مامون نے (سیّدنا) علی بن موسیٰ (رضا) کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے، کیونکہ انھوں نے بنو عباس اور

۱۴۴۔ سیاہ لباس عباسی حکومت کا شعار جبکہ سبز لباس اہل بیت کی علامت تھا، چنانچہ تاریخی کتب میں اس کے کئی نظائر موجود ہیں کہ سادات کرام سبز لباس استعمال کیا کرتے تھے، بلکہ کئی حکومتوں نے تو سادات کو امتیاز رکھنے کے لیے سبز لباس ہی استعمال کرنے کا حکم کر رکھا تھا۔ شیخ قلقشندی، متوفی ۸۲۰ھ نے اسی سیاق میں تفصیلات بھی لکھی ہیں۔

۱۴۵۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ۹/ ۳۹۰ . تاريخ الرُّسل والملوك ، للطبري ، ۸/ ٥٥٤. تذهيب تهذيب الكمال ، للذهبي ، ۷/ ٤٤ ، الرقم ٤٨٤٣ . شذرات الذهب ، للشيخ ابن العماد ، ۳/ ٥ .

بنو علی دونوں ہی میں اُن سے زیادہ علم والا، افضل اور متقی کسی کو نہیں پایا ، نیز ان کا لقب "الرِّضَی مِنْ آل مُحَمَّدٍ" تجویز کیااور (امام رِضا کی نصیحت کی بنا پر) حکم دیا ہے کہ تمام لوگ سیاہ لباس کے بجائے آئندہ سبز لباس استعمال کریں۔ یہ حکم نامہ رمضان ۲۰۱ھ میں صادر ہوا ۔ اسی طرح بادشاہ مامون کی طرف سے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اس جانب سے ان (علی رِضا) کے لیے لوگوں سے بیعت لی جائے اور لوگوں کے لباس، عمامے جبہ وقبا میں سبز رنگت اختیار کرائی جائے اور یہ بیعت تمام ہی باشند گانِ بغداد سے لی جائے۔

شیخ صلاح الدین صفدی "الوَافِي بِالوَفيَاتِ" میں قدرے اختلاف کے ساتھ یوں لکھتے ہیں:

جب اِس نے باقاعدہ آپ کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تو عباسی رواج کا سیاہ لباس اُتروا کر لوگوں کو سبز لباس پہنایا اور درہم ودینار پر "الرضا" نقش کروایا۔ نیز ایک لاکھ درہم کا نذرانہ بھی پیش کیا۔[۱۴۶]

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہو رہا ہے کہ حقیقت میں یہ کارنامہ مامون کا نہیں، بلکہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کا ہے، کیونکہ مامون تو اس سے پہلے بھی ایسا کر سکتا تھا، بادشاہت وعنانِ حکومت اُس کے پاس تھی، لیکن اس کے گمان میں بھی شاید اس بارے میں کبیدگی نہ تھی، البتہ جب امام نے اُسے اِس بارے میں آگاہ کیا اور نصیحت فرمائی تو اُس نے فی الفور اِس کام کو کرنا اتنا اہم جانا کہ آپ کے اعلانِ جانشینی کے ساتھ ہی اسے بھی مشتہر کرایا۔ قارئین غور فرمائیں کہ صرف لباس کی تبدیلی کیا اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ اسے کسی عہدے کے اعلان کے ساتھ ہی مشتہر کیا جائے؟ اسے یوں سمجھیں کہ مثلاً کسی ملک میں صدرِ مملکت کا عہدہ زید کو حاصل ہوتا ہے اور زید اس ملک میں رائج کسی لباس کو بھی ناپسند جانتا ہے، تو کیا زید کی صدارت کا اعلامیہ یوں جاری ہو گا کہ اس کے ساتھ ہی اس کے ناپسندیدہ لباس کو ترک کرنے کا حکم نامہ بھی جاری کیا جائے؟ نہیں ہرگز نہیں۔۔ بلکہ پہلے زید کی صدارت کا اعلان جاری کیا جائے گا ازاں بعد اختیارات کی باگ دوڑ تھمائی جائے گی اور پھر کسی

۱۴۶۔ الوافي بالوفيات ، للصّفدی ، ۲۲/ ۱۵۵.

مناسب لمحے میں جا کر لباس کی تبدیلی کا اعلان جاری ہو گا۔ اس تمام تر گفتگو کی روشنی میں ذرا ما قبل علماء کی عبارات کو پڑھیں اور غور کریں، تو نتیجہ نکلتا ہے کہ لازماً آپ رضی اللہ عنہ نے اس لباس کے پس پردہ ہونے والی فتنہ پروری کے عناصر کا مشاہدہ فرمالیا تھا، اِسی لیے اپنا فرض نسبی اور منصبی اَدا کرتے ہوئے مامون کو اس طرف متوجہ کیا اور جانشینی کی رسم کو صرف رسم بنانے کے بجائے حقیقی تبدیلی کا عملی نمونہ بنایا اور بیشک یہی آپ کے شایانِ شان بھی تھا کہ آپ کے اَسلاف حقیقی تبدیلی کے لیے ہی تمام زندگی کوشاں رہے۔ لیکن امام رِضا کی وفات کے بعد سیاست پھر سے رنگ لائی، اور سیاہ لباس کا استعمال عام کر دیا گیا، چنانچہ کتب تواریخ میں مذکور ہے کہ امام کی وفات کے کچھ دنوں بعد ہی جب مامون ماہِ صفر میں بغداد آیا، تو سبز لباس ترک کر کے سیاہ لباس اختیار کر لیا گیا(۱۴۷)، جبکہ ابن جوزی کے مطابق اگلے سال ۲۰۴ھ میں ایسا ہوا(۱۴۸)۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ لباس کی تبدیلی میں سیّدنا رِضا کا ہی عمل دخل تھا، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کرنے کے بعد مامون نے اسے فوراً دوبارہ رائج کر دیا۔ شیخ قلقشندی، متوفی ۸۲۰ھ لکھتے ہیں:

ودخل الى بغداد في سنة أربع ومائتين وكان لباس المأمون لما دخل بغداد الخُضرة شعارَ العلويين ، فكان الناس يدخلون عليه في الثياب الخضر ويحرقون كل ملبوس يرونه من السواد ودام ذلك ثمانية أيام ، فشقّ ذلك على العباسية ، فعاد الى السواد الذي هو شعار العباسيين.(۱۴۹)

ترجمہ: مامون ۲۰۴ھ میں (وصال رِضا رضی اللہ عنہ کے بعد) بغداد واپس لوٹا، تو بغداد میں داخلے کے وقت اُس نے علویوں کا شعار یعنی سبز لباس پہنا ہوا تھا، پس لوگ بھی اس کے پاس سبز لباس پہن کر آتے رہے اور جو سیاہ لباس دکھائی دیتا، اُسے جلا دیا جاتا تھا۔ یہ معاملہ آٹھ دنوں تک جاری رہا، لیکن عباسیوں کو اس سے تکلیف تھی، لہٰذا مامون نے عباسیوں کے شعار یعنی سیاہ لباس کو دوبارہ پہننا شروع کر دیا۔

۱۴۷۔ **كنز الدرر و جامع الغرر** ، للشيخ الدواداري ، ٥/ ١٨٢ . **الأعلام** ، للزركلي ، ٥/ ٢٦ .

۱۴۸۔ **شذور العقود في تاريخ العهود** ، للابن الجوزي ، الصفحة ١٦٩ .

۱۴۹۔ **مآثر الإنافة في معالم الخلافة** ، للقلقشندي ، ١/ ٢١١.

بنو عباس کا اِشتعال اور ردّ عمل

اہل بیت کی محبت میں مامون کا طرزِ عمل کچھ ایسا والہانہ ہو چلا تھا کہ اس نے کسی بھی خطرے کو بھی امام رِضا رضی اللہ عنہ کی خواہش کے پیش نظر خندہ پیشانی سے قبول کرنے کا گویا عزم کر لیا تھا، اسی لیے ایک طرف اس نے سال ہا سال سے چلی آرہی بنو عباس کی خلافت ختم کرتے ہوئے اسے اہلِ خلافت امام رِضا رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور دوسری جانب بنو عباس کی سیاسی علامت سیاہ لباس کو تبدیل کرتے ہوئے سبز لباس کا حکم بھی جاری کر دیا چنانچہ ایسی باتیں بھلا کیونکر دشمنان اہل بیت کو قبول ہوتیں، لہٰذا چاروں طرف سے مامون کے خلاف علَم بغاوت بلند ہونے لگے، سب سے پہلے تو جن سے خلافت جانے والی تھی، اُن کی جانوں پر بَن آئی اور ہزار ہا اختلافات کے باوجود سب یکجا ہونے لگے، پس مامون کے ایماء پر عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد نے جب بغداد میں امام رِضا رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لینے کا اعلان کیا، تو بنو عباس کے ایسے ہی افراد نے لوگوں میں پھیلا دیا کہ یہ سیاسی چال ہے، جو تمہارے خلاف فضل بن سہل نے رچائی ہے، لہٰذا خبر دار! اس چال میں نہ آنا ورنہ مارے جاؤ گے، جبکہ دَر حقیقت یہ خود ایک سیاسی چال تھی، جس کا مفاد یہ تھا کہ لوگوں میں کچھ وقت کے لیے بیعت کے بارے میں انتشار پیدا کر دیا جائے، تاکہ اس مشغولیت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بنو عباس اپنا آئندہ کا سیاسی لائحہ عمل طے کر لیں اور بالآخر یہی ہوا کہ مہدی کے دونوں بیٹے بادشاہ مامون اور امام رِضا رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے تو ہو گئے، لیکن اقتدار کس کے پاس آئے، اس بات نے اُن میں باہم تضاد پیدا کر دیا، اِسی معاملے کو طے کرنے کے لیے لوگوں میں انتشار کی بناوٹی فضا پیدا کی گئی تھی، تاکہ یہ عقدہ سلجھتے ہی بنو عباس اپنا خلیفہ پیش کریں اور سیاسی کشمکش سے مکمل فائدہ حاصل کرتے ہوئے دوبارہ خلافت کو پالیں۔ اس بات کو جامعیت کے ساتھ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے:

فَدَعَا عِيْسَى أَهْلَ بَغْدَادَ إِلَى ذَلِكَ عَلَى أَنْ يُعَجِّلَ لَهُم رِزْقَ شَهْرٍ ، فَأَبَى بَعْضُهُم ، وَقَالُوا : هَذَا دَسِيسٌ مِنَ الفَضْلِ بنِ سَهْلٍ . وَغَضِبَ بَنُو العَبَّاسِ ، وَنَهَضَ إِبْرَاهِيْمُ وَمَنْصُوْرٌ ابْنَا المَهْدِيِّ ، ثُمَّ نَزَعُوا الطَّاعَةَ ، وَبَايَعُوا إِبْرَاهِيْمَ بنَ المَهْدِيِّ . (١٥٠)

١٥٠- سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ٩/ ٣٩٠.

عیسیٰ (بن محمد بن ابی خالد) نے اہلیانِ بغداد کو اس (بیعت کے) بارے میں دعوت دی اور کہا: انھیں ایک مہینے کا توشہ بھی دیا جائے گا لیکن بعض لوگوں نے اس بات کے باوجود بھی انکار کر دیا اور بولے: یہ درحقیقت فضل بن سہل کی چال ہے، دوسری طرف بنو عباس اس واقعے سے مشتعل ہوگئے اور مہدی کے بیٹے ابراہیم اور منصور (محاذ آرائی اور حصول خلافت کے لیے) کمر بستہ ہوگئے، لیکن ان میں باہم جھگڑا ہو گیا کہ کس کی اطاعت کی جائے؟ اَزاں بعد ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی گئی۔

بنو عباس کے اس سیاسی اشتعال پر مؤرخین و علماء نے بہت کچھ تحریر کیا، ہم اختصار کے پیشِ نظر بہت سی نصوص عمداً چھوڑ رہے ہیں، کیونکہ مقصود انھیں بیان کرنا نہیں، البتہ یہاں یہ نکتہ بھی اہلِ علم و دانش کے لیے قابلِ غور ہے کہ خلافت کیلئے اہلِ بیت پر کیسے کیسے ظلم ڈھائے گئے، لیکن انھوں نے صبر وہمت سے کام لیا اور افتراق وانتشار پیدا نہ ہونے دیا اور آج جب بنو عباس کے نااہل افراد سے خلافت جانے کا ذرا ماحول ہی بنا کہ اُن پر قیامت ٹوٹ پڑی اور وہ ہر طرح سے اسے پانے میں ایک دوسرے سے ہی لڑنے مرنے لگے، حالانکہ یہ خلافت نہ تو اُن کی میراث تھی اور نہ ہی اُس دور کے خلفاء کہلانے والے اِس کے اہل تھے۔ ان تمام باتوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے اہلِ بیت کو کس قدر عظیم حوصلہ اور صبر واستقلال عطا فرمایا تھا کہ کڑے سے کڑے وقت میں بھی اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی اور وہ ہر میدان میں ثابت قدم رہے۔ وللہ الحمد

ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ .(۱۵۱)

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کا اپنے بھائی زید بن موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مکالمہ

مامون کا دورِ حکومت اپنی نوعیت کا عجوبہ سمجھا جاتا ہے، اس میں ایک طرف تو علمی ماحول کو فروغ ملا اور بہت سے علوم وفنون مرتب ہوئے، رَصد گاہیں بنائی گئیں اور یونانی وعبرانی زبانوں کے علمی ذخائر کو عربی میں منتقل کرنے کا سلسلہ فروغ پانے لگا، یہاں تک کہ امام ذہبی نے لکھا:

۱۵۱۔ القرآن الكريم ، سورة الحديد : ۲۱.

إِنَّ المَأْمُوْنَ اسْتَخْرَجَ كُتُبَ الفَلاَسِفَةِ وَاليُوْنَانِ مِنْ جَزِيْرَةِ قُبْرُس ، وَقَدِمَ دِمَشْقَ مَرَّتَيْنِ.(۱۵۲)

ترجمہ: مامون نے فلاسفہ اور یونان کی بہت سی کتب کو "جزیرۂ قبرس" سے نکالا اور انھیں دو مرتبہ دمشق لایا۔

لیکن دوسری طرف سیاسی محاذ آرائیوں کا سلسلہ بھی وسیع تر ہوتا جارہا تھا اور آئے دن حکومت وقت کے خلاف کوئی نہ کوئی سازش وجود پارہی تھی، ایسے معاملات سے مامون کا سکون برباد ہو چکا تھا کہ دریں اثنا زید بن موسیٰ رضی اللہ عنہ نے مامون کے بعض معاملات سے اختلاف کرتے ہوئے "بصرہ" میں محاذ آرائی کے لیے میدان ہموار کرنا شروع کیا، تو یہ بات شہرت پاتی ہوئی مامون کے کانوں تک جا پہنچی، لہٰذا اُس نے براہ راست تدبیر کرنے کہ بجائے امام رضا رضی اللہ عنہ سے التماس کی، کہ وہ بصرہ تشریف لے جائیں اور اپنے برادر کو تصفیے کے ذریعے واپس لوٹانے کی کوشش فرمائیں، آپ رضی اللہ عنہ نے مامون کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور خود "بصرہ" تشریف لے گئے، کیونکہ آپ کے خانوادے کا وطیرہ وشعار یہی ہے کہ خون ریزی اور فساد سے انسانوں کو حتی الامکان محفوظ رکھا جائے۔ اِسی لیے آپ نے اپنے بھائی زید کو سمجھانا مناسب جانا اور تکلیف برداشت کرتے ہوئے وہاں پہنچے، یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اگر آپ اس موقع پر اپنا کردار اَدا نہ فرماتے تو حکومت کو بڑے تصادم کا سامنا کرنا پڑتا، جس کے سیاسی نتائج خواہ کچھ بھی ہوتے، لیکن بہت سے لوگ تصادم میں ناحق مارے جاتے، اسی لیے آپ نے نا صرف اپنے بھائی کو سمجھایا، بلکہ دورانِ مکالمہ بطورِ نصیحت کچھ سخت کلمات بھی استعمال فرمائے، چنانچہ امام ذہبی "سیر أعلام النبلاء" اور شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفَيَاتِ" میں لکھتے ہیں:

إِنَّ أَخَاهُ زَيْداً خَرَجَ بِالبَصْرَةِ عَلَى المَأْمُوْنِ ، وَفَتَكَ ، وَعَسَفَ ، فَنَفَّذَ إِلَيْهِ المَأْمُوْنُ عَلِيَّ بنَ مُوْسَى أَخَاهُ لِيَرُدَّهُ . فَسَارَ إِلَيْهِ- فِيمَا قِيْلَ- وَقَالَ : وَيْلَكَ يَا زَيْدُ ! فَعَلْتَ بِالمُسْلِمِيْنَ مَا فَعَلتَ ، وَتَزْعُمُ أَنَّك ابْنُ فَاطِمَةَ ؟ وَاللهِ لأَشَدُّ النَّاسِ عَلَيْكَ رَسُوْلُ اللهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يَنْبَغِي لِمَنْ أَخَذَ بِرَسُوْلِ اللهِ أَنْ يُعْطِيَ بِهِ . فَبَلَغَ المَأْمُوْنَ ، فَبَكَى ، وَقَالَ : هَكَذَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُوْنَ أَهْلُ بَيْتِ النُّبُوَّةِ هَكَذَا .(۱۵۳)

۱۵۲۔ سیر أعلام النبلاء ، للذهبی ، ۱۰/ ۲۷۸.

۱۵۳۔ سیر أعلام النبلاء ، للذهبی ، ۹/ ۳۹۲. الوافي بالوفيات ، للصّفدي ، ۲۲/ ۱۵۶. شذرات الذهب ، للشيخ ابن العماد ، ۳/ ۱۴ .

ترجمہ: آپ کے بھائی زید (بن موسیٰ) نے "بصرہ" میں مامون کے خلاف خروج کیا اور دلیری کے ساتھ ماحول میں دہشت و گرمی پیدا کردی، تو مامون نے اُن کی طرف ان کے بھائی علی (رِضا) کو بھیجا، تاکہ انھیں سمجھا کر واپس کریں۔ آپ سفر کر کے ان تک پہنچے اور سمجھاتے ہوئے کہنے لگے: اے زید! تجھے کیا ہوا ہے؟ تم نے مسلمانوں کے ساتھ "بصرہ" میں کیا کر دیا؟ تم خود کو فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی اَولاد کہتے ہو، واللہ! حضور ﷺ تم سے بھی زیادہ لوگوں کے خیر خواہ تھے۔ اے زید! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگوں نے جو چیز رسول اللہ ﷺ سے لی، وہ تمھیں دے دیں؟ جب یہ گفتگو مامون تک پہنچی، تو وہ رونے لگا اور کہا: رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کو ایسی ہی شان والا ہونا چاہیے۔

اس سے جو بات واضح ہے، وہ امام رِضا کی اعلیٰ نفسیاتی بصیرت پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے پہلے تو انھیں محبت کے لب ولہجہ میں سمجھایا، لیکن جب انھیں جوش نے برانگیختہ کیا، تو آپ نے نفسیات اور موقع کی مناسبت سے ایسا کلام کیا، جس سے غصہ کافور ہو گیا اور یوں انھوں نے حکومت کے خلاف اپنے مؤقف پر سکون کا مظاہرہ کیا، الغرض جس طرح باپ اپنی اولاد کو پیار سے ڈانٹتا اور نامناسب چیز سے روکتا ہے، اُسی طرح آپ نے بھی شفقت کا مظاہرہ فرمایا اور انھیں واپس لوٹنے کا اشارہ کیا۔ اَب وہی زید رضی اللہ عنہ جو کسی صورت واپسی کے لیے تیار نہ تھے، بلکہ کچھ دیر پہلے تک اپنے بھائی سے مکالمہ آرائی میں مشغول تھے، یکسر خاموش ہو گئے۔ امام رِضا رضی اللہ عنہ نے جو ناصحانہ کلام فرمایا اِس کی بنا پر بعض علماء (مثلاً شیخ ابن تیمیہ) اور موجودہ دور کے فتنہ پرور دلیل پکڑتے ہیں، کہ دیکھو! اہل بیت تو خود کو اولادِ فاطمہ ہونے کی بنا پر قابل فخر نہیں جانتے تھے، لیکن لوگ خوامخوہ سادات۔۔ سادات۔۔ کی رٹ لگاتے نہیں تھکتے۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو علی رِضا کبھی اپنے بھائی کو اس بارے میں نہ جھڑکتے، بلکہ مزید حمایت کرتے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا، تو اِس سے عیاں ہے کہ اعمال ہی کی بنیاد پر جنت و جہنم کا فیصلہ ہو گا، حسب و نسب کی وجہ سے کوئی سیّد بھی جہنم سے نہیں بچ سکتا۔۔ الخ۔ چنانچہ سادات کی فضیلت اور متذکرہ اعتراض کا تحقیقی جواب مولانا احمد رضا خان محدثِ حنفی "فتاویٰ رضویہ"[۱۵۴] میں یوں دیتے ہیں:

۱۵۴۔ **الفتاوى الرضوية**، للشيخ أحمد رضا الحنفي، ۱۵/ ۷۳۵-۷۳۲، ملتقطاً.

اہل بیت آگ میں نہیں جاسکتے

(امام) قرطبی آیۂ کریمہ ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى [155]﴾ کی تفسیر میں حضرت ترجمان القرآن (عبد اللہ بن عباس) رضی اللہ عنہ سے ناقل کہ انھوں نے فرمایا:

رِضَاءُ مُحَمَّدٍ صَلَّى الله تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَن لَا يَدْخُلَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ النَّارَ . [156]

یعنی؛ اللہ عزوجل نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی کر دینے کا وعدہ فرمایا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اِس میں ہے کہ ان کے اہل بیت سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔

نار دو قسم کی ہے: نارِ تطہیر؛ کہ مؤمن عاصی جس کا مستحق ہو اور نارِ خلود؛ کافر کے لیے ہے۔ اہل بیت کرام میں حضرت امیر المؤمنین مرتضی و حضرت بتول زہراء و حضرت سیّد مجتبیٰ و حضرت شہید کربلا صلّی اللہ تعالی علی سیّدھم وعلیھم وبارک وسلّم تو بالقطع والیقین ہر قسم سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ ہیں، اس پر تو اجماع قائم اور نصوص متواترہ حاکم، باقی نسلِ کریم تا قیامِ قیامت کے حق میں، اگر بفضلہ تعالی مطلق دُخول سے محفوظی لیجئے اور یہی ظاہر لفظ سے متبادر اور اسی طرف کلماتِ اہلِ تحقیق ناظر، جب تو مراد بہت ظاہر اور منعِ خلود مقصود؛ جب بھی نفی کفر پر دلالت موجود۔ "شَرْحُ المَوَاهِبِ للعَلَّامَةِ الزَّرْقَانِي" میں زیر حدیث مذکور:

اِنَّمَا سُمِّيَتْ فَاطِمَةُ فَاَمَّا هِيَ وَابْنَاهَا، فَالْمَنْعُ مُطْلَقٌ، وَاَمَّا مَنْ عَدَاهُمْ، فَالْمَمْنُوْعُ عَنْهُمْ نَارُ الْخُلُوْدِ . وَأَمَّا مَا رَوَاهُ أَبُوْنُعَيْم وَالخَطِيْبُ اَنَّ عَلِيَّ الرِّضَا بْنَ مُوسَى الكَاظِم بْنِ جَعْفَرِ الصَّادِقِ سُئِلَ عَنْ حَدِيْثٍ، اِنَّ فَاطِمَةَ أَحْصَنَتْ...، فَقَالَ: خَاصٌّ بِالحَسَنِ وَالحُسَيْنِ. وَمَا نَقَلَهُ الأَخْبَارِيُّوْنَ عَنْهُ مِنْ تَوْبِيْخِهِ لِأَخِيْهِ زَيْدٌ حِيْنَ خَرَجَ عَلَى الْمَأْمُوْنِ، وَقَوْلُهُ ، ما أنت قائل لرسول الله أَغَرَّكَ قَوْلَهُ صَلَّى الله تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ فَاطِمَةَ أَحْصَنَت

۱۵۵- **القرآن الكريم**، سورة الضحٰى : ٥ .

۱۵٦- **الجامع لأحكام القرآن**، للقرطبي، تحت الآية : ولسوف يعطيك ربك..، ۲۰/ ۹۵.

...الحَدِيْثَ . اِنَّ هَذَا لِمَنْ خَرَجَ مِنْ بَطْنِهَا لَا لِيْ وَلَا لَکَ . فَهَذَا مِنْ بَابِ التَّوَاضُعِ وَعَدْمِ الإغْتِرَارِ بِالمَنَاقِبِ، وَاِن كَثُرَت ، كَمَا كَانَ الصِّحَابَةُ المَقْطُوْعَ لَهُمْ بِالجَنَّةِ عَلَى غَايَةٍ مِنَ الخَوْفِ وَالمُرَاقَبَةِ وَاِلَّا فَلَفْظُ ذُرِّيَّةٍ لَايَخُصُّ بِمَنْ خَرَجَ مِنْ بَطْنِهَا، (كذا) فِي لِسَانِ العَرَبِ.﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِه دَاودَ وَسُلَيْمٰنَ.[۱۵۷]﴾ وَبَيْنَهُم وَبَيْنَهُ قُرُوْنٌ كَثِيْرَةٌ ، فَلاَ يُرِيْدُ ذَلِکَ مِثْلَ عَلِي الرِّضَا مَعَ فَصَاحِتِهِ وَمَعْرِفَتِهِ لُغْةَ العَرَبِ . عَلَى أنَّ التَّقْيِيْدَ بِالطَّائِعِ يَبْطُلُ خُصُوْصِيَّة ذُرِّيَّتِهَا وَمُحِبِّيهَا ، اِلَّا أن يُقَالَ صَلَّى الله تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَعْذِيْبُ الطَّائِعِ، فَالخُصُوْصِيَّةُ أَن ، لَا يُعَذِّبَهُ اِكْرَاماً لَهَا ، وَالله أَعْلَمُ .[۱۵۸]

وَرَأَيْتِنِي كَتَبتُ عَلَى هَامِشِ قَوْلِهِ "اِلَّا أَن يُقَالَ" مَا نَصّهُ ، أَقُوْلُ: وَلَا يُجْدِيْ فَاِنَّ الوُقُوْعَ مَمْنُوْعٌ بِاجْمَاعِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَأَمَّا الإمْكَانُ فَثَابِتٌ عِنْدَ مَنْ يَقُوْلُ بِهِ اِلَى خِلَافِ أَئِمَّتِنَا المَاتُرِيْدَية رَضِيَ الله تَعَالَى عَنْهُمْ فَاِنَّهُمْ يُحِيْلُونَهُ ، وَقَدْ تَكَلَّمْتُ فِي مَسْئَلَةٍ عَلَى هَامِشِ فَوَاتِح الرَّحْمُوْتِ شَرْح مُسَلَّمِ الثُّبُوْتِ لِبَحْرِ العُلُوْمِ بِمَا يَكْفِي وَيَشْفِي ، فَاِنِّي أَجِدُنِي فِيْهَا أَرْكَنُ وَأَمْيَلُ اِلَى قَوْلِ سَادَاتِنَا الأَشْعَرِيَّةَ رَحِمَهُمُ الله تَعَالَى وَرَحِمنَا بِهِمْ جَمِيْعًا، وَالله أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ فِي كُلِّ بَابٍ.[۱۵۹]

۱۵۷۔ **القرآن الكريم** ، سورة الأنعام : ۸٤ .

۱۵۸۔ **شرح الزّرقاني على المواهب اللدنية** ، للعلامة الزرقاني، الفصل الثاني في ذكر أولاده الكرام ، ٤/ ۳۳۲ .

۱۵۹۔ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل بحث سے ضروری عبارت کا انتخاب کیا ہے، مکمل عبارت نقل نہیں کی، اصل عبارت یوں ہے:

وروي عن ابن مسعود رفعه **إنما سميت فاطمة** بإلهام من الله لرسوله إن كانت ولادتها قبل النبوة وإن كانت بعدها فيحتمل بالوحي؛ **لأن الله قد فطمها** من الفطم، وهو المنع، ومنه فطم الصبي **وذريتها عن النار يوم القيامة**، أي منعهم منها، فأما هي، وابناها، فالمنع مطلق ، وأما من عداهم، فالممنوع عنهم نار الخلود، فلا يمتنع دخول بعضهم للتطهير، ففيه بشرى لآله صلى الله عليه وسلم بالموت على الإسلام، وإنه لا يختم لأحد منهم بالكفر نظيره ما قاله الشريف السمهودي في خبر الشفاعة لمن مات بالمدينة، مع أنه يشفع لكل من مات مسلما، أو إن الله يشاء المغفرة لمن واقع الذنوب منهم إكراما لفاطمة، وأبيها صلى الله عليه وسلم، أو يوفقهم للتوبة النصوح، ولو عند الموت ويقبلها منهم . **أخرجه الحافظ الدمشقي** هو ابن عساكر، **وروى**

ترجمہ:فاطمہ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ آگ سے بچانے والی ہے۔ پس فاطمہ اوران کے بیٹوں کے لیے تو مطلق (نارِ جہنم) ممنوع ہے اوران کے علاوہ (دیگر سادات) کے لیے نارِ خلود (ہمیشہ جہنم) ممنوع ہے اور جو ابو نعیم وخطیب نے روایت کیا ہے کہ علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق سے حدیث ”اِنَّ فَاطِمَةَ أَحْصَنَتْ..“ کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: یہ حسن اور حسین کے ساتھ خاص ہے۔ اوروہ جو مؤرخین نے ان سے نقل کیا ہے کہ جب انھوں نے اپنے بھائی زید کو مامون کے خلاف خروج کے وقت ڈانٹتے ہوئے کہا: تمھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان نے غرور میں مبتلا کیا: بیشک فاطمہ نے اپنی حرم گاہ کی حفاظت کی۔۔ الخ۔ یہ تو سیّدہ کے بطنِ اقدس سے پیدا ہونے والوں (حسنین) کے لیے ہے، میرے اور تمہارے لیے نہیں۔ پس اُن کا یہ فرمان دراصل عاجزی اور مناقب کثیرہ کے باوجود غرور سے اجتناب کے پیشِ نظر تھا، جیسا کہ قطعی جنتی صحابہ بھی خوف ومراقبہ میں مشغول

الغساني والخطيب وقال: فيه مجاهيل . **مرفوعا** إنما سميت فاطمة ، **لأن الله فطمها ومحبيها عن النار** ففيه بشرى عميمة لكل مسلم أحبها، وفيه التأويلات المذكورة، وأما رواه أبو نعيم والخطيب، أن عليا الرضا بن موسى الكاظم بن جعفر الصادق سئل عن حديث أن فاطمة أحصنت فرجها، فحرمها الله وذريتها على النار، فقال: خاص بالحسن والحسين. وما نقله الإخباريون عنه من توبيخه لأخيه زيد حين خرج على المأمون، وقوله ما أنت قائل لرسول الله أغرك قوله أن فاطمة أحصنت الحديث، أن هذا لمن خرج من بطنها، لا لي ولا لك، والله ما نالوا ذلك إلا بطاعة الله، فإن أردت أن تنال بمعصيته ما نالوه بطاعته إنك إذا لأكرم على الله منهم، فهذا من باب التواضع، والحث على الطاعات وعدم الاغترار بالمناقب، وإن كثرت، كما كان الصحابة المقطوع لهم بالجنة على غاية من الخوف والمراقبة وإلا فلفظ ذرية لا يخص بمن خرج من بطنها ، في لسان العرب {وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ} [الأنعام: ٨٤] وبينهم وبينه قرون كثيرة فلا يرد بذلك مثل على الرضا مع فصاحته ومعرفته لغة العرب، على أن التقييد بالطائع يبطل خصوصية ذريتها ومحبيها إلا أن يقال صلى الله عليه وسلم تعذيب الطائع، فالخصوصية أن لا يعذبه إكراما لها، والله أعلم. والحديث الذي سئل عنه أخرجه أبو يعلي والطبراني والحاكم وصححه عن ابن مسعود وله شواهد، وترتيب التحريم على الإحصان، من باب إظهار مزية شأنها في ذلك الوصف مع الإلماح ببنت عمران ولمدح وصف الإحصان وإلا فهي محرمة على النار بنص روايات آخر.

رہتے تھے۔ ورنہ تو ذُریت کا لفظ ایک ہی بطن سے پیدا ہونے والوں کے ساتھ خاص نہیں، جیسا کہ لسان العرب میں (لغوی تفصیل مذکور) ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا فرمان ہے: "اور اس (ابراہیم) کی اَولاد میں سے داوٗد اور سلیمان"۔ حالانکہ (ابراہیم علیہ السلام) ان حضرات کے مابین کئی پشتوں کا فاصلہ ہے۔ چنانچہ علی رِضا رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت اپنی فصاحت اور زبان عرب کی معرفت کے پیش نظر ایسی (بطن واحد کی اَولاد) مراد نہیں لے سکتی۔ نیز یوں ہی معاملے کو فرمانبردار سے مقید کرنے کی صورت میں سیّدہ اور ان سے محبت رکھنے والوں کی خصوصیت باطل ہو جاتی ہے، البتہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہوتا: فرمانبردار کو عذاب۔ تو بایں صورت سیّدہ کی خصوصیت (یہ) ہوتی کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ان کے اکرام کی وجہ سے انھیں عذاب نہیں دے گا۔ (انتہیٰ)

میں (احمد رضا) نے زَرقانی کے قول "إلّا أن یُقال" پر یہ حاشیہ لکھا، میں کہتا ہوں: اُن کا یہ بیان مفید نہیں، کیونکہ (فرمانبرداروں پر عذاب کا) وُقوع تو باجماع اہلسنّت ممنوع ہے، باقی رہا امکان تو یہ اُس قائل (اَشاعرہ) کے ہاں ثابت ہے؛ جو ہمارے ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے کہ یہ ائمہ محال سمجھتے ہیں۔ میں نے اس مسئلے پر "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" از بحر العلوم (محمد عبد العلی بن نظام الدین سہالوی، متوفی ۱۲۲۵ھ) کے حاشیہ (رحمۃ الملکوت، مخطوطۃ، الصفحۃ ۲۳-۱۸) میں کافی و شافی بحث کی (اور یہ کتاب ہذا کا طویل ترین حاشیہ ہے)، اور میں نے وہاں خود کو ساداتِ اشعریہ رحمۃ اللہ علیہم کے قول کی طرف مائل پایا اور اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ہی ہر بارے میں بہتر جاننے والے والا ہے۔

مولانا احمد رضا خان مزید لکھتے ہیں: "فتاوی حدیثیہ" امام ابن حجر مکی میں ہے:

اِذَا تَقَرَّرَ ذَلِکَ فَمَنْ عُلِمَت نِسْبَتُہُ اِلَی آلِ البَیْتِ النَّبَوِیِّ وَالسِّرِ العَلَوِیِّ لا یُخْرِجُہُ عَنْ ذَلِکَ عَظِیْمُ جِنَایَتِہِ وَلَا عَدْمُ دِیَانَتِہِ وَصِیَانَتِہِ ، وَمِنْ ثَمَّ قَالَ

بَعْضُ المُحَقِّقِينَ: مَا مِثَالُ الشَّرِيْفِ الزَّانِي أَو الشَّارِبِ أَو السَّارِقِ مَثَلاً اِذَا أَقَمْنَا عَلَيْهِ الحَدَّ اِلَّا كَأَمِيْرٍ أَو سُلْطَانٍ تَلَطَّخَت رِجْلَاهُ بِقِذْرٍ فَغَسَّلَهُ عَنْهُمَا بَعْضُ خِدَمِهِ. وَلَقَدْ بَرَّ فِي هَذَا المِثَال وَحَقَّق، وَلِيَتَأَمَّل قَوْلَ النَّاسِ فِي أَمْثَالِهِمْ : الوَلَدُ العَاقُ لاَ يُحْرِمُ المِيْرَاث . نَعَمْ ، الكُفْرَ اِن فَرَض وُقُوْعُهُ لِأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ البَيْتِ وَالعِيَاذُ بِالله، هُوَ الَّذِي يَقْطَعُ النِّسْبَةَ بَيْنَ مَنْ وَقَعَ مِنْهُ وَبَيْنَ شَرْفِهِ صَلَّى الله تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، اِنَّمَا قُلْتُ : اِن فَرَض لِأَنَّنِي أَكَادُ أَن أَجْزَم اِنَّ حَقِيْقَةَ الكُفْرِ لاَ تَقَعُ مِمَّنْ عُلِمَ اتِّصالُ نَسَبِهُ الصَّحِيْحِ بِتِلكَ البِضْعَةِ الكَرِيْمَةِ حَاشَاهُمُ الله مِنْ ذَلِكَ، وَقَدْ أَحَالَ بَعْضُهُمْ وُقُوْعَ نَحْوِ الزِّنَا وَ اللوَاطِ مِمَّنْ عُلِمَ شَرْفُهُ فَمَا ظَنُّكَ بِالكُفْرِ؟ .(١٦٠)

ترجمہ: جب یہ ثابت ہو گیا تو اَب جس کی نسبت اہلبیت نبی اور علوی حضرات کی طرف معلوم ہے، تو اُس کی بڑی جنایت (گناہ) اور عدم دیانت وصیانت اسے اِس نسبت سے خارج نہیں کرے گی۔ اِس بنیاد پر بعض محققین نے فرمایا: زانی یا شرابی یا چور سیّد پر حد قائم کرنے کی مثال صرف یہی ہے، جیسے اَمیر یا سلطان کا کوئی خادم اُس کے پاؤں پر لگی نجاست کو صاف کرے۔ بیشک یہ مثال دینے والے نے بہت عمدہ اور حقیقت سے قریب تر مثال بیان کی ہے، نیز لوگوں (اہل علم) کی اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ نافرمان اَولاد وَراثت سے محروم نہیں ہوتی۔ ہاں اگر اہل بیت میں سے کسی فرد کے لیے کفر کا وقوع فرض کیا جائے، والعیاذ باللہ۔ تو البتہ اُس کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین نسبت شرافت منقطع ہو جائے گی۔ اور میں نے فرض کرنے کی بات اس لیے کی ہے، کیونکہ مجھے جزم کی حد تک یقین ہے کہ جو صحیح النسب سیّد ہو؛ اُس سے حقیقی کفر کا وقوع نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ

١٦٠۔ **الفتاوى الحديثية**، للابن حجر المكي، مطلب: ما الحكمة في خصوص أولاد فاطمة بالشرف...، الصفحة ١٦٦.

جَلَّ جَلَالُہٗ انھیں اس سے بلند رکھے۔ اور بعض نے تو صحیح النسب سادات کے لیے زنا اور لواطت جیسے افعال کا وقوع بھی محال قرار دیا ہے، تو پھر بھلا کفر کے متعلق تیرا کیا خیال ہے ؟۔ (یہاں "فتاوی رضویہ" کے اقتباسات ختم ہوئے۔)

نیشاپور میں آمد اور سماعِ حدیث کے لیے محدثین کی بے تابیاں

امام رِضا کا "نیشاپور"(۱۶۱) میں نزولِ اجلال فرما کر وہاں کے بے قرار دِلوں کو تسکین دینا بھی ایک محبت بھری داستان ہے، جسے اہل بیت سے والہانہ عقیدت رکھنے والے علماء نے خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔ ہم نے ما قبل بھی اس پر کچھ کلام کیا تھا، لیکن یہاں مزید اُمور پر گفتگو پیش ہے، تو اوّلاً یہ جاننا ضروری ہے کہ امام رِضا کبھی نیشاپور تشریف لائے بھی یا نہیں ؟ اور اگر لائے تو اس کا مقصد کیا تھا؟ چنانچہ ان سوالات کا جواب ہمیں ایک ہی عبارت میں آسانی سے مل جاتا ہے، جسے ذہبی و مغلطائی نے امام حاکم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے "تاریخ نیشاپور" میں لکھا:

> (امام علی) رِضا ۲۰۰ھ میں نیشاپور تشریف لائے۔ مامون نے رَجاء بن ابی ضحاک کو اِن کے پاس بھیجا تھا، تاکہ وہ انھیں مدینہ سے بصرہ لائیں، وہاں سے اَہواز، پھر فارس اور بُست کے راستے سے "نیشاپور" لے آئیں۔ نیز یہ بھی تاکید کی تھی کہ دورانِ سفر پہاڑی راستوں سے گریز کریں، پھر (نیشاپور میں قیام کے بعد) میرے پاس "مرو" لے آئیں۔(۱۶۲)

مذکورہ بالا عبارت میں ہمیں واضح پتہ چلتا ہے کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ ایک بار نیشاپور گئے اور اس کا مقصد دراصل وہ سفر تھا، جو آپ نے شہر نبوی سے مامون کی طلبی پر کیا۔ اس کے لیے آپ نے بہت سے شہروں کو اپنے قدوم برکت لُزوم سے سرفراز کیا۔ اَوراقِ تاریخ میں شاید کسی جگہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کی دیگر شہروں میں قیام و مجالس علم کی بھی کچھ نہ کچھ تفصیلات

۱۶۱۔ یہ خراسان سے ملحق ایران کا مشہور شہر ہے، اس کے قرب میں مشہد مقدس واقع ہے، ائمہ و محدثین کی بڑی جماعت اس علاقے سے نسبت رکھتی ہے، جن میں امام مسلم قشیری، صوفی ابو علی دَقاق، محدث امام بیہقی، صوفی شیخ فرید الدین عطار اور شاعر عمر خیام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ خلافت راشدہ میں یہاں اسلامی پرچم لہرایا گیا، جس کے بعد اس کی شان و شوکت میں اضافہ ہوتا چلا گیا، حتی کہ بنو عباس کے دور میں یہ شہر صنعت و معیشت کا اہم تجارتی مرکز شمار ہوتا تھا۔

۱۶۲۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبی ، ۹/ ۳۹۰ . إكمال تهذيب الكمال ، للإمام مغلطاي ، ۹/ ۳۷۹. تاريخ بغداد مع ذيوله ، للخطيب البغدادي ؛ تتمة ذيل تاريخ بغداد ، لإبن النجار ، ۱۹/ ۱۴۱ . الرقم ۹۶۹ .

محفوظ ہوں، لیکن ہمارے مطالعے میں جس قدر کتب آئیں، ان میں سے کسی میں بھی اِس بارے میں کچھ درج نہیں، البتہ گمان غالب ہے کہ شاید امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی "تاریخ نیشاپور" میں اس پر کچھ نہ کچھ مواد ضرور ہو، لیکن اس کتاب کے قریباً ناپید ہونے کی وجہ سے اِستفادہ ممکن نہ ہو سکا(۱۶۳)، مگر امام ذہبی، ابن خلکان اور دیگر ائمہ نے اس کی معرفت بہت سا مواد اپنی کتب میں نقل فرمایا، جس سے اس کتاب کا تذکرہ وحوالہ زندہ وباقی ہے۔

آمدم بر سر مطلب کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ جب صعوبت سفر برداشت کرتے ہوئے شہر نبوی سے مامون کی جانب "مرو" جانے کے لیے پابہ رکاب ہوئے، تو راستے میں دشمنوں کی مخالفت اور تکالیف سے حفاظت کے لیے سفری حکمت عملی کے پیش نظر طویل سفر کا انتخاب کیا گیا، جس میں متفرق شہروں سے گزرتے ہوئے ۲۰۰ھ میں نیشاپور پہنچے۔ آپ کے قریب آنے کی خبر پورے شہر بلکہ اَطراف واکناف میں پھیل گئی، چشم زدَن میں اہل بیت کے اس روشن چراغ کا دیدار کرنے کے لیے بقول امام ابن حجر مکی بیس ہزار کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ اُن میں کیسے کیسے نامور ائمہ ومحدثین تھے، اس کی ایک جھلک تو ہم ماقبل لکھ چکے، بس یوں سمجھ لیں کہ امیر المؤمنین فی الحدیث، محمد بن اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر؛ وہ بھی امام موصوف کے ہمراہ تھے، یہ وہی امام جلیل ہیں جن کی علمی ثقاہت تو اپنی جگہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: میں نے ان جیسا عابد وزاہد اور سنت رسول کا پابند زندگی میں نہیں دیکھا۔

آل فاطمہ کے اس مہکتے پھول کی خوشبو نے نیشاپور میں سماں باندھ دیا، اتنی تعداد تو کبھی کسی بادشاہ کے لیے بھی اس شہر میں جمع نہ ہوئی، جتنی تعداد صرف آپ کی بے تابانہ دِید کے لیے اکٹھی ہو چکی تھی، اور بھلا کیوں نہ ہوتی کہ آپ کو اللہ تعالی عَزَّوَجَلَّ نے روحانیت کی بادشاہت عطا کی تھی۔ اس منظر کشی کا جو لطف مولانا احمد رضا خان محدثِ حنفی نے اپنے مختصر کلام میں ابن حجر مکی کی کتاب کے حوالے سے پیش کیا، وہ بہت مسحور کن ہے، چنانچہ ہم انہی کے کلمات سے مستفید ہو رہے ہیں، آپ "فتاویٰ رضویہ" میں لکھتے ہیں کہ امام ابن حجر مکی "صواعق محرقہ" میں نقل فرماتے ہیں:

جب امام علی رِضا رضی اللہ عنہ نیشاپور میں تشریف لائے، چہرۂ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظانِ حدیث، امام

۱۶۳۔ تاریخ نیشاپور کے اصل نسخہ کا تو ہنوز علم نہیں، محققین عرب اور دیگر حضرات کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مفقود ہو چکی، البتہ سابق صدیوں میں اس کتاب کے حوالے سے دو کام ہوئے، جس میں شیخ حافظ عبد الغافر فارسی، متوفی ۵۲۹ھ کی "المنتخب من السياق لتاريخ نيسابور" اور احمد بن محمد خلیفہ نیشاپوری کی "تلخيص تاريخ النيسابور" ہمیں دستیاب ہیں، لیکن اس میں بہت سا مواد اور ائمہ کی بیان کردہ بیشتر نصوص موجود نہیں، چنانچہ اسی بنیاد پر گمان گزرتا ہے کہ شاید اصل کتاب میں امام رِضا رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کے بھی کچھ اَحوال موجود ہوں، جو شامل تلخیص نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم

ابوزُرعہ رازی و امام محمد بن اسلم طوسی اوران کے ساتھ بیشمار طالبانِ علم وحدیث حاضر خدمت انور ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کیا: اپنا جمالِ مبارک ہمیں دکھایئے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمایئے۔

امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا: پردہ ہٹالیں۔

خلقِ خدا کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں، دو گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق خدا کی وہ حالت ہوئی۔۔۔ کہ کوئی چلّاتا ہے۔۔۔ کوئی روتا ہے۔۔۔ کوئی خاک پر لوٹتا ہے۔۔۔ کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔۔۔ اتنے میں علماء نے آواز دی: خاموش، سب لوگ خاموش ہو رہے۔ دونوں امام مذکور (امام ابوزُرعہ رازی اورامام محمد بن اسلم طوسی) نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی، حضور نے فرمایا:

حَدَّثَنِي أَبِي مُوْسَى الكَاظِمِ عَنْ أَبِيْهِ جَعْفَرِ الصَّادِق عَنْ أَبِيْهِ مُحَمَّد البَاقِرِ عَنْ أَبِيْهِ زَيْنِ العَابِدِيْنَ عَنْ أَبِيْهِ الحُسَيْن عَنْ أَبِيْهِ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ الله تَعَالَى عَنْهُمْ ، قَالَ : حَدَّثَنِي حَبِيْبِي وَقُرَّةُ عَيْنِي رَسُوْلُ الله صَلَّى الله تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : حَدَّثَنِي جِبْرِيْلُ ، قَالَ : سَمِعْتُ رَبَّ العِزَّةِ يَقُوْلُ :

" لَا اِلٰهَ اِلَّا الله حِصْنِي، فَمَنْ قَالَهَا ، دَخَلَ حِصْنِي، وَمَنْ دَخَلَ حِصْنِي، أَمِنَ مِنْ عَذَابِي".

یعنی؛ امام علی رِضا، امام موسیٰ کاظم وہ امام جعفر صادق، وہ امام محمد باقر، وہ امام زین العابدین، وہ امام حسین، وہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے روایت فرماتے ہیں: کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی: کہ اُن سے جبریل نے عرض کی: کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا الله میرا قلعہ ہے، تو جس نے اِسے کہا، وہ میرے قلعے میں داخل ہوا اور جو میرے قلعے میں داخل ہوا، میرے عذاب سے اَمان میں رہا۔

یہ حدیث روایت فرما کر حضور رواں ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا، دَواتوں والے جو اِرشاد مبارک لکھ رہے تھے، شمار کیے گئے بیس ہزار (۲۰،۰۰۰) سے زائد تھے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَوْ قَرَأْتَ هَذَا الإِسْنَادَ عَلَى مَجْنُوْنٍ ، لَبَرَءَ مِنْ جُنُنِهِ. (۱۶۴)

ترجمہ: یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھو، تو ضرور اُسے جنون سے شفا ہو۔

متذکرہ بالا کلام سے عیاں ہوتا ہے کہ صرف اُسی مجلس میں بقول ابن حجر مکی بیس ہزار سے زائد لوگوں نے آپ سے حدیث لکھی۔ یہ تو لکھنے والوں کی تعداد کا بیان ہے، خدا جانے اور کتنی مخلوق ہوگی، جنھوں نے صرف زیارت کرتے ہوئے حدیث کا سماع کیا ہوگا؟ اس سے امام موصوف کی اتنی بڑی تعداد میں تلامذہ ومستفیدین کا علم بھی ہوتا ہے۔

سفر نیشاپور میں محدث ابوزُرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی کا سماع، تحقیقی جائزہ

متذکرہ بالا واقعے میں جرح وتعدیل کے معتبر امام ابوزُرعہ رازی اور امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہم کا ذکر ہے کہ انھوں نے مع جماعت حاضر ہو کر سماع حدیث کے لیے امام رِضا رضی اللہ عنہ سے درخواست کی، لہٰذا یہاں امام رِضا رضی اللہ عنہ کے تلمیذ ہونے کی حیثیت سے دونوں ائمہ پر مختصر کلام پیش کیا جارہا ہے، تاکہ صوررت حال واضح ہوسکے۔

امام ابوزُرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ جرح وتعدیل کے مسلّمہ امام اور حافظ الحدیث تھے، جمہور محدثین کے مطابق انکی پیدائش ۲۰۰ھ میں یا اس کے بعد ہوئی۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "الكاشف" اور "تاريخ الإسلام" میں لکھا: ۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے، لیکن انھوں نے ہی "سير أعلام النبلاء" میں ۲۰۰ھ کا قول تحریر کیا ہے (۱۶۵)۔ جبکہ فیصلہ کن قول خود ابوزُرعہ رازی کا اپنا ہے، جسے خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد" میں بسند ذکر کیا: وہ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے (۱۶۶)۔ پس اس تناظر میں دیکھیں، تو "نیشاپور" میں آمدِ رِضا کے وقت ان کا مع جماعت طلبِ حدیث کرنا ممکن ہی نہیں رہتا، کیونکہ ان کی ولادت ہی اسی سال ہوئی۔ اور اگر بالفرض امام ابوزُرعہ رازی کے بارے میں شیخ ذہبی کا ۱۹۰ھ والا شاذ قول مان لیا جائے، اگرچہ "سير أعلام النبلاء" میں وہ

۱۶۴- **الفتاوى الرضوية** ، للشيخ أحمد رضا الحنفي ، ۹/ ۱۳٤-۱۳۳. **الصواعق المحرقة** ، للابن حجر المكي ، الصفحة ۲۸٦ ، الفصل الثالث في الأحاديث الواردة في بعض أهل البيت. **أخبار الدول و آثار الأول في التاريخ** ، للقرماني ، ۱/ ۳٤٤ ، ذكر علي الرضا . **فيض القدير شرح الجامع الصغير** ، للمناوي ، ٤/ ٤٨٩ ، الرقم ٦٠٤٧ . **نور الأبصار** ، للشبلنجي ، الصفحة ۱٥٤ .

۱۶۵- **الكاشف** ، للذهبي ، ۱/ ٦٨٣ ، الرقم ۳٥٦٨ . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ، ۲۰/ ۱۲٥ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ۱۳/ ٦٥ ، الرقم ٤٨ . **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ۱۲/ ۳٦ ، الرقم ٥٤۲۲ .

۱۶۶- **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ۱۲/ ۳٦ ، الرقم ٥٤۲۲ .

اس کے خلاف اور جمہور کے موافق ۲۰۰ھ لکھ چکے ہیں، تو ایسی صورت میں سماع دُرست ہو سکتا ہے، لیکن اس عمر میں وہ خود طالب علم تھے، لہٰذا انھیں بھی جماعت طلبہ کے ساتھ حاضری کی صورت ہی تسلیم کیا جائے گا۔

البتہ محمد بن اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ کا سماع واستفادہ ممکن ہے، کیونکہ امام ذہبی نے "سير أعلام النبلاء" میں ان کی پیدائش ۱۸۰ھ بیان کی ہے[۱٦۷]، لیکن بایں ہمہ ۲۰۰ھ کے سفر نیشاپور کے وقت ان کی عمر صرف بیس سال ہی بنتی ہے، پس اتنی قلیل عمر میں تو وہ بھی خود تحصیل علم میں مشغول رہے ہوں گے، پھر تلامذہ کی جماعت چہ معنی دارد۔ البتہ وہ خود طلبہ کی جماعت کے ہمراہ حاضر ہوئے ہوں، یہ بات معقول ہے، فافہم۔ اسی توجیہ اور نقل ائمہ کی روشنی میں ہم نے انھیں ماقبل تلامذہ کی فہرست میں شمار کیا ہے، لیکن امام ابوزُرعہ رازی کے بارے میں ہمیں ہنوز شرح صدر نہیں، واللہ اعلم۔

سفر نیشاپور میں سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے والے محدثین کی تعیین

امام رِضا رضی اللہ عنہ جب بادشاہ مامون کی طلبی پر سفر کرتے ہوئے "نیشاپور" داخل ہوئے، تو وہاں جن محدثین وشخصیات نے آپ سے ملاقات کی، ان کی تعیین امام ابن جوزی نے "المنتظم في تاريخ الملوك والأمم" اور شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان في تواريخ الأعيان" میں یوں بیان کی ہے:

وكان المأمون قد أمر بإشخاصه من المدينة ، فلما قدم نيسابور [خرج] وهو في عماريه على بغلة شهباء ، فخرج علماء البلد في طلبه [مثل] يحيى بن يحيى، وإسحاق بن راهويه، ومحمد بن رافع ، وأحمد بن حرب وغيرهم. فأقام بها مدة، والمأمون بمرو إلى أن أمر بإخراجه إليه .[۱٦۸]

ترجمہ: مامون نے آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے لانے کا حکم دیا، چنانچہ جب آپ رضی اللہ عنہ نیشاپور تشریف لائے، تو ہودج میں شہابی (بھوری) رنگت کے خچر پر سوار تھے۔ علمائے شہر مثلاً یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راہویہ، محمد بن رافع اور احمد بن حرب

۱٦۷۔ **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ۱۲/ ۱۹۵، الرقم ۷۰ .

۱٦۸۔ **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم**، للابن الجوزي، ۱۰/ ۱۲۰، ذكر السنة ۲۰۳هـ . **مرآة الزمان في تواريخ الأعيان**، للشيخ سبط ابن الجوزي، ۱۳/ ۳٦۷، ذكر السنة الحادية بعد المئتين .

رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ استقبال کے لیے نکلے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہاں کچھ عرصہ قیام کیا، کیونکہ مامون "مرو" میں قیام پذیر تھا، پس اُس نے آپ کو وہاں لانے کا حکم دیا۔

جبکہ امام ابو نعیم اصبہانی نے "ذكر أخبار إصبهان" میں اسی واقعے کو ابو الصلت ہروی سے یوں نقل کیا:

كُنْتُ مَعَ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى الرِّضَا وَدَخَلَ نَيْسَابُورَ رَاكِبًا بَغْلَةً شَهْبَاءَ أَوْ بَغْلًا أَشْهَبَ - الشَّكُّ مِنْ أَبِي الصَّلْتِ - فَعَدَا فِي طَلَبِهِ عُلَمَاءُ الْبَلَدِ يَاسِينُ بْنُ النَّضْرِ، وَأَحْمَدُ بْنُ حَرْبٍ، وَيَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَعِدَّةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، فَتَعَلَّقُوا بِلِجَامِهِ فِي الْمُرَبَّعِ، فَقَالُوا: بِحَقِّ آبَائِكَ الطَّاهِرِينَ، حَدِّثْنَا بِحَدِيثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ أَبِيكَ. قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي الْعَدْلُ الصَّالِحُ مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ مُوسَى: حَدَّثَنِي أَبِي الصَّادِقُ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنِي أَبِي أَبُو جَعْفَرٍ بَاقِرُ الْعِلْمِ عِلْمِ الْأَنْبِيَاءِ، قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ سَيِّدُ الْعَابِدِينَ، حَدَّثَنِي أَبِي سَيِّدُ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْحُسَيْنُ، حَدَّثَنِي أَبِي سَيِّدُ الْعَرَبِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ، وَإِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ، وَعَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ.[١٦٩]

ترجمہ: میں علی بن موسیٰ رضا کے ہمراہ تھا، جب وہ شہابی رنگت کے خچر پر سوار ہو کر نیشاپور داخل ہوئے، چنانچہ آپ کے استقبال کے لیے علمائے شہر میں سے یاسین بن نضر، احمد بن حرب، یحییٰ بن یحییٰ اور دیگر اہل علم حاضر ہوئے، یہ حضرات سواری کے چاروں طرف احاطہ کیے ہوئے تھے، پس انھوں نے عرض کی: اپنے آبائے کرام کے صدقے ہمیں ایسی حدیث سنائیں، جسے آپ نے والد

١٦٩۔ **ذكر أخبار إصبهان**، للإمام أبي نعيم الاصبهاني، ١/ ١٣٨، الترجمة: أحمد بن علي الأنصاري. **الصواعق المحرقة**، لإبن حجر المكي، الصفحة ٢٨٦، الفصل الثالث في الأحاديث الواردة في بعض أهل البيت، مختصراً. **كشف الخفاء ومزيل الإلباس**، للعجلوني، ١/ ٢٢، الرقم ٢٤، بتغيّر يسير.

گرامی سے سناہو۔ تو آپ نے فرمایا: مجھ سے والد گرامی عادل وصالح موسی بن جعفر نے حدیث بیان کی، انھوں نے فرمایا: مجھ سے میرے والد جعفر صادق بن محمد نے حدیث بیان کی، انھیں اُن کے والد ابو جعفر باقر، علوم انبیائے کی عقدہ کشائی کرنے والے نے حدیث بیان کی، ابو جعفر نے فرمایا: مجھ سے والد علی بن حسین، سیّد العابدین نے حدیث بیان کی، انھیں اُن کے والد اہل جنت کے سردار حسین نے حدیث بیان کی، انھیں اُن کے والد سیّد العرب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم نے حدیث بیان کی، کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: ایمان کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دل سے ماننے، زبان سے اقرار کرنے اور احکامِ اسلام پر عمل کرنے کا نام ہے۔

متذکرہ بالا عبارت میں علمائے نیشاپور میں سے اضافی نام "یاسین بن نضر" ذکر ہوا، جو ابن جوزی کی عبارت میں مذکور نہ تھا، اس کی تائید ابن عساکر کی سند سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے سفر نیشاپور کے واقعے کو اپنی سند سے درج کیا، جس میں متذکرہ نام درج ہے، مزید برآں امام رضا کی بیان کردہ حدیث کا اپنی سند عالی سے تابع بھی ذکر کیا ہے:

أخبرنا أبو محمد بن الأكفاني ، حدثنا أبو محمد الكتاني ، أنبأنا أبو المعالي فضل بن محمد الهروي الفقيه ، حدثنا أبو الحسن محمد بن يحيى ، حدثنا أبو الفضل ، حدثنا محمد بن علي بن موسى ، حدثنا أبو علي أحمد بن علي الخزرجي ، حدثنا أبو الصلت الهروي قال :
كنت مع علي بن موسى الرضا فدخل نيسابور وهو راكب بغلة شهباء أو أشهب ، قال أبو الصلت : الشك مني . وقد عدوا في طلبه فتعلقوا بلجامه وفيهم ياسين بن النضر ، قالوا : يابن رسول الله بحق آبائك الطاهرين حدثنا بحديث سمعته من أبيك . فأخرج رأسه من العمارية ، فقال : حدثني أبي الرجل الصالح موسى بن جعفر ، حدثني أبي الصادق جعفر بن محمد ، حدثني أبي محمد بن علي ، حدثني أبي علي بن الحسين ، حدثني

أبي الحسين ابن علي ، حدثني أبي علي بن أبي طالب ، قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : سمعت جبريل يقول : قال الله عزّ وجلّ : «أَنَا اللهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا ، يا عبادي! فَمَنْ جَاءَ مِنْكُمْ بِشَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ بِالْإِخْلَاصِ ، دَخَلَ فِي حِصْنِي ، وَمَنْ دَخَلَ فِي حِصْنِي ، أَمِنَ مِنْ عَذَابِي». (۱۷۰)

ترجمہ: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اے میرے بندو! تم میں سے جو کوئی اخلاص کے ساتھ "لا الہ الا اللہ" کی گواہی دیتا ہوا آئے، وہ میرے قلعے (پناہ) میں داخل ہو گا اور جو میرے قلعے میں داخل ہو جائے، میرے عذاب سے محفوظ ہو گا۔

شیخ ابو الصلت کے طریق سے اسے خواجہ محمد پارسا بخاری نے "فصل الخطاب بِوَصْل الأحباب" میں بھی ذکر کیا ہے (۱۷۱)، لیکن اس میں احمد بن حرب، یحییٰ بن یحییٰ اور اسحاق بن راہویہ مذکور ہیں۔ الغرض متذکرہ بالا عبارات میں ناموں کا اختلاف نفس واقعہ میں تشویش کا باعث نہیں، کیونکہ نیشاپور میں ہزاروں کی تعداد میں علماء اور اہل محبت نے آپ رضی اللہ عنہ سے استفادہ کیا، جن کے لیے بیک وقت ایک ہی حدیث بیان نہیں کی گئی، بلکہ قافلہ رواں رہا اور آپ رضی اللہ عنہ مناسب مقامات پر اَحادیث بیان کرتے رہے، چنانچہ راویوں نے جنھیں اُس وقت سواری کے گرد پایا اور دیکھا، اُن کا ذکر کر دیا، اسی وجہ سے ایک ہی واقعے میں متعدد اَسمائے گرامی مذکور ہوئے، لہٰذا تطبیق کے لیے انھیں تعددِ مجالس پر محمول کیا جانا ہی بہتر اور جم غفیر کے حوالے سے مناسب ہے، واللہ اعلم۔ عام طور پر اہلسنّت کی کتب میں متذکرہ بالا واقعہ صرف امام ابن حجر مکی کے حوالے سے ہی نقل دَر نقل دکھائی دیتا ہے، اسی لیے ہم نے تلاش و جستجو کے بعد اس کی جہات اور تفصیلات کو مبرہن و مدلل کرنے کے لیے حتی الوسع منتہی و معتبر تاریخی کتب سے بھی شواہد پیش کر دیئے ہیں، تاکہ اس پر دَر آیا غبار صاف ہو سکے اور اہل علم ایک ہی مقام پر اس کی مختلف عبارات کے مضامین سے مستفید ہو سکیں، وللہ الحمد۔

۱۷۰۔ **تاريخ مدينة دمشق** ، للإمام ابن عساكر ، ٤٨/ ٣٦٦ ، الرقم ٥٦٢٧ . رقم الحديث ١٠٤٥٧ . **حلية الأولياء** ، للإمام أبي نعيم ، ٣/ ١٩٢.

۱۷۱۔ **فصل الخطاب بوصل الأحباب** ، للشيخ محمد البارسا ، الصفحة ٤٣٧ ، ذكر الامام علي الرضا .

سفر نیشاپور کے محدثین تلامذہ

- ❖ أحمد بن حرب بن عبد الله بن سهل ، أبو عبد الله ، النيسابوري . المولود في السنة ١٧٦هـ ، المتوفى ٢٣٤ هـ . (١٧٢)
- ❖ إسحاق بن راهوية الحنظلي المروزي النيسابوري . المولود في السنة ١٦١هـ ، المتوفى ٢٣٨هـ . (١٧٣)
- ❖ عبيد الله بن عبد الكريم ، أبو زرعة الرازي . المولود في السنة ٢٠٠هـ / ١٩٠هـ ، المتوفى ٢٦٤هـ . (١٧٤)
- ❖ محمد بن رافع ، أبو عبد الله ، القشيري النيسابوري . المولود في السنة ١٧٠ هـ ، المتوفى ٢٤٥هـ . (١٧٥)
- ❖ محمد بن أسلم ، أبو الحسن ، الطوسي الخراساني . المولود في السنة ١٨٠هـ ، المتوفى ٢٤٢هـ . (١٧٦)
- ❖ ياسين بن النضر بن يونس بن سليمان ، أبو سعيد ، الباهلي القاضي النيسابوري. المتوفى..؟(١٧٧)
- ❖ يحيىٰ بن يحيىٰ بن بكر بن عبد الرحمن ، أبو زكريا ، النيسابوري . المولود في السنة ١٤٢هـ ، المتوفى٢٢٦هـ. (١٧٨)

ان میں ابوزُرعہ کے علاوہ تمام کا زمانہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کے سفر نیشاپور سے مطابقت رکھتا ہے، اسی لیے ہم نے سنِ پیدائش ووفات رقم کر دیے ہیں، تاکہ سہولت رہے، جبکہ امام ابوزُرعہ کی ملاقات اور استفادے کے بارے میں ما قبل کلام پیش کر دیا گیا۔ الغرض ایسے مقتدر ائمہ کا آپ رضی اللہ عنہ سے سماعِ حدیث کرتے ہوئے تلمذ اختیار کرنا قابلِ فخر ہے۔

١٧٢ـ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٥/ ١٩٠ ، الرقم ٢٠٥٤ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ١١/ ٣٢ ، الرقم ١٤ . **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ١/ ٤٢٥ ، الرقم ٤٤٠ .

١٧٣ـ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ١١/ ٣٧٧ ، الرقم ٧٩ .

١٧٤ـ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ١٣/ ٦٥-٧٧ ، الرقم ٤٨ .

١٧٥ـ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ١٣/ ٢١٤ ، الرقم ٧٤ .

١٧٦ـ **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ١٢/ ١٩٥-٢٠٤ ، الرقم ٧٠ .

١٧٧ـ **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ، ١٩/ ٣٦٧ ، الطبقة السادسة والعشرون . **الإكمال في رفع الارتياب** ، للإمام ابن ماكولا ، ٧/ ٣٥٣ . **تلخيص تاريخ نيسابور، للحاكم** ، أتباع الأتباع بعد الصحابة ، ذكره قبل الطبقة الرابعة من علماء نيسابور ، الصفحة ٣٩ .

١٧٨ـ **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ٢٣/ ٣١ ، الرقم ٦٩٤٣ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ١٠/ ٥١٢ ، الرقم ١٦٧ .

سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کا خلیفہ مامون کی بیٹی زینب سے عقد اور خطبہ نکاح

امام رِضا رضی اللہ عنہ جب ۲۰۰ھ میں "مرو" پہنچے، تو حاکم وقت مامون نے آپ کا بڑا احترام کیا اور کسی بھی پہلو سے تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا۔ رمضان المبارک ۲۰۱ھ کو دربارِ شاہی میں رسم جانشینی کی محفل منعقد ہوئی اور کچھ عرصے بعد ۲۰۲ھ میں بادشاہ نے اپنی دُختر زینب جن کی کنیت "اُمّ حبیب / اُمّ حبیبہ"(۱۷۹) کا نکاح اپنے ولی عہد سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ سے کر دیا، چنانچہ امام خطیب بغدادی "تاریخ بغداد" میں لکھتے ہیں:

جب مامون رشید نے اپنی بیٹی کے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، تو اپنے اُستاد یحییٰ بن اکثم سے کہا: آپ علی رِضا سے اس بارے میں بات کریں۔ قاضی یحییٰ بن اکثم نے کہا: مجھے مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اُن سے اس بارے میں لب کشائی کروں؟ اے امیر المؤمنین! آپ حاکم ہے اور یہ بات آپ کو ہی شایاں ہے کہ اُن سے بات کریں۔ پھر مامون نے (حاکم اور ولایت عمومی کے حامل ہونے کی حیثیت سے خود ہی خطبہ نکاح پڑھتے ہوئے) کہا:

الحمدُ لله الَّذِي تَصَاغَرَتِ الأُمُوْرُ بِمَشِيئَتِهِ ، وَلَا إلهَ إلَّا اللهُ إقْرارًا بِرُبُوبِيَّتِهِ ، وَصلَّى الله عَلَى مُحَمَّدٍ عِنْدَ ذِكْرِهِ ، أَمَّا بَعْدُ : فَإنَّ اللهَ جَعَلَ النِّكَاحَ الَّذِي رَضِيَهُ لَكُمَا سَبَباً لِلمُنَاسِبَة ، أَلَا وَإنِّي قَدْ زَوَّجْتُ زَيْنَبَ اِبْنَتِي مِنْ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى الرِّضَا ، وَأَمْهَرْنَا عَنْهُ أَرْبَعَمِائَةَ دِرْهَمٍ .(۱۸۰)

یعنی؛ بعد حمد و صلوٰۃ! بیشک اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے نکاح کو اپنی رضا کا ذریعہ قرار دیا ہے، تو آگاہ ہو جاؤ، میں نے اپنی بیٹی "زینب" کا نکاح علی بن موسیٰ رِضا سے کیا اور ان کی طرف سے اپنی بیٹی کا حق مہر چار سو درہم مقرر کیا ہے۔

۱۷۹۔ "اُم حبیبہ" کا ذکر شیخ مسعودی نے "مروج الذهب، ٤/ ٢٥" اور پھر انہی کے حوالے سے مؤرخ مطہر بن طاہر مقدسی نے "البدء والتاريخ، ٦/ ١١٠" میں کیا ہے، جبکہ "اُم حبیب" کا تذکرہ اکثر کتب میں موجود ہے۔ یہ دونوں ایک ہی خاتون کی کنیت ہے، البتہ تحریر میں اختلاف ہے، اسی لیے ہم نے دونوں کی وضاحت کر دی ہے۔ ان کے بارے میں کچھ تفصیل سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کے باب میں بھی بیان ہو گی، ان شاء اللہ۔

۱۸۰۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ٦/ ٥٧٣، الرقم ٣٠٤٩. **المنتظم**، للابن الجوزي، ١٠/ ١٠٩. **كنز الدرر وجامع الغرر**، للشيخ الدواداري، ٥/ ١٧٨.

ذخائر کتب میں سے خطیب بغدادی کی عبارت میں یہ واحد خطبہ نکاح میسر آیا ہے، جس میں آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ کا نام "زینب" بیان کیا گیا ہے، جبکہ بقیہ تمام مصادر و مراجع میں متذکرہ کنیت ہی درج کی گئی تھی، چنانچہ بایں طور آپ رضی اللہ عنہ کی حرم میں آنے والی مامون رشید کی بیٹی "زینب" کا نام اَب محفوظ ہو گیا ہے، وللہ الحمد۔

نیز اس عبارت سے واضح ہے کہ مامون نے اَز خود اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اپنی بیٹی کو حرم اہل بیت سے منسوب کر کے سعادت مندوں میں شمار ہو جائے، اِسی لیے خطبہ نکاح اور مجلس اِیجاب بھی خود ہی منعقد کی، لیکن امام رِضا کا مجلس میں موجود ہونا واضح نہ ہو سکا، البتہ مذکورہ صورت کے پیشِ نظر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایجاب کے بعد جب سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا، تو آپ نے قبول فرمالیا، یا پھر آپ بوقت مجلس موجود تھے، لیکن چونکہ مامون نے ولایت عمومی کے تحت آپ کا نکاح کر دیا، تو آپ نے اس مجلس میں خاموشی اختیار فرمائی، جس سے مجلس پر آپ کا راضی بر نکاح ہونا آشکار ہو گیا، واللہ اعلم۔ چنانچہ اس سال کے تاریخی واقعات کی روشنی میں قرین صواب دوسری صورت ہی ہے کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ مجلس میں موجود تھے، کیونکہ مامون کی مدینہ منورہ سے طلبی پر آپ تشریف لائے اور پھر ساتھ ہی رہے، واپس مدینہ منورہ تشریف نہیں لے گئے، حتیٰ کہ یہی وصال فرمایا۔ الغرض امام موصوف کے حبالہ عقد اور حرم اہل بیت میں "اُمّ حبیب" کا نام تمام ہی مؤرخین نے بالاتفاق ذکر کیا ہے۔

مجلس بالا میں ہی سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ اور مامون کے نکاح؟

امام رِضا رضی اللہ عنہ کا نکاح بلا اختلاف مؤرخین کے یہاں مذکور ہے، لیکن اُسی مجلس میں بعض مؤرخین کے نزدیک امام محمد جواد بن علی رِضا رضی اللہ عنہ کا نکاح بھی پڑھایا گیا، حالانکہ اس وقت آپ کی عمر قریباً سات سال تھی، نیز دیگر بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس مجلس میں ایک نہیں، بلکہ تین نکاح ہوئے، جس میں مامون نے اپنی دونوں بیٹیوں کے نکاح امام رِضا اور امام محمد جواد سے کیے اور تیسرا نکاح خود مامون کا تھا، جو اُس نے حسن بن سہل کی بیٹی "بُوران" سے کیا، پس متذکرہ مجلس میں نکاحوں کا اختلاف خلجان پیدا کر رہا ہے، لہٰذا ہم اس کی تحقیق پیش کر رہے ہیں۔

ا۔ امام رِضا اور محمد جواد دونوں کا نکاح ہوا

امام ابن جوزی "اَلْمُنْتَظَم فِيْ تَارِيْخ الْمُلُوْكِ وَالأُمَمْ" اور ابن جریر طبری "تَارِيْخُ الرُّسُل والْمُلُوْکَ" لکھتے ہیں:

فِي هَذِهِ السَّنَةِ[۲۰۲ھ] زَوَّجَ المَأمُوْنُ عَلِيَّ بْنَ مُوْسَى الرِّضَي اِبْنَتَهُ أُمّ حَبِيْبٍ ، وَزَوَّجَ مُحَمَّدًا بْنَ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى اِبْنَتَهُ أُمّ الفَضْلِ . (۱۸۱)

ترجمہ: ۲۰۲ھ میں مامون نے اپنی بیٹی اُمّ حبیب کا نکاح علی بن موسیٰ رِضا سے اور دوسری بیٹی اُم الفضل کا نکاح محمد بن علی بن موسیٰ سے کیا۔

جبکہ شیخ سبط ابن جوزی نے خطبہ نکاح میں دونوں حضرات کے اسماء کا بھی ذکر کیا، اگرچہ وہ خود تین شادیوں کا مؤقف رکھتے ہیں، چونکہ یہ کلمات سابق خطبہ سے مختلف ہیں، اسی لیے ہم انھیں بھی محفوظ کر رہے ہیں:

الحمدُ لله الَّذِي تَصَاغَرَت الأُمُوْرُ لمشِيئَتِهِ ، وأَشْهَدُ أن لَا إلهَ إلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شريكَ لَهُ ، إقْرارًا برُبُوبِيَّته ، وَصلَّى الله عَلَى سَيِّدنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِه وَعِتْرِته ، صَلاةً وَّسَلامًا دائِمِيْنَ إلى يَوْمِ حَشْرِه وجَزَائِه ، أمَّا بَعْدُ :

فإنَّ الله سُبْحَانَهُ جَعَلَ النكَاحَ سَببًا للمُناسِبَة بَيْنَ عِبَادِهِ ، فَقَالَ : { وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ المَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا} [الفرقان: ۵۴] . وَقَالَ- صلَّى الله عليه وسلَّم-: تَنَاكَحُوْا تَنَاسَلُوْا، تَكْثُرُوْا ، أُبَاهِي بِكُمُ الأُمَمَ يَوْمَ القِيَامَةِ . وإنِّي قَدْ زوَّجْتُ ابنَتِي أُمَّ حَبِيبِ مِنْ عَلِيِّ بْن مُوْسَى ، وَأُمَّ الفَضْلِ مِنْ وَلد مُحَمَّد، وَأَصْدقتُ كلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُما أَرْبعَ مِئة دِرْهَمٍ ، اسْتِنانًا بِالسُّنَّةِ الطَّاهِرَةِ ، وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الوَكِيْل . (۱۸۲)

۲۔ امام رِضا، محمد جواد اور مامون رشید تینوں کے نکاح ایک ہی مجلس میں ہوئے

امام ابن جوزی "شذور العقود"، شیخ ابن مسکویہ رازی "تجارب الأمم"، ابن کثیر "البداية والنهاية"، ابن اثیر جزری "الكامل في التاريخ" اور شہاب الدین ابن العماد "شَذَرَاتُ الذَّهَبْ فِي أَخْبَارِ مَنْ ذَهَبْ" میں لکھتے ہیں:

۱۸۱۔ **المنتظم**، للجوزي ، ۱۰/ ۱۰۹. **تاريخ الرُّسل والملوك**، للطبري ، ۸/ ۵۵٦ .

۱۸۲۔ **مرآة الزمان**، للشيخ سبط ابن الجوزي ، ۱۳/ ۳٦۸ .

[فِي سَنَةِ اثْنَتَيْنِ وَمِائَتَيْن] تَزَوَّجَ المَأْمُوْنُ بُوْرَانَ بِنْتِ الحَسَنِ بْنِ سَهْلٍ ، وَ زَوَّجَ اِبْنَتَهُ أُمّ حَبِيْبٍ عَلِيَّ بْنَ مُوْسَى الرِّضَا ، وَ زَوَّجَ اِبْنَتَهُ أُمّ الفَضْلِ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى . (۱۸۳)

ترجمہ: ۲۰۲ھ میں مامون نے حسن بن سہل کی بیٹی بوران سے نکاح کیا اور اپنی بیٹی اُمّ حبیب کا نکاح علی بن موسی الرضا اور دوسری بیٹی اُمّ الفضل کا نکاح محمد بن علی بن موسی سے کیا۔ ابن جوزی نے "الشذور" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ سبط ابن جوزی نے "مراۃ الزمان" میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ایک ہی مجلس میں متذکرہ بالا تینوں نکاح وقوع پذیر ہوئے۔ جن میں سے امام رِضا اور امام محمد جواد کا نکاح ایک ہی خطبہ میں مامون نے خود پڑھایا اور دونوں حضرات کا حق مہر اپنی جانب سے چار چار سو درہم مقرر کیا، جبکہ تیسرا نکاح خود مامون کا تھا، لیکن سبط ابن جوزی نے اس کے ایجاب وقبول اور خطبہ کا ذکر نہیں کیا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دونوں ائمہ کے نکاح ہونے کے بعد تیسرے نکاح کے لیے اسی مجلس میں الگ خطبہ دیا گیا، لیکن ناقلین نے صرف ایک ہی خطبہ نقل کر دیا، کیونکہ خطبے میں ناموں کے علاوہ الفاظ وکلمات یکساں ہوں گے، البتہ تعدد نکاح کی کیفیت میں تینوں کا الگ الگ بیان کر دیا گیا۔ واللہ اعلم

نکاح کے بارے میں ائمہ ومؤرخین کی آراء میں تطبیق

یہ بات دلائل وشواہد سے واضح ہے کہ سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کی رُخصتی بالاتفاق ۲۱۵ھ میں ہوئی، جیسا کہ آئندہ باب میں نصوص آرہی ہیں، تو اس تناظر میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ بصورتِ احتمال آپ کا نکاح تو اُسی مجلس میں ہوا، البتہ رُخصتی کو ۲۱۵ھ تک مؤخر کیا گیا، لیکن والد کے ساتھ نکاح کی مجلس میں آپ رضی اللہ عنہ کا موجود ہونا بہر حال محتاجِ دلیل ہے، جس پر کم اَز کم ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں۔ نیز سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کے دُخولِ بغداد کی تعداد کے بارے میں بھی کچھ کلام آئندہ اور متعلقہ باب میں آرہا ہے، جس سے عیاں ہے کہ ۲۱۵ھ سے قبل آپ رضی اللہ عنہ کبھی بغداد تشریف ہی نہیں لائے۔

۱۸۳- **شذور العقود في تاريخ العهود**، للابن الجوزي، الصفحة ۱٦۸، ذكر سنة اثنتين (۲۰۲هـ) . **تجارب الأمم**، للشيخ ابن مسكويه، ٤/ ۱٤۱، ذكر خلافة المأمون . **البداية والنهاية**، للامام ابن كثير، ۱٤/ ۱۲٥، ذكر السنة ۲۰۲هـ . **الكامل في التاريخ**، للجزري، ٥/ ٤٤٦، ذكر السنة ۲۰۲هـ . **شذرات الذهب**، للشيخ ابن العماد، ۳/ ۸ .

اگرچہ بیشتر علمائے تاریخ ان تفصیلات پر متفق دکھائی دیتے ہیں، کہ امام رِضا اورامام محمد جواد رضی اللہ عنہم کا نکاح ایک ہی مجلس میں ہوا، لیکن جمہور کے بر خلاف عبد اللہ بن مسلم المعروف ابن قتیبہ، متوفی ۲۷٦ھ "المعارف" میں ذکر کرتے ہیں:

وفي هذه السنة بنى بـ«بوران». وبعث المأمون إلى محمد بن على بن موسى ، وهو ابن الرّضى ، فأقدمه ، فزوّجه ابنته ، وأذن له في حملها إلى المدينة ، فحملها.(۱۸۴)

ترجمہ:اسی سال(۲۱۰ھ میں)اُس(مامون)نے بُوران سے نکاح کیا۔ نیز مامون نے محمد بن علی بن موسی ابن الرضا کی جانب قاصد بھیجا، جب آپ تشریف لائے، تو اس نے آپ رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور انھیں مدینہ لیجانے کی اجازت دی، تو آپ رضی اللہ عنہ انھیں (مدینہ منورہ) لے آئے۔

شیخ ابن قتیبہ کا بیان معقول، نیز اس کی تقویت شیخ صفدی کی آنے والی عبارت سے بھی ہوتی ہے، جس میں صرف امام رِضا رضی اللہ عنہ کے نکاح اور دِعبل خزاعی کے قصیدہ کہنے کی تفصیل درج ہے، چنانچہ اگر محمد جواد رضی اللہ عنہ کا نکاح بھی اسی وقت ہوا تھا، تو دِعبل خزاعی کے قصیدے میں اسے بھی منسوب کیاجاتا اس کے علاوہ اگر ابن قتیبہ کا مؤقف درست ہو تو اس کی تائید مؤرخین کے اُن کلمات سے ہوتی ہے، جس میں انھوں نے ۲۱۰ھ میں شادی کے لیے "تزوج" کالفظ استعمال کیاہے، جیسا کہ "تاريخ الخلفاء" اور "الأنساب" (۱۸۵) میں ہے۔ الغرض علمائے تاریخ کی آراء ماقبل درج ہوئیں، اور ابن قتیبہ کی شاذ رائے ابھی گزری، چنانچہ ممکن ہے کہ ابن قتیبہ کا بیان جمہور کے خلاف ہونے کے باوجود قرین صواب ہو کہ ۲۱۰ھ تک امام محمد جواد کی عمر مبارک پندراں سال تھی، جو شادی کے لیے موزوں ہے، لیکن اگر جمہور کا ۲۰۲ھ والا قول لیں، تو اس وقت عمر سات سال بنتی ہے، جو طفولیت ہے، واللہ اعلم۔

لیکن ابن قتیبہ کی اس رائے کو مان لینے کی صورت میں مزید کئی اُمور قابل توجہ وترمیم ہوں گے، مثلاً ایسی صورت میں سیّدنا جواد کا بغداد میں وُرود تین مرتبہ قرار پائے گا، پہلی مرتبہ ۲۱۰ھ میں شادی ورخصتی کے وقت، دوسری مرتبہ

۱۸۴۔ **المعارف**، للابن قتيبة الدّينوري، الصفحة ۳۹۱.

۱۸۵۔ **تاريخ الخلفاء**، للسيوطي، الصفحة ٤٨٨ . **الأنساب**، للسمعاني، ۸/ ۸۳، تحت الإسم : الصِّلحي .

۲۱۵ھ میں تکریت، مضافات بغداد کے مقام پر ملاقات کے لیے اور تیسری مرتبہ خلیفہ مامون کی وفات کے بعد ۲۱۸ھ میں ، نیز اس کے پیش نظر مامون کا ۲۱۵ھ میں اپنی بیٹی کے ساتھ خلوت کی اجازت دینا بھی عبث ٹھہرتا ہے، کیونکہ اگر ۲۱۰ھ میں آپ شادی کے بعد زوجہ کو لے کر مدینہ آ گئے تھے اور پھر ۲۱۵ھ میں صرف خلیفہ سے ملنے گئے، تو اَب خلوت کے لیے اجازت چہ معنی دارد۔۔؟ حالانکہ ۲۱۵ھ کے واقعے کو مؤرخین نے اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اگرچہ پہلے کسی سال میں ہو چکا، لیکن رُخصتی ہنوز نہیں ہوئی تھی، اسی لیے جب سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ ملنے گئے تو مامون نے رُخصتی کی بھی اجازت دی، چنانچہ وہیں کچھ عرصے قیام فرما ہو کر مع زوجہ مدینہ منورہ واپس لوٹے، اس کی کچھ تفصیلات آئندہ باب میں آرہی ہیں۔

ان اُمور کی وجہ سے دُرست مؤقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح تو ۲۰۲ھ / ۲۱۰ھ کی کسی مجلس میں وُقوع پذیر ہوا تھا، لیکن رُخصتی بالاتفاق ۲۱۵ھ میں ہوئی، لہٰذا جنھوں نے ۲۱۰ھ میں ہی رُخصتی کا ذکر کیا، انھیں اشتباہ ہوا اور یوں ہی جنھوں نے ۲۱۵ھ میں نکاح کا بیان کیا، انھیں بھی سہو ہوا، کیونکہ اس سال صرف رُخصتی ہوئی تھی۔

ان تفصیلات کو پیش نظر رکھنے کی صورت میں جمہور ائمہ و مؤرخین کے بیانات میں صحت و مطابقت واضح ہے، البتہ ابن قتیبہ کے مؤقف میں معمولی ترمیم سے یہ معاملہ بھی جمہور کے موافق ہو جاتا ہے، فتدبر۔ واللہ اعلم

بُوران سے نکاح کے مختلف بیانات میں تطبیق

حسب سابق مؤرخین کے یہاں اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ مامون نے اپنے وزیر حسن بن سہل کی بیٹی "بُوران" [۱۸۶] سے کب شادی کی، چنانچہ اکثر مؤرخین کے یہاں شادی کا سال ۲۱۰ھ ذکر کیا گیا، جبکہ بقیہ نے ۲۰۲ھ بیان کیا ہے، تو ان میں تطبیق یوں ہے کہ نکاح تو ۲۰۲ھ میں ہی ہوا، البتہ رخصتی ۲۱۰ھ میں واقع ہوئی، جیسا کہ مؤرخین کے متذکرہ واقعے میں استعمال ہونے والے کلمات، نیز سبط ابن جوزی اور مسعودی کے بیان سے بھی عیاں ہے، چنانچہ اوّل الذکر لکھتے ہیں:

۱۸۶۔ یہی نام مؤرخین کے یہاں معروف ہے، لیکن شیخ مسعودی نے لکھا: اصل نام "خدیجہ" تھا، لیکن بوران سے معروف تھیں۔ (مروج الذھب ، للمسعودي ، ۲۶/۴، ذکر زواج المأمون ببوران بنت الحسن بن سھل)۔ اس خاتون کی دانشمندی اور دیگر صفات کا تذکرہ تاریخ اور نسائیات سے متعلق کئی کتب میں تفصیلاً مذکور ہے، البتہ ہمیں اس سے شغف نہیں، مطالعہ کے خواہاں حضرات بآسانی رجوع کر سکتے ہیں۔

وزوَّجه ابنته أمَّ حبيب ، وزوَّج ولدَه محمد بن عليٍّ ابنتَه أمَّ الفضل ، وعُمرُ محمدٍ يومئذ سبعُ سنين ، وتزوَّج المأمونُ بوران بنتَ الحسن بنِ سهل ، الجميعُ في وقت واحد ، وكان الوليَّ في تزويج بُورانَ عمُّها الفضل بنُ سهل ، ولم يدخل بها المأمونُ إلى سنة عشرٍ ومئتين .(۱۸۷)

ترجمہ: مامون نے آپ (علی رِضا) سے اپنی بیٹی اُمّ حبیب، اور ان کے بیٹے محمد بن علی (رِضا) سے اپنی بیٹی اُمّ الفضل کا نکاح کیا۔ اس وقت محمد کی عمر سات سال تھی۔ اور مامون نے بُوران بنت حسن بن سہل سے نکاح کیا۔ یہ سب نکاح ایک ہی مجلس میں کیے گئے، نیز بُوران کی طرف سے اس کے چچا فضل بن سہل نے بطور ولی شادی کروائی۔ البتہ مامون نے ۲۱۰ھ تک بُوران سے صحبت نہیں کی (یعنی رخصتی اتنے سالوں تک مؤخر رکھی)۔

اس طرح مؤرخین کے بظاہر مختلف دکھائی دینے والے بیانات میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اَمر بھی بے غبار ہو تا ہے کہ اس کا نکاح امام رِضا رضی اللہ عنہ کی نکاح والی مجلس میں ہی ہوا تھا، البتہ رخصتی بعد اَزاں عمل میں آئی۔

مامون اور بُوران کی شادی پر کھربوں روپے کے مصارف

ہمیں اس فاضل بحث سے شغف نہ تھا، لیکن جب ہم نے تاریخ کے اس دور میں اہل بیت کے شرعی وظائف کی عدم وصولی دیکھی اور دوسری جانب اس شادی کی فضول خرچیاں نظر آئیں، تو دل خون کے آنسو رویا اور اسلامی حکمرانوں کی ایسی شاہ خرچیوں پر افسوس ہوا، البتہ ہم نے مناسب جانا کہ قارئین کے لیے مختصر طور پر آج کے زمانے کے حساب سے اس شادی پر خرچ کیے جانے والے مصارف کا تخمینہ پیش کیا جائے، تاکہ حکمرانوں کی اسلام اور اہل بیت سے بے رغبتی کے نظائر اُجاگر ہو سکیں، چنانچہ کتب تواریخ مثلاً "مرآة الزمان"، "مروج الذهب" اور "الأنساب" میں تفصیلاً، جبکہ

۱۸۷۔ **مرآة الزمان**، للشيخ سبط ابن الجوزي، ۱۳/ ۳٦۸ .

"تاریخ الخلفاء" اور "العِبر"[۱۸۸] وغیرہ میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے کہ اس شادی میں سونے کی قندیلوں میں بیش قیمت خوشبو "عنبر (Ambergris)" سُلگائی گئی، جس کا وزن چالیس "المنّ" تھا۔ ایک "المنّ" دو رِطل بغدادی کے برابر ہے۔ اَحناف کے نزدیک ایک "رِطْل" 130 دِرہم اور ایک درہم 3.12 گرام کے برابر ہوتا ہے[۱۸۹]۔ ایک رطل بغدادی قریباً 405.6 گرام، اور دو رطل 811.2 گرام، تو چالیس "المنّ" میں 32.448 گرام ہوئے اور آج کے زمانے (فروری۲۰۱۹ء) میں متوسط عنبر کی فی گرام قیمت 6000 ہزار سے زائد ہے، پس اگر یہ قیمت فرض کر لی جائے تو 19,46,88000 یعنی انیس کروڑ چھیالیس لاکھ اٹھاسی ہزار روپے بنتی ہے[۱۹۰]۔

اس کے علاوہ شادی میں آنے والے ہر مہمان کو مشک (Musk) سے بنا ہوا ایک بکس دیا گیا، جس میں ایک رقعہ موجود تھا، پس جب وہ مہمان بکس کھولتا تو اس میں کنیز، سواری اور دیگر بیش قیمت اشیاء کی تفصیلات درج ہوتی تھیں، جنھیں حامل رقعہ کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ اگر اس اعتبار سے کم از کم صرف سو مشک کے بکس کا ہی تخمینہ لگائیں، تو آج ایک گرام مشک کی قیمت 12000 ہزار پاکستانی روپے سے زائد ہے اور ایک بکس اَوسطاً 200 گرام کا بھی فرض کیا جائے، تو 240000 چوبیس لاکھ روپے قیمت قرار پاتی ہے، اس لحاظ سے 100 افراد کے لیے چوبیس کروڑ روپے کے بکس تیار ہوئے اور یہ صرف بکس کی قیمت ہے، اس میں درج کنیز، سواریاں اور دیگر ملنے والا سامان الگ قیمت کا ہے۔

یعنی مجموعی طور پر ہوا میں اُڑائی اور پیش کی جانے والی خوشبو کی لاگت کا تخمینہ 43.46.88000 تینتالیس کروڑ چھیالیس لاکھ اٹھاسی ہزار روپے تھا، اس میں سونے کی قندیلیں، درہم و دینار، کنیزیں، سواریاں، ہیرے و قیمتی جواہر اور دیگر اخراجات شامل نہیں، نیز سترہ دن تک مامون کا تمام لشکر یہی قیام پذیر رہا اور ان کا تمام خرچ شادی میں ہی شامل رہا، صرف منہ دکھائی کے طور پر ایک ہزار ہیرے بوران پر نچھاور کیے گئے، اب بقیہ مصارف کا اندازہ خود لگا لیجئے۔

۱۸۸۔ مرآة الزمان، للشيخ سبط ابن الجوزي، ١٤/ ٧٣ . مروج الذهب، للمسعودي، ٤/ ٢٦ . الأنساب، للسمعاني، ٨/ ٨٣، تحت الاسم: الصِّلحي . تاريخ الخلفاء، للسيوطي، الصفحة ٤٨٨ . العبر في خبر من غبر، للذهبي، ١/ ٢٨١ .

۱۸۹۔ المقادير الشرعية والأحكام الفقهية، للدكتور محمد نجم الدين الكردي، الفصل الثاني: الأكيال، الصفحة ١٦٩ .

۱۹۰۔ محقق شہیر علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے اہلسنّت کی تحقیقات کے مطابق ایک دِرہم تقریباً 3.0618 گرام کا ہوتا ہے، تو اس حساب سے دو رِطل بغدادی 796.068 گرام اور چالیس منّ کے تقریباً 31842.72 گرام ہوئے، جنھیں چھ ہزار عنبر کی قیمت سے ضرب کریں، تو 19.10.56.320 روپے بنتے ہیں۔

ہم نے اُوپر صرف سو افراد کا اندازہ فرض کرتے ہوئے تخمینہ لگایا ہے، تاکہ حساب میں سہولت رہے اور قارئین بوجھل نہ ہوں، ورنہ کتب میں مذکور ہے کہ مامون اپنے پورے لشکر کے ساتھ وہاں براجمان تھا، جس کی تعداد ہزاروں میں تھی، لہٰذا اس تناسب سے تو مجموعی خوشبو کا تخمینہ ہی اَربوں میں جا پہنچتا ہے، جبکہ کُل شادی کے مصارف آج کے کھربوں روپے بنتے ہیں، الغرض ایسی شادی تو شاید آج کا کوئی ملٹی بلینئر (Multi Billionaire) بھی نہیں کر سکتا۔ فافہم

سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کی شادی پر دِعبل شاعر کا قصیدہ

امام رِضا رضی اللہ عنہ کی شادی کے موقع پر اہلِ بیت کی مدح سرائی کرنے والے مامون کے خاص درباری شاعر دِعبل خزاعی نے امام کی تعریف میں قصیدہ کہا، تو اسے مقبولیت و دَاد ملی۔ چنانچہ شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ المَأْمُون قَدْ زَوَّجَهُ اِبْنتَهُ أُمَّ حَبِيْبٍ وَمَدحَهُ دِعبِل الخُزاعيُّ فَأَعْطَاهُ سِتّ مائَة دِينَارٍ وَجُبَّة خزّ ، بَذَلَ لَهُ فِيْهَا أَهْل قُمّ ألفَ دِينَارٍ فَامْتَنعَ وَسَافَر فَأَرْسِلُوْا مَنْ قطعَ عَلَيْهِ الطَّرِيقَ وَأَخذ الجبَّةَ ، فَرجَعَ إِلَى قُمّ ، فَقَالُوا لَهُ : أَمَّا الجبَّةَ فَلَا وَلَكِنْ هَذِهِ ألف دِينَارٍ وَأَعطُوْهُ مِنْهَا خِرْقَةً.

ترجمہ: دوسری طرف مامون نے اپنی بیٹی اُمّ حبیب کا نکاح آپ سے کر دیا، جس کی تعریف میں دعبل خزاعی نے (قصیدہ) کہا، تو آپ نے اُسے چھ سو دینار اور ایک اُونی جبّہ دیا۔ باشندگانِ قم نے اس جبہ کی قیمت ایک ہزار دینار لگائی، لیکن اس نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور پھر وہاں سے کوچ کر گیا، تو ان لوگوں نے کچھ ڈاکوؤں کو بھیجا، جنھوں نے اس سے جبہ لے لیا، لہٰذا یہ دوبارہ "قم" آیا، تو انھوں نے کہا: جبہ تو نہیں ملے گا، البتہ یہ تمہارے ہزار دینار ہیں، پھر انھوں نے جبہ میں سے ایک ٹکڑا اِسے بھی دے دیا۔ (۱۹۱)

۱۹۱۔ **الوافي بالوفيات** ، للصّفدي ، ۲۲/ ۱۵۵ .

لیکن یہ اُس معروف قصیدے کے علاوہ ہے جو "مَدَارِسُ آيَاتٍ خَلَتْ مِنْ تِلَاوَةٍ" کے کلمات والا ہوتا ہے(یہ قصیدہ آرہاہے)، کیونکہ اس قصیدے میں تو غم ویاس کی عکاسی اور اہل بیت پر حکمرانوں کے ظالمانہ رویے کی داستان ذکر ہے، شادی کا بیان قطعاً نہیں، چنانچہ شادی کے موقع پر کہا جانے والا قصیدہ جو خوشی ومسرت کے کلمات سے مملو ہونا چاہیے، وہ شاید حوادثِ زمانہ کی نذر ہو کر کہیں گم ہو چکا۔ عام طور پر کتب میں ان دونوں قصائد میں فرق نہیں برتا گیا، جو واضح تضاد کا داعی ہے۔

اَولاد وجانشین

اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے امام رِضا رضی اللہ عنہ کو اَولاد کی سعادت سے نوازا تھا، مؤرخین وسیرت نگاروں نے آپ کی اولاد کے بارے میں زیادہ اختلاف نہیں کیا، چنانچہ بعض نے پانچ اور بعض نے چھ کی تعداد واَسماء تحریر کیے ہیں، امام ذہبی لکھتے ہیں:

آپ (علی رِضا) نے اپنے پیچھے اَولاد میں محمد (جواد)، جعفر، ابراہیم، حسین اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑا۔[192]

مذکورہ عبارت سے امام رِضا رضی اللہ عنہ کی اَولاد کی تعداد پانچ بنتی ہے، جس میں چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے، جبکہ شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں: آپ کی اَولاد میں محمد (جواد)، حسین، جعفر، ابراہیم، حسن اور عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں۔[193]

شیخ صفدی کی عبارت میں اضافی نام "حسن" شامل ہے، تو اس طرح تعداد پانچ بیٹے اور ایک بیٹی بنتی ہے، بہر حال اتنی تعداد تو ہر ایک کے یہاں مسلّم ہے، البتہ شیعہ حضرات کا اختلاف ہے، پس ہم یہاں خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

ان کی مستند کتاب "بحار الأنوار" میں متذکرہ بالا پانچ بیٹے اور ایک بیٹی کا قول بحوالہ "كشف الغمة"، جبکہ دو بیٹے محمد اور موسی کا قول بحوالہ "العدد القوية" اور صرف ایک ہی بیٹے محمد جواد کا قول بحوالہ "إعلام الورى" بیان کیا ہے، البتہ علامہ مجلسی کا میلان صرف محمد جواد رضی اللہ عنہ یعنی ایک ہی بیٹے پر ہے[194]۔ جبکہ شیخ مفید نے "الإرشاد" میں شیعوں کا اس پر اتفاق لکھا ہے کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کا صرف ایک ہی بیٹا تھا، جس کا نام "ابو جعفر محمد بن علی" تھا[195]۔

۱۹۲- **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ۹/ ۳۹۳-۳۸۷. **مرآة الزمان**، للشيخ سبط ابن الجوزي، ۱۳/ ۳۸۹.

۱۹۳- **الوافي بالوفيات**، للصّفدي ۲۲/ ۱۵٤.

۱۹۴- **بحار الأنوار**، للعلامة باقر المجلسي، طبع جديد، ۱۲/ ۱۱۰. طبع قديم ٤۹/ ۲۲۲-۲۲۱.

۱۹۵- **الإرشاد**، للعلامة المفيد، المجلد ۱۱، الجزء الثاني، الصفحة ۲۷۱، ذكر علي الرضا، طبع سلسلة مؤلفات الشيخ المفيد.

اہل سنت کے یہاں امام رِضا رضی اللہ عنہ کی اَولاد کا ما قبل ذکر ہوا اور اُن میں ایک بیٹی "عائشہ" بھی شامل ہے، اس نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ائمہ اہل بیت سیّدنا ابو بکر و عمر و عثمان اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کا اَدب واحترام کرتے تھے، اِسی لیے اپنی اَولادوں کے نام اِن شخصیات کے ناموں پر رکھا کرتے تھے، البتہ موجودہ دور کے ایک شیعی مؤرخ نے امام رِضا رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نام "عائشہ" کی جگہ "فاطمہ" لکھ دیا، لیکن یہ اِخفاء اہل علم کے یہاں معنی نہیں رکھتا، کیونکہ صرف امام رِضا رضی اللہ عنہ ہی کی اَولاد کا کیا کہنا، بلکہ ائمہ اہل بیت کے یہاں تو خلفائے ثلاثہ اور اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے ناموں پر نام رکھنے کا سلسلہ قدیم سے جاری ہے، لہٰذا ایسی غیر علمی حرکات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سب سے زیادہ معروف اور جانشین سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ ہوئے، ان کا تذکرہ آئندہ باب میں آرہاہے۔ برصغیر کی روحانی شخصیت خواجہ معین الدین چشتی، متوفی ۶۳۳ھ کا نسب ایک قول کے مطابق آپ کے صاحبزادے "ابراہیم بن رِضا" سے متصل ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ اس پر تفصیلی کلام ما قبل موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی اَولاد میں گزر چکا، وہاں مراجعت کریں۔

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کی فقہی واجتہادی بصیرت

امام رِضا رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے روحانیت کے ساتھ علم ظاہری کی دولت سے بھی سرفراز کیا، یہی وجہ تھی کہ اوائل عمری سے ہی آپ نے مسند حدیث وافتاء کو رونق بخشی اور خاص مسجد نبوی میں طالبان علم کو سیراب کیا کرتے تھے۔ مؤرخین کے یہاں اگرچہ اس باب میں کوئی خاطر خواہ ذخیرہ تو اَوراق کی زینت نہ بن سکا، لیکن چند نکات جو ہمیں میسر آئے، انھیں پیش کررہے ہیں۔ چنانچہ فقہائے اَربعہ اور دیگر اہل علم کے یہاں نماز کے دوران بسم اللہ کو جہراً پڑھنے کا مسئلہ شروع سے زیر بحث رہا، اس بارے میں ہر فریق کے پاس احادیث وصحابہ سے دلائل موجود ہیں، امام رِضا رضی اللہ عنہ کا زمانہ فقہی بالیدگی وارتقاء کا تھا، اسی لیے ایسے مسائل کی بابت بحث عام تھی، چونکہ آپ رضی اللہ عنہ اہل بیت کے جانشین اور اپنے آباء کے علمی وارث تھے، لہٰذا آپ نے بھی اس مسئلے میں ایک مؤقف اپنا رکھا تھا۔

نماز میں جہری "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم" پڑھنا

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

احمد بن خالد ذُہلی نے کہا: میں نے علی رِضا کے پیچھے نیشاپور میں نماز پڑھی، تو آپ نے ہر سورت کی ابتدا میں جہری "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم" پڑھی۔(١٩٦)

جبکہ شیخ صلاح الدین صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں اسی روایت کو قدرے اضافہ کے ساتھ بہ سند یوں لکھتے ہیں:

قَالَ مُحِبُّ الدِّيْنَ بْنُ النَّجَّار: أَنْبَأَنَا عَبْدُ الوَهَّابِ بْنُ عَلِيٍّ الأَمِيْنِ ، قَالَ: كَتَبَ اِلَيَّ أَبو الغَنَائِمِ هِبَةُ الله بْنُ حَمْزَةَ العَلَوِيُّ ، قَالَ : أَنَا أَبو عَبْدُ الرَّحْمَن الشَّاذِيَاخِيُّ قِرَأَةً عَلَيْهِ : أَنَا أَبو عَبْدُ الله مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الله الحَاكِمِ النَّيْسَابُوْرِيُّ ، قَالَ : أَنَا أَبو عَلِيٍّ الحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَوْرَةَ الصَّغَانِيُّ بِمَرَوْ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَروٍ الفَقِيْهُ : ثَنَا خَالِدُ بْنُ أَحْمَدِ بْنِ خَالِدِ الذُّهْلِيُّ : ثَنَا أَبِي ، قَالَ :

صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى الرِّضَا بِنَيْسَابُوْرِ ، فَجَهَرَ بِبِسْمِ الله الرَّحْمَنِ الرَّحِيْمِ فِي كُلِّ سُوْرَةٍ . وَيُذْكَرُ أَنَّ رَسُوْلَ الله ﷺ : كَانَ يَجْهَرُ بِبِسْمِ الله الرَّحْمَنِ الرَّحِيْمِ .

یعنی: احمد بن خالد ذُہلی الامیر نے کہا: میں نے علی رِضا کے پیچھے "نیشاپور" میں نماز اَدا کی، تو آپ نے ہر سورت کی ابتدا میں بلند آواز سے "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم" پڑھی، اور آپ نے (دلیل دیتے ہوئے) فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح جہراً "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم" پڑھا کرتے تھے۔(١٩٧)

١٩٦۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي، ٩/ ٣٨٩.

١٩٧۔ الوافي بالوفيات ، للصّفدي ، ٢٢/ ١٥٦.

خلق قرآن کا مسئلہ

ہارون رشید کے زمانے میں جب یونانی فلسفہ عربی میں منتقل ہونا شروع ہوا تو اس کے اثرات کی بدولت اسلامی عقائد کے بارے میں زبانِ طعن و تشکیک دراز اور نت نئے فتنوں کا آغاز ہوا، انھیں میں سے قرآن کو مخلوق ماننے کا مسئلہ بلکہ فتنہ تھا، جو رفتہ رفتہ عروج پکڑ گیا، حالانکہ اس سے پہلے عالم اسلام کے مسلّمہ عقائد میں سے تھا کہ قرآن اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا کلام اور اس کی صفت ہے، مخلوق نہیں۔ لیکن دورِ ہارونی اور پھر مامونی میں علمائے اسلام کو اس مسئلے کے نہ ماننے پر کیسی کیسی سزائیں دیں گئی، اس کے بیان سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دنیائے اسلام پر اللہ تعالی جل جلالہ کی نشانی احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو ہی دیکھ لیں کہ انھیں حکمرانوں کی طرف سے اس مسئلے کو نہ ماننے کے سبب صبح وشام کوڑوں کی سزادی جاتی تھی، الغرض ایسے نازک دور میں کسی شخصیت کا اس مسئلے کے بارے میں کلام کرنا اور وہ بھی حکومت کی مخالفت میں، موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، لیکن اہل حق کسی کی پروا نہیں کرتے، ہمیشہ حق کا ساتھ دیتے اور حق ہی پر زندگی و موت قبول کرتے ہیں، چنانچہ امام رِضا رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤقف کا برملا اظہار کرتے ہوئے فتویٰ دیا، جسے ذہبی نے بحوالہ امام حاکم نقل کیا:

حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الهَاشِمِيُّ بِالكُوْفَةِ ، حَدَّثَنَا القَاسِمُ بْنُ أَحْمَدَ العَلَوِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبو الصَلْت الهَرَوِيُّ ، حَدَّثِنِي عَلِيُّ بْنُ مُوْسَى الرِّضَي قَالَ :

مَنْ قَالَ : اَلقُرْآنُ مَخْلُوْقٌ ، فَهُوَ كَافِرٌ . (۱۹۸)

ترجمہ: علی بن موسی رِضا نے بیان کیا: جس نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے، تو وہ کافر ہے۔

وبسنده أيضاً: اَلقُرْآنُ كَلَامُ الله غَيْرُ مَخْلُوْقٍ . (۱۹۹)

ترجمہ: جبکہ اسی سند سے ایک مقام پر یوں ہے: قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں۔

۱۹۸۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي، ۹/ ۳۸۹.

۱۹۹۔ تاريخ بغداد ، للخطيب البغدادي ، ۹/ ۵۱٦ ، الرقم ٤٥٥٧ .

مسئلہ تقدیر

یونانی فلسفہ کی آمیزش سے جس طرح مسئلہ خلق قرآن اہل علم کے لیے آزمائش بنا، اُسی طرح مسئلہ قضاء وقدر بھی موضوع سخن رہا۔ امام رضا رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں بھی واضح ومدلل مؤقف تھا، چنانچہ امام ذہبی لکھتے ہیں:

"ہر شئ تقدیر سے ہوتی ہے؛ حتی کہ تنگدستی اور دانائی بھی"۔ (۲۰۰)

نیز امام بیہقی نے اس روایت کو کتاب "القضاء والقدر" میں تفصیلاً یوں ذکر کیا:

أَخْبَرَنَا أَبو عَبْدِ الله الْحَافِظُ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْحَسَنِ عَبْدَ الله بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ الْمَعْرُوفِ بِالْمُوسَوِيِّ بِمَدِينَةِ رَسُولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّوْضَةِ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبِي يَذْكُرُ عَنْ آبَائِهِ ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ مُوسَى الرِّضَا كَانَ يَقْعُدُ فِي الرَّوْضَةِ وَهُوَ شَابٌّ مُلْتَحِفٌ بِمِطْرَفِ خَزٍّ فَيَسْأَلُهُ النَّاسُ وَمَشَايِخُ الْعُلَمَاءِ فِي الْمَسْجِدِ فَسُئِلَ عَنِ الْقَدَرِ فَقَالَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: {إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ } [القمر: ٤٧-٤٩] . ثُمَّ قَالَ الرِّضَا: كَانَ أَبِي يَذْكُرُ ، عَنْ آبَائِهِ ، أَنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَانَ يَقُولُ: «إِنَّ اللهَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزَ وَالْكَيْسَ ، وَإِلَيْهِ الْمَشِيئَةُ وَبِهِ الْحَوْلُ وَالْقُوَّةُ». (۲۰۱)

ترجمہ: ہمیں حافظ ابوعبد اللہ نے بیان کیا کہ انھوں نے ابوالحسن عبد اللہ بن محمد ابن جعفر موسوی کو مدینہ منورہ میں روضہ اقدس کے قریب بیان کرتے ہوئے سُنا، کہ ان کے والد نے اپنے آبائے کرام سے روایت کی ہے کہ حضرت علی بن موسی رضا رضی اللہ عنہ روضہ اقدس کے قریب نوجوانی میں اُونی لباس زیب تن کیے بیٹھا کرتے اور مسجد نبوی میں موجود عوام الناس اور مشائخ وقت آپ رضی اللہ عنہ سے سوالات

۲۰۰۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي، ۹/ ۳۸۹ .

۲۰۱۔ **القضاء والقدر** ، للبيهقي ، بتحقيق : الشيخ صلاح الدين شكر ، الصفحة ۷۳۷ ، الرقم ۳۸۲ .

پوچھا کرتے تھے، پس آپ رضی اللہ عنہ سے تقدیر کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے یہ آیات پڑھیں: "بیشک مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں، جس دن آگ پر اپنے مونھوں کے بل گھسیٹے جائیں گے اور فرمایا جائے گا: چکھو دوزخ کی آگ، بیشک ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا فرمائی"۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے والد نے اپنے آباء سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ عزوجل نے ہر چیز ایک اندازے کے مطابق پیدا فرمائی ہے؛ حتیٰ کہ تنگدستی اور دانائی بھی۔ (بیشک) اُسی کی مشیئت ہے اور نیکی کرنے کی توفیق اور گناہ سے بچنے کی طاقت بھی اُسی کی جانب سے ہے۔"

اسی طرح مسئلہ جبر و اختیار کے بارے میں علمائے فلاسفہ کے اثرات نے شکوک پیدا کئے، جس کے سدّباب کے لیے علم کلام معرض وجود میں آیا اور فلاسفہ کے اعتراضات کا جواب انہی کے انداز میں لایا گیا۔ مسئلہ ہذا ابھی موضوع بحث رہا اور اس کی بناپر بعض فرقوں کا مستقل وجود دَر آیا، جنھیں "جبریہ وقدریہ" وغیرہ ناموں سے جانا جاتا ہے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب امام موصوف بقیدِ حیات تھے، تو ایسے میں جب ایک مرتبہ آپ سے امام نحو ولغت ابو عثمان مازنی نے سوال کیا، تو امام رِضا رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، جسے امام ذہبی "تذهيب تهذيب الكمال" اور شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں:

ابو عثمان مازنی روایت کرتے ہیں، علی بن موسیٰ رِضا سے سوال کیا گیا: کیا اللہ تعالیٰ عزوجل لوگوں کو ایسی بات کا مکلّف کرتا ہے، جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے؟ آپ نے فرمایا: وہ (ربّ کریم جل جلالہ تو) اِس سے بھی زیادہ عدل فرمانے والا ہے۔ سائل نے عرض کی: کیا لوگ اِس بات کی طاقت رکھتے ہیں، کہ جو چاہیں کر لیں؟ آپ نے فرمایا: لوگ اس کام سے عاجز ہیں (یعنی وہ ایسا نہیں کرسکتے)۔ (۲۰۲)

۲۰۲- **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ٧/ ٤٥-٤٤، الرقم٤٨٤٣. **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٩/ ٣٩١. **الوافي بالوفيات**، للصّفدي، ٢٢/ ١٥٥. **البداية والنهاية**، للإمام ابن كثير، ١٤/ ١٢٨. **الطيوريات**، للشيخ أبي طاهر السلفي، ٢/ ٦٢١، الرقم٥٤٨. **التحفة اللطيفة**، للسخاوي. ٣/ ٢٦٤. **رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب**، للامام السبكي، ١/ ٤٦٢.

عیسائی کا حدِ زِنا سے بچنے کے لیے اسلام اور قتل کا فتویٰ

شیخ ابن نجار "ذیل تاریخ بغداد"(۲۰۳) میں سند متصل سے لکھتے ہیں:

ایک عیسائی شخص ہاشمی خاتون کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا، پس جب اُسے مامون کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے اسلام قبول کر لیا، اس پر مامون کو شدید غصہ آیا ہوا تھا، پس اُس نے فقہاء سے اس بارے میں دریافت کیا، تو سب نے کہا: اسلام لانے سے اس کا فعل کالعدم ہو چکا، اسی اثنا میں ایک شخص نے کہا: امیر المؤمنین! علی بن موسیٰ سے بھی تحریری رائے لے لیں، چنانچہ ان کی جانب تحریری سوالنامہ اِرسال کیا گیا، تو انھوں نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! اس کی گردن مار دیں، کیونکہ اس نے تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا ہے۔ اس پر فقہاء نے کہا: آپ نے یہ جواب کہاں سے اَخذ کیا ہے؟ تو انھوں نے یہ آیات تلاوت کی:

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ . فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ، سُنَّتَ اللهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ . وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ .(۲۰۴)

ترجمہ: پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا، بولے: ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور جو اس کے شریک کرتے تھے، اُن سے منکر ہوئے، تو اُن کے ایمان نے انھیں کام نہ دیا جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، اللہ کا دستور جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور وہاں کافر گھاٹے میں رہے۔ انتہیٰ۔

اس مسئلہ کے احکام و فقہی آراء میں اختلاف ہے، چنانچہ فقہ مالکی میں اجرائے حد زنا کے لیے مسلم کی شرط ہے، پس اگر کسی کافر نے مسلم خاتون سے زنا کیا تو اسے حداً قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ تعزیراً قتل کی سزا دی جا سکتی ہے، جبکہ بقیہ مذاہب فقہیہ میں مستامن کافر کے بارے میں یہ احکام بیان ہوئے ہیں، امام ابو حنیفہ مستامن کافر کا استثنا کرتے ہیں، البتہ

۲۰۳- **تاریخ بغداد وذیوله** ، للخطیب البغدادي ، ذيل لإبن النجار ، ۱۹/ ۱۳۷.

۲۰۴- **القرآن الكريم** ، سورة الغافر ، ۴۰/ ۸۴ .

ذِمی پر اجرائے حد کے قائل ہیں، جبکہ قاضی ابویوسف تمام پر ہی اجرائے حد کے حامی ہیں، لیکن ان کے برخلاف امام محمد ذِمی ومستامن دونوں پر نفاذ کے قائل نہیں ہیں، مذہب شافعی میں معاہد ومستامن پر حدزنا کا اجراء نہیں، کیونکہ انھوں نے اسلامی احکام پر التزام کا اقرار ہی نہیں کیا، لیکن ذِمی کافر پر ہے، کیونکہ اس نے اسلامی احکامات کے التزام کا اقرار کیا ہے اور یہی بات مذہب حنبلی میں بھی مذکور ہے[۲۰۵]۔

اسی طرح باغی اور ڈاکوؤں کی توبہ گرفتاری سے قبل مقبول ہے، اس سے حد ساقط ہو جائے گی، لیکن گرفتاری کے بعد ساقط نہیں ہو گی، جبکہ بقیہ حدود میں حاکم کے سامنے پیش ہونے کے بعد سقوط حد نہیں ہو گی، البتہ اس سے قبل کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنابلہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق توبہ سے حد ساقط ہو جائے گی، اور ایک روایت کے مطابق حاکم کے سامنے پیش ہونے سے قبل بھی توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہو گی، کیونکہ کہیں اس طریقہ کو حدود وسزاؤں سے بچنے کا حیلہ ہی نہ بنالیا جائے[۲۰۶]۔ الغرض فقہاء نے دواُمور کا استثناء بیان کیا، جس میں زنا شامل نہیں۔

الغرض برصدق واقعہ اس سے امام رِضا رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت واضح ہو رہی ہے کہ ان کی نگاہوں میں ائمہ کے فقہی اختلافات بھی موجود تھے، لیکن بایں ہمہ انھوں نے اپنے مؤقف کو قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے مستنبط کیا، اس تفصیل سے ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ کا مؤقف بعض ائمہ فقہ کی آراء سے بھی موافقت رکھتا ہے، کیونکہ اُس عیسائی کی نوعیت معلوم نہیں، کہ وہ ذِمی تھا، یا مستامن وحربی؟ اس لیے ہم نے ممکنہ اَنواع پر مختصراً کلام وآراء پیش کر دی ہیں، جن کے پیش نظر ہمارے ممدوح کے واقعے کی تفصیلات کو پرکھا جاسکتا ہے، البتہ گمان یہ ہے کہ سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ نے یہ فتویٰ بصورت تعزیر دیا، کیونکہ حدزنا سے تو ہر ایک واقف ہے، ممکن ہے کہ یہاں معاملہ مذہب حنبلی کی مؤخر الذکر رائے سے مطابقت رکھتا ہو اور اگر تعزیزاً حکم قتل ہو، تو پھر کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

۲۰۵۔ الموسوعة الفقهية الكوتية، لجنة من العلماء، ۲۴/ ۳۶-۳۵ .

۲۰۶۔ الموسوعة الفقهية الكوتية، لجنة من العلماء، ۱۷/ ۱۳۴-۱۳۳ .

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی جائے پیدائش

آپ چونکہ اہل بیت کے فرد تھے، اسی لیے خاندانی روایات و معلومات جو نسلوں سے منتقل ہوتی آرہی تھیں، اُن سے بھی اچھی طرح واقف تھے، چنانچہ سردارانِ اہل جنت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی پیدائش مدینہ منورہ میں کس مقام پر ہوئی، اس بارے میں بھی آپ سے روایت منقول ہے۔ شیخ نورالدین سمہودی "خلاصۃ الوفاء" میں لکھتے ہیں:

وقال علي بن موسى الرضا : إن فاطمة ولدت الحسن والحسين رضي الله عنهم على ذلك الحجر .(٢٠٧)

ترجمہ: علی بن موسیٰ رضا نے کہا: سیّدہ فاطمہ کے یہاں حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی پیدائش اسی پتھر پر ہوئی۔

شیخ سمہودی کے مطابق یہ پتھر مربع شکل میں روضۂ رسول کی دیوار سے ملحق تھا، جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب سیّدہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لاتے، تو اسی کے قریب نماز ادا فرماتے تھے۔ اسے بیان کرنے والے یحییٰ کہتے ہیں: میں نے حسین بن عبد اللہ کو دیکھا ہے کہ انھیں جب کوئی تکلیف ہوتی، تو وہ اس مقام سے اپنے متاثر حصے کو ملتے تھے۔ یہ پتھر متوکل کے زمانے تک باقی رہا، پھر اسحاق بن سلمہ صائغ کی توسیع کے دوران مفقود ہو گیا۔

سیّدنا علی رضا رضی اللہ عنہ کی ذہانت

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو حسب و نسب کی عزتوں کے ساتھ ذہانت کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا اور یہ بات ہمیں آپ رضی اللہ عنہ کی حیات کے متفرق پہلوؤں میں دکھائی بھی دیتی ہے، مثلاً بادشاہ مامون کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کے پیش آنے والے کئی واقعات، نیز جانشینی کے موقع پر لکھی گئی دستاویز بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ مؤرخین نے آپ کے حوالے سے ایک واقعہ کثرت سے نقل کیا، جس میں آپ نے مامون کے ایک سوال کا فصیح و جامع جواب دیا اور یہ دراصل وہی سوال تھا، جو سال ہا سال سے عباسی خلفاء کا وطیرہ اور ظلم و ستم کرنے کا گویا بہانہ تھا، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے برجستہ جس اطمینان سے جواب دیا، وہ اپنی مثال آپ ہے، چنانچہ امام ذہبی لکھتے ہیں:

٢٠٧۔ **خلاصة الوفاء**، للسمهودي، الصفحة ٢٩٧، الفصل الثالث في خبر الجذع والمنبر.

ایک دن مامون نے ان (علی رِضا) سے کہا: آپ کے خاندان والے ہمارے دادا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

مَا يَقُوْلُوْنَ فِي رَجُلٍ ، فَرَضَ الله طَاعَةَ نَبِيِّهِ عَلَى خَلْقِهِ ، وَفَرَضَ طَاعَتَهُ عَلَى نَبِيِّهِ .

ترجمہ: وہ اس ہستی کے بارے میں بھلا کیا کہیں، کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو مخلوق پر لازم کیا اور اپنی اطاعت کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازم کیا۔ یہ سن کر مامون نے آپ کو ایک لاکھ درہم دینے کا اعلان کیا۔

مذکورہ کلام سُن کر گمان ہوتا ہے کہ "طَاعَتَهُ" میں جو ضمیر ہے، وہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ رہی ہے، لیکن دراصل وہ ضمیر ذاتِ باری جل جلالہ کی طرف راجع ہے۔[۲۰۸]

امام ذہبی کی عبارت کے برعکس شیخ صفدی نے جو عبارت ذکر کی، اس میں مفہوم بدل جاتا ہے، چنانچہ "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں:

ایک دن مامون نے ان (علی رِضا) سے کہا: آپ کے خاندان والے ہمارے دادا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

مَا يَقُوْلُوْنَ فِي رَجُلٍ ، فَرَضَ الله طَاعَةَ بَنِيْهِ عَلَى خَلْقِهِ ، وَفَرَضَ طَاعَتَهُ عَلَى بَنِيْهِ.

ترجمہ: وہ اس ہستی کے بارے میں بھلا کیا کہیں، جس کے بیٹوں کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے مخلوق پر لازم کیا اور اس ہستی کی اطاعت کو اس کی نسل پر لازم کیا۔ یہ سن کر مامون نے آپ کو ایک لاکھ درہم دینے کا اعلان کیا۔[۲۰۹]

۲۰۸۔ **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ۷/ ٤٥، الرقم۴۸۴۳ . **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ۹/ ۳۹۱.

۲۰۹۔ **الوافي بالوفيات**، للصّفدي، ۲۲/ ۱۵۵ .

چنانچہ اس عبارت کے پیش نظر کلام میں معنوی تبدیلی واقع ہوتی ہے، امام ذہبی نے جو عبارت ذکر کی، اُس کی روشنی میں مطلب یہ ہے کہ امام رِضانے موقع کی مناسبت سے ایسا کلام کیا، جس سے سننے والے کا ذہن کسی اور معنی کی طرف مبذول ہوتا ہے، جبکہ قائل کی مراد دوسرا معنی تھی، آپ رضی اللہ عنہ کی مراد غالباً یہ تھی:

"اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو بندوں پر لازم کیا اور اپنی اطاعت کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازم کیا"۔

جبکہ مامون نے اس سے سمجھا:

"اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالَہٗ نے اپنی اطاعت کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازم کیا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُن کے چچا (سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ) کی اطاعت کو لازم کیا۔"

جبکہ شیخ صفدی نے جو عبارت بیان کی ہے، اس کے پیش نظر غالباً آپ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی:

"اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے اِس ہستی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اَولاد (یعنی اہل بیت) کی اطاعت کو اپنی مخلوق پر لازم قرار دیا اور اِس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اِن کی اَولاد (اہل بیت) کے لیے لازم کیا۔

جبکہ مامون نے اس سے سمجھا:

"اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالَہٗ نے اَولادِ عباس کی اطاعت (بصورتِ خلفاء) مخلوق پر لازم کی، اور سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کی اطاعت اِن کی اَولاد (خلفائے بنو عباس) پر لازم کی"۔

ہم نے دونوں عبارات کا معنوی و مفہومی فرق واضح کر دیا ہے، لیکن کسی بھی عبارت کی ترجیح سے قطع نظر اس کی برجستہ معنوی حیثیت کو جامع انداز میں سمیٹ لینے پر بلاشبہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کی ذہانت کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کی ایک دُعا نیز منسوب وظائف کا حال

امام رِضا رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب بہت سی دعائیں اور وظائف اُردو کتب میں مذکور ہیں، جنھیں عوام الناس عقیدت کی بنا پر وردِ زبان رکھتی ہے، لیکن واضح رہے کہ ایسی دعا یا وظائف امام رِضا رضی اللہ عنہ سے منقول ہی نہیں، بلکہ یہ مواد غیر مستند کتب سے نقل کر کے عاملین نے اختیار کر رکھا ہے، اسے یوں سمجھیں کہ امام رِضا کی حالاتِ زندگی پر تو کوئی مواد نہیں، جس میں تفصیلاً آپ کا تذکرہ ہو، پھر بھلا یہ دعائیں کس محدث و مفسر نے نقل کر دیں؟ جس کی نہ تو کوئی ضعیف سے ضعیف

سند ہے اور نہ کوئی ماخذ، لہٰذا امام رضا رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹ منسوب کرکے ایسی دعاؤں کو پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس طرح پڑھنے سے آپ بھی اُن جھوٹوں کی کذب بیانی میں شریک ہو کر اُن کے بُرے کام پھیلا رہے ہیں۔

ہمارے زمانے میں عملیات کی مشہور کتاب ''شمع شبستان رضا'' میں بھی امام رِضا سے منسوب کچھ عملیات بیان کیے گئے ہیں، جنھیں اکثر حضرات پڑھتے نظر آتے ہیں، ایسے افراد کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ کتاب کسی مستند عالم کی تحریر کردہ نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے، لہٰذا ایسی کتاب سے اَخذ کرکے سیّدنا امام رِضا کی طرف جھوٹے عملیات منسوب کرنا نہایت درجے کی بے باکی اور اہل بیت کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے کہ جو بات امام رِضا نے کہی ہی نہیں، ہم اُسے اُن کی طرف منسوب کرکے پھیلا رہے ہیں، معاذ اللہ۔ لہٰذا درخواست ہے کہ جو حضرات ایسا کر رہے ہیں، وہ توبہ کریں اور آئندہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ایسے عملیات پڑھنے اجتناب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل ہمیں اہل بیت کی ایسی محبت عطا فرمائے، جیسا کہ اُن سے محبت کا حق ہے۔ باقی رہا ''شمع شبستان رضا'' سے صرف عملیات لینے کا معاملہ، تو وہ جدا بات ہے اور ہمیں اس پر کلام کرنے کی یہاں ضرورت بھی نہیں، کہ ہمارا مقصود صرف امام رِضا سے منسوب عملیات کا غیر مستند ہونا ثابت کرنا تھا، جس کا اجمالی بیان ہم نے کر دیا، لیکن اگر کوئی عامل اہلبیت سے منسوب کیے بغیر ان کا چلّہ یا وظیفہ کرتا ہے اور عاملین اپنے قواعد واُصول کی بنیاد پر اس کی اجازت دیں، تو یہ بالکل جائز اور ہماری بحث سے خارج ہے، فافہم۔ ہمیں کتب معتبرہ میں امام رِضا کی صرف ایک دعا کا علم ہو سکا، جو آپ نے غالباً دورانِ حج مانگی تھی، یا آپ رضی اللہ عنہ بار بار اس کی تکرار فرما رہے تھے، چنانچہ امام ذہبی لکھتے ہیں، کہ ہروی نے کہا: میں نے علی بن موسیٰ کو ''موقف'' میں یہ دعا مانگتے سنا:

اللّٰهُمَّ كَمَا سَتَرْتَ عَلَيَّ مَا أَعْلَمُ ، فَاغْفِرْ لِيْ مَا تَعْلَمُ ، وَكَمَا وَسِعَنِيْ عِلْمُكَ ، فَلْيَسَعْنِي عَفْوُكَ ، وَكَمَا أَكْرَمْتَنِي بِمَعْرِفَتِكَ ، فَاشْفَعَهَا بِمَعْرِفَتِكَ ، يَا ذَا الجَلَالِ وَ الإِكْرَام. (۲۱۰)

شیخ ابن نجار نے ''ذیل تاریخ بغداد'' میں اس دعا کو بحوالہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سند متصل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کچھ کلمات کا اضافہ بیان کیا:

۲۱۰۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي، ۹/ ۳۸۹.

اللهم كما سترت علي ما أعلم ، فاغفر لي ما تعلم ، وكما وسعني علمك فليسعني عفوك ، وكما ابتدأتني بالإحسان ، فأتم نعمتك بالغُفران ، وكما أكرمتني بمعرفتك ، فاستعفها بمغفرتك ، وكما عرفتني وحدانيتك فألزمني طواعيتك ، وكما عصمتني مما لم أكن أعتصم منه إلا بعصمتك ، فاغفر لي ما لو شئت لعصمتني منه ، يا جواد يا كريم ، يا ذا الجلال والإكرام .(۲۱۱)

سیّدنا علی رِضا رَضِیَ اللہُ عَنہُ اور جھوٹے صحائف ومرویات

ماہر انساب، محدث امام سمعانی اس بارے میں بیان کرتے ہیں:

آپ رَضِیَ اللہُ عَنہُ کی مرویات میں جو خلل واقع ہوا ہے وہ راویوں کی وجہ سے ہے، کیونکہ آپ سے جس ثقہ راوی نے روایت کی، وہ متروک تھا اور آپ کی مشہور روایات ’’اَلصَّحِیْفَة‘‘ میں ہیں، اور اس کے راوی مطعون ہیں۔(۲۱۲)

یوں ہی امام شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:

علی رِضا کی شان بہت اَرفع تھی، آپ واقعی منصب خلافت کے حق دار تھے، لیکن آپ کو جھٹلایا گیا اور دراصل یہ کرنے والے بھی رافضی ہی تھے، جنھوں نے آپ کے بارے میں وہ کچھ کہا، جو آپ کے لیے شایاں نہ تھا۔ انھوں نے آپ کے بارے میں عصمت (نبی کی طرح معصوم ہونے) کا دعویٰ کیا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ نے ہر شی کی حد مقرر کر رکھی ہے، آپ اُن تمام نسخوں سے بری ہیں، جنھیں آپ کی جانب (’’صَحِیْفَةُ الرِّضَا‘‘ کے نام سے) منسوب کر کے گھڑا گیا، انھیں (کتب وصحائف) میں سے یہ (موضوع) روایات بھی ہیں:

۲۱۱۔ **تاريخ بغداد وذيوله** ، للخطيب البغدادي ، ذيل النجار ، ۱۹/ ۱۳۹ ، الرقم ۹٦۹ .

۲۱۲۔ **الأنساب** ، للسمعاني ، ٦/ ۱۳٤ .

❖ اَلسَّبْتُ لَنَا ، وَالأَحَدُ لِشِيْعَتِنَا ، وَالاثْنَيْنِ لِبَنِي أُمَيَّةَ ، وَالثُّلَاثَاءُ لِشِيْعَتِهِمْ ، وَالأَرْبِعَاءُ لِبَنِي العَبَّاسِ ، وَالخَمِيْسُ لِشِيْعَتِهِمْ ، وَالجُمُعَةُ لِلنَّاسِ جَمِيْعًا.

ترجمہ: ہفتہ کا دن ہمارے لیے، اتوار کا دن ہماری جماعت (شیعوں) کے لیے، پیر کا دن بنو اُمیہ کے لیے، منگل کا دن بنو اُمیہ کی جماعت کے لیے، بدھ کا دن بنو عباس کے لیے، جمعرات کا دن بنو عباس کی جماعت کے لیے اور جمعہ کا دن تمام لوگوں کے لیے ہے۔

❖ لَمَّا أُسْرِيَ بِي ، سَقَطَ مِنْ عِرْقِي فَنبَت مِنْهُ الوَرْدُ .

ترجمہ: معراج کی رات میرا (نبی کریم ﷺ کا) پسینہ بہا، جس سے گلاب کا پھول پیدا ہوا۔

❖ اِدَّهَنُوْا بِالبَنَفْسَنْجِ ؛ فَإِنَّهُ بَارِدٌ فِي الصَّيْفِ ، حَارٌ فِي الشِّتَاءِ .

ترجمہ: بنفشہ (Violet Flower) کا تیل استعمال کرو، کیونکہ یہ (تاثیر کے لحاظ سے) گرمی میں ٹھنڈا اور سردی میں گرم ہوتا ہے۔

❖ مَنْ أَكَلَ رُمَّانَةً بِقِشْرِهَا ، أَنَارَ الله قَلْبَهُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً .

ترجمہ: جس نے انار چھلکے سمیت کھایا، اللہ تعالی جل جلالہ چالیس دن تک اس کا قلب روشن کر دے گا۔

❖ اَلحِنَّاءُ بَعْدَ النَّوْرَةِ ، أَمَانٌ مِنَ الجُذَامِ .

ترجمہ: (غیر ضروری بالوں کے لیے) چونے کے بعد مہندی کا استعمال جذام (Leprosy) سے نجات دیتا ہے۔

❖ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا عَطَسَ ، قَالَ لَهُ عَلِيٌّ : رَفَعَ الله ذِكْرَكَ ، وَإِذَا عَطَسَ عَلِيٌّ ، قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : أَعْلَى الله كَعْبَكَ .

ترجمہ: جب نبی کریم ﷺ کو چھینک آتی، تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے: اللہ تعالیٰ جل جلالہ آپ کا ذکر بلند کرے اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھینک آتی، تو نبی کریم ﷺ اُن سے فرماتے: اللہ تعالیٰ جل جلالہ تمہاری شان بلند کرے۔

الغرض یہ تمام روایات گمراہوں کی طرف سے گھڑی ہوئی ہیں۔ [۲۱۳]

۲۱۳۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ۹/ ۳۹۳-۳۹۲ . تاريخ الإسلام ، للذهبي ، ۱٤/ ۲۷۲ ، مختصراً . تهذيب التهذيب ، للعسقلاني ، ۷/ ۳۸۸ .

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کی تصانیف کی حقیقت

امام رِضا رضی اللہ عنہ کا شمار اُمت کے اُن افراد میں ہوتا ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حسبی و نسبی شرافت کے ساتھ علمی و روحانی کمال بھی عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ سے اُمت کی ہدایت کا بہت سا کام لیا، جسے آپ نے اَحسن انداز سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ بایں ہمہ شورش زمانہ، سیاسی مداخلت اور پھر تبلیغ وہدایت کی اہم ترین ذمہ داریوں نے آپ کے قلم کو اتنی فرصت ہی نہیں دی کہ کوئی باقاعدہ کتاب تصنیف فرماتے، اگر آپ رفتارِ قلم کو میدانِ تصنیف میں دوڑاتے، تو بلاشبہ نایاب علمی ذخائر وجود پاتے، لیکن آپ سے کسی کتاب کا ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا امام موصوف کی طرف منسوب ہوکر جو کتب بیان کی جاتی ہیں، ان کا انتساب دُرست نہیں، البتہ اہل تشیع کے یہاں آپ کی درج ذیل کتب بیان کی جاتی ہیں:

١. صَحِيْفَةُ الرِّضَا ٢. صَحِيْفَةُ الرِّضْوِيَّة

٣. طِبُّ الإمام الرِّضَا ٤. مُسْنَدُ الإمام الرِّضَا

ماقبل گزر چکا کہ امام ذہبی اور عسقلانی نے آپ کی طرف منسوب صحائف وکتب کا شدت سے ردّ کرتے ہوئے لکھا کہ یہ ہرگز امام رِضا سے ثابت نہیں، لہٰذا قارئین بھی امام رِضا کے نام سے چھپی ہوئی کتب سے گریز کریں۔ باقی رہا ”کشف الظنون“ وغیرہ میں چند کتب کا ذکر پایا جانا، تو اس پر اہل علم کے لیے کلام کرنے کی حاجت نہیں، البتہ اتنا عرض ہے کہ حاجی خلیفہ نے کتابوں کے اسماء واحوال کو مختصراً جمع کرنے کا التزام کیا تھا، اُن پر تحقیق کا نہیں، لہٰذا انھیں جو ملا، جمع کر دیا، خواہ ضعیف ہو یا مستند۔ الغرض انھوں نے تحقیقی اُمور کی رعایت نہیں کی۔ فافہم

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کے مستند ملفوظات

امام رِضا رضی اللہ عنہ سے منسوب جس طرح بہت سے وظائف ملتے ہیں، اسی طرح آپ کے ملفوظات کا اچھا خاصا مجموعہ بھی دکھائی دیتا ہے، یہ ساری خرابیاں عقیدت کی روش میں بہتے ہوئے لوگوں نے کم علمی کی بنا پر گوارا کر رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے پیاروں کی حقیقی محبت نصیب فرمائے۔ کسی بھی عظیم شخصیت کا اپنی زندگی میں بہت سا قولی سرمایہ ایسا ہوتا ہے جس سے عامۃ الناس کے لیے سامانِ ہدایت ونصیحت وابستہ ہوتا ہے، عظیم شخصیات کے ایسے ہی پند ونصائح کو عرف عام میں ”ملفوظات“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خاندان نبوت کے چراغ امام رِضا نے بھی یقیناً زندگی کے مختلف مواقع پر بہت

سے فرامین اُمت کے لیے بیان فرمائے ہوں گے، لیکن افسوس! قلم کی قید انھیں اَوراق کی چاردیواری میں سمو نہ سکی اور یوں وہ گوہر نایاب فضاؤں کی زینت بن کر کہیں اور منتقل ہو گئے۔ الغرض ہمیں کچھ اقوال باحوالہ مل سکے، جنھیں کتاب ہذا کی زینت بنایا جارہا ہے، اُمید واثق ہے کہ یہ ملفوظات خلق خدا اور اہل محبت کے لیے راہِ ہدایت کا سامان ہوں گے۔ ہم نے ہر ملفوظ کا حوالہ لکھ دیا ہے، تاکہ مراجعت میں آسانی رہے۔

۱۔ مَنْ رَضِيَ مِنَ اللہ عَزَّوَجَلَّ بِالقَلِيْلِ مِنَ الرِّزْقِ ، رَضِيَ مِنْهُ بِالقَلِيْلِ مِنَ العَمَلِ.[(۲۱۴)]

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر راضی رہا، تو اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ اس کے قلیل عمل سے بھی راضی ہو جائے گا۔

(امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بصورتِ روایت "شعب الإیمان ،(٦/ ٣٢٢ ، الرقم٤٢٦٥)" میں بایں کلمات "من رضي من الله باليسير من الرِّزق رضي الله منه بالقليل من العمل" درج کیا ہے۔)

۲۔ اِنَّ لِلقُلُوْبِ اِقْبَالاً وَاِدْبَاراً وَنِشَاطاً وَفُتُوْراً ، فَاِذَا أَقْبَلَتْ أَبْصَرَتْ وَفَهِمَتْ (أَفْهَمَتْ) ، وَاِذَا انْصَرَفَتْ كَلَّتْ وَمَلَّتْ ، فَخُذُوْهَا عِنْدَ اِقْبَالِهَا وَنِشَاطِهَا ، وَاتْرُكُوْهَا عِنْدَ اِدْبَارِهَا وَ فُتُوْرِهَا.[(۲۱۵)]

ترجمہ: دِلوں کی بھی کچھ کیفیات ہوتی ہیں، یہ متوجہ بھی ہوتے ہیں اور پھرتے بھی ہیں، ان میں سُرور بھی پیدا ہوتا ہے اور فُتور بھی، لہٰذا جب یہ متوجہ ہوں، تو بصیرت پیدا ہوتی ہے اور نصیحت قبول کرنے لگتے ہیں، اور جب پھر جائیں، تو تھک اور اُکتا جاتے ہیں (جس کے سبب نصیحت اَثر نہیں کرتی)، لہٰذا انھیں متوجہ اور سُرور میں ہونے کے وقت تھام لو، پھرنے اور فُتور کے وقت میں چھوڑ دو۔

۳۔ أَصْحَبِ السُّلْطَانَ بِالحَذَرِ ، وَالصَّدِيْقَ بِالتَّوَاضُع ، وَالعَدُوَّ بِالتَّحَرُّزِ ، وَالعَامَّةَ بِالبِشْرِ.[(۲۱۶)]

ترجمہ: بادشاہ کی مصاحبت اختیار کرتے ہوئے ڈَرو، دوست کی مصاحبت میں عاجزی، دشمن کی مصاحبت میں موقع شناسی، اور لوگوں کی مصاحبت میں خوش دِلی کو اپنائے رکھو۔

۲۱۴۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ١١٣ ، الرقم ٢٢٥.

۲۱۵۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ٢٧٦ ، الرقم ٧١٨.

۲۱۶۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ٣٨٣ ، الرقم ١٠٠٨.

۴۔ لَا خَيْرَ فِي الْمَعْرُوْفِ إِذَا أُحْصِيَ . (۲۱۷)

ترجمہ: جب نیکی و بھلائی کو گن لیا جائے، تو اس میں خیر باقی نہیں رہتی۔

۵۔ اَلْقَنَاعَةُ تَجْمَعُ اِلَى صِيَانَةِ النَّفْسِ وَعِزُّ الْقُدْرَةِ طَرْحُ مُؤَنِ الاسْتِكْثَارِ وَالتَّعَبُّدِ لِأَهْلِ الدُّنْيَا ، وَلَا مَلَكَ [يَسْلُكُ] طَرِيْقَ الْقَنَاعَةِ اِلَّا رَجُلَان : إِمَّا مُتَقَلِّلٌ ؛ يُرِيْدُ أَجْرَ الآخِرَة ، أَوْ كَرِيْمٌ ؛ يَتَنَزَّهُ عَنْ آثَامِ الدُّنْيَا. (۲۱۸)

ترجمہ: قناعت حفاظتِ نفس کے ذرائع مہیا کرتی ہے، جبکہ قوت کی بالادستی فراوانی اور اہل دنیا کے لیے دکھاوے کی عبادت پیدا کر دیتی ہے۔ قناعت کے راستے پر صرف دو ہی فرد چل سکتے ہیں: ایسا غریب؛ جو صرف آخرت کے ثواب کا طالب ہو، یا پھر ایسا کریم (سخی)؛ جو دنیا کی رَذالت (گندگی) سے پاک ہو چکا ہو۔

۶۔ أُتِي الْمَأْمُوْن بِرَجُلٍ يُرِيْدُ أَن يَقْتُلَهُ ، وَعَلِيُّ بْنُ مُوْسَى الرِّضَا جَالِسٌ ، فَقَالَ : مَا تَقُوْلُ يَا أَبَا الْحَسَن؟ فَقَالَ : أَقُوْلُ ، اِنَّ الله تَعَالَى لَا يَزِيْدُكَ بِحُسْنِ الْعَفْوِ اِلَّا عِزًّا . فَعَفَا عَنْهُ . (۲۱۹)

ترجمہ: مامون کے پاس ایسا شخص لایا گیا، جسے وہ قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس مجلس میں علی بن موسی رضا بھی موجود تھے، تو مامون نے آپ سے کہا: اے ابوالحسن! اِس بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ آپ کے معاف کرنے کی خوبی کی بدولت عزت میں ہی اضافہ فرمائے گا، تو مامون نے اُسے معاف کر دیا۔

۷۔ دَخَلَ الْبَلَاذُرِيُّ عَلَى عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى الرِّضَا يُعَزِّيهِ بِابْنِهِ فَقَالَ : أَنْتَ تَجِلُّ عَنْ وَصَفِنَا ، وَنَحْنُ نَقصُرُ عَنْ عِظَتِكَ ، وَفِي عِلْمِكَ مَا كَفَاكَ ، وَفِي ثَوَابِ الله مَا عَزَّاكَ . (۲۲۰)

۲۱۷۔ **التذكرة الحمدونية** ، للشيخ ابن حمدون ، ۲/ ۲٦۲ ، الرقم ٦٨١.

۲۱۸۔ **التذكرة الحمدونية** ، للشيخ ابن حمدون ، ۳/ ۱۱۹ ، الرقم ۳۱۹. **الإتحاف بحبّ الأشراف** ، للشبراوي ، الصفحة ٤٢٢ . **نهاية الإرب في فنون الأدب** ، للنويري ، ۳/ ۲۳۱ ، ذكر ما قيل في القناعة والنزاهة .

۲۱۹۔ **التذكرة الحمدونية** ، للشيخ ابن حمدون ، ٤/ ١٠٦ ، الرقم ۳۰۹. **الإتحاف بحبّ الأشراف** ، للشبراوي ، الصفحة ٤٢٢.

۲۲۰۔ **نهاية الإرب في فنون الأدب** ، للنويري ، ٥/ ١٦٤ ، الباب الثاني من القسم الرابع من الفن الثاني في المراثي والنوادب .

ترجمہ: بلاذری[221] علی بن موسی رضا کے پاس آپ کے بیٹے کی تعزیت کرنے کے لیے حاضر ہوئے، تو کہا: آپ ہماری تعریف سے بلند اور ہم آپ کے شایاں نصیحت سے قاصر ہیں، آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ کو کیا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے پاس ہی آپ سے تعزیت کرنے والوں کا ثواب ہے۔[222]

۸۔ قَالَ عَلِيُّ بْنُ مُوْسَى لِلفَضْلِ بْنِ سَهْلٍ يُعَزِّيْهِ : التَّهْنِئَةُ بِآجِلِ الثَّوَابِ أَوْلَى مِنَ التَّعْزِيَةِ عَلَى عَاجِلِ الْمُصِيْبَةِ.[223]

ترجمہ: علی بن موسیٰ نے فضل بن سہل سے تعزیت کرتے ہوئے فرمایا: دیر سے ملنے والے ثواب کی مبارک باد، جلد ملنے والی مصیبت کی تعزیت سے کہیں بہتر ہے۔

۹۔ قَالَ الْأَنْصَارِيُّ : وَقَالَ لِي أَحْمَدُ بْنُ رَزِينٍ: سَأَلْتُ الرِّضَا عَنِ الْإِخْلَاصِ ، فَقَالَ : طَاعَةُ الله عَزَّوَجَلَّ .[224]

ترجمہ: انصاری کہتے ہیں کہ مجھ سے احمد بن رزین نے کہا: میں نے حضرت رِضا سے اِخلاص کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل کی فرمانبرداری ہی "اخلاص" ہے۔

۱۰۔ قَالَ الكَوْكَبِيُّ الحُسَينُ بْنُ القَاسِمِ بْنِ جَعْفَرٍ : حَدَّثَنِي يَحْيَى الأَحْوَال قَالَ قَالَ أبو الصَّلْت الهَرَوِيُّ : سَمِعْتُ الرِّضَا عَلِيَّ بْنَ مُوْسَى يَقُوْلُ : لَا تَرْكَنْ اِلَى بَاهِلَةٍ فَاِنَّهَا لَا تَنْجَبُ .[225]

۲۲۱۔ اگر تو ان سے مراد مشہور ماہر انساب احمد بن یحیی بن جابر بن داوٗد بلاذُری، متوفی ۲۷۹ھ ہیں، جن کی کتب میں "انساب الاشراف، فتوح البلدان" معروف ہیں، تو انھوں نے امام رِضا، متوفی ۲۰۳ھ کا زمانہ پایا، اس کی تصریح نہیں مل سکی، کیونکہ ان کی تاریخ پیدائش کتب میں مذکور نہیں، چنانچہ ان کا تعزیت کرنا محل نظر ہے، البتہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے والد وغیرہ نے تعزیت کی ہوگی، جس کا ذکر ساقط ہو گیا، یا پھر خود انھوں نے ہی طویل عمر پائی، واللہ اعلم۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ "علی بن موسی الرضا" سے پہلے کچھ نام ساقط ہو گئے ہوں، مثلاً "محمد بن علی بن موسی الرضا" یا پھر ان کے بیٹے "علی بن محمد بن علی بن موسی الرضا" المعروف امام ہادی رضی اللہ عنہ وغیرہ، کیونکہ یہ بعینہ شیخ بلاذُری کبیر کے معاصر بنتے ہیں، بہر کیف یہاں بلاذُری سے مراد کون ہیں، اس کی تعیین نہیں ہو سکی۔ کیونکہ بلاذُری کبیر تو یہی مذکور ہیں، اور ان کا زمانہ موافقت نہیں رکھتا، جبکہ دوسرے بلاذُری صغیر ہیں، وہ تیسری صدی ہجری کے اختتام اور چوتھی صدی کے آغاز سے تعلق رکھتے ہیں، وہ بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ فافہم

۲۲۲۔ اگرچہ مندرجہ قول امام رِضا رضی اللہ عنہ کا نہیں، لیکن آپ سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا، اسی لیے ہم ملفوظات کے ضمن میں اسے محفوظ کر رہے ہیں۔

۲۲۳۔ **التذكرة الحمدونية** ، للشيخ ابن حمدون ، ٤/ ٢١٠ ، الرقم ٥١٩-٥١٨. **نهاية الإرب في فنون الأدب** ، للنويري ، ٥/ ١٦٤ ، الباب الثاني من القسم الرابع من الفن الثاني في المراثي والنوادب .

۲۲۴۔ **حِلية الأولياء** ، للإمام أبي نعيم ، ٣/ ١٩٢.

ترجمہ: حسین بن قاسم بن جعفر کوکبی کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ اَحوال نے بیان کیا کہ ابو الصلت ہروی نے کہا: میں نے علی بن موسیٰ رِضا کو کہتے ہوئے سنا: باہلہ [۲۲۶] کی جانب میلان نہ رکھو کہ یہ (قوم اپنی تہذیب وتاریخ کے تناظر میں) قابل ستائش نہیں (یا پھر حقیقی معنیٰ مراد لینے کی صورت میں ترجمہ ہوگا کہ یہ نسل اَفزا قوم نہیں)۔

نوٹ: اس قبیلے کا بیان کفو نکاح کے لیے، یا پھر نکاح کے حقیقی مقصد یعنی پیدائش نسل میں افزائش متاثر (بانجھ پن) ہونے کی وجہ سے ہے، بہرحال اس سے تنقیص مراد نہیں، بلکہ کسی اَمر واقعی کی جانب اشارہ ہے۔ فافہم

۱۱۔ قرأت على أبي غانم محمد بن الحسين بن زينة بأصبهان ، عن القاسم بن الفضل بن عبد الواحد : أن أحمد بن عبد الرحمن الهمداني أخبره ، أنبأنا أبو الربيع الأستراباذي ، أنبأنا أبو بكر اليشكري ، حدثني علي بن محمد مولى بني هاشم ، حدثني الحسن بن محمد بن يونس قال : سمعت علي بن موسى الرضا يقول :

لَا تَغْتَر بِكَرَامَةِ الأَمِيْرِ إِذَا غَشَّكَ الوَزِيْرُ . [۲۲۷]

ترجمہ: جب وزیر تم سے نفرت رکھتا ہو، تو بادشاہ کی محبت پر خوش گمان نہ رہنا۔

بعض مقامات پر یہ کلام دیگر لوگوں سے بھی منسوب ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے: ”وَإِذَا أَحَبَّكَ الوَزِيْرُ ، فَنَمْ ،وَلَا تَخْشَ الأَمِيْرَ“۔ **یعنی جب وزیر تمھیں چاہتا ہو، تو پھر آرام سے سو جاؤ اور بادشاہ کا خوف نہ رکھو۔**

۱۲۔ أخبرنا أبو الفتوح داود بن معمر القرشي بأصبهان ، أنبأنا أبو الحسن بن أبي القاسم ابن أحمد الثقفي ، أنبأنا أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد الحافظ قال : أخبرني حاتم بن أبي سعد الحلواني ، أنبأنا إسماعيل بن إبراهيم الواعظ ، حدثنا أبو سعيد محمد بن الفضل المعلم قال : سمعت الفضل بن فضالة النسوي يقول:

قال يحيى بن أكثم : كنت يوما عند المأمون أمير المؤمنين وعنده علي بن موسى الرضا ، فدخل الفضل بن سهل ذو الرئاستين فقال للمأمون : قد

۲۲۵۔ **الأنساب** ، للسمعاني ، ۱/ ۵۹ ، فصل : فيمن ينسب من قبائل العرب الى اللؤم والدناءة .

۲۲۶۔ یہ عرب کی معروف قوم ہے، اس کی نسبت ہمدان کی خاتون ”باہلہ بنت صعب“ کی طرف ہے، جو قیس بن عیلان بن مضر کے پڑپوتے معن بن اعصر ابن سعد کے نکاح میں تھی، مضر بن نزار پر جا کر نسب بالا نبی کریم ﷺ سے متصل ہوتا ہے، اس قبیلے کے نسب پر علمائے انساب نے کافی بحث کی ہے ملاحظہ ہو: ”**الأنباه على قبائل الرواة**، لابن عبد البر ، الصفحة ٦٤. **نهاية الأرب في معرفة أنساب العرب**، للقلقشندي ، الصحفة ۱۷۰“

۲۲۷۔ **تاريخ بغداد مع ذيوله** ، للخطيب البغدادي ، ذيل لإبن النجار ، ۱۹/ ۱۳٦ ، الرقم ۹٦۹ .

وليت ثَغْرَ الفلاني فلاناً التركي ، فسكت المأمون ، فقال علي بن موسى :
ما جعل الله لإمام المسلمين وخليفةِ ربّ العالمين والقائم بأُمور الدِّين أن
يولي شيئاً من ثُغور المسلمين أحداً من سُبي ذلك الثَّغْرِ ، لِأَنَّ الأَنفُسَ تَحنُّ
إلى أَوطَانِها وتشفق على أَجناسِها وتحبّ مصالحها ، وإن كانت مخالفة
لأَديانها ، فقال المأمون: اكتبوا هذا الكلام بِمَاء الذَّهب .(۲۲۸)

ترجمہ: یحیٰ بن اکثم کہتے ہیں: ایک دن میں امیر المؤمنین مامون کے پاس موجود تھااور وہاں علی بن موسی رِضا بھی تھے کہ اسی اثنامیں فضل بن سہل، وزیر ذوالریاستین آیااور مامون سے کہنے لگا: میں نے فلاں سرحدی علاقے پر فلاں ترکی کو معمور کردیا ہے، اس پر مامون خاموش رہا، لیکن علی بن موسی رِضابول اُٹھے: اللہ تعالیٰ عزوجل نے مسلمانوں کے امام، ربّ العالمین کے خلیفہ اور دینی احکامات نافذ کرنے والے کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ مسلمانوں کے سرحدی علاقوں کو کسی ایسے کی تولیت میں دیں، جسے وہیں سے قیدی بنایا گیاہو، کیونکہ دل اپنے وطن کی طرف مائل ہوتے ہیں، اور اپنے لوگوں پر شفقت کرتے اوران کے معاملات میں محبت رکھتے ہیں، اگرچہ یہ (معاملات) ان کے اُمورِ دینیہ (کے عہد وپیمان) کے ہی خلاف کیوں نہ ہوں۔ تو یہ سنتے ہی مامون نے کہا: ان باتوں کو سونے کے پانی سے تحریر کیا جائے۔

۱۳۔ لَا يَعْدِمُ المرْءُ دَائِرَةَ السُّوْءِ مَعَ نَكْثِ الصَّفَقَةِ ، وَلَا يَعْدِمُ تَعْجِيْلَ العُقُوْبَةِ مَعَ ادّرَاعِ البَغْيِ.(۲۲۹)

ترجمہ: انسان کو نہ تو تہی دامنی کے سبب بُرائی کی حد پار کرنی چاہیے اور نہ ہی انجام کی جلدی میں سرکشی کو مول لینا چاہیے۔

۱۴۔ اَلنَّاسُ ضَرَبَانِ : بَالِغٌ لَا يَكْتَفِي وَطَالِبٌ لَا يَجِدُ.(۲۳۰)

۲۲۸۔ **تاريخ بغداد مع ذيوله** ، للخطيب البغدادي ، ذيل لإبن النجار ، ۱۹/ ۱۳٦ ، الرقم ۹٦۹ .

۲۲۹۔ **التذكرة الحمدونية** ، للشيخ ابن حمدون ، ۱/ ۱۱۳ ، الرقم ۲۲٦.

ترجمہ: لوگ دو طرح کے ہیں: (ایک وہ) جنھیں حاصل ہونے کے باوجود بھی کفایت نہیں، اور (دوسرے ضروریات کے) خواہاں؛ جنھیں ملتا نہیں۔

تنبیہ بر انتسابِ قولِ رضا

خواجہ محمد پارسا نقشبندی نے "فصل الخطاب" اور شیخ عبد العزیز پرہاروی، متوفی ۱۲۴۰ھ نے "النِّبراس شرح العقائد للتفتازاني" میں اہل بیت کا ذکر کرتے ہوئے ترجمہ امام علی رِضا رضی اللہ عنہ کے تحت لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لِـمُحْسِنِنَا كِفْلَانٌ مِنَ الثَّوَابِ وَلِـمُسِيئِنَا ضِعْفَانٌ مِنَ العَذَابِ. [۲۳۱]

ترجمہ: ہمارے محسن کے لیے دو گنا ثواب اور ہم سے بُرا کرنے والے کے لیے دو گنا عذاب ہے۔

لیکن در حقیقت یہ آپ رضی اللہ عنہ کا قول نہیں، بلکہ امام علی بن حسین المعروف زین العابدین رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، جو اہل تشیع کی کتب مثلاً "عيون أخبار الرضا" اور "بحار الأنوار" [۲۳۲] وغیرہ میں بھی مذکور ہے، چنانچہ اس کے انتساب میں متذکرہ حضرات کو اشتباہ لاحق ہوا ہے۔ واللہ اعلم

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کی شاعری اور اَدبی ذوق

بابِ مدینۂ علم کے جگر پارے اور افصح العرب والعجم کی نسل کے چراغ امام رِضا رضی اللہ عنہ میں کلام عرب کی فصاحت اور فن اَدب کی مہارت کا پایا جانا تعجب خیز نہیں، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی نشو و نما عربی الاصل گھرانے کے علمی ماحول میں ہوئی، لیکن بایں ہمہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کا ادبی و فصاحتی پہلو منظوم و منثور کلام کی صورت میں محفوظ ہونے سے رہ گیا اور زمانہ اس کی چاشنی سے خود کو فیضیاب نہ کر سکا، لہٰذا ہمیں آپ رضی اللہ عنہ کے مستند منظوم و منثور کلام کا سراغ رجال و سیر اور تاریخ واَدب عربی کی منتہی کتب میں بھی تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ باقی رہا وہ کلام جو مختلف اُردو کتب میں بلا سند و ماخذ لکھا گیا، تو ہم عمداً اس سے تمسک نہیں کر رہے، چنانچہ بہت سے حضرات نے کچھ قصائد کو امام رِضا رضی اللہ عنہ کے شاعرانہ ذوق کا نتیجہ قرار دیا،

۲۳۰۔ **التذكرة الحمدونية**، للشيخ ابن حمدون، ۱/ ۱۱۳، الرقم ۲۲۷.

۲۳۱۔ **النِّبراس شرح العقائد للتفتازاني**، للعلامة الفرهاروي، الصفحة ۵۲۰. **فصل الخطاب بوصل الأحباب**، للشيخ محمد البارسا، الصفحة ۴۳۹.

۲۳۲۔ **بحار الأنوار**، للعلامة المجلسي، طبعة جديدة، ۱۲/ ۱۰۹، طبعة قديمة، ۴۹/ ۲۱۸.

جو تحقیق کے خلاف ہے، نیز اُن قصائد میں سے بعض تو علمی اعتبار سے بھی ایسے کم درجے کے معلوم ہوتے ہیں کہ جنھیں دیکھ کر اہل علم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کلام اَدب وفصاحت کی آغوش میں تربیت پانے والے ہاشمی خاندان کے امام کا نہیں ہو سکتا اور یہی نہیں بلکہ ایک پورا شعری دیوان بھی آپ کی طرف منسوب ہے، الغرض مقام تعجب ہے۔ پس حقیقتاً یہ تمام بعد کی ایجادات ہیں، جیسا کہ آپ کے جدِ اَمجد مولائے کائنات علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہو کر پورا ''دیوانِ علی'' مشہور ہے، لیکن محققین نے اس بارے میں بھی وضاحت کر دی ہے کہ سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دیوان کی کوئی حقیقت نہیں، یہ کسی اور کا کلام ہے، البتہ مولائے کائنات رضی اللہ عنہ سے تو کچھ شعری کلام ہی منقول ہے۔ (۲۳۳)

ہمیں امام رِضا رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو اشعار مل سکے، انھیں بحوالہ لکھ رہے ہیں، لیکن ان اشعار کے بارے میں یقینی بات نہیں کہی جا سکتی کہ یہ آپ ہی کا کلام ہے، ممکن ہے کہ کسی اور شاعر کا کلام ہو، لیکن موقع کی مناسبت سے آپ رضی اللہ عنہ نے دہرا دِیا ہو۔۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آپ ہی کے اشعار ہوں۔۔ بہر حال اتنا تو ضرور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ اَشعار جاری ہوئے، لہٰذا اِسی ادبی ذوق کے پیشِ نظر ہم انھیں محفوظ کر رہے ہیں۔

۱۔ امام مزی ''تہذیب الکمال'' اور امام ذہبی ''تذھیب تہذیب الکمال'' میں ذکر کرتے ہیں:

شیخ محمد بن یحییٰ بن ابی عباد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھے میرے چچا (عثمان) نے روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے علی بن موسی رِضا رضی اللہ عنہ کو ایک دن یہ اشعار کہتے ہوئے سنا:

كُلُّنَا نَأمُلُ مَدًّا فِي الأَجَلْ وَالمَنَايَا هُنَّ آفَاتُ الأَمَلْ
لَا تَغُرَّنْكَ أَبَاطِيْلُ المُنَى وَالزَمِ القَصْدَ وَ دَعْ عَنْكَ العِلَلْ
اِنَّمَا الدُّنْيَا كَظِلٍّ زَائِلٍ حَلَّ فِيْهِ رَاكِبٌ ثُمَّ رَحَلْ

ترجمہ: ہم میں سے ہر کوئی چاہتا ہے کہ اُس کی زندگی طویل جائے، حالانکہ موت ان آرزوؤں پر آفت بن کر نازل ہو جاتی ہے (تو یاد رکھو) تمھیں یہ جھوٹی خواہشات کسی دھوکے میں نہ ڈال دیں، لہٰذا اپنے مقصد کو دیکھ اور ایسی تمناؤں کو

۲۳۳۔ **جدّ الممتار علی ردّ المحتار**، للشیخ أحمد رضا الحنفي، ۱/ ۲۸۷-۲۸٦، مطلب تعلم الفقه أفضل من قيام الليل .

خود سے دُور کر۔ کہ دنیا تو ایسا ڈھلنے والا سایہ ہے، جس کے نیچے کوئی مسافر آکر
کچھ دیر قرار لیتا ہے اور پھر سفر کرنے لگتا ہے۔ (۲۳۴)

۲۔ شیخ صلاح الدین صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ حمام میں گئے تو ابھی آپ کھڑے ہی تھے کہ ایک سپاہی آیا، آپ وہاں سے قدرے ہٹ گئے، وہ سپاہی آپ سے کہنے لگا: اے سیاہ رنگت والے! میرے سر پر پانی ڈال، تو آپ نے پانی ڈالنا شروع کیا، اتنے میں آپ رضی اللہ عنہ کا کوئی جاننے والا وہاں آیا، تو اس نے چیختے ہوئے سپاہی سے کہا: تو ہلاک ہوا تو ہلاک ہوا۔۔۔ کیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کی اولاد اور مسلمانوں کے امام سے خدمت لیتا ہے؟ سپاہی یہ سنتے ہی قدموں میں گر پڑا، قدم چومے اور عرض کرنے لگا: حضرت! جب میں نے آپ سے کہا تھا، تو آپ نے اُسی وقت انکار کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: یہ تو ثواب کا کام ہے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تیری خلاف ورزی کرکے اس آنے والے ثواب کو ضائع کروں، پھر فرمایا:

لَيْسَ لِيْ ذَنْبٌ وَ لَا ذَنْبٌ لِمَنْ قَالَ لِيْ : يَا عَبْدُ أَوْ يَا أَسْوَدُ
اِنَّمَا الذَّنْبُ ، لِمَنْ أَلبَسَنِيْ ظُلْمَةً وَ هُوَ الَّذِيْ لَا يُحْمَدُ

ترجمہ: اِس میں نہ تو مجھ پر الزام ہے اور نہ مجھے غلام اور سیاہ کہنے والے کا قصور ہے بلکہ یہ الزام تو اُن پر جاتا ہے جنھوں نے بلند شان والا ہوتے ہوئے مجھے سیاہی کا ایسا لباس بخشا، جس کی تعریف نہیں کی جاتی (لہٰذا اُن پر بھی کوئی الزام نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ عزوجل کی مشیت و تخلیق ہے، جسے چاہے جیسی رنگت بخشے)۔ (۲۳۵)

نیز آخری شعر کا ترجمہ یوں بھی ممکن ہے: "گناہ تو اُس شخص کا ہے، جس کے ظلم نے مجھے گھیر رکھا ہے اور ایسے فعل کی تعریف نہیں کی جاتی"۔ اس کی کچھ وضاحت ماقبل حلیہ مبارک میں بھی گزر چکی، وہاں ملاحظہ کریں۔

۲۳۴۔ **تهذيب الكمال**، للمزي، ۲۱/ ۱۵۲، الرقم ٤١٤١. **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ۷/ ٤٥، الرقم ٤٨٤٣. **البداية والنهاية**، للإمام ابن كثير، ١٤/ ١٢٨.

۲۳۵۔ **أخبار الدول وآثار الأول في التاريخ**، للقرماني، ١/ ٣٤٣. **الوافي بالوفيات**، للصّفدي، ٢٢/ ١٥٧.

۲۔ شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں: آپ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت زہر کے اثرات محسوس کرنے کے بعد یہ اشعار پڑھے:

فَلَيْـتَ كَفَافـاً كَـانَ شَرُّكَ كُلُّـهُ وَخَـيْرُكَ عَنِّـي مَـا ارْتَـوَى المَـاءَ مُرْتَـوِيْ

ترجمہ: کاش! تیرا شرّ ہی میرے لیے کافی تھا اور اَب تیری بھلائی کا تو یہ حال ہے کہ پانی کو بہانے والے نے جس طرف بہایا، وہیں بہتا جا رہا ہے۔

یہ شعر دراصل اُموی شاعر یزید بن حکم بن ابو العاص ثقفی، متوفی ۱۰۵ھ کا ہے اور اس قصیدے (۲۳۶) کا مطلع یوں ہے:

تُكَـاشِرُنِي كُرْهـاً كَأَنَّـكَ نَاصِـحٌ وَعَينُـكَ تُبْـدِيْ أَنَّ صَـدرَكَ لِيْ دَوِيْ

لِسَـانُكَ لِيْ أَرْيٌ وَغَيْبُـكَ عَلْقَـمٌ وَشَرُّكَ مَبْـسُوْطٌ وَخَـيرُكَ مُلْتَـوِيْ

شیخ صفدی نے جن کلمات سے شعر درج کیا ہے، اس کے برعکس مصادر و کتب میں اس کے کلمات میں تقدم و تاخر ہے، پس شیخ الامیر اُسامہ بن منقذ، متوفی ۵۸۴ھ نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

فَلَيْـتَ كَفَافـاً كَـانَ خَـيْرُكَ كُلُّـهُ وَشَرُّكَ عَنِّـي مَـا ارْتَـوَى المَـاءَ مُرْتَـوِيْ

ترجمہ: کاش! تیری تمام بھلائیاں میرے لیے بقدر ضرورت ہی کفایت کر جاتیں، اور تیرے شرّ کا تو یہ حال ہے کہ پانی کو بہانے والے نے جس طرف بہایا، وہیں بہتا جا رہا ہے (یعنی تیرا مقصد پورا ہو رہا ہے)۔(۲۳۷)

اور ہمارے خیال میں بھی یہی کلمات زیادہ مناسب اور معنوی لحاظ سے موزوں ہے ہیں، چنانچہ ممکن ہے کہ شیخ صفدی سے نقل میں تسامح واقع ہوا۔ اس شعر کی لغوی و ادبی بحث میں اُمہات کتب و شروح میں بہت سی بحث کی گئی ہے ، جس کے تناظر میں معنوی تغیر بھی اثر انداز ہوتا ہے، ہم نے طویل ابحاث سے اغماض کرتے ہوئے واقعے کی مناسبت سے ترجمہ رقم کیا ہے، اہل ذوق مصادر (۲۳۸) کی جانب مراجعت فرمائیں۔

۲۳۶۔ **لباب الآداب**، للشيخ الأمير أسامة بن منقذ، الصفحة ۳۹۷ .

۲۳۷۔ **لباب الآداب**، للشيخ الأمير أسامة بن منقذ، الصفحة ۳۹۷ .

۲۳۸۔ **الإنصاف في مسائل الخلاف بين النحويين**، للشيخ كمال الدين الأنباري النحوي، ۱/ ۱۵۰ . **شرح الرضي علي الكافية**، ٤/ ۳۷۹–۳۸۰ . **مغني اللبيب**، للابن هشام الأنصاري، ۳/ ۵۳۳ . **شرح المفصّل**، للابن يعيش الحلبي النحوي، ۳/ ۱۱۸.

متذکرہ اشعار کے علاوہ کسی اوراَدبی کلام کا مستند سراغ میسر نہیں آسکا، البتہ منثور تحریر میں فصاحت وبلاغت کا بہترین مرقعہ اوراَدب کا شاہکار نمونہ تاریخ کے صحراؤں میں ایک جگہ محفوظ ہو کر رہ گیا اور زمانے کی تند وتیز ہواؤں اور حوادثات زمانہ کی خردبُرد سے مامون ومحفوظ رہا اور یہ وہی دستاویز ہے جو آپ نے خلافت کی رسم کے موقع پر مامون رشید کی تحریر کے بعد لکھی، اس کا متن مع ترجمہ ما قبل اَوارق میں پیش کر دیا گیا ہے۔

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ اور معاصر شعراء کی عقیدت

۱۔ ابو علی حسن بن ہانی بن عبدالاوّل المعروف "أبو نُواس "(متوفی۱۹۸ھ)

عربی شاعری کی شہرۂ آفاق شخصیت ابونواس حسن بن ہانی بن عبدالاوّل بن صباح حکمی۔ عراق میں اپنے زمانے کا مشہور شاعر تھا۔پیدائش "خوزستان " کے علاقے "اَہواز "میں قریباً۱۴۸ھ میں ہوئی، "بصرہ "میں پرورش پائی، بعد اَزاں "بغداد " جاکر عباسی خلفاء کے دربار سے وابستہ ہوا۔ امام بلاغت واَدب جاحظ نے کہا: میں نے لغت وعرب کے لب ولہجے کی فصاحت کے لحاظ سے " ابونواس " سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔ کلثوم عتابی نے کہا: اگر "ابونواس "زمانہ جاہلیت میں ہوتا، تو کوئی شاعری میں اِس سے بڑھ کر نہ ہوتا۔ ابونواس پہلا شاعر ہے جس نے عربی شاعری کو بدوی لہجے سے نکال کر شہری لب ولہجے کا جامہ پہنایا۔ یہ خود اپنے اَشعار کے بارے میں کہتا تھا کہ میں نے جو بھی شعر کہا، اُسے عرب کی ستّر۷۰ عورتیں پڑھا کرتی تھیں، تو مردوں کی تعداد کے بارے میں خود ہی اندازہ لگالو۔ اس کی علمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امام شافعی نے کہا: اگر ابونُواس میں مسخرہ پن(Buffoonery)نہ ہوتا، تو میں اس سے علم حاصل کرتا۔ ابن منظور افریقی نے اس کے حالات پر "أخبار أبي نواس "لکھی[۲۳۹]۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے، البتہ منتہی قول۱۹۸ھ ہے۔[۲۴۰]

اس نے امام رِضا رضی اللہ عنہ کی شان میں بہت سے کلام کہے، جن میں سے کچھ اشعار تو کتب تاریخ وسیر میں موجود ہیں، البتہ اُن اشعار کا مطبوعہ "ديوان أبي نواس "میں موجود نہیں۔ ہمارے پاس دیوان کے متعدد نسخے ہیں: "مطبعة جمعية

۲۳۹۔ شیخ زرکلی نے ایک کتاب ذکر کی، جبکہ اسی نام سے دو کتب ہیں، جن میں سے ایک امام لغت ابن منظور افریقی صاحب، متوفی ۷۱۱ھ "لسان العرب "کی ہے اور دوسری شیخ ابوھفان عبداللہ بن احمد بن حرب مہزمی بصری، متوفی ۲۵۷ھ کی۔ یہ دونوں کتب دیارِ عرب سے متعدد مطابع نے شائع کی ہیں۔

۲۴۰۔ الأعلام، للزّركلي، ۲/ ۲۲۵، ملخصاً.

الفنون، طبعة ١٨٨٤ء"، "المطبعة العمومية بمصر، طبعة ١٨٩٨ء"، "دار الكتب الوطنية، أبو ظبي، طبعة ٢٠١٠ء" اور "دار النشر الكتاب العربي، برلين، طبعة ٢٠٠١ء "۔ چنانچہ اوّل الذکر تینوں نسخوں کے سر سری مطالعہ کے دوران ہمیں سیّد نا رِضا رضی اللہ عنہ سے متعلق اشعار نہیں مل سکے، البتہ مؤخر الذکر نسخہ پانچ مجلدات اور دو ہزار صفحات پر محیط ہے، اس میں مدائح کے عناوین میں متعلقہ اَشعار دکھائی نہیں دیے۔ لیکن بہت سے ائمہ نے اسی کے حوالے سے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں، جن میں سب سے قریب تر شیخ واَدیب ابو الفرج اصفہانی، متوفی ۳۵۶ھ ہیں، انھوں نے "كتاب الأغاني" میں ان اشعار کو سند متصل کے ساتھ ابونُواس سے نقل کیا ہے، نیز دیگر ائمہ کی نسبت ابونُواس کو مدح امام رِضا پر برانگیختہ کرنے والی شخصیت کا نام بھی بیان کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ا۔ مجھ سے ابو سہل اسماعیل بن علی نو بختی نے بیان کیا کہ انھوں نے اپنے چچا سے سُنا کہ میں نے ایک مرتبہ ابونُواس سے کہا: میں نے تیرے جیسا بُرا بندہ نہیں دیکھا کہ تو نے شراب، کھیل کود، غزل و مدح اور ہر چیز کے بارے میں کوئی نہ کوئی شعر کہا ہے، لیکن تیرے زمانے میں علی بن موسی جیسی شخصیت بھی ہیں، تو نے اُن کی شان میں ابھی تک کچھ نہیں کہا؟ تو اُس نے جواب دیا: میں نے اُن کی تعظیم کے پیش نظر ابھی تک کچھ نہیں کہا، کیونکہ میرے جیسا بندہ بھلا اُن کی کیا مدح سرائی کرے۔ اور پھر کچھ دیر بعد اُس نے یہ اشعار کہے:

قِيْــلَ لِي : أَنْــتَ أَحْــسَنُ النَّــاسِ طَــرَاً فِيْ فُنُــوْنٍ مِــنَ الْمَقَــالِ النَبِيْــهِ
لَــكَ مِــنْ جَيْــدِ القَــرِيضِ مَــدِيْحٌ يُثمِــرُ الــدُّرَّ فِيْ يَــدَي مُجْتَنِيْــهِ
فَعَــلَامَ تَرَكْــتَ مَــدْحَ ابــنِ مُوْسٰــى و الخِــصالِ التــي تجمَّعْــنَ فيــهِ؟
قُلْــتُ : لَا أَسْــتَطِيْعُ مَــدْحَ إمَــامٍ كَــانَ جِبْرِيْــلُ خَادِمــاً لِأَبِيْــهِ

ترجمہ: مجھ سے کہا گیا کہ تم تو شعر کہنے والوں میں ممتاز ہو اور تمہارے حسنِ کلام میں کمال کی کشش ہے۔ گویا تمہارے ہاتھوں میں آکر پتھر بھی گوہر نایاب بن جاتا ہے، لیکن ان محاسن کے باوجود تم نے اب تک ابن موسیٰ (علی رِضا) کی شان میں کلام کیوں نہیں کہا، حالانکہ اُن کی ذات تو خوبیوں کا مجموعہ ہے؟ اس پر

میں نے برجستہ کہا: بھلا میں ایسے امام کی تعریف کیسے کر سکتا ہوں، جن کے بابا(
جدّامجد محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خادم جبرائیل علیہ السلام (جیسے فرشتے) تھے۔(یعنی ایسے جلیل القدر
امام کی تعریف کے لیے میرا ہنر ماند پڑجاتا ہے)۔

میرے چچا کہتے ہیں: کچھ عرصے بعد ابونُواس نے مجھ بتایا کہ جب اُس نے یہ اشعار علی بن موسی کو سنائے تو انھوں نے اپنے آبائے گرامی کی سند سے حدیث بیان کی ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم سے محبت رکھنے والے جب ہماری تعریف کرتے اور ہم سے (اظہار) محبت کرتے ہیں، تو اللہ تعالی عزوجل رُوح القدس (جبرائیل) کے ذریعے اُن کی مدد فرماتا ہے [۲۴۱]۔(صرف سیاق وسباق کو واضح کرنے کے لیے اقتباس پیش کیا گیا ہے، تاہم حدیث کی صحت عیاں نہیں ہوسکی، فافہم۔)

انہی اشعار کو دوسرے سیاق وسباق کے ساتھ امام ذہبی اور پھر اختصار کے ساتھ ابن جوزی نے یوں ذکر کیا:

(ابراہیم بن عباس) صُولی نے کہا: ہم سے احمد بن یحییٰ نے شعبی کا قول بیان کیا ہے: اشعار میں سے بہترین شعر انصاریوں کا ہے، جو انھوں نے جنگ بدر کے موقع پر کہا:

وَ بِبِئْـــرِ بَـــدْرٍ اِذْ يَـــرُدُّ وُجُـــوْهَهُمْ   جِبْرِيْـــلُ تَحْـــتَ لِوَائِنَـــا وَ مُحَمَّـــدُ

ترجمہ: جب اُن کے چہرے بدر کے کنوئیں کی جانب ہوں، تو دیکھنا کہ ہمارے
جھنڈے تلے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام جیسی ہستیاں ہیں۔

اس پر صُولی نے کہا: اس سے بھی زیادہ بہترین (ابونُواس) حسن بن ہانی کے علی بن موسی رِضا کے بارے میں کہے ہوئے یہ اشعار ہیں:

قِيْـــلَ لِي : أَنْـــتَ وَاحِـــدُ النَّـــاس فِي   كُـــلِّ كَـــلَامٍ مِـــنَ المَقَـــالِ بَدِيْـــهِ
لَـــکَ فِي جَـــوْهَرِ الكَـــلَامِ بَـــدِيْعٌ   يُثْمِـــرُ الـــدُّرَّ فِيْ يَـــدَيْ مُجْتَنِيْـــهِ

۲۴۱۔ **الأغاني** ، للشيخ أبي الفرج الاصفهاني ، ملحق الأغاني ؛ أخبار أبي نواس ، ۱/ ۲۹۳ ، طبعة دار الفكر . **تذهيب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ۷/ ٤٥ ، الرقم ٤٨٤٣ . **الوافي بالوفيات** ، للصّفدي ، ۲۲/ ۱۵۵ . **وفيات الأعيان** ، للشيخ ابن خلكان ، ۳/ ۲۷۰ ، الرقم ٤٢٣ . (مذکورہ واقعہ "ملحق الاغانی" سے نقل کیا گیا، البتہ ابن خلکان نے قصہ کا آغاز اور اشعار بیان کیے، لیکن بعد کی حدیث ذکر نہیں۔ ہم نے قصہ کی تفصیلات کو "الاغانی" سے لیا، لیکن نقل اشعار میں دیگر ائمہ کو بنیاد بنایا ہے۔)

فَعَـلاَمَ تَرَكْـتَ مَـدْحَ ابْـنِ مُوْسَـى بِالخِـصَالِ الَّتِـي تَجَمَّعْـنَ فِيْـهِ
قُلْـتُ : لَا أَهْتَـدِي لِمَـدْحِ إِمَـامٍ كَـانَ جِبْرِيْـلُ خَادِمـاً لِأَبِيْـهِ

ترجمہ: مجھ سے کہا گیا کہ تم اپنی بات کو احسن طریقے سے بیان کرنے میں منفرد و یگانہ ہو، تمہارے پاس کلام کرنے کے ایسے دلنشیں انداز ہیں، جو (تعریفات کے جواہر) جمع کرنے والوں کے ہاتھوں میں مزید موتی بکھیر دیتے ہیں۔ لیکن ان محاسن کے باوجود تم نے اب تک (علی رضا) ابن موسیٰ کی شان میں کوئی کلام کیوں نہ کہا، حالانکہ اُن کی ذات تو خوبیوں کا مجموعہ ہے؟ اس پر میں نے برجستہ کہا: بھلا میں ایسے امام کی تعریف کیسے کروں، جن کے بابا (جدّ گرامی محمد مصطفی ﷺ) کے خادم جبرائیل علیہ السلام (جیسے فرشتے) تھے۔[۲۴۲]

ان اشعار میں سے تیسرے شعر میں الفاظ و کلمات کا اختلاف اور وزن کی عدم رعایت تھی، جسے شیخ یافعی نے "مرآۃ الجنان"[۲۴۳] میں درست کرتے ہوئے پیش کیا ہے، اس کا ترجمہ حسب سابق، البتہ الفاظ کا اضافہ یوں ہے:

فَعَـلَى مَـا تَرَكْـتَ مَـدْحَ ابْـنِ مُوْسَـى وَالخِـصَالُ الَّتِـي ذَهَبَـت هِـيَ فِيْـهِ

نوٹ: امام ذہبی نے اشعار نقل کرنے کے بعد آخری شعر پر نقد کرتے ہوئے بیان کیا کہ اس میں جبرائیل علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ کا خادم کہا گیا، جس کے لیے نص قرآن وحدیث مطلوب ہے، لیکن ہمیں ایسی کوئی نص نہیں ملتی، جس میں جبرائیل کو ہمارے نبی مکرم ﷺ کا خادم کہا گیا ہو، بلکہ جبرائیل علیہ السلام تو ہمارے نبی کریم ﷺ کے معلّم تھے، فالتدبر۔

۲۔ شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں: ابونُواس نے آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں کہا:

مُطَهَّـرُوْنَ نَقِيَّـاتٌ جُيُـوْبُهُمْ تَجْـرِي الـصَّلاةُ عَلَـيْهِم أَيْـنَمَا ذُكِـرُوْا
مَـنْ لَمْ يَكُـنْ عَلَوِيّـاً حِـيْنَ تَنْـسِبهُ فَـمَا لَـهُ فِي قَـدِيْمِ الـدَّهْرِ مُفْتَخَـرُ

۲۴۲- سير أعلام النبلاء، للذهبي، ۹/ ۳۸۸. المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، للجوزي، ۱۰/ ۱۲۰، الرقم ۱۱۱٤.
۲۴۳- مرآة الجنان وعبرة اليقظان، لليافعي، ۲/ ۱۱.

الله لَمَّـــــا بَــــرَأ خَلْقــــاً فَأتْقَنَــــهُ صَـــفَّاكُمْ و اصْـــطَفَاكُم أَيُّهَـــا البَـــشَرُ

فَـــأَنْتُمُ المــــلأُ الأَعْــــلَى وَعِنْــــدَكُمْ عِلْـمُ الْكِتَـابِ وَمَـا جَـاءَتْ بِـهِ الـسُّوَرُ

ترجمہ: یہ حضرات (اللہ تعالی جل جلالہ کے) پاکیزہ کیے ہوئے، نیز ان کے لباس بھی طیّب ہیں۔ جہاں بھی اِن کا ذکر ہو، وہاں اِن (اہل بیت) پر دُرود پڑھا جاتا ہے۔ جب حسب ونسب بیان ہوتے کوئی علوی نہ نکلے، تو اس کو ابتدائے زمانہ سے کوئی فخر کی بات نہیں ملی۔ جب خدا نے مخلوق پیدا کی، اور پھر اسے ہر طرح سے اُستوار کیا، تو آپ لوگوں کو خدا نے پاکیزگی بھی بخشی اور منتخب بھی فرمایا۔ پس آپ لوگ بلند رُتبے والے ہیں، اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید کا علم اور سورتوں کے مطالب ہیں۔(۲۴۴)

جبکہ **شیخ یافعی** نے "مرآة الجنان وعبرة اليقظان" (۲۴۵) میں پہلے شعر کے **کلمات** کو یوں ذکر کیا:

مُطهَّـــــرُوْنَ بِقُبَـــــات حَيَـــــاتِهِمْ تَجْـرِي الـصَّلاةُ عَلَـيْهِم أَيْـنَمَا ذُكِـرُوْا

۲۔ ابوالحارث نوفلی، متوفی۔۔؟ (۲۴۶)

شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں: نوفلی نے امام رضا کی شان میں یہ اشعار کہے:

رَأَيْـــتُ الـــشَّيْبَ مَكْرُوْهـــاً وَفِيْـــهِ وَقَـــارٌ لَا تَلِيْـــقُ بِـــهِ الـــذُّنُوْبُ

إِذَا رَكِـــبَ الـــذُّنُوْبَ أَخُـــوْ مُـــشَيْبٍ فَـــمَا أَحَـــدٌ يَقُـــوْلُ : مَتَـــى يَتُـــوْبُ ؟

۲۴۴۔ **الوافي بالوفيات**، للصّفدي، ۲۲/ ۱۵۵ . **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ۱۱ . **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ۳/ ۲۷۱، الرقم ۴۲۳ . **خلاصة الذهب المسبوك في مختصر سير الملوك**، للشيخ عبد الرحمن سُنبُط الإربلي، الصفحة ۲۰۱.

۲۴۵۔ **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ۱۱.

۲۴۶۔ ان کی صرف کنیت مذکور ہے، اس لیے دُرست تعیین نہیں ہو سکی، البتہ امام رضا رضی اللہ عنہ کے معاصرین میں سے "علی بن محمد بن سلیمان نوفلی" بھی ہوئے ہیں، جو متعدد مؤرخین واُدباء کے رُواۃ میں سے ہیں۔ یہ اپنے والد اور چچاؤں سے روایت کرتے ہیں، ان کی بیشتر مرویات "تاریخ بغداد"، "تاریخ دمشق"، "معجم الآدباء" اور "معجم الشعراء" میں مذکور ہیں۔

وَدَاءُ الغَانِيَاتِ بِيَاضُ رَأسِي وَمَنْ مُدَّ البَقَاءُ لَهُ يَشِيْبُ
سَأَصْحبُهُ بِتَقْوَى الله حَتَّى يُفَرِّقُ بَيْنَنَا الأَجَلُ القَرِيْبُ

ترجمہ: میں نے بڑھاپے کو ناپسند دیکھا، حالانکہ بزرگی میں تو ایسا وقار ہے جو گناہ سے باز رکھتا ہے۔ جب کسی پر گناہ جو دراصل بڑھاپے کا بھائی ہے، مسلّط ہو جائیں، تو اُس سے کوئی نہیں کہتا کہ کب توبہ کرے گا؟ میرے حسن وجمال کا مرض میری سر کی سفیدی ہے اور جس کی عمر طویل ہو تو اس پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو ہی جاتے ہیں۔ میں تو ان کی صحبت میں اس لیے رہتا ہوں، تاکہ تقویٰ نصیب ہو، لہٰذا ہمارے درمیان اَب جلد آنے والی موت ہی جدائی کر سکتی ہے۔ (۲۴۷)/(۲۴۸)

۳۔ ابراہیم بن اسماعیل بن یسار، شاعر بصرہ، متوفی۔۔؟

متعلقہ مصادر میں فقط "ابراہیم بن اسماعیل" کے حوالے سے درج ذیل اشعار ذکر ہوئے، جس سے شخصی تعیین میں دشواری ہے۔ البتہ عرب محقق عبد السلام ہارون نے "مجموعة المعاني" میں بیان کیا: "الأغاني" میں شاعر "(ابو فائد) اسماعیل بن یسار (نسائی)" کے تذکرہ میں لکھا: ان کا ایک بیٹا ابراہیم بھی شاعر تھا(۲۴۹)۔ چنانچہ محقق نے اس سے اندازہ لگایا کہ یہ ابراہیم بن اسماعیل بن یسار نسائی ہیں، لیکن "الأغاني" میں دوسرے مقام پر "اسماعیل بن یسار" کے بھائی کا نام "ابراہیم" اور انھیں بھی شاعر ذکر کیا گیا ہے، لیکن بھائی کے بجائے بیٹا مراد لینا قرین صواب ہے، کیونکہ زمانی اعتبار سے بیٹے کا زمانہ امام رِضا سے میل رکھتا ہے، نیز اسماعیل بن یسار یعنی والد نے طویل عمر پائی، حتیٰ کہ عبد الملک بن مروان کے دور خلافت سے لے کر بنواُمیہ

۲۴۷۔ **الوافي بالوفيات**، للصّفدي، ۲۲/ ۱۵۶.

۲۴۸۔ "عیون اخبار الرضا، ۲/ ۱۷۸، باب ۴۳" میں شیخ بابویہ قمی نے ان سے مشابہ اشعار کو سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کا کلام ذکر کیا اور اس کے سیاق میں لکھا ہے کہ خلیفہ مامون نے انھیں ایک باندی ہدیہ کی، چنانچہ جب وہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، تو آپ پر بڑھاپے کے آثار دیکھ کر ناپسند کیا، چنانچہ آپ نے اسے واپس لوٹا دیا اور پھر یہ اشعار کہے، الخ۔ الغرض ایسی صورت میں نا صرف کلمات کا اختلاف ہو گا، بلکہ ترجمہ بھی متاثر ہو گا، لیکن درج بالا میں صفدی کی نقل کے مطابق نوفلی کے اشعار کی بنیاد پر ترجمہ کیا گیا ہے۔ فافہم

۲۴۹۔ **مجموعة المعانی**، للشيخ عبد السلام هارون، ۱/ ۵۴۸، الرقم ۸۳۸.

کے آخری بادشاہ کا زمانہ پایا (۲۵۰)۔ تو اس تناظر میں بھی ان کے بیٹے کا مراد لیا جانا ہی اَصح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ بایں صورت بھائی کی عمر بھی خلافت بنواُمیہ تک ہی محدود رہی ہوگی، جبکہ امام رِضا کا زمانہ اور پھر مرثیہ جو آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۰۳ھ کے بعد ہی ممکن تھا، اس تک بیٹے کا امکان ہی معقول نظر آتا ہے، واللہ اعلم۔ ابن حمدون نے "التذكرة الحمدونية" اور شیخ نویری نے "نهاية الأرب" (۲۵۱) میں اشعار بیان کیے ہیں، کہ ابراہیم بن اسماعیل نے علی بن موسیٰ رِضا کے مرثیے میں کہا:

اِنَّ الرَّزِيْئَـةَ يَـا ابْـنَ مُوْسَـى لَمْ تَـدَعْ ... فِي العَـينِ بَعْـدَكَ لِلْمَـصَائِبِ مَـدْمَعَا

وَالـصَبْرُ يُحْمَـدُ فِيْ المَـوَاطِنِ كُلِّهَـا ... وَالـصَبْرُ أَنْ يُبْكَـى عَلَيْـكَ وَيُجْزَعَـا

ترجمہ: اے ابن موسیٰ! تم نے (خود پر) کسی کا احسان باقی نہ چھوڑا (سب کا بدلہ چکا دیا)، بس اَب آنکھیں ہیں، جو تیرے فراق میں بہتی ہیں، اگرچہ صبر ہر مقام پر محمود ہے، تاہم یہاں صبر یہی ہے کہ تیری جدائی پر رُویا اور فُغاں کیا جائے۔

آخری شعر کے مصرعہ اُولیٰ کی مثل محمد بن عبید اللہ المعروف عتبی نے ۲۲۹ھ میں بصرہ کے طاعون سے انتقال کرنے والے اپنے چھ بیٹوں کی وفات پر مرثیہ کہا، جس کا شعر یوں ہے: (۲۵۲)

والـصَبْرُ يُحْمَـدُ فِي المَـوَاطِنِ كُلِّهَـا ... إِلَّا عَلَيْـكَ فَإِنَّـهُ مَـذْمَوْمُ

۲۵۰- **الأغاني**، للشيخ أبي الفرج الاصفهاني، ٤/ ٤٠٨، ٤١٢، أخبار إسماعيل بن يسار ونسبه، ملخصاً.

۲۵۱- **التذكرة الحمدونية**، للشيخ ابن حمدون، ٤/ ١٩٧، الرقم ٤٨٤. **نهاية الأرب في فنون الأدب**، للنويري، ٥/ ١٦٥، الباب الثاني من القسم الرابع من الفن الثاني في المراثي والنوّادب. **مجموعة المعانى**، للشيخ عبد السلام، ١/ ٥٤٨، الرقم ٨٣٨.

۲۵۲- **نهاية الإرب في فنون الأدب**، للنويري، ٥/ ١٦٥، الباب الثاني من القسم الرابع من الفن الثاني في المراثي. **مجموعة المعانى**، للشيخ السلام هارون، ١/ ٥٤٩، الرقم ٨٣٩.

۴۔ ابو علی دِعبل بن علی بن رَزین، المعروف "دِعبل خزاعی" (متوفی ۲۴۶ھ)

شیخ خیر الدین زرکلی "الأعلام" لکھتے ہیں:

دِعُبل بن علی خزاعی ہجو اور مذمت کرنے کے حوالے سے شہرت رکھنے والا شاعر، اصلاً کوفہ سے تعلق رکھتا تھا، لیکن بغداد میں قیام پذیر رہا۔ اس کے اشعار بہت اعلیٰ تھے۔ خلفاء کی مذمت کرنے اور اُن کی ہجو میں کلام کہنے پر کمال دسترس تھی۔ اِس نے رشید، مامون، معتصم اور واثق جیسے بادشاہوں کی ہجو میں کلام کہے۔ طویل عمر پائی ۱۴۸ھ میں پیدا ہوا اور ۲۴۶ھ میں ۹۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ (۲۵۳)

امام شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

دِعبل خزاعی نے علی بن موسی کی شان میں قصیدہ کہا، تو اسے چھ سو دینار اور ایک جبّہ ملا۔ جس کی اہلیانِ قم نے ایک ہزار دینار قیمت لگائی، لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا، بعد اَزاں اس نے سفر کیا تو راستے میں اہلیانِ قم کے بھیجے ہوئے ڈاکوؤں نے اس کا مال و متاع لوٹتے ہوئے جبّہ بھی لے لیا۔ جب یہ اُن کی منت وسماجت کرنے لگا، تو انھوں نے کہا: اب تو ہم کسی صورت اسے واپس نہیں کریں گے، پھر انھوں نے اسے ایک ہزار دینار دیے اور ساتھ برکت کے لیے جبّہ کا ٹکڑا بھی دے دیا (جو بقول بعض مؤرخین انتقال کے بعد اُس کے کفن میں شامل ہوا)۔ (۲۵۴)

دِعبل خزاعی نے سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کی حیات میں قصیدہ تائیہ کہا، جسے مقبولیت حاصل ہوئی، نیز اس نے جب یہ قصیدہ آپ رضی اللہ عنہ کو سنایا، تو آپ نے اُسے اپنے نام کے رائج الوقت سکّے دس ہزار عباسی دراہم اور چادر خاص عنایت کی۔ اس قصیدے کا سیاق وسباق اور دیگر اُمور متعدد کتب مثلاً "الأغاني، (۲۰/ ۵۹)" وغیرہ میں تفصیلاً درج ہیں۔ نیز اس نے بعد شہادت بھی آپ رضی اللہ عنہ کے مناقب و مرثیے کہے، جن میں سے کچھ کو آئندہ دیوان دِعبل کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے۔

۲۵۳۔ **الأعلام**، للزّركلي، ۲/ ۳۳۹، حرف الدّال.

۲۵۴۔ **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ۹/ ۳۹۱.

إِعْجَازُ الْـهَادِيْ فِي تَحْقِيْقِ القَصِيْدَةِ التَّائِيةِ
فِي مَدْحِ أَهْلِ البَيْتِ لِلدِّعْبِلِ الْـخُزَاعِيْ

اہل سنت ائمہ ومؤرخین کے یہاں دعبل کے حالات میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ اس کی ہجو ومذمت سے شاید ہی کوئی محفوظ رہ سکا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی بیشتر زندگی روپوشی میں گزری، کیونکہ معاصر بادشاہوں کی ہجو میں اس کے ایسے اشعار ملتے ہیں، جنھیں سن کر عام بندہ بھی سیخ پا ہو جائے۔ نیز ان اَوصاف کے علاوہ اُس میں رِفض وتشیع بھی موجود تھا، جس کے سبب اَشعار میں جذباتیت ومخصوص عقائد کی ترجمانی بھی دَر آئی۔ اور یہی وجہ تھی کہ متقدمین ائمہ ومؤرخین نے دعبل کے ''قصیدہ تائیہ'' کے حوالے سے اس اَمر کا بھی واشگاف انداز میں اظہار کیا ہے، مثلاً ابن جوزی نے ''المنتظم ،(١١/ ٣٤٢)'' میں دعبل خزاعی کا ترجمہ لکھتے ہوئے غالی شیعہ قرار دیا، جبکہ شیخ ذہبی نے ''تاريخ الإسلام، (١٨/ ٢٦٣)'' میں اس کے شہرۂ آفاق قصیدے کے بعض اَشعار نقل کرتے ہوئے رِفض سے منسوب کیا ہے۔ بہر حال یہ قصیدہ تاریخ واَدب کی مختلف کتب میں منتشر ہے، جس میں الفاظ وکلمات کا بہت اختلاف ہے۔ بیشتر مؤرخین وائمہ نے اس کے کچھ اَشعار ہی درج کیے ہیں، البتہ قصیدہ ہذا کی دعبل خزاعی کی طرف نسبت اور کثیر تعداد میں ہونے پر سبب کا ہی اتفاق ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں الفاظ و کلمات بلکہ بعض اَشعار کے اختلاف واندارج کا بنیادی سبب اِسی صنف وبحر میں اُس کے دیگر قصائد ہیں، جس میں یکسانیت کے سبب اَشعار کا اِدخال واختلاط ہو گیا ہے۔ اسی لیے مؤرخ حلب شیخ ابن العدیم نے محولہ مقام پر اس کے پچاس اَشعار کی جانب اشارہ کیا اور قریباً اتنے ہی درج بھی کیے ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ قصیدہ ایک صد سے زائد اشعار پر محیط ہے، جس پر قوی دلیل دِعبل خزاعی کا مطبوعہ ومحققہ دیوان اور ائمہ کے بیانات ہیں۔ چنانچہ مطبوعہ دیوان میں قریباً (١١٥) اَشعار درج ہیں۔ یہ قصیدہ بحر طویل میں ہے جبکہ اسی قافیہ کے مشابہ دیگر قصائد بحر بسیط، بحر کامل اور بحر طویل میں بھی ہیں۔ نیز یہ اَشعار مذکورہ دیوان میں موجود ہیں، چنانچہ ایسی یکسانیت کے سبب اَشعار میں تداخل واختلاط پیدا ہوا، جس کی وجہ سے تعداد وکلمات بھی متاثر ہوئے۔ ہم نے نقلِ قصیدہ میں دیوان کو ہی بنیاد بنایا ہے، کیونکہ وہ اس اَمر کے لیے موزوں اور ماہرین نے اس پر شعری لوازمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تحقیق سے کام لیا ہے، البتہ اگر کتبِ تواریخ میں منتشر دیگر اشعار کو پیش نظر رکھ کر کوئی ماہر فن مکمل قصیدے کے پراگندہ گیسو سنوارنے کی سعی کرے، تو مزید اَدبی محاسن بھی اُجاگر ہو سکتے ہیں۔

۱۔ غالباً سب سے پہلے قصیدے کو دِعبل خزاعی کے معاصر ابن المعتز عباسی، متوفی ۲۹۶ھ نے "طبقات الشعراء، (الصفحة ۲٦۷)" میں اِس کی جانب منسوب کیا، نیز قصیدے کی شہرت اور تضمین نہ کہنے کا سبب بھی بیان کیا ہے۔

۲۔ اور یوں ہی دوسرے معاصر شیخ ابو بکر محمد بن داود بن علی بن خلف ظاہری بغدادی اصبہانی، متوفی ۲۹۷ھ نے "الزهرة، (الصفحة ۵۱٦)" پر اس قصیدے کو دِعبل کی طرف منسوب کرتے ہوئے کچھ اَشعار نقل کیے ہیں۔ لہٰذا معاصرین کے اس اِنتساب واستناد سے نسبت قصیدے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

۳۔ ان کے بعد مؤرخ مسعودی، متوفی ۳۴٦ھ نے "مروج الذهب، (۳/ ۲٤٦)" میں اِسی نسبت سے کچھ اَشعار نقل کیے، جو عیسی بن زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کی "باخمراء" کے مقام پر شہادت کے تناظر میں قصیدۂ ہذا میں وارد ہوئے ہیں۔

۴۔ پھر شیخ قاضی تنوخی، متوفی ۳۸۴ھ نے اس قصیدے کے سیاق وسباق اور کچھ اَشعار کو دو مختلف اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے اور یہ دونوں اسناد دیگر کی نسبت عالی و قریب تر ہیں، اسی لیے ہم انھیں نقل کر رہے ہیں:

حدثني علي بن شيراز بن سهل القاضي بعسكر مكرم رحمه الله ، قال:
حدثني أبو الحسين عبد الواحد بن محمد الخصيبي ابن بنت ابن المدبر ،
ببغداد ، قال : حدثني محمد بن علي ، قال: حدثني الحسن بن دِعبل بن
علي الشاعر الخزاعي ، قال : حدثني أبي ..إلخ.(الفرج بعد الشدة ، ٤/ ۲۲۷).
أنشدني أحمد بن عبد الله الورّاق ، قال : أنشدنا أحمد بن القاسم بن نصر
أخو أبي الليث الفرائضي ، قال : أنشدنا دعبل.. (أيضا...، ۵/ ۱٦).

۵۔ اسی طرح مؤرخ شیخ یاقوت حموی، متوفی ٦۲٦ھ نے "معجم الأدباء أو إرشاد الأريب إلى معرفة الأديب ، (۳/ ۱۲۸۵)" میں قصیدے کی بابت شیعہ حضرات کی جانب سے اَشعار کے تداخل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے منتخب و تنقیح شدہ معتد بہ اَشعار کو نقل کیا ہے۔ نیز انھوں نے رُواۃِ قصیدہ میں ابو الحسین محمد بن محمد المعروف "ابن لَنْكَك" بصری نحوی کو بطریق ابو الحسین عبادانی بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اُن سے ابو الفتح عبید اللہ بن احمد المعروف "ابن جُخْجُخْ" نحوی اس قصیدے کو نقل کرتے ہیں، (...أيضاً، ٦/ ۲٦۱۹. الوافي بالوفيات ، للصفدي ، ۱/ ۱۳٤)۔

٦۔ مؤرخ حلب شیخ کمال الدین ابن العدیم، متوفی ٦٦٠ھ نے قصیدے کو اپنی سند متصل کے ساتھ "بغية الطلب في تاريخ حلب" میں درج کیا ہے اور اس کی سند میں قاضی تنوخی بھی مذکور ہیں۔ نیز اُن کے یہاں دو سندیں بیان ہوئیں، جن میں معمولی تغیر واقع ہے، ممکن ہے کہ وہ سند عالی و سافل دونوں سے قصیدہ نقل کرتے ہوں، اسی لیے ایک سند میں عالی اور دوسری میں سافل کی جہت اختیار کی۔ بہر کیف اُن کی سند قصیدہ یوں درج ہے:

أخبرنا أبو المفضل مرجا بن محمد بن هبة الله بن شقره قال : أنبأنا القاضي أبو طالب محمد بن علي الكتاني عن أبي منصور عبد المحسن بن محمد بن علي قال : أنشدنا القاضي أبو القاسم علي بن المحسن التنوخي قال : أنشدنا أبو بكر أحمد بن القاسم بن نصر بن زياد النيسابوري قال : أنشدنا أبو علي الحسن بن علي الخزاعي.(بغية الطلب ، ٦/ ٢٦٦٩).

أخبرنا أبو الفضل المرّجا بن أبي الحسن محمد بن هبة الله بن شقيره الواسطي- قراءة مني عليه بحلب- قال: أخبرنا القاضي أبو طالب محمد بن علي الكتاني الواسطي عن أبي منصور عبد المحسن بن محمد بن علي قال: أنشدنا القاضي أبو القاسم علي بن المحسن التنوخي قال: أنشدنا أبو بكر أحمد بن ابراهيم بن الحسن ابن محمد بن شاذان- من لفظه- قال: أنشدنا أبو بكر أحمد بن القاسم بن نصر بن زياد النيسابوري أخو أبي الليث الفرائضي قال: أنشدنا أبو علي الحسن بن علي الخزاعي دعبل لنفسه..إلخ.(أيضاً..، ٧/ ٣٥٠٠).

الغرض ائمہ ومؤرخین نے حسب ضرورت قصیدے کے منتخب اَشعار ہی بیان کیے ہیں، جس کا سبب اِدخال واختلاط ہے، جیسا کہ ما قبل گزرا۔ لیکن دیوان دِعبل اور دیگر کتب میں اس کے ایک سو سے زائد اشعار بیان ہوئے ہیں، مثلاً "كشف الغمة" وغیرہ میں۔ لیکن محققین کتاب نے اس اَمر کی وضاحت کی ہے کہ اس کے متعدد مخطوطات میں بھی مکمل قصیدہ منقول نہیں، یہ بعد کا اضافہ کردہ ہے۔ اسی لیے شیعی محقق علی آل کوثر نے دوران تحقیق مکمل قصیدے کو حاشیہ میں

ہی درج کیا ہے۔ جبکہ مؤرخ حلب ابن العدیم نے "بغية الطلب" میں اس کے تقریباً پچاس اَشعار نقل کیے ہیں۔ الغرض یہ قصیدہ اِختصار کے ساتھ تو صدیوں سے کتب میں منقول رہا، لیکن مکمل قصیدہ کو بعض نے شہرت اور بعض نے اختلاط کے پیش نظر شامل نہیں کیا۔ ہمارے پیش نظر مطبوعہ دیوان دِعبل ہے، جس میں محققین نے ایک سو پندراں اَشعار نقل کیے ، توہم بغرض توسیع اسی سے اَشعار نقل کر رہے ہیں، اور دیگر کتب کے اضافی اَشعار کو بوجوہ ترک کر رہے ہیں۔

نیز واضح رہے کہ (۱۱۵) میں سے گیارہ اَشعار (۱۴۔۱۷۔۱۹۔۲۰۔۴۷۔۴۸۔۴۹۔۷۵۔۷۶۔۷۷۔۷۸) کو عمداً ترک کیا جارہا ہے، البتہ اہل علم محولہ مصادر کے ذریعے وُجوہِ ترک پر مطلع ہوسکتے ہیں۔ مکمل قصیدہ پر اِعراب کا اہتمام کیا گیا ہے، تاکہ قارئین کو پڑھنے میں دِقت نہ ہو اور اخیر میں ترجمہ بھی زیب قرطاس ہے، تاکہ اُردو خواں حضرات بھی اس سے محظوظ ہوسکیں۔ اس کا ترجمہ پہلی بار پیش کیا جارہا ہے، کیونکہ اوّلاً تو مکمل قصیدہ ہی کسی اُردو کتاب میں منقول نہیں ہوا، اور ثانیاً اگر کسی نے کچھ اَشعار نقل کیے بھی، تو بلا ترجمہ ہی رہنے دیے، حتیٰ کہ تیس چالیس اَشعار تو شیخ شبلنجی نے بھی لکھے، لیکن اس کے مترجم نے جلالت علمی کے باوجود انھیں ترجمہ سے عاری رہنے دیا۔ الغرض یہاں قصیدے سے متعلق معلومات اور متن وترجمہ کو محفوظ کیا جارہا ہے، نیز عربی کلمات کے اختلاف اور دیگر فنی محاسن پر کلام تطویل غیر مفید کے سبب ترک کیا جارہا ہے۔ اہل ذوق مطالعہ کرنا چاہیں، تو علی آل کوثر کے محققہ نسخے "كشف الغمة"، ڈاکٹر عبد الکریم اشتر کی "شعر دعبل الخزاعي" اور شیخ شبراوی کی "الإتحاف بحُبِّ الأشراف" وغیرہ سے استفادہ کرسکتے ہیں۔[۲۵۵]

۲۵۵۔ **ديوان دعبل بن علي الخزاعي** ، الصفحة ٣٨-٤٥ ، قافية التاء ، الرقم ٤٥ . **شعر دعبل بن علي الخزاعي** ، للدكتور عبد الكريم الأشتر ، الصفحة ٧٨-٨٩ . **الزهرة** ، للشيخ أبي بكر الظاهري ، الباب الثالث والخمسون ، الصفحة ٥١٦ ، مختصراً . **مروج الذهب** ، للمسعودي ، ٣/ ٢٤٦ ، ذكر خلافة أبي جعفر المنصور ، مختصراً . **الفرج بعد الشدة** ، للقاضي التنوخي ، ٤/ ٢٢٧. ٥/ ١٦. **معجم الأدباء أو إرشاد الأريب إلى معرفة الأديب** ، للياقوت الحموي الرومي ، ٣/ ١٢٨٤ ، الرقم ٤٧٥ . **بغية الطلب في تاريخ حلب** ، للشيخ ابن العديم ، ٧/ ٣٥٠٠-٣٥٠٣، تحت الترجمة دعبل . **كشف الغمّة في معرفة الأئمّة** ، للشيخ الإربلي ، ٣/ ١١٢-١١٧ ، طبعة دار الأضواء .و٣/ ٤٤١-٤٥٨ ، بتحقيق علي آل كوثر ، طبعة دار التعارف بيروت . **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ١٢/ ١٥٠-١٥١. مختصراً . **نور الأبصار** ، للشبلنجي ، الصفحة ١٦٩ . ملخصاً بتصرف .

۱۔ تَجَاوَبْنَ بِالإِرْنَانِ وَالزَّفِرَاتِ   نَوَائِحُ عُجْمُ اللَّفْظِ وَالنُّطُقَاتِ

۲۔ يُخَبِّرْنَ بِالْأَنْفَاسِ عَنْ سِرِّ أَنفُسٍ   أُسَارَى هَوىً مَاضٍ وَآخِرَ آتِ

۳۔ فأَسْعَدَنْ أَوْ أَسْعَفْنَ حَتَّى تَقَوَّضَتْ   صُفُوْفُ الدُّجَى بِالْفَجْرِ مُنْهَزِمَاتِ

۴۔ عَلَى العَرَصَاتِ الخَالِيَاتِ مِنَ المَهَا   سَلَامُ شَجٍّ صُبَّ عَلَى العَرَصَاتِ

۵۔ فَعَهْدِي بِهَا خُضْرَ المَعَاهِدِ مَأْلفاً   مِنَ العَطِرَاتِ البِيْضِ وَالخَفِرَاتِ

۶۔ لَيَالِيَ يُعدِيْنَ الوِصَالَ عَلَى القِلَى   وَيُعْدِي تَدَانِيْنَا عَلَى الغَرَبَاتِ

۷۔ وَإِذْ هُنَّ يَلْحَظْنَ العُيُوْنَ سَوَافِراً   وَيَسْتُرْنَ بِالأَيْدِيْ عَلَى الْوَجَنَاتِ

۸۔ وَإِذْ كُلُّ يَوْمٍ لِيْ بِلَحْظِي نَشْوَةٌ   يَبِيْتُ لَهَا قَلْبِيْ عَلَى نَشَوَاتِ

۹۔ فَكَمْ حَسَرَاتٍ هَاجَهَا بِمُحَسِّرٍ   وُقُوْفِيَ يَوْمَ الجَمْعِ مِنْ عَرَفَاتِ

۱۰۔ أَلَمْ تَرَ لِلأَيَّامِ مَا جَرَّ جَوْرُهَا   عَلَى النَّاسِ مِنْ نَقْصٍ وَطُولِ شَتَاتِ

۱۱۔ وَمِن دُوَلِ الْمُسْتَهْتَرِيْنَ ، وَمَنْ غَدَا   بِهِمْ طَالِباً لِلنُّوْرِ فِي الظُّلُمَاتِ

۱۲۔ فَكَيْفَ ؟ وَمِنْ أَنَّى يُطَالِبُ زُلْفَةً   إِلَى اللهِ بَعْدَ الصَّوْمِ وَالصَّلَوَاتِ

۱۳۔ سِوَى حُبِّ أَبْنَاءِ النَّبِيِّ وَرَهْطِهِ   وَبُغْضِ بَنِي الزَّرْقَاءِ وَالعَبَلَاتِ

۱۴۔ هُمُ نَقَضُوا عَهْدَ الكِتَابِ وَفَرْضَهُ   وَمُحْكَمَهُ بِالزُّوْرِ وَالشُّبُهَاتِ

۱۵۔ وَلَمْ تَكُ إِلاَّ مِحْنَةٌ كَشَفَتْهُمُ   بِدَعْوَى ضَلَالٍ مِنْ هَنٍ وَهَنَاتِ

۱۶۔ رَزَايَا أَرَتنَا خُضْرَةَ الأُفُقِ حُمْرَةً   وَرَدَّتْ أُجَاجاً طَعْمَ كُلِّ فُرَاتِ

۱۷۔ وَلَوْ قَلَّدُوْا الْمُوْصَى إِلَيْهِ زِمَامَهَا   لَزُمَّتْ بِمَأْمُوْنٍ مِنَ العَثَرَاتِ

۱۸۔ أَخَا خَاتَمِ الرُّسْلِ الْمُصَفَّى مِنَ القَذَى   وَمُفْتَرِسَ الأَبْطَالِ فِيْ الغَمَرَاتِ

۱۹۔ فَإِنْ جَحَدُوْا كَانَ الْغَدِيرُ شَهِيْدَهُ   وَ بَدْرٌ وَ أُحُدٌ شَامِخُ الهَضَبَاتِ

۲۰۔ وَآيٌ مِنَ الْقُرْآنِ تُتْلَى بِفَضْلِهِ   وَإِيْثَارُهُ بِالقُوْتِ فِيْ اللَّزَبَاتِ

۲۱۔ وَغُرُّ خِلَالٍ ، أَدْرَكَتْهُ بِسَبْقِهَا — مَنَاقِبُ كَانَتْ فِيْهِ مُؤْتَنِفَاتِ

۲۲۔ مَنَاقِبُ لَمْ تُدْرَكْ بِكَيْدٍ وَلَمْ تُنَلْ — بِشَيْءٍ سِوَى حَدِّ القَنَا الذَّرِبَاتِ

۲۳۔ نَجِيٌّ لِجِبْرِيلَ الأَمِيْنِ ، وَأَنْتُمْ — عُكُوْفٌ عَلَى العُزَّي مَعاً وَمَنَاةِ

۲۴۔ بَكَيْتُ لِرَسْمِ الدَّارِ مِنْ عَرَفَاتِ — وَأَذْرَيْتُ دَمْعَ العَيْنِ بِالْعَبَرَاتِ

۲۵۔ وَفَكَّ عُرَى صَبْرِي وَهَاجَتْ صَبابَتِيْ — رُسُوْمُ دِيَارٍ أَقْفَرَتْ وَعِرَاتِ

۲۶۔ مَدَارِسُ آيَاتٍ خَلَتْ مِنْ تِلَاوَةٍ — وَمَنْزِلُ وَحْيٍ مُقْفِرُ العَرَصَاتِ

۲۷۔ لِآلِ رَسُوْلِ اللهِ بِالخَيْفِ مِنْ مِنًى — وَ بِالرُّكْنِ وَالتَّعْرِيْفِ وَالجَمَرَاتِ

۲۸۔ دِيَارُ عَلِيٍّ وَالحُسَيْنِ وَجَعْفَرٍ — وَحَمْزَةَ وَالسَّجَّادِ ذِيْ الثَّفِنَاتِ

۲۹۔ دِيَارٌ لِعَبْدِ اللهِ وَالْفَضْلِ صِنْوِهِ — نَجِيِّ رَسُوْلِ اللهِ فِيْ الخَلَوَاتِ

۳۰۔ مَنَازِلُ ؛ وَحْيُ اللهِ يَنْزِلُ بَيْنَهَا — عَلَى أَحْمَدَ المَذْكُوْرِ فِيْ السُّوَرَاتِ

۳۱۔ مَنَازِلُ قَوْمٍ يُهْتَدَى بِهُدَاهُمُ — فَتُؤْمَنُ مِنْهُمْ زَلَّةُ الْعَثَراتِ

۳۲۔ مَنَازِلُ كَانَتْ لِلصَّلَاةِ وَ لِلتُّقَى — وَلِلصَّوْمِ وَالتَّطْهِيْرِ وَالحَسَنَاتِ

۳۳۔ مَنَازِلُ جِبْرِيْلُ الأَمِيْنُ يَحُلُّهَا — مِنَ اللهِ بِالتَّسْلِيْمِ وَالرَّحَمَاتِ

۳۴۔ مَنَازِلُ وَحْيِ اللهِ مَعْدِنِ عِلْمِهِ — سَبِيْلِ رَشَادٍ وَاضِحِ الطُّرُقَاتِ

۳۵۔ دِيَارٌ عَفَاهَا جَوْرُ كُلِّ مُنَابِذٍ — وَلَمْ تَعْفُ لِلأَيَّامِ وَالسَّنَواتِ

۳۶۔ فَيَا وَارِثِي عِلْمِ النَّبِيِّ وَآلِهِ — عَلَيْكُمْ سَلَامٌ دَائِمُ النَّفَحَاتِ

۳۷۔ قِفَا نَسْأَلِ الدَّارَ الَّتِيْ خَفَّ أَهْلُهَا — مَتَى عَهْدُهَا بِالصَّوْمِ وَالصَّلَوَاتِ ؟

۳۸۔ وَأَيْنَ الأُلَى شَطَّتْ بِهِمْ غَرْبَةُ النَّوَى — أَفَانِيْنَ فِيْ الآفَاقِ مُفْتَرِقَاتِ

۳۹۔ هُمُ أَهْلُ مِيرَاثِ النَّبِيِّ إِذَا اعتَزُّوْا — وَهُمْ خَيْرُ سَادَاتٍ وَخَيْرُ حُمَاةِ

۴۰۔ مَطَاعِيْمُ فِيْ الإِعْسَارِ ، فِيْ كُلِّ مَشْهَدٍ — لَقَدْ شَرُفُوْا بِالفَضْلِ وَالبَرَكَاتِ

۴۱۔ وَمَـا النَّـاسُ إِلاَّ حَاسِـدٌ وَمُكَـذِّبٌ وَمُضْطَغِنٌ ذُوْ إِحْنَـةٍ وَتِـرَاتِ

۴۲۔ إِذَا ذَكَـرُوْا قَـتْلَى بِبَـدْرٍ وَخَيْـبَرٍ وَيَـوْمَ حُنَـيْنٍ أَسْـبَلُوْا العَـبَرَاتِ

۴۳۔ سَـقَى اللهُ قَـبْراً بِالمَدِيْنَـةِ غَيْثَـهُ فَقَـدْ حَـلَّ فِيْـهِ الأَمْـنُ بِالْبَرَكَـاتِ

۴۴۔ نَبِـيُّ الهُـدَى ، صَـلَّى عَلَيْـهِ مَلِيْكُـهُ وَبَلَّـغَ عَنَّـا رُوْحَـهُ التُّحَفَـاتِ

۴۵۔ وَصَـلَّى عَلَيْـهِ اللهُ مَـا ذَرَّ شَـارِقٌ وَلَاحَـتْ نُجُـوْمُ اللَّيْـلِ مُبتَـدَرَاتِ

۴۶۔ أَفَـاطِمُ ! لَـوْ خِلْـتِ الحُـسَيْنَ مُجَـدَّلاً وَقَـدْ مَـاتَ عَطْـشَاناً بِـشَطِّ فُـرَاتِ

۴۷۔ إِذَنْ لَلَطَمَـتِ الخَـدَّ ، فَـاطِمُ عِنْـدَهُ وَأَجْرَيْـتِ دَمْـعَ العَـيْنِ فِيْ الْوَجَنَـاتِ

۴۸۔ أَفَـاطِمُ ! قُـوْمِيْ يَـا بْنَـةَ الخَـيْرِ وَانْـدُبِيْ نُجُـوْمَ سَـمَاوَاتٍ بِـأَرْضِ فَـلَاةِ

۴۹۔ قُبُـوْرٌ بِكُوْفَـانٍ ، وَأُخْـرَى بِطَيْبَـةٍ وَأُخْـرَى بِفَـخٍّ نَالَهَـا صَـلَوَاتِي

۵۰۔ وَقَـبْرٌ بِـأَرْضِ الجُوْزجَـانِ مَحَلُّـهُ وَقَـبْرٌ بِبَـاخَمْرَا ، لَـدَى العَرِمَـاتِ

۵۱۔ وَقَـبْرٌ بِبَغْـدَادٍ لِـنَفْسٍ زَكِيَّـةٍ تَـضَمَّنَها الـرَّحْمَنُ فِيْ الغُرُفَـاتِ

۵۲۔ فَأَمَّـا المُمِـضَّاتُ الَّتِـيْ لَـسْتُ بَالِغـاً مَبَالِغَهَـا مِنِّـي بِكُنْـهِ صِـفَاتِ

۵۳۔ نُفُوْسٌ لَـدَى النَّهْـرَيْنِ مِـنْ أَرْضِ كَـرْبَلَا مُعَرَّسُـهُم فِيْهَـا بِـشَطِّ فُـرَاتِ

۵۴۔ تُوُفُّـوْا عِطَاشـاً بِـالفُرَاتِ ، فَلَيْتَنِـيْ تُوُفِّيـتُ فِـيْهِمْ قَبْـلَ حِـيْنِ وَفَـاتِي

۵۵۔ إِلَى اللهِ أَشْـكُوْ لَوْعَـةً عِنْـدَ ذِكْـرِهِمْ سَـقَتْنِيْ بِكَـأْسِ الـذُّلِّ وَالفَظَعَـاتِ

۵۶۔ أَخَـافُ بِـأَنْ أَزْدَارَهُـمْ فَيَـشُوْقَنِيْ مُعَرَّسُـهُمْ بِـالجِزْعِ فَـالنَّخَلَاتِ

۵۷۔ تَقَـسَّمَهُمْ رَيْـبُ الزَّمَـانِ ، فَـمَا تَـرَى لَهُـمْ عَقْـوَةً مَغْـشِيَّةَ الحُجُـراتِ

۵۸۔ سِـوَى أَنَّ مِـنْهُمْ بِالمَدِيْنَـةِ عُـصْبَةً مَـدَى الـدَّهْرِ أَنْـضَاءً مِـنَ الأَزَمَـاتِ

۵۹۔ قَلِيْلَـةُ زُوَّارٍ ، سِـوَى بَعْـضِ زُوَّرٍ مِـنَ الـضَّبْعِ وَالْعِقْبَـانِ وَالرَّخَمَـاتِ

۶۰۔ لَـهُمْ كُـلَّ حِـيْنٍ نَوْمَـةٌ بِمَـضَاجِعَ لَـهُمْ فِيْ نَـوَاحِي الأَرْضِ مُخْتَلِفَـاتِ

٦١۔ وَقَـدْ كَـانَ مِـنْهُم بِالْحِجَـازِ وَأَهْلِهَـا مَغَـاوِيْرُ ، يُخْتَـارُوْنَ فِي السَّرَوَاتِ

٦٢۔ تَنكَّـبُ لَأَوَاءُ السِّنِيْنَ جِـوَارَهُمْ فَـلَا تَـصْطَلِيْهِمْ جَمْـرَةُ الجَمَـرَاتِ

٦٣۔ حِمَـى لَـمْ تُطِـرْهُ الْمُبْـدِيَاتُ ، وَأَوْجُـهٌ تُـضِيءُ لَـدَى الإِيْـسَارِ فِيْ الظُّلُـمَاتِ

٦٤۔ إِذَا أَوْرَدُوْا خَـيْلًا تَـسَعَّرُ بِالقَنَـا مَـسَاعِرُ جَمْـرِ المَـوْتِ وَالغَمَـرَاتِ

٦٥۔ وَإِنْ فَخَـرُوْا يَوْمـاً أَتَـوا بِمُحَمَّـدٍ وَجِبْرِيـلَ وَالفُرْقَـانِ ذِي السُّوَرَاتِ

٦٦۔ وَعَـدُّوْا عَلِيًّـا ذَا المَنَاقِـبِ وَالعُـلَا وَفَاطِمَـةَ الزَّهْـرَاءَ خَـيْرَ بَنَـاتِ

٦٧۔ وَحَمْـزَةَ وَالعَبَّـاسَ ذَا الهَـدْيِ وَالتُّقَـىٰ وَجَعْفَـراً الطَّيَّـارَ فِيْ الحَجَبَـاتِ

٦٨۔ مَلَامَـكَ فِيْ أَهْـلِ النَّبِـيِّ ، فَـإِنَّهُمْ أَحِبَّـايَ ، مَـا عَاشُـوْا وَأَهْـلُ ثِقَـاتِيْ

٦٩۔ تَخَـيَّرْتُهُمْ رُشْـداً لِأَمْـرِي ، فَـإِنَّهُمْ عَـلَى كُـلِّ حَـالٍ خِـيْرَةُ الخَـيرَاتِ

٧٠۔ نَبَـذْتُ إِلَـيْهِمْ بِـالمَوَدَّةِ صَـادِقاً وَسَـلَّمْتُ نَفْـسِيْ طَائِعـاً لِـوُلَاتِي

٧١۔ فَيَـا رَبِّ زِدْنِي مِـنْ يَقِيْنِـيْ بَـصِيْرَةً وَزِدْ حُـبَّهُمْ يَـا رَبِّ ! فِيْ حَـسَنَاتِي

٧٢۔ سَـأَبكيهُمُ مَـا حَـجَّ لله رَاكِـبٌ وَمَـا نَـاحَ قُمْـرِيٌّ عَـلَى الشَّجَرَاتِ

٧٣۔ بِنَفْـسِي أَنْـتُمْ مِـنْ كُهُـوْلٍ وَفِتْيَـةٍ لِفَـكِّ عُنَـاةٍ ، أَوْ لِحَمْـلِ دِيَـاتِ

٧٤۔ وَلِلْخَيْـلِ لَـمَّا قَيَّـدَ المَـوْتُ خَطْوَهَـا فَـأَطْلَقْتُمُ مِـنْهُنَّ بِالـذَّرِيَاتِ

٧٥۔ أُحِـبُّ قَـصِيَّ الرَّحْمِ مِـنْ أَجْلِ حُـبِّكُمْ وَأَهْجُـرُ فِـيْكُمْ أُسْرَتِي وَبَنَـاتِي

٧٦۔ وَأَكْـتُمُ حُبِّـيكُمْ مَخَافَـةَ كَاشِـحٍ عَنِيْـدٍ ، لِأَهْـلِ الحَـقِّ غَـيْرِ مُـوَاتِ

٧٧۔ فَيَـا عَـيْنُ ! بَكِّـيْهِمْ ، وَجُـوْدِي بِعَـبْرَةٍ فَقَـدْ آنَ لِلتَّـسْكَابِ وَالهَمَـلَاتِ

٧٨۔ لَقَـدْ حَفَّـتِ الأَيَّـامُ حَـوْلِي بِـشَرِّهَا وَإِنِّي لَأَرْجُـوْ الأَمْـنَ بَعْـدَ وَفَـاتِي

٧٩۔ أَلَـمْ تَـرَ أَنِّي مِـنْ ثَلَاثِـيْنَ حِجَّـةً أَرُوْحُ وَأَغْـدُوْ دَائِـمَ الحَـسَرَاتِ

٨٠۔ أَرَى فَيْـئَهُمْ فِيْ غَـيْرِهِمْ مُتَقَـسَّماً وَأَيْـدِيَهُمْ مِـنْ فَيْـئِهِمْ صَـفِرَاتِ

٨١۔ فَكَيْفَ أُدَاوِي مِنْ جَوىً لِيْ وَالجوَى أُمَيَّةُ أَهْلُ الْفِسْقِ وَالتَّبِعَاتِ
٨٢۔ بَنَاتُ زِيَادٍ فِي القُصُوْرِ مَصُوْنَةٌ وَآلُ رَسُوْلِ اللهِ فِي الفَلَوَاتِ
٨٣۔ سَأَبْكِيْهُمُ مَا ذَرَّ فِي الأَرْضِ شَارِقٌ وَنَادَى مُنَادِي الخَيْرِ بِالصَّلَوَاتِ
٨٤۔ وَمَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَحَانَ غُرُوْبُهَا وَبِاللَّيْلِ أَبْكِيْهِمْ ، وَبِالغَدَوَاتِ
٨٥۔ دِيَارُ رَسُوْلِ اللهِ أَصْبَحْنَ بَلْقَعاً وَآلُ زِيَادٍ تَسْكُنُ الحُجَرَاتِ
٨٦۔ وَآلُ رَسُوْلِ اللهِ تُدْمَى نُحُوْرُهُمْ وَآلُ زِيَادٍ آمنُوا السَّرَبَاتِ
٨٧۔ وَآلُ رَسُوْلِ اللهِ تُسْبَى حَرِيْمُهُمْ وَآلُ زِيَادٍ رَبَّةُ الحَجَلَاتِ
٨٨۔ وَآلُ رَسُوْلِ اللهِ نُحْفٌ جُسُوْمُهُمْ وَآلُ زِيَادٍ غُلَّظُ القَصَرَاتِ
٨٩۔ إِذَا وُتِرُوْا مَدُّوْا إِلَى وَاتِرِيْهِمُ أَكُفّاً عَنِ الأَوْتَارِ مُنْقَبِضَاتِ
٩٠۔ فَلَولَا الَّذِيْ أَرْجُوْهُ فِيْ اليَوْمِ أَوْ غَدٍ تَقَطَّعَ قَلْبِيْ إِثْرَهُمْ حَسَرَاتِ
٩١۔ خُرُوْجُ إِمَامٍ لَا مَحَالَةَ خَارِجٌ يَقُوْمُ عَلَى اِسْمِ اللهِ وَالْبَرَكَاتِ
٩٢۔ يُمَيِّزُ فِيْنَا كُلَّ حَقٍّ وَبَاطِلٍ وَيُجْزِيْ عَلَى النَّعْمَاءِ وَالنَّقِمَاتِ
٩٣۔ فَيَا نَفْسُ طِيْبِيْ ، ثُمَّ يَا نَفْسُ أَبْشِرِيْ فَغَيْرُ بَعِيْدٍ كُلُّ مَا هُوَ آتِ
٩٤۔ وَلاَ تَجْزَعِيْ مِنْ مُدَّةِ الجَوْرِ ، إِنَّنِيْ أَرَى قُوَّتِيْ قَدْ آذَنَتْ بِشَتَاتِ
٩٥۔ فَإِنْ قَرَّبَ الرَّحْمٰنُ مِنْ تِلْكَ مُدَّتِيْ وَأَخَّرَ مِنْ عُمْرِيْ بِطُوْلِ حَيَاتِي
٩٦۔ شُفِيْتُ ، وَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِيْ رَزِيَّةً وَرَوَّيْتُ مِنْهُمْ مُنْصِلِيْ وَقَنَاتِي
٩٧۔ فَإِنِّي مِنَ الرَّحْمٰنِ أَرْجُوْ بِحُبِّهِمْ حَيَاةً لَدَى الفِرْدَوْسِ غَيْرَ بَتَاتِ
٩٨۔ عَسَى اللهُ أَنْ يَأْوِيَ لِذَا الخَلْقِ إِنَّهُ إِلَى كُلِّ قَوْمٍ دَائِمُ اللَّحَظَاتِ
٩٩۔ فَإِنْ قُلْتُ عُرْفاً أَنْكَرُوْهُ بِمُنْكَرٍ وَغَطَّوْا عَلَى التَّحْقِيقِ بِالشُّبُهَاتِ
١٠٠۔ سَأَقْصِرُ نَفْسِيْ جَاهِداً عَنْ جِدَالِهِمْ كَفَانِيْ مَا أَلْقَي مِنَ العَبَرَاتِ

۱۰۱۔ أُحَاوِلُ نَقْلَ الشَّمْسِ مِنْ مُسْتَقَرِّهَا وَإِسْمَاعَ أَحْجَارٍ مِنَ الصَّلَدَاتِ

۱۰۲۔ فَمِنْ عَارِفٍ لَمْ يَنْتَفِعْ ، وَمُعَانِدٍ يَمِيْلُ مَعَ الأَهْوَاءِ وَالشَّهَوَاتِ

۱۰۳۔ قُصَارَايَ مِنْهُمْ أَنْ أَؤُوْبَ بِغُصَّةٍ تَرَدَّدُ بَيْنَ الصَّدْرِ وَاللَّهَوَاتِ

۱۰۴۔ كَأَنَّكَ بِالأَضْلَاعِ قَدْ ضَاقَ رُحْبُهَا لِمَا ضُمِّنَتْ مِنْ شِدَّةِ الزَّفَرَاتِ

قصیدہ تائیہ کا ترجمہ

۱۔ انھوں نے غمگین آواز اور حسرتوں بھرے پژمردہ دِلوں سے جواب دیے، کیونکہ اُن کی آہ وفُغاں افسردگی کے سبب الفاظ وکلمات سے بے بہرہ ہوچکی ہے۔

۲۔ یہ خبریں اُن محبوب نفوس کے بارے میں ہیں، جن میں سے کچھ گزر چکے اور کچھ آنے والے ہیں۔

۳۔ چنانچہ یہ حضرات آتے رہیں گے، حتیٰ کہ اندھیری رات کی ظلمتوں کو اپنی تابانیوں سے روشن کر دیں گے۔

۴۔ جو زمین وحشی جانوروں تک سے خالی ہوچکی، یہ حزین وسوختہ دل اُن علاقوں میں بھی رونقیں بحال کریں گے۔

۵۔ میرا پختہ یقین ہے کہ وہاں محبتیں قائم ہوں گی، جن سے حیاومحبت کے سفید موتی چمکیں گے۔

۶۔ میرے ہجر ووصال کی راتیں ختم ہوں گی اور میری تنہائیوں کا مداوا ہوگا۔

۷۔ اس وقت تم (فرطِ محبت میں) آنسوؤں کی جھڑی بہتے دیکھنا کہ ہاتھ انھیں رخساروں سے پونچھ رہے ہوں گے۔

۸۔ اور تب میرا ہر دن وارفتگی میں گزرے گا اور اس کے سبب میرے دل کی راتیں بھی نشاط میں گزریں گی۔

۹۔ اور کتنی ہی حسرتوں (کی برآوری) نے حج کے دوران میدانِ عرفات میں وادیٔ محسّر کے پاس وقوف کے وقت مجھے گھیر رکھا تھا۔

۱۰۔ کیا تم نے گزرے وقت میں لوگوں پر ڈھائے جانے والے طویل ظلم وستم اور وعدہ خلافیوں کو نہیں دیکھا۔

۱۱۔ اور جن گروہوں نے خواہشات کی پیروی کر رکھی ہے لیکن اسکے باوجود وہ اَندھیروں میں روشنی کے خواہاں ہیں۔

۱۲۔ صرف نماز اور روزے پر ہی مدار کرتے ہوئے بھلا کیسے وہ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں مقبولیت کے خواہاں ہیں؟

۱۳۔ حالانکہ (یہ لوگ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اَولاد اور متبعین کی محبت سے عاری اور بنوزَرقاء (آلِ مروان) اور عبلات (آلِ اُمیہ) کی نفرت سے خالی ہیں، (حالانکہ ان قبائل کے بیشتر افراد نے اہل بیت پر مظالم ڈھائے ہیں)۔

۱۴۔ انھوں نے قرآن مجید کے عہد و فرائض کی حرمت پامال کی اور اسکی واضح نصوص کو گناہ و شبہات سے آلودہ کیا۔

۱۵۔ تو ان کی حرکتوں نے گمراہیوں میں بھٹکتے ہوئے اُن کے دعووں کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

۱۶۔ ان کاموں نے ہمیں آسمان پر سُرخی دکھائی، اور فُرات کے ہر چلّو تک میں کڑواہٹ پھیل گئی۔

۱۷۔ اگر وہ لوگ وصیت کردہ (یعنی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار دے دیتے، تو انھیں بھلائیوں سے نوازا جاتا۔ (اس بارے میں اہلسنّت کا مؤقف واضح اور نصوص سے مؤید ہے، فتدبر)۔

۱۸۔ کیونکہ یہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی، بُرائیوں سے پاک اور جنگوں میں باطل قوتوں کو نیست و نابود کرنے والے تھے۔

۱۹۔ پس اگر کوئی اِن اَوصاف سے انکاری ہو تو غدیر خم (کا اعلان)، اور بدر و اُحد جیسے بلند پہاڑ (کے سامنے لڑی ہوئی جنگیں) اس کے گواہ ہیں۔

۲۰۔ اور قرآن مجید کی بہت سی آیات اِن کی فضیلت اور تنگدستی میں ان کے ایثار کرنے پر دلالت کر رہی ہیں۔

۲۱۔ اور کتنے ہی روشن اُمور ہیں، جن میں انھیں سبقت حاصل ہے کہ ان کے مناقب تو مسلسل رواں ہیں۔

۲۲۔ ان جیسے مناقب کسی طور پر حاصل نہیں کیے جاسکتے، لیکن (لوگ حاصل نہ ہونے کی صورت) غصہ میں اپنی ہی عفت سبوتاژ کریں گے۔

۲۳۔ جس وقت یہ جبریل امین کے ساتھ ہم کلام رہے (یعنی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ تو اوّلین اسلام لے آئے) اور دریں حال تم لوگ منات و عُزیٰ کے سامنے پڑے تھے (یعنی حالت کفر میں تھے)۔

۲۴۔ میں میدان عرفات میں اُن کی نشانیاں دیکھ کر رویا اور میری آنکھوں نے تو اُن پر خوب آنسو بہائے۔

۲۵۔ جب میں نے گھروں کی ویرانیاں دیکھیں، تو میرا پیمانہ صبر لَبریز ہو گیا اور میرے شدت شوق نے مجھے گھیر لیا۔

۲۶۔ مکتب قرآنی میں تلاوت کی رونقیں نہ رہیں، اور نُزول وحی کا مقام ویران ہو گیا۔

۲۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کے مساکن وادی خَیف، منیٰ، جمرات اور حرم میں تھے۔

۲۸۔ یہاں علی، حسین، جعفر، حمزہ، اور سجاد؛ جن کی جبین پر کثرت سجود کی نشانی تھی، کے گھر تھے۔

۲۹۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد عبد اللہ اور فضل کے مکانات تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوتوں کے ہمنشین تھے۔

۳۰۔ یہاں ایسے گھر تھے، جن میں قرآن مجید میں مذکور (سیّدنا) احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوا کرتی تھی۔

۳۱۔ ایسی قوم کے گھر جن کی پیروی کرنے میں ہدایت ہے، جن کی بدولت گمراہیوں سے حفاظت ہوتی ہے۔

۳۲۔ ایسے گھر جن میں نماز، تقویٰ، روزہ، پاکیزگی اور بھلائیوں کی رونقیں تھیں۔

۳۳۔ ایسے گھر جہاں جبریل امین اللہ تعالیٰ عزوجل کی جانب سے سلام ورحمتیں لے کر آیا کرتے تھے۔

۳۴۔ ایسے گھر جہاں اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی، جو معدنِ علم اور ہدایت کے واضح راستے کی رہنمائی کرنے والی تھی۔

۳۵۔ ایسے گھر جنھیں ظالمین کے ظلم اور گردش زمانہ نے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

۳۶۔ اے علوم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل نبی کے وارث! آپ پر ہمیشہ سلامتی کا نزول رہے۔

۳۷۔ ذرا رُک جاؤ! ہم گھروں سے پوچھ لیں، جنھوں نے اپنے اندر ایسی ہستیوں کو چھپائے رکھا تھا کہ اُن حضرات کے روزے اور نمازیں کیسی پُر کیف تھیں؟

۳۸۔ (اے مساکن مقدسہ!) وہ پہلے لوگ کہاں گئے، جنھیں مصائب کی دُورِی کائنات میں متفرق کر گئی۔

۳۹۔ وہ لوگ تو عزتوں والے اور وارثینِ مصطفی تھے اور وہ بہترین قائد اور پناہ گاہ تھے۔

۴۰۔ وہ لوگ تو ان مقامات پر محتاجوں کو بہت زیادہ کھلانے والے تھے کہ انھیں تو شرف وبرکات سے نوازا گیا تھا۔

۴۱۔ جبکہ لوگوں میں تو حاسد، جھوٹے اور اپنے دانتوں سے کاٹ کھانے والے نظر آتے ہیں۔

۴۲۔ ہائے! جب کبھی بدر و خیبر اور حُنین کے شہداء کا تذکرہ ہو، تو آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں۔

۴۳۔ اللہ تعالیٰ مدینے میں موجود قبر انور پر رحمتوں کی بارش برسائے کہ ان کی بدولت امن وبرکات حاصل ہوئیں۔

۴۴۔ وہ ہدایت (کی تعلیمات اور رہنمائی کرنے) والے نبی ہیں، اللہ تعالیٰ عزوجل ان پر دُرود نازل کرے اور ہماری جانب سے اُن کی بارگاہ میں (دُرود اور سلام کے) تحائف بھیجے۔

۴۵۔ اور اُن پر اللہ تعالیٰ عزوجل کا دُرود نازل ہوتا رہے، جب تک سورج روشن اور تارے جھلملاتے رہیں۔

۴۶۔ کیا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حسین رضی اللہ عنہ کو مٹی میں پڑا چھوڑ دیتیں؟ جب انھیں نہر فُرات کے کنارے پیاسا شہید کیا گیا۔

۴۷۔ بلکہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو ایسی حالت دیکھ کر رُخسار پیٹتیں، اور اُن کی چشمانِ اقدس سے رُخساروں پر آنسو بہتے۔

۴۸۔ اے سیّدہ فاطمہ! اے خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی! آپ ویران صحرا (میدانِ کربلاء) میں کھڑی ہو کر ستارگانِ فلک کو مرثیہ سنائیں۔

۴۹۔ کچھ قبور (مثلاً مسلم بن عقیل و دیگر) کوفہ میں، کچھ مدینہ منورہ (مثلاً امام حسن، زین العابدین، محمد باقر، جعفر صادق وغیرہ) اور کچھ (مثلاً امام حسن مثنی کے پڑپوتے حسین بن علی) مقام فخ میں ہیں، اُن پر میرا سلام ہو۔

۵۰۔ ایک (یحییٰ بن زید بن زین العابدین کی) قبر جوزجان کے مقام پر اور ایک (ابراہیم بن عبد اللہ بن امام حسن کی) قبر باخمراء میں پتھریلے علاقے میں ہے۔

۵۱۔ انہی میں سے ایک پاکیزہ نفس (امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ) کی قبر "بغداد" میں ہے، جسے رحمٰن جل جلالہ نے بہت وسعت بخشی ہے۔ (یہاں امام حسن رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے محمد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ مراد نہیں، کیونکہ اُن کی قبر جنت البقیع میں ہے۔ فافہم)

۵۲۔ نیز کچھ ایسے بھی شہداء ہیں، جنھیں میں نہ جان سکا، اُن کی تابندگی نے گویا مجھے معرفت سے دُور رکھا ہے۔

۵۳۔ کچھ ہستیاں (سیّدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رُفقاء) نہر کربلاء کے پاس ہیں، جنھیں دریائے فرات کی لہریں سیراب کرتی ہیں۔

۵۴۔ انھیں فُرات کے کنارے پیاسا شہید کیا گیا، اے کاش! میں اپنی موت سے قبل ہی وہاں اُن کے سامنے مر جاتا۔

۵۵۔ میں انھیں یاد کرتے وقت اللہ تعالیٰ عزوجل ہی سے اپنے جذبہ عشق کا شکوہ کرتا ہوں، کہ مجھے (اُن شہداء کی کیفیات یاد آنے پر) ذِلت و تکلیف کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔

۵۶۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے وہاں کی زیارت کی، تو درختوں (جھاڑیوں) کے مابین واقع اُس مقام پر حاضری کے وقت کثرت آہ وفُغاں کے باعث میں سوختہ جاں ہو جاؤں گا۔

۵۷۔ زمانے کے نشیب و فراز نے انھیں متفرق کر دیا، پس تم اُن کے پاس کوئی سائباں نہ پاؤ گے، جس نے اُن کے مساکن کو ڈھانپ رکھا ہو۔

۵۸۔ حالانکہ مدینہ منورہ میں ہی اُن کا خاندان عرصہ سے آباد ہے، جو غالباً تھکاوٹ سے چُور ہو چکا ہے۔

۵۹۔ لوگ تو کم ہی زیارت کو آتے ہیں، البتہ جانداروں میں سے گوہ، سانپ اور گدھ آتے جاتے ہیں۔

۶۰۔ یہ حضرات اپنی آماجگاہوں میں سکون کی نیند سوتے ہیں، جبکہ ان کے اِرد گرد کا حال بہت مختلف ہے۔

۶۱۔ حالانکہ انہی میں سے حجاز اوراسکے گرد بہت سے شجاع آرام فرماہیں، جنھیں سرداروں میں شمار کیاجاتا ہے۔

۶۲۔ زمانے کی سختیوں نے خوب زور لگایا، لیکن پھر بھی انھیں دہکتے انگارے نہ بناسکیں۔

۶۳۔ شدائد زمانہ انکی حرمت کو نقصان نہ پہنچاسکے اورانکے چہرے ہدایت مندوں کے لیے تاریکیوں میں روشن ہیں۔

۶۴۔ جب گھوڑے وہاں آتے ہیں، تو گرمی کی شدت سے اُن کی کھال اُدھڑنے لگتی ہے، گویا وہ موت کی وادی میں پہنچنے والے ہیں۔

۶۵۔ لیکن ان حضرات (مدفونین) کے لیے اُس دن (آخرت) پر فخر کیا کم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جبرائیل اور سورتوں والا فُرقان (قرآن مجید) اِن کا حامی ہو گا۔

۶۶۔ اورانہی کے ساتھ بلند وبالا مرتبے والے علی (مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں میں سے افضل تر (سیّدہ) فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی ہوں گی۔

۶۷۔ اور ہدایت وپرہیز گاری والے حمزہ رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ، اور جنت میں اُڑنے والے جعفر رضی اللہ عنہ بھی ہوں گے۔

۶۸۔ اے لوگو! مجھے تعلق اہل بیت پر ملامت نہ کرو کہ وہ تو ایسے لوگ ہیں، جو زندہ رہے تو میرے لیے محبوب اَنام اور معتمد ترین تھے۔

۶۹۔ تم انھیں اپنا مقتدا بناکے کامیابی ہی پاؤ گے، کیونکہ یہ لوگ تو ہر حال میں بہترین ہستیاں ہیں۔

۷۰۔ اُن کے حضور میں نے اپنی عقیدتوں کو سجا اوران کی شوق اطاعت میں اپنی جان کو پیش کر دیا ہے۔

۷۱۔ اے میرے ربّ! میری بصیرت میں اضافہ فرما۔ اے میرے ربّ! ان کی محبت کو زیادہ کرکے میری نیکیوں میں شامل فرما۔

۷۲۔ جب تک اللہ تعالیٰ عزّوجلّ کے لیے سوار ہو کر حج کرنے والے موجود اور درختوں پر قُمری چہچہاتے رہیں گے، ان (اہل بیت کے مصائب) پر گریہ جاری رہے گا۔

۷۳۔ میری جان اہل بیت پر قربان! آپ میں سے نوجوان ہوں، یا اَدھیڑ عمر سب ہی نے لوگوں کی مشکلات حل کیں، کبھی غلاموں کو آزاد کرکے اور کبھی لوگوں کے قرض اَدا کرکے۔

۷۴۔ جیسا کہ گھوڑے کو جب سبک روی (زخمی ہونے پر) موت میں مبتلا کر دے، تو اسے تیز تلوار سے آزاد کیا جاتا ہے۔

۷۵۔ مجھے اہل بیت کی محبت کے سبب صلہ رحمی کرنا اچھا لگتا ہے اور میں اِن کی خاطر اپنے خاندان اور بیٹیوں کو بھی (مخالفت کرنے کی وجہ سے) چھوڑ سکتا ہوں۔

۷۶۔ میں اہل بیت کی محبت کو ایسے منافق، جھگڑنے والوں کی وجہ سے چھپائے بیٹھا ہوں، جو ہمیشہ اہل حق کی مخالفت میں کوشاں ہیں۔

۷۷۔ پس اے آنکھ! اس پر رو، اور خوب آنسو بہا، کہ یہی تو رونے اور آنسو بہانے کا موقع ہے۔

۷۸۔ سالوں کی گردش نے مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھا اور مجھے اُمید ہے کہ مرنے کے بعد تو امن نصیب ہو گا۔

۷۹۔ کیا تم نے مجھے نہیں دیکھا کہ تیس سالوں سے صبح و شام حسرت لیے انتظار میں ہوں۔

۸۰۔ میں اُن کے لشکریوں کو دیکھتا ہوں کہ اُن میں مال و دولت تقسیم کی جاتی ہے، لیکن جب اہل بیت کے ہاتھوں کی جانب دیکھتا ہوں، تو خالی نظر آتے ہیں۔

۸۱۔ پس میں اس شدت غم کا مداوا کیسے کروں؟ اور یہ ظلم ڈھانے والا آلِ اُمیہ اور اس کا گروہ ہے۔

۸۲۔ زِیاد کی بیٹیاں تو سجے ہوئے محلّات میں رہتی ہیں، اور آلِ رسول صحراؤں میں خیمہ فگن ہیں۔

۸۳۔ جب تک دنیا میں سورج طلوع ہوتا رہے گا، نمازوں کیلئے اذان دی جاتی رہے گی، اس ظلم پر آنسو بہتے رہیں گے۔

۸۴۔ اور سورج کے طلوع و غروب ہونے اور روز و شب کے اَوقات میں اُن پر گریہ ہوتا رہے گا۔

۸۵۔ رسول اللہ ﷺ (کی اہل بیت) کے گھر چٹیل میدانوں میں، جبکہ آل زیاد آراستہ مکانات میں رہتے ہیں۔

۸۶۔ رسول اللہ ﷺ (کی اہل بیت) کا خون بہایا گیا، جبکہ آل زیاد سواریوں پر سکون سے بیٹھے رہے۔

۸۷۔ رسول اللہ ﷺ (کی اہل بیت) کی پردہ نشینوں کو قیدی بنایا گیا، جبکہ آل زیاد پردوں والے محملوں میں رہے۔

۸۸۔ رسول اللہ ﷺ (کی اہل بیت) کے بدن (مصائب اور فاقوں سے) کمزور ہو گئے، جبکہ آل زیاد کے بدن (عیش و عشرت کے سبب) موٹاپے سے پھٹنے لگے۔

۸۹۔ جب بھی ظلم (قتل) ہوئے، انہی پر (مظالم و ستم) ہوئے اور پھر انھیں قصاص لینے سے بھی روک دیا گیا۔

۹۰۔ اگر مجھے عنقریب کسی بھلائی کی اُمید باقی نہ ہوتی، تو میں اِن صدموں اور اہل بیت کی خوشحالی کی حسرت لیے ہی اپنا دل مار لیتا۔

۹۱۔ بہت جلد ایک امام کا ظہور ہونے والا ہے، جو اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کے نام کی برکت سے حق کا قیام فرمائے گا۔

۹۲۔ جو ہمارے درمیان ہر حق و باطل کا فیصلہ کریں گے اور سزا و جزا کا معاملہ فرمائیں گے۔

۹۳۔ تو اے میری جان! خوش ہو جا۔ پھر اے میری جان! شادمان ہو جا۔ اَب آنے والا زیادہ دُور نہیں۔

۹۴۔ اور (اے جان!) ظلم کے طویل دورانیہ سے مت گھبرا کہ بیشک میں اپنی طاقت ہر طرح بحال رکھے ہوئے ہوں۔

۹۵۔ پس اگر اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اُس زمانے کو نزدیک ہی رکھا اور میری عمر کو کچھ طوالت بخشی۔

۹۶۔ تو میں اپنی جان اُن پر قربان کر دوں گا اور خود کیلئے کوئی احسان (بہانہ) باقی نہیں رکھوں گا اور اپنی تلوار و نیزے کو خوب سیراب کروں گا (یعنی اُن کی معیت میں جہاد کروں گا)۔

۹۷۔ پس بیشک مجھے اُن کی محبت کے سبب رحمٰن جَلَّ جَلَالُہٗ سے اُمید ہے کہ وہ جنت الفردوس میں نہ ختم ہونے والی زندگی بخشے گا۔

۹۸۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ اُن (کی حمایت و نُصرت) کے لیے ہر فکر مند قوم کے افراد کو یکجا فرما دے۔

۹۹۔ پس اگر میں نے کوئی بھلائی کی بات کہی، تو انھوں نے بدی کا ارتکاب کرتے ہوئے اُس کا انکار کیا اور حق بات کو شبہات کے ذریعے مختلط کر دیا۔

۱۰۰۔ لہٰذا میں نے اپنے تئیں اِن ظالموں سے لڑنا کم کر دیا ہے اور بس! میرے آنسو ہی اس موقع پر کافی ہیں۔

۱۰۱۔ میں نے (اہل بیت کے حوالے سے حق بات کہہ کر گویا) سورج کو اس کے محور سے ہٹا دیا اور سخت پتھروں کو بھی اپنا پیغام سُنا دیا ہے۔

۱۰۲۔ پھر بھلا کون سا جاننے والا ہے، جو اس (حق بات) سے بہرہ یاب نہ ہو، اور دشمن تو اپنی خواہشات کے ساتھ ہی اس کی طرف آئیں گے (کہ اُن کا کام ہی عداوت ہے)۔

۱۰۳۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں، جو غصہ میں ہی مر جائیں گے کہ اُن کی نفرتیں دِلوں ہی میں کھٹکتی رہیں گی۔

۱۰۴۔ گویا اُن کی پسلیاں وُسعت کے باوجود جانوں پر تنگ ہونے لگیں، کہ شدید نفرتوں کو سمیٹ نہیں پا رہی ہیں۔

مرثیہ اوّل اَز دِعبل بر شہادت رِضا رضی اللہ عنہ

دیوان دِعبل میں آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے حوالے سے چند مرثیے بھی منقول ہیں، ان کے مکمل اَشعار تو غالباً محفوظ نہیں رہ سکے، البتہ محققین کو جس قدر دستیاب ہوئے، انھیں یکجا کر دیا گیا ہے، چنانچہ ہم اُن میں سے قابل وثوق کلام کو منتخب کرتے ہوئے اپنی ترتیب کے لحاظ سے مع ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ اُن میں سے پہلا مرثیہ "بحر طویل" میں "قافیہ تاء" کے ساتھ یوں مذکور ہے:(۲۵۶)

۱۔ أَلَا مَا لِعَيْنِي بِالدُّمُوْعِ اِسْتَهَلَّتِ	وَلَو فَقَدَتْ مَاءَ الشُّؤُوْنِ لَقَرَّتِ
۲۔ عَلَى مَنْ بَكَتْهُ الأَرْضُ وَاسْتَرْجَعَتْ لَهُ	رُؤُوسُ الجِبَالِ الشَّامِخَاتِ وَذَلَّتِ
۳۔ وَقَدْ أَعْوَلَتْ تَبْكِي السَّمَاءُ لِفَقْدِهِ	وَأَنْجُمُهَا نَاحَتْ عَلَيْهِ وَكَلَّتِ
۴۔ رُزِيْنَا رَضِيَ الله سِبْطَ نَبِيِّنَا	فَأَخْلَفَتِ الدُّنَيا لَهُ وَتَوَلَّتِ
۵۔ فَنَحْنُ عَلَيْهِ اليَوْمَ أَجْدَرُ بِالبُكَا	لِمَرْزِئَةٍ عَزَّتْ عَلَيْنَا وَجَلَّتِ
۶۔ وَمَا خَيْرُ دُنْيَا بَعْدَ آلِ مُحَمَّدٍ	أَلَا لَا نُبَالِيهَا إِذَا مَا اضْمَحَلَّتِ
۷۔ تَجَلَّتْ مُصِيْبَاتُ الزَّمَانِ وَلَا أَرَى	مُصِيْبَتَنَا بِالمُصْطَفِينَ تَجَلَّتِ

۱۔ ہائے! میری آنکھیں تو صرف آنسو بہار ہی ہیں، اگر خون کے آنسو بھی ختم ہو جائیں، تب اسے سکون ملے۔

۲۔ کہ اس پر تو زمین بھی روئی، اور اس کی جدائی پر بلند و بالا پہاڑ بھی لرز اُٹھے۔

۳۔ اور اس کی وفات پر تو آسمان بھی خوب رویا اور اس کے ستاروں تک اُن پر گریہ کناں ہوئے۔

۴۔ اللہ تعالی نے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اَولاد سے نوازا تھا، چنانچہ وہ دنیا پیچھے چھوڑ کر وہاں (قربِ الٰہی میں) چلے گئے۔

۵۔ پس آج ہم ان کی فرقت میں خوب روتے ہیں، کیونکہ یہ مصیبت ہمارے لیے عظیم تر ہے۔

۶۔ آلِ محمد کے بعد بھلا دُنیا میں کیا خیر باقی ہے، خبر دار! ہمیں (اُنکے جانے کے بعد) کوئی پرواہ نہیں، کیونکہ وہ بے رونق ہو چکی۔

۲۵۶۔ **ديوان دعبل الخزاعي**، مع شرحه؛ حسن حمد، الصفحة ٤٧، الرقم ٤٩، قافية التاء.

۷۔ زمانے کے مصائب سنگین سہی، لیکن کیا وہ ہماری چنیدہ ہستیوں پر آنے والی عظیم تر مصیبت (اہلبیت کی شہادتوں) کو نہیں دیکھتا، جو اتنی واضح ہے۔

مرثیہ ثانی اَز دِعبل بَر شہادت رِضا رضی اللہ عنہ

اس نے "بحر المُجْتَث" اور "قافیہ دال" میں آپ رضی اللہ عنہ کا مختصر مرثیہ کہا(۲۵۷)۔ یہ بحر ثنائی اور قلیل الاستعمال ہے۔

۱۔ يَـــا حَـــسْرَةً تَـــتَرَدَّدْ　　وَعَـــبْرَةً لَـــيْسَ تَنْفَـــدْ

۲۔ عَـــلَى عَـــلِيِّ بْـــنِ مُوْسَـــى　　بْـــنِ جَعْفَـــرِ بْـــنِ مُحَمَّـــدْ

۳۔ قَـــضَى غَرِيْبـــاً بِطُـــوْسٍ　　مِثْـــلَ الحُـــسَامِ الْمُجَـــرَّدْ

۱۔ اے حسرت! (ان کی فُرقت وجدائی میں) مچلتی رہ، اور اے آنکھ! آنسو بہاتی رہ۔

۲۔ (سیّدنا) علی (رِضا) بن موسی بن جعفر بن محمد (کی شہادت) پر۔

۳۔ کہ انھوں نے خالی تلوار کی طرح (یعنی تنہائی میں مقام) طوس میں غریب الوطنی میں وصال کیا۔

مرثیہ ثالث اَز دِعبل بَر شہادت رِضا رضی اللہ عنہ

اس نے "بحر وافر" اور "قافیہ فاء" میں آپ رضی اللہ عنہ کا یہ مرثیہ کہا:(۲۵۸)

۱۔ .... وَقَـــدْ كُنَّـــا نُؤَمِّـــلُ أَنْ سَـــيَحْيَا　　إِمَـــامُ هُـــدًى لَـــهُ رَأْيٌ حَـــصِيْفُ

۲۔ تَـــرَى سَـــكَنَاتِهِ فَتَقُـــوْلُ: غِـــرٌّ　　وَتَحْـــتَ سُـــكُوْنِهِ رَأْيٌ ثَقِيْـــفُ

۳۔ لَـــهُ سَـــمْحَاءُ تَغْـــدُوْ كُـــلَّ يَـــوْمٍ　　بِنَائِلِـــهِ ، وَسَـــارِيَةٌ تَطُـــوْفُ

۴۔ فَأَهْـــدَأَ رِيْحَـــهُ قَـــدْرُ الْمَنَايَـــا　　وَقَـــدْ كَانَـــتْ لَـــهُ رِيْـــحٌ عَـــصُوْفُ

۵۔ أَقَـــامَ بِطُـــوْسَ تَلْحَفُـــهُ الْمَنَايَـــا　　مَـــزَارٌ ، دُوْنَـــهُ نَـــأْيٌ قَـــذُوْفُ

۱۔ ہم ایسے ہدافت یافتہ امام کی اُمید رکھتے ہیں، جن کی فکر پختہ اور غیر متزلزل ہے۔

۲۵۷۔ **ديوان دعبل الخزاعي**، مع شرحه؛ حسن حمد، الصفحة ٥٩، الرقم ٧٠، قافية الدال.

۲۵۸۔ **ديوان دعبل الخزاعي**، مع شرحه؛ حسن حمد، الصفحة ٩٩، الرقم ١٥٩، قافية الفاء.

۲۔ جب تم ان کا وقار ملاحظہ کروگے تو بے ساختہ بول اُٹھوگے: یہ عالی وقار ہیں، اور ان کے افکار میں بالیدگی ہے۔
۳۔ ان کی سخاوتیں تو ہر روز برستی ہیں، اور گھنے بادلوں کی طرح ان کے گرد رہتی ہیں۔
۴۔ پس ان کی سخاوتوں سے بقدر ہمت آرزوؤں نے حصہ لیا، حالانکہ ان کے یہاں سخاوت کی تیز ہوائیں موجود ہیں۔
۵۔ انھوں نے طوس میں قیام کیا اور مزار (یعنی شہادت) نے آرزوؤں (کی برآوری کرنے والے) کو چھپالیا، اس پر مستزاد یہ کہ جگہ بہت دُور ہے۔

محاسن و محامد سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ

اس نے "بحر طویل" اور "قافیہ الراء" کی صورت میں آپ رضی اللہ عنہ کی یوں تعریف کی ہے:[۲۵۹]

۱۔ بَـــدَأْتُ بِحَمْــدِ الله وَالــشُّكْرِ أَوَّلًا وَمَــدْحِ إِمَــامٍ عَنْــهُ تُــرْوَى الَمَــآثِرُ
۲۔ إِمَــامُ هُــدًى لله يَعْمَــلُ جَاهِــداً ذَخَــائِرُهُ التَّقْــوَى وَنِعْــمَ الــذَّخَائِرُ
۳۔ إِمَــامٌ سَــمَا لِلــدِّيْنِ حَتَّــى أَنَــارَهُ وَقَــدْ مَــحَّ عَنْــهُ الرَّسْــمُ وَالرَّسْــمُ دَاثِــرُ
۴۔ عَلِــيْمٌ بِــمَا يَــأْتِي ، أَبِيٌّ ، مُوَفَّــقٌ مُبِــيْرٌ لِأَهْــلِ الجُــوْرِ ، لِلْحَــقِّ نَــاصِرُ

۱۔ میں اللہ تعالیٰ عزوجل کی حمد و شکر سے ابتدا کرتے ہوئے اُس امام کی توصیف کرتا ہوں، جس سے اخلاق سیر اب ہوئے۔
۲۔ یہ ہدایت کے امام اور رضائے خداوندی کے لیے جہاد (اعمال) کرنے والے تھے، ان کا خزانہ تقوی تھا اور وہ کیا ہی بہترین سرمایہ ہے۔
۳۔ یہ امام (سیّدنا رِضا) دین مبین کے لیے آسمان (کی طرح) تھے، حتی کہ انھوں نے (اپنی آسمانی روشنی سے) اسے (دین کو) منور کر دیا اور بُرائی کے طریقوں کو مٹا کر رکھ دیا۔
۴۔ یہ (فراست و دانشمندی کے باعث) آنے والے اُمور سے واقف، دَرگزر کرنے والے، صاحب توفیق، ظالموں پر قہر اور حق کے مددگار ہیں۔

۲۵۹۔ **ديوان دعبل الخزاعي**، مع شرحه؛ حسن حمد، الصفحة ۷۳، الرقم ۱۰۷، قافية الراء.

اہل بیت اور سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کی یاد میں

امام ابن عساکر نے "تاریخ دمشق الکبیر"، شیخ ابن منظور افریقی نے "مختصر تاریخ دمشق"، شیخ ابن حمدون نے "التذکرۃ الحمدونیۃ" اور شیخ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں دِعبل خزاعی کے کچھ اَشعار نقل کیے ہیں، جن میں اہل بیت پر مظالم اور سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کی یاد میں کلام کیا گیا ہے۔ ان میں سے بیشتر مؤرخین نے ذیل کی ترتیب میں سے رقم (۱۴) تا (۲۳) تک کے اَشعار درج کیے ہیں۔ البتہ دیوان دِعبل میں کل چوبیس (۲۴) اَشعار ہیں، جو "بحر بسیط" اور "قافیہ الراء" میں کہے گئے۔ ہم نے اُن میں سے شعر (۱۴) کو عمداً ترک کر دیا ہے، جبکہ بقیہ پیش خدمت ہیں:[۲۶۰]

۱۔ تَأَسَّفَتْ جَارَتِي لَمَّا رَأَتْ زَوَرِي ... وَعَدَّتِ الشَّيْبَ ذَنْباً غَيْرَ مُغْتَفَرِ

۲۔ تَرْجُو الصِّبَا بَعْدَ مَا شَابَتْ ذَوَائِبُهَا ... وَقَدْ جَرَتْ طَلَقاً فِي حَلبَةِ الْكِبَرِ

۳۔ أَ جَارَتِي! إِنَّ شَيْبَ الرَّأْسِ نَفَّلَنِيْ ... ذِكْرَ الْغَوَانِي، وَأَرْضَانِي مِنَ الْقَدَرِ

۴۔ لَوْ كُنْتُ أَرْكُنُ لِلدُّنيَا وَزِيْنَتِهَا ... إِذَنْ بَكَيْتُ عَلَى الْمَاضِيْنَ مِنْ نَفَرِي

۵۔ أَخْنَى الزَّمَانُ عَلَى أَهْلِي فَصَدَّعهُمْ ... تَصَدُّعَ الشَّعْبِ لَاقَى صَدْمَةَ الحجْرِ

۶۔ بَعْضٌ أَقَامَ، وَبَعْضٌ قَدْ أَهَابَ بِهِ ... دَاعِي الْمُنِيَّةِ، وَالبَاقِي عَلَى الأَثَرِ

۷۔ أَمَّا الْمُقِيْمُ فَأَخْشَى أَنْ يُفَارِقَنِي ... وَلَسْتُ أَوْبَةَ مَنْ وَلَّى بِمُنْتَظَرِ

۸۔ أَصْبَحْتُ أُخْبِرُ عَنْ أَهْلِي وَعَنْ وَلَدِي ... كَحَالِمٍ قَصَّ رُؤْيَا بَعْدَ مُدَّكَرِ

۹۔ لَوْلَا تَشَاغُلُ نَفْسِي بِالأُلَى سَلَفُوا ... مِنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ الله لَمْ أَقِرِ

۱۰۔ وَفِي مَوَالِيكَ لِلْمَحْزُوْنِ مَشْغَلَةٌ ... مِنْ أَنْ تَبِيْتَ لِمَفْقُوْدٍ عَلَى أَثَرِ

۱۱۔ كَمْ مِنْ ذِرَاعٍ لَهُمْ بِالطَّفِّ بَائِنَةٍ ... وَعَارِضٍ مِنْ صَعِيْدِ التُّرْبِ مُنْعَفِرِ

۲۶۰۔ **تاريخ دمشق الكبير**، للإمام ابن عساكر، ۱۷/ ۲۶۰. **مختصر تاريخ دمشق الكبير**، للشيخ ابن منظور الإفريقي، ۸/ ۱۸۱، الرقم ۹۹. **التذكرة الحمدونية**، للشيخ ابن حمدون، ۵/ ۱۳۸. **معجم البلدان**، للشيخ ياقوت الحموي، ٤/ ٥٠. **ديوان دعبل الخزاعي**، مع شرحه؛ حسن حمد، الصفحة ۷۵-۷۷، الرقم ۱۱۲، قافية الراء.

۱۲۔ أَنْسَى الحُسَيْنَ وَمَسْرَاهُمْ لِمَقْتَلِهِ — وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ: هَذَا سَيِّدُ الْبَشَرِ

۱۳۔ يَا أُمَّةَ السُّوءِ مَا جَازَيْتِ أَحْمَدَ عَنْ — حُسْنِ البَلَاءِ عَلَى التَّنْزِيْلِ وَالسُّوَرِ

۱۴۔ وَ لَيْسَ حَيٌّ مِنَ الأَحْيَاءِ نَعْلَمُهُ — مِنْ ذِي يَمَانٍ وَمِنْ بَكْرٍ وَمِنْ مُضَرِ

۱۵۔ اِلَّا وَهُمْ شُرَكَاءُ فِي دِمَائِهِمْ — كَمَا تَشَارَكَ أَيْسَارٌ عَلَى جُزُرِ

۱۶۔ قَتْلاً وَأَسْراً وَتَحْرِيْقاً وَمَنْهَبَةً — فِعْلَ الغُزَاةِ بِأَرْضِ الرُّوْمِ وَالخَزَرِ

۱۷۔ أَرَى أُمَيَّةَ مَعْذُوْرِيْنَ إِنْ قَتَلُوْا — وَلَا أَرَى لِبَنِي العَبَّاسِ مِنْ عُذُرِ

۱۸۔ أَبْنَاءُ حَرْبٍ وَمَرْوَانٍ وَأُسْرَتُهُمْ — بَنُوْ مَعَيْطٍ وُلَاةُ الحِقْدِ وَالوَغَرِ

۱۹۔ قَوْمٌ قَتَلْتُمْ عَلَى الإِسْلَامِ أَوَّلَهُمْ — حَتَّى اِذَا اسْتَمْكَنُوا جَازَوْا عَلَى الكُفُرِ

۲۰۔ أَرْبِعْ بِطُوْسٍ عَلَى القَبْرِ الزَّكِيِّ بِهَا — اِن كُنْتَ تُرْبَعُ مِنْ دِيْنٍ عَلَى وَطَرِ

۲۱۔ قَبْرَانِ فِي طُوْسٍ : خَيْرُ النَّاسِ كُلِّهِمُ — وَقَبْرُ شَرِّهُمْ ، هَذَا مِنَ العِبَرِ

۲۲۔ مَا يَنْفَعُ الرِّجْسَ مِنْ قُرْبِ الزَّكِيِّ وَلَا — عَلَى الزَّكِيِّ بِقُرْبِ الرِّجْسِ مِنْ ضَرَرِ

۲۳۔ هَيْهَاتَ كُلُّ امْرِئٍ رَهْنٌ بِمَا كَسَبَتْ — لَهُ يَدَاهُ ، فَخُذْ مَا شِئْتَ أَوْ فَذَرِ

۱۔ میری باندی (تمنائیں) مایوس ہو گئی، جب اُس نے میرے میلان (بڑھتی عمر) کو دیکھا اور میرے بڑھاپے کو ایسا جُرم شمار کیا، جس کی معافی نہیں (یعنی موت)۔

۲۔ تم جوانی کی آرزو لیے بیٹھے ہو، حالانکہ بڑھاپے نے اپنے اثرات ظاہر کر دیئے اور (اب تو) کبر سنی پر بھی کئی زمانے گزر چکے ہیں (یعنی بڑھاپے آئے بھی زمانہ ہو چکا)۔

۳۔ اے میری باندی! میرے سر کی سفیدی نے مجھے خواتین سے دُور اور تقدیر کے معاملے پر راضی کر دیا ہے۔

۴۔ اگر اب بھی میں دنیا اور اسکی زیبائش کی طرف مائل رہا، تو میں اپنے گزر ہوئے لوگوں پر گریہ کناں ہوں گا (یعنی اگر اب بھی توبہ نہ کی تو بعد میں ان لمحات پر بھی پچھتانا پڑے گا، جو گزر چکے ہوں گے)۔

۵۔ زمانہ لوگوں پر اثرانداز ہو کر انھیں بکھیر دیتا ہے، جیسا کہ پہاڑ بھی چٹانوں کی چوٹ سے متاثر ہو جاتا ہے۔

۶۔ پس کچھ ابھی زندہ ہیں، اور کچھ قاصد اَجل کے بلاوے پر چلے گئے، لیکن باقی رہ جانے والے بھی مریں گے۔

۷۔ اور جو باقی بچ گئے ہیں، پس خوف ہے کہ وہ بھی مجھے (جلد ہی) داغ مفارقت دینے والے ہیں، اور میں خود بھی دوبارہ کسی زندگی کا اُمیدوار نہیں ہوں (یعنی میری موت بھی قریب ہی ہے)۔

۸۔ میں ہوش میں آیا ہوں، تاکہ اپنے گھر والوں اور اَولاد کو نصیحت کر دوں، جیسا کہ ایک خواب دیکھنے والا بیدار ہو کر کسی عقلمند سے خواب بیان کرتا ہے (ایسے ہی میں بھی غفلت سے بیدار ہو کر نصیحت کر رہا ہوں)۔

۹۔ اگر میرے سامنے اہل بیت کے گزرے ہوئے نُفوس نہ ہوتے، تو شاید میر انفس بھی ہنوز بیدار نہیں ہوتا۔

۱۰۔ اور تیرے غلاموں میں غمزدوں کے لیے روش موجود ہے کہ وہ بھی مرنے والوں کی طرح اپنی راتیں گزاریں (یعنی موت کی تیاری کریں)۔

۱۱۔ اور طِف جیسے مقطوع اور ویران علاقے میں کتنی ہی قبریں ہیں، جن پر صحراء کی مٹی پڑی ہوئی ہے۔

۱۲۔ لوگوں نے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کی شہادت گاہ کو بھلا دیا، حالانکہ وہی لوگ کہتے تھے: یہ انسانیت کے سردار ہیں۔

۱۳۔ اے بُری جماعت! تم نے سیّدنا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید لانے کی کتنی بُری جزاء دی (یعنی اہل بیت کو شہید کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنی تکلیف پہنچائی، حالانکہ قرآن مجید اور اَحادیث میں ان کے حقوق کی پاسداری کی تعلیم بیان ہوئی تھی)۔

۱۴۔ قبیلہ یمان، بکر اور مُضر میں سے کوئی بھی ایسا شخص زندہ نہ رہا، جسے ہم جانتے ہوں۔

۱۵۔ جن کا حال یہ ہو کہ اُن کا خونی رشتہ ایسا ہو، جیسے قربانی کے حصے دار ذبیحہ میں شریک ہوتے ہیں۔

۱۶۔ جبکہ رُوم و خزر کے علاقوں میں قتل کرنا، قیدی بنانا، جلانا اور لوٹنا تو لشکریوں کا کام ہو چلا ہے۔

۱۷۔ میں دیکھتا ہوں، اگر بنو اُمیہ نے انھیں (آل رسول کو) قتل کیا، تو اُن کے پاس عذرِ (لنگ) تھا (کہ ان کے بڑے بھی بدر و اُحد میں قتل کیے گئے)، لیکن مجھے بنو عباس کے پاس تو کوئی عذر دِکھائی نہیں دیتا (کیونکہ وہ تو خود اسی خاندان کے ہیں)۔

۱۸۔ حرب، مروان اور ان کے قبیلے والے، نیز بنو معیط دراصل کینہ پرور لوگوں میں سے ہیں۔

۱۹۔ وہ قوم جس کے سرخیلوں کو اسلام کے پہلے زمانے میں قتل کر دیا گیا تھا، اب انہی کی نسل والوں کو دوبارہ ذرا طاقت کیا ملی، نافرمانی کرنے لگے؟

۲۰۔ اگر تم دین کی بنیادیں کسی ضرورت کے تحت شمار کرنا چاہو، تو "طوس" کی سرزمین پر موجود ایک پاکیزہ نفس کی قبر کو بھی اُسی میں شمار کرلینا۔

۲۱۔ سرزمین طُوس پر دو قبریں ایسی ہیں، جن میں سے ایک تو تمام لوگوں سے زیادہ بہتر تھا اور دوسرے کی قبر سب لوگوں سے زیادہ شریر کی ہے، اس سے عبرت حاصل کرو۔

۲۲۔ لہٰذا پلید نفس کو پاکیزہ جان کی قربت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نہ ہی پاکیزہ جان کو اس ناپاک کی نزدیکی کوئی نقصان دے سکتی ہے۔

۲۳۔ ہر شخص اپنے ہاتھوں کیے گئے اعمال کے خمیازہ میں گرفتار ہے، لہٰذا جتنا چاہو (عمل کرکے) لے لو، یا چھوڑ دو۔

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کی شہادت

حیاتِ مستعار کی رونقیں ہر بندۂ خدا کے لیے کسی نہ کسی حد پر جاکر اختتام پذیر ہوتی ہیں، جسے ہم موت کے نام سے جانتے ہیں، اِس سے کسی کو راہِ فرار نہیں، نظامِ قدرت کے تحت انسان زندگی کا حصہ مکمل کرلینے کے بعد آخرت کی جانب گامزن ہوتا ہے اور کامیاب انسان وہ ہے، جو اگرچہ دنیا سے چلا جائے، لیکن اُس کی زندگانی کے اَن مٹ نقوش صفحاتِ دَہر اور اَوراقِ محبت پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہوجاتے ہیں، جس کی تابندگی مرنے کے باوجود بھی لوگوں کے دِلوں میں اُسے زندہ وجاوید رکھتی ہے۔ چنانچہ امام رِضا رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی زندگی کے لمحات مکمل فرمائے، تو سفرِ آخرت کی جانب روانہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ نے آپ کو جس شان کی زندگی عطا فرمائی، اُسی بلند شان کی موت یعنی شہادت بھی نصیب فرمائی، جو ابتدا ہی سے اس گھرانے کا شعار رہی ہے کہ آپ کے جدّ اَمجد سیّد المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ نے شہادت نصیب فرمائی، پھر مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تلوار کی ضرب سے زخمی ہوکر منصبِ شہادت پر فائز ہوئے، اسی طرح محبوبِ مصطفیٰ امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اَغیار کے دیے جانے والے زہر سے ہوئی، اور پھر شہیدِ کرب وبلا، امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تیغ دُشمناں اور جفائے دوستاں سے مظلومیت کے عالم میں ہوئی، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی ایک قول کے مطابق دشمنوں کے زہر سے ہوئی، اور یوں ہی آپ کے بابا جان سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی بحالتِ قید زہر دیے جانے سے ہوئی، الغرض شہادت اس خاندان کا امتیاز رہی ہے اور شہادت اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کو محبوب بھی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بھی سفرِ آخرت کی جانب روانہ ہونے کے لیے شہادت کی نعمت سے بہرہ یاب

فرمایااور یوں آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو کر واصل بحق اور عازم آخرت ہوئے۔امام رِضا رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں چند اقوال مؤرخین واہل سِیر نے لکھے، جن میں سے بعض قابل تعجب ولائق ردّ ہیں، چنانچہ ہم اوّلاً انھیں نقل کریں گے اور بعد اَزاں دیگر کلام سے حقائق آشکار کریں گے،فنقول وباللہ التوفیق۔

۱۔ کثیر مقدار میں انگور(Grapes) کھانے سے ہوئی

شیخ طبری نے "تَارِیْخُ الرُّسُل والْمُلُوْکَ"، شیخ ذہبی نے "تذهيب تهذيب الكمال" اور شیخ مغلطائی نے "إكمال تهذيب الكمال" میں جزماً،جبکہ بصورت قول شیخ صفدی نے "الوَافِي بِالوَفياتِ"، شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان" شیخ یافعی نے "مرآة الجنان" شیخ نویری نے "نهاية الارب" اور مسعودی نے "مروج الذهب" میں لکھا:

اِنَّ عَلِيَّ بْنَ مُوْسَى أَكَلَ عِنَباً فَأَكْثَرَ مِنْهُ ، فَمَاتَ فُجَاءَةً . (۲۶۱)

ترجمہ: علی بن موسی نے بکثرت انگور کھا لیے، جس کی تکلیف سے اچانک وصال ہوا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کو انگور بہت پسند تھے اور کسی روز آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں کثرت سے کھایا، جس کے سبب وصال ہوا۔ عمومی طور پر یہی بات اکثر تاریخی کتب میں مشہور ہے، لیکن عقلی قرائن اِس کی شدید مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ امام رِضا جیسی ذِی علم اورزاہد شخصیت سے یہ بات بعید ہے کہ وہ انگوروں کا دانستہ اِس قدر استعمال کریں، جو آپ رضی اللہ عنہ کے لیے باعث تکلیف ہو، نیز یہ بات تو ہم کسی عام انسان کے لیے بھی گوارا نہیں کرتے کہ وہ اہل فہم ہوتے ہوئے اتنا کھائے کہ موت کی وادی کی طرف جانا پڑ جائے، چنانچہ خدارا! نظر انصاف۔۔کہ ایسے عابد وزاہد امام، جن کی تقویٰ وپرہیز گاری اپنوں کے علاوہ اَغیار کے یہاں بھی مسلّم، وہ بھلا ایسا فعل کیوں کرنے لگے؟

۲۶۱۔ **تاريخ الرُّسل والملوك**، للطبري، ۸/ ۵۶۸ واللفظ له . **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ۷/ ۴۶-۴۵، الرقم ۴۸۴۳ . **الوافي بالوفيات**، للصّفدي، ۲۲/ ۱۵۶ . **إكمال تهذيب الكمال**، للشيخ مغلطاي، ۹/ ۳۸۰، الرقم ۳۸۸۵ . **وفيات الأعيان**، للابن خلكان، ۳/ ۲۷۰، الرقم ۴۲۳ . **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ۱۰ . **مروج الذهب**، للمسعودي، ۴/ ۲۴ . **نهاية الارب**، للنويري، ۲۲/ ۱۴۹، ذكر خلافة المأمون .

تنبیہ بر واقعہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ صاحب "الصحیح"

اس کلام سے ممکن ہے کہ قارئین کا ذہن حدیث کے امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۲۶۱ھ کی جانب جائے کہ اُن کی وفات بھی تو بکثرت کھجوریں کھانے سے ہی ہوئی؟ تو ہم ایسے قارئین کے لیے اُن کی شہادت کے سبب اور پس منظر کو دوبارہ باور کرادیں کہ اُس وقت وہ ایک حدیث کی تلاش میں مگن تھے اور بے توجہی میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بکثرت کھجوریں تناول فرمائیں، شوق وذوق کے ساتھ بیٹھ کر نہیں۔ اور یہ بات تمام ہی محدثین نے لکھی ہے، پس غور کریں۔ البتہ یہاں معاملہ جدا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف بالقصد بلکہ رغبت کے ساتھ کثرت سے انگور کھانے کو منسوب کیا جارہا ہے، چنانچہ جس ہستی کی ساری زندگی تقویٰ وپرہیزگاری کا عکس جمیل بن کر گزرے اور مامون جیسا بادشاہ بھی دستاویز خلافت میں ان اَوصاف کا جانشینی کے انتخاب کے لیے بطورِ خاص ذکر کرے، ایسے عظیم کردار کے حامل کے بارے میں یہ سوچنا بھی بے اَدبی معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے غیر معقول طریقے سے اتنے انگور کھائے، جس سے وفات ہوئی۔ فافہم

۲۔ زہریلے انگور (Poison Grapes) کھلائے جانے سے ہوئی

شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآۃ الزمان" میں لکھا:

إنما دخل الحمَّام وخرج ، فقُدِّم إليه طبقٌ ، فيه عِنَب مسمومٌ سمًّا لم يظهر فيه ، فيقال : إنهم أدخلوا فيه الإبرَ المسمومة ، فأكله فمات .[۲۶۲]

ترجمہ: آپ حمام میں داخل ہوئے، جب باہر آئے تو آپ کے لیے تھالی میں زہریلے انگور پیش کیے گئے، جس میں زہر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس میں زہریلی سلائی پھیری ہوئی تھی، پس آپ نے انھیں کھایا، تو (زہر کے سبب) انتقال فرماگئے۔

جبکہ شیخ مقریزی نے "المقفی الکبیر" میں لکھا ہے کہ مامون پر اس بات کا الزام لگا کہ اُس نے امام رِضا رضی اللہ عنہ کو انگوروں میں زہر ملا کر دیا تھا۔[۲۶۳] (اس کی وضاحت آرہی ہے)۔

۲۶۲۔ **مرآة الزمان**، للشيخ سبط ابن الجوزي، ۱۳/ ۳۸۸ .

۳۔ دشمنوں کی جانب سے دیے جانے والے زہر (Poison) سے ہوئی

شیخ ابن جوزی نے "المنتظم" میں جزماً، نیز اسی طرح شیخ ذہبی نے "سیر أعلام النبلاء" میں بھی ذکر کیا، جبکہ شیخ ذہبی نے ہی "تذهیب تهذیب الكمال" میں بصورت قول اور پھر شیخ یافعی نے "مرآة الجنان" شیخ ابن خلکان نے "وفیات الأعیان" صفدی "الوَافِي بِالوَفیات" ابن العماد "شَذَرَاتُ الذَّهَبْ" اور مسعودی نے "مروج الذهب" میں لکھا:

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت (دشمنوں کی جانب سے دیے گئے) زہر سے ہوئی۔[۲۶۴]

۴۔ اَناریااِس کے جوس (Pomegranate Juice) میں زہر دیا گیا

شیخ سمعانی نے "الأنساب" اور حافظ عسقلانی نے "تهذیب التهذیب" اور شیخ قلقشندی نے "مآثر الانافة في معالم الخلافة" میں زہر دینے والے کا تعین کیے بغیر ہی مطلقاً ذکر کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اَناریااِس کے جوس میں زہر ملا کر پلایا گیا، جس کے نتیجہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی:

وقد سمّ في ماء الرُّمَّان وسَقى.[۲۶۵]

الغرض متذکرہ بالا حوالہ جات سے عیاں ہے کہ آپ کو زہر دیا گیا، جس سے آپ کی وفات واقع ہوئی۔ لیکن ان حوالہ جات میں زہر کو کسی شخص کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا کہ کس نے دیا؟ بلکہ مطلقاً ذکر کیا گیا، لہذا قارئین بھی اسے مطلق ہی رکھیں، تا آں کہ کوئی قوی دلیل اس کی تعیین کر سکے، البتہ شیخ ابن حبان نے "المجروحين من المحدثين" میں مامون رشید، جبکہ ابن واضح اخباری نے "تاريخ اليعقوبي" میں علی بن ہشام کا نام ذکر کیا ہے۔[۲۶۶]

۲۶۳۔ **المقفى الكبير**، للمقريزي، ٤/ ٢٨٤.

۲۶۴۔ **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم**، للابن الجوزي، ١٠/ ١٢٠، الرقم ١١١٤. **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ٧/ ٤٥، الرقم ٤٨٤٣. **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ٩/ ٣٩٣. **الوافي بالوفيات**، للصّفدى، ٢٢/ ١٥٦. **شذرات الذهب**، للشيخ ابن العماد، ٣/ ١٤. **وفيات الأعيان**، للابن خلكان، ٣/ ٢٧٠، الرقم ٤٢٣. **مرآة الجنان**، لليافعي، ٢/ ١٠. **مروج الذهب**، للمسعودي، ٤/ ٢٤.

۲۶۵۔ **تهذيب التهذيب**، للعسقلاني، ٧/ ٣٨٨. **الأنساب**، للسمعاني، ٦/ ١٣٤، باب الراء والضاد. **تاريخ اليعقوبي**، للابن واضح الأخباري، ٣/ ١٨٨. **مآثر الانافة في معالم الخلافة**، للقلقشندي، ١/ ٢١١.

۲۶۶۔ **المجروحين من المحدثين**، للشيخ ابن حبان، ٢/ ٨٢، الرقم ٤٧٤. **تاريخ اليعقوبي**، للابن واضح الأخباري، ٣/ ١٨٨.

۵۔ بخار (Fever) سے ہوئی

ابن العماد نے "شَذَرَاتُ الذَّهَبْ" اور سبط ابن الجوزی نے "مرآۃ الزمان" میں بصورت قول ذکر کیا:

كَانَ مَوْتُهُ بِالحُمَّى .(۲۶۷)

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات بخار سے ہوئی۔

سبط ابن جوزی نے مطلقاً بیمار ہونے کا ذکر کیا، جس سے متبادر بخار ہی معلوم ہوتا ہے، اگرچہ انھوں نے اسی مقام پر زہر دیے جانے والے مؤقف پر تفصیل بھی فراہم کی، جس میں اپنے نانا شیخ ابن جوزی کا قول بھی استناد کے لیے نقل کیا ہے، البتہ ان کے علاوہ دیگر مصادر میں ان کی موافقت میسر نہیں۔ ممکن ہے کہ زہر دیئے جانے سے بخار کی کیفیت پیدا ہوئی، جو مؤرخین کے نزدیک تین دن تک رہی اور اسی میں آپ رضی اللہ عنہ نے وصال کیا، تو اسی وجہ سے بعض نے بخار کو ہی وفات کا سبب قرار دے دیا ہو۔ واللہ اعلم

۶۔ مامون رشید / علی بن ہشام کی جانب سے دیے جانے والے زہر (Poison) سے ہوئی

علی بن ہشام کا ذکر صرف ابن واضح اخباری کی "تاريخ اليعقوبي" میں درج ہے، جس کا حوالہ ما قبل گزرا، اس کے علاوہ کسی اور مصدر میں تصریح میسر نہ آسکی، ممکن ہے کہ یہ فاعل ہونے کی حیثیت سے درج ہو، البتہ حکم دینے والا کوئی دوسرا تھا، جس کا ذکر نہیں کیا گیا، جبکہ اس باب میں زیادہ تر نام مامون رشید کا ہی بیان ہوا ہے، چنانچہ

۱۔ امام محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم تمیمی، متوفی ۳۵۴ھ "كِتَابُ الثِّقَات" میں لکھتے ہیں:

وَمَاتَ عَلِيَّ بْنَ مُوْسَى الرِّضَا بِطُوْسٍ مِنْ شَرْبَةٍ سَقَاهُ إِيَّاهَا المَأْمُوْنُ .(۲۶۸)

ترجمہ: علی بن موسیٰ رِضا کا وصال "طوس" میں اُس مشروب سے ہوا، جسے مامون کے ایما پر آپ کو پلایا تھا۔

۲۶۷۔ **شذرات الذهب**، للشيخ ابن العماد، ۳/ ۱۴.

۲۶۸۔ **كتاب الثقات**، للشيخ ابن حبان، ۸/ ۴۵۶. وأيضاً في **كتاب المجروحين من المحدثين**، للشيخ ابن حبان، ۲/ ۸۲، الرقم ۴۷۴.

۲۔ شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں:

بنو عباس کی خوشامد کے لیے مامون نے اہل خانہ کو حکم دیا کہ وہ انھیں انگوروں میں زہر ملا کر دیں، جب آپ رضی اللہ عنہ نے وہ شئ کھائی، موت کی علامت محسوس ہوئی، اور جان گئے کہ خوردَنی اَشیاء کہاں سے آئی ہیں، تو اپنی کیفیت اس شعر [۲۶۹] میں بیان کی:

فَلَيْتَ كَفَافاً كَانَ شَرُّكَ كُلُّهُ   وَخَيْرُكَ عَنِّي مَا ارْتَوَى المَاءَ مُرْتَوِي

ترجمہ: کاش تیرا شرّ ہی میرے لیے کافی ہوتا اور تیری بھلائی کا تو یہ حال ہے کہ
پانی کو بہانے والے نے جس طرف بہایا، وہیں بہتا جا رہا ہے (مقصد پورا ہو رہا ہے)۔

اس کے بعد مامون نے ایک قاصد آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا اور دریافت کیا: ایسی کیفیت میں آپ مجھے کیا وصیت کرتے ہیں؟ تو آپ نے قاصد سے کہا:

اُس سے کہنا: میں تمھیں وصیت کرتا ہوں، کہ آئندہ کسی کو بھی وہ شئ (منصب خلافت)
نہیں دینا، جس پر تمھیں بعد میں پچھتانا پڑے۔ [۲۷۰]

ان عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوردنی اشیاء میں زہر ملایا گیا جس کے کھانے سے آپ کی شہادت واقع ہوئی، اور یہ زہر مامون کے حکم سے دیا گیا تھا۔ الغرض مؤرخین کے کلام سے یہ بات عیاں ہے کہ امام رِضا کی شہادت کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں، جن میں سے کسی کو بھی حتمی طور پر قرین صواب نہیں کہا جاسکتا، البتہ اَندازے کی حد تک سب ہی نے "قِيْلَ" سے کسی نہ کسی قول کو بیان کیا اور جہاں تک شہادت کا اصلی سبب متعین ہونے کی بات ہے، تو اس میں جمہور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ زہر ہی سے ہوئی، لیکن زہر کس نے دیا؟ اس پر اتفاق نہیں، اور یہی درست بھی ہے، چنانچہ اب ہم صرف مامون کے زہر دینے کے حوالے سے کلام کریں گے۔

۲۶۹۔ یہ اُموی شاعر یزید بن حکم بن ابو العاص ثقفی، متوفی ۱۰۵ھ کا شعر ہے۔ ماقبل امام رِضا رضی اللہ عنہ کے شعری کلام کے تحت کلمات کا تغیر اور دیگر جہات پر کلام موجود ہے، وہاں مراجعت کریں۔

۲۷۰۔ الوافي بالوفيات، للصّفدی، ۲۲/ ۱۵۶.

کیا سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مامون رشید نے زہر دیا۔۔؟

ہمیں مامون رشید کی وکالت وحمایت کا شوق نہیں، کیونکہ اُس کے بہت سے کارنامے ایسے ہیں، جن پر کلیجہ منہ کو آتا ہے، مثلاً مسئلہ خلقِ قرآن، ائمہ و مجتہدین پر سزاؤں کے پہاڑ توڑنا وغیرہ، جن کے بیان سے کتب تواریخ بھری پڑی ہیں، لیکن بایں ہمہ جو قصور اُس نے کیے ہی نہیں، اُنھیں بھی اس کے کھاتے میں ڈال دینا تہمت وافترا ہے، جسے اسلام روا نہیں رکھتا، اسی لیے ہم نے اس بابت تفصیلی کلام کا اِرادہ کیا تاکہ احقاق حق ہو سکے، اگرچہ نصوص وشواہد کی روشنی میں ہمارا مؤقف مضبوط ومدلل معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر بالفرض ایسا نہیں اور مامون ہی اس فعل قبیح کا مرتکب تھا، تو دنیا بھر کی تاویلات وتائیدات بھی اُسے قہر خداوندی اور اُخری عذاب سے نہیں بچا سکتیں، اَب حقائق وسرائر سے واقف تو صرف اللہ تعالیٰ ربّ العالمین جَلَّ جَلالہٗ کی ہی ذات بزرگ وبرتر ہے، لیکن چونکہ اس دنیا میں نظام شریعت کے باب میں دلائل وشواہد کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے، اسی لیے ہماری یہ سعی بھی معروضی اور غیر جانبدارانہ کوشش ہے، جس میں تلاشِ حق کی جستجو ہے، خدا کرے اس میں جذبہ سچائی کے ساتھ حق کی موافقت بھی پیدا ہو جائے، وللہ الحمد۔

چنانچہ مامون کی اہلبیت سے عقیدت کوئی مؤرخ نہیں جھٹلا سکا کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے بلا کر ۳۳ ہزار عباسی خاندان کے مجمع میں خلافت کا تاج پہنانا، بذات خود عقیدت واحترام پر بیّن دلیل ہے اور پھر بنو عباس کا اس کے خلاف ہونا اور مختلف محاذ آرائیوں پر جم جانا بھی ایسے تاریخی حقائق ہیں، جن سے اغماض ممکن نہیں، لیکن بایں ہمہ مامون نے اپنے فیصلے سے ذرّہ برابر بھی تزلزل کا اظہار نہیں کیا، تو پھر بھلا مامون کو اچانک کیا ہوا کہ اپنے جانشین کو زہر دینے پر تُل جائے؟ یہ بے پَر کی بات مخالفین کے تراشیدہ الزام سے زائد کی حیثیت نہیں رکھتی، البتہ چند اقوال جو اُوپر درج ہوئے، اِن سے یقینی نتیجہ اَخذ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جمہور علماء ومحدثین نے ان سے اعتنا روا نہیں رکھا، چنانچہ۔۔

۱۔ امام ابوالحسن عزالدین علی شیبانی، المعروف "ابن اثیر جزری" متوفی ۶۳۰ھ "الكَامِل فِيْ التَّارِيْخ" میں لکھتے ہیں:

قِيْلَ: اِنَّ المَأمُوْنَ سَمَّهُ فِي عِنَبٍ وَكَانَ عَلِيٌّ يُحِبُّ العِنَبَ وَهَذَا عِنْدِي بَعِيْدٌ. (۲۷۱)

۲۷۱۔ **الكامل في التاريخ**، للجزري، الصفحة ۹۲٤، حوادث سنة ثلاث ومئتين.

ترجمہ: کہا گیا: مامون نے انگوروں میں زہر ملا کر دیا تھا اور انگور علی (رضا رضی اللہ عنہ) کو بہت پسند تھے۔ تو میرے نزدیک یہ بات ممکن نہیں۔

۲۔ شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان" میں لکھا:

وقد زعم قومٌ أنّ المأمون سمَّه ، وليس كما ذكروا ؛ فإنّ المأمون حزن عليه لما مات حزناً لم يحزنه على أحدٍ ، وكتب إلى الآفاق يعزُّونه فيه ولو أنه سَمَّ من يوثق به ؟ .(۲۷۲)

ترجمہ: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مامون نے انھیں زہر دیا۔ لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ مامون ان کی وفات پر جس قدر غمگین تھا، کسی اور کے انتقال پر ایسا نہیں ہوا اور اس نے تو دنیا بھر میں آپ کے بارے میں تعزیتی پیغامات بھجوائے تھے، پس اگر اسی نے زہر دیا ہوتا، تو بھلا اس پر کون اعتماد کرتا؟

۳۔ مؤرخ شیخ نویری "نهاية الأرب" میں لکھتے ہیں:

وقيل : إن المأمون سمّه في عنب ، واستبعد ذلك جماعة وأنكروه.(۲۷۳)

ترجمہ: کہا گیا: مامون نے انھیں انگوروں میں زہر دیا۔ حالانکہ (ائمہ ومؤرخین کی) ایک جماعت نے اسے بعید گردانتے ہوئے انکار کیا ہے۔

۴۔ شیخ مقریزی نے "المقفى الكبير" میں لکھا:

ترجمہ: مامون پر اس بات کا الزام لگا کہ اُس نے امام رضا رضی اللہ عنہ کو انگوروں میں زہر ملا کر دیا تھا۔(۲۷۴)

لیکن یہ صرف الزام ہی تھا، جس کے شواہد آج تک معلوم نہ ہو سکے اور خود مقریزی نے بھی اسے الزام ہی گردانا ہے، جبکہ حقائق وادلہ اور ائمہ کی نصوص مؤقف بالا کے برخلاف ہیں، فتدبر۔

۲۷۲۔ مرآة الزمان ، للشيخ سبط ابن الجوزي ، ۱۳/ ۳۸۸ .

۲۷۳۔ نهاية الارب في فنون الأدب ، للنويري ، ۲۲/ ۱۴۹ ، ذكر خلافة المأمون .

۲۷۴۔ المقفى الكبير ، للمقريزي ، ٤/ ٢٨٤ .

۵۔ علامۃ الدہر، عبد العزیز پرہاروی، متوفی ۱۲۴۰ھ "النّبراس شرح العقائد للتفتازاني" میں لکھتے ہیں:

ويقال:سمّه المأمون بعد ذلك ولَم يصلح . (۲۷۵)

ترجمہ: بعد ازاں مامون نے انھیں زہر دے دیا۔ حالانکہ یہ بات دُرست نہیں۔

۶۔ اسی طرح ماضی قریب کے مؤرخ شبلی نعمانی، متوفی ۱۳۳۲ھ نے مستقل کتاب مامون رشید کے احوال پر لکھی، جس کا نام "اَلمَأمُوْنُ" ہے، اُس میں لکھتے ہیں:

تاریخی اُصولِ تحقیق سے اگر ہم کام لیں، تو بھی یہی ماننا پڑے گا کہ مامون نے حضرت علی رِضا کو ولی عہد مقرر کیا، تو اس سے اُس کو کوئی سازش مقصود نہ تھی، حضرت علی رِضا کوئی ملکی شخص نہ تھے اور نہ اُن سے حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا، جیسا کہ شیعوں کا دعوی ہے۔ مامون کو اہل بیت کے ساتھ جو دِلی خلوص تھا، اس سے کون انکار کر سکتا ہے، حضرت علی رِضا کے بعد مامون کا طریق عمل سادات کے ساتھ کیا رہا؟ اس خاص حیثیت سے مامون کے اُن تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو، جو حضرت علی رِضا کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے، یہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتادے گا کہ مامون پر یہ غلط الزام ہے۔ بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رِضا کی ولی عہدی سے ناراض تھے، انھیں میں سے کسی نے یہ (زہر دینے کی) بیہودہ حرکت کی ہو گی۔ (۲۷۶)

شبلی نعمانی کا تسامح

انھوں نے متذکرہ کتاب میں مامون سے الزام رفع کرنے کے لیے کافی بحث کی، چنانچہ یوں رقم طراز ہوئے:

جہاں تک ہم کو معلوم ہے، ایک مؤرخ نے بھی مامون پر اس الزام لگانے کی جرات نہیں کی ہے۔ الخ۔ (۲۷۷)

۲۷۵۔ **النّبراس شرحُ شرح العقائد للتفتازاني**، للعلامة الفرهاروي، الصفحة ۵۲۰.

۲۷۶۔ **المأمون**، للشبلي النعماني، الصفحة ٦٣، طبعة قديمة، كريمي بريس بلاهور، السنة ۱۸۸۹ء.

۲۷۷۔ ...أيضاً.

لیکن یہاں موصوف سے تسامح ہوا، یا پھر انھیں کتب تواریخ کے تفصیلی مطالعہ کا موقع نہیں مل سکا، لہٰذا انھوں نے پیش نظر کتب کے مطالعے سے گمان کر لیا کہ کسی مؤرخ نے ایسا انتساب نہیں کیا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مامون نے زہر دیا، اس بات کو مؤرخین بلکہ محدثین تک نے ذکر کیا، جیسا کہ ماقبل ابن حبان اور صفدی کی عبارات بھی گزریں، فافہم۔

الغرض ائمہ کی بہت سی عبارات سے واضح ہے کہ خلیفہ مامون نے علی رِضا رضی اللہ عنہ کو زہر نہیں دیا، یہ کسی دوسرے کی سازش تھی، جسے مامون کے سر لگایا جا رہا ہے، اس بارے میں تحقیقات ائمہ کے ذخائر موجود ہیں، جن کے تانے بانے سدھارنے سے حقیقت مزید آشکار ہو سکتی ہے، البتہ ہم اسی قدر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

شہادت رِضا رضی اللہ عنہ پر خلیفہ مامون کا غم اور جنازے میں ننگے پاؤں شرکت

مؤرخ ابن واضح اخباری، متوفی ۲۹۲ھ اسی صدی سے تعلق رکھتے ہیں، جس کے اوائل میں سیّد نا رِضا رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، اگرچہ ان کی کتاب مضبوط ماخذ نہیں، لیکن تاریخی تفصیلات میں دیگر شواہد کی موافقت کے سبب جزوی طور پر لائق تمسک ہے، پس انھوں نے براہِ راست اُس فرد سے نقل کیا، جس نے سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کے جنازے میں شرکت کی اور وہاں مامون رشید کو بھی دیکھا، چنانچہ وہ "تاريخ اليعقوبي" میں لکھتے ہیں:

فحدثني أبو الحسن بن أبي عباد قال : رأيت المأمون يمشي في جنازة الرضا حاسراً في مبطنة بيضاء وهو بين قائمتي النعش يقول : إلى من أروح بعدك يا أبا الحسن . وأقام عند قبره ثلاثة أيام يؤتى في كل يوم برغيف وملح فيأكله ، ثم انصرف في اليوم الرابع .(۲۷۸)

ترجمہ: مجھے ابو الحسن بن ابو عباد نے بتایا کہ میں نے مامون کو رِضا کے جنازے میں ننگے پاؤں چلتے ہوئے دیکھا اور وہ جنازے کے ساتھ یہ کہتا جا رہا تھا: اے ابو الحسن! تمہارے بعد مجھے کہاں چین ملے گا؟ نیز وہ تین دن تک ان کی قبر کے پاس رہا، اس دوران روٹی و نمک کھاتا رہا، پھر چوتھے روز وہاں سے واپس ہوا۔

۲۷۸۔ **تاريخ اليعقوبي**، للابن واضح الأخباري، ۳/ ۱۸۸.

اسی کتاب میں انھوں نے مذکورہ شخص سے سیّد نارِضا رضی اللہ عنہ کے کچھ ملفوظات بھی نقل کیے، جن میں صیغہ سماع کی تصریح موجود ہیں، تو اس طرح یہ شخص تلمیذِ رضا ہیں، لیکن ہم نے انھیں تلامذہ کی فہرست میں شمار نہیں کیا، کیونکہ یہ ماخذ معتبر نہیں، اور اس کے علاوہ ہمیں ان کی تصریح معلوم نہیں ہو سکی۔ بہر کیف یہ تاریخی شاہد بھی مامون کے زہر دینے کی نفی پر مشیر ہے، جیسا کہ غور کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

سیّد نارِضا رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت، اختلافی آراء کا اجمالی جائزہ

آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات کے بارے میں کافی اختلاف موجود ہے، جس میں سال، مہینے اور تاریخ و دن تک میں خاصہ تنوع پایا جاتا ہے، چنانچہ ہم یہاں اقوالِ ائمہ کی عبارات نقل نہیں کر رہے کہ ایسی صورت میں طوالت کا اندیشہ ہے، البتہ اقوال کی روشنی میں چارٹ مرتب کر رہے ہیں، تاکہ اختصار کے ساتھ اختلاف کا اجمالی جائزہ عیاں ہو سکے، بایں ہمہ تمام آراء کے مآخذ حاشیہ (۲۷۹) میں تحریر کر دیئے گئے ہیں، تاکہ مراجعت و تحقیق میں سہولت رہے۔

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
خلیفہ بن خیّاط، متوفی ۲۴۰ھ	تاریخ خلیفہ بن خیاط	ہفتہ	آخری دن	صفر	۲۰۳ھ	جزماً
ابن واضح اخباری، متوفی ۲۹۲ھ	تاریخ یعقوبی	—	اوائل سال	—	=	جزماً
محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ	تاریخ الرسل والملوک	—	اَواخرِ صفر	صفر	=	جزماً
علی بن حسین مسعودی، متوفی ۳۴۶ھ	مروج الذہب	—	—	=	=	جزماً
علی بن حسین مسعودی، متوفی ۳۴۶ھ	التنبیہ والاشراف	—	اوّل صفر	=	=	جزماً

۲۷۹۔ **تاريخ خليفة بن خياط** ، الصفحة ٤٧١ . **تاريخ اليعقوبي** ، للابن واضح الأخباري ، ٣/ ١٨٨ . **تاريخ الرسل والملوك** ، للطبري ، ٨/ ٥٦٨ . **مروج الذهب** ، للمسعودي ، ٤/ ٢٤ . **التنبيه والاشراف** ، للمسعودي ، الصفحة ٣٠٣ . **كتاب الثقات** ، للإمام ابن حبان ، ٨/ ٤٥٦ . **الأنساب** ، للسمعاني ، باب الراء والضاد ، ٦/ ١٣٤ . **المنتظم** ، للابن الجوزي ، ١٠/ ١٢٠ . **الكامل في التاريخ** ، للجزري ، الصفحة ٩٢٤ ، ذكر السنة ٢٠٣هـ . **وفيات الأعيان** ، للابن خلكان ، ٣/ ٢٧٠ . **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ٢١/ ١٥٢ . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ، ١٤/ ١٣ . **سير أعلام النبلاء** ، للذهبي ، ٩/ ٣٩٣ . **تذهب تهذيب الكمال** ، للذهبي ، ٧/ ٤٥ . **إكمال تهذيب الكمال** ، للإمام مغلطاي ، ٩/ ٣٨٠-٣٧٩ . **الوافي بالوفيات** ، للصفدي ، ٢٢/ ١٥٥ . مرآة الجنان ، لليافعي ، ٢/ ١٠ . **البداية والنهاية** ، للابن كثير ، ١٤/ ١٢٦ . **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ،٧/ ٣٨٨ . **تقريب التهذيب** ، للعسقلاني ، الصفة ٧٠٥ ، الرقم ٤٨٣٨ . **شواهد النبوة** ، للجامي ، الصفحة ١٩٦ . **أخبار الدول** ، للقرماني ، ١/ ٣٤٥ .

محمد بن حبان ابن ابی حاتم، متوفی ۳۵۴ھ	کتاب الثقات	ہفتہ	آخری دن	—	=	جزماً
ابو عبد اللہ محمد حاکم، متوفی ۴۰۵ھ	تاریخ نیشاپور (بحوالہ تہذیب / سیر)	—	۲۱	رمضان	=	جزماً
ابو عبد اللہ محمد حاکم، متوفی ۴۰۵ھ	تاریخ نیشاپور (بحوالہ تہذیب التہذیب)	—	—	صفر	=	نقلاً
عبد الکریم سمعانی، متوفی ۵۶۲ھ	الانساب	ہفتہ	آخری دن	—	=	جزماً
عبد الرحمن ابن جوزی، متوفی ۵۹۸ھ	المنتظم فی التاریخ	—	—	رمضان	=	جزماً
عز الدین ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	الکامل فی التاریخ	—	اَواخرِ صفر	صفر	=	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	آخری دن	صفر	۲۰۲ھ	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	۱۳	ذوالقعدہ	۲۰۳ھ	نقلاً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	۰۵	ذوالحجہ	۲۰۳ھ	نقلاً
جمال الدین مزی، متوفی ۷۴۲ھ	تہذیب الکمال	—	—	—	۲۰۳ھ	قیل
شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	تاریخ الاسلام	—	اَواخرِ صفر	صفر	۲۰۳ھ	جزماً
شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	سیر اعلام النبلاء (قولِ امام حاکم)	—	۲۱	رمضان	۲۰۳ھ	نقلاً
شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	تذہیب تہذیب الکمال	—	—	صفر	۲۰۳ھ	جزماً
علاء الدین مغلطائی، متوفی ۷۶۲ھ	اکمال تہذیب الکمال	جمعہ	۲۱	رمضان	۲۰۳ھ	جزماً
صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ	الوافی بالوفیات	—	—	صفر	—	جزماً
ابو محمد عبد اللہ یافعی، متوفی ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان	—	۰۵	ذوالحجہ	۲۰۳ھ	جزماً
ابو محمد عبد اللہ یافعی، متوفی ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان	—	۱۳	ذوالقعدہ	۲۰۳ھ	نقلاً
ابو محمد عبد اللہ یافعی، متوفی ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان	—	آخری دن	صفر	۲۰۲ھ	نقلاً
ابن کثیر دمشقی، متوفی ۷۷۴ھ	البدایۃ والنہایہ	—	اَواخرِ صفر	صفر	۲۰۳ھ	جزماً
ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ	تہذیب التہذیب	—	—	—	۲۰۳ھ	جزماً
ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ	تقریب التہذیب	—	—	—	۲۰۳ھ	جزماً
عبد الرحمن جامی، متوفی ۸۹۸ھ	شواہد النبوۃ	جمعہ	۲۱	رمضان	۲۰۲ھ	جزماً
احمد بن یوسف قرمانی، متوفی ۱۰۱۹ھ	اخبار الدُّول فی التاریخ	—	اَواخر صفر	صفر	۲۰۳ھ	جزماً

اس میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ کثیر ائمہ کا رُجحان اس طرف ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا وصال "صفر ۲۰۳ھ" میں ہوا، جبکہ دوسرے درجے پر "رمضان ۲۰۳ھ" کا مؤقف ہے، البتہ اس کے علاوہ شاذ آراء ہیں، جن کی تقویت یقینی نہیں، نیز ہمارے نزدیک "صفر ۲۰۳ھ" ہی قرین صواب اور تاریخی شواہد سے مطابقت رکھتا ہے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات

کے بعد مامون کے اَسفاروامُور کی داستانیں نہایت واضح طور پر کتب تاریخ میں محفوظ ہیں، لہٰذا اُن کی روشنی میں بھی اسی مؤقف کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ ماہرین و غواصِ تاریخ پر پوشیدہ نہیں۔ واللہ اعلم

نمازِ جنازہ کی امامت

شہادت کے بعد سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ کی اہم رسومات کو شایانِ شان طریقے سے اَدا کیا گیا اور طُوس و قرب وجوار کے علاقوں میں اس سانحہ کی خبر پہنچائی گئی۔ بعض نے بیان کیا ہے کہ آپ کی شہادت کو کئی دنوں بعد ظاہر کیا گیا۔ لیکن یہ بات حقائق و شواہد سے عاری ہے، البتہ ممکن ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی علالت کی خبر مخفی رکھی گئی ہو، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا تھا، اس لیے علاج کا سلسلہ جاری رہا، تاآں کہ حکم الٰہی نے شہادت سے سرفراز کیا، بہر کیف بعد شہادت جب تمام اُمور پایہ تکمیل کو پہنچے، تو نمازِ جنازہ خود خلیفہ مامون رشید نے پڑھائی۔ ابن جریر طبری "تَارِيْخُ الرُّسُل والْمُلُوْكَ" میں، نیز بکثرت محدثین وائمہ اپنی کتب میں یہی بات لکھتے ہیں:

وَكَانَ الَّذِي صَلَّى عَلَى عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى الْمَأْمُوْنُ.(٢٨٠)

ترجمہ: علی بن موسیٰ کی نمازِ جنازہ مامون نے پڑھائی۔

تدفین

مامون رشید اُن ایام میں امام رِضا رضی اللہ عنہ کے ساتھ "طوس" میں ہی قیام پذیر تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا، تو مامون نے نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد انھیں احترام سے اپنے باپ ہارون رشید کی قبر کے قریب دفن کیا اور یہ دراصل اُس کی آپ رضی اللہ عنہ سے محبت اور عقیدت تھی، جس کی بنا پر اُس نے اِس جگہ کا انتخاب کیا۔ بعض کتب میں یہ بھی مذکور ہے کہ اُس نے ایسا اس لیے کیا، تاکہ آپ رضی اللہ عنہ کی برکت اُس کے باپ ہارون کو بھی حاصل ہو، بہر حال اہل سیر و تاریخ نے آپ رضی اللہ عنہ کی تدفین "قبہ ہارونی" میں بیان کی ہے، امام ذہبی لکھتے ہیں:

٢٨٠۔ **تاريخ الرّسل والملوك**، للطبري، ٨/ ٥٦٨. **الكامل في التاريخ**، للجزري، الصفحة ٩٢٤، ذكر السنة ٢٠٣هـ. **وفيات الأعيان**، للابن خلكان، ٣/ ٢٧٠. **إكمال تهذيب الكمال**، للإمام مغلطاي، ٩/ ٣٨٠-٣٧٩. **مرآة الجنان**، لليافعي، ٢/ ١٠. **شذرات الذهب**، للشيخ ابن العماد، ٣/ ١٤. وغيرها.

۲۰۳ھ میں مامون نے "طوس" کا سفر کیا اور اپنے باپ رشید کی قبر کے پاس کچھ دن گزارے، اسی دوران علی بن موسی نے انگور بہت زیادہ کھا لیے جس کی تکلیف کے باعث صفر میں وصال ہوا۔ مامون نے آپ کو اپنے باپ رشید کی قبر کے قریب ہی دفن کیا اور آپ کے وصال پر اُسے شدید غم ہوا۔ (۲۸۱)

جبکہ شیخ صفدی "الوَافِي بِالوَفياتِ" میں لکھتے ہیں:

وَاغْتَمَّ المَأْمُون كَثِيراً وَدَفنهُ عِنْدَ قَبرِ أَبِيهِ وَقِيْلَ : إِنَّه شقَّ لَهُ قَبر الرَّشِيْد أَبِيه وَدَفَنهُ فِيْهِ. (۲۸۲)

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا مامون پر بہت اثر ہوا، اُس نے آپ کو اپنے باپ (ہارون رشید) کی قبر کے پاس دفن کیا، جبکہ ایک قول کے مطابق اُس نے اپنے باپ رشید کی قبر کھول کر اُس میں آپ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا۔

خلیفہ ہارون رشید کی قبر کو کھول کر اُس میں دفن کیے جانے کی بات مناسب و مدلل نہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا، تو بنو عباس کا وہ جم غفیر جو صرف آپ رضی اللہ عنہ کی ولی عہدی پر مامون کے خلاف ہو ابیٹھا تھا، بھلا اس اقدام پر کیونکر خاموش رہا؟ چنانچہ تاریخی حقائق بھی اس قول کو مسترد کرتے ہیں، جبکہ بکثرت ائمہ کی عبارات اس مؤقف کی تائید میں ہے کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کو ہارون رشید کے پہلو میں سمت قبلہ کی جانب دفن کیا گیا(۲۸۳)، نیز اس بات کو صرف ایک صدی بعد ملاحظہ کرنے والے اَجلہ محدثین مثلاً ابن جریر طبری اور محمد ابن حبان بستی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے، جبکہ مؤخر الذکر نے تو وہاں پر اپنی حاضری اور دیگر کیفیات کو بھی بیان کیا، جس میں واضح طور پر درج ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر ہارون رشید کے پہلو میں

۲۸۱۔ **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ۹/ ۳۹۱-۳۹۰. **تاريخ الرّسل والملوك**، للطبري، ۸/ ٥٦٨. **الكامل في التاريخ**، للجزري، الصفحة ۹۲٤، ذكر السنة ۲۰۳هـ. **وفيات الأعيان**، للابن خلكان، ۳/ ۲۷۰.

۲۸۲۔ **الوافي بالوفيات**، للصّفدي، ۲۲/ ۱۵۵.

۲۸۳۔ **تاريخ الرّسل والملوك**، للطبري، ۸/ ٥٦٨. **كتاب الثقات**، للإمام ابن حبان، ۸/ ٤٥٦. **الكامل في التاريخ**، للجزري، الصفحة ۹۲٤، ذكر السنة ۲۰۳هـ. **وفيات الأعيان**، للابن خلكان، ۳/ ۲۷۰. **تاريخ الإسلام**، للذهبي، ۱٤/ ۱۳. **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ۱۰. **الوافي بالوفيات**، للصّفدي، ۲۲/ ۱۵۵.

تھی۔ لہٰذا ان اُمور سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ شیخ صفدی نے "قیل" کے ساتھ جس ضعیف قول کو بیان کیا، وہ غیر یقینی اور تاریخی حقائق سے متضاد ہونے کی بنیاد لائق اعتناء نہیں ہے۔

ہارون رشید کی قبر کے پیچھے تدفین کی کوشش

بعض کتب میں یہ بھی بیان ہوا کہ مامون نے آپ کو ہارون کی قبر کے پچھلی جانب دفن کرنے کی کوشش کی، لیکن اس پر قادر نہیں ہو سکا، چنانچہ ابن حجر مکی "الصواعق المحرقة" اور شیخ مناوی "الكواكب الدرية" میں لکھتے ہیں:

وَأَن الْمَأْمُوْنَ يُرِيْدُ دَفْنَهُ خَلْفَ الرَّشِيْدِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ .(۲۸۴)

ترجمہ: مامون نے انھیں رشید کے پیچھے دفنانے کا ارادہ کیا، لیکن ایسا کر نہیں سکا۔

یہ مؤقف بھی دُرست نہیں، کیونکہ اوّلاً تو متذکرہ مآخذ میں اس بات کا سند و حوالہ مذکور نہیں، اور ثانیاً جمہور ائمہ تاریخ نیز امام رِضا رضی اللہ عنہ کے قریبی زمانے سے تعلق رکھنے والے ائمہ نے اس کے برخلاف ذکر کیا ہے کہ مامون نے اَز خود امام رِضا کو اپنے باپ کے قریب دفن کیا، تا کہ اُسے برکت حاصل ہو، جبکہ یہ واقعہ شانِ رضا کے منافی اور مامون کی عقیدت پر قدغن کے مترادف ہے، لہٰذا بلا سند صدیوں بعد درج شدہ اس قول کی جانب توجہ نہیں کی جائے گی۔ فافہم

مزارِ مبارک

آپ رضی اللہ عنہ کا مزار فائض الانوار اسلامی ممالک میں تاریخی اہمیت کے حامل مقام "طُوس Tous" میں واقع ہے۔ طوس قدیم اسلامی سیاست کی آمجگاہ اور تجارت کا مرکز رہا ہے۔ "طوس" کے اندر کئی چھوٹے بڑے شہر اور ان میں بے شمار اَضلاع (Town/Village) تھے، جبکہ اس کے مضافات میں بھی کثیر علمی و تہذیبی مقامات تھے۔ "معجم البلدان" کے مطابق طوس کے دو بڑے شہر "نُوقان" اور "طابران" تھے، صرف اِن دونوں میں ہی ہزار کے قریب اَضلاع تھے، بقیہ شہر اور مضافاتی علاقے اس کے علاوہ تھے۔ یہ علاقہ سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح ہو کر اسلامی مملکت میں داخل ہوا اور اَب ایران کا ایک مستقل صوبہ ہے، جو ترکمانستان (Turkmenistan) کی سرحد کے قریب واقع ہے، امام رِضا

۲۸۴۔ **الصواعق المحرقة**، للابن حجر المكي، الصفحة ٥٥٦، طبع جديد. **الكواكب الدرية**، للمناوي، ١/ ٦٨١، الرقم ٢٦٤.

رضی اللہ عنہ کی وفات اسی شہر میں ہوئی، لہٰذا انھیں "نُوقان" کے مضافاتی علاقے[(۲۸۵)] "سناباذ"[(۲۸۶)] میں دفنایا گیا، قدیم زمانے میں یہ جگہ شہر سے ایک میل کی مسافت پر واقع تھی۔ وہاں آپ رضی اللہ عنہ کا مزار صدیوں سے مرجع خلائق ہے[(۲۸۷)]۔

مزارِ رضا رضی اللہ عنہ اور قبر ہارون رشید میں امتیاز؟

اہل سیر و تاریخ نے متعدد مقامات پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ سیّدنا رِضا اور ہارون کی قبر انتہائی قریب واقع ہے، چنانچہ ابتدا سے ہی ان کا امتیاز منقول ہے، لیکن زکریا قزوینی، متوفی ۶۸۲ھ نے "آثار البلاد" میں انوکھی بات نقل کی:

وذكر بعض مشايخ طوس أن الرشيد في القبر الذي يعرفه الناس للرِّضا، والرِّضا في القبر الذي يعرفه الناس للرشيد، وذلك من تدبير المأمون. والقبران متقاربان في قبة واحدة، وأهل تلك القرية شيعة بالغوا في تزيين القبر الذي اعتقدوا أنه للرِّضا، وهو للرشيد.[(۲۸۸)]

ترجمہ: طوس کے بعض مشائخ نے بیان کیا: رشید دراصل اُس قبر میں دفن ہے جسے لوگ رِضا کی قبر گردانتے ہیں، جبکہ خود امام رِضا اُس قبر میں دفن ہیں، جسے لوگ رشید کی قبر سمجھتے ہیں، اور یہ دَر حقیقت مامون کی تدبیر تھی۔ دونوں قبریں ایک ہی گنبد کے نیچے قریب تر ہیں، اس علاقے کے باشندے شیعہ ہیں، جو قبر رِضا کی تزئین میں حد درجہ کوشاں رہتے ہیں، حالانکہ وہ رشید کی قبر ہے۔

۲۸۵۔ **الثقات**، للإمام ابن حبان، ۸/ ۴۵۷.

۲۸۶۔ بعض محدثین ومؤرخین نے اسے "سنداباذ/ سند آباد" بھی لکھا ہے، ملاحظہ ہو: سير أعلام النبلاء، ۹/ ۲۹۳. تهذيب التهذيب، ۷/ ۳۸۸.

۲۸۷۔ **معجم البلدان**، للشيخ ياقوت الحموي، ۳/ ۲۹۴، الرقم ۶۶۳۹، ذكر سناباذ. **كتاب البلدان**، لليعقوبي، الصفحة ۹۳، ذكر طوس. **نزهة المشتاق في اختراق الآفاق**، للشريف الإديسي، الصحفة ۶۹۲، ذكر مدينة نوقان. **الإشارات إلى معرفة الزيارات**، للهروي، الصفحة ۱۷/ ۸۴. **مراصد الأطلاع على أسماء الامكنة والبقاع**، للبغدادي، الصفحة ۷۴۲، ذكر سناباذ. **تاريخ الإسلام**، للذهبي، ۱۴/ ۲۷۲، **شذرات الذهب**، للابن العماد، ۳/ ۱۴. **تذهيب تهذيب الكمال**، للذهبي، ۷/ ۴۶، الرقم۴۸۴۳. وغيرها، ملخصاً.

۲۸۸۔ **آثار البلاد وأخبار العباد**، للقزويني، الصفحة ۳۹۲، ذكر سناباذ.

ہمیں متذکرہ بات کا ثبوت تو در کنار شائبہ تک بھی کسی اور کتاب میں نظر نہیں آیا، نیز اگر واقعی ایسا ہوتا، تو ایسے متعدد محدثین وائمہ جنھوں نے مزار رِضا پر حاضری دی، اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کے قریب زمانوں سے تعلق رکھتے تھے، لازماً اس بات کا تذکرہ کرتے، کیونکہ التباس قبر ایسا اَہم معاملہ ہے جو حاضری دینے والوں کے لیے تشویش اور اضطراب قلبی کا باعث ہوتا ہے، پس اگر قبر رِضا کی تعیین ہی مختلف مان لی جائے تو پھر بقیہ اُمور خود بخود ملتبس ہوتے چلے جائیں گے، لہٰذا اَوائل زمانوں کے مشاہداتی شواہد اور بکثرت تاریخی و نقلی دلائل اسی بات پر دلالت کرتے ہیں، کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ کی قبر اگرچہ ہارون رشید کے قریب ہی تھی، لیکن ابتدا سے ہی دونوں میں امتیاز اور تعیین موجود تھی۔ البتہ آج ہارون رشید کی قبر کا کیا حال ہے، کیا آج بھی اس کی قبر کا نشان موجود ہے یا نہیں، اس بارے میں کوئی معلومات مہیا نہیں ہو سکیں، نیز راقم کو تادم تحریر اس مقام پر حاضری کا شرف بھی حاصل نہیں ہو سکا، لہٰذا مزید کسی اَمر کی تفصیل ممکن نہیں۔ واللہ اعلم

مزار رِضا کی بے حرمتی و آتشزدگی

شیخ عزالدین ابن اثیر جزری "الكامل في التاريخ" [۲۸۹] میں بیان کرتے ہیں:

> ۵۱۰ھ عاشوراء کے موقع پر طوس میں مشہد علی بن موسیٰ رِضا میں بہت فتنہ وفساد واقع ہوا، اس کا سبب یہ تھا کہ عاشوراء کے روز ایک علوی نے بعض فقہائے طوس سے کسی بات پر منازعت کی، پھر کچھ اضطراب کے بعد عارضی طور پر معاملہ تھم گیا، لیکن بعد اَزاں ہر فریق نے اپنے گروہ سے مدد مانگی، تو اس عظیم فتنے میں سارے اہلیانِ طُوس اُمنڈ آئے، انھوں نے مشہد مقدس کا گھیراؤ کر کے تباہی مچادی، جو ہاتھ چڑھا قتل کر دیا گیا۔ چنانچہ فریقین کے بہت سے افراد مارے گئے اور بہت سا قیمتی مال لوٹ لیا گیا، جس کے بعد وہ منتشر ہو گئے۔ اس خون ریزی کے بعد اہلیانِ مشہد نے کئی ہفتوں تک یہاں جمعہ ادا نہیں کیا۔ بعد اَزاں مشہد مقدس کی حفاظت کے لیے ۵۱۵ھ میں عضد الدین فرامرز بن علی نے ایک حصار بنوایا۔

۲۸۹۔ **الكامل في التاريخ**، للجزري، الصفحة ۱٦۰۰، ذكر السنة إحدى عشرة وخمسمائة، ملخصاً.

متذکرہ واقعے میں غالباً مسلکی فساد رُونما ہوا، جس کی جانب جزری نے ”حزبہ“ کہہ کر اشارہ کیا ہے، چنانچہ اس مسلکی فساد کی آگ میں اِسلامی اَقدار اور مشہد رِضا کی حرمت کو بھی پامال کر دیا گیا، نعوذ باللہ۔ الغرض یہ حرمت خود مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں سبوتاژ کی گئی، لیکن بصد افسوس اس دل سوز واقعے کے ٹھیک ایک صدی بعد اسلامی ممالک کو روندنے والی تاریک آندھی یعنی تاتاریوں نے بھی یہاں کشت وخون کا باز گرم کیا اور وہ مشہد مقدس کی حرمت پامال کرنے سے باز نہ رہے، چنانچہ ابو بکر ابن ایبک دَوادارِی نے ”کنز الدّرر“ میں ۶۲۱ھ کے واقعات کے تحت ذکر کیا:

> اس سال تاتاریوں نے پھر سے بلادِ اسلامی پر حملہ کیا، چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں: انھوں نے صرف ”مرو“ اور اس کے مضافات میں سات ہزار لوگوں کو قتل کیا، پھر ”سابور“ کا پانچ روز تک محاصرہ کیے رکھا اور تسلّط پانے کے بعد یہاں بھی قتل و غارت گری کی، بعد اَزاں ”طوس“ آئے اور یہاں کشت وخوں کرنے کے علاوہ اُس مشہد مقدس کو بھی جلا ڈالا، جس میں علی بن موسی الرضا کی قبر تھی۔[۲۹۰]

افسوس ہے کہ ہمیشہ اہل بیت کے ائمہ ہی ایسے مظالم کی زد میں کیوں آتے ہیں، چلیں! تاتاریوں سے گلہ نہیں کہ وہ مسلمان نہ تھے، لیکن بقیہ تو مسلمان تھے، پھر صرف مسلکی تعصب میں ایسے دالخراش اُمور۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مزارِ رضا رضی اللہ عنہ سے محدث اِبن حبان کو فیض

امام محمد بن حبان تمیمی بُستی، متوفی ۳۵۴ھ ”کِتَابُ الثِّقَاتِ“ میں لکھتے ہیں:

> وَ قَبْرُهُ بِسَنَابَاذِ خَارِجُ النُّوْقَانِ مَشْهُورٌ ، يُزَارُ بِجَنْبِ قَبْرِ الرَّشِيْدِ . قَدْ زُرْتُهُ مِرَاراً كَثِيْرَةً وَمَا حَلّت بِي شِدَّةٌ فِي وَقْتِ مَقَامِي بِطُوْسٍ فَزُرْتُ قَبْرَ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى الرِّضَا صَلَوَاتُ الله عَلَى جَدِّهِ وَعَلَيْهِ وَدَعَوْتُ الله اِزَالَتَهَا عَنِّي اِلَّا استُجِيْبَ لِي وَزَالَتْ عَنِّي تِلْكَ الشِّدّةُ وَ هَذَا شَيْءٌ جَرَّبْتُهُ مِرَاراً فَوَجْدُتُهُ كَذَلِكَ أَمَاتَنَا الله عَلَى مَحَبَّةِ الْمُصْطَفَى وَأَهْلِ بَيْتِهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ.

۲۹۰۔ **كنز الدُّرر وجامع الغرر** ، للشيخ الدواداري ، ۷/ ۲٦۹ ، ذكر السنة ٦۲۱ھ .

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ کی قبر "نوقان" کے علاقے سے باہر "سناباذ" میں قبر رشید کے پاس مشہور ہے۔ میں نے کئی مرتبہ اُس کی زیارت کی، اور میرے طُوس کے قیام کے دوران مجھے کوئی بھی مشکل درپیش ہوتی، تو میں (سیّدنا) علی بن موسیٰ رِضا "صَلَوَاتُ اللهِ عَلَى جَدِّهِ وَعَلَيْهِ" کی قبر کی زیارت کرتا اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے اس مشکل کو ٹالنے کے لیے دعا کرتا، تو میری دعا قبول ہوتی اور میری مشکل حل ہو جایا کرتی تھی، میں نے اسے بہت آزمایا اور ہر مرتبہ کامیابی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہمیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی محبت پر موت نصیب فرمائے۔ (۲۹۱)

مزارِ رضا رضی اللہ عنہ پر اکابر محدثین کی حاضری

امام ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ "تَهْذِيْبُ التَّهْذِيْب" میں رقم طراز ہیں:

قال : وسمعت أبا بكر محمد بن المؤمل بن الحسن بن عيسى يقول : خرجنا مع إمام أهل الحديث أبي بكر بن خزيمة وعديله أبي علي الثقفي مع جماعة من مشايخنا ، وهم إذ ذاك متوافرون إلى زيارة قبر علي بن موسى الرِّضا بطُوس قال : فرأيت من تعظيمه – يعني : ابن خزيمة – لتلك البقعة وتواضعه لها وتضرعه عندها ما تحيّرنا . (۲۹۲)

ترجمہ: انھوں نے (۲۹۳) ابو بکر محمد بن مؤمل بن حسن بن عیسیٰ سے سنا کہ ہم لوگ محدثین کے امام ابو بکر بن خزیمہ اوران کے ہم پایہ ابو علی ثقفی نیز جماعت مشائخ کے ہمراہ علی بن موسیٰ رِضا کی قبر کی زیارت کے لیے "طوس" حاضر ہوئے۔ میں نے انھیں (ابن خزیمہ کو) اُس مقام پر ایسی تعظیم وانکساری کرتے ہوئے دیکھا، جس نے ہمیں حیرت میں ڈال دیا۔

۲۹۱۔ **كتاب الثقات** ، للإمام ابن حبان ، ۸/ ٤٥٦ .

۲۹۲۔ **تهذيب التهذيب** ، للعسقلاني ، ۷/ ۳۸۸ . **التحفة اللطيفة** ، للسخاوي . ۳/ ۲٦٥.

۲۹۳۔ حافظ عسقلانی نے یہ واقعہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی "تاریخ نیشاپور" سے نقل کیا ہے اور شیخ ابن مؤمل دراصل امام حاکم کے شیوخ میں سے ہیں۔ فافہم

سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کی کرامات

شیخ مناوی "الكواكب الدرية" اور شیخ قرمانی "أخبارا لدّول" میں مجملاً، جبکہ رئیس جامعۃ الاَزہر شیخ عبد اللہ شِبراوی، متوفی ۱۱۷۱ھ "الاتّحاف بِحُبِّ الأشْرَاف" میں یوں لکھتے ہیں:

وكانت مناقبه علية ، وصفاته سنية ، ومكارمه حاتمية ، وشنشنه أخزمية ، وأخلاقه عربية ، ونفسه الشريفة هاشمية ، وأرومته الكريمة نبوية ، كراماته أكثر من أن تحصر ، وأشهر من أن تذكر . (۲۹۴)

یعنی: اُن کے مناقب عالی، صفات عمدہ، عادات سخی، خُو کامل، اَخلاق عربی، ذات سیّد وہاشمی، نسل کریم و نبوی ہے، ان کی کرامات شمار سے باہر اور مشہورِ زمانہ ہیں۔

ہوائیں(Winds) خدمت پر مامور

(۱) جب مامون نے امام رِضا رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، تو مامون کے دائیں بائیں بیٹھنے والوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جنھیں یہ نامزدگی اچھی نہ لگی اور انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ خلافت بنو عباس سے ختم ہو کر بنو فاطمہ میں چلی جائے گی، اس سوچ کی وجہ سے ان میں سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے نفرت پیدا ہو گئی۔ حضرت رِضا جب مامون کے گھر ملاقات کے لیے تشریف لاتے، تو وہ نوکر چاکر جو دربان ہوتے، یا پردہ ہٹانے کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوتی، یہ سب اور دوسرے خادمین آپ کا استقبال کرتے اور سلام عرض کرتے، پھر پردہ ہٹاتے تاکہ آپ اندر تشریف لا سکیں، لیکن جب ان لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہ سے نفرت ہو گئی اور اس فیصلے کے بارے میں پریشان ہوئے، تو انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ جب علی رِضا خلیفہ مامون سے ملنے آئیں، تو ہم منہ موڑ لیں گے اور دروازوں کے پردے نہیں اٹھائیں گے، اس پر سب متفق ہو گئے اور ابھی مشورہ کر کے بیٹھے ہی تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ملاقات کرنے اندر آنے لگے، تو ان لوگوں کو اپنے مشورے پر عمل کرنے کی ہمت نہ پڑی، چنانچہ سب کھڑے ہوئے استقبال کیا اور دروازوں کے پردے بھی پہلے کی طرح اٹھائے، جب آپ اندر

۲۹۴- **الإتحاف بحبّ الأشراف** ، للشبراوي ، الصفحة ۳۱۳-۳۱۲ ، واللفظ له . **أخبار الدُّول** ، للقرماني ، ۱/ ۳٤۱. **الكواكب الدرية** ، للمناوي ، ۱/ ٦۸۱ ، الرقم ٦٤ .

تشریف لے گئے تو وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، تم نے اپنے منصوبے پر عمل نہیں کیا، بہر کیف یہ طے پایا کہ جو ہو گیا سو ہو گیا، آئندہ اگر آئیں تو پھر لازماً ہم اپنے مشورے پر عمل کریں گے، پس جب دوسرے دن آپ حسبِ عادت تشریف لائے، اب کی بار یہ لوگ کھڑے تو ہو گئے اور سلام بھی کیا، لیکن پردے نہ اٹھائے، لیکن اتنے میں یکایک تیز ہوا چلی، اوراس نے پردوں کو اٹھا دیا اورآپ اندر تشریف لے گئے، پھر باہر نکلتے وقت بھی تیز ہوا نے آپ رضی اللہ عنہ کی خاطر پردے اٹھادیے۔ تو یہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھتے ہوئے کہنے لگے:

اس شخص کا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے نزدیک بڑا مرتبہ ہے اور اُس کی اِن پر بڑی مہربانی ہے۔ دیکھو کہ ہوا کیسے آئی اور ان کے اندر آتے وقت اس نے کس طرح پردوں کو اٹھا دیا، لہٰذا چھوڑو اپنے مشورے کو اور دوبارہ اپنی ڈیوٹی دو۔ (۲۹۵)

لوگوں کے خواب پر مطلع

(۲) امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عیسیٰ اورانھوں نے ابو حبیب (النباجيّ) سے روایت کیا:

میں نے خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، تو آپ اس جگہ تشریف فرما تھے، جہاں ہمارے شہر میں حاجی آکر ٹھہرتے تھے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک تھال دیکھا، جو کھجور کے پتوں سے بنایا گیا تھا، اس میں (مدینہ منورہ کی) صِيْحَانِي کھجوریں تھیں، آپ نے مجھے اٹھارہ (۱۸) کھجوریں عنایت فرمائیں۔ الغرض بیس دن کے بعد میرے ہاں مدینہ منورہ سے علی رِضا تشریف لائے اور اُسی جگہ قیام فرمایا، جہاں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تھی، لوگ آپ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے لیے بے تابانہ ٹوٹ پڑے، میں بھی آپ کی زیارت کے لیے گیا، تو دیکھا کہ آپ بالکل اسی جگہ تشریف فرماہیں اور آپ کے سامنے بھی تھال میں کھجوریں رکھی ہوئی ہیں، آپ نے ان میں سے ایک مٹھی بھر کر کھجوریں مجھے عنایت

۲۹۵- **أخبار الدُّول**، للقرماني، ۱/ ۳۴۲- ۳۴۱. **الإتحاف بحبّ الأشراف**، للشبراوي، الصفحة ۳۱۳. **جامع كرامات الأولياء**، للنبهاني، ۲/ ۳۱۲.

فرمائیں، میں نے لینے کے بعد انھیں شمار کیا، تو ان کی تعداد بھی اٹھارہ تھی اور یہ وہی تعداد تھی؛ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے خواب میں عنایت کی تھی، میں نے آپ سے عرض کی: مجھے کچھ اور عنایت فرمائیں، آپ نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تجھے (خواب میں) اور دی ہوتیں، تو میں بھی مزید دے دیتا۔ (۲۹۶)

مدفن کا بیان

(۳) مسافر (خادم سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں:

میں سیّدنا علی رِضا کے ساتھ میدان منیٰ میں تھا، تو یحییٰ بن خالد برمکی (عباسی حکومت کا مشہور وزیر) وہاں سے گزرا، اُس نے غبار کی وجہ سے اپنا رومال چہرے پر ڈالا ہوا تھا، انھیں دیکھ کر علی رِضا نے فرمایا: یہ مسکین لوگ نہیں جانتے کہ اس سال اِن کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اُن کا کام جو ہو گا۔۔ سو ہو گا۔ مزید فرمایا: اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ میں اور ہارون رشید اِن دو انگلیوں کی مثل ہیں، پھر آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ملا کر دکھائی۔ مسافر کہتے ہیں:

خدا کی قسم! مجھے ہارون رشید کے بارے میں علی رِضا کی بات اُس وقت سمجھ میں آئی، جب علی رِضا کا انتقال ہوا اور انھیں ہارون کے ساتھ دفن کیا گیا۔ (۲۹۷)

(۴) موسیٰ بن مروان (یا مہران) بیان کرتے ہیں:

میں نے علی رِضا کو مدینہ منورہ کی مسجد میں دیکھا اور اس مسجد میں ہارون رشید خطبہ دے رہا تھا۔ اسی اثناء میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ اسے اور مجھے دیکھو گے کہ ایک ہی گھر میں دفن کیے جائیں گے۔ (۲۹۸)

۲۹٦۔ **الصواعق المحرقة**، للمكي، ذكر الرِّضا، الصفحة ٢٨٦. **الكواكب الدرية**، للمناوي، ١/ ٦٨٢، الرقم ٦٤. **أخبار الدُّول**، للقرماني، ١/ ٣٤٢. **الإتحاف بحبّ الأشراف**، للشبراوي، الصفحة ٣١٧. **جامع كرامات الأولياء**، للنبهاني، ٢/ ٣١١.

۲۹۷۔ **الإتحاف بحبّ الأشراف**، للشبراوي، الصفحة ٣١٥. **جامع كرامات الأولياء**، للنبهاني، ٢/ ٣١٢.

۲۹۸۔ **الإتحاف بحبّ الأشراف**، للشبراوي، الصفحة ٣١٦. **جامع كرامات الأولياء**، للنبهاني، ٢/ ٣١٢.

(۵) حمزہ بن جعفر ارجانی کہتے ہیں:

ایک مرتبہ ہارون رشید مسجد الحرام کے ایک دروازے سے باہر آیا اور علی رِضا دوسرے دروازے سے باہر تشریف لائے، سیّدنا رِضا نے فرمایا: اے بندۂ خدا! جو گھر کے لحاظ سے مجھ سے دُور ہے، لیکن میری اور تیری ملاقات ایک ہی جگہ ہونی ہے، بیشک "طوس" مجھے اور تجھے جمع کر دے گی۔[۲۹۹]

بطن مادر کی خبریں

(۶) بکر بن صالح سے مروی ہے:

میں علی رِضا کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: میری بیوی جو محمد بن سنان کی بہن ہے اور وہ آپ کا خاص مصاحب ہے، حاملہ ہے، آپ دعا فرمائیں کہ بیٹا ہو۔ آپ نے فرمایا: اسکے پیٹ میں دو بچے ہیں۔ اُس نے کہا: میں ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام علی رکھوں گا۔ آپ نے مجھے بُلا کر فرمایا: ایک کا نام علی اور دوسری کا نام اُمّ عمرو رکھنا۔ چنانچہ میں کوفہ آگیا اور میری بیوی نے دو بچوں کو جنم دیا، اُن میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی، لہٰذا جیسے آپ نے فرمایا تھا، میں نے محمد اور اُمّ عمرو رکھا۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے اُمّ ّعمرو کے بارے میں استفسار کیا، تو وہ کہنے لگیں: تمہاری (کچھ مصادر میں مذکور ہے، میری) دادی کا نام "اُمّ ّعمرو" تھا۔[۳۰۰]

۲۹۹۔ **الإتحاف بحبّ الأشراف**، للشبراوي، الصفحة ٣١٦. **جامع كرامات الأولياء**، للنبهاني، ٢/ ٣١٢.

۳۰۰۔ **أخبار الدُّول**، للقرماني، ١/ ٣٤٢. **الإتحاف بحبّ الأشراف**، للشبراوي، الصفحة ٣١٦. **جامع كرامات الأولياء**، للنبهاني، ٢/ ٣١٣، ملتقطاً.

آئندہ ہونے والی خبریں

(۷) حسن بن موسیٰ بیان کرتے ہیں:

ہم بنوہاشم کے کچھ نوجوان علی رِضا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو اس طرف سے جعفر بن عمر علوی[۳۰۱] کا گزر ہوا، اس کی داڑھی گرد وغبار سے پراگندہ تھی، ہم نے ایک دوسرے کی طرف مذاق کے طور پر دیکھا، کیونکہ جعفر کی ظاہری صورت ہی ایسی تھی، یہ دیکھ کر علی رِضا فرمانے لگے: تم بہت جلد دیکھوگے کہ اس کا بہت ساماں اور خادمین ہوں گے ، نیز صورت بھی عمدہ ہوگی، آپ کے فرمانے کو ابھی مہینہ بھی نہیں گزرا کہ اُسے مدینے کا والی مقرر کر دیا گیا، اُس کی حالت سدھر گئی، اور وہ ہمارے پاس سے گزرتا تو اُس کے ساتھ خادمین ہوتے، پس ہم اُسکے آنے پر کھڑے ہوکر تعظیم وتوقیر کرتے اور اُس کیلئے دعائیں کیا کرتے تھے۔[۳۰۲]

اہل تشیع کے یہاں اس واقعے کے ناقل "حسین بن موسی کاظم رضی اللہ عنہ، المعروف سیّد علاء الدین" بیان ہوئے ہیں، ملاحظہ ہو: "موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي ، ۲۹/ ٤١٤"۔ امام کاظم رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا نام "حسین" تو معلوم ہے، لیکن ان بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں، کیونکہ علمائے اہل سنت کے یہاں صرف "حسین" نام کا ذکر اَولادِ کاظم میں بیان ہوا ہے، کسی قسم کی تفصیل مذکور نہیں، اسی لیے ان کے بارے میں حتمی رائے نہیں دی جاسکتی، تاہم اہل تشیع کے یہاں محولہ مقام پر ان کے بارے میں کافی تفصیلات درج ہیں، جن میں مختصر حالات واحوال موجود ہیں۔ ہم نے ان کے حوالے سے ماقبل تلامذہ کے تحت "حسن بن موسی" کا ذکر کرتے ہوئے بھی کچھ کلام کیا ہے۔

۳۰۱۔ ان کا پورا شجرہ یوں ہے: جعفر بن عمر بن حسن بن علی بن عمر بن امام زین العابدین علی۔ الخ

۳۰۲۔ **أخبار الدُّول** ، للقرماني ، ۱/ ۳٤۳ . **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني ، ۲/ ۳۱۳ . **الإتحاف بحبّ الأشراف** ، للشبراوي ، الصفحة ۳۱۸ ، ملتقطاً .

انتقال سے کچھ دن قبل موت کی تنبیہ

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے سعد بن سعد بن الاحوص اَشعری (۳۰۳) سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ علی رِضا رضی اللہ عنہ نے کسی شخص سے کہا:

يَا عَبدَ الله ! اِرْض بِمَا يُرِيْدُ وَاستَعدَّ لما لَا بُدَّ مِنْهُ . (۳۰۴)

ترجمہ:اے بندۂ خدا!اُس کی چاہت پر راضی ہو جا،اور اُس بات کی تیاری کر لے، جس کے بنا کوئی چارہ نہیں۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے فرمانے کے تین دن بعد ہی اُس شخص کا انتقال ہو گیا۔

خلیفہ ہارون رشید کے قاتل کی خبر

(۸) حسین بن یسار بیان کرتے ہیں:

مجھے علی رِضا نے بتایا: محمد کو عبد اللہ قتل کرے گا۔ میں نے پوچھا: کیا محمد بن ہارون (خلیفہ الامین) کو عبد اللہ بن ہارون (خلیفہ مامون) قتل کرے گا؟ آپ نے جواباً فرمایا: ہاں۔ چنانچہ عبد اللہ المعروف مامون نے خراسان میں رہتے ہوئے محمد الامین ابن زبیدہ کو بغداد میں قتل کروایا۔ پس خبر ویسے ہی واقع ہوئی۔ (۳۰۵)

۳۰۳۔ یہ سعد بن سعد ابن الاحواص بن سعد بن مالک اشعری قمی، تلمیذ رضا ہیں،اہل تشیع کے یہاں "ثقہ" شمار کیے گئے،ملاحظہ ہو:"موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي ، ٣١/ ١٧٨"۔

۳۰۴۔**الصواعق المحرقة** ، للإمام ابن حجر المكي ، ذكر الإمام الرِّضا ، الصفحة ٢٨٦ . **الكواكب الدرية** ، للمناوي ، ١/ ٦٨١ ، الرقم ٢٦٤، ذكره رواه الحاكم . **أخبار الدُّول** ، للقرماني ، ١/ ٣٤ . **الإتحاف بحبّ الأشراف** ، للشبراوي ، الصفحة ٣١٨ ، ملتقطاً .

۳۰۵۔ **الإتحاف بحبّ الأشراف** ، للشبراوي ، الصفحة ٣١٨ . **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني ، ٢/ ٣١٣ .

تیسرا باب

تَذْكِرَةُ الْجَوَادْ لِرَاحَةِ سَيِّدِ الْعِبَادْ ﷺ

امام محمد جواد رضی اللہ عنہ

(ولادت ۱۹۵ھ / وفات ۲۲۰ھ)

تاریخِ پیدائش اور مقامِ ولادت

سیّدنا محمد بن علی رِضا رضی اللہ عنہ المعروف "تقی، جواد" کی پیدائش کے بارے میں بعض مؤرخین کا اختلاف، جبکہ بیشتر ائمہ ومؤرخین کا اتفاق ہے، لہٰذا جس قدر اختلاف موجود ہے، اُسے واضح کرنے کے لیے درج ذیل نکات میں الگ کلام پیش کیا جارہا ہے، تاکہ قارئین پر سالِ پیدائش، دن اور مقام کی بابت اُمور عیاں ہو سکیں۔

(۱) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۹۰ہجری / ۸۰۶ء عیسوی میں ہوئی

شیخ عبد الملک عصامی مکی، متوفی ۱۱۱۱ھ نے "سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي" میں لکھا:

ولد بالمدينة يوم الجمعة لعشر خلون من رَجَب سنة تسعين ومائة .[1]

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ دس رجب بروز جمعہ ۱۹۰ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

لیکن شیخ عصامی کا یہ قول نا صرف تاریخی شواہد سے متصادم، بلکہ جمہور علمائے تاریخ وحدیث کے مؤقف کے بھی برخلاف ہے، نیز ہمیں دستیاب مصادر میں کہیں بھی اس کی تائید میں کوئی نظیر میسّر نہیں آسکی، البتہ ذکر اقوال کا احاطہ مقصود ہونے کی صورت میں یہاں درج کر دیا گیا اور یہ بھی امکان ہے کہ عصامی کی عبارت میں "خمس" کا لفظ کسی سبب سے ساقط ہو گیا ہو، اگرچہ ہمارے پیش نظر تحقیق شدہ نسخے میں ایسا موجود نہیں، پس اگر واقعی ایسا ہو تو پھر شیخ عصامی کا مؤقف بھی سنِ پیدائش کے باب میں جمہور کے موافق ہو گا، البتہ مہینے میں اختلاف باقی رہے گا، جس کی تطبیق ممکن ہے۔

(۲) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۹۵ہجری / ۸۱۱ء عیسوی میں ہوئی

شیخ ابن جوزی نے "المنتظم في تاريخ المُلوك والأمم"، شیخ ابن تیمیہ نے "منهاج السنة النبوية"، شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان"، شیخ صفدی نے "الوافي بالوفيات"، شیخ سیّد اشرف جہانگیر سمنانی نے "لطائف أشرفي"، شیخ ابن تغری بردی نے "النجوم الزاهرة" اور مؤرخ شیخ احمد بن یوسف قرمانی نے "أخبار الدُّول وآثار الأُول في التاريخ" میں یہی مؤقف بیان کیا، جبکہ خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد" میں اسی کو اپنی سند کے ساتھ یوں لکھا:

۱۔ **سمط النجوم والعوالي**، للعصامي المكي، الباب الأول، في ذكر نسب الطالبيين ٤/ ١٤٩ .

أخبرني علي بن أبي علي ، قال : حدّثنا الحسن بن الحسين النعالي ، قال : أخبرنا أحمد بن عبد الله الذارع ، قال : حدّثنا حرب بن محمد المؤدب ، قال : حدّثنا الحسن بن محمد العمى البصري ، قال : حدّثني أبي ، قال: حدّثنا محمد بن الحسين ، عن محمد بن سنان ، قال :

مضى أبو جعفر محمد بن علي وهو ابن خمس وعشرين سنة وثلاثة أشهر واثني عشر يوما، وكان مولده سنة مائة وخمس وتسعين من الهجرة.(٢)

ترجمہ: محمد بن سنان نے کہا: ابو جعفر محمد بن علی نے ۲۵ سال، تین مہینے اور بارہ دن کی عمر میں وفات پائی، جبکہ ان کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی۔

پس مقتدر ائمہ حدیث و تاریخ کے بیانات کی روشنی میں یہ اَمر متحقق ہے کہ پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی۔ نیز یہی مؤقف جمہور علمائے اہلِ تشیع کا بھی ہے، جیسا کہ "بحار الأنوار"(٣) میں اس بابت بہت سے اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کا مقامِ پیدائش "مدینہ منورہ زادها الله شرفاً وتعظيماً" ہے

شیخ ابن جوزی نے "المنتظم في تاريخ الملوك والأمم" میں ضمناً، جبکہ سیّد اشرف جہانگیر سمنانی نے "لطائف أشرفي"، شیخ عصامی نے "سمط النجوم العوالي"، شیخ دیار بکری نے "تاريخ الخميس في أحوال أنفس نفيس"، مؤرخ قرمانی نے "أخبار الدُّول وآثار الأُول في التاريخ" اور زِرکلی نے "الأعلام" میں لکھا:

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی۔(۴)

٢- **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي ، ٤/ ٩٠ ، الرقم ١٢٦١ . **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم**، للامام ابن الجوزي ، ١١/ ٦١ ، ذكر السنة ٢٢٠هـ . **منهاج السنة النبوية**، للشيخ ابن تيمية ، فصل في كلام الرافضي علي محمد بن علي الجواد ، ٤/ ٦٨. **الوافي بالوفيات**، للصفدي ، ٤/ ٧٩ ، الرقم ١٥٨٩ . **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان ، ٤/ ١٧٥ ، الرقم ٥٦١ . **لطائف أشرفي**، في اللغة الفارسية ، للسيّد أشرف السمناني ، ٢/ ٣٥٦ . **النجوم الزهراة**، للشيخ ابن تغري بردي ، ٢/ ٢٨٢ ، ذكر السنة ٢١٩هـ . **أخبار الدُّول**، للقرماني ، ١/ ٣٤٦. **لطائف أشرفي**، في اللغة الفارسية ، للسيّد أشرف السمناني ، ٢/ ٣٥٦ .

٣- **بحار الأنوار**، للعلامة باقر المجلسي ، المجلد الثاني عشر ، الصفحة ١٧٥-١٦٨ .

(۴) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا مہینہ "رجب / رمضان" ہے

بعض ائمہ کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش رجب میں ہوئی، چنانچہ شیخ جہانگیر سمنانی نے "لطائف أشرفي" اور شیخ دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" میں یہی بیان کیا ہے(۵)۔ جبکہ دیگر کے مطابق رمضان کے مہینے میں ہوئی، جیسا کہ شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان" اور یوں ہی شیخ ابن طولون "الشذرات الذّهبية" میں بیان کیا:

وكانت ولادته يوم الثلاثاء خامس شهر رمضان، وقيل منتصفه، سنة خمس وتسعين ومائة.(۶)

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش بروز منگل، پانچ یا پندرہ رَمضان ۱۹۵ھ میں ہوئی۔

(۵) آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ پیدائش "۵/۹/۱۵ رمضان، یا ۱۰ رجب" ہے

شیخ ابن خلکان اور شیخ ابن طولون کے نزدیک پانچ یا پندرہ رمضان کی تاریخ معتبر ہے، جیسا کہ ابھی گزرا، جبکہ قرمانی نے "أخبار الدُّول" میں نو(۹) رمضان ذکر کی ہے، نیز شیخ عبد اللہ شِبراوی نے "الإتحاف بحبّ الأشرف" میں اسی کی موافقت کی ہے۔ رمضان کے علاوہ پیدائش کا بیان کرنے والوں میں سے سیّد جہانگیر سمنانی نے "لطائف اشرفي" اور دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" میں دس(۱۰) رجب المرجب کی تاریخ لکھی ہے۔(۷)

۴- **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم**، للامام ابن الجوزي، ۱۱/ ۶۲، ذكر السنة ۲۲۰هـ. **لطائف أشرفي**، في اللغة الفارسية، للسيّد أشرف السمناني، ۲/ ۳۵۶. **سمط النجوم والعوالي**، للعصامي المكي، الباب الأول، في ذكر نسب الطالبيين ٤/ ١٤٩. **تاريخ الخميس**، للدياربكري، ۲/ ۲۸۷. **أخبار الدُّول**، للقرماني، ۱/ ۳٤٦. **الإعلام**، للزركلي، ٦/ ۲۷۱.

۵- **لطائف أشرفي**، في اللغة الفارسية، للسيّد أشرف السمناني، ۲/ ۳۵٦. **تاريخ الخميس**، للشيخ الديار بكري، ۲/ ۲۸۷.

۶- **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ٤/ ١٧٥، الرقم ٥٦١. **الشذرات الذّهبية**، للابن طولون، الصفحة ١٠٤.

۷- **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ٤/ ١٧٥، الرقم ٥٦١. **الشذرات الذّهبية**، للابن طولون، الصفحة ١٠٤. **أخبار الدُّول**، للقرماني، ١/ ٣٤٦. **الإتحاف بحب الأشراف**، للشبراوي، الصفحة ٣٤٨. **لطائف أشرفي**، في اللغة الفارسية، للسيّد أشرف السمناني، ٢/ ٣٥٦. **تاريخ الخميس**، للشيخ الديار بكري، ٢/ ٢٨٧.

(٦) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا دن "منگل / جمعہ" ہے

روزِ پیدائش کی تعیین پر بھی معمولی اختلاف ہے چنانچہ بعض کے نزدیک منگل کے دن پیدائش ہوئی، جیسا کہ شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان" اور ابن طولون "الشذرات الذّهبية" میں بیان کیا، جبکہ دیگر کے نزدیک جمعہ کے دن ہوئی، جیسا کہ سیّد جہانگیر سمنانی نے "لطائف أشرفي" اور دیار بکری نے "تاريخ الخميس" میں بیان کیا ہے۔[٨]

سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کی تاریخ پیدائش، طائرانہ جائزہ

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	مقام	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد	—	—	—	—	۱۹۵ھ	جزماً
عبد الرحمن ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ	المنتظم	—	—	—	—	=	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	منگل	۵/۱۵	رمضان	=	جزماً
تقی الدین ابن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ	منہاج السنہ	—	—	—	—	=	جزماً
صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ	الوافی بالوفیات	—	—	—	—	=	جزماً
سیّد اشرف جہانگیر سمنانی، متوفی ۸۳۲ھ	لطائف اشرفی	مدینہ	جمعہ	۱۰	رجب	=	جزماً
ابن تغری بردی اتابکی، متوفی ۸۷۴ھ	النجوم الزاہرۃ	—	—	—	—	=	جزماً
شمس الدین ابن طولون، متوفی ۹۵۳ھ	الشذرات الذھبیۃ	—	منگل	۵/۱۵	رمضان	=	جزماً
محمد بن حسین دیار بکری، متوفی ۹۶۶ھ	تاریخ الخمیس	مدینہ	جمعہ	۱۰	رجب	=	نقلاً
احمد بن یوسف قرمانی، متوفی ۱۰۱۹ھ	اخبار الدول	مدینہ	—	۹	رمضان	=	نقلاً
عبد الملک عصامی مکی، متوفی ۱۱۱۱ھ	سمط النجوم	مدینہ	جمعہ	۱۰	رجب	۱۹۰ھ	جزماً

٨- **وفيات الأعيان** ، للشيخ ابن خلكان ، ٤/ ١٧٥ ، الرقم ٥٦١ . **الشذرات الذّهبية** ، للابن طولون ، الصفحة ١٠٤ . **لطائف أشرفي** ، في اللغة الفارسية ، للسيّد أشرف السمناني ، ٢/ ٣٥٦ . **تاريخ الخميس** ، للشيخ الديار بكري ، ٢/ ٢٨٧ .

کنیت اور القاب

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو جعفر" پر علمائے تاریخ وسیر کا اتفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ جس بھی شخصیت نے آپ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بیان کیا، اُس نے آپ کی یہی کنیت بیان کی، چنانچہ شیخ ابن جوزی نے "المنتظم"، شیخ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد"، شیخ ذہبی نے "العبر في خبر من غبر"، شیخ یافعی نے "مراة الجنان"، شیخ ابن خلکان نے "وفیات الأعیان"، شیخ شمس الدین ابن غزی نے "دیوان الإسلام" اور شیخ عصامی نے "سمط النجوم" میں ایسا ہی بیان کیا ہے[9]۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت اور نام کا تعلق جدّ گرامی سیّدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے ہے، کیونکہ اُن کی بھی یہی کنیت اور نام تھا، لہٰذا ائمہ نے دونوں میں امتیاز کے لیے بالعموم سیّدنا محمد باقر کو "ابو جعفر اوّل" اور محمد جواد کو "ابو جعفر ثانی" سے خطاب کیا ہے[10]، البتہ شیخ ابن تغری نے "النجوم الزاهرة"[11] میں "ابو جعفر" ذکر کرنے کے بعد ضعیف قول کی صورت میں "ابو محمد" بھی لکھا ہے، لیکن اس کی استنادی حیثیت لائق اعتناء نہیں۔ اسی طرح سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان"[12] میں بصورت قول ضعیف "ابو محمد، ابو عبد اللہ" لکھا، لیکن اس کے برعکس "تذكرة الخواص"[13] میں جزماً "ابو عبد اللہ" جبکہ قول ضعیف کی صورت میں "ابو جعفر" لکھا، جو ان کی اپنی مستند کتاب سے متصادم اور جمہور کے برخلاف ہونے کی وجہ سے مقبول نہیں، فافہم۔

۹۔ **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم**، للامام ابن الجوزي، ۱۱/ ٦۱، ذكر السنة ۲۲۰هـ. **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ٤/ ۹۰، الرقم ۱۲٦۱. **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ٤/ ۱۷٥، الرقم ٥٦۱. **العبر**، للذهبي، ۱/ ۳۰۰. **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ٦۰، ذكر السنة ۲۲۰هـ. **ديوان الإسلام**، للابن الغزي، ۲/ ٦۷، الرقم ٦٥۱. **سمط النجوم والعوالي**، للعصامي المكي، الباب الأول، في ذكر نسب الطالبيين ٤/ ۱٤۹.

۱۰۔ **تاريخ الخميس**، للشيخ الديار بكري، ۲/ ۲۸۷. **الإعلام**، للزركلي، ٦/ ۲۷۱.

۱۱۔ **النجوم الزهراة**، للشيخ ابن تغري بردي، ۲/ ۲۸۲، ذكر السنة ۲۱۹هـ.

۱۲۔ **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۱٤/ ۲٤۰، ذكر السنة ۲۱۹هـ.

۱۳۔ **تذكرة الخواص**، للسبط ابن الجوزي، الصفحة ۳٥۸.

جبکہ اہل تشیع کی کتب میں خواص کے لیے "ابو علی" جبکہ اہل علم کے یہاں بالعموم "ابوالحسن" کنیت بیان ہوئی، جیسا کہ "بحار الأنوار" وغیرہ کتب میں تفصیلات درج ہیں، البتہ ہمیں تلاش کے باوجود اہل سنّت کے مصادر سے ان کی تائید حاصل نہیں ہو سکی۔ واللہ اعلم

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت تو مسلّمہ ہے، البتہ القاب میں اختلاف ہے، چنانچہ "اَلْجَوادُ ، اَلقَانِعُ ، اَلـمُرْتَضَى ، التَّقِيُّ" وغیرہ بیان کیے گئے ہیں، لیکن ان سب میں "جواد" کو زیادہ شہرت حاصل ہے، چنانچہ عوام وخواص میں اس کا مصداق آپ رضی اللہ عنہ کے لیے معروف ہے، البتہ اہل علم نے بقیہ کو بھی تراجم کے تحت ذکر کرتے ہوئی باقی رکھا ہے۔ ویسے تو تمام ہی اَوصاف واَلقاب آپ رضی اللہ عنہ کی اخلاقی بلندی اور مثالی کردار کے غماز وعکاس ہیں، لیکن ان میں سے اوّل گویا آپ رضی اللہ عنہ کی ذات کا جزوِ لاینفک بن کر آشکار ہوا۔ اس سے ملقب کیے جانے کے بارے میں بہت سے ائمہ نے کلام کیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ نے "نزهة الألباب في الألقاب"[۱۴] میں آپ رضی اللہ عنہ کو اسی لقب کا حامل قرار دیا ہے، البتہ ہم شیخ ابن تیمیہ حنبلی کی "منهاج السنة النبوية" میں مذکور مختصر عبارت کے ایراد پر اکتفا کر رہے ہیں:

إِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ الْجَوَادَ كَانَ مِنْ أَعْيَانِ بَنِي هَاشِمٍ ، وَهُوَ مَعْرُوفٌ بِالسَّخَاءِ وَالسُّؤْدُدِ وَلِهَذَا سُمِّيَ الْجَوَادَ .[۱۵]

ترجمہ: محمد بن علی الجواد بنوہاشم کی ممتاز شخصیت تھے، نیز آپ عظمت وسخاوت میں بھی مشہور تھے، اسی لیے انھیں "جواد" کہا جاتا تھا۔

یوں ہی شیخ صلاح الدین صفدی نے "الوافي بالوفيات" میں "وكان من الموصوفين بالسخاء ولذلك لقب الجواد" کے ذریعے متذکرہ بالا اَمر کو بیان کیا، الغرض تعیین اَلقاب کے بارے میں حوالہ جات اور مزید نصوص وعبارات کو خوفِ طوالت کے سبب درج نہیں کیا جارہا، البتہ ماقبل پیدائش کے ضمن میں جن کتب ومصادر کے حوالہ جات نقل کیے گئے، اُن تمام ہی میں القاب کے بارے میں بھی متعلقہ مقام پر عبارات موجود ہیں۔

۱۴۔ نزهة الألباب في الألقاب ، للعسقلاني ، ۱/ ۱۸۰ ، الرقم ٦٤١.

۱۵۔ منهاج السنة النبوية ، للشيخ ابن تيمية ، فصل في كلام الرافضي علي محمد بن علي الجواد ، ٤/ ٦٨.

جُود و سخاوت کی بہترین مثال

شیخ ابن جوزی نے "المنتظم في تاريخ الملوك والأمم" میں آپ رضی اللہ عنہ کی سخاوت وفیاضی کے بارے میں حکایت نقل کی، جو متذکرہ لقب اور آپ کے کردار کی نفیس عکاسی کر رہی ہے، چنانچہ اسی مناسبت سے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں، تاکہ نا صرف ماقبل مضمون کی وضاحت ہو، بلکہ اخلاقی محاسن کی جھلک بھی اُجاگر ہو جائے۔

وبلغنا عن بعض العلويين أنه قال : كنت أهوى جارية بالمدينة ، وتقصر يدي عن ثمنها، فشكوت ذلك إِلَى محمد بن علي بن موسى ، فبعث فاشتراها سراً ، فلما بلغني أنها بيعت ولم أعلم أنه اشتراها زاد قلقي فأتيته فأخبرته ببيعها فقال: من اشتراها ؟ قلت : لا أعلم ، قال: فهل لك في الفرجة ؟ قلت : نعم . فخرجنا إلى قصر له عنده ضيعة فيها نخل وشجر، وقد قدم إليه فرشاً وطعاماً، فلما صرنا إلى الضيعة أخذ بيدي ودخلنا، ومنع أصحابه من الدخول ، وأقبل يقول لي : بيعت فلانة ولا تدري مَن اشتراها ؟ فأقول : نعم وأبكي ، حتّى انتهى إلى بيتٍ ، على بابه سترٌ ، وفيه جاريةٌ جالسةٌ على فرش له قيمة ، فتراجعت ، فقال : والله لتدخلن ، فدخلت ، فإذا الجارية التي كنت أحبها بعينها ، فبهت وتحيّرت ، فقال: أفتعرفها ؟ قلت : نعم ، قال : هي لك مع الفرش والقصر والضيعة [والغلة] والطعام ، وأقم بحياتك معها ، وابلغ وطرك في التمتع بها، وخرج إلى أصحابه فقال: أما طعامنا فقد صار لغيرنا فجددوا لنا طعاما، ثم دعا الأكّار فعوضه عن حقه من الغلة حتّى صارت لي تامة ثم مضى . (١٦)

١٦۔ **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم** ، للامام ابن الجوزي ، ١١/ ٦١ ، ذكر السنة ٢٢٠هـ . **مرآة الزمان** ، للسبط ابن الجوزي ، ١٤/ ٢٤١ ، ذكر السنة ٢١٩هـ .

ترجمہ: ہمیں بعض علوی سادات سے یہ خبر پہنچی، وہ کہتے ہیں: مجھے مدینہ منورہ کی ایک باندی بہت پسند تھی، لیکن اُس کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے خریدنے سے قاصر تھا، ایک مرتبہ میں نے محمد بن علی بن موسی سے اپنی خواہش کا تذکرہ کیا، تو انھوں نے اُس باندی کو خاموشی سے خرید لیا، پھر جب مجھے پتا چلا کہ وہ باندی فروخت ہو چکی اور میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ آپ ؓ نے اُسے خرید لیا، تو میری تکلیف میں مزید اضافہ ہو گیا، چنانچہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا اور اُس باندی کے فروخت کیے جانے کا معاملہ بیان کیا، آپ نے دریافت کیا: تم جانتے ہو اُسے کس نے خریدا ہے؟ میں نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں، پھر انھوں نے فرمایا: کیا ابھی تمہارے پاس فرصت ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر وہ مجھے لے کر اپنے سر سبز و شاداب باغ میں واقع ایک مکان کی جانب بڑھے اور اس مکان میں پہلے ہی سے کھانا اور بستر وغیرہ پہنچا دیا گیا تھا، جب ہم اس مکان کے قریب پہنچے تو آپ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہوئے اور بقیہ ہمراہیوں کو داخل ہونے سے روک دیا، اسی دوران آپ مجھ سے کہتے جا رہے تھے: وہ باندی فروخت بھی ہو گئی اور تمھیں علم تک نہیں ہو سکا کہ اُسے کس نے خریدا؟ میں عرض کرتا: جی ایسا ہی ہوا اور پھر میں رونے لگتا، ہم یوں ہی چلتے ہوئے مکان کے دروازے پر پہنچے، جس پر پردہ ڈالا ہوا تھا، اس میں بیش قیمت بستر پر ایک باندی بیٹھی دکھائی دی، تو میں فوراً پیچھے ہٹنے لگا، لیکن آپ نے فرمایا: تمھیں اندر داخل ہونا ہی پڑے گا، پس جب میں آپ کے ہمراہ اندر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ تو وہی باندی ہے جس سے میں محبت کرتا تھا، میں یہ سب دیکھ کر حیران و ششدر ہو گیا، اتنے میں انھوں نے فرمایا: کیا تم اسے جانتے ہو؟ میں نے جواب دیا: جی ہاں۔ تب آپ نے فرمایا: یہ باندی باغ و مکان اور کھانا و متاع سمیت اَب تمہاری ہے، بخوشی یہاں اس کے ہمراہ زندگی

بسر کرو اور اپنی خواہش پوری کرو، پھر آپ ہمراہیوں کی طرف لوٹے اور کہنے لگے:
ہمارا کھانا تو اَب کسی اور کا ہوا، پس کسی دوسرے طعام کا انتظام کرو، اس کے بعد آپ
نے باغ کی نگہداشت کرنے والے شخص کو بلایا اور غلّہ میں سے اُس کا حصہ دیا، حتیٰ
کہ پورا باغ میری ملکیت میں آ گیا، پھر آپ واپس تشریف لے گئے۔

حلیہ مبارک اور رنگت

اہل بیت نبوت کے ذَوات مقدسہ ظاہری رعنائیوں سے مستغنی اور اپنی نسبت و تقویٰ کے سبب جہاں والوں پر فائق ہوئے ہیں، ان کے اعمال حسنہ، زُہد و تقوی اور تعلق باللہ کی بنیادیں وجاہت دارین کے لیے امتیاز و مقام پیدا کرتی ہیں، لیکن بایں ہمہ سراپا و حلیہ بھی نعمت خداوندی اور دنیاوی تشخص و امتیاز کی علامت ہے، پس سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کا حلیہ جو اگرچہ بہت ہی کم کتب میں ذکر ہوا، اس طرح ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی رنگت والدہ کے سرزمین حبشہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سیاہی مائل تھی، اگرچہ یہ لازمی نہیں کہ والدین کی رنگت ہی بچے پر اثر انداز ہو اور وہ لازمی طور پر اُن ہی کے مشابہ ہو، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ اپنے اَجداد میں سے کسی کی مشابہت اختیار کر لیتا ہے، چنانچہ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض نے آپ رضی اللہ عنہ کی رنگت کو سفید جبکہ اکثریت نے سیاہی مائل قرار دیا۔

متقدمین ائمہ میں سے مؤرخ و ماہر انساب محمد بن حبیب بغدادی نے "كتاب المحبَّر" اور شیخ ابن جوزی نے "تنوير الغبش في فضل السّودان والحبش"(۱۷) میں آپ رضی اللہ عنہ کو حبشی خاتون کی اَولاد میں شمار کیا ہے اور واضح رہے کہ اوّل الذکر تو امام جواد رضی اللہ عنہ کے معاصر بھی ہیں، جس سے عیاں ہے کہ آپ کی رنگت بھی والدہ ماجدہ جیسی تھی، نیز شیخ ابن جوزی کی کتاب فضائل کے تناظر میں لکھی گئی، اس لیے انھوں نے ایسی رنگت والوں کا تفوق و امتیاز اُجاگر کرنے کی سعی کی ہے، اسی لیے اسلامی تاریخ کے ذخائر میں سے اُن افراد ذیشان کا تذکرہ لائے ہیں، جن کا مقام و مرتبہ بلند و بالا تھا، لیکن بایں ہمہ وہ رنگت میں سیاہ فام یا پھر حبش سے تعلق رکھنے والے تھے۔ اسی طرح مؤرخ حموی نے بھی "معجم الادباء" میں

۱۷۔ **كتاب المحبَّر**، للشيخ محمد بن حبيب البغدادي، ذكر أبناء الحبشيات، الصفحة ۳۰۸. **تنوير الغبش في فضل السودان والحبش**: للجوزي، الباب الخامس والعشرون، ذكر أبناء الحبشيات من قريش، الصفحة ۲٤٦.

آپ رضی اللہ عنہ کو سیاہ فام باندی کی اَولاد قرار دیا ہے[۱۸]، لیکن یہ بات واضح رہے کہ مذکورہ ائمہ نے ضمنی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے سیاہ فام ہونے کا بیان کیا ہے، کسی نے بھی صریحاً آپ رضی اللہ عنہ کے لیے سیاہ رنگت کا ذکر نہیں کیا، واللہ اعلم۔ لیکن اس کے برعکس شیخ قرمانی نے "أخبار الدول" اور شیخ عصامی نے "سمط النجوم" میں صریحاً آپ رضی اللہ عنہ کی سفید رنگت کو بیان کیا:

وكان أَبيض اللَّوْن ، معتدل الْقَامَة .[۱۹]

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ سفید رنگت اور معتدل جسامت کے حامل تھے۔

مگر ان حضرات کا تعلق چونکہ صدیوں بعد سے ہے اور انھوں نے متقدمین ائمہ یا پھر کسی عینی شاہد کا حوالہ بھی ذکر نہیں کیا، لہٰذا صدیوں بعد کے ایسے بیان کو متقدمین ائمہ کی واضح نصوص اور بالخصوص سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کے معاصر شیخ ابن حبیب بغدادی کی رائے کی روشنی میں قبول نہیں کیا جاسکتا۔

سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کے والدین

آپ رضی اللہ عنہ کے والد اہل بیت کی ممتاز شخصیت اور محدثین وائمہ کے شیخ سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی شخصیت معروف اور چہار دانگ عالم میں مشہور ہے، سابق باب میں ان کے تفصیلی احوال پیش کیے جاچکے ہیں، البتہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں متقدمین ائمہ ومؤرخین کی تصریحات دکھائی نہیں دیں، ہاں صرف ایک قوی شہادت موجود ہے جو سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کے معاصر مؤرخ وماہر انساب شیخ ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی، متوفی ۲۴۵ھ نے "المحبّر" میں بیان کی، اور اسی کو شیخ ابن جوزی نے بھی ذکر کیا ہے: آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حبشی خاتون تھیں[۲۰]۔ تو اسی سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ وہ باندی تھیں۔ اور یہی بات شیخ قرمانی نے بھی "أخبار الدّول" میں بھی بیان کی ہے، جبکہ متاخرین میں سے بعض نے اس پر قدرے اضافہ بھی لکھا، چنانچہ خواجہ محمد پارسا نے "فصل الخطاب" میں لکھتے ہیں:

۱۸۔ **معجم الأباء** : للحموي ، ٥/ ٢٣٠٠ .

۱۹۔ **أخبار الدُّول** ، للقرماني ، ١/ ٣٤٦. **سمط النجوم والعوالي** ، للعصامي المكي ، الباب الأول ، في ذكر نسب الطالبيين ٤/ ١٤٩

۲۰۔ **كتاب المحبَّر** ، للشيخ محمد بن حبيب البغدادي ، ذكر أبناء الحبشيات ، الصفحة ٣٠٨ . **تنوير الغبش في فضل السودان والحبش** : للابن الجوزي ، الباب الخامس والعشرون ، ذكر أبناء الحبشيات من قريش ، الصفحة ٢٤٦ .

آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ باندی تھیں، اوران کانام "خَیزُرَان" تھا۔[21]

نیز شیخ دیار بکری نے بھی "تاريخ الخميس" میں بحوالہ جامی یہی درج کیاہے جبکہ "شواهد النبوة، للجامي" میں مزید نام "ریحانہ" بھی درج ہے[22]۔ تو ان شواہد کی روشنی میں اتنی بات تو صاف ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ باندی تھیں، اور ابن حبیب بغدادی کے مطابق اُن کا تعلق حبش سے تھااور بعض کتب مثلاً "المشجر الكشاف/ بحر الأنساب، (١/ ٧٧)" اور "شواهد النبوة، (الصفحة ٢٠٤)" میں انھیں اُمّ المؤمنین سیّدتنا ماریہ قبطیہ علیہا السلام کے خاندان سے بیان کیاگیا ہے، لیکن دیگر کتب میں اس بات کا ثبوت موجود نہیں۔

خلیفہ مامون کی بیٹی "اُمّ الفضل" سے نکاح

مؤرخین وائمہ کے بیانات میں سیّدنا محمد الجواد اورآپ کے والد سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کی شادی کے بارے میں کافی تضاد پایاجاتاہے، جس میں بطورِ خاص سال و تاریخ کی تعیین میں دشواری دکھائی دیتی ہے، ان میں سے بیشتر متضاد اُمور کی حتی الوسع تطبیق اور قدرے یقینی مؤقف کے دلائل ما قبل سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کے باب میں تحریر ہوئے، چنانچہ یہاں اعادے کی حاجت نہیں۔ الغرض آپ رضی اللہ عنہ کی شادی مامون رشید کی بیٹی سے ہوئی، اس پر تو اہل سنت اور اہل تشیع کے تمام حضرات کا اتفاق ہے، البتہ اس کا نام کیاتھا، اس پر قلیل حضرات کا اختلاف ہے، چنانچہ سیّدنا محمد الجواد رضی اللہ عنہ کے معاصر مؤرخین میں شیخ محمد بن حبیب بغدادی، متوفی ۲۴۵ھ نے "المحبَّر" اور شیخ احمد بن ابی طاہر طیفور، متوفی ۲۸۰ھ "تاريخ بغداد" نے بیان کیاہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا نکاح "اُمّ الفضل بنت مامون رشید" کے ساتھ ہوا، مؤخر الذکر لکھتے ہیں:

وخرج أمير المؤمنين من الشمَّاسيَّة إلى البَردان يوم الخميس صلاة الظهر لستٍّ بقين من المحرَّم سنة خمس عشرة ومائتين وهو اليوم الرابع وعشرون من آذار ثم سار حتَّى أتى تكريت . وفيها قدم محمّد بن علي بن موسى بن جعفر بن محمّد بن على بن الحسين بن علي بن أبي طالب من المدينة في صفر

٢١- **فصل الخطاب**، للشيخ محمد البارسا، الصفحة ٤٤٠ .

٢٢- **تاريخ الخميس**، للدياربكري، ٢/ ٢٨٧ . **شواهد النبوة**، للجامي، في اللغة الفارسية، الصفحة ٢٠٤ .

ليلة الجمعة فخرج من بغداد حتّى لقي أمير المؤمنين بتكريت فأجازه وأمره أن يدخل عليه إمرأته بنت أمير المؤمنين فأدخلت عليه في دار أحمد بن يوسف التي على شاطئ دجلة فأقام بها . فلما كان أيام الحج ، خرج بأهله وعياله حتّى أتى مكة ثم أتى منزله بالمدينة فأقام به . (٢٣)

ترجمہ: امیر المؤمنین ۲۴ محرم، بروز جمعرات، بعد نماز ظہر شماسیہ سے بَردان کی طرف نکلے، پھر آذار سے ہوتے ہوئے تکریت کے مقام پر پہنچے۔ محمد بن علی بن موسی۔۔الخ بھی مدینہ منورہ سے سفر کرتے ہوئے ماہِ صفر بروز جمعہ بغداد سے ہوتے ہوئے یہاں تشریف لائے اور امیر المؤمنین سے ملاقات کی، پس انھوں نے انعامات سے نوازا گیا اور امیر المؤمنین کی بیٹی سے خلوت کی اجازت دی گئی، چنانچہ انھوں نے دَجلہ کے کنارے واقع احمد بن یوسف کے گھر شب باشی فرمائی، اور کچھ روز وہیں قیام کیا، پھر جب ایام حج کا موسم آیا، تو آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے اپنے اہل وعیال سمت نکلے اور مکہ مکرمہ آئے، بعد اَزاں مدینہ منورہ اپنے گھر لوٹے اور وہیں قیام فرمارہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے عقد مبارک میں "اُمّ الفضل بنت مامون رشید" تھی، اس بات کو محدثین ومؤرخین کی اکثریت نے بھی ذکر کیاہے، چنانچہ محمد بن جریر طبری نے "تاريخ الرسل والملوك"، خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد"، ابن جوزی نے "المنتظم"، شیخ ذہبی نے "تاريخ الإسلام"، شیخ جزری نے "الكامل في التاريخ"، شیخ یافعی نے "مرآة الجنان"، ابن خلدون نے "تاريخ ابن خلدون"، ابن عماد نے "شذرات الذهب" اور ابن تغری بردی نے "النجوم الزاهرة" میں متذکرہ بالا اقتباس کی مثل بیان کرتے ہوئے زوجہ کا یہی نام درج کیاہے، نیز ذخائر تاریخ وسیر کے امکان بھر مطالعہ

٢٣- **تاريخ بغداد** ، للابن طيفور البغدادي ، ذكر شخصوص المأمون إلى الشام لغزو الروم ، الصفحة ١٤٤ . **كتاب المحبَّر** ، للشيخ محمد بن حبيب البغدادي ، ذكر أصهار المأمون ، الصفحة ٦٢ .

کے دوران ہمیں جمہور ائمہ کے نزدیک بھی یہی نام معلوم ہو سکا، البتہ شیخ عصامی مکی نے "سمط النجوم" میں لکھا ہے کہ "مامون نے اپنی بیٹی اُمّ حبیب کی شادی آپ رضی اللہ عنہ سے کی"[۲۴]۔ لیکن ہمارا گمان ہے کہ شاید موصوف کو نام کے ذکر میں اشتباہ لاحق ہوا یا پھر کاتب کے سہو سے مخطوطات میں یوں ہی درج ہو تا رہا۔ کیونکہ "اُمّ حبیب بنت مامون رشید" کا نکاح تو سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کے والد امام رِضا رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت پہلے ہو چکا تھا، جس کی تفصیلات ماقبل گزریں، اور مامون کے بیٹیوں میں کسی دوسری اُمّ حبیب کا ذکر معلوم نہیں، لہٰذا جمہور محدثین و مؤرخین کے واضح بیانات اور تعیین شخصیت کی بنیاد پر یہ نتیجہ موزوں ہے کہ "اُمّ حبیب" کا نکاح سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے اور "اُمّ الفضل" کا نکاح سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کی شادی کس سن میں وقوع پذیر ہوئی، اس میں بھی کافی تضاد ہے، جس میں ۲۰۲ھ / ۲۱۰ھ اور ۲۱۵ھ کی تاریخیں بیان ہوئیں، اوّل الذکر سن میں امام رِضا رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی، تو کچھ ائمہ کے نزدیک اُسی مجلس میں امام جواد کا بھی کمسنی میں ہی نکاح کر دیا گیا، اس کے بر خلاف شیخ ابن قتیبہ نے ۲۱۰ھ میں شادی کا قول بیان کیا ہے، جبکہ بقیہ جمہور ائمہ کے نزدیک ۲۱۵ھ کا مؤقف مذکور ہے، ہمارے نزدیک اوّل الذکر سن میں نکاح کا وقوع پذیر ہونا معقول نہیں، البتہ دوسرا اور تیسرا قول مناسب ہے، اس کی مزید بحث ماقبل امام رِضا رضی اللہ عنہ کے باب میں ملاحظہ کریں۔

خلیفہ مامون اور سالانہ لاکھوں دراہم کا تحفہ

مامون نے آپ رضی اللہ عنہ کی شادی کے وقت بھی بیش قیمت تحائف اور اَموال پیش کیے تھے، جیسا کہ شیخ ابن جوزی نے "المنتظم" میں ذکر کیا ہے، لیکن اس کے بعد بھی وہ سالانہ خطیر رقم مدینہ منورہ ارسال کیا کرتا تھا، چنانچہ جب امام محمد الجواد رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ اُمّ الفضل کے ساتھ مدینہ منورہ سکونت پذیر ہوئے، تو مامون دار الخلافہ بغداد سے آپ رضی اللہ عنہ کو سالانہ لاکھوں دراہم بھیجتا رہا۔ اگرچہ یہ اَمر شادی کے بعد ہی دکھائی دیتا ہے، جس میں بیٹی کی رعایت ملحوظ ہو سکتی ہے، لیکن ایسے معاملات میں شفقت پدری کے سبب میلان کا ظاہر ہونا بھی فطری اَمر ہے، جس سے کسی قدغن کی آبیاری غیر معقول ہے۔

شیخ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۲۴۔ **سمط النجوم والعوالي**، للعصامي المكي، الباب الأول، في ذكر نسب الطالبيين ٤/ ١٤٩.

وكان المأمون قد زوجه إياها وأعطاه مالا عظيما، وذلك أن الرشيد كان يجري عَلَى علي بن موسى بن جعفر في كل سنة ثلاثمائة ألف درهم ولنزله عشرين ألف درهم في كل شهر، فقال المأمون لِمحمد بن علي بن موسى لأزيدك على مرتبة أبيك وجدك . فأجرى له ذلك، ووصله بألف ألف درهم .[۲۵]

ترجمہ:مامون نے آپ رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کی شادی کی،اور خطیر اَموال بھی پیش کیے اور چونکہ (مامون)رشید علی بن موسی بن جعفر رضی اللہ عنہ کو سالانہ تین لاکھ دراہم بھیجا کرتا تھا،جوماہانہ اَوسطاً بیس ہزار دراہم کے قریب تھے،پس مامون نے محمد بن علی بن موسی(جواد)سے کہا:میں آپ کووالد کے وظیفے سے بھی زائد دُوں گا،چنانچہ اُس نے رقم اِرسال کرنا شروع کی،حتی کہ وہ دس لاکھ دراہم(سالانہ)تک پہنچ جایا کرتی تھی۔

سالانہ ملنے والی رقم کی متذکرہ مقدار کو اکثر ائمہ نے ذکر کیا[۲۶] ،لیکن شیخ ذہبی نے "دُول الإسلام" میں اس مقدار کا غیر معمولی اضافہ درج کیا: وكان يصله منه في السَّنة خمسون ألف دينار .[۲۷]

ترجمہ:مامون کی جانب سے آپ رضی اللہ عنہ کو سالانہ پچاس ہزار دینار(سونے کے سکّے)ملا کرتے تھے۔

لیکن اس کے برخلاف انھوں نے "العبر"[۲۸] میں بقیہ ائمہ کی مثل دس لاکھ دراہم سالانہ کا ذکر کیاہے،چنانچہ بظاہر ان دونوں بیانات میں تضاد ہے،جس کی تطبیق یوں ممکن ہے کہ شادی کے بعد اَوسطاً بھیجے جانے والی رقم تو دس لاکھ

۲۵۔ **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم** ، للامام ابن الجوزي ، ۱۱/ ٦۲ ، ذكر السنة ۲۲۰هـ .

۲٦۔ **مرآة الجنان** ، لليافعي ، ۲/ ٦۰ ، ذكر السنة ۲۲۰هـ . **منهاج السنة النبوية** ، للشيخ ابن تيمية ، فصل في كلام الرافضي علي محمد بن علي الجواد ، ٤/ ٦۸. **الوافي بالوفيات** ، للصفدي ، ٤/ ۷۹ ، الرقم ۱٥۸۹ . **النجوم الزهراة** ، للشيخ ابن تغري بردي ، ۲/ ۲۸۲ ، ذكر السنة ۲۱۹هـ . **شذرات الذهب** ، للشيخ ابن العماد ، ۳/ ۹۷ .

۲۷۔ **دُول الإسلام** ، للذهبي ، ۱/ ۱۹۱ ، ذكر السنة ۲۲۰هـ .

۲۸۔ **العبر في خبر من غبر** ، للذهبي ، ۱/ ۳۰۰ ، ذكر السنة ۲۲۰هـ .

درہم ہی تھی، البتہ کسی سال پچاس ہزار دینار بھی اِرسال کیے ہوں گے۔ نیز شیخ ذہبی نے اسی کتاب میں دیئے جانے والی رقم کو "أداء کریم" کے وصف سے بیان کیا ہے، جس سے یہ رقم بارِ گراں کی زَد سے نکل کر خلوص و محبت کے راہیں اُستوار کرتی معلوم ہوتی ہے، البتہ قلوب واَحوال کی صداقتوں سے ربّ العالمین جل جلالہ ہی واقف ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ شیخ سیّد اشرف جہانگیر سمنانی نے "لطائف أشرفي"[۲۹] میں سالانہ ایک ہزار درہم کی تعداد بیان کی ہے، جبکہ سابق ائمہ کی توضیحات کے پیش نظر یہ رقم انتہائی معمولی اور غیر مناسب ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ کاتب وجامع ملفوظات سے غفلت ہوئی، یاپھر سیّد موصوف کو ہی اشتباہ لاحق ہوا، چنانچہ یہ قول کسی بھی طرح امام محمد جواد رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان اور پھر بادشاہ مامون کی وسیع سلطنت کے مطلق العنان حاکم ہونے اوراپنی بیٹی کے شوہر کو سالانہ اتنا کمتر اور بے وقعت عطیہ دینے سے میل نہیں کھاتا، فافہم۔

اَولاد وجانشین

آپ رضی اللہ عنہ کی اَولاد میں سے جن کے بارے میں معلوم ہوسکا، اُن کے اسمائے گرامی اور تفصیلات یوں ہیں:

۱۔ جعفر ثانی المعروف علی بن محمد جواد

مؤرخ امام الدین احمد نقوی گلشن آبادی، متوفی ۱۳۳۱ھ نے "تذکرۃ الأنساب" میں ہندوستان کے "سیّد شاہ طہ شطاری" کا سلسلہ نسب بیان کرتے ہوئے انھیں سیّد جعفر ثانی بن امام محمد تقی المعروف جواد رضی اللہ عنہ کی اَولاد ذکر کیا ہے، نیز انھوں نے بیان کیا ہے کہ سیّد شاہ طہ شطاری گجرات و دکن میں فیض رساں رہے اور ۲۴ ربیع الاوّل ۱۲۴۶ھ کو وصال پاکر "پیپل نار" کے مقام پر مدفون ہوئے۔ مؤرخ ہذا نے ابتدائے عنوان میں "حضرت جعفر ثانی المعروف علی" کو امام الجواد رضی اللہ عنہ کا صاحبزادہ تحریر کیا ہے[۳۰]۔ ہمیں ان کے علاوہ کسی معتبر ماخذ سے صاحبزادے کی تائید نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم

۲۹۔ **لطائف أشرفي**، للسیّد أشرف السمناني، في اللغة الفارسية، ۲/ ۳۵۶، المترجم في اللغة الأردية، ۳/ ۵۶۲.

۳۰۔ **تذكرة الأنساب**، للشيخ أحمد المذكور، الصفحة ۲۲۷-۲۲۶.

۲۔ حسن بن محمد جواد

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "نزهة الألباب في الألقاب" اور خواجہ پارسا نے "فصل الخطاب"[۳۱] میں انھیں آپ کی اَولاد شمار کیا ہے۔ ابن حمدون نے "التذكرة الحمدونية"[۳۲] میں ان کے درج ذیل ملفوظات نقل کیے ہیں:

- شرٌّ مِن المرزئة سوءُ الخلف . مَن أقبل مع أمر ولّى مع انقضائه . راكبُ الحرُون أسيرُ نفسه والجاهلُ أسيرُ لسانه . المراءُ يفسدُ الصداقةَ القديمة ويحلّل العُقدَةَ الوثيقة . وأقلُّ ما فيه المغالبةُ ؛ والمغالبةُ أمتن أسباب القطيعة .
- مَنْ مَدَحَ غَيْرَ المستحقّ للمدح فقد قام مقام المتّهم .
- ادفع المسألة ما وجدتَ المحملَ يمكنك ، فإن لكلّ يوم خيراً جديداً .
- حُسْنُ الصورةِ جمالٌ ظاهرٌ ، وحُسْنُ العقلِ جمالٌ باطنٌ .
- اعلم أنّ للحَيَاءِ مِقدَاراً ، فإنْ زاد عليه فهو حَصَرٌ ، وللجُوْدِ مقداراً ، فإنْ زاد عليه فهو سَرِفٌ ، وللحَزمِ مقداراً ، فإن زاد عليه فهو جُبنٌ ، وللإقتصاد مقداراً ، فإن زاد عليه فهو تَهوُّرٌ.

۳۔ حسین بن محمد جواد

شیخ محبی حموی نے "خلاصة الأثر" میں ابو الغیث بن محمد شجر القدیمی کا نسب نامہ تحریر کرتے ہوئے "حسین" کو امام محمد الجواد رضی اللہ عنہ کی اَولاد میں ذکر کیا ہے اور یہ متذکرہ بزرگ علمی وروحانی اعتبار سے اہل علم کے یہاں معروف اور ان کا خاندان ونسب بھی مشہور ہے، چنانچہ اَنساب کے اس معروف سلسلے کا امام محمد الجواد رضی اللہ عنہ سے منتسب ہونا بھی شکوک سے بالاتر ہے، اسی لیے ہم ان کے شجرہ نسب سے آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے "حسین" کا تمسک کر رہے ہیں، شیخ محبی نے اسی خاندان کی دو شخصیات کے نسب کو الگ الگ مقامات پر بیان کیا، چونکہ جانب فوق پر اتصال نسب "حسین بن محمد جواد" پر مشترک، اسی لیے مقدم النسب کی عبارت پر اکتفا کیا جاتا ہے، البتہ حاشیہ میں دونوں کے حوالہ جات درج ہیں:

۳۱۔ **نزهة الألباب في الألقاب** ، للعسقلاني ، ۱/ ۱۹۷ ، الرقم ۷۰۶. **فصل الخطاب** ، للشيخ محمد البارسا ، الصفحة ٤٤١ .

۳۲۔ **التذكرة الحمدونية** ، للشيخ ابن حمدون ، المجلد الاول ، الصفحة ۲۷۷-۲۷۵ ، الرقم ۷۲٤-۷۲۱ ، ۷۱۷ .

الشيخ أبو الغيث بن محمد شجر القديمي وينتهي نسبه إلى الشريف القديمي ابن الشَّجر بن أبي بكر بن محمد بن إسماعيل بن أبي بكر العربادي ابن علي بن محمد النجيب ابن حسن بن يوسف بن حسن بن يحيى بن سالم بن عبد الله بن حسين بن آدم بن إدريس بن **حسين بن محمد التَّقي الجواد ابن علي الرضا ابن موسى الكاظم** ابن جعفر الصادق ابن محمد الباقر ابن علي زين العابدين ابن الحسين السبط ابن علي بن أبي طالب رضي الله عنهم هكذا نقل نسب السادة بني القديمي العلامة محمد بن أبي بكر الأشخر في رسالته .(۳۳)

شیخ محبی حموی نے اسی کتاب میں شیخ ابو بکر بن ابی القاسم المعروف صائم الدہر کے نسب نامہ کا اتصال بھی "حسین بن محمد تقی الجواد رضی اللہ عنہ" کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ بزرگ بھی صاحب کرامات اور مشائخ طریقت میں سے گزرے ہیں، انھوں نے ۱۰۰۲ھ میں وصال کیا(۳۴)۔ پس اس طرح دو مختلف خاندانوں میں "حسین بن محمد جواد" کی اَولاد کا تسلسل معلوم ہوتا ہے، جس سے متذکرہ بالا عنوان کی بھی تقویت و تائید ہوتی ہے۔

۴۔ عبد اللہ بن محمد جواد

مؤرخ مذکور نے اسی مقام پر انھیں بھی امام محمد جواد رضی اللہ عنہ کا صاحبزادہ لکھا ہے، البتہ سلسلہ اَنساب میں ان کی نظیر پیش نہیں کی۔ ان کے بارے میں مزید معلومات میسّر نہیں۔ واللہ اعلم

۵۔ علی بن محمد جواد

اپنی نسبی شہرت اور ائمہ اہل بیت میں سے ہونے کے لحاظ معروف ہیں، ان کے بارے میں آگے مستقل باب میں کلام پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالی

۳۳۔ خلاصة الأثر ، للمحبي الحموي ، ۱/ ۱۳۹ ، ۳/ ٤٧٨.

۳۴۔ خلاصة الأثر ، للمحبي الحموي ، ۱/ ٦٤.

٦۔ موسی مبرقع بن محمد جواد

سیّدنا محمد الجواد رضی اللہ عنہ کے معروف صاحبزادے ہیں، بکثرت ائمہ ومؤرخین نے انھیں آپ رضی اللہ عنہ کی اَولاد میں شمار کیاہے، بعض حضرات کی رائے میں آپ رضی اللہ عنہ کا لقب مبرقع تھا، جیساکہ امام زبیدی نے "تاج العروس" میں لکھا:

اَلْمُبَرْقَعُ : لقب موسى بن محمد بن علي بن موسى الكاظم ، الحسيني ، المدفون بقُمّ ، ويقال لولده الرَّضَوِيُّوْنَ.(٣٥)

اور لغوی طور پر مبرقع اُس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی کو گھیر لے، اسی طرح موسیقی کی ایک قسم کو بھی یہی کہا جاتا ہے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو اس لقب سے یاد کیے جانے کا سبب یہ مشہور ہے کہ آپ بہت زیادہ خوبصورت اور جاذبِ رنگت کے حامل تھے، جس کی وجہ سے اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتے، اسی لیے لوگ آپ کو مبرقع کہنے لگے۔ آپ کے مختصر اَحوال کتب تاریخ میں خال خال دکھائی دیتے ہیں، بعض شیعی حضرات نے ان کے احوال وآثار پر مستقل تالیفات بھی تحریر کی ہیں، جن میں حسین النوری کی "البدر المشَعْشَعْ في أحوال ذرّية موسى المبرقع" (ذكره الزركلي في الأعلام) اور محمد بن اسماعیل طہرانی کی "رسالة في أحوال موسى المبرقع" (ذكره في معجم المؤلفين) معروف ہیں۔ یہاں واضح رہے کہ صفحات تاریخ میں صرف آپ ہی اس لقب سے معروف نہیں، بلکہ دیگر شخصیات بھی گزری ہیں، بلکہ کتب تاریخ میں زیادہ تر جب یہ لقب مستعمل ہو تو اس سے مراد "ابوالحرب یمانی" ہے، البتہ ہمارے مطالعے میں درج ذیل افراد آسکے، جن کے اجمالی ذکر پر اکتفاء کر رہے ہیں، تاکہ قارئین التباس سے محفوظ رہیں۔

- ❖ مبرقع بن منصور۔ (الفتوح لابن الاعثم: ٣/٣٥)
- ❖ مبرقع بن وضاح خولانی۔ (الفتوح لابن الاعثم: ٣/١١٢)
- ❖ ابوالحرب مبرقع یمانی۔ (المنتظم لابن الجوزی: ١١/١١٧)
- ❖ ابو جعفر مبرقع ہاشمی، ساکن انطاکیہ۔ (بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب لابن العدیم: ١٠/٤٣٧٧)
- ❖ خلف بن سعید المعروف ابن المبرقع الکلبی، محتسب قرطبہ۔ (الوافی بالوفیات للصفدی، ١٣/٢٢٧)

٣٥۔ تاج العروس من جواهر القاموس : للزبيدي ، ٢٠/ ٣٢٢ .

مذکورۃ الصدر کے علاوہ خواجہ محمد پارسا نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے "فصل الخطاب" میں "حَكِيْمَة ، بُرَيْهَة ، أُمامَة ، فَاطِمَة" بیٹیوں کا بھی ذکر کیا ہے[۳۶]، جبکہ مؤرخ وماہر انساب عمید الدین حسینی نے "المشجّر الکشّاف" میں "حَلِيمَة ، خَدِيجَة ، أُمّ كُلثُوم ، أُمامَة ، فَاطِمَة" ناموں کو بیان کیا ہے[۳۷]۔ البتہ ہمیں بیٹیوں کے بارے میں دیگر مصادر سے شواہد نہیں مل سکے۔ واللہ اعلم

کیا سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کی نسل صرف دو بیٹوں سے چلی؟

بیشتر سوانح نگار اور بعض مؤرخین جبکہ اہل تشیع کی اکثریت کا رجحان اس جانب ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نسل کا سلسلہ صرف دو صاحبزادوں یعنی سیّدنا علی نقی اور موسیٰ مبرقع سے جاری ہوا، جن میں سے مؤخر الذکر کی نسل زیادہ نہ پھیل سکی، البتہ امام نقی رضی اللہ عنہ کی نسل بکثرت ہوئی، لیکن یہ بات حقائق اور دنیا میں موجود بقیہ صاحبزادوں کی نسل سے جاری ہونے والے سلاسل وخاندانوں کے انساب کی بنیاد پر مخدوش ہو جاتی ہے، چنانچہ کئی معروف علمی وروحانی خانوادے ایسے ہیں، جن کا نسب آپ رضی اللہ عنہ کے دیگر صاحبزادوں کی نسبت سے جاری ہو کر اطراف واکناف عالم میں فروغ پذیر ہوا، جس سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ قول "صرف دو صاحبزادوں ۔۔ یا ایک ہی صاحبزادے کی نسل باقی رہی" ہرگز درست نہیں۔ ماقبل عنوان کے تحت جن ابو الغیث بن محمد شجر القدیمی کا ذکر گزرا، یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے "حسین" کی نسل سے ہیں، دسویں صدی ہجری کے اکابر اولیاء اور صاحب تصرف تھے، مکہ مکرمہ، یمن، حجاز مقدس میں ان کا خاندان معروف اور صاحب وجاہت رہا، مکہ مکرمہ میں ۱۰۱۴ھ میں وصال ہوا اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے، شیخ محبی وغیرہ حضرات نے ان کے حالات لکھے ہیں، پس دسویں صدی تک "حسین بن جواد" کی نسل کا ایسی شہرت اور صاحب وقار خاندان کی صورت میں باقی رہنا ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی نسل صرف دو صاحبزادوں میں ہی منحصر نہیں، جیسا کہ بیشتر حضرات کا گمان ہے۔

۳۶- فصل الخطاب ، للشيخ محمد البارسا ، الصفحة ٤٤١ .

۳۷- المشجر الكشاف مع بحر الأنساب ، للحسيني النجفي ، ۱/ ۷۸-۷۷.

تعلیم وتربیت اور اَساتذہ

خلیفہ مامون نے سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کو ۲۰۰ھ میں طلب کیا، تو آپ مدینہ منورہ سے عازم سفر ہوئے اور اس وقت سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کی عمر صرف پانچ سال تھی، یعنی انھیں والد سے اکتساب علم وفیض کے لیے کمسنی کے سبب موقع ہی میسّر نہیں آیا، پھر امام رِضا رضی اللہ عنہ کی غریب الوطنی کے دوران ہی ۲۰۳ھ میں شہادت ہوگئی اور دریں حال شہزادے کی عمر صرف آٹھ سال تھی، چنانچہ ان تین سالوں کے درمیان انھیں والد گرامی کی صحبت نہ مل سکی، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے انتہائی کم عمری یعنی پانچ سال تک جو ابتدائی تعلیمات والد سے حاصل کیں، بس وہی آپ رضی اللہ عنہ کے لیے یادگار رہیں، اس تناظر میں دیکھا جائے تو آپ رضی اللہ عنہ کے اوّلین اساتذہ میں سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کی شخصیت فطری طور پر معلوم ہوتی ہے، لیکن اس اکتساب کو کسی عنوان سے موسوم کرنا غور وفکر کا متقاضی ہے، بہر حال والد کے بعد مدینہ منورہ میں آپ نے کن حضرات اہل بیت وائمہ حدیث سے تعلیم حاصل کی، اس بارے میں کتب اہلسنّت خاموش ہیں، قرین قیاس یہی ہے کہ اہل بیت کی دیگر مقتدر شخصیات اور بالخصوص امام کاظم رضی اللہ عنہ کی اَولادوں سے تعلیم وتربیت کا تعلق رہا ہوگا، جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد نے بھی اہل بیت کے علاوہ عبد الرحمن بن ابی الموالی اور عبید اللہ بن ارطاۃ بن منذر وغیرہ سے اکتساب کیا اور یوں ہی آپ کے دادا سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ نے عبد الملک بن قدامہ اور امام مالک بن انس سے علم روایت میں استفادہ کیا تھا۔ لیکن آپ کے بارے میں یہ بھی محض ایک اندازہ ہی ہے، حتمی رائے نہیں، چنانچہ ہمیں افسوس ہے کہ ہم کسی مستند ماخذ سے اس بارے میں کوئی مواد پیش کرنے سے ہنوز قاصر ہیں۔

"لَعَلَّ اللهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا.(الطلاق :٦٥/ ٠١)"

البتہ دوران تالیف "تاريخ دمشق الكبير" میں صرف ایک عبارت ایسی دکھائی دی، جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے سفر نیشاپور سے متعلق واقعے کو "ابو علی احمد بن علی خزرجی" سے، انھوں نے ابو الصلت ہروی سے روایت کیا ہے، اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ میں ہوں، لیکن اس معاملے میں دو اشکال ہیں، پہلا یہ ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہاں "محمد بن علی بن موسیٰ" سے مراد کوئی دوسری شخصیت ہو، کیونکہ سند میں جو شیخ خزرجی مذکور ہیں، وہ مجہول الحال ہیں، اسی لیے ان کے تلامذہ اور دیگر اُمور پر حتمی رائے نہیں دی جاسکتی، لیکن ان کا ابو الصلت

ہروی سے روایت کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ خود سیّدنا محمد جواد کے معاصرین میں سے ہیں، لہٰذا اسی بنا پر گمان ہے کہ اس مقام پر "محمد بن علی بن موسی" سے مراد آپ ہی ہوں، نیز اس طبقے میں مناسبت اِسمی رکھنے والوں کا امکان بھی دکھائی نہیں دیا، تو یوں پختہ ہوتا ہے کہ شیخ خزرجی بھی اُن افراد میں سے ایک ہیں، جن سے سیّدنا محمد جواد نے جزوی طور پر علم روایت میں استفادہ کیا۔ هذا ما ظهر لي والعلم عند الله.

امام عساکر کی اس عبارت کا سیاق وسباق اور دیگر علمی کلام ما قبل سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کے باب میں بھی گزر چکا، البتہ ہم یہاں صرف مناسبت بالا کے پیش نظر عبارت کے اعادے پر مکتفی ہیں:

أخبرنا أبو محمد بن الأكفاني ، حدثنا أبو محمد الكتاني ، أنبأنا أبو المعالي فضل بن محمد الهروي الفقيه ، حدثنا أبو الحسن محمد بن يحيى ، حدثنا **أبو الفضل ، حدثنا محمد بن علي بن موسى ، حدثنا أبو علي أحمد بن علي الخزرجي** ، حدثنا أبو الصلت الهروي قال :

كنت مع علي بن موسى الرضا فدخل نيسابور وهو راكب بغلة شهباء أو أشهب ، قال أبو الصلت : الشك مني . وقد عدوا في طلبه فتعلقوا بلجامه وفيهم ياسين بن النضر ، قالوا : يابن رسول الله بحق آبائك الطاهرين حدثنا بحديث سمعته من أبيك . فأخرج رأسه من العمارية ، فقال : حدثني أبي الرجل الصالح موسى بن جعفر ، حدثني أبي الصادق جعفر بن محمد ، حدثني أبي محمد بن علي ، حدثني أبي علي بن الحسين ، حدثني أبي الحسين ابن علي ، حدثني أبي علي بن أبي طالب ، قال : سمعت رسول الله (صلى الله عليه وسلم) يقول : سمعت جبريل يقول : قال الله عزّ وجلّ :

أنا الله الذي لا إله إلا أنا ، يا عبادي ! فمن جاء منكم بشهادة أن لا إله إلا الله بالإخلاص، دخل في حصني ومن دخل في حصني، أمن عذابي . (۳۸)

ترجمہ: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اے میرے بندو! تم میں سے جو کوئی اخلاص کے ساتھ "لا الہ الا اللہ" کی گواہی دیتا ہوا آئے، وہ میرے قلعے (پناہ) میں داخل ہو گا اور جو میرے قلعے میں داخل ہو جائے، میرے عذاب سے محفوظ ہو گا۔

الغرض سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کو کم عمری کے سبب زیادہ تعلیم واکتساب کا موقع نہیں مل سکا، اسی لیے ائمہ حدیث کے یہاں ان کی مرویات منقول نہیں، اور شاید یہی وجہ تھی کہ اہل بیت سے والہانہ عقیدت رکھنے اور ان کی سوانح کو سب سے زیادہ محفوظ کرنے والے امام شمس الدین ذہبی کو بھی یہ کہنا پڑا:

وَابْنُهُ مُحَمَّدٌ الجَوَادُ ؛ مِنْ سَادَةِ قَوْمِهِ ، لَمْ يَبْلُغْ رُتْبَةَ آبَائِهِ فِي العِلْمِ وَالفِقْهِ. (۳۹)

ترجمہ: ان کے بیٹے محمد جواد بھی قوم کے سرداروں میں سے تھے۔ البتہ انھیں علم وفقہ میں اپنے آبائے گرامی جیسا مقام حاصل نہیں ہو سکا۔

تلامذہ وفیض یافتگان

آپ رضی اللہ عنہ کی عمر صرف پچیس (۲۵) سال ہوئی، جس میں اکتساب فیض کی باقاعدہ مجالس کا انعقاد اور تدریس وتعلیم کا تسلسل منظّم ومستحکم نہ ہو سکا، مزید برآں والد گرامی کا وصال، خلیفہ وقت کی بغداد طلبی، وہاں سکونت وقیام اور پھر دوبارہ مدینہ منورہ مراجعت کے مراحل نے آپ رضی اللہ عنہ کو اتنی مہلت ہی نہ دی، کہ کسی مسند تدریس کو باقاعدہ رونق بخشتے اور اپنے والد کی طرح مسجد نبوی میں علم وفیض کی آبیاری کرتے، لیکن بایں ہمہ قلیل العمری کے باوجود کچھ حضرات نے آپ رضی اللہ عنہ سے اَحادیث روایت کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حدیث اور معارف واَسرار کی بابت کچھ حضرات کو انتقال علم کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا، چونکہ ائمہ نے کتب وتواریخ میں آپ رضی اللہ عنہ کا بہت ہی مختصر تذکرہ

۳۸۔ تاريخ مدينة دمشق ، للإمام ابن عساكر ، ٤٨/ ٣٦٦ ، الرقم ٥٦٢٧ . رقم الحديث ١٠٤٥٧ .

۳۹۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ١٣/ ١٢١ ، الرقم ٦٠ ، تحت العنوان : المنتظر .

زیب قرطاس کیاہے،اسی لیے تفصیلی و حتمی طور پر تلامذہ و فیض یافتگان کی بابت عقدہ کشائی نہیں کی جاسکتی،البتہ ذیل میں تلاش و تتبع کے بعد جن حضرات کے بارے میں معلوم ہو سکا،اُن کے اجمالی بیان پر اکتفاء کیاجارہاہے اور یہاں واضح رہے کہ ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی فہرست میں صرف اُن ہی افراد کو شمار کیا، جنھیں اہلسنّت ائمہ یا معتبر تواریخ میں ذکر کیا گیاہے،اگرچہ اُن تلامذہ میں اکثر رُواۃ محدثین کے نزدیک علمی اعتبار سے ضعیف ٹھہرتے ہیں، لیکن اس سے ہمارے مدعا پر حرف نہیں آتا، کیونکہ ہم ماقبل بیان کرچکے کہ آپ نے قلیل عمرپائی اور مسند تدریس کو بھی رونق نہیں بخشی، تو ایسے میں جم غفیر کے باضابطہ سماع وکسب فیض کرنے امکانات ویسے ہی معدوم وکمیاب ہو جاتے ہیں، البتہ ممکن ہے کہ تلامذہ میں کچھ افراد ایسے بھی رہے ہوں، جن کا علمی تفوق مسلّم ہو، لیکن حوادثِ زمانہ کے گرداب انھیں نگاہوں سے اُوجھل کر گئے۔

ہم نے اہلسنّت کی قید اس لیے ذکر کی ہے کیونکہ اہل تشیع کے یہاں آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی خاصی کثیر تعداد بیان کی گئی ہے، چنانچہ صرف خطیب سیّد محمد کاظم قزوینی نے "الإمام الجواد من المهد إلى اللحد"[۴۰] میں شیخ عبد اللہ مامقانی کی "تنقيح المقال في علم الرجال" ابوالقاسم خوئی کی "معجم رجال الحديث" اور شیخ طوسی وغیرہ کی مختلف کتب سے (۲۷۳)اَصحاب و تلامذہ کی فہرست مرتب کی، جس میں خواتین بھی شامل ہیں۔ لیکن ہم بوجوہ اُن کو یہاں شامل نہیں کررہے، اگرچہ ذیل میں جن افراد کے اسماء درج ہیں، اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں؛ جنھیں اہلسنّت ائمہ مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتب تشیع سے ہی نقل کیاہے، لیکن ہم عسقلانی کی نقل پر اعتماد کرتے ہوئے انھیں شامل کررہے ہیں۔ اور بعض رُواۃ پر حافظ عسقلانی نے صریحاً جرح ذکر کی اور بعض پر مطلقاً کلام نہیں کیا، جس سے ارتفاع ضعف یا مجہول الحال ہونے کا گمان ہوتاہے۔ ان رجال کی جرح وتعدیل اور ائمہ حدیث کے نزدیک ثقاہت وضعف کی تحکیم تو ہمارا مقصود نہیں، اسی لیے ہم صرف ایراد پر انحصار کررہے ہیں۔

۱. أبو الفَضْل .[۴۱]

امام ابن عساکر دمشقی نے اپنی سند کے ساتھ سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کا سفر نیشاپور میں ائمہ کو حدیث بیان کرنا ذکر کیاہے، جس کا تفصیلی ذکر اوراَخذ نکات ماقبل باب میں بیان ہوچکے، چنانچہ اسی واقعے کی سند میں متذکرہ نام درج ہے، لیکن ہمیں

۴۰- **الإمام الجواد من المهد إلى اللحد**، للخطيب الكاظم القزويني الشيعي ، ۲/ ۳۹۷-۲٤٥.

۴۱- **تاريخ مدينة دمشق**، للابن عساكر ، ٤٨/ ٣٦٦ ، تحت الترجمة : الفضل بن محمد أبو المعالي الهروي الفقيه ، الرقم ٥٦٢٧ .

اس کی تعیین نہ ہوسکی، کہ صاحب کنیت کا نام ونسب کیا ہے؟ البتہ اہل تشیع کی متذکرہ بالا کتاب میں اس کنیت کے ساتھ صرف ایک ہی شخصیت کا ذکر ہوا اور وہ "ابو الفضل خراسانی" ہے۔ واللہ اعلم

۲. إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّد الأَنْبَارِيُّ ، أو الـهَمَذَانِيُّ . (۴۲)

حافظ عسقلانی نے انھیں بحوالہ طوسی ذکر کرتے ہوئے لکھا: انھوں نے امام ابوجعفر جواد رضی اللہ عنہ سے اکتساب علم کیا ہے، جبکہ اسی مقام پر شیخ ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ان کے بارے میں مجہول الحال ہونے کو بیان کیا ہے۔ اہل تشیع کے یہاں "ابراہیم بن محمد ہمدانی" اور "ابراہیم بن خضیب الانباری" دو مختلف شخصیات ہیں، البتہ حافظ عسقلانی کا رُجحان بحوالہ طوسی اوّل الذکر کی جانب ہے، جیسا کہ انھوں نے صریحاً ذکر بھی کیا اور یہ اہل تشیع کے یہاں معروف ہیں، حتی کہ "الإمام الجواد من المهد إلى اللحد" میں ان کی ائمہ اہل بیت سے مراسلت اور سماع و نقل احادیث کو بھی بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اس تناظر میں ابن حزم کا بیان معنی خیز نہیں رہتا اور اگر بالفرض مراد "ابراہیم بن خضیب الانباری" ہو، تو وہ بھی مجہول الحال نہیں (۴۳)۔ فافہم

۳. أَيُّوْبُ بْنُ نُوْح بْنِ دَرَّاج ، النَّخَعِيُّ ، مَوْلَاهُمْ الكُوْفِيُّ . (۴۴)

سیّدنا رِضا بن موسی کاظم رضی اللہ عنہ اور سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ دونوں ہی سے احادیث روایت کرتے، نیز ان حضرات کی وکالت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، ان سے محمد بن علی بن محبوب، احمد بن محمد بن خالد، سعد بن عبد اللہ قمی، عبد اللہ بن جعفر حمیری، محمد بن حسن الصفار اور ابوجعفر الرزّاد نے اَحادیث روایت کی ہیں، جیسا کہ "لسان المیزان" میں ہے۔ اہل تشیع میں سے کاظم قزوینی نے تو تلمیذ لکھا، لیکن محقق قرشی نے تلامذہ میں شمار نہیں کیا (۴۵)۔

۴۲- لسان الميزان ، للعسقلاني ، ۱/ ۳۵۷ ، الرقم ۲۹۱.

۴۳- الإمام الجواد من المهد إلى اللحد ، للقزويني ، ۲/ ۲۴۹، و ۲۴٦ . موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي ، ۳۲/ ۱۷۰. ملتقطاً .

۴۴- لسان الميزان ، للعسقلاني ، ۲/ ۲۵۷ ، الرقم ۱۳۸۸ .

۴۵- الإمام الجواد من المهد إلى اللحد ، للكاظم القزويني ، ۲/ ۲۷۰ .

٤. جَعْفَرُ بْنُ دَاوُدَ ، اليَعْقُوْبِيُّ .(٤٦)

حافظ عسقلانی نے انھیں آپ رضی اللہ عنہ کا تلمیذ لکھنے کے بعد کوئی جرح بیان نہیں کی، یا تو انھیں موصوف کے احوال معلوم نہ ہوسکے، یا پھر ان کے نزدیک ان پر کوئی بھاری علمی قدغن نہ تھی، واللہ اعلم۔ اہل تشیع میں سے قزوینی اور قرشی دونوں نے ہی بحوالہ "رجال الطوسي" تلامذہ میں شمار کیا ہے(٤٧)۔

٥. جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَزِيْدَ .(٤٨)

شیخ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" اور شیخ صفدی نے "الوافي بالوفيات" میں انھیں اور محمد بن مندہ بن مہر بزد کو ایک حدیث کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے ضمناً آپ رضی اللہ عنہ کا تلمیذ شمار کیا ہے۔ اہل تشیع کے یہاں ان دونوں کا تذکرہ موجود نہیں۔

٦. حَسَنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي عُثْمَانَ ، الكُوْفِيُّ ، يلقّب سَجَّادَةْ .(٤٩)

اہلسنّت میں سے صرف حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ طوسی بیان کیا۔ ان کے احوال معلوم نہیں، البتہ اہل تشیع کے یہاں "ضعیف" شمار ہوتے ہیں، جبکہ بعض نے انھیں غالی کہا، جیسا کہ قزوینی نے بحوالہ "رجال الكشي" اور باقر قرشی نے "رجال الطوسي" اور "رجال الكشي" دونوں سے تضعیف وفساد عقیدہ بیان کیا ہے(٥٠)۔ چنانچہ یہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے یہاں بالاتفاق ضعیف ومتروک ہیں۔

٤٦- **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ٢/ ٤٥٢ ، الرقم ١٨٤١ .

٤٧- **موسوعة سيرة أهل البيت** ، للقرشي ، ٣٢/ ١٧٩. **الإمام الجواد من المهد إلى اللحد** ، للخطيب الكاظم القزويني الشيعي ، ٢/ ٢٧٣ .

٤٨- **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٤/ ٨٩ ، الرقم ١٢٦١. **الوافي بالوفيات** ، للصفدي ، ٤/ ٧٩. **الأئمة الاثنا عشر** ، لابن طولون ، الصفحة ١٠٣.

٤٩- **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ٣/ ٨٨ ، الرقم ٢٣٣٨.

٥٠- **موسوعة سيرة أهل البيت** ، للقرشي ، ٣٢/ ١٨٣. **الإمام الجواد من المهد إلى اللحد** ، للخطيب الكاظم القزويني الشيعي ، ٢/ ٢٧٨ .

۷. عَبْدُ الْعَظِيمِ بْنُ عَبْدِ الله ، الحَسَنِيُّ . (۵۱)

شیخ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں ان سے بصیغہ جزم محمد الجواد رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے۔ ہمیں کتب جرح وتعدیل میں اس نام کی ایک ہی شخصیت دکھائی دی، جن کا نام ہے: "عبد العظيم بن عبد الله بن يزيد بن مقسم الشهير ابن ضبة ، أبو محمد ، الثقفي ، المصري" ان کے والد عبداللہ بن یزید "طبقہ تاسعہ" سے تعلق رکھتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے انھیں "صدوق" اور ذہبی نے "شیخ" ذکر کیا ہے، ان کی وفات ۲۰۷ھ کی دہائی میں ہوئی، انہی کے بیٹے "عبد العظیم" ہیں، امام بخاری نے "التاريخ الكبير"، امام مسلم نے "الكنى والألقاب"، ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعديل"، حافظ مزی نے "تهذيب الكمال" اور ابونعیم نے "معرفة الصحابة" میں ان کا ذکر کیا ہے، جبکہ بعض نے ان کی مرویات بھی نقل کی ہیں، نیز ابن ابی حاتم رازی نے اسی مقام پر لکھا: میرے والد نے ان سے اَحادیث لکھی ہیں۔ چنانچہ جرح وتعدیل کے جبل کبیر کی ضمنی توثیق انھیں ضُعف سے نکالنے اور ثقاہت کے شمار میں لانے کی لیے کافی ہے، جبکہ امام ابن حبان نے تو انھیں صریحاً "كتاب الثقات" میں ذکر کیا ہے (۵۲)، پس اس طرح یہ تلمیذ جواد رضی اللہ عنہ بقیہ رُواۃ سے علمی مقام کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔

رجالِ حدیث میں سے یہی متذکرہ پدری نسبت کے ساتھ معروف ہیں، اور یہ سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کے معاصر بھی ہیں، چنانچہ قرین قیاس ہے کہ انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے سماع حدیث کیا، لیکن خطیب بغدادی نے نسب میں "حسنی" تحریر کیا، تو ممکن ہے کہ سہواً ایسا ہوا، کیونکہ اس نام کی کسی دوسری شخصیت کا سراغ ورق گردانیوں کے باوجود نہیں مل سکا، البتہ اہل تشیع کے یہاں نسبت "حسنی" سے ہی ایک ثقہ وزاہد شخصیت کو آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ومصاحبین میں بیان کیا گیا اوران کا نسب یوں ہے: عبد العظیم بن عبد اللہ بن علی بن حسن بن زید بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ (۵۳)۔ پس اگر یہ دُرست ہو، تو یہ

۵۱۔ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٤/ ٨٩ ، الرقم ١٢٦١.

۵۲۔ **التاريخ الكبير** ، للبخاري ، ٦/ ١٣٧ ، الرقم ١٩٤٦، و٨/ ٣٥٨، الرقم ٣٣٢٣ . **الكنى والألقاب** ، للامام مسلم ، ٢/ ٧٥٠ ، الرقم ٣٠٤٥ . **الثقات** ، للامام ابن حبان ، ٨/ ٤٢٤ . **الجرح والتعديل** ، للامام ابن أبي حاتم ، ٦/ ٥٣ . **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ١٦/ ٣٠٥ ، الرقم ٣٦٥٨ ، و٣٢/ ٢٥١، الرقم ٧٠٥٥. **معرفة الصحابة** ، لابي نعيم ، ٥/ ٢٤٠٥ ، تحت الرقم ٥٨٨٦ .

۵۳۔ **موسوعة سيرة أهل البيت** ، للشريف القرشي الشيعي ،٣٣/ ٢٤٤ .

دوسری شخصیت ہیں، اورایسی صورت میں متذکرہ توجیہ کالعدم ہوگی۔ لیکن یاد رہے کہ اہل تشیع میں سے باقر شریف قرشی نے انھیں سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں شمار نہیں کیا، بلکہ صرف علی نقی رضی اللہ عنہ کا تلمیذ لکھا، جبکہ کاظم قزوینی نے دونوں کا تلمیذ گردانا ہے(۵۴)۔ لہٰذا ان اُمور کو دیکھتے ہوئے اہلسنّت کے یہاں بیان کیے گئے متذکرہ راوی کو مراد لیے جانے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے، واللہ اعلم۔

۸. **مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ ، اَلرَّازِيُّ .** (۵۵)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں ابن بابویہ کی "تاريخ الرَّي" کے حوالے سے آپ رضی اللہ عنہ کا تلمیذ شمار کرتے ہوئے غالی شیعہ لکھا ہے۔ جبکہ اہل تشیع کے یہاں متذکرہ دونوں کتب میں ان کی تضعیف بیان نہیں ہوئی، البتہ دونوں ہی کتب میں ان کے زیادہ احوال درج نہیں(۵۶)۔

۹. **مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ ، الشَّبِيه .** (۵۷)

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاريخ بغداد" میں ان سے بصیغہ جزم محمد جواد رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے۔ کتب اہل سنت میں ان کے بارے میں کوئی تفصیل درج نہیں، اور نہ ہی اہل تشیع کے یہاں ایسا کوئی راوی معلوم ہو سکا۔

۱۰. **مُحَمَّدُ بْنُ مُنْدَةَ بْنِ مِهْرَبُزْد .** (۵۸) ان پر رقم ۰۵ کے ضمن میں کلام گزر چکا۔

۵۴۔ **الإمام الجواد من المهد إلى اللحد** ، للخطيب الكاظم القزويني الشيعي ، ۲/ ۳۱۳ ، الرقم ۱۲۲ . **موسوعة سيرة أهل البيت** ، للشريف القرشي الشيعي ، ۳۳/ ۲٤٤ .

۵۵۔ **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ٦/ ۵۷٦ ، الرقم ٦۵۱۱ .

۵٦۔ **الإمام الجواد من المهد إلى اللحد** ، للخطيب الكاظم القزويني الشيعي ، ۲/ ۳۵۸ ، الرقم ۱۲۲ . **موسوعة سيرة أهل البيت** ، للشريف القرشي الشيعي ، ۳۲/ ۲۱۰.

۵۷۔ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٤/ ۹۰ ، الرقم ۱۲٦۱.

۵۸۔ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٤/ ۸۹ ، الرقم ۱۲٦۱. **الوافي بالوفيات** ، للصفدي ، ٤/ ۷۹. **الأئمة الاثنا عشر** ، لابن طولون ، الصفحة ۱۰۳.

بغداد میں قیام کا دورانیہ اور ۲۱۵ھ کا سفر حج

آپ رضی اللہ عنہ کی سوانحی زندگی کے عناوین اہلسنّت کی کتابوں میں یکجا مرتب نہیں، چنانچہ جواہر کی تلاش و جستجو سے دستیاب ہونے والے نوادر کو مرصع کیا جارہا ہے تاکہ بیش قیمت موتیوں کا ہار بن سکے۔ سیّدنا محمد الجواد رضی اللہ عنہ کی شادی کس سن میں ہوئی اس پر ائمہ و موَرخین کا اختلاف ہے، جسے ہم نے ماقبل ابواب میں تفصیلاً بیان کر دیا، لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی مامون رشید کی بیٹی سے خلوت و سپردگی کے سال پر ابن قتیبہ کے علاوہ جمیع ائمہ و موَرخین کا اتفاق ہے کہ وہ ۲۱۵ھ میں ہوئی، چنانچہ سال مذکور میں مامون نے مملکت رُوم کی جانب پیش قدمی کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے لیے اسحاق بن ابراہیم بن مصعب کو بغداد پر نائب بنا کر روانہ ہوا اور مختلف علاقوں میں قیام پذیر رہا، جس کا تفصیلی ذکر بہت سی کتب تاریخ میں منزل بہ منزل درج ہے تو اس سفر میں جب وہ بغداد کے مضافات میں واقع "تکریت(Tikrit)" میں پہنچا[۵۹]۔ تو امام جواد بھی مدینہ منورہ سے عازم سفر ہو کر یہاں پہنچے اور ملاقات کی۔ جغرافیائی اعتبار سے اگر سفر کو دیکھا جائے تو مدینہ منورہ سے عراق کی جانب سفر کرتے ہوئے پہلے بغداد اور پھر سامراء اور اس کے بعد تکریت واقع ہے۔ لیکن اگر سفر براستہ شام ہو، تو البتہ تکریت کا مقام پہلے واقع ہے۔ چنانچہ اس جغرافیائی اَمر اور عباراتِ موَرخین میں مذکور "من المدينة المنورة" کے کلمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ آپ پہلے عازمِ بغداد ہوئے اور وہاں پہنچنے کے بعد یا راستے میں ہی مامون کی خبر پا کر تکریت پہنچے اور ملاقات کی، الغرض جب آپ رضی اللہ عنہ مامون سے ملے تو اُس نے گرمجوشی اور انعامات سے خوش آمدید کہا اور اپنی بیٹی کے ساتھ خلوت کی اجازت دی، چنانچہ دجلہ کے کنارے احمد بن یوسف نامی حکومتی نمائندے کے گھر قیام کیا گیا۔ اسے اختصار کے ساتھ بکثرت موَرخین نے بیان کیا، امام طبری "تاريخ الرُّسل والملوك" میں لکھتے ہیں:

> فلما صار المأمون بتكريت قدم عليه محمد بن علي بن موسى بن جعفر بن محمّد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب رحمه الله ، من المدينة في صفر ليلة الجمعة من هذه السنة ، ولقيه بها فأجازه ، وأمره أن يدخل بابنته أم الفضل وكان زوّجها منه ، فأدخلت عليه في دار أحمد بن يوسف

۵۹۔ تکریت، عراق(Iraq) کا مشہور شہر ہے اور یہ بغداد(Baghdad) سے مَوصل(Mosul) کی طرف جاتے ہوئے سامراء(Samarra) کے بعد واقع ہے۔ اس کی بغداد سے مسافت ۱۷۵ کلومیٹر ہے اور مدینہ منورہ سے تکریت کا موجودہ فاصلہ ۱۶۰۰ کلومیٹر ہے۔

التي على شاطئ دجلة ، فأقام بها . فلما كان أيام الحج خرج بأهله وعياله حتى أتى مكة ، ثم أتى منزله بالمدينة ، فأقام بها . (٦٠)

ترجمہ: جب مامون تکریت پہنچا تو محمد بن علی بن موسی ۔۔الخ بھی مدینہ منورہ سے سفر کرتے ہوئے اسی سال صفر کے مہینے میں جمعہ کی رات آ پہنچے، ملاقات ہوئی اور مامون نے انھیں انعامات سے نوازا اور اپنی بیٹی اُمّ الفضل کے ساتھ خلوت کی اجازت دی، جن سے آپ کا نکاح پہلے ہی کیا جاچکا تھا، چنانچہ آپ نے دریائے دجلہ کے کنارے احمد بن یوسف کے گھر میں خلوت فرمائی ، اور پھر وہیں قیام پذیر رہے، حتی کہ جب ایام حج آئے تو گھر والوں کو لے کر نکلے اور مکہ مکرمہ گئے اور وہاں سے مدینہ منورہ اپنے گھر تشریف لائے اور قیام پذیر رہے۔

اس میں جہاں آپ رضی اللہ عنہ کے سفر بغداد، مامون سے ملاقات اور رُخصتی وغیرہ کا ذکر ملتا ہے، وہیں صریحاً اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بروز جمعہ، صفر المظفر ۲۱۵ھ میں "تکریت (Tikrit)" کے مقام پر نزول فرمایا اور پھر اس سال کے ایّام حج تک اسی مقام پر تشریف فرما رہے، یعنی کم و بیش آٹھ مہینے تک اس علاقے میں قیام رہا۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ تکریت کے مقام سے حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے اور ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے، یوں ابن جریر کی عبارت سے ہمیں سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کے ایک حج کی بابت معلومات فراہم ہوتی ہیں، وللہ الحمد۔ نیز اس واقعے کو ابن اثیر جزری نے بھی "الكامل في التاريخ" میں بیان کیا(٦١)، لیکن انھوں نے تکریت کے بعد ایام حج کا ذکر کرتے ہوئے مدینہ منورہ واپسی ذکر کی، ادائیگی حج کا بیان نہیں کیا تو اس پر تشویش نہیں، کیونکہ جب ایام حج کو بیان کر دیا گیا، تو اس سے متبادر یہی ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ آئے، چنانچہ جزری نے آخری منزل کو تحریر کر دیا، لیکن اگر یہ مؤقف نہ مانا جائے تو زمانی و مکانی لحاظ سے ابن جریر طبری کو تقدم و فوقیت حاصل، نیز اُن کا یہ بیان دیگر ضمنی حقائق اور مؤرخین کے ذکر کردہ احوال کی روشنی میں بھی مؤید ہے، چنانچہ اسی کو تقویت ہوگی۔

٦٠- **تاريخ الرسل والملوك** ، للطبري ، ٨/ ٦٢٣ ، ذكر السنة ٢١٥هـ .

٦١- **الكامل في التاريخ** ، للابن الأثير الجزري ، ٦/ ٤١٦ ، الصفحة ٩٤١ ، ذكر السنة ٢١٥هـ .

سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ بغداد کتنی مرتبہ تشریف لائے؟

ما قبل ذکر ہوا کہ ۲۱۵ھ میں آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لائے اور تکریت میں کچھ عرصہ قیام فرما ہو کر واپس مدینہ منورہ مراجعت کی، اور پھر مامون رشید کی وفات کے بعد خلیفہ ابواسحاق محمد بن ہارون الرشید المعروف معتصم باللہ کے زمانے ۲۱۸ھ میں اپنی اہلیہ اُمّ الفضل کے ہمراہ دوبارہ تشریف لائے اور اسی دوران وصال فرما کر بغداد میں مدفون ہوئے، جیسا کہ خطیب نے "تاریخ بغداد"، ابن جوزی نے "المنتظم" اور ابن تیمیہ نے "منهاج السنة النبوية" میں ذکر کیا ہے[۶۲]۔ چنانچہ ان دونوں اَسفار کے علاوہ مؤرخین نے آپ رضی اللہ عنہ کا وُرودِ بغداد ذِکر نہیں کیا، لہٰذا مامون کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کا واقعہ جسے متعدد مؤرخین نے بیان کیا، نیز اسی کو ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقة" میں یوں لکھا:

ومما اتّفق له أنه بعد موت أبيه بسنة واقف والصّبيان يلعبون في أزقّة بغداد إذ مر المأمون ، ففرّوا ووَقف محمّد وعمره تسع سنين ، فألقى الله محبته في قلبه ، فقال له : يا غلام ! ما منعك من الإنصراف ؟ فقال له مسرعا : يا أمير المؤمنين ! لم يكن بالطّريق ضيق فأوسّعه لك ، وليس لي جرم فأخشاك ، والظنّ بك حسن أنك لا تضرّ من لا ذنب له . فأعجبه كلامه وحسن صورته ، فقال له : ما اسمك واسم أبيك ؟ فقال : محمد بن علي الرضى . فترحم على أبيه وساق جواده .[۶۳]

ترجمہ: ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ والد گرامی کی وفات کے ایک سال بعد بغداد کی گلی میں کھڑے کھیل رہے تھے کہ اچانک مامون (کا قافلہ) گزرا، تو سب بچے بھاگ گئے، لیکن محمد (جواد) کھڑے رہے، حالانکہ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر صرف نو برس تھی، اللہ تعالیٰ عزوجل نے مامون کے دل میں آپ کی محبت ڈالی دی، اُس نے

۶۲- **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٤/ ٨٨ ، الرقم ١٢٦١. **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم** ، للجوزي ، ١١/ ٦٢ . **منهاج السنة النبوية** ، للشيخ ابن تيمية ، ٤/ ٦٩.

۶۳- **الصواعق المحرقة** ، للشيخ ابن حجر المكي ، الصفحة ٥٥٩ ، ذكر محمد الجواد .

(پیارے سے) پوچھا: اے بچے! تم کیوں نہیں بھاگے؟ تو آپ نے برجستہ جواب دیا، اے امیر المؤمنین! راستہ تنگ نہ تھا کہ میں اُسے کشادہ کرتا، اور نہ ہی میں نے کوئی جرم کیا تھا کہ مجھے آپ کا خوف ہوتا، نیز میرا آپ کے بارے میں حسن ظن ہے کہ آپ بے گناہ کو تکلیف نہیں دیتے۔ چنانچہ مامون کو آپ کی گفتگو اور شکل وصورت پسند آئی، تو اُس نے پوچھا: تمہارا اور تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے کہا: محمد بن علی رِضا۔ تب اُس نے آپ کے والد کے لیے رحم کی دعا مانگی اور اپنی سواری لے کر چلا گیا۔

ہمیں اس قلیل العمری میں آپ رضی اللہ عنہ کے بغداد سفر کرنے اور یہاں قیام پذیر ہونے پر ائمہ ومؤرخین کی واضح دلیل میسّر نہیں آسکی(۶۴)، لہٰذا ہماری رائے میں یہ واقعہ کسی اور نوعیت کا حامل ہے، جس میں شخصیت ومقام کا اختلاف ممکن ہے، لیکن نقل دَر نقل کے باعث کسی نے اس پر غور کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی، کہ سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ والد گرامی کے وصال کے ایک سال بعد بھلا کیسے، کیوں اور کس غرض سے اپنا آبائی وطن ومسکن مدینہ منورہ چھوڑ کر یہاں بغداد تشریف لائے؟ اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ مامون رشید نے ہی سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کو بغداد بلوایا، جیسا کہ بعض حضرات کا گمان ہے، تو ایسی صورت میں بھی مذکورہ واقعہ سے تضاد رفع نہیں ہوتا، کیونکہ جب مامون نے خود آپ رضی اللہ عنہ کو بغداد بلوایا، تو پھر آپ رضی اللہ عنہ کو گلی میں کھڑا دیکھ کر پہچان کیوں نہ سکا؟ بلکہ اس کے برعکس وہ خود ہی پوچھ رہا ہے کہ آپ کا اور آپ کے باپ کا کیا نام ہے؟ کمال ہے، کیا اُس نے اتنی دور سے بلوانے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ

۶۴۔ البتہ خیر الدین زرکلی نے "الأعلام ، ٦/ ٢٧٢" میں بغیر حوالہ ذکر کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی، اور پھر والد کے ساتھ ہی بغداد منتقل ہوگئے، والد علی رِضا رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ مامون الرشید نے پرورش کی، اور اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کیا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ اس کے ہمراہ مدینہ منورہ واپس آگئے اور پھر دوبارہ جب بغداد گئے تو وہاں انتقال کیا۔ ملخصًا۔

لیکن اس عبارت میں کئی تضادات موجود ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کبھی بغداد نہیں گئے، جیسا کہ "ذیل تاریخ بغداد" لابن نجار، ۱۹/ ۱۴۱۔ میں تفصیلات موجود ہیں، دوسری بات یہ کہ مامون کی طلبی پر سفر رِضا کی تفصیلات کتب تاریخ وسیر میں مسطور ہیں، کہ آپ رضی اللہ عنہ کن علاقوں اور مقامات سے ہو کر مامون تک پہنچے، اور کون ہمراہ تھا، لیکن کہیں بھی صاحبزادے کا ذکر موجود نہیں، اور تیسری بات یہ کہ مامون نے آپ رضی اللہ عنہ کی پرورش نہیں کی، البتہ بیٹی سے شادی کر دینے کے بعد سالانہ وظائف ضرور مدینہ ارسال کیا کرتا تھا، جیسا کہ متعلقہ مقام پر ذکر کیا گیا اور ان وجوہات پر مستزاد یہ ہے کہ شیخ زرکلی نے اس خاص اَمر کے لیے کسی کتاب کا حوالہ بھی درج نہیں کیا، لہٰذا صدیوں بعد ان کی ایسی رائے کیونکر قابل اعتبار ہو سکتی ہے؟

سے ملاقات بھی نہیں کی، اور اگر کر چکا تھا، تو پہچاننے میں کیا دِقت و دشواری تھی؟ تعجب آمیز بات ہے، اس کے علاوہ اگر ۲۰۲ھ میں ان کا نکاح والد گرامی کے ساتھ ایک ہی مجلس میں دُرست مان لیا جائے، تو پھر مذکورہ واقعے کے تمسکات پر عدم اعتماد کی حتمی مہر لگ جاتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں جس سے مامون نے اپنی بیٹی کا نکاح بڑے تزک واہتمام سے دو تین سال پہلے خود کیا، اب اُسی داماد کو دیکھ کر پوچھا جا رہا ہے کہ صاحبزادے آپ کون ہو؟۔ فیا للعجب .

الغرض متذکرہ بالا واقعہ کسی بھی طرح نہ تو معقول اور نہ ہی تاریخی حقائق اس کی تائید کرتے ہیں، چنانچہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سمیت ائمہ ومؤرخین کا صرف اسے نقل کر دینا دلیل نہیں، کیونکہ رطب ویابس سبھی کچھ کتب تواریخ وسوانح میں منتشر ہے اور اس میں سے صحیح وسقیم کی پرکھ کے لیے ربّ العالمین جل جلالہ نے عقل وشعور کی نعمتیں بھی عنایت فرمائی ہیں، چنانچہ پہلوں کی لغزش وبے توجہی پر متنبہ ہونے کے باوجود حق سے رُوگردانی انصاف کی راہ نہیں۔ البتہ ہدایت کی توفیق تو صرف اللہ تعالیٰ عزوجل کے فضل سے ہی ممکن ہے، وللہ الحمد۔

سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ اور قلیل تعداد میں اَحادیث؟

یہ بات کئی طرح بیان ہو چکی، کہ اسلامی حکمرانوں اور حکومتی مراعات کی متمنی نمائندوں نے اہل بیت کے لیے کبھی تعلیم وتعلم کی راہیں ہموار نہیں ہونے دیں، جس کے سبب قرون اُولی کے زَرّیں دور میں علوم ومعرفت کے متلاشی ان تک کم ہی رسائی پا سکے، البتہ امام محمد باقر اور جعفر صادق کا ابتدائی دور قدرے سکون پذیر رہا، کیونکہ اوّل الذکر کو سیّدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں سکون کے چند سال میسّر رہے اور ثانی الذکر کو بنو اُمیہ کے حکومتی زوال اور بنو عباس کے طلبِ اقتدار کے زمانے میں کچھ مہلت ملی، تو غالباً اسی اثناء میں ہزاروں ائمہ ومحدثین نے کسب فیض کیا اور سینکڑوں احادیث اِن کی سند زرّیں سے نقل ہو کر کتب صحاح وسنن اور مسانید ومصنّفات کے ضمن میں محفوظ ہوئیں، مثلاً صرف امام باقر رضی اللہ عنہ کی اَحادیث کو ہی بطور مثال لیں، تو صحیح بخاری میں ۱۱، صحیح مسلم میں ۳۴، موطا امام مالک میں ۱۴، صحیح ابن خزیمہ میں ۴۸، صحیح ابن حبان میں ۲۴، سنن نسائی میں ۵۴، سنن ابی داود میں ۱۹، سنن ترمذی میں ۲۳، مسند احمد میں ۷۰، مصنّف عبد الرزاق میں ۱۱۸، مصنّف ابن ابی شیبہ میں ۵۰۵ اور سنن کبری للبیہقی میں ۲۴۶ اَحادیث موجود ہیں، جبکہ عرب محققین کے شمار وتتبع کے مطابق مختلف کتب میں (۱۷۴۰) اَحادیث مروی ہیں، اور یوں ہی ایک ہزار سے متجاوز سیّدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں۔ نیز امام باقر رضی اللہ عنہ کو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت میں جو دو سال امن وسلامتی کے میسّر

آئے، تو شاید یہی وہ نعمت کے سال ہوں، جنھیں سرخیل فقہائے اُمت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لیے نعمت کے سال قرار دیا، جیسا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں معروف ہے۔

الغرض اگر بقیہ حضرات اہل بیت کو بھی کسب و تعلیم کے مواقع میسّر آتے، تو شاید انھیں بھی علوم دینیہ کی مزید آبیاری اور ترویج واشاعت کی خدمت کا بہترین موقع ملتا اور یوں ائمہ و محدثین کی کتب میں انھیں اَرفع و نمایاں خدمات کی صورت شمار کیا جاتا، لیکن حقائق زمانہ اور تاریخی شواہد گواہ ہیں، کہ سیّدنا صادق رضی اللہ عنہ کا آخری دور کن صعوبتوں میں گزرا، حتیٰ کہ ایک قول کے مطابق ظلماً شہید ہوئے، پھر ان کے بیٹے امام کاظم رضی اللہ عنہ کو تو قریباً پوری عمر قید خانے میں پابند سلاسل ہو کر کاٹنی پڑی، اور وہیں شہادت سے ہمکنار ہوئے اور ان کے بعد سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ مامونی مملکت کی سیاست اور سازشوں کا شکار رہے اور بالآخر وہ بھی شہید ہوئے۔

چنانچہ سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ جو والد گرامی کے بعد جانشین ہوئے، تو کمسنی میں ہی والد کے داغ مفارقت کا صدمہ اُٹھانا پڑا، اس پر مستزاد حکومتی نگاہوں کا سنگین پہرہ اور عباسی سلطنت کی داخلی و خارجی چپقلش، جس نے نوعمری میں ہی ستانا شروع کر دیا اور پھر عنفوان شباب میں ہی صرف ۲۵ سال میں وصال کر گئے، تو ایسے میں انھیں اپنے آبائے گرامی کی طرح عمر نے زیادہ مہلت نہ دی کہ اکتساب علم کے لیے اہل بیت واکابر کی جانب رجوع کرتے اور پھر والد کی مثل مسجد نبوی میں بیٹھ کر طالبانِ علم و متلاشیان حق کی پیاس بجھاتے۔ اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ سے اَحادیث نبویہ کا سرمایہ اور دیگر معلومات بکثرت نقل نہ ہوئیں، اور بایں وجہ جو چند مرویات ہیں، وہ ضعیف و مطعون رُواۃ سے نقل ہوئیں، جن پر اُصول محدثین کا معیار گرفت لاتا ہے اور وہ بجا بھی ہے۔ الغرض کتب اہلسنّت میں تلاش و جستجو کے باوجود ہم کسی معتدبہ ذخیرے تک رسائی حاصل نہ کر سکے، ہمیں صرف تین مرویات معلوم ہوئیں، جن میں سے دو بہ سند آباء ہیں، جبکہ تیسری بنیادی طور پر حدیث کی بابت تشریحی قول ہے، لیکن اسے ملفوظات کے بجائے اسی مقام پر نقل کیا جارہا ہے، کیونکہ وہاں کی نسبت یہ جگہ قول ہذا کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

١.	أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الشَّيْبَانِيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحِ بْنِ الْفَيْضِ بْنِ فَيَّاضٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبِي ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَظِيمِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَسَنِيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَر مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ مُوسَى ، عَنْ آبَائِهِ ، عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ : بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ لِي وَهُوَ يُوصِينِي :

يَا عَلِيُّ ! مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ ، وَلا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ . يَا عَلِيُّ عَلَيْكَ بِالدُّلْجَةِ ، فَإِنَّ الأَرْضَ تُطْوَى بِاللَّيْلِ مَا لَا تُطْوَى بِالنَّهَارِ . يَا عَلِيُّ ! اغْدُ بِسْمِ اللهِ ، فَإِنَّ اللهَ بَارَكَ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا.(٦٥)

ترجمہ: اے علی! جس نے استخارہ کیا، وہ نامراد نہیں ہوا گا اور جس نے مشورہ کیا، وہ شرمندہ نہیں ہوا گا۔ اے علی! تم رات میں سفر کیا کرو، کیونکہ زمین رات کے وقت (نشاطِ سفر اور موسمی مناسبت کے سبب سفر جلد طے ہونے کی صورت) سمٹ جاتی ہے، جو کہ دن میں (موسمی شدت اور تھکان کے باعث) نہیں سمٹتی(٦٦)۔ اے علی! اللہ کے نام سے صبح کرو، کیونکہ اللہ نے میری اُمت کی صبح میں برکت رکھی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مولی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، تو انھیں مذکورہ فرامین کے ساتھ نصیحتیں ارشاد فرمائیں، اور غالباً قاضی یمن بنائے جانے کا معاملہ ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان فرامین کو ائمہ اہل بیت نے اپنے طریق سے مجموعی طور پر روایت کیا ہے، جبکہ ان کلمات مبارکہ کے الگ الگ حصوں کو دیگر اَصحاب رسول نے بھی روایت کیا ہے، جن کی سند و کلمات میں اختلاف واختصار موجود ہے اور اُن میں سے بیشتر بسند ضعیف مروی ہیں، مثلاً۔۔

مَا خَابَ مَن اسْتَخَارَ ، وَلا نَدِمَ مَن اسْتَشَارَ .

اسے بطریق سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ متعدد ائمہ نے روایت کیا، چنانچہ طبرانی نے "المعجم الأوسط" اور "المعجم الصغیر" میں، جبکہ قضاعی نے "مسند الشھاب" اور ابن عساکر نے "معجم الشیوخ" میں درج کیا ہے۔(٦٧)

٦٥۔ **تاريخ بغداد** ، للخطيب، ٤/ ٨٩ ، الرقم ١٢٦١. **مرآة الجنان** ، لليافعي ، ٢/ ٦١. **وفيات الأعيان** ، للشيخ ابن خلكان ، ٤/ ١٧٥ ، الرقم ٥٦١ . **الوافي بالوفيات** ، للصفدي ، ٤/ ٨٠ ، الرقم ١٥٨٩ . **كنز العُمال** ، للمتقي ، ٧/ ٨١٥ ، الرقم ٢١٥٣٧ .

٦٦۔ اس حدیث میں سفری نشاط اور سکون کے ساتھ مسافت طے کیے جانے کی طرف اشارہ ہے، یہ معنی مراد نہیں کہ رات کے وقت زمین سکڑ جاتی ہو اور دن کے وقت پھیل جاتی ہو، یعنی رات میں تو سکڑتے ہوئے سو کلو میٹر ہو جائے اور دن میں پھیل کر دو سو کلو میٹر، ایسا مراد نہیں۔ البتہ اگر حدیث کو اپنے ظاہری معنی پر بھی رکھا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ عزوجل کی قدرت سے بعید نہیں، لیکن اس معنی کو شارحین نے اختیار نہیں کیا اور قوانین فطرت کے پیش نظر یہی صواب بھی ہے۔ واللہ اعلم

٦٧۔ **المعجم الأوسط** ، للطبراني ، ٦/ ٣٦٥، الرقم ٦٦٢٧ ، **المعجم الصغير** ، للطبراني ، ٢/ ١٧٥ ، الرقم ٩٨٠ . **مسند الشهاب** ، للقضاعي ، ٢/ ٧ ، الرقم ٧٧٤ . **معجم الشيوخ** ، لابن عساكر ، ٢/ ٨٧٦ ، الرقم ١١٠٣ .

عَلَيْكَ بالدُّلْجَةِ ، فَإِنَّ الأَرْضَ تُطْوى باللَّيْلِ ، مَا لَا تُطْوى بالنَّهَار .

باختلافِ کلمات یہ حدیث صحاح و سنن کی بہت سی کتب میں دیگر اَصحاب رسول سے منقول ہے، اسے سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے طریق سے "سنن أبي داود"، "معجم الشيوخ لأبي يعلى" اور "الصحيح لإبن خزيمة" میں، سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے "مسند أحمد"، "السنن الكبرى للنسائي" اور "الصحيح لابن خزيمة" میں، سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے طریق سے "مسند البزار" اور "المعجم الكبير للطبراني" میں، اور سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے "شرح مشكل الآثار" اور "الآداب للبيهقي" میں روایت کیا گیا ہے۔[٦٨]

اغْدُ بِسْمِ الله ، فَإِنَّ اللهَ بَارَكَ لِأُمَّتِي فِي بُكُوْرِهَا .

اس حدیث کے آخری کلمات کو سیّدنا مولی علی رضی اللہ عنہ سے بسند آخر "مسند أحمد"، "مسند البزار" اور "مسند أبي يعلى" میں روایت کیا گیا ہے[٦٩]، جبکہ یہی کلمات صحاح و سنن کی متعدد کتب میں حضرت ابن عمر، ابن عباس، انس بن مالک اور صخر غامدی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

٢. أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى الْعَلَوِيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرٍ الْقُمِّيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَالِكٍ الْكُوفِيُّ الأَسْدِيُّ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي نَجْرَانَ ، عَنْ مَحْفُوظِ بْنِ خَالِدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ الشَّبِيهِ ، قَالَ : سَمِعْتُ ابْنَ الرِّضَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى ، يَقُولُ :

مَنِ اسْتَفَادَ أَخًا فِي الله ، فَقَدِ اسْتَفَادَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ .[٧٠]

٦٨- **السنن** ، للامام أبي داود ، كتاب الجهاد ، باب الدلجة ، الصفحة ٤٥٢ ، الرقم ٢٥٧١ . **معجم الشيوخ** ، لأبي يعلى ، الصفحة ١٤٥ ، الرقم ١٥٩ . **الصحيح** ، للامام ابن خزيمة ، ٤/ ١٤٧-٤/ ١٤٤ ، الرقم ٢٥٥٥/ ٢٥٤٨ . **المسند** ، للامام أحمد ، ٢٣/ ٣١٥ ، الرقم ١٥٠٩١ . **السنن الكبرى** ، للامام النسائي ، ٩/ ٣٤٩ ، الرقم ١٠٧٢٥ . **المسند** ، للامام البزار ، ١١/ ٤٤١ ، الرقم ٥٣٠٢. **المعجم الكبير** ، للطبراني ، ١٠/ ٣٢٨ ، الرقم ١٠٨١١ . **شرح مشكل الآثار** ، للطحاوي ، ١/ ١٠٧ ، الرقم ١١٥ . **الآداب** ، للبيهقي ، الصفحة ٢٦٤ ، الرقم ٨٠٤ .

٦٩- **المسند** ، لاحمد ، ٢/ ٤٣٩ ، الرقم ١٣٢٠ . **المسند** ، للبزار ، ٢/ ٢٧٧ ، الرقم ٦٩٦. **المسند** ، لأبي يعلى ، ١/ ٣٣٦ ، الرقم ٤٢٥ .

٧٠- **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٤/ ٨٩ ، الرقم ١٢٦١. **مرآة الجنان** ، لليافعي ، ٢/ ٦١. **وفيات الأعيان** ، للشيخ ابن خلكان ، ٤/ ١٧٥ ، الرقم ٥٦١ . **الوافي بالوفيات** ، للصفدي ، ٤/ ٨٠ ، الرقم ١٥٨٩ .

ترجمہ: جس نے اپنے بھائی کو اللہ کے لیے نفع پہنچایا، تو اُس نے جنت میں گھر حاصل کر لیا۔
اہلسنّت کی کتب حدیث میں اس کا سراغ نہیں ملا، البتہ اہل تشیع کے بہت سی کتب میں اسے سیّد نارِضا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

۳. أَخْبَرَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْحَافِظُ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَائِلَةَ ، قَالَ : حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مزيدَ ، قَالَ :

كُنْتُ بِبَغْدَادَ ، فَقَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ مُنْدَةَ بْنِ مِهْرَبُزْدَ : هَلْ لَكَ أَنْ أُدْخِلَكَ عَلَى ابْنِ الرِّضَا ؟ قُلْتُ : نَعَمْ . قَالَ فَأَدْخَلَنِي ، فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ وَجَلَسْنَا. فَقَالَ لَهُ حَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ فَاطِمَةَ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَحَرَّمَ اللهُ ذُرِّيَّتَهَا عَلَى النَّارِ. قَالَ : خَاصٌّ لِلْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ . [۷۱]

ترجمہ: جعفر بن مزید کہتے ہیں: میں بغداد میں تھا کہ اسی اثنا میں محمد بن مندہ بن مہربزد نے مجھ سے کہا: کیا (محمد الجواد) ابن رضا کے یہاں چلیں؟ تو میں نے کہا: ٹھیک ہے، پس ہم وہاں گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، پھر حدیث رسول: "بیشک فاطمہ نے پاکدامنی اختیار کی، تو اللہ نے ان کی اولاد کے لیے جہنم کو حرام کر دیا" کے متعلق پوچھا؟ تو آپ نے فرمایا: یہ بات حسن اور حسین کے لیے خاص ہے۔

خلیفہ المعتصم باللہ کا اِستفسار اور آپ کا جواب

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ للهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللهِ أَحَدًا.(سورة الجن: ۷۲/ ۱۸)

ترجمہ: اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں، تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔

۷۱- **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٤/ ٨٩ ، الرقم ١٢٦١. **وفيات الأعيان** ، للشيخ ابن خلكان ، ٤/ ١٧٥ ، الرقم ٥٦١ . **الوافي بالوفيات** ، للصفدي ، ٤/ ٧٩ ، الرقم ١٥٨٩ . **شرف المصطفى** ، للشيخ أبي سعد الخركوشي ، ٥/ ٣٠٩ .

اس کی تفسیر میں مفسرین نے کئی اقوال وآراء پیش کی ہیں، کہ یہاں "مساجد" سے کیا مراد ہے، چنانچہ دورِ تابعین میں سے ابن عطاء اورابن جُبیر نے، جبکہ علمائے لغت میں سے زجاج اور فراء نے اس سے بدن انسانی کے سات اَعضاء مراد لیے ہیں، اوراس طور پر اس کا واحد "مَسْجَد" ہوگا۔ یہ ائمہ کی ایک رائے ہے، لیکن یہی رائے سیّدنا محمد الجواد رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، چنانچہ مفسر شیخ آلوسی "روح المعاني" میں لکھتے ہیں:

وقال ابن عطاء وابن جبير والزّجاج والفَراء : المراد بها الأعضاء السبعة التي يسجد عليها ، واحدها مسجَد بفتح الجيم ، وهي القدمان والرُكبتان والكَفّان والوجه أي ؛ الجبهة والأنف . وروي أن المعتصم سأل أبا جعفر محمد بن عليّ بن موسى الكاظم رضي الله تعالى عنهم عن ذلك ، فأجاب بما ذكر . (٧٢)

ترجمہ: ابن عطاء، ابن جبیر، زجاج وفراء نے کہا: اس سے مراد وہ سات اَعضاء ہیں؛ جن (کو استعمال کرتے ہوئے زمین) پر سجدہ کیا جاتا ہے اوراس کا واحد "مَسْجَد" ہے اوروہ اَعضاء یہ ہیں؛ دونوں قدم، دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، اور چہرہ یعنی پیشانی اور ناک۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ (خلیفہ) المعتصم نے ابوجعفر محمد بن علی بن موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں جب دریافت کیا، تو آپ نے جواباً یہی (مذکوررائے کو) بیان کیا تھا۔

سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کی شاعری

شاعری بنفسہ کمال وفخر کی دلیل نہیں، بلکہ اس کا استعمال انسانیت کے حسن ومظاہر اور جذبات واحساسات کی عکاسی وتعبیرات کے لیے کیا جاتا ہے، منصب نبوت عطیہ خداوندی اور الہامی عنایات کے سبب اس سے منزہ ہوتا ہے، لیکن اس کے علاوہ مراتب انسانی میں اس کا تحقق نفاست وذہانت کے ایک گوشے کی نمائندگی کرتا ہے، چنانچہ ائمہ اہل

٧٢- تفسير روح المعاني ، للشيخ الآلوسي ، ٣٩/ ٩١ ، سورة الجن ٧٣ ، تحت الآية ١٨ .

بیت کو اللہ تعالی جَلَّ جَلَالُہٗ نے جو ذہانت و عقل رسا ودیعت فرمائی، انھوں نے اس کا بھرپور استعمال کیا اور اسی لیے ان کے منثور و منظوم کلام میں ہمیں اس اَمر کے واضح شواہد دکھائی دیتے ہیں، چونکہ سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کی حیات زندگی کے ویسے ہی بیشتر پہلو قلم و قرطاس کی حدود سے ماوراء رہے تو یوں آپ رضی اللہ عنہ کی شاعری بھی انھیں پوشیدہ گوشوں میں سے ایک ہے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی اس صنف پر قدرت اور تعلق کی بابت ایک اشارہ میسّر آیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو شاعری سے نا صرف شغف رہا، بلکہ خود طبع آزمائی بھی فرماتے رہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ بغداد" میں لکھا:

عبد الله بن أبي الشيص محمد بن عبد الله بن رزين الخزاعي الشاعر . رثا محمد بن علي بن موسى الرضا وأبو تمّام الطائي.[۷۳]

ترجمہ: شاعر عبد اللہ بن ابی شیص محمد۔۔ الخ۔ (کی وفات پر) محمد (جواد) بن علی بن موسی الرضا اور ابو تمّام طائی (صاحب دیوان حماسہ) نے ان کا مرثیہ کہا۔

کتب رجال و تواریخ میں یہی ایک عبارت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ شاعر کی وفات کے بعد سیّدنا الجواد رضی اللہ عنہ نے ان کا مرثیہ کہا۔ اور یہ معروف شاعر دِعبل خزاعی کے چچازاد بھائی اور حضرت بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ صحابی رسول کی اَولاد میں سے ہیں، انھوں نے مشہور قول کے مطابق ۱۹۶ھ، جبکہ شیخ صفدی کی رائے کے مطابق ۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ اوّل الذکر صورت میں امام جواد رضی اللہ عنہ کی ملاقات کا امکان نہیں، کیونکہ خود ان کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی، البتہ شیخ صفدی کی رائے اگر دُرست ہو تو امکان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کمسنی میں اُس سے ملاقات کی، لیکن دونوں صورتوں میں مرثیہ کہے جانے کا تعلق یقینی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے عنفوان شاب کے کسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔

اس شاعر کا دیوان مجموعی طور پر تو غالباً محفوظ نہیں، البتہ متعدد اشعار کتب تاریخ اور شعر واَدب کے سرمایہ میں موجود ہیں، عبد اللہ الجبوری نے منتشر اشعار کو صنفی واَدبی طور پر یکجا کر کے "ديوان أبي الشيص الخزاعي وأخباره" کے نام سے ۱۹۸۴ء / ۱۴۰۴ھ میں "المکتب الاسلامی، بیروت" سے ۱۹۰ صفحات پر شائع کیا، اسی کی طبع پیش نظر ہے، موصوف سے متعلق متذکرہ معلومات اسی کے مقدمے سے نقل کی گئی ہیں۔

۷۳۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۱/ ۲۵۷، الرقم ۵۱۳۶.

سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کے مستند ملفوظات

اہلسنّت کی کتب میں درج ذیل ملفوظات میسّر آئے، جنھیں آپ رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کیا گیاہے، اگرچہ ان کے مصادر زیادہ مضبوط نہیں، لیکن اہل تشیع کے محققین کی پیش کردہ تفصیلات کے مطابق بھی یہ انہی کے اقوال قرار پاتے ہیں ،تو اس یکسانیت کی بنیاد پر انھیں مرتب کیا گیاہے، لیکن یادرہے کہ ان میں سے کچھ اقوال ایسے بھی ہیں، جنھیں اہل تشیع نے سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ سے منسوب کیاہے، لیکن ایسی صورت میں ہم نے اہلسنّت مؤرخین کے انتساب کے پیش نظر انھیں یہاں سیّدناجواد کے حوالے سے نقل کیاہے، نیز یہ ملفوظات جیسے ماخذ میں ملے، ویسے ہی نقل کیے گئے، لیکن ان میں سے بعض ملفوظات الگ الگ ہیں، جنھیں ماخذ میں یکجا ہی لکھا گیا، تو ہم نے بھی تقسیم و تفریق کے بجائے بعینہ نقل کر دیاہے، البتہ اہل علم اگر غور کرناچاہیں، تو اہل تشیع کی کتاب "موسوعة أهل البيت ، للباقر شريف القرشي، (أنظر للجواد ، ٣٢/ ١٦٥-١٥١ ، وللهادي ، ٣٣/ ٢١٤-٢٠٤)" ملاحظہ کریں، وہاں ملفوظات کے مصادرِ تشیع کو تفصیلاً درج کر دیا گیاہے۔

١. كَيْفَ يُضِيْعُ مَنِ اللهُ كَافِلُهُ ، وَكَيْفَ يَنْجُو مَنِ اللهُ طَالِبُهُ ؟ وَمَنْ انقَطَعَ إِلَى غَيْرِ الله وَكَّلَهُ اللهُ تَعَالَى إِلَيْهِ ، وَمَنْ عَمِلَ عَلَى غَيْرِ عِلْمٍ ، أَفْسَدَ أَكْثَرَ مِمَّا يُصْلِحُ. (٧٤)

ترجمہ: وہ بھلا کیسے ضائع ہو سکتاہے، جس کا کفیل اللہ تعالی عزوجل ہو، اور وہ بھلا کیسے فرار ہو سکتاہے، جس کو اللہ تعالی عزوجل طلب کرے، اور جو خدا کے علاوہ کسی اور سے اُمید لگائے، تو اللہ تعالیٰ عزوجل بھی اس کو اُسی پر چھوڑ دیتاہے اور جو بغیر علم کے عمل کرے، وہ اصلاح سے زیادہ فساد پھیلاتاہے۔

٢. اَلقَصْدُ إِلَى الله تَعَالَى بِالْقُلُوْبِ ، أَبْلَغُ مِنْ إِتعَابِ الجَوَارح بِالْأَعْمَالِ . (٧٥)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف حضورِ قلب سے متوجہ ہونا، جسم کو اعمال کے ساتھ تھکا کر (غفلت میں) رجوع کرنے سے زیادہ موزوں ہے (٧٦)۔

٧٤۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ١١٣ ، الرقم ٢٢٨.

٧٥۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ١١٣ ، الرقم ٢٢٩.

٣. إذَا نَزَلَ القَضَاء ضَاقَ الفَضَاءُ(٧٧) . سُوْءُ العَادَةِ كَمَيْنٌ لَا يُؤمَنُ (٧٨) . وَأَحْسَنُ مِنَ العُجُبِ بِالقَوْلِ أَلَّا تَقُوْلُ . وَكَفَى بِالمَرْءِ خِيَانَةً أَنْ يَكُوْنَ أَمِيْناً لِلْخَوَنةِ . وَلَا يَضُرُّكَ سُخْطُ مَنْ رِضَاهُ الجَوْرُ (٧٩) . تَعَزَّ عَنِ الشَّيءِ إذَا مُنِعْتَهُ لِقِلَّةِ صُحْبَتِهِ إذَا أُعْطِيْتَهُ. (٨٠)

ترجمہ: جب تقدیر غالب ہو، تو کشادگی بھی تنگ ہو جاتی ہے۔ بُری عادات نا قابل فہم ہیں، جن پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ کسی بات پر تعجب کرنے سے بہتر تو یہ تھا کہ وہ بات ہی نہ کہی جاتی۔ کسی شخص کے خائن ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ خائنوں کے حق میں بھی اَمین بنا رہے (یعنی اُن کی خیانتوں کو چھپاتا رہے اور دوسرے لوگ اُن سے دھوکہ کھاتے رہیں)۔ تمھیں کسی ظالم کی ناراضگی نقصان نہیں پہنچاسکتی (کیونکہ آخرت میں تمھیں یعنی مظلوم کو ہی سرخروئی ملے گی)۔ کسی چیز کے منع کر دیے جانے پر افسوس، اس کے کچھ دیر کے لیے ملنے (اور پھر چھن جانے) سے بہتر ہے۔

٤. خَيْرٌ مِنَ الخَيْرِ فَاعِلُهُ ، وَأَجْمَلُ مِنَ الجَمِيْلِ قَائِلُهُ ، وَأَرْجَحُ مِنَ العِلْمِ حَامِلُهُ ، وَشَرٌّ مِنَ الشَّرِّ جَالِبُهُ ، وَأَهْوَلُ مِنَ الهَوْلِ رَاكِبُهُ. (٨١)

٧٦۔ یہاں قلبی یکسوئی اور کامل توجہ مراد ہے کہ انسان کثرت اعمال پر زور صرف کرتا رہے، لیکن اس میں قلبی توجہ مفقود ہو، تو ایسے اعمال کے ساتھ جسم بھی مشقت میں پڑتا ہے اور غفلت سے رجوع الی اللہ کرنے کی صورت میں انعام واکرام سے بھی محرومی ہوتی ہے، چنانچہ انسان کو چاہیے کہ شہودِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی طرف رجوع کرے، صرف ظاہراً کثرت اعمال کے لیے ہی کوشش نہ کرتا رہے، بلکہ اُن میں اخلاص بھی پیدا کرے۔

٧٧۔ یہ بصورت شعر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب بھی منسوب ہے، جیسا کہ "دیوان الامام الشافعی، ص٣٦" پر یوں درج ہے:

وَأَرضُ الله وَاسِعَةٌ وَلكِنْ   إذَا نَزَلَ القَضَاء ضَاقَ الفَضَاءُ

٧٨۔ "شرح نہج البلاغہ، لابن الحدید، ٢٠/٣٠٢، رقم ٤٥٤" میں اسے مولی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جبکہ علامہ زمخشری کی "ربیع الابرار، ١/٣٤٦" پر اسے ارسطاطالیس کا قول لکھا گیا ہے، ایسی صورت میں یہ سابقین سے مقتبس ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کی جو عادات پوشیدہ ہوتی ہیں، ان کے اثرات اعلانیہ بھی دکھائی دے جاتے ہیں، اس لیے عادات قابل بھروسہ نہیں ہوتی۔

٧٩۔ اس ملفوظ کو اہل تشیع کی کتب میں دیگر الفاظ کے ساتھ بھی ذکر کیا گیا ہے: لَا يَغُرَّكَ سَخَطُ مَنْ رِضَاهُ الجَورُ. (موسوعة سيرة أهل البيت ، للقرشي ،٣٢/ ١٦٤).

٨٠- **التذكرة الحمدونية** ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ٢٧٥ ، الرقم ٧١٦.

٨١- **التذكرة الحمدونية** ، لابن حمدون ، ١/ ٢٧٦ ، الرقم ٧٢٠. **الجوهر النفيس في سياسة الرئيس** ، للشيخ ابن الحداد ، الصفحة ١٠٩ .

ترجمہ: بہترین نیکوکار خود (نیکی) کرنے والا ہے اور خوبصورت تر دراصل اچھی بات کہنے والا ہے اور علم رکھنے والا ہی بلند مقام کا حقدار ہے اور بدترین شریر نقصان پہنچانے والا ہے اور زیادہ خوفناک دہشت پیدا کرنے والا ہے۔

٥. وَسُئِلَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى عَنِ الحزْمِ ؟ فَقَالَ : هُوَ أَنْ تَنْتَظِرَ فُرْصَتَكَ وَتُعَاجِلَ مَا أَمْكَنَكَ .[٨٢]

ترجمہ: محمد بن علی بن موسیٰ سے حزم (احتیاط) کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: اپنی فرصت کے منتظر رہو اور (جب ملے تو) جس پر قدرت رکھتے ہو، اُسے کرنے میں جلدی کرو۔

٦. مَنْ هَجَرَ الْمُدَارَاةَ قَارَنَهُ المَكْرُوْهُ ، وَمَنْ لَمْ يَعْرِفِ المَوَارِدَ أَعْيَتْهُ المَصَادِرَ .[٨٣]

ترجمہ: جس نے شفقت کو چھوڑا، تو وہ برائیوں میں مبتلا ہو گا۔ اور جو فروعات (کی تفصیل) نہ جان سکے، اُسے (کم از کم دین کے) اُصولیات کو ہی یاد رکھ لینا چاہیے (تاکہ گمراہی سے بچ سکے)۔

٧. اِتَّئِدْ ؛ تُصِبْ أو تَكَدْ .[٨٤]

ترجمہ: نرمی اختیار کرو، (دشمن بھی) گرویدہ ہو جائے گا، یا (مزید ستانے سے) تھک جائے گا۔

٨. اَلحَسَدُ مَاحِقٌ لِلْحَسَنَاتِ ، وَالزَّهْوُ جَالِبٌ لِلْمَقْتِ ، وَالعُجبُ صَادِفٌ عَنْ طَلَبِ العِلْمِ ، دَاعٍ إِلَى التَّخَمُّطِ[٨٥] في الجهْلِ ، وَالْبُخْلُ أَذَمُّ الأَخْلَاقِ ، وَالطَّمْعُ سَجِيَّةٌ سَيِّئَةٌ .[٨٦]

ترجمہ: حسد نیکیوں کو مٹانے والا ہے، تکبر دشمنی پیدا کرنے والا ہے، خود پسندی تحصیل علم سے روکنے اور جہالت کی سرکشی میں ڈالنے والی ہے، کنجوسی قابل مذمت عادت ہے اور لالچ انتہائی بُری صفت ہے۔

٩. مُخَالَطَةُ الأَشْرَارِ تَدُلُّ عَلَى شَرِّ مَنْ يُخَالِطُهُمْ ، وَالْكُفْرُ لِلنِّعَمِ أَمَارَةُ البَطْرِ وَسَبَبٌ لِلْغَيْرِ ، وَاللَجَاجَةُ مُسْلِبَةٌ لِلسَّلَامَةِ وَمُؤْذِنَةٌ بِالنَّدَامَةِ ، وَالهزءُ فُكَاهَةُ السُّفَهاءِ وَصَنَاعَةُ الجُهَّالِ ، وَالنَّزَقُ مُغْضِبَةٌ لِلأَخْوَانِ يُوْرِثُ

٨٢۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ٣٨٣ ، الرقم ١٠٠٥.

٨٣۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ٣٨٣ ، الرقم ١٠٠٨.

٨٤۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ٣٨٤ ، الرقم ١٠٠٩.

٨٥۔ بعض کتب میں "التَّخَمُّط" کی جگہ "التَّخَبُّط" مذکور ہے، البتہ معنوی لحاظ سے دونوں ہی قریب المعنی ہیں۔

٨٦۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ٢/ ١٨٢ ، الرقم ٤٢٥.

الشَّنَآنَ ، وَالْعُقُوْقُ يُعَقِّبُ القِلَّةَ وَيُؤَدِّي إِلَى الذِّلَّةِ .(۸۷)

ترجمہ: بُرے لوگوں کی ہم نشینی دراصل ایسی صحبت رکھنے والے کی (اپنی) شر پسندی پر دلالت کرتی ہے۔ نعمتوں کا انکار تکبر کی نشانی اور دیگر قباحتوں کی پیروی ہے، ہٹ دَھرمی سلامتی کو زائل کرنے والی اور شرمندگی لانے والی ہے۔ تمسخر دَر حقیقت بیوقوفوں کا شیوہ اور جاہلوں کا طریقہ ہے۔ حماقت آمیز عجلت لوگوں کو غصہ دلانے والی اور جدائی پیدا کرنے والی ہے اور نافرمانی قلت کی فراوانی اور رسوائی سے ہمکنار کرنے والی ہے۔

۱۰. إِيَّاكَ وَالحَسَدَ ؛ فَإِنَّهُ يُبِيْنُ فِيْكَ وَلَا يُبِيْنُ (يَعْمَلُ) في عَدُوِّكَ .(۸۸)

ترجمہ: حسد سے بچو، کیونکہ وہ تمہیں اندر سے کاٹ (برباد کر) دیتا ہے، تمہارے دشمن کو نہیں کاٹتا۔

۱۱. وقال محمد بن علي بن موسى لبعض الثقات عنده ، وقد أكثر من تقريظه : أَقْلِلْ مِنْ ذَلِكَ ، فَإِنَّ كَثْرَةَ المَلَقِ تَهْجُمُ عَلَى الظِّنَّةِ ، وَإِذَا حَلَلْتَ مِنْ أَخِيْكَ في (مَحَلِّ)الثِّقةِ ، فَاعْدِلْ عَنِ المَلَقِ إِلَى حُسْنِ النيَّةِ.(۸۹)

ترجمہ: ایسی تعریفیں کم کیا کرو، کیونکہ بہت زیادہ چاپلوسی کرنے سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے، پس جب کبھی کسی بھائی کی جائز تعریف کرنے پڑے، تو چاپلوسی چھوڑ کر اچھی نیت کے ساتھ (حق بات) کرو۔

تاریخ وصال

خالق حقیقی کی جانب سفر انسانی زندگی کا ناقابل فراموش عنصر ہے، لہٰذا کسی انسان کو اس اَمر سے اعراض ممکن نہیں۔ سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ بھی عنفوان شباب میں راہی ملک بقا ہوئے اور یوں کمسنی میں ہی اہل بیت کا یہ نیّر تاباں ہمیشہ کے لیے آسودہ خاک ہو کر بغداد معلیٰ میں جدّ بزرگوار سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آرام فرما ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سال وصال اور تاریخ کے متعلق اختلاف ہے، لیکن جمہور ائمہ ومؤرخین کی رائے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور پھر پچیس سال کی عمر میں ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ اختلافی آراء کا مختصر بیان زیب قرطاس ہے:

۸۷۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ۲/ ۱۸۲ ، الرقم ٤٢٦.
۸۸۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ۲/ ۱۸۳ ، الرقم ٤٢٧.
۸۹۔ التذكرة الحمدونية ، للشيخ ابن حمدون ، ٤/ ٣٦٣ ، الرقم ٩٢٧.

۱۔ ۲۱۹ھ

شیخ ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں بصورت قول ضعیف، شیخ ابن تیمیہ نے "منهاج السنة" میں بصورت قول ثانی، جبکہ شیخ ابن تغری بردی نے "النجوم الزاهرة" اور شیخ ابن طولون "الشذرات الذهبية" میں جزماً اسی سال آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ذکر کی ہے(۹۰)۔ شیخ سبط ابن الجوزی نے "مرآة الزمان"(۹۱) میں بحوالہ خطیب بغدادی ۲۱۹ھ میں وفات کا قول اوّلاً نقل کیا، لیکن اُن سے نقل میں سہو واقع ہوا، کیونکہ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب میں دو متصل اَسانید کے ساتھ بصراحت ۲۲۰ھ کا ہی قول لکھا ہے، جیساکہ آگے مذکور ہے، چنانچہ اُن کی جانب ۲۱۹ھ کا قول دُرست نہیں۔ نیز انھوں نے بحوالہ خطیب "لخمس ليال بَقين من ذي الحجة" یعنی ۲۵ تاریخ لکھی، جبکہ اصل کتاب میں "لخمس ليال خَلَون من ذي الحجة" یعنی ۵ مذکور ہے۔ البتہ سبط ابن الجوزی کا اپنا رجحان ۲۱۹ھ کی جانب ہے، کیونکہ انھوں نے اسی سال وفات پانے والوں میں آپ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ درج کیا ہے۔

۲۔ ۲۲۰ھ

شیخ ابوسلیمان محمد ربعی دمشقی، متوفی ۳۷۹ھ نے "تاريخ مولد العلماء ووفياتهم"، شیخ خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد" میں دو متصل اسانید کے ساتھ، نیز شیخ ابن جوزی حنبلی نے "المنتظم"، شیخ ابن خلکان نے "وفيات الاعيان" میں بصورت قول اوّل جزماً، جبکہ شیخ صفدی نے "الوافي بالوفيات"، شیخ ابن اثیر جزری نے "الكامل في التاريخ" شیخ دیار بکری نے "تاريخ الخميس" اور شیخ عصامی نے "سمط النجوم" میں اس سال آپ رضی اللہ عنہ کا وصال بیان کیا ہے۔(۹۲) شیخ ذہبی نے "تاريخ الإسلام" میں ۲۱۹ھ / ۲۲۰ھ دو قول بیان کیے، لیکن ۲۱۹ھ کو کمزور لکھا، البتہ اپنی

۹۰۔ **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ٤/ ١٧٤، الرقم ٥٦١. **منهاج السنة**، للشيخ ابن تيمية، ٤/ ٦٨. **النجوم الزاهرة**، للشيخ ابن تغري بردي، ٢/ ٢٨٢، ذكر السنة ٢١٩هـ. **الشذرات الذّهبية**، للابن طولون، الصفحة ١٠٤.

۹۱۔ **مرآة الزمان**، للشيخ سبط ابن الجوزي، ١٤/ ٢٤٢. ذكر السنة ٢١٩هـ.

۹۲۔ **تاريخ مولد العلماء ووفياتهم**، للشيخ ابن زبر الربيعي، الصفحة ٤٨٩، ذكر السنة ٢٢٠هـ. **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ٤/ ٩٠، الرقم ١٢٦١. **المنتظم**، للجوزي، ١١/ ٦٢. **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ٤/ ١٧٤، الرقم ٥٦١. **الوافي بالوفيات**، للصفدي، ٤/ ٧٩، الرقم ١٥٨٩. **الكامل في التاريخ**، للجزري، ٦/ ٤٥٢، المسلسل ٩٥٠، ذكر السنة ٢٢٠هـ

دوسری کتاب "دُول الإسلام" میں ۲۲۰ھ پر ہی جزم کیا ہے[۹۳]۔

۳۔ بروز منگل، ۵/۶/۲۵۔ذی الحجہ

آپ رضی اللہ عنہ کے یوم وفات پر زیادہ اختلاف نہیں، چنانچہ اس بارے میں دو موٴقف سامنے آئے ہیں، جن میں روزِ وفات کی تعیین پر توسب کا اتفاق ہے کہ وہ "منگل" تھا، البتہ تاریخ کے بارے میں دو رائے ملتی ہیں، بعض کے نزدیک ذی الحجہ کی پانچ اور بعض کے نزدیک چھ تاریخ تھی۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں ۵/۶ ذی الحجہ بروز منگل کے دونوں قول، جبکہ ابن جوزی "المنتظم"، ابن خلکان "وفيات الأعيان" اور عصامی مکی نے "سمط النجوم" میں پانچ ذی الحجہ بروز منگل، اور دیار بکری نے بحوالہ جامی "تاريخ الخميس" میں چھ ذی الحجہ بروز منگل تحریر کیا ہے، جبکہ شیخ ابن اثیر جزری نے "الكامل في التاريخ" میں بغیر تاریخ ذوالحجہ کا مہینہ ذکر کیا ہے۔ ابن تغری بردی "النجوم الزاهرة" میں ۲۵ ذوالحجہ لکھا، جس کی تائید کسی ماخذ میں موجود نہیں۔ ان کے حوالہ جات ماقبل متعدد مرتبہ گزر چکے۔

. **تاريخ الخميس** ، للشيخ الديار بكري ، ذكر خلافة المعتصم بالله ، ۲/ ۳۳٦،و۲۸۷. **سمط النجوم والعوالي** ، للعصامي المكي ، الباب الأول ، في ذكر نسب الطالبيين ٤/ ١٤٩ .

۹۳۔ **دول الإسلام** ، للذهبي ، ۱/ ۱۹۱ ، ذكر السنة ۲۲۰هـ . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ، ۱۵/ ۳۸۵ ، الرقم ۳۷۲.

سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات، طائرانہ جائزہ

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	مقام	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
ابو سلیمان محمد ربیعی، متوفی ۳۷۹ھ	تاریخ مولد العلماء	—	—	—	—	۲۲۰ھ	جزماً
خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد	بغداد	منگل	۶/۵	ذوالحجہ	=	نقلاً
عبد الرحمن ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ	المنتظم	=	منگل	۵	=	=	جزماً
عز الدین ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	الکامل فی التاریخ	=	—	—	=	=	جزماً
سبط ابن الجوزی، متوفی ۶۵۴ھ	مرآۃ الزمان	—	—	—	—	۲۱۹ھ	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	بغداد	منگل	۵	ذوالحجہ	۲۲۰ھ	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	=	—	—	—	۲۱۹ھ	نقلاً
تقی الدین ابن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ	منہاج السنہ	=	—	—	—	۲۲۰ھ	جزماً
تقی الدین ابن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ	منہاج السنہ	=	—	—	—	۲۱۹ھ	احتمالاً
شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	تاریخ الاسلام	=	—	—	ذوالحجہ	۲۲۰ھ	جزماً
شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	تاریخ الاسلام	=	—	—	=	۲۱۹ھ	نقلاً
صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ	الوافی بالوفیات	=	—	—	—	۲۲۰ھ	جزماً
ابن تغری بردی اتابکی، متوفی ۸۷۴ھ	النجوم الزاہرۃ	—	—	۲۵	ذوالحجہ	۲۱۹ھ	جزماً
شمس الدین ابن طولون، متوفی ۹۵۳ھ	الشذرات الذہبیۃ	بغداد	—	—	—	=	جزماً
محمد بن حسین دیار بکری، متوفی ۹۶۶ھ	تاریخ الخمیس	—	منگل	۶	ذوالحجہ	۲۲۰ھ	نقلاً
عبد الملک عصامی مکی، متوفی ۱۱۱۱ھ	سمط النجوم	بغداد	منگل	۵	=	=	جزماً

کیا سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا؟

عام طور پر یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کو بھی دیگر اسلاف کی طرح زہر دیا گیا، جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، اور اس مؤقف کی تائید میں کچھ رکیک اور شرمناک اُمور کو آپ کی زوجہ اُمّ الفضل بنت مامون کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، جو کسی بھی طرح لائق اعتناء اور معقول نہیں، چنانچہ اخلاقیات سے پست ہونے کے سبب ہم

ان واقعات واُمور کو درج نہیں کر رہے، البتہ اہلسنّت کے مقابل مکتبہ فکر کی بعض اُمہات اور بیشتر عام کتب میں وہ باتیں مندرج ہیں، اہل علم وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں، نیز ممکن ہے کہ ایسی روایات اُن کے یہاں بھی ضعیف و مردود ہوں، اسی لیے ان کے محققین نے متذکرہ اُمور کو سببِ شہادت نہیں گردانا۔ واللہ اعلم

بہر حال اہلسنّت کے مصادر و مآخذ کی ورق گردانی کے دوران ہمیں کوئی ایسا حوالہ واقتباس صراحۃً واشارۃً بھی میسّر نہیں آسکا، جس میں بیان کیا گیا ہو، کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب زہر تھا، جس کی وجہ سے شہادت ہوئی، یہ بات غالباً متقدمین ائمہ ومؤرخین کے یہاں مسلّمہ تھی، اسی لیے انھوں نے آپ کی طبعی وفات کا ہی بیان کیا ہے، پس اگر وفات کا سبب زہر یا کوئی دیگر اَمر ہوتا، تو بقیہ اہل بیت کی شہادتوں کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ضرور کہیں نہ کہیں ذکر موجود ہوتا، لیکن ایسا معلوم نہیں ہو سکا، البتہ اس کے بر عکس بعض متاخر مؤرخین نے صراحۃً زہر سے شہادت کی نفی لکھی، چنانچہ شیخ دیار بکری نے بحوالہ جامی "تاریخ الخمیس" اور شیخ عصامی مکی نے "سمط النجوم" میں لکھا:

کہا جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا، لیکن یہ بات دُرست نہیں۔ (۹۴)

نمازِ جنازہ اور تدفین

سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ خلیفہ ابو جعفر ہارون ثانی الواثق باللہ بن معتصم باللہ بن ہارون رشید، متوفی ۲۳۲ھ نے پڑھائی۔ اوراہل علم کے یہاں اس میں کوئی اختلاف معلوم نہیں، چنانچہ ہم یہاں صرف خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی سند متصل کے ساتھ ذکر کردہ عبارات نقل کر رہے ہیں، جس میں نا صرف نمازِ جنازہ کا بیان، بلکہ تدفین و عمر کے بارے میں بھی کلام ہے، بقیہ ائمہ کی عبارات نفس مسئلہ یکساں ہیں، لہٰذا ایراد کی حاجت نہیں۔

أنبأنا إبراهيم بن مخلد ، قال : أخبرنا عبد الله بن إسحاق البغوي ، قال : أخبرنا الحارث بن محمد ، قال : حدّثنا محمد بن سعد ، قال : سنة عشرين ومائتين فيها توفي محمد بن علي بن موسى بن جعفر بن محمد بن علي ببغداد ، وكان قدمها على أبي إسحاق من المدينة ، فتوفي بها يوم الثلاثاء لخمس ليال خلون

۹۴- **تاريخ الخميس** ، للشيخ الديار بكري ، ذكر خلافة المعتصم بالله ، ۲/ ۳۳٦، و۲/ ۲۸۷. **سمط النجوم والعوالي** ، للعصامي المكي ، الباب الأول ، في ذكر نسب الطالبين ٤/ ۱٤۹ .

من ذي الحجة ، وركب هارون بن أبي إسحاق فصلى عليه عند منزله في رحبة أسوار بن ميمون ناحية قنطرة البردان ، ثم حمل ودفن في مقابر قريش .(٩٥)

ترجمہ: ہمیں ابراہیم بن مخلد نے خبر دی، کہ انھیں عبد اللہ بن اسحاق بغوی نے، انھیں حارث بن محمد نے اور انھیں محمد بن سعد نے بیان کیا ہے:

۲۲۰ھ میں محمد بن علی بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی نے بغداد میں وفات پائی، اور یہ مدینہ منورہ سے ابو اسحاق (خلیفہ معتصم باللہ) کے پاس آئے ہوئے تھے، پس اسی دوران انھوں نے بروز منگل پانچ ذی الحجہ کو وصال کیا، ہارون بن ابی اسحاق (خلیفہ الواثق باللہ بن معتصم باللہ) نے جنازہ اُٹھایا، اور محلّہ قنطرۃ البردان (مضافات بغداد) میں اَسوار بن میمون کے میدان میں انکے گھر کے قریب نماز پڑھائی، پھر انھیں لے جاکر مقابر قریش (میں جدّ گرامی سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کے پہلو) میں تدفین کی۔

یوں ہی خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری عبارت ہے:

آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۵/۶ ذی الحجہ، منگل کے دن ۲۲۰ھ میں وصال ہوا۔ شیخ محمد بن سنان کے مطابق عمر پچیس سال، تین مہینے اور باراں دن تھی۔ (الواثق باللہ) ہارون بن ابو اسحاق (معتصم باللہ) نے جنازہ پڑھایا، اور مقابر قریش (مشہد کاظمیہ، بغداد) میں تدفین ہوئی۔(۹۶)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ خلیفہ الواثق باللہ نے پڑھائی، حالانکہ یہ دور المعتصم باللہ کی خلافت کا تھا، اس کی خلافت کا زمانہ ۲۱۸ھ میں مامون رشید کی وفات سے شروع ہو کر ۲۲۷ھ میں انتقال کر جانے پر ختم ہوتا ہے اور سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ چونکہ انھیں سے ملنے اپنی اہلیہ اور اُس کی بھتیجی کے ہمراہ بغداد آئے تھے، پس اس رشتے اور بحیثیتِ خلیفہ

٩٥- **تاريخ بغداد** ، للخطيب، ٤/ ٩٠ ، الرقم ١٢٦١. **المنتظم** ، للجوزي ، ١١/ ٦٢. **وفيات الأعيان** ، للابن خلكان ، ٤/ ١٧٤ ، الرقم ٥٦١ . **مرآة الجنان**، لليافعي ، ٢/ ٦١. **مرآة الزمان** ، للسبط ابن الجوزي ، ١٤/ ٢٤٢ . ١٥٨٩. **الكامل**، للجزري،٦/ ٤٥٢ .

٩٦- **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ٤/ ٩٠ ، الرقم ١٢٦١.

وقت نمازِ جنازہ بھی اُسی کو پڑھانی چاہیے تھی، لیکن ایسا نہیں ہوا، تو اسکی وجہ یہ تھی، کہ خلیفہ معتصم باللہ نے ذو القعدہ میں ''قاطول'' مضافاتِ بغداد کے علاقے کی جانب سفر کیا اور پھر ۲۲۱ھ تک ''سامراء'' شہر کی تعمیر تک وہی رہا، جیسا کہ امام ابن جریر طبری نے ''تاریخ الرسل والملوك'' میں تفصیلاً اور شیخ ابن جوزی نے ''المنتظم'' میں اجمالاً متعلقہ سن ۲۲۰ھ کے تحت بیان کیا، چنانچہ اُس نے فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے خلافت کی عارضی باگ دوڑ و نیابت اپنے بیٹے الواثق باللہ کو سونپی، تو اس سے عیاں ہوتا ہے کہ خلیفہ معتصم باللہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت بغداد میں موجود ہی نہ تھا، اسی لیے اُس کے نائب ہونے کی حیثیت سے الواثق باللہ نے نمازِ جنازہ پڑھا کر تدفین کے اُمور سر انجام دیئے۔

مزارِ جواد رضی اللہ عنہ پر ائمہ کی حاضری

بغداد کے علاقہ کاظمیہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک اپنے جدّ بزرگوار سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود ہے، اسے مقابر قریش، شونیزیہ، مشہد کاظمین'' وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، ائمہ نے ان مزارات کی حاضری و برکات کا ذکر کیا ہے، جن میں سے کچھ کے بارے میں سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ کے باب میں مختصر تفصیلات گزر چکی، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ومشهدهما ينتابه العامة بالزيارة .[٩٧]

ترجمہ: ان دونوں کے مزارات زیارت گاہِ اَنام ہیں۔

ماہر انساب شیخ سمعانی ان مزارات پر اپنی متعدد مرتبہ حاضری اور بطور خاص سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کا ذکر یوں کرتے ہیں:

ومشهده ببغداد مشهور يزار ، يقال له : مشهد باب البر . ويقال له مقابر قريش أيضاً . زرته غير مرة مع ابن ابنه محمد بن الرضا علي بن موسى .[٩٨]

ترجمہ: ان (موسیٰ کاظم) کا مزار بغداد کے علاقہ میں مشہور زیارت گاہ ہے، اس مقام کو ''مشہد باب البر'' اور ''مقابر قریش'' بھی کہتے ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ ان کی اور ان کے پوتے محمد بن علی رِضا بن موسیٰ کے مزارات کی زیارت کی ہے۔

٩٧- **العبر**، للذهبي، ١/ ٣٠٠، ذكر السنة ٢٢٠هـ . **شذرات الذهب**، للابن العماد الدمشقي، ٣/ ٩٧.
٩٨- **الأنساب**، للسمعاني، ١٢/ ٤٧٨، تحت العنوان : الموسوي، الرقم ٣٩٧٧.

سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کی کرامت

شیخ سیّد یوسف بن اسماعیل نبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ "جامع کرامات الأولیاء"[۹۹] میں لکھتے ہیں:

امام محمد جواد جب بغداد سے مدینہ طیبہ[۱۰۰] کے لیے روانہ ہوئے، تو لاتعداد لوگ الوادع کہنے کے لیے ساتھ چل پڑے۔ آپ باب کوفہ میں "دارِ مسیّب" پر تشریف لائے تو سورج غروب ہو گیا، آپ نے وہیں نزولِ اجلال فرمایااور نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے وہاں ایک پرانی مسجد میں قدم رنجہ فرمایا، مسجد کے صحن میں بیری کا درخت تھا، جس پر کبھی پھل نہیں لگا تھا، آپ نے پانی سے بھرا کوزہ طلب فرمایااوراس درخت کی جڑوں میں وضو فرمایا، پھر نماز مغرب ادا فرمائی۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ نصر اوردوسری رکعت میں سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی۔ بعد ازاں ذکر الٰہی میں مشغول ہوئے اور پھر چار رکعت نفل نماز اوردو سجدۂ شکر اَدا کیے۔ اسکے بعد وہاں سے اُٹھے اور الوداع کہتے ہوئے تشریف لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو عجیب منظر تھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ بیری کا درخت بہت اچھے

۹۹۔ **جامع كرامات الأولياء** ، للنبهاني ، ١/ ١٦٩-١٦٨ ، مركز أهل السنة بركات رضا ، الهند . **الإتحاف بحبّ الأشراف** ، للشبراوي ،الصفحة٣٥٧ ، دار الكتاب الإسلامى بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٢ء. **أخبار الدول** ، للقرماني ، ١/ ٣٤٨ ، مختصراً.

۱۰۰۔ اس واقعہ میں مذکور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بغداد سے واپسی کا سفر اختیار کیااور لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کے لیے ساتھ چلتے ہوئے اختتام شہر تک آن پہنچے، جہاں یہ کرامت ظاہر ہوئی۔ اس سیاق سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۲۱۵ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کے سفر اوّل کا ہے، جس میں آپ رضی اللہ عنہ شادی کے بعد اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس لوٹے، لیکن اس پر مزید اشکال وارد ہوتا ہے کہ ماقبل سفر حج میں ائمہ کی تفصیلات سے واضح ہوچکا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے شادی کے بعد پہلے حج اور پھر مدینہ منورہ مراجعت کی، لیکن یہاں براہ راست مدینہ منورہ کا ذکر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مآل مسافت اور حتمی منزل تو مدینہ منورہ تھی، حج بیت اللہ چونکہ وقتی سفر تھا، اس لیے اصل مستقر کا بیان ہوا، نیز اگر یہ واقعہ آپ رضی اللہ عنہ کے بغداد کے دوسرے سفر ۲۲۰ھ کا ہو، تو پھر تاویل یہ ہو گی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مراجعت کا ارادہ کیااور مذکورہ مقام تک پہنچے بھی گئے، لیکن پھر خروج سے قبل ہی بیماری یا کسی سبب سے دوبارہ بغداد لوٹے اور وہیں وصال فرما کر وہیں مدفون ہوئے۔ واللہ اعلم۔ بعض شیعی کتب میں ذکر کردہ واقعہ کی روشنی میں بھی پہلے سفر کی ہی تائید ہوتی ہے۔

پھل سے بھرا ہوا ہے، لوگ اس واقعے سے بہت حیران تھے، اسی دوران جب پھل دیکھا تو اور بھی حیرانی ہوئی کہ اس میں گٹھلی نہ تھی۔

توبہ کی مقبولیت

شیخ ابو علی تنوخی، متوفی ۳۸۴ھ نے ابو القاسم سعدی کے بد فعلی سے تائب ہونے کا واقعہ تفصیلاً درج کیا:

کہ انھوں نے پندرہ شعبان المعظم کو خواب دیکھا کہ وہ مقابر قریش میں ہے اور دریں حال ندا ہوئی کہ سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور سیّدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شہزادوں کی زیارت کے لیے تشریف لا رہے ہیں، پس یہ حضرات وہاں تشریف لائے اور سیّدنا محمد بن علی بن موسی الجواد رضی اللہ عنہ کے مقبرہ میں داخل ہو گئے۔ پھر طویل خواب میں مذکور ہے کہ سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کی سفارش سے انھیں توبہ کی توفیق ملی۔ اسے ابو القاسم سے سننے والے ابو علی قاری ضریر کہتے ہیں:

بعد اَزاں مجھے بھی خواب میں سیّدہ خاتون جنت علیہا السلام کی زیارت کا موقع نصیب ہوا تو میں نے عرض کی: اے سیّدہ بی بی! کیا ابو القاسم سعدی جو خواب بیان کرتا ہے وہ صحیح ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔[۱۰۱]

اسے کرامات کے ضمن میں اسے لیے درج کیا گیا کہ اوّلاً اس کی توثیق دوسرے فرد سے بھی منقول ہے اور پھر اسے تنوخی نے نقل کر کے تائید کر دی، لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم اسے ہر گز بیان نہ کرتے، کیونکہ اس خواب کی تفصیلات میں کچھ باتیں ایسی ہیں، جنھیں مقدس ذوات کے سیاق وسباق میں لانے پر دل ودماغ آمادہ نہ تھے، چنانچہ تقاضائے اَدب کے پیش نظر اجمالی بیان پر اکتفا ہے۔ بہر کیف اس خواب میں مقابر قریش میں بطور خاص سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کی قبر پر سادات جنت کا تشریف لانا اور پھر گنہگار بندے کو اس نسبت سے توبہ کی توفیق ملنا ہمارے مضمون سے مطابقت رکھتا ہے۔

۱۰۱۔ **الفرج بعد الشدة**، للتنوخي القاضي، ۲/ ۲۹۱-۲۸۹، الرقم ۲۱۷، ذكر أبو القاسم السعدي يرى مناماً فيتوب فعل المنكر. ملتقطاً.

چوتھاباب

تَذْكِرَةُ عَلِيِّ النَّقِيْ لِرَاحَةِ النَّبِيِّ الْأُمِّيْ ﷺ

امام علی نقی رضی اللہ عنہ

(ولادت ۲۱۴ھ / وفات ۲۵۴ھ)

تاریخ پیدائش اور مقام ولادت

سلسلہ اہل بیت میں اس نیّر تاباں کا ظہور عباسی سلطنت کے عروج واستحکام کے زمانہ میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت کے بارے میں تفصیل اوراختلاف دونوں ہی کمیاب ہیں، بہر کیف کتب تاریخ وسیر کے مطالعے سے جو کچھ میسّر آسکا، اس کی اجمالی تفصیل زیب قرطاس ہے۔

(۱) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۲۱۲ہجری /۸۲۷ءعیسوی میں ہوئی

شیخ ابن اثیر جزری نے "الكامل في التاريخ" اورامام سیّد محمد مرتضیٰ زبیدی نے "تاج العروس" میں یہی سن بیان کیاہے[1]، جبکہ جزری نے اپنی دوسری کتاب "اللباب" میں جمہور کی موافقت کی ہے، جیسا کہ آرہاہے۔ ان کے علاوہ اہلسنت کے معتبر مصادر میں اس کی تائید نہیں ملی، البتہ اہل تشیع میں سے بیشتر کا رُجحان اسی جانب ہے، ملاحظہ ہو: "بحار الأنوار، ۱۲/ ۲۱۸-۲۱۷ . موسوعة سيرة أهل البيت، للقرشي،۳۳/ ۲۰"۔

(۲) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۲۱۳ہجری /۸۲۸ءعیسوی میں ہوئی

شیخ یافعی نے "مرآة الجنان"، شیخ صفدی نے "الوافي بالوفيات" شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان" اور شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان" میں اسے "قیل" کے ساتھ بطور قول ثانی نقل کیا، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ شاذ قول ہے، چنانچہ بغرض استیعاب اسے بھی ذکر کیا، اگرچہ جمہور ائمہ اور خود ان کے یہاں بھی اس پر اعتماد نہیں کیاگیا۔[2]

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۲۱۴ہجری /۸۲۹ءعیسوی میں ہوئی

شیخ یافعی نے "مرآة الجنان"، شیخ صفدی نے "الوافي بالوفيات"، شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان"، شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان" اور خواجہ محمد پارسا نے "فصل الخطاب" میں بطور قول اوّل، جبکہ شیخ ابن اثیر جزری نے

۱۔ **الكامل في التاريخ**، للجزري، ۷/ ۱۸۸، المسلسل ۱۰۱۷، ذكر السنة ۲۲۰هـ . **تاج العروس من جواهر القاموس**، للزبيدي، ۱۳/ ۴۰، تحت المادة ؛ عسكر .

۲۔ **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ۳/ ۲۷۳، الرقم ٤٢٤ . **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ۱۱۹، ذكر السنة ۲٥٤هـ . **الوافي بالوفيات**، للصفدي، ۲۲/ ٤۹، الرقم ۲٤. **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۱٥/ ۳۳۳ .

"اللباب في تهذيب الأنساب"، شیخ ابن تغری بردی نے "النجوم الزاهرة"، شیخ دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" اور شیخ عصامی نے "سمط النجوم والعوالي" میں جزماً صرف اسی کو آپ رضی اللہ عنہ کا سن پیدائش قرار دیا، چنانچہ مذکور ہے:

ولد سنة أربع عشرة ومائتين ، وقيل : سنة ثلاث عشرة ومائتين .(۳)

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ ۲۱۴ھ اور بعض کے نزدیک ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔

جبکہ شیخ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں اپنی سند متصل کے ساتھ ابو سعید ازدی سہل بن زیاد سے نقل کیا:

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش رجب ۲۱۴ھ میں ہوئی۔(۴)

الغرض سن پیدائش کے بارے میں یہ مؤخر الذکر رائے بیشتر ائمہ ومؤرخین کے یہاں پسندیدہ اور مختار ہے، ان کے علاوہ کسی سن پیدائش کا قول کتب اہلسنّت میں معلوم نہیں ہو سکا۔ واللہ اعلم

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش "مدینہ منورہ زادها الله شرفاً وتعظيماً" ہے

شیخ جزری نے "اللباب في تهذيب الأنساب" میں ضمناً جبکہ شیخ یافعی نے "مرآة الجنان"، شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان"، شیخ دیار بکری نے "تاريخ الخميس"، شیخ عصامی نے "سمط النجوم والعوالي" اور شیخ قرمانی نے "أخبار الدول" میں مدینہ منورہ (زادها الله شرفاً وتعظيماً) کو آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش قرار دیا ہے۔(۵)

۳۔ **اللباب في تهذيب الأنساب**، للشيخ ابن الأثير الجزري، ۲/ ۳۴۰، تحت المادة ؛ العسكري . **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ۳/ ۲۷۴، الرقم ۴۲۴ . **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ۱۱۹، ذكر السنة ۲۵۴هـ . **الوافي بالوفيات**، للصفدي، ۲۲/ ۴۹، الرقم ۲۴. **النجوم الزاهرة**، للشيخ ابن تغري بردي، ۲/ ۴۱۰، ذكر السنة ۲۵۴هـ . **سمط النجوم والعوالي**، للعصامي، ۴/ ۱۴۹ . **تاريخ الخميس**، للدياربكري، ۲/ ۲۸۷ . **فصل الخطاب**، للشيخ محمد البارسا، الصفحة ۴۴۱، ذكر علي الهادي . **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۱۵/ ۳۳۳ .

۴۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۳/ ۵۲۰، الرقم ۶۳۹۳.

۵۔ **أخبار الدول وآثار الأول في التاريخ**، للقرماني، ۱/ ۳۴۹ . بقیہ حوالہ جات ما قبل گزرے۔

(۴) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا مہینہ "رجب/ذوالحجہ" ہے

پیدائش کے مہینے میں معمولی اختلاف ہے، چنانچہ جمہور کے نزدیک "رجب المرجب" اور دیگر بعض کے نزدیک "ذوالحجہ" ہے۔ شیخ دیار بکری نے "تاريخ الخميس" اور شیخ عصامی نے "سمط النجوم والعوالي" میں صرف اوّل الذکر کو ہی اختیار کیا ہے، جبکہ ما قبل مذکور دیگر ائمہ میں سے بیشتر نے بطور قول اوّل "رجب" اور بصورت قول شاذ "ذوالحجہ" کو بھی ذکر کیا ہے، لیکن غالب حضرات مؤرخین کا رُجحان "رجب" کی جانب ہی ہے۔

(۵) آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ پیدائش "۱۳رجب/۹ذوالحجہ (یوم عرفہ)" ہے

شیخ دیار بکری اور شیخ عصامی نے متذکرہ مقامات پر "۱۳رجب" کے قول پر ہی اکتفاء کیا ہے، جبکہ باقی ائمہ ومؤرخین میں سے بیشتر نے قول اوّل کی صورت میں اسے اختیار کیا ہے، البتہ انھیں میں سے چند ائمہ نے "۹ذوالحجہ" کو بھی شاذ قول کی صورت میں درج کیا، چنانچہ جمہور ائمہ کی آراء کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کا یوم پیدائش "۱۳رجب المرجب" ہے۔

ولادته في الثالث عشر من رجب ، وقيل : في يوم عرفة .(۶)

ترجمہ: ان کی پیدائش ۱۳رجب اور بعض کے نزدیک یوم عرفہ کو ہوئی۔

(۶) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا دن "اتوار" ہے

شیخ صفدی نے "الوافي بالوفيات" اور شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان" میں اسی دن آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ذکر کی ہے، البتہ ان کے علاوہ دیگر ائمہ ومؤرخین کے یہاں روز پیدائش کی تعیین بیان نہیں ہوئی۔

۶۔ حواشی رقم ۲/۳ کے تحت حوالہ جات درج کیے جا چکے ہیں، وہاں مراجعت فرمائیں۔

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کی تاریخ پیدائش، طائرانہ جائزہ

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	مقام	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد	—	—	—	رجب	۲۱۴ھ	نقلاً
عزالدین ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	الکامل فی التاریخ	—	—	—	—	۲۱۲ھ	جزماً
عزالدین ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	اللباب فی الانساب	—	—	—	—	۲۱۴ھ	=
سبط ابن جوزی، متوفی ۶۵۴ھ	مرآۃ الزمان	—	—	—	—	=	=
سبط ابن جوزی، متوفی ۶۵۴ھ	مرآۃ الزمان	—	—	—	رجب	=	نقلاً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	اتوار	۱۳	=	=	جزماً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	—	۹	ذوالحجہ	=	نقلاً
ابو العباس احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	—	—	—	۲۱۳ھ	=
صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ	الوافی بالوفیات	—	اتوار	۱۳	رجب	۲۱۴ھ	جزماً
صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ	الوافی بالوفیات	—	—	۹	ذوالحجہ	=	نقلاً
صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ	الوافی بالوفیات	—	—	—	—	۲۱۳ھ	=
عبد اللہ یافعی مکی، متوفی ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان	—	—	۱۳	رجب	۲۱۴ھ	جزماً
عبد اللہ یافعی مکی، متوفی ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان	—	—	۹	ذوالحجہ	=	نقلاً
عبد اللہ یافعی مکی، متوفی ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان	—	—	—	—	۲۱۳ھ	=
ابن تغری بردی اتابکی، متوفی ۸۷۴ھ	النجوم الزاہرۃ	—	—	—	—	۲۱۴ھ	جزماً
شمس الدین ابن طولون، متوفی ۹۵۳ھ	الشذرات الذھبیۃ	مدینہ	—	۱۳	رجب	=	=
شمس الدین ابن طولون، متوفی ۹۵۳ھ	الشذرات الذھبیۃ	=	—	۹	ذوالحجہ	=	نقلاً
شمس الدین ابن طولون، متوفی ۹۵۳ھ	الشذرات الذھبیۃ	=	—	—	—	۲۱۳ھ	=
محمد بن حسین دیار بکری، متوفی ۹۶۶ھ	تاریخ الخمیس	=	—	۱۳	رجب	۲۱۴ھ	جزماً
عبد الملک عصامی مکی، متوفی ۱۱۱۱ھ	سمط النجوم	=	—	=	=	=	=
سیّد مرتضی زبیدی، متوفی ۱۲۰۵ھ	تاج العروس	—	—	—	—	۲۱۲ھ	=

کنیت اور اَلقاب

جمہور ائمہ و مؤرخین نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو چند کلمات تحریر کیے، اُن میں آپ رضی اللہ عنہ کو "أبو الحسن" کی کنیت سے موسوم کیا گیا ہے، چنانچہ اہلسنّت کے یہاں تمام حضرات کا اتفاق ہے کہ یہی آپ کی کنیت تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اسلاف گرامی میں اس کنیت کے حامل کئی ائمہ ہوئے ہیں، چنانچہ سیّدنا مولی علی مرتضیٰ، سیّدنا علی زین العابدین، سیّدنا کاظم اور سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہم بھی اسی کنیت سے موسوم تھے، جیسا کہ کتب سیر و تاریخ میں مرقوم ہے، اوّل الذکر دونوں حضرات کے بارے میں اتفاق ہے، البتہ بعد کی دونوں شخصیات کے بارے میں اہل تشیع کا اختلاف ہے، لیکن اہلسنّت کے یہاں تمام مؤرخین و محدثین نے اُن کی بابت بھی "ابوالحسن" ہی کنیت تحریر کی، جیسا کہ اس کے بارے میں تفصیلی دلائل وابحاث متعلقہ ابواب میں گزر چکی، چنانچہ اس طور پر سیّدنا علی المعروف ہادی رضی اللہ عنہ نسل حسینی کے ائمہ میں پانچویں شخصیت ہیں، جن کی کنیت "ابوالحسن" ہوئی۔ تو اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی، کہ جنھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو ما قبل ائمہ سے امتیاز دینے کے لیے **"ابوالحسن ثالث"** کہا، تو اُن سے معاملے کی تحقیق میں خطا واقع ہوئی، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ تیسرے نہیں، بلکہ پانچویں تھے، لہٰذا انھیں "ثالث" کہنے کی وجہ معقول نہیں۔ پس اگر یہ حضرات معروف کتب رجال و تاریخ پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے ائمہ اہل بیت کے اسماء پر توجہ فرمالیتے، تو شاید انھیں التباس نہ ہوتا۔ بہر کیف اُردو سوانح نگاروں کے یہاں تو یہ غلط فہمی عام ہے، جبکہ کئی مؤقر حضرات کے یہاں بھی ایسا واقع ہوا ہے۔ متذکرہ وجہ کے علاوہ ہمیں کوئی دوسری وجہ معلوم نہیں ہو سکی، کہ اُسے پیش نظر رکھ کر کسی تاویل و توجیہ کا سہارا لیا جاتا، چنانچہ ممکن ہے کہ اس کی کوئی معقول توجیہ بھی ہو، جس کا ہمیں اِدراک حاصل نہ ہو سکا۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ بَر کلام "شواهد النبوة للجامي"

اہلسنّت کے مصادر و مراجع میں ہمیں "ابوالحسن ثالث" کا استعمال آپ رضی اللہ عنہ کے لیے دکھائی نہیں دیا، البتہ شیخ دیار بکری نے "تاريخ الخميس" میں اسے شیخ جامی کی "شواهد النبوة" کے حوالے سے بیان کیا ہے، پس اس بارے میں عرض ہے کہ اولاً شیخ دیار بکری ہمارے بنیادی مآخذ میں سے نہیں، ہم نے ان کی کتاب سے اپنی تحریرات میں جزوی وثانوی حیثیت سے استفادہ کیا ہے، ثانیاً شیخ جامی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب بوجوہ ایسی نہیں کہ اُس پر مکمل اعتماد کیا جاسکے، یہی

وجہ ہے کہ ہم نے اپنی تالیف میں اس کے مندرجات سے صرف چند مقامات پر تائیدی استناد کیا ہے، اگرچہ کثرت مواد میں یہ دیگر کتب پر امتیاز رکھتی ہے، لیکن اس کے مندرجات محفوظ و محقق نہیں۔ اس بارے میں ہم اپنے مقدمے میں کچھ کلام کریں گے، چنانچہ اس میں آپ رضی اللہ عنہ کے لیے "ابوالحسن ثالث" لکھ دیا جانا ہمارے لیے خلجان کا باعث نہیں۔ لیکن اس کے برخلاف اہل تشیع کے یہاں بکثرت ائمہ ومؤرخین نے اس کا استعمال کیا ہے، جیسا کہ "بحار الأنوار" میں سیّدنا علی ہادی رضی اللہ عنہ کے باب میں کئی مقامات پر موجود ہے، اس کی بہتر وضاحت تو اہل تشیع علماء ہی کر سکتے ہیں، لیکن ہمارا گمان یہ ہے کہ شاید اُن کے یہاں بقیہ ائمہ کی کنیت میں اختلاف ہو اور قول راجح میں ان حضرات کی کنیت کچھ اور ہو، اسی لیے وہ سیّدنا علی نقی المعروف ہادی رضی اللہ عنہ کے لیے اتفاقی طور پر "ابوالحسن ثالث" استعمال کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

تنبیہ بر کلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

یوں ہی بعض کتب مثلاً "لسان الميزان للعسقلاني" میں انھیں "علی ثالث" بھی کہا گیا اور ہمارے نزدیک یہ بھی حقائق سے مناسبت نہیں رکھتا، کیونکہ سیّدنا مولیٰ مرتضیٰ، سیّدنا زین العابدین، اوران کے بعد ابوالحسن رِضا رضی اللہ عنہم کے نام "علی" ہوئے ہیں، چنانچہ اس لحاظ سے تو آپ رضی اللہ عنہ "علی رابع" یعنی چوتھے ہیں، اور اس میں کنیت کی طرح کسی کا اختلاف بھی نہیں، پس یہ تو اہلسنّت اور اہل تشیع دونوں کے یہاں متفقہ اسماء ہیں، لیکن حیرت ہے کہ اس بارے میں بھی دونوں ہی مکتبہ فکر کے اَجلّہ علماء کو اشتباہ لاحق ہوئے اور صدیوں سے اس پر کسی کی توجہ نہیں ہوئی۔ فافہم

ائمہ ومؤرخین اور اہل علم کے یہاں کتب و تحریرات میں آپ رضی اللہ عنہ کے لیے "الهَادِيُ" اور عام طور پر "التَّقِيُّ"، "النَّقِيُّ"، "المتَوَكِّلُ"، "الزَّكِيُّ"، "الثَّالِثُ"، "الدَّلِيْلُ" اور "النَّجِيْبُ" وغیرہ معروف ہیں۔

۱۔ "الـهَادِيُ" کو شیخ یافعی نے "مرآة الجنان"، شیخ صفدی نے "الوافي بالوفيات"، شیخ ابن خلکان نے "وفيات الأعيان"، خواجہ محمد پارسا نے "فصل الخطاب"، شیخ ابن طولون مصری نے "الائمة الاثنا عشر"، شیخ دیار بکری نے "تاريخ الخميس"، شیخ قرمانی نے "أخبار الدول" اور شیخ عصامی نے "سمط النجوم والعوالي" میں تحریر کیا ہے۔ جبکہ امام ذہبی نے "تاريخ الإسلام" اور "دُول الإسلام" میں لکھا: اہل تشیع امامیہ آپ کو اس لقب سے موسوم کرتے ہیں۔ پس حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اُن کا استعمال بیان کیا ہے، ممنوع قرار نہیں دیا، اگرچہ خود انھوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے

لیے متعلقہ مقامات پر استعمال نہیں کیا۔ لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ متعدد ائمہ نے استعمال کرتے ہوئے روا رکھا ہے، چنانچہ اگر قائل کا نظریہ دُرست ہو تو اس سے خطاب کرنے میں حرج نہیں۔ اسی لیے ہم نے دونوں معروف القاب کو تذکرہ ہذا میں بیان کیا ہے، کیونکہ اَب عرف عام میں یہ بکثرت مستعمل ہیں۔ (تخریج ماقبل ملاحظہ کریں)۔

۲۔ "التَّقِيُّ" کا لقب امام احمد بن علی قلقشندی، متوفی ۸۲۰ھ نے "مآثر الإنافة في معالم الخلافة، ۱/ ۲۳۱"، شیخ زبیدی نے "تاج العروس" اور شیخ عصامی اور شیخ دیار بکری نے متذکرہ مقام پر بیان کیا ہے۔ (تخریج ماقبل ملاحظہ کریں)۔

۳۔ "النَّقِيُّ" کا لقب زبان زدِ عام ہے، اسے علامۃ الدہر عبد العزیز پرہاروی نے "النبراس شرح العقائد، الصفحة ٦٦٣" میں ذکر کیا ہے۔

۴۔ "المُتوَكِّلُ" کا لقب شیخ قرمانی نے "أخبار الدُّول" میں لکھا ہے۔ (تخریج ماقبل ملاحظہ کریں)۔

۵۔ "الزَّكِيُّ" بطور لقب امام قلقشندی نے اپنی مذکورہ بالا کتاب، خواجہ محمد پارسا نقشبندی نے "فصل الخطاب" اور علامہ عبد العزیز پرہاروی نے "النبراس شرح العقائد" میں درج کیا ہے۔ (تخریج ماقبل ملاحظہ کریں)۔

۶۔ "الثَّالِثُ"، "الدَّلِيْلُ" اور "النَّجِيْبُ"۔ یہ تینوں القاب مع "الهادِي، التَّقِي" سیّد محمد مرتضیٰ زبیدی نے "تاج العروس" میں درج کیے ہیں، ان کے علاوہ اوّل الذکر تینوں دیگر ائمہ کے یہاں منقول نہیں۔

۷۔ "العَسْكَرِيُّ"۔ یہاں تک تو وہ معروف القاب ذکر ہوئے، جن کے معنی وصفی کا ظہور آپ رضی اللہ عنہ کی ذات وصفات کے محاسن میں عیاں تھا، لیکن اس کے علاوہ ایک معروف لقب ایسا بھی ہے، جو اہلسنّت اور اہل تشیع دونوں کے یہاں مشہور ہے اور اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا اور وہ ہے؛ "العسكري"۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ اس کا استعمال گویا جزولاینفک بن چکا ہے اور یہ بنیادی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے اَوصاف سے متعلق نہیں، بلکہ دراصل ایک جغرافیائی مقام سے تعلق رکھنے کے سبب ہے، جسے نسبت سے زیادہ لقب کے طور پر جانا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ مامون رشید کے بعد ۲۱۸ھ میں حکومت سنبھالنے والے خلیفہ المعتصم باللہ ابو اسحاق محمد بن ہارون الرشید نے بغداد میں فوجیوں کے لیے جگہ کی تنگی دیکھی، اور کچھ دیگر حفاظتی اقدامات کی جانچ کی، تو اُسے ایک نئے شہر کی آبادکاری سوجھی، لہٰذا اُس نے مضافات

بغداد میں موصل کے راستے پر ۲۲۱ھ میں اس شہر کو آباد کیا اور یہیں اپنی فوجوں بسائیں، جس کی وجہ سے یہ مقام مختلف ناموں سے جانا گیا، پس اسے "سامرا" اور "عسکر" کہتے ہیں۔ بعد اَزاں سیّدنا علی ہادی رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ وقت کے طلب کیے جانے پر یہاں قیام پذیر رہے اور پھر یہیں وصال فرمایا تو اس مناسبت سے آپ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ "عسکری" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر قیام اور دیگر اُمور کی تفصیلات اپنے مقام پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

حلیہ مبارک اور رنگت

کتب اہلسنّت میں آپ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی اتنے قلیل اور منتشر ذکر ہوئے، جن سے سوانح حیات کی مکمل آبیاری ممکن نہیں، چنانچہ اس کے پیش آپ رضی اللہ عنہ کا سراپا بھی اَوراق وکتب میں محفوظ نہیں ہو سکا، البتہ صدیوں بعد کے شیخ قرمانی نے "أخبار الدول" میں اس قدر لکھا:

"وكان أسمر"۔[۷]

یعنی؛ آپ گندمی رنگت کے حامل تھے۔

خدا جانے کہ مؤرخ ہذا نے یہ بیان کہاں سے اَخذ کیا، ہمیں اس بارے میں دیگر مآخذ سے تائید حاصل نہیں ہو سکی ،لہٰذا ہم اس بارے میں مزید کلام پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ " لَعَلَّ اللهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا. (الطلاق:٦٥/ ٠١)"

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کے والدین

آپ رضی اللہ عنہ کا نسب اُمت مسلمہ میں تواتر کے ساتھ معروف ومعتبر ہے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام سیّدنا محمد جواد بن علی رِضا رضی اللہ عنہ ہے، ان دونون حضرات کے بارے میں ماقبل کلام پیش کیا جاچکا، قارئین وہاں ملاحظہ فرمائیں، البتہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کون ہیں، اس پر مختصر کلام پیش کیا جارہا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی اور سوانح کے جمیع پہلو مقید اَوراق نہیں، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے بارے میں بھی متقدمین ائمہ ومؤرخین کے یہاں تفصیلات موجود نہیں، ہاں بعد کے اَدوار سے تعلق رکھنے والے اہلسنّت کے بعض حضرات نے اس بارے میں کچھ بیان کیا، لیکن اس کا مصدر ومرجع مجہول ہے اور یہ اَمر مجبوری انہی کی ذکر کردہ معلومات سے استفادہ ناگزیر ہے۔

۷۔ أخبار الدول وآثار الأول في التاريخ ، للقرماني ، ١/ ٣٤٩ .

متقدمین ائمہ میں سے مؤرخ وماہر انساب محمد بن حبیب بغدادی، متوفی ۲۴۵ھ نے "کتاب المحبَّر"[۸] میں آپ رضی اللہ عنہ کو حبشی خاتون کی اَولاد میں شمار کیا ہے اور یاد رہے کہ یہ سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کے معاصر بھی ہیں، چنانچہ بایں طور ان کی شہادت قوی تر دلائل میں سے ہے۔

شیخ خواجہ محمد پارسا نقشبندی نے "فصل الخطاب" میں لکھا ہے: "آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ باندی تھیں، اوران کا نام "سُمَانة" تھا"، نیز یہ نام شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان" میں بھی بطور قول ثانی درج کیا ہے، جبکہ اسے شیخ دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" میں شیخ جامی کی "شواھد النبوة" سے نقل کیا ہے۔ لیکن جب ہم نے جامی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل فارسی کتاب کے نسخے کی جانب مراجعت کی، تو وہاں "شُمانة" تحریر تھا، جبکہ اس کے برخلاف شیخ عصامی مکی نے "سمط النجوم" میں بیان کیا: آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ باندی تھیں، جن کا نام "شَهَامة" تھا[۹]۔ الغرض دستیاب مصادر میں متذکرہ بالا تین نام معلوم ہوئے، لیکن ان کے حالات زندگی کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔

مذکورہ کلام میں بالخصوص اور جمیع ائمہ ومؤرخین کے یہاں بالعموم یہ بات مسلّمہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدۂ ماجدہ باندی تھیں، لیکن اس کے برعکس شیخ دیار بکری نے بحوالہ جامی اسی مقام پر تحریر کیا: ایک قول کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ "امّ الفضل بنت مامون رشید" تھیں۔ یہ اَمر نہایت تعجب آمیز ہے چنانچہ اس پر مزید کلام سے قبل ہم دونوں مقامات کی اصل عبارات کو بلاترجمہ پیش کر رہے ہیں: شیخ عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مادرِ وَی اُمّ ولد بودہ است شمانہ نام، وقیل: انّ اُمّہ اُمّ الفضل بنت المامون۔[۱۰]

شیخ دیار بکری اسی عبارت کا عربی ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أمه أمّ ولد ، اسمها سُمَانَة ، وقيل : أمه أمّ الفضل بنت المأمون..إلخ.[۱۱]

۸۔ **كتاب المحبَّر** ، للشيخ محمد بن حبيب البغدادي ، ذكر أبناء الحبشيات ، الصفحة ۳۰۸ .

۹۔ **فصل الخطاب** ، للشيخ محمد البارسا ، الصفحة ٤٤١ ، ذكر علي الهادي . **سمط النجوم والعوالي** ، للعصامي ، ٤/ ١٤٩ . **تاريخ الخميس** ، للدياربكري ، ٢/ ٢٨٧ . **مرآة الزمان** ، للسبط ابن الجوزي ، ١٥/ ٣٣٣ .

۱۰۔ **شواهد النبوة** ، للشيخ الجامي ، في اللغة الفارسية ، الصفحة ٢٠٧ .

مولانا جامی کی "شواھد النبوۃ" کا عربی ترجمہ تو شیخ دیار بکری نے کر ہی دیا، جس میں یہ مؤقف بر قرار ہے، لیکن اسی کتاب کے اُردو ترجمہ میں ایک نیا ترجمہ کرنے کی سعی کی گئی، چنانچہ "مکتبہ نبویہ، لاہور" سے شائع شدہ بشیر حسین ناظم کے ترجمہ میں یوں لکھا گیا: "کہتے ہیں: یہ اُمّ فضل بنت مامون کی لونڈی تھی"(۱۲)۔

پس یوں ایک ہی کتاب میں دو مؤقف دکھائی دیتے ہیں۔ اور مؤخر الذکر ترجمہ کی مثل بہت سی اُردو کتب میں بھی بیان ہوا ہے، چنانچہ ہم دونوں کی حقیقت واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ الغرض کتب اہلسنّت میں یہ واحد قول ہے، جس میں اُمّ الفضل بنت مامون کو سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کی والدہ، یابصورت ترجمہ بنت مامون کی کنیز ذکر کیا گیا۔ لیکن یہ دونوں ہی قول نا صرف متروک، بلکہ حقائق یقینی اور شواہد صریحہ کے بھی خلاف ہیں۔

اگر پہلا مؤقف یعنی "اُمّ الفضل بنت مامون الرشید ہی والدہ تھیں" پرکھا جائے، تو اس کو جانچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ائمہ ومؤرخین کے نزدیک سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کا نکاح ۲۰۲ھ میں والد گرامی کے ساتھ ایک ہی مجلس میں منعقد ہوا، یا پھر شیخ ابن قتیبہ دینوری کی رائے کے مطابق ۲۱۰ھ، اور بقیہ کے مطابق ۲۱۵ھ میں واقع ہوا، لیکن ابن قتیبہ کے علاوہ تمام کا اتفاق ہے کہ اُمّ الفضل بنت مامون کے ساتھ زفاف ورُخصتی ۲۱۵ھ، بغداد کے مضافات میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع احمد بن یوسف کے گھر میں ہوئی۔ پس اس تناظر میں دیکھیں، تو سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کا سن پیدائش اس نکاح سے ایک اور باختلاف دو سال قبل کا ہے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۲۱۳ھ / ۲۱۴ھ میں ہوئی، چنانچہ جمہور کے مؤقف کے مطابق جب اُمّ الفضل ابھی سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کی صحبت سے ہی مشرف نہ ہوئیں، تو اُن سے نسل کا ظہور کیسے متصور ہو سکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول لائق توجہ نہیں۔ اس بارے میں دوسری قوی دلیل یہ ہے کہ پہلے اَمر کی طرح یہ بھی سب کے نزدیک متفقہ ہے کہ سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کی پیدائش "مدینہ منورہ" میں ہوئی، لیکن اگر اُمّ الفضل بنت مامون کو ہی والدہ فرض کر لیا جائے، تو پھر سوال اُٹھتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ کب تشریف لائیں، کیونکہ جمہور کے مطابق مدینہ منورہ میں پہلا وُرود تو سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۲۱۵ھ میں ادائیگی حج کے بعد ہوا تھا، لیکن سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ تو اس وُرود سے ایک سال

۱۱- **تاريخ الخميس**، للدياربكري، ۲/ ۲۸۷.

۱۲- **شواهد النبوة**، للشيخ الجامي، في اللغة الأردية، الصفحة ۳۵۸ .

قبل ہی مدینہ منورہ میں پیدا ہو چکے تھے، فافہم۔ لہٰذا یہ بات لائق توجہ نہیں کہ اُمّ الفضل بنت مامون کے بطن سے سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔

اگر دوسرا مؤقف یعنی "آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ دراصل اُم الفضل بنت مامون کی کنیز تھیں" کو پرکھا جائے، تو اس میں بھی حقائق و شواہد مفقود دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ ۲۱۵ھ میں رُخصتی ہونے کے بعد ہی اُمّ الفضل حریم سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ میں داخل ہوئیں، اور صحیح قول کے مطابق اس سے پہلے نہ تو آپ رضی اللہ عنہ بغداد تشریف لے گئے اور نہ ہی اُمّ الفضل بحیثیت زوجہ مدینہ منورہ آئیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب دونوں حضرات کا تعلق ازدواج ہی ہنوز ظہور پذیر نہ ہوا، تو اَخلاق کے تناظر میں باندی ایسے تحائف دینا کیونکر معقول ہو سکتا ہے؟۔ فافہم

اور یہاں ایک اہم بات بھی پیش نظر رہے کہ جمہور اہل سنت اور بہت سے علمائے تشیع کا بھی اتفاق ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ "اُمّ ولد" یعنی باندی تھیں۔ جبکہ اُمّ الفضل باندی نہیں، بلکہ شاہی خاندان کا چشم و چراغ تھیں۔ پس اگر مذکور بحث کی صورت میں اُمّ الفضل کو ہی آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ فرض کر لیا جائے، تو پھر جمہور کے اِن صریح بیانات میں تضاد پیدا ہوگا، جس کی تطبیق ممکن نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جس وقت اُمّ الفضل کی رُخصتی ہوئی، اُس سے قریباً ایک سال قبل مدینہ منورہ میں سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہو چکی تھی، اور جب سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ ۲۱۵ھ میں بغداد کے لیے عازم سفر ہوئے، تو اُس وقت آپ کے بیٹے سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں کئی مہینوں کے ہو چکے تھے۔

اہل تشیع کی کتاب "بحار الأنوار، ۱۲/ ۲۱۵" میں آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے بارے میں ایک نام "سیّدہ اُمّ الفضل" بھی بیان ہوا، تو ممکن ہے کہ اسی نام سے مذکورہ بالا شبہ لاحق ہوا اور نام کی یکسانیت کے باعث شخصیت کو بھی ایک ہی خیال کر لیا گیا، جبکہ درحقیقت اہل تشیع کے یہاں اس کا مصداق متعین ہے اور وہ اُمّ الفضل بنت مامون کے علاوہ ہے۔

مدینہ منورہ سے حکومتی طلب پر بغداد اور سامراء کا سفر

خلافت بنو اُمیہ کے پاس رہی، تب بھی اہل بیت مظلومیت کا شکار رہے اور پھر جب قرابت نسبی کے حامل بنو عباس کے پاس آئی، تب بھی خلفائے وقت نے انھیں چین نہیں لینے دیا، چنانچہ مسلسل قید و بند اور غریب الوطنی و شہادت جیسے اُمور مختلف اَدوار میں ظہور پذیر ہوتے رہے، الغرض جب سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت المعتصم باللہ کے طلب کرنے پر بغداد آئے اور پھر یہی وصال کیا، تو اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے علی نقی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ چونکہ ابھی عمر

قریب چھ سال تھی، اس لیے حکومتی نمائندوں کے کان کھڑے نہیں ہوئے، لیکن جوں ہی آپ رضی اللہ عنہ نے عنفوان شباب کی منزلوں میں قدم رکھا، تو خلیفہ کے خوشامدیوں نے چغلیاں شروع کر دیں، جس سے متاثر ہو کر نئی حکومت کی بھاگ دوڑ سنبھالنے والے خلیفہ متوکل نے مسند خلافت پر ۲۳۲ھ میں متمکن ہوتے ہی آپ کو طلب کر لیا، چنانچہ آپ بحالتِ نوجوانی ۱۸/ ۲۰ سال کی عمر میں مدینہ منورہ چھوڑ کر مرکز خلافت بغداد جانے پر مجبور ہوئے اور یوں سفر کرتے ہوئے بعض کے نزدیک پہلے بغداد اور پھر سامراء پہنچے اور تادمِ وصال اسی مقام پر گھر میں مقید و محبوس رہتے ہوئے ۲۵۴ھ میں وصال کیا اور اسی گھر میں مدفون ہوئے۔ ۲۳۳ھ سے وصال ۲۵۴ھ تک تقریباً بیس سال اور کچھ مہینے اور بعض کے نزدیک بیس سال اور نو مہینوں تک سامراء میں قیام رہا۔ شیخ خطیب بغدادی "تاریخ بغداد" میں لکھتے ہیں:

أشخصه جعفر المتوكل على الله من مدينة رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى بغداد ثم إلى سر من رأى. (۱۳)

ترجمہ: (خلیفہ) جعفر المتوکل علی اللہ نے انھیں (علی نقی کو) مدینہ منورہ سے پہلے بغداد اور پھر سامراء بلوایا۔

جبکہ شیخ جزری "اللباب في تهذيب الانساب" میں لکھتے ہیں:

لأن المتوكل أشخصه من المدينة إلى سر من رأى. (۱۴)

ترجمہ: کیونکہ متوکل نے انھیں مدینہ منورہ سے سامراء بلوایا تھا۔

بہر کیف دونوں باتوں میں تضاد نہیں، کیونکہ اگر مدینہ منورہ سے عراق کی جانب سفر کریں، تو پہلے نجف، پھر کربلاء اور اس سے گزرتے ہوئے بغداد آتا ہے اور پھر وہاں سے موصل کے راستے پر سفر کرتے ہوئے سامراء کا شہر ہے، تو ممکن ہے کہ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا ہو کہ اپنے اسلاف گرامی اور بالخصوص سیّد الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہو کر جائیں، اسی لیے طریق بغداد سے گزرتے ہوئے بغداد اور پھر مرکز خلافت سامراء تشریف لے گئے۔ ائمہ میں

۱۳- **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۳/ ۵۱۸، الرقم ٦٣٩٣.

۱۴- **اللباب في تهذيب الأنساب**، للجزري، ۲/ ۳٤۰، تحت المادة؛ العسكري.

سے بعض نے بغداد کی تصریح کر دی، جبکہ بقیہ نے مضافات بغداد میں واقع حتمی منزل سامراء کو ملحوظ رکھا، لہٰذا انھوں نے صرف آخری پڑاؤ کا ذکر کیا۔ خلیفہ متوکل نے یحییٰ بن ہرثمہ بن اَعین کو اس کام کے لیے روانہ کیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ سے علی نقی رضی اللہ عنہ کو لے آئے، چنانچہ وہ مکہ مکرمہ آیا اور پھر طریق مکہ پر سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ سے سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کو لے کر ۲۳۳ھ میں بغداد پہنچا، جیسا کہ طبری نے "تاريخ الرسل والملوك"، ابن جوزی نے "المنتظم" اور ابن تغری بردی نے "النجوم الزاهرة" میں لکھا:

وفيها قدم يحيى بن هرثمة مكة ، وهو والي طريق مكة بعلي بن محمد بن علي الرضى بن موسى بن جعفر من المدينة .(۱۵)

مذکورہ مؤقف پر تو اَجلہ محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے اور انھوں نے اسی بات کو اجمالی طور پر بیان بھی کیا ہے، اسی لیے ہم نے اسے مقدماًزیب قرطاس کیا، اب اسی واقعے کی تفصیلات کمزور تاریخی ماخذ میں بھی مذکور ہیں، جو قریباً سابق ائمہ کے موافق ہیں، اسی لیے ہم بغرض استیعاب اسے بھی پیش کر رہے ہیں، تاکہ مزید پہلو واضح ہو سکیں، چنانچہ شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآة الزمان" میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ یوں لکھا:

(ابراہیم بن عباس) صُولی نے یحیٰ بن ہرثمہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی ہادی رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور لوگ ان کی جانب قلبی میلان رکھتے تھے، پس خلیفہ المتوکل کو جب یہ خبر پہنچی تو اُس نے مجھے کہا: اے یحییٰ! مدینہ منورہ جاؤ اور اُس شخص کے حالات کی خبر لے کر اُسے بھی یہاں لے آؤ۔ پس میں مدینہ منورہ حاضر ہوا، میری آمد سے لوگوں میں ایسا اضطراب ہوا کہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا، کیونکہ انھیں متوکل کا خوف تھا (کہ وہ انھیں نقصان پہنچائے گا) اور اہل مدینہ جناب علی ہادی سے بہت محبت رکھتے تھے، کیونکہ یہ صرف

۱۵۔ **تاريخ الرسل والملوك** ، للطبري ، ۹/ ۱٦۳ ، ذكر السنة ۲۳۳ھ . **المنتظم** ، للابن الجوزي ، ۱۱/ ۱۹۵ . **النجوم الزاهرة** ، للشيخ ابن تغري بردي ، ۲/ ۳۲٦.

مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے تھے، عبادت کرتے اور لوگوں سے بھلائی کیا کرتے تھے، انھیں دنیا کی طرف کوئی رغبت نہ تھی۔ یحییٰ کہتے ہیں: میں نے لوگوں کو تسلی دلائی اور حلف دیا کہ مجھے کسی ناپسندیدہ کام کے لیے نہیں بھیجا گیا، گھبرانے کی بات نہیں، آپ لوگ اطمینان رکھیں، پس میں نے جا کر اُن کے گھر کی تلاشی لی، تو مجھے وہاں قرآن اور دعاؤں کے نسخے ملے، جسے دیکھ کر میری آنکھوں میں انکی عظمت دوبالا ہوگئی، اور میں ان کی خدمت میں فخر محسوس کرنے لگا اور میں نے وہاں اچھا وقت گزارا، پس جب میں انھیں لے کر بغداد آیا تو ابتداء ہی میں میری ملاقات اسحاق بن ابراہیم طاہری سے ہوئی، یہ اُس وقت بغداد میں خلیفہ کے نائب تھے، پس اُس نے مجھے کہا: اے یحییٰ! یہ اَولادِ رسول ہے اور تمھیں تو متوکل کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ اہلبیت کے معاملات میں سخت ہے، پس اگر ان سے کوئی بات سرزد ہوئی تو وہ انھیں قتل کردے گا اور یوں روز قیامت نبی کریم ﷺ تمہارے سامنے ہوں گے۔ میں نے کہا: خدا کی قسم! مجھے ان کے بارے میں خلیفہ سے کسی ناپسندیدہ بات کی اُمید نہیں، بلکہ میں نے تو انھیں بہترین خصلتوں کا حامل ہی پایا ہے، پھر میں انھیں لے کر سامراء پہنچا، تو وہاں بھی ابتداء ہی میں میری ملاقات وصیف ترکی سے ہوگئی، اُس نے مجھ سے کہا: اے یحییٰ! اگر ان کا ایک بال بھی ٹوٹا، تو اس کا بھی تم ہی سے مطالبہ کیا جائے گا۔ چنانچہ میں بہت حیران ہوا کہ اسحاق اور ترکی دونوں نے ایک ہی بات کیسے کہی۔ بہر کیف میں انھیں لے کر خلیفہ متوکل کے پاس پہنچا، تو اُس نے مجھ سے تفصیلات مانگی، تب میں نے اُسے ان کی حسن سیرت، بہترین طرز زندگی، زُہد و تقوی وغیرہ کے بارے میں بتایا اور ساتھ ہی کہا کہ میں نے ان کے گھر اور کتابوں کی تلاشی لی، تو مجھے وہاں قرآن مجید اور دعاؤں کے نسخوں کے علاوہ کچھ نہیں ملا، نیز میں نے اُسے اہل مدینہ کی ان سے

محبت اور اندیشوں کے بارے میں بھی مطلع کر دیا۔ اُس نے کہا: انھیں میرے سامنے لاؤ، چنانچہ میں انھیں لایا، تو خلیفہ نے ان کا اکرام کیا اور عظمت و مرتبت سے نوازتے ہوئے انعامات دیے اور پھر انھیں سامراء میں ٹھہرایا گیا۔(١٦)

تلامذہ و فیض یافتگان

ائمہ اہل بیت کو اُموی و عباسی حکومتوں نے چین سے بیٹھنے اور تعلیم و تعلّم کا موقع میسّر نہیں آنے دیا، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے تلامذہ و مستفیدین کی تفصیلات اہلسنّت کے یہاں خال خال ہی دکھائی دیتی ہیں، چونکہ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے والد گرامی اور دیگر ائمہ اہل بیت کی طرح حکومتی طلب پر مدینہ منورہ کو خیر باد کہہ کر مرکز خلافت کی طرف جانا پڑا، اور بعد اَزاں جبری طور پر سامرا کے علاقے میں وصال تک قیام فرما رکھا گیا، تو اس اثناء میں یقیناً بہت سے افراد نے آپ رضی اللہ عنہ سے علمی استفادہ کیا ہوگا، لیکن ان کی کیفیات محفوظ نہیں، لہٰذا غنیمت کے طور پر جو چند نام کتب اہلسنّت میں مسطور ہوئے، انھیں پر اکتفا کیا جارہا ہے، البتہ ان حضرات میں اکثر ضعیف و متروک رُواۃ ہیں، جن میں سے بعض اہل تشیع بھی ہیں، لیکن ہم نے ایسے افراد کو کتب تشیع کہ بجائے ائمہ اہلسنّت کی نقل سے اَخذ کیا، تاکہ معترض کو گنجائش نہ رہے، اب ائمہ نے انھیں مصادر تشیع سے کیوں مقتبس کیا، یہ مبحث جدا اور یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

- ❖ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ فَارِسٍ ، النَّيسَابُوْرِيُّ.
- ❖ أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ دَاوُدَ بْنِ حَمْدُوْنَ ، أبو عَبْدِ الله النَّدِيْمُ ، الكَاتِبُ .
- ❖ جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ ، الكُوْفِيُّ .
- ❖ الحُسَيْنُ بْنُ أَسَدٍ ، البَصَرِيُّ .

یہاں واضح رہے کہ "المعجم في أسامي شيوخ أبي بكر الإسماعيلي" میں دو اَحادیث ایسی مروی ہیں، جن سے گمان ہوتا ہے کہ محدث ابو بکر اسماعیلی، متوفی ۳۷۱ھ صاحب "المستخرج على صحيح البخاري" بھی آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سے ہیں، چنانچہ رقم ۳۶۲/ ۳۶۴ پر یہ اَحادیث منقول ہیں، لیکن دُرست یہ ہے کہ امام موصوف آپ رضی اللہ عنہ کے

١٦۔ مرآة الزمان ، للسبط ابن الجوزي ، ١٥/ ٣٣٣ .

شاگرد نہیں، کیونکہ ان کی پیدائش ہی سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے ۲۵۴ھ میں انتقال کر جانے کے بعد ۲۷۷ھ میں ہوئی، پس اُن کا سماع ہی ممکن نہیں، جبکہ مذکورہ کتاب میں وہ بصیغہ جزم "حدثنا" سے روایت کر رہے ہیں۔ نیز دوسرا اَمر یہ ہے کہ پہلی روایت میں انھوں نے مقام سماع کی تعیین میں "بصرۃ" لکھا ہے، حالانکہ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کبھی بصرہ تشریف ہی نہیں لے گئے، لہٰذا ان اُمور سے واضح ہے کہ اس مقام پر "علی بن محمد بن علی، ابوالحسن عسکری" سے کوئی اور شخصیت مراد ہے، اب چونکہ اس نام کی متعدد شخصیات گزری، جن کی تعیین ہمارا مقصود نہیں، اسی لیے اس کے تعرض سے اجتناب کر رہے ہیں، اہل علم بطور خاص "تاریخ بغداد" اور "اللباب فی تہذیب الانساب" کا مطالعہ فرمالیں، البتہ ہم "المعجم في أسامي شيوخ أبي بكر الإسماعيلي" کی دونوں احادیث کی عبارات بلاترجمہ نقل کر رہے ہیں:

حدثنا علي بن محمد بن علي ، أبو الحسن العسكري – بالبصرة يتفقه – حدثنا إبراهيم بن الهيثم، حدثنا علي بن عياش الحمصي، أخبرنا شعيب بن أبي حمزة، عن محمد بن المنكدر، عن جابر، قال: «كَانَ الْآخَرَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ».

حدثنا علي بن محمد العسكري – لا أدري هو الفقيه أو غيره– حدثنا أبو حفص عمرو بن علي، حدثنا يزيد بن زريع، عن حبيب المعلم، عن عمرو بن شعيب، عن سعيد بن المسيب، قال: كان أخوان من الأنصار بينهما ميراث، فقال أحدهما للآخر: اقسمه، فقال: إن عدت تذكر لي القسمة لم أكلمك أبدا، وكلّ مالي في رتاج الكعبة، فقال عمر: إن الكعبة لغنية عن مالك ، كفر عن يمينك وكلّم أخاك ، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: «لَا يَمِينَ عَلَيْكَ فِي مَعْصِيَةِ الرَّبِّ ، وَلَا فِي قَطِيعَةِ الرَّحِمِ ، وَلَا فِيمَا لَيْسَ لَكَ». (۱۷)

۱۷۔ المعجم في أسامی شيوخ أبي بكر الإسماعيلي ، للإمام اسماعيلي ، الصفحة ۷۴۵/ ۷۴۷.

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا انھیں "فقیہ و مفتی" قرار دینا

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کا شمار اہل بیت کے متاخرین ائمہ میں ہوتا ہے، اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ نے قلیل عمر پائی اور چالیس سال میں ہی فوت ہوگئے، جس میں اَسیری و قید کے بیشتر سال بھی شامل ہیں، پس اگرچہ یہ اپنے آبائے گرامی کی طرح علمی تفوق کے نیر تاباں بن کر رخشندہ نہ ہو سکے، لیکن بایں ہمہ ان کی علمی جلالت کو ائمہ نے تسلیم کیا، چنانچہ محدث جلیل شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاريخ الإسلام" میں "الفَقِيْهُ" اور دوسری کتاب "دُول الإسلام" میں "مُفْتِياً صَالحاً" تحریر کیا ہے[18]۔ فقیہ و مفتی علوم اسلامیہ میں عظیم ذمہ داری کے مناصب ہیں، کہ ان کا تعلق شرعی تقاضوں کے مطابق غور و فکر کرتے ہوئے مسائل کا حل دریافت کرنے اور مسلمانوں کی دُرست رہنمائی کرنے سے ہے، تو اس طرح نا صرف آپ رضی اللہ عنہ کا عوام الناس کے لیے مرجع ہونا آشکار ہوا، بلکہ علوم فقہ میں ممارستِ تامہ اور مہارتِ کاملہ بھی عیاں ہوئی۔ اور شاید اسی سبب سے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نقاد محدث و مؤرخ نے بھی اِن اَوصاف کو امتیازاً بیان کیا ہے۔

اَولاد و جانشین

١. أبو عبد الله[19] جعفر بن علي النقي

شیخ ذہبی نے "تاريخ الاسلام" میں ان کے سلسلہ نسب کو "مُحَسِّن بن جعفر بن عليّ بن محمد الجواد" جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "إنباء الغمر" میں شیخ حسن بن محمد بن حسن بن ادریس کے شجرے میں "عبد الله بن جعفر بن علي بن محمّد بن علي" اور انھوں نے ہی "لسان الميزان" اور خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد" میں "يحيى بن جعفر بن علي بن محمد بن علي بن موسى بن جعفر" شیخ عصامی مکی نے "سمط النجوم والعوالي" میں "إدريس بن جعفر بن عليّ بن محمّد بن عليّ بن موسى الكاظم"، شیخ ابن عساکر نے "تاريخ دمشق الكبير" میں "أبو محمد

١٨- تاريخ الإسلام، للذهبي، ١٩/ ٢١٨، الرقم ٣٦٤. دُول الإسلام، للذهبي، ١/ ٢٢٥.

١٩- فصل الخطاب، للشيخ محمد البارسا، الصفحة ٤٤٢. کنیت صرف انھوں نے ہی بیان کی ہے۔

عيسى بن جعفر بن علي بن محمد بن علي بن موسى الرضا" کی صورتوں میں جعفر بن علی نقی کا ذکر کیا ہے[20]۔

نیز شیخ عبد الوہاب شعرانی نے "الطبقات الكبرى" میں عارف باللہ سیّدی ابراہیم دسوقی کا شجرہ نسب یوں لکھا:

إبراهيم بن أبي المجد بن قريش بن محمد بن أبي النجاء بن زين العابدين
بن عبد الخالق بن محمد بن أبي الطيب بن عبد الله الكاتم بن عبد الخالق
بن أبي القاسم بن جعفر الزكي بن علي بن محمد الجواد... إلخ.[21]

اس میں "الزکی" کی نسبت کو سہواً ما قبل لکھا گیا، جیسا کہ اگلی عبارت سے تائید ہو رہی ہے، چنانچہ ابن تغری بردی نے "المنهل الصافي والمستوفى بعد الوافي" میں شیخ الشریف عبد السلام بن احمد، متوفی ۸۵۹ھ کے نسب میں ذکر کیا:

عبد السلام بن أحمد بن عبد المنعم بن أحمد بن محمد بن كندوم بن عمر
بن أبي الخير سعيد بن أبي سعيد القيلوي بن محمد بن المحسِّن بن يحيى بن
جعفر بن محمد بن علي الأشقر بن جعفر بن علي الزكي بن أبي جعفر
محمد بن علي الجواد ابن علي الرضى...إلخ.[22]

اس کے علاوہ محدث ابو الخطاب ابن دحیہ کلبی کا نسب مادری بھی ابن ابی البسام سے ہوتا ہوا جعفر بن علی نقی سے متصل ہوتا ہے، جیسا کہ آپ کی سوانح حیات مثلاً ڈکتور انس وجاج کی "أبو الخطاب ابن دحية الكلبي السبتي ، الحافظ الرَّحَّال" (طبع مرکز الدراسات، رباط، المغرب) اور ائمہ کی تفصیلات سے عیاں ہے۔ نیز نسب ہذا کی تائید "التكملة لكتاب

۲۰۔ **تاريخ الاسلام** ، للذهبي ، ۲۲/ ۳۰۸ ، الرقم ۵۰۸. **إنباء الغمر** ، للعسقلاني ، ۲/ ۳٦٦ ، الرقم ١٦ . **لسان الميزان** ، ٦/ ٤٦٨ ، الرقم ٦٣٢٠ . **تاريخ بغداد مع ذيوله** (طبعة دار الكتب العلمية) ، للخطيب البغدادي ، ۱۹/ ٤٦ ، الرقم ۸۵۰ . **تاريخ دمشق الكبير** ، للامام ابن عساكر ، ٤٢/ ٣٠١ ، الرقم ٨٨٣٢ . **سمط النجوم والعوالي** ، للشيخ العصامي ، ٤/ ١٩٤.

۲۱۔ **الطبقات الكبرى** ، للشعراني ، ۱/ ۳۲۰ ، الرقم ٢٨٦.

۲۲۔ **المنهل الصافي والمستوفي بعد الوافي** ، للشيخ ابن تغري بردي ، ٥/ ٢٦١ ، الرقم١٤٢٣.

الصلة" اور "ذیل مرآة الزمان" میں مذکور دیگر انساب سے بھی ہوتی ہے[۲۳]۔

الغرض ان عبارات کے ایراد سے ضمنی طور پر حضرت جعفر کی اولاد کے کچھ اسماء بھی مذکور ہوگئے، بہر کیف یہ آپ رضی اللہ عنہ کے مشہور فرزند ہیں، مؤرخین کے نزدیک جن دو صاحبزادوں سے نسل امام جاری ہوئی، اُن میں سے ایک ہیں۔ دنیائے اسلام کی بہت سی مقتدر علمی و روحانی شخصیات کا سلسلہ نسب انھیں سے جاکر متصل ہوتا ہے، مثلاً قطب الاقطاب عارف باللہ سیّد احمد بدوی مصری، متوفی ۶۷۵ھ کا نسب بھی بعد تحقیق انہی سے جاکر ائمہ اہل بیت سے متصل ہوتا ہے[۲۴]۔ برصغیر پاک و ہند کی معروف روحانی شخصیت شیخ سیّد جلال الدین مخدوم جہانیاں بخاری رحمۃ اللہ علیہ مدفون اُوچ مضافات ملتان بھی انہی کی اولاد سے ہیں، ان کا شجرہ نسب صدیوں سے اہل علم و تصوف کے یہاں مشہور ہے۔[۲۵]۔ ان کے علاوہ مؤرخ امام الدین نقوی گلشن آبادی نے "تذکرة الأنساب" میں کئی علمی و روحانی خانوادوں کے شجرے تحریر کیے ہیں، اہل ذوق مزید معلومات کے لیے وہاں مراجعت کریں۔

جعفر بن علی نقی، "تَوَّاب - یا - کَذَّاب"

اہل سنت اور معروف نسبی سلاسل کے شجروں میں انھیں "جعفر ثانی، جعفر تواب" کہا جاتا ہے، جبکہ اہل تشیع کی اُمہات کتب میں انھیں "جعفر کذاب" کے ساتھ مخاطب کیا گیا جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی سیّدنا حسن عسکری بن علی نقی رضی اللہ عنہ کے بعد امامت کا دعوی کیا، حالانکہ اہل تشیع کے مسلّمات میں سے ہے کہ سیّدنا محمد بن حسن عسکری رضی اللہ عنہ ہی امام مہدی ہیں، اور وہی والد کے جانشین اور آخری امام ہیں، لیکن جب انھوں نے اپنے بھائی حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ دعوی کیا، تو شیعانِ عسکری نے انھیں جھٹلاتے ہوئے "کذاب" سے موسوم کیا اس بارے میں اہل تشیع کی بہت سی کتب میں اُن کے رُواۃ سے اَحادیث مروی ہیں، جن میں اُن کے بارے میں قیل و قال بیان ہوئی، ملاحظہ ہو: "موسوعة الإمام الهادي . طبعة اللجنة العلمية في مؤسسة ولي العصر. (١/ ٦٥-٦٢)"۔ اُن میں

۲۳۔ **التكملة لكتاب الصلة**، للشيخ ابن الآبار، ٣/ ٩٥، الرقم ٢٣٩ . **ذيل مرآة الزمان**، لليونيني، ٢/ ٤٢٢.

۲۴۔ **الطرق الصوفية في مصر، نشأتها ونظمها وروّادها**، للدكتور عامر النجار، الصفحة ١٠٣-١٠٢ .

۲۵۔ **تذكرة الأنساب**، للشيخ إمام الدين النقوي، الصفحة ٢٣٣-٢٣١.

سے کئی اُمور یہاں زیب قرطاس کیے جانے کے متحمل نہیں۔

البتہ اہل سنت کے کئی خانوادے چونکہ انہی سے متصل ہو کر سلسلہ اہل بیت کے ائمہ سے ملتے ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر ہوا، تو شاید یہی وجہ ہے کہ اُن کی اَولاد انھیں "جعفر تواب" کہتی ہے۔ حتیٰ کہ مشہور شیعہ عالم آقا بزرگ طہرانی نے "الذريعة إلى تصانيف الشيعة ، (١٣/ ١٤)" میں کتاب "الشامل لحقائق الأدلة العقلية والمسائل" کے مصنّف کا سلسلہ نسب بیان کرتے ہوئے بصراحت "جعفر تواب" لکھاہے اور یوں ہی شیعی کتاب "چودہ ستارے (ص٥٢٩)" کے مؤلف نجم الحسن کراروی نے قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مؤلف کتاب "رحمۃ للعالمین" پر نقد کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھا: دَراصل جناب جعفر علیہ الرحمۃ کی اَولاد کو نقوی کہا جاتا ہے۔ شیخ زرکلی نے "الأعلام، (٢/ ٣٤٠)" میں دلدار علی، متوفی ١٢٣٥ھ مجتہد امامی کا ذکر کرتے ہوئے انھیں "جعفر تواب" کی نسل سے بیان کیا ہے۔ ان تینوں حوالہ جات میں آپ کے لیے "تواب" ہی ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ یہ حوالے زیادہ مضبوط نہیں، لیکن بغرض توسیع انھیں بھی تحریر کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ ماہر انساب عمید الدین نجفی حسینی، متوفی ٩٢٧ھ نے "المشَجَّر الكشّاف لتحقيق أصول السّادة الأشراف" میں جعفر بن علی کی اَولادوں کے بہت سے سلسلے درج کیے ہیں، اور انھوں نے آپ کو "المُصَدِّقْ" کی صفت کے ساتھ بھی ذکر کیا، جو کذاب کے خلاف پر دلالت کرتی ہے، البتہ ذکر اَنساب میں وہ کذاب بھی لائے ہیں، لیکن اس کے برخلاف امام لغت سیّد مرتضیٰ زبیدی نے اسی کتاب میں سلاسل جعفر بن علی نقی کے اختتام پر حاشیہ میں واضح طور پر آپ کو صرف "المُصَدِّقْ" ہی لکھا ہے[٢٦]۔

البتہ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت قابل غور ہے، انھوں نے "لسان الميزان" میں لکھا:

> جعفر بن علي بن محمد بن علي بن موسى بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب ، الحسيني ، أخو الحسن ؛ الذي يقال له : العسكري ، وهو الحادي عشر من الأئمة الإمامية ووالدُ محمد صاحب السِّرداب . وكان جعفر مبايناً لأخيه الحسن ، فسمّاه شيعة الحسن ؛ جعفر

٢٦۔ المشَجَّر الكشّاف لتحقيق أصول السّادة الأشراف ، للنجفي الحسيني ، ١/ ٧٧-٧٣. أو بحر الأنساب ، ١/ ٤٢-٣٤.

الکذاب ، واشتهر بذلك لكون الذي لقّبه بذلك من شيعتهم . ذكرته لأُنبّه على السبب في نسبته الى الكذب ، وأنّها لا أصل لها ، لأنّهم لا يوثّق بنقلهم .(٢٧)

ترجمہ: جعفر بن علی ۔۔الخ، حسن عسکری کے بھائی ہیں، اور یہ حسن عسکری علمائے امامیہ کے نزدیک گیارہویں امام اور محمد الغائب (مہدی منتظر) کے والد ہیں۔ جعفر نے اپنے بھائی حسن کی مخالفت کی، اسی لیے شیعانِ حسن انھیں جعفر کذاب کہتے ہیں، چنانچہ اسی لقب سے مشہور ہوئے، جو ان کے شیعوں نے انھیں دیا۔ البتہ میں نے ان کا تذکرہ یہاں اس غرض سے کیا ہے تاکہ ان کی نسبت میں جھوٹ پر تنبیہ ہو جائے، کہ اس نسبت (کذاب) کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ وہ لوگ تو ان کی نقل پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔

بہر کیف ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا جس پر بحث کی یہاں حاجت نہیں، ہم نے صرف کتمان علم سے بچنے کے لیے دونوں جانب مختصر کلام لکھ دیا ہے، تاکہ قارئین پر یہ پہلو بھی عیاں رہیں، باقی تحقیق کا باب کشادہ اور بطور خاص ان کی اَولاد کا خواہاں ہے، لہٰذا ان سے نسبی تعلق رکھنے والے خانوادوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بزرگوار کے بارے میں مطاعن کا جواب دیں اور صدیوں سے ویران پڑے صحرا کی آبیاری کریں، اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ ایسا کرنے کی جرات تو دُور؛ ضرورت بھی شاید ہی محسوس کی جائے۔

٢. جعفر المُبَرقَع بن علي النقي

ان کا ذکر تلاش کے باوجود نہیں مل سکا، البتہ ماضی قریب کے عالم شیخ عباس عزاوی نے ملک عراق کی تاریخ پر تحقیقی کام کیا، چنانچہ انھوں نے "موسوعة عشائر العراق"(٢٨) میں شمالی بغداد کے علاقے میں مقیم ایک قدیم خاندان "المشاهدة" کے بارے میں لکھا کہ اُن کا نسبی دعوی ہے کہ وہ جعفر مبرقع بن علی ہادی رضی اللہ عنہ کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

٢٧۔ **لسان الميزان**، للعسقلاني ، ٢/ ٤٦٠ ، الرقم ١٨٦٥ .

٢٨۔ **موسوعة عشائر العراق**، للعزاوي ، ٣/ ٢٧٣ ، الرقم ٣ . تحت الذكر ؛ العَلَوِيُّون .

یہ خاندان بغداد و شام کے وسیع علاقوں میں پھیلا ہوا ہے، جس کی اَصل بغداد کے اسی مقام سے متعلق ہے، موصوف نے ان کے اسماء واماکن کا بھی تفصیلی بیان کیا ہے۔ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے یہ صاحبزادے وہی جعفر ثانی ہیں، یا پھر کوئی اور؟ یہ واضح نہیں۔ البتہ گمان ہے کہ شاید یہ دوسرے صاحبزادے ہوں، کیونکہ جعفر ثانی کا لقب "مبرقع" اہل علم کے یہاں معروف نہیں، اگر ایسا ہوتا، تو اُن سے نسبی تعلق رکھنے والے قابل قدر خانوادے لازماً شجرہ جات میں اسے بھی تحریر کرتے، لیکن اس کے برعکس انھوں نے "جعفر ثانی" ہی استعمال کیا، جیسا کہ عبارات گزریں۔ اور یاد رہے کہ شیخ جامی نے "نفحات الأنس" میں "جعفر بن مبرقع" کے عنوان سے ایک شخصیت کا تذکرہ کیا ہے، لیکن وہ کوئی اور ہیں، لہٰذا دونوں میں التباس نہ ہو۔ فتدبر

٣. أبو الشرف الحسن بن علي النقي

ان کا ذکر شیخ لسان الدین ابن الخطیب نے "الاحاطة في اخبار غرناطة" میں ایک شخصیت کا سلسلہ نسب تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اب اس سے سیّدنا ابو محمد حسن عسکری رضی اللہ عنہ کو مراد لینا ممکن نہیں، کیونکہ اُن کی کنیت پر دونوں مکتبہ فکر کا اتفاق ہے کہ "ابو محمد" تھی، لیکن یہاں "ابو الشرف" ہے، پس یہ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے ہیں، واللہ اعلم۔ نیز ذیل میں کتاب کی اصل عبارت پیش ہے:

الشّريف أبو علي الحسن بن الشريف أبي التّقى طاهر بن أبي الشّرف ربيع بن علي بن أحمد بن علي بن أبي الطاهر بن حسن بن موهوب بن أحمد بن محمد بن طاهر بن أبي الشرف الحسن بن علي بن محمد بن علي بن موسى بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسن بن علي بن الحسن بن علي بن أبي طالب.[٢٩]

٤. أبو محمد الحسن العسكري بن علي النقي

آپ رضی اللہ عنہ کا نسب معروف ہے، مزید احوال آئندہ مستقل باب کے تحت مذکور ہوں گے، ان شاء اللہ۔

٢٩- **الاحاطة في أخبار غرناطة**، للوزير لسان الدين الخطيب، ٣/ ١٥١ . ذكر محمد بن أحمد بن ابراهيم التلمساني .

٥. حسين بن علي النقي

ائمہ ومؤرخین کے یہاں حسب سابق آپ کا ذکر بھی نہیں ملتا، البتہ شیخ قاسم بن یوسف تجیبی، متوفی ۷۳۰ھ کی "برنامج التجيبي السبتي" میں ایک حوالہ میسّر آیا، جس میں انھوں نے اپنے شیخ کی اجازت کا ذکر کرتے ہوئے سند میں اُن کا سلسلہ نسب یوں لکھا:

وعلي السيد الشريف الطاهر العابد أبي عبد الله محمد ابن السيد الشريف الأديب أبي زكرياء يحيى ابن السيد الشريف القاضي الأعدل أبي الحسن علي ابن القاضي الأجل أبي الشرف رفيع ابن أبي الخطيب الأديب البليغ أبي الحسن علي المنعوت بالمكين بن أحمد بن علي ابن أبي الطاهر بن الحسين بن موهوب بن أحمد بن محمد بن طاهر بن الحسين بن علي بن محمد بن علي بن موسي...إلخ.[٣٠]

٦. زيادة بن علي النقي

متاخرین میں سے مؤرخ شیخ محمد بن عثمان سنوسی، متوفی ۱۳۱۸ھ نے "مسامرات الظريف بحسن التعريف" میں شیخ ابوعبد اللہ محمد العوانی قیروانی، متوفی ۱۱۱۰ھ کے نسب میں سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے اس بیٹے کا ذکر کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ علمائے قیروان میں ان کے خاندان کا علمی رُسوخ صدیوں سے مسلّم ہے۔ شیخ محمد ابن مخلوف نے "شجرة النور الزكية في طبقات المالكية" میں عوانی قیروانی کا تذکرہ درج کیا ہے۔ بہر کیف علمائے مغرب تونس میں ان کا علمی مرتبہ معروف ہے، اور ایسے خاندان کا نسب بھی لازماً قابل بھروسہ اور خیانت سے پاک ہو گا، چنانچہ ان کے سلسلہ نسب کا سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ سے اتصال "زیادۃ" نامی بیٹے کے ذریعے ہوتا ہے، ذیل میں موصوف کی عبارت پیش ہے:

هو الشريف القروي الشيخ أبو عبد الله محمد العواني ، حفيد الصالح الشيخ علي بن حسن بن عبد الله بن محمد بن علي بن موسى بن يحيى بن

٣٠- **برنامج التجيبي** ، للشيخ السبتي ، الصفحة ٢٤٦ ، تحت الذكر ؛ فهرسة المسند أبي الحسين أحمد ابن السراج الإشبيلي .

أحمد بن عوانة المغربي النحوي ابن حمودة بن زيادة بن علي بن محمد بن علي بن موسى الكاظم..إلخ.[٣١]

٧. علي الإمام بن علي النقي

ہندوپاک کی معروف علمی وروحانی شخصیت خواجہ نظام الدین اولیاء المعروف محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۷۲۵ھ کا شجرہ نسب ان کے ذریعے سے ائمہ اہل بیت سے متصل ہونا بیان کیا جاتا ہے، چنانچہ خواجہ صاحب کے خُدام میں سے مؤرخ شیخ محمد بن مبارک المعروف میر خورد کرمانی (متوفی ۷۷۰ھ تقریباً) نے "سیر الأولیاء" میں آپ کا نسب نامہ یوں لکھا:

السيد جعفر بن السيد علي الإمام بن السيد علي الهادي التقي بن الامام السيد محمد الجواد ..إلخ.[٣٢]

لیکن مؤرخ امام الدین نقوی گلشن آبادی کی "تذکرة الأنساب، (الصفحة ٢٣٦)" میں "جعفر ثانی بن علی ہادی" درج ہے، لیکن فوقیت اوّل کو ہے کہ وہ شیخ کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ اگر "سیر الأولیاء" مترجم کے مقدمہ کو دیکھا جائے، تو وہاں خود میر خورد کے عبارات سے بیان کیا گیا ہے کہ ان کے باپ دادا اور خود موصوف بھی شیخ نظام الدین اَولیاء کے خدمت گاروں میں سے تھے، لہٰذا انھوں نے نا صرف شیخ کو دیکھا، بلکہ صحبت بھی اختیار کی ہے، اسی لیے ان کا بیان کردہ نسب دیگر کی نسبت قوی ہے، تو یوں خواجہ نظام الدین کا نسب اہل بیت سے متصل ہوتا ہے۔ الغرض اختلاف "علی بن علی نقی" کے بارے میں ہے، ورنہ "جعفر ثانی بن علی نقی" کے ذریعے متصل ہونے میں کلام نہیں۔ واللہ اعلم۔

٨. أبو جعفر محمد بن علي النقي

خواجہ محمد پارسا نے "فصل الخطاب" میں بصراحت انھیں سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کا بیٹا لکھا، نیز بیان کیا ہے کہ یہ اپنے بھائی سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی حجازِ مقدس کے لیے عازم سفر ہوئے، لیکن ہنوز "موصل" کے قریبی گاؤں

٣١۔ **مسامرات الظريف بحسن التعريف**، للشيخ السنوسي، ٢/ ١٦٢، الرقم ١٤.

٣٢۔ **سير الأولياء**، للشيخ مير خورد الكرماني، في اللغة الفارسية، الصفحة ٩٨، في اللغة الأردية، الصفحة ١٧٠.

میں پہنچے تھے کہ وصال فرمایااور وہی مدفون ہوئے، قبر کے پاس ہی مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔(۳۳) ان کے علاوہ دیگر ائمہ کرام نے بھی آپ کا سلسلہ نسب ذکر کیاہے، جس سے واضح ہوتاہے کہ یہ صاحب اَولاد تھے اوران کی نسل بعد میں بھی جاری رہی۔ چنانچہ حلب پر ضخیم وقدیم کتاب لکھنے والے شیخ کمال الدین ابن العدیم نے "بغية الطلب في تاريخ حلب" میں شیخ ابو بکر احمد بن عبد الرحمن علوی، المروزی، الواعظ البکری کے نسب میں یوں لکھا:

أحمد بن عبد الرحمن بن أحمد ابن محمد بن عيسى بن طلحة بن محمد بن علي بن محمد بن علي بن موسى ابن جعفر...إلخ .(۳۴)

۹. يحيى بن علي النقي

شیخ عبد الرزاق البیطار صاحب "حلية البشر في تاريخ القرن الثالث عشر" نے "شیخ عمر تغلبی دمشقی" کے نسب نامہ میں ان کا نام تحریر کیاہے، نیز اسی مقام پر محقق کتاب نے موصوف کی اَولاد سے نقل کیا کہ اُن کے دادانے عارف باللہ شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۱۴۳ھ سے اکتساب علم کیا تھا، انھوں نے ۱۲۱۵ھ / ۱۲۲۰ھ میں وصال کیا۔ آپ دمشق میں "خانقاهِ تغلبيَّة" کے سجادہ نشین اور صاحب کرامات ہوئے، جیسا کہ بیطار نے تفصیلات لکھی ہیں، نسب یوں ہے:

الشيخ عمر التغلبي بن عبد القادر بن عمر بن علي ابن سعد الدين بن محمد ابن محبّ الدين بن سعد الدّين بن محمد بن الشيخ محمد أبي تغلب بن سالم بن محمد بن نصر بن منتصر بن علي بن عثمان بن حسين بن قاسم بن محمد بن سيف الدّين الرجيحي بن سابق بن هلال بن الشيخ يونس الشيباني الكبير ، والد السيد سعد الدّين الجباوي ، المدفون في قرية جبا من أعمال دمشق الشام ، ابن الشريف عبد الله بن الشريف سعيد بن السيد عبد الرحمن بن السيد أحمد بن السيد إدريس الأكبر بن السيد محمد

۳۳۔ **فصل الخطاب** ، للشيخ محمد البارسا ، الصفحة ٤٤٢ ، ذكر علي الهادي .

۳۴۔ **بغية الطلب في تاريخ حلب** ، للشيخ ابن العديم ، ٢/ ٩٦٨-٩٦٦ ، تحت الذكر ؛ من اسم أبيه عبد الرحمن من الأحمدين .

بن السيد عبد الله بن السيد حسين بن السيد علي بن السيد عبد الله بن السيد عمر الغازي بن السيد موسى بن السيد يحيى بن السيد الإمام الكامل علي الهادي بن السيد محمد الجواد بن السيد علي الرضى.إلخ.(٣٥)

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کی ذہانت

اَولادِ رسول اور نسل مرتضوی کو ربّ العالمین جل جلالہ نے بہت سے خصائص و کمالات سے نوازا تھا، جس میں ہمت وشجاعت ،فصاحت وبلاغت، عظمت وجلالت اور علمیت ورُوحانیت جیسے ممدوح زمانہ اَوصاف شامل تھے، چنانچہ ذہانت وبرجستگی، ماحول کی بازگشت اور انسانی رویوں کے زیر وبم کی شناخت بھی انھیں نعمتوں میں شامل، جنھیں اہلبیت کے امتیازی خصائص میں گردانا گیاہے، پس سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالی جل جلالہ نے اسلاف گرامی کی طرح ان نعمتوں میں سے وافر حصہ نصیب فرمایا، جس کا عملی مظاہرہ آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے کئی مقامات پر ملاحظہ کیا گیا۔ چنانچہ خطیب نے بسند نقل کیا:

أخبرني الأزهري ، قال : حدثنا أبو أحمد عبيد الله بن محمد المقرئ ، قال : حدثنا محمد بن يحيى النديم ، قال : حدثنا الحسين بن يحيى ، قال : اعتلّ المتوكل في أول خلافته ، فقال : لئن برئت لا تصدقن بدنانير كثيرة ، فلما برئ جمع الفقهاء ، فسألهم عن ذلك ، فاختلفوا، فبعث إلى علي بن محمد بن علي بن موسى بن جعفر ، فسأله ، فقال : يتصدق بثلاث وثمانين دينارا . فعجب قوم من ذلك ، وتعصب قوم عليه ، وقالوا : تسأله يا أمير المؤمنين من أين له هذا ؟ فردّ الرسول إليه ، فقال له : قل لأمير المؤمنين : في هذا الوفاء بالنذر ؛ لأن الله تعالى ، قال : { لقد نصركم الله في مواطن كثيرة} . فروى أهلنا جميعا أن المواطن في الوقائع والسرايا والغزوات كانت ثلاثة وثمانين موطنا ، وأن يوم حنين كان الرابع والثمانين ، وكلما

٣٥- حلية البشر في تاريخ القرن الثالث عشر ، للبيطار ، ٢/ ١١٣٥ .

زاد أمير المؤمنين في فعل الخير كان أنفع له وأجدى عليه في الدنيا والآخرة.[٣٦]

ترجمہ:(خلیفہ)متوکل اپنے دورِ خلافت کے آغاز میں ہی شدید بیمار ہوا،تو اُس نذر(منت)مانی:اگر میں اِس بیماری سے ٹھیک ہو گیا،تو بہت سے دینار صدقہ کروں گا،پس وہ کچھ عرصے میں صحت یاب ہو گیا،تو اُس نے فقہاء کو جمع کیا اور اس بارے میں دریافت کیا،تو انھوں نے مختلف جوابات دیے،چنانچہ اُس نے علی (ہادی) بن محمد بن علی بن موسی بن جعفر (رضی اللہ عنہم) کے پاس قاصد بھیج کر دریافت کیا،تو آپ نے جواب دیا:اُسے چاہیے کہ (کم از کم) ترا سی(۸۳) دینار صدقہ کرے۔جماعت فقہاء اس جواب سے متعجب ہوئے،جبکہ کچھ لوگوں نے تعصب سے کام لیا اور کہنے لگے:اے امیر المؤمنین!آپ ذرا اِن سے پوچھیں،کہ انھوں نے یہ جواب بھلا کہاں سے اَخذ کیا ہے؟چنانچہ خلیفہ نے اسی قاصد کو دوبارہ آپ کی طرف بھیجا ،تو آپ نے جواب دیا:امیر المؤمنین سے کہیں،ایسا کرنے سے آپ کی نذر پوری ہو جائے گی،کیونکہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا:"بیشک اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی"۔اور یہ بہت سے مقامات جنھیں غزوات وسرایا کہتے ہیں،ان کی تعداد ۸۳ بنتی ہے اور جنگ حُنین ملا کر چوراسی(۸۴) ہوتی ہے،البتہ امیر المؤمنین اس بھلائی (صدقے) کے کام میں جس قدر زیادہ خرچ کریں،تو دنیا وآخرت میں انھیں کا فائدہ ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسير روح المعاني" میں مذکورہ واقعہ نقل کرتے ہوئے چند اضافی نکات بیان کیے ہیں:

٣٦- **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ١٣/ ٥١٩ ، الرقم ٦٣٩٣ . **المنتظم** ، للجوزي ، ١٢/ ٧٥ ، الرقم ١٥٦٢. **الأنساب** ، للسمعاني ، ٨/ ٤٥٧ ، تحت الذكر ؛ العسكري . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ، ١٩/ ٢١٨ ، الرقم ٣٦٤ . **فصل الخطاب** ، للشيخ البارسا ، الصفحة ٤٤٣ . **الوافي بالوفيات** ، **للصفدي** ، ٢٢/ ٤٩ ، الرقم ٢٤. **مرآة الزمان** ، للسبط ابن الجوزي ، ١٥/ ٣٣٤ .

۱۔ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ اُس وقت اپنے گھر میں نظر بند (مقید) تھے۔

۲۔ خلیفہ نے انھیں بلانے کے بجائے قاصد کے ذریعے تحریری طور پر آپ رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا تھا۔

۳۔ درباریوں میں سے کسی نے آپ رضی اللہ عنہ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

۴۔ ما قبل مقامات پر ۸۳ دیناروں کے صدقہ کرنے کا ذکر ہے، جبکہ انھوں نے ۸۰ کا بیان کیا ہے اور اس کی دلیل میں غزوات کی تعداد بھی ۸۰ ہی مذکور ہے۔

بہر کیف سابق عبارت کا مفہوم یکساں ہے، اس لیے ہم صرف اہل علم کی توجہ کے لیے علامہ آلوسی کی اصل عبارت پیش کر رہے ہیں، تاکہ امتیازی نکات پیش نظر رہیں، مذکورہ بالا اُمور کو خط کشیدہ کر دیا گیا ہے:

وروي أن المتوكل اشتكى شكاية شديدة ، فنذر أن يتصدق- إن شفاه الله تعالى- بمال كثير ، فلما شفي ، سأل العلماء عن حد الكثير ، فاختلفت أقوالهم ، فأشير إليه أن يسأل أبا الحسن علي بن محمد بن علي بن موسى الكاظم رضي الله تعالى عنهم وقد كان حبسه في داره ، فأمر أن يكتب إليه ، فكتب رضي الله تعالى عنه يتصدق بثمانين درهما ، ثم سألوه عن العلة ، فقرأ هذه الآية ، وقال: عددنا تلك المواطن فبلغت ثمانين .[۳۷]

اس عبارت میں خلیفہ متوکل کی نذر میں "مالِ کثیر" کا لفظ منقول ہے، جبکہ دیگر ائمہ کی عبارات میں بصراحت "دینار" کی صنف مذکور ہے، چنانچہ " نثر الدّر في المحاضرات " جیسے ضعیف ماخذ میں واقعہ کو علامہ آلوسی کی مثل نقل کیا گیا، البتہ جواب میں مزید مذکور ہے: اگر خلیفہ نے منت کے وقت دیناروں کی نیت کی تھی، تو اب ۸۰ دینار اور اگر دراہم کی نیت کی تھی، تو اب ۸۰ دراہم صدقہ کرے۔[۳۸]

۳۷۔ تفسير روح المعاني ، للشيخ الآلوسي ، ۱۰/ ۷۳-۷۲ ، تحت التفسير ؛ سورة التوبة۹/ ۲۵.

۳۸۔ نثر الدّر في المحاضرات ، للرازي الآبي ، ۱/ ۱۶۲ ، الباب الرابع ، تحت الذكر ؛ محمد بن علي بن موسى .

بعض کتب میں یہ واقعہ سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے، لیکن یہ دُرست نہیں، کیونکہ سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ نے خلیفہ المتوکل علی اللہ جعفر کا زمانہ ہی نہیں پایا کہ اسے ۲۳۲ھ میں خلیفہ الواثق باللہ ہارون کے بعد مسند خلافت پر تمکن حاصل ہوا، جبکہ محمد جواد رضی اللہ عنہ تو ۲۲۰ھ میں خلیفہ متعصم باللہ کے زمانہ میں وصال فرما چکے تھے۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ ہاں ممکن ہے کہ اسی طرح کی کوئی واقعہ اُن کے ساتھ بھی پیش آیا ہو لیکن جمہور نے ایسے کسی اَمر کی نشاندہی نہیں کی، اور نہ ہی کسی مستند ماخذ میں اس کا کوئی اشارہ ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ سعد اللہ ابن دجاجی حنبلی، متوفی ۵۶۴ھ، تلمیذ امام ابوالخطاب محفوظ بن احمد کلوذانی حنبلی صاحبِ "الهداية في الفقه الحنبلي" "کتاب "سَفَطُ الـمُلَح وزَوَحُ التَّرح" میں اپنی سند متصل کے ساتھ علی بن یحییٰ بن ابی منصور سے نقل کرتے ہیں کہ وہ متوکل کے دربار میں بیٹھے تھے کہ اسی اثنا میں سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو متوکل نے ان سے پوچھا: آپ کے والد (مراد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں) کا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہنا تھا؟ آپ نے برجستہ جواب دیا:

مَا يَقُوْلُ وَالِدِي[٣٩] في رَجُلٍ ؛ فَرَضَ الله طَاعَةَ نَبِيِّهِ عَلَى جَمِيْعِ خَلْقِهِ ، وَفَرَضَ طَاعَتَهُ عَلَى نَبِيِّهِ صلى الله عليه وسلم .[٤٠]

ترجمہ: اُس ہستی کے بارے میں بھلا میرے والد (یعنی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ) کیا کہیں، کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو ساری مخلوق پر لازم کیا اور اُن کی اطاعت کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازم کیا۔

بادی النظر میں "طَاعَتَهُ" کی ضمیر کا مرجع سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کی جانب راجع محسوس ہوتا ہے اور یہی خلیفہ نے بھی مراد لیا، لیکن دَر حقیقت اس مقام پر ضمیر کا مرجع ذات باری تعالی جل جلالہ کے اسم مبارک کی طرف راجع ہے، جیسا کہ ما قبل باب رِضا میں ائمہ مثلاً شیخ ذہبی وغیرہ کی تفصیلات گزریں۔ پس فہم سامع جس معنی کی طرف فی الفور متوجہ ہوئی، وہ قائل یعنی سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کی مراد نہ تھی، اور جسے آپ رضی اللہ عنہ نے مراد لیا، اُس پر فہم سامع یعنی متوکل کو رسائی حاصل نہ ہوئی۔ اور

٣٩۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي میں "وَلَدُ أَبِيْكَ" کے الفاظ ہیں، البتہ مفہوم دونوں کا یکساں ہے۔

٤٠۔ **سفط الملح وزوح الترح** ، للشيخ ابن الدجاجي الحنبلي، الصفحة ٥٧ . **تاريخ الإسلام** ، للذهبي ، ١٨/ ١٩٩ ، الرقم ١١٨ .

یہی آپ رضی اللہ عنہ کی ذہانت کا پہلو ہے کہ اس انداز میں خلیفہ کے سوال کا جواب دیا، جس سے وہ مطمئن ہو گیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اُس کے ظلم سے خلاصی حاصل کی۔ باقی یہ خلفائے وقت کی سازشی کارستانیاں ہوا کرتی تھیں، جس سے سامنے والے کو پھنسا کر ظلم کا بہانہ ڈھونڈا جاتا تھا اور جہاں تک سیّدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ ہے تو وہ بیشک بلند و بالا اور خود ائمہ اہل بیت سے بھی منقول ہے، لہٰذا عبارت بالا میں سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ یا ان سے قبل سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کے ایسے کلام کرنے سے ہر گز گمان نہ کیا جائے کہ معاذاللہ وہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں کبیدگی رکھتے تھے، بلکہ انھوں نے ایسا کلام خلفائے وقت کی سازشوں سے محفوظ رہنے کے لیے کیا تھا۔ فتدبر۔

شیخ ذہبی نے اس واقعے کو کچھ اضافے کے ساتھ شیخ مبرد سے "سیر أعلام النبلاء" میں نقل کرنے کے بعد لکھا:

اس جواب کو سن کر خلیفہ متوکل رونے لگا اور کہا: اے ابو الحسن! آپ نے تو ہمارے سخت دِلوں کو نرم کر دیا، کیا آپ پر کوئی قرض ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، چار ہزار دینار ہیں، تو خلیفہ نے اتنی رقم دینے کا حکم دیا۔[۴۱]

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ متوکل کے سامنے جرأت کا مظاہرہ

خاندانِ نبوت میں جرأت و بہادری کا وجود مسلّم اور اس کے عملی مظاہر بھی دنیائے اسلام کے سامنے واضح ہیں، سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت آفاقی و مشہور اور یوں ہی ان کے شہزادے سیّدنا حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی جواں مردی اور مصائب کی آندھیوں میں ثابت قدمی بھی رشکِ جہاں ہے۔ چنانچہ نسلِ حسینی میں ایسے عناصر کا وجود فطرتی ہے، اسی لیے احقاقِ حق کی خاطر ان حضرات نے کسی جبر و ظلم کی پرواہ نہیں کی، لیکن یہ معاملہ دینی حرمت اور اسلام کی آبرو سے متعلق ہے، البتہ ذاتی معاملات اور دنیاوی اُمور میں ان سے زیادہ نرمی و عاجزی بھی کہیں اور کم ہی دکھائی دیتی ہے، یعنی اگر دینِ مبین اور ناموس اسلام پر کوئی حرف آنے کا معاملہ ہو، تو یہ حضرات کسی بڑے سے بڑے خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اور اگر معاملہ اپنی ذات کا ہو، تو پھر یہی بلند مرتبہ جبالِ شجاعت کسر نفسی اور عاجزی کا شیوہ اختیار کرتے ہیں۔

سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اسلاف کی طرح ذاتی انتقام کی راہ نہیں لی، بلکہ حکومتی سختیوں کے باوجود فساد و خوں ریزی سے گزیز کرتے ہوئے غریب الوطن ہوئے، مدینہ منورہ سے جدائی اختیار کی، پھر بغداد کے نو آباد شہر سامراء میں

۴۱۔ سیر أعلام النبلاء، للذهبي، ۱۲/ ۳۸، الرقم ۷، تحت الذكر ؛ المتوكل على الله.

اپنے ہی گھر میں سالوں تک محبوس و مقید رہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حکومتی عمائدین اور چاپلوسی کرنے والوں کو آپ رضی اللہ عنہ کی گوشہ نشینی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، اور وہ مختلف حیلوں سے خلفائے وقت کو آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکانے کی کوششوں میں لگے رہتے، چنانچہ ایک بار کم ظرف معاندین میں سے کسی نے خلیفہ وقت متوکل کے پاس چغلی لگائی، کہ ان کے گھر میں تو بہت سے جنگی ہتھیار اور جاسوسی خطوط موجود ہیں، اور یہ دراصل اپنی خلافت کی راہ ہموار کر رہے ہیں، یہ سنتے ہی خلیفہ نے ایک دستہ بھیجا کہ اچانک چھاپا مارا جائے اور ان کے اور گھر کے معاملات کی تفتیش کی جائے، پس جب یہ دستہ اچانک گھر میں داخل ہوا تو انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو گھر میں تنہا پایا اور آپ اس حالت میں تھے کہ بالوں کا (معمولی) لباس پہنے، سر پر اُون کی چادر اُوڑھے ریت و کنکر والی ننگی زمین پر قبلہ کی جانب رُخ کیے اور قرآن مجید کی وعدہ اور وعید والی آیات کو خوبصورتی کے ساتھ تلاوت کر رہے تھے۔

الغرض سپاہیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اسی حال میں لے جا کر راتوں رات خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا، جب اُس نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایسی حالت میں دیکھا تو تعظیم کرتے ہوئے اپنے پہلو میں بٹھالیا، درایں حال کہ خود خلیفہ شراب پینے کے لیے جام ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا، تو اُس نے وہی جام آپکی طرف بڑھایا، جس پر آپ نے برجستہ فرمایا: اے امیر المؤمنین! میرے خون و گوشت میں کبھی ایک قطرہ بھی شراب کی آمیزش نہیں رہی، لہٰذا مجھے اس سے دور ہی رکھیں۔ اُس نے جام ہٹالیا اور پھر کہنے لگا: مجھے ایسے اشعار سنائیں، جو مجھے پسند آئیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے زیادہ اشعار نہیں آتے، اُس نے کہا: آپ کو میری خاطر سنانے ہی پڑیں گے، تب آپ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنائے:

بَاتُوا عَلَى قُلَلِ الْأَجْبَالِ تَحْرُسُهُمْ ... غُلْبُ الرِّجَالِ فَمَا أَغْنَتْهُمُ الْقُلَلُ
وَاسْتُنْزِلُوْا بَعْدَ عِزٍّ عَنْ مَعَاقِلِهِمْ ... فَأُوْدِعُوا حُفَرًا يَا بِئْسَ مَا نَزَلُوْا
نَادَاهُمْ صَارِخٌ مِنْ بَعْدِ مَا قُبِرُوْا ... أَيْنَ الْأَسِرَّةُ وَالتِّيجَانُ وَالْحُلَلُ
أَيْنَ الْوُجُوهُ الَّتِيْ كَانَتْ مُنَعَّمَةً ... مِنْ دُوْنِهَا تُضْرَبُ الْأَسْتَارُ وَالْكِلَلُ
فَأَفْصَحَ الْقَبْرُ عَنْهُمْ حِيْنَ سَاءَلَهُمْ ... تِلْكَ الْوُجُوهُ عَلَيْهَا الدُّوْدُ يَقْتَتِلُ
قَدْ طَالَ مَا أَكَلُوا دَهْرًا وَمَا شَرِبُوا ... فَأَصْبَحُوا بَعْدَ طُولِ الْأَكْلِ قَدْ أُكِلُوا

❖ وہ لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر یوں راتیں گزارتے کہ طاقتور لوگ اُن کا پہرہ دیتے تھے، لیکن وہ چوٹیاں بھی (موت سے بچاؤ کے لیے) اُن کے کسی کام نہ آئیں۔

❖ (ظاہری) عزت والی زندگی گزارنے کے بعد انھیں اُن کے قلعوں سے نیچے اُتارا گیا اور پھر گڑھوں کے سپرد کر دیا گیا، تو ہائے افسوس! وہ کیسی بُری جگہ اُترے۔

❖ انھیں دفنانے کی بعد کسی نے آواز دی: اَب بھلا کہاں ہے وہ تخت! کہاں ہے وہ تاج! کہاں ہے وہ قیمتی لباس۔

❖ آج وہ نرم و حسین چہرے کہاں گئے، جنھیں (دنیا میں) لوگوں سے بچانے کے لیے ریشمی پردوں اور ملائم کپڑوں سے ڈھانپا جاتا تھا (تاکہ لوگوں کی نظر اور موسمی تمازت سے محفوظ رہیں)۔

❖ جب کسی نے یہ سوال کیے، تو قبر پکار اُٹھی: یہاں ہیں وہ چہرے، جن پر کیڑے (جلدی کھانے کے لیے) آپس میں لڑ رہے ہیں۔

❖ ایک عرصے تک انھوں نے (دنیا میں) خوب کھایا، خوب سیر ہوئے، لیکن پھر طویل کھانے پینے کے بعد اَب وہ خود (کیڑوں کی خوراک بن کر) کھائے جا چکے۔

جب آپ رضی اللہ عنہ نے اشعار سنا دِیئے، تو آپ کو پکڑ اکر لانے والے کچھ سپاہی محبت کے سبب گھبر اگئے کہ ابھی آپ کے لیے کوئی سخت حکم جاری ہونے والا ہے، لیکن اچانک متوکل شدید رونے لگا حتی کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی، اوراسی طرح دیگر لوگ بھی رو رہے تھے، پھر خلیفہ نے شراب اُٹھانے کا حکم دیا اور کہنے لگا: اے ابوالحسن! کیا آپ پر کوئی قرض ہے [۴۲]؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، چار ہزار دینار۔ تو اُس نے یہ رقم دینے کا حکم دیا اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کو تکریم کے ساتھ گھر بھیجا گیا۔[۴۳]

۴۲۔ ما قبل واقعہ اور یہاں دونوں جگہ خلیفہ کا قرض کے بارے میں سوال اور آپ رضی اللہ عنہ کا جواب یکساں ہے، اس کی توضیح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ شاید دونوں مرتبہ ہی خلیفہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اتنی رقم دی ہو، لیکن اس پر اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ دونوں مرتبہ خلیفہ کے پوچھنے پر قرض چار ہزار دینار ہی رہا۔۔؟ اوراسے صرف اتفاق کہہ دینے سے خلاصی نہیں۔ لہٰذا ہماری رائے میں اوّل الذکر واقعہ جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں استفسار تھا، تو اس کے جواب پر خلیفہ کا اتنا خوش ہونا میل نہیں کھاتا، کیونکہ یہ جواب معروف اور پہلے بھی ائمہ اہل بیت کی جانب سے خلفاء کو دیا جا چکا تھا، چنانچہ اس میں زیادہ حیرانی کی بات نہیں تھی، البتہ دوسرے واقعہ میں چونکہ نصیحت اور برجستہ مناسب اشعار سے خلیفہ کے مزاج پر چوٹ پڑی، تو ایسے میں وقتی رجوع اور رِقت قلبی کا اُمنڈ آنا معقول و موزوں ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ خلیفہ نے چغلخوروں کی باتوں میں آکر راتوں

واضح رہے کہ یہ اشعار سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے اپنے نہیں، بلکہ سیف بن ذی یزن، شاہِ یمن کے محل پر یہ اشعار قدیم زبان میں کندہ کیے گئے تھے، جبکہ ابن قتیبہ دینوری نے "عیون الأخبار"[۴۴] میں اسے شام کی قبور کے کتبوں اور بعض نے دیگر محلات پر لکھے جانے کا قول بھی بیان کیا ہے۔ الغرض حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عربی میں ترجمہ کرتے ہوئے اشعار کا لبادہ پہنایا۔ پس ان اشعار کی اصل تو بعثت نبوی سے قبل کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے، البتہ دورِ تابعین میں ترجمہ ہو کر معروف ہوئے۔ شیخ طرطوشی نے "سراج الملوك" میں اور شیخ سخاوی نے "البلدانیات"[۴۵] میں انھیں وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی سند عالی کے ساتھ نقل کیا، جن میں کلمات اختلاف بھی مذکور ہے۔ چونکہ یہ اشعار سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ سے صادر ہوئے، اسی لیے ہم مؤخر ماخذ میں وارد اَشعار کو بھی تحریر کر رہے ہیں، البتہ مفہوم یکساں ہے:

بَاتُوْا عَلَى قُلَلِ الأَجْبَالِ تَحْرُسُهُمْ ... غُلْبُ الرِّجَالِ فَلَمْ تَمْنَعْهُمُ القُلَلُ

وَاسْتُنْزِلُوْا مِنْ أَعَالِي عِزِّ مَعْقِلِهِمْ ... فَأُسْكِنُوْا حُفْرَةً يَا بِئْسَ مَا نَزَلُوا

نَادَاهُمْ صَارِخٌ مِنْ بَعْدِ مَا دُفِنُوْا ... أَيْنَ الأَسِرَّةُ وَالتِّيْجَانُ وَالحُلَلُ

رات آپ رضی اللہ عنہ کو اُٹھالیا، لیکن معاملہ باتوں کے برعکس زُہد و تقوی کا حامل نکلا، تو شاید یہ تمام اُمور ہوں، جنھیں خلیفہ نے پیش نظر رکھتے ہوئے چار ہزار کی خطیر رقم دینے کا حکم صادر کیا۔ الغرض مؤرخین کے مندرجات سے ماوراء ہماری رائے میں اوّل الذکر واقعہ ضرور ہوا، لیکن اس پر چار ہزار دینار دیئے جانے کی بات شاید دوسرے واقعہ سے واقعہ کے اشتباہ کی صورت میں پہلے واقعہ کے ساتھ بھی جڑ گئی اور یوں نقل مسلسل جاری ہوئی، البتہ اوّل واقعہ میں نوازے جانے کے عناصر کم اور ثانی میں زیادہ اور قوی ہیں، اور حقیقت حال اللہ تعالی جَلَّ جَلَالُہٗ ہی بہتر جانتا ہے۔

۴۳- **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ۳/ ۲۷۳-۲۷۲. **الوافي بالوفيات**، للصفدي، ۲۲/ ۴۹. **البداية والنهاية**، للشيخ ابن كثير، ۱۱/ ۲۳۶-۲۳۵. **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ۱۱۹. **تاريخ الإسلام**، للذهبي، ۱۸/ ۱۹۹، الرقم ۱۱۸. **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۱۵/ ۳۳۵. **مآثر الإنافة في معالم الخلافة**، للقلقشندي، ۱/ ۲۳۲، ذكر المتوكل على الله. **حياة الحيوان الكبرى**، للدميري، ۲/ ۳۷۰، تحت المادة؛ اَلدُّوْدُ. **المختصر في أخبار البشر**، للشيخ أبي الفداء، ۲/ ۴۴. **المستطرف في كل فنّ مستظرف**، للأبشيهي، ۲/ ۳۷۸. **شذرات الذهب**، للشيخ ابن العماد، ۳/ ۲۴۲. **أخبار الدول**، للقرماني، ۱/ ۳۵۰، ذكره القرماني وابن العماد مختصراً.

۴۴- **عيون الأخبار**، للدينوري، ۲/ ۳۰۳، كتاب الزهد، ذكر الموت.

۴۵- **البلدانيات**، للسخاوي، ۱/ ۱۹۹، تحت الذكر؛ الرّملة. **سراج الملوك**، للطرطوشي، الصفحة ۳۸-۳۷.

أَيْـــنَ الْوُجُـــوْهُ الَّتِـــي كَانَـــتْ مُحَجَّبَـــةً مِـــنْ دُوْنِهَـــا تُـــضْرَبُ الأَسْـــتَارُ وَالكِلَـــلُ
فَأَفْـــصَحَ الْقَـــبْرُ عَـــنْهُم حِـــيْنَ سَـــاءَلَهُمْ تِلْـــكَ الْوُجُـــوْهُ عَلَيْهَـــا الـــدُّوْدُ تَقْتَتِـــلُ
قَـــدْ طَـــالَ مَـــا أَكَلُـــوا دَهْـــرًا وَمَـــا نَعِمُـــوْا فَأَصْـــبَحُوْا بَعْـــدَ ذَاكَ الْأَكْـــلِ قَـــدْ أُكِلُـــوْا

جبکہ شیخ مسعودی نے "مروج الذهب،(٤/ ٧٧)" میں ان کے علاوہ مزید تین شعر اور بھی لکھے اورانھیں علی نقی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ہی درج کیاہے، اہل علم وہاں مراجعت کریں۔

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ سے منسوب موضوع روایات

یوں تو کتب حدیث و تاریخ میں ہمیں آپ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی کوئی حدیث معلوم نہیں ہو سکی، اس لیے ہم نے احادیث کا عنوان قائم نہیں کیا، البتہ دوران مطالعہ "تاريخ بغداد" میں ایک حدیث دکھائی دی، جس پر ائمہ نے موضوع ہونے کا حکم لگایاہے۔ ہم نے اس حدیث کو "احادیثِ کاظم" کی جمع وترتیب کے دوران چھوڑ دیا تھا، لیکن جب کئی اُردو کتب اور متاخرین کے یہاں اسے درج کیے جانے کا حال دیکھا، تو مناسب جاناہے کہ مکمل متن وترجمہ لکھ کر اس کی موضوعیت پر بھی مختصر کلام کر دیا جائے، تاکہ قارئین اس پر آگاہ رہیں۔

۱۔ شیخ خطیب بغدادی "تاريخ بغداد" میں لکھتے ہیں:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بن رزق ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ الْمُقْرِئُ النَّقَاش ، حدّثنا الحسين بن حمَّاد الْمُقْرِئُ - بقزوين- حدّثنا الحسين بن مَرْوان الأنباريُّ ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْمُعَاذِيُّ قَالَ :

قَالَ يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ فِي مَجْلِسِ الْوَاثِقِ- وَالْفُقَهَاءُ بِحَضْرَتِهِ- مَنْ حَلَقَ رَأْسَ آدَمَ حِينَ حَجَّ؟ فَتَعَايَى الْقَوْمُ عَنِ الْجَوَابِ ، فَقَالَ الْوَاثِقُ : أَنَا أُحْضِرُكُمْ مَنْ يُنَبِّئُكُمْ بِالْخَبَرِ، فَبَعَثَ إِلَى عَلِيّ بن مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيّ بن مُوسَى بن جعفر بن محمّد ابن علي بن الحسين بن علي بن أبي طَالِبٍ فَأُحْضِرَ فَقَالَ : يَا أَبَا الْحَسَنِ مَنْ حلق رأس آدم؟ فقال : سألتك [بالله] يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إلا أَعْفَيْتَنِي ، قَالَ: أَقْسَمْتُ عليك لتقولن قال : أما إذ أَبَيْتَ فَإِنَّ أَبِي حَدَّثَنِي

عَنْ جَدِّي عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « أُمِرَ جِبْرِيلُ أَنْ يَنْزِلَ بِيَاقُوتَةٍ مِنَ الْجَنَّةِ ، فَهَبَطَ بِهَا فَمَسَحَ بِهَا رَأْسَ آدَمَ فَتَنَاثَرَ الشَّعْرُ مِنْهُ ، فَحَيْثُ بَلَغَ نُورُهَا صَارَ حَرَمًا».(٤٦)

ترجمہ: یحییٰ بن اکثم نے (خلیفہ) الواثق کی مجلس میں فقہائے وقت کے رُوبرو سوال کیا: جب آدم (علیہ السلام) نے حج کیا تو اُن کے سر کا حلق کس نے کیا تھا؟ پس فقہاء اس کے جواب سے عاجز آ گئے، تب الواثق نے کہا: میں ابھی اُس شخص کو پیش کرتا ہوں، جو تمھیں اس کا جواب دے گا، پھر انھوں نے قاصد بھیج کر علی بن محمد ۔۔الخ کو بلوایا۔ خلیفہ نے کہا: اے ابوالحسن! آدم کا سر کس نے مونڈا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المؤمنین! مجھے اس کے جواب سے معاف رکھیں، لیکن اُس نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ کو قسم ہے، ضرور اس کا جواب دیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر جواب کے بغیر چارہ نہیں، تو مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انھوں نے اپنے آبائے گرامی سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی عزوجل نے جبریل کو حکم دیا کہ وہ جنتی یاقوت لے کر جائیں۔ چنانچہ وہ اسے لے کر آئے اور آدم کے سر سے مسّ کیا (یعنی پھیرا)، جس سے اُن کے بال گر گئے، اور جہاں تک اُس (جنتی یاقوت) کا نور پہنچا، وہ جگہ حدودِ حرم مقرر ہوئی۔

شیخ ناصر الدین البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة" میں اس کے رجال پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

محمد بن حسن بن زیاد نقاش کذاب راوی ہے، جبکہ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ تک بقیہ رُواۃ مجہول ہیں، اور خطیب بغدادی نے ان پر کسی قسم کی جرح وتعدیل نہیں کی، جبکہ

٤٦- **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ١٣/ ٥١٩، الرقم ٦٣٩٣.

ان کے والد کا ترجمہ معلوم نہیں(۴۷)، البتہ سیّدنا علی رِضا اور سیّدنا موسیٰ کاظم صدوق، جبکہ سیّدنا جعفر صادق "ثقہ، فقیہ، امام" ہیں، چنانچہ یہ حدیث "معضل" اور اس میں موضوع ہونے کے آثار واضح ہیں(۴۸)۔

اس حدیث کو بنیادی طور پر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ہی بعد کے حضرات ومؤرخین نے نقل کیا ہے، چنانچہ امام سیوطی نے "الدّر المنثور" اور "الجامع الصغیر" میں، شیخ علی متقی نے "کنز العمال" اور شیخ نورالدین سمہودی نے "وفاء الوفا" میں نقل کیا ہے، نیز اوّل الذکر حضرات نے بھی اس کو "حدیث معضل" قرار دیا ہے، البتہ سمہودی نے اسے خطیب کی جانب منسوب کیے بغیر "قیل" کے ساتھ نقل کیا ہے(۴۹)۔

اس حدیث کی سند میں ایک قابل غور اَمر یہ بھی ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ ہارون کے سامنے اس مکالمہ کو منسوب کیا جاتا ہے، جس کی وفات ۲۴ / ۲۵ ذوالحجہ ۲۳۲ھ میں ہوئی، لیکن اس کے زمانے میں تو سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں ہی موجود تھے، کیونکہ انھیں تو خلیفہ المتوکل علی اللہ جعفر نے اپنے زمانہ خلافت میں بغداد بلوایا تھا، جیسا کہ اہل سنت اور اہل تشیع کا اس بات پر اتفاق ہے۔ نیز خلیفہ متوکل کو منصب خلافت اسی سال ذوالحجہ کے اختتام پر الواثق باللہ کی وفات کے بعد حاصل ہوا، پس صرف ایک دن دو میں ہی سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ چھوڑ کر بغداد پہنچ جانا کیسے ممکن ہے؟ چنانچہ اس سے عیاں ہے کہ یہ قصہ ہی جھوٹا ہے، کیونکہ نہ تو سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ خلیفہ الواثق سے ملے اور نہ ایسا کوئی واقعہ رُونما ہوا۔

۴۷۔ سیّدنا محمد جواد بن امام رِضا رضی اللہ عنہ اہل بیت کے معروف امام ہیں، ۱۹۵ھ میں پیدائش اور ۲۲۰ھ میں بحالت نوجوانی وصال کیا اور اپنے دادا موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے پہلو میں کاظمیہ بغداد کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ علمائے جرح وتعدیل کے یہاں چونکہ مرویات کی بنیاد پر بحث ہوتی ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے کم عمری میں وفات پائی، اسی لیے بوجوہ اَحادیث مروی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ان پر علم جرح وتعدیل کا اطلاق نہیں کیا۔ ورنہ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے ائمہ کے نزدیک ممتاز ومحترم ہے، جیسا کہ ماقبل مستقل باب میں کچھ شواہد گزر چکے۔

۴۸۔ **سلسلة الأحاديث الضعيفة**، للألباني، ٦/ ٤٨٨، الرقم ٢٩٣٤.

۴۹۔ **تفسير الدر المنثور**، للسيوطي، ١/ ٣٠٢-٣٠١، تحت التفسير؛ سورة البقرة ٠٢، الآية ٣٦. **ضعيف الجامع الصغير وزيادته**، للسيوطي والألباني، ١/ ١٨٢، الرقم ١٢٦٦. **وفاء الوفا بأخبار دار المصطفى**، للسمهودي، ١/ ١٠٤، الفصل الثاني عشر، في حكمة تخصيص هذا المقدار المعين بالتحريم. **كنز العمال**، للمتقي، ١٢/ ١٩٨، الرقم ٣٤٦٥٠.

دوسری بات یہ ہے کہ خلیفہ الواثق کی وفات کے آخری دن تک بھی اگر اس واقعے کو فرض کرلیا جائے، تو اس وقت کے لحاظ سے سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کی عمر صرف ۱۸/ ۲۰ سال بنتی ہے، کیونکہ صحیح قول کے مطابق ان کی پیدائش ۲۱۴ھ میں اور دیگر اقوال کے مطابق ۲۱۲ھ میں ہوئی۔ پس اتنی چھوٹی عمر میں خلیفہ کا تمام فقہاء کو چھوڑ کر صرف آپ کی طرف متوجہ ہونا اور بلوانا بھی بلا دلیل، نیز کسی طرح معقول نہیں۔ اور یہ کلام اہل سنت کی اکتسابی تعلیم کے تناظر میں ہے، کیونکہ اہل تشیع میں تو امام کے لیے پیدائشی عصمت اور الہامی تعلیم کا عقیدہ معتبر ہے۔ فافہم

البتہ شیخ سبط ابن جوزی نے "مرآۃ الزمان" میں اس واقعے کو یحییٰ بن ہرثمہ سے بیان کرتے ہوئے خلیفہ متوکل کا ہی ذکر کیا ہے (۵۰)، تو اس طرح اگرچہ تاریخی شواہد میں یکسانیت ہو جاتی ہے، لیکن اُصول محدثین کی تنقیدات بہر حال بر قرار رہتی ہیں، کہ صرف تاریخی شواہد کی مطابقت حدیث کی موضوعیت کو صحت سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اِسے سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنے سے اجتناب ہی بہتر کہ اس کی سند مطعون، شواہد وحقائق یقینیہ میں تضاد اور کلام مشکوک ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کی جانب نسبت کرتے ہوئے تو انتہائی احتیاط چاہیے، ہذا ماظہر لی والعلم عند اللہ۔

۲۔ اسی طرح خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں ہی یہ روایت بھی بسند نقل کی:

أخبرناها القاضي أبو الفتح محمد بن أحمد الواسطي ، أنبأنا أبو القاسم هبة الله بن محمد بن الحصين ، أنبأنا أَبو القاسم علي بن المحسن بن علي التنوخي ، حدثنا محمد بن عبد الله بن محمد الشيباني ، حدثنا عبد الله ابن محمد بن عجلان اليماني العابد ، بالدالية ، قال: سمعت ابن علي بن موسى الرضا بِسُرّ من رأى يقول:

« الْغَوْغَاءُ قَتَلَةُ الْأَنْبِيَاءِ ، وَالْعَامَّةُ اسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنَ الْعَمَى ، مَا رَضِيَ اللهُ لَـهُمْ أَنْ شَبَّهَهُمْ بِالْأَنْعَامِ ، حَتَّى قَالَ : بَلْ هُمْ أَضَلُّ». (۵۱)

۵۰۔ **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي ، ١٥/ ٣٣٦-٣٣٥. ذكر السنة ٢٥٤هـ .

۵۱۔ **تاريخ بغداد وذيوله**، للخطيب البغدادي ، ١٩/ ١٤١ ، الرقم ٩٦٩.

اوراسے لکھنے کے بعد یوں نقد کی: یہ حکایت متعدد وُجوہات کی بناپر قابل غور ہے، کیونکہ اس میں "یمانی" راوی مجہول الحال ہے اور پھر اس سے روایت کرنے والا ابوالفضل شیبانی "ذاہب الحدیث" اور "کذب ووضع" سے متہم ہے، نیز یہ ممکن نہیں کہ علی بن موسیٰ رِضا رضی اللہ عنہ سے صرف ایک ہی شخص اسے روایت کرے، انتہیٰ۔

لیکن انھوں نے ہی اپنی کتاب "الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع" میں اسے دوسری سند سے یوں نقل کیا:

أخبرني عبيد الله بن عبد العزيز البَرْدَعي ، وعلي بن أبي علي البصري ، قالا: أنا محمد بن عبد الله بن همّام ، نا عبد الله بن محمد بن عجلان اليماني العابد ، بالدالية ، قال: سمعت علي بن محمد بن الرضا ، بسُرِّ من رأى يقول...إلخ . (٥٢)

اس مؤخر عبارت کی سند "تاریخ بغداد" کی سند سے مختلف ہے اوراس میں ابوالفضل شیبانی متہم بالکذب بھی یمانی سے روایت نہیں کررہا، بلکہ اس کی جگہ محمد ابن ہمام ہے۔ لیکن پھر بھی حکم حدیث وہی بر قرار رہے گا، جو انھوں نے اوّل کتاب میں ذکر کیا، کیونکہ مؤخر کتاب میں بھی وہ اسے استناداً نہیں تحذیراً لائے ہیں، اور جہاں تک سند کی بات ہے، تو یمانی کی مجہولیت اس سند میں بھی بر قرار ہے اور راوی کا تفرد اور پھر مجہول ہونا اجتماع نقائص ہے۔ نیز خطیب بغدادی نے دو مختلف سندوں سے روایت کرکے اسے تقویت نہیں دی، بلک وہ اس کی کمزوری کو مختلف اسانید سے ظاہر کرنے کے خواہاں تھے، شاید اسی لیے انھوں نے ایک ہی قول کو دوسندوں سے نقل کیا، تاکہ اہل علم پر دونوں کی علمی حیثیت واضح ہو جائے، لہٰذا اس پر شیخ بغدادی کا کلام موزوں وقرین صواب ہے۔

البتہ ہمیں اس پر شیخ بغدادی کی علمی گرفت کے علاوہ بھی ایک اَمر قابل غور نظر آیا، جس پر انھوں نے توجہ نہیں فرمائی، اوروہ یہ ہے کہ "تاریخ بغداد" میں عبارت کی سند میں "ابن علی بن موسی الرضا" مذکور ہے جبکہ "الجامع" میں "علی بن محمد بن الرضا" درج ہے اور یہ دونوں اُمور باہم متضاد ہیں۔

کیونکہ اگر پہلی صورت مراد لی جائے، تو ابن علی سے مراد محمد جواد رضی اللہ عنہ بن علی رِضا بن موسی کاظم ہیں، لیکن ایسی صورت میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ عبارت میں مقام سماع کی تصریح میں "سُرّ من رأى" یعنی سامراء بیان کیا گیا،

٥٢۔ الجامع لأخلاق الراوي ، للخطيب البغدادي ، ٢/ ١٦٨ ، الرقم ١٥٠٨ ، ما ينبغي أن يصدف عن الاشتغال به في الإنتفاء .

حالانکہ یہ شہر تو خلیفہ معتصم باللہ نے ۲۲۱ھ میں تعمیر کروایا اور سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ تو اس سے پہلے ہی ۲۲۰ھ میں وصال کر چکے تھے، پس راوی نے اُن سے شہر سامراء میں کب اور کیسے سماع کر لیا؟

اور اگر دوسری صورت یعنی "علی بن محمد بن رِضا" مراد لی جائے، تو پھر یہ سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ ہیں، اور انھوں نے بلاشبہ سامراء میں طویل عرصے تک سکونت اختیار کی اور وہی وصال کیا، لہٰذا انھیں مراد لینے کی صورت میں زمانی قرائن تو درست ہوں گے، لیکن خطیب بغدادی کا سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے راوی ابن عجلان یمانی کے تفرد والا بیان ختم ہو جائے گا، کیونکہ بایں صورت ابن عجلان نے سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کے بجائے علی نقی رضی اللہ عنہ سے سماع کیا، چنانچہ دونوں میں اَقل درجہ تیس سالوں کا فرق پیدا ہو گا، کیونکہ علی نقی رضی اللہ عنہ ۲۳۲ھ کے بعد ہی سامراء منتقل ہوئے، جبکہ امام رِضا رضی اللہ عنہ نے ۲۰۳ھ میں شہادت پائی۔ فتدبر۔

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کے نفیس ملفوظات

علم وحکمت کے خانوادے سے تعلق رکھنے والی اس عظیم شخصیت سے یقیناً بہت سے علمی نفائس، ملفوظات اور رہنمائی کی باتیں صادر ہوئی ہوں گی، لیکن انھیں قید تحریر میں لانے کی بابت شواہد موجود نہیں، جس کی بنیادی وجہ آپ رضی اللہ عنہ کی عنفوان شباب سے لے کر سالوں تک کی طویل محبوسیت بھی ہو گی، جس نے خلق خدا کو آپ رضی اللہ عنہ تک پہنچنے اور استفادہ کرنے کے مواقع فراہم نہیں کیے، بہر کیف اہل سنت کی معتمد کتب میں تو ہمیں ابھی تک آپ رضی اللہ عنہ کے ملفوظات معلوم نہیں ہو سکے، البتہ چند ملفوظات ایسے ہیں، جن کا انتساب سیّدنا جواد اور سیّدنا نقی دونوں کی طرف ہوتا ہے، تو ایسے اقوال کو ہم نے ماقبل باب یعنی تذکرۂ جواد رضی اللہ عنہ میں درج کر کے اشارہ کر دیا ہے، البتہ یہاں چند اضافی ملفوظ پیش ہیں:

١. لَا تَطلُبِ الصَّفَاءَ مِمَّنْ كَدَّرْتَ عَلَيْهِ ، (وَلَا الوَفَاءَ مِمَّنْ غَدَرْتَ بِهِ [٥٣]) ، وَلَا النُّصْحَ مِمَّنْ صَرَّفْتَ سُوْءَ ظَنِّكَ إِلَيْهِ ، وَإِنَّمَا قَلْبُ غَيْرِكَ لَكَ كَقَلْبِكَ لَهُ . وهذا الكلام مأخوذ من قول النبي صلّى الله عليه وسلّم الذي هو منبع كلّ حكمة : الذَّنْبُ لَا يُنْسَى وَالبِرُّ لَا يَبْلَى ، وَكُنْ كَيْفَ شِئْتَ ، فَكَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ . [٥٤]

٥٣۔ **موسوعة سيرة أهل البيت** ، للباقر شريف القرشي الشيعي ، ٣٣/ ٢١١ ، الرقم ٣٥ .

٥٤۔ **التذكرة الحمدونية** ، للشيخ ابن حمدون ، ١/ ٣٧٧ ، الرقم ٩٧٤.

ترجمہ: اُن سے پاکیزگی کے خواہاں نہ رہو، جنھیں تم میلا کرچکے ہو، (اُن سے وفا کی اُمید مت رکھو، جنھیں تم دھوکہ دے چکے ہو)، اور اُن سے نصیحت کے خواہاں نہ رہو، جنھیں تمہاری بدگمانیوں نے نقصان پہنچایا ہے اور جس طرح دوسروں کے دل تمہارے نزدیک (غیر اہم) ہیں، ایسے ہی تمہارا دل اُن کے نزدیک (بھی غیر اہم) ہے۔ اور یہ ملفوظ ہر حکمت کے معدن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: گناہ بھلایا نہیں جاتا اور نیکی پرانی نہیں ہوتی، تو جو چاہو کرو، جیسا کروگے، ویسا بھروگے۔

محولہ مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ یہ مکالمہ محمد بن علی بن موسی بن جعفر اور خلیفہ متوکل کے درمیان ہوا، اگرچہ یہ بھی ممکن ہے، کیونکہ متوکل کی پیدائش ۲۰۵ھ میں بیان کی جاتی ہے، جیسا کہ علامہ سیوطی نے لکھا ہے، تو اگرچہ کمسنی میں ہی سہی یہ مکالمہ ممکن ہے، لیکن اگر منصب خلافت ملنے کے بعد اس مکالمے کو فرض کیا جائے تو پھر سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کے بجائے سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کو مراد لینا ہی بہتر ہے، کیونکہ متوکل کو خلافت ہی ۲۳۲ھ ملی، اور سیّدنا جواد رضی اللہ عنہ ۲۲۰ھ میں وصال کرچکے تھے۔ اسی لیے اہل تشیع نے اسے سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ سے ہی منسوب کیا اور ہمارے نزدیک بھی یہی دُرست ہے۔ لہٰذا شیخ ابن حمدون یا ناقلین سے محمد بن علی بن موسی سے قبل "علی بن" کا لفظ ساقط ہوگیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ شیخ صدر الدین ابو طاہر سلفی اصبہانی، متوفی ۵۷۶ھ کی "الطیوریات" میں بسندیہ قول موجود ہے:

سمعت أحمد يقول : سمعت محمد بن عبد الله بن المطَّلب بالكوفة يقول : سمعت أبا الحسين رجاء بن يحيى الكاتب يقول : سمعت أبا الحسن علي بن محمد بن الرضا بسرّ من رأى ، يقول لرجل من الكُتَّاب: أَحسِنْ إِلَى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَلَا تُسِئْ إِلَى مَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ . (۵۵)

ترجمہ: جو تمہارے ساتھ بُرا سلوک کرے، تم اُس کے ساتھ بھی بھلائی ہی کرو، اور اگر ایسا نہیں کرسکتے، تو (کم اَز کم) اُس کے ساتھ بُرا سلوک مت کرنا، جس نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہو۔

۵۵۔ **الطيوريات** ، للشيخ أبي طاهر السلفي ، ۲/ ٦٢٢ ، الرقم ٥٥٠ .

تاریخ وصال

آپ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اسلاف گرامی کی طرح اسلام کی ترویج واشاعت اور مخلوق خدا کی رہنمائی میں پُر مشقت اور جہد مسلسل والی زندگی گزاری، جس میں پابند سلاسل اور محبوس بھی رہے، لیکن بایں ہمہ ہمت وبلند حوصلہ کے ساتھ دین کے راہ میں آنے والی مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کیا، پھر غریب الوطنی کی صورت میں "سامراء" مضافات بغداد میں وصال کیا اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔

۱۔ ۲۵۴ھ/۸۶۸ء

آپ رضی اللہ عنہ کے سال وفات پر کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ جمہور ائمہ ومؤرخین اس بات پر متفق ہیں، کہ انھوں نے ۲۵۴ھ میں وصال فرمایا۔ چنانچہ طبری "تاريخ الرسل والملوك"، ابن جوزی "المنتظم"، خطیب بغدادی "تاريخ بغداد"، صفدی "الوافي بالوفيات"، ابن خلکان "وفيات الأعيان"، ابن کثیر "البدايه والنهاية" اور یافعی نے "مرآة الجنان" میں اسی مؤقف کو بیان کیا ہے۔(۵۶) عبارات کو طوالت کے پیش نظر ترک کیا جارہا ہے۔

۲۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا مہینہ "جمادی الآخر/رجب" تھا

جمہور ائمہ کا میلان اس طرف ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مذکور سال جمادی الآخر کے مہینے میں وفات پائی، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ سے زمانی لحاظ سے قریب تر مؤرخ شیخ طبری نے "تاريخ الرسل والملوك" اور سابق پیراگراف میں مذکور تمام ہی ائمہ نے قول اوّل کی صورت میں اسی مہینے کا ذکر کیا، جبکہ شیخ خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد" میں ابو سعید اَزدی سہل بن زیاد کی سند متصل سے اسی مہینے میں وفات پانے کا قول نقل کیا ہے۔ البتہ بعض نے اختلافی اور ضعیف اقوال کی صورت

۵۶۔ **تاريخ الرسل والملوك**، للطبري، ۹/ ۳۸۱، ذكر السنة ۲٥٤هـ. **الكامل في التاريخ**، للجزري، ۷/ ۱۸۸، المسلسل ۱۰۱۷. **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۳/ ٥۲۰. **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ۳/ ۲۷۳. **الوافي بالوفيات**، للصفدي، ۲۲/ ٤۹. **المنتظم**، للجوزي، ۱۲/ ۷٤. **النجوم الزاهرة**، للشيخ ابن تغري بردي، ۲/ ٤۱۰. **البداية والنهاية**، للشيخ ابن كثير، ۱۱/ ۲۳٥. **مرآة الجنان**، **لليافعي**، ۲/ ۱۱۹. **الأنساب**، للسمعاني، ۸/ ٤٥۷. **مرآة الزمان**، للشيخ سبط ابن الجوزي، ۱٥/ ۳۳٦. **تاريخ الإسلام**، للذهبي، ۱۹/ ۲۱۸، الرقم ۳٦٤. **أخبار الدول**، للقرماني، ۱/ ۳٥۰.

میں "رجب" کا مہینہ بھی بیان کیا، پس ابن خلکان نے "وفيات الأعيان" اور صفدی نے "الوافي بالوفيات" میں "تین (۳) رجب" جبکہ قرمانی نے "أخبار الدول" میں "رجب کی چار یا پانچ راتیں باقی تھی" تحریر کیا ہے، لیکن مؤخر الذکر کے علاوہ دیگر کتب میں یہ اقوال بصیغہ تمریض ہیں، اور قرمانی کا جمہور سے بلا دلیل اِنحراف قابل اعتبار نہیں، کیونکہ انھوں نے کسی معتبر ماخذ کا حوالہ بھی ذکر نہیں کیا، تو ان کا قول جمہور سے تصادم کی صورت میں نامقبول ہے۔

۳۔ تاریخ "۴/۲۵/۲۶ جمادی الآخر" یا بصورت قول "۳/۴/۲۵ رجب" بروز پیر تھی

شیخ طبری نے "تاريخ الرسل والملوك" لکھا ہے کہ بوقت وصال جمادی الآخر کے چار دن باقی تھے، جبکہ خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد" میں سند متصل کے ساتھ نقل کیا: بروز پیر ۲۵۴ھ میں وصال کیا اور ابھی جمادی الآخر کی پانچ راتیں باقی تھیں۔ نیز سمعانی، ابن خلکان اور صفدی نے بھی قول اوّل کی صورت میں یہی درج کیا ہے، جبکہ مؤخر دونوں ائمہ نے طبری کے مؤقف کی تائید والا قول یعنی جمادی الآخر کے چار دن / راتیں باقی رہنے کو بھی بصورت ضعف نقل کیا ہے۔ الغرض جمادی الآخر کے آخری عشرے پر جمہور کا اتفاق ہے، لیکن دنوں کی تعیین میں اختلاف ہے اور یہ غالباً اسلامی دن کے غروب آفتاب سے آغاز ہونے کی بنا پر ہے، ممکن ہے بعض نے دنوں کا لحاظ کیا اور بعض نے راتوں کو ملحوظ رکھا، جس سے یہ اَمر پیدا ہوا۔ پس ان آراء میں زیادہ اختلاف وتباین نہیں، چنانچہ دن کی یکسانیت کے سبب ایسے معمولی اختلاف کا دَر آنا نفس مسئلہ کے ثبات پر غبار نہیں لاتا لہٰذا سب بکثرت مؤرخین کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ نے جمادی الآخر، بروز پیر ۲۵۴ھ میں بمقام سامراء وصال فرمایا۔ البتہ انہی مؤخر الذکر دونوں ائمہ نے "۳ رجب" کا بھی قول نقل کیا ہے، پس یہ قول شاذ اور جمہور کے خلاف ہونے کے سبب قابل اعتناء نہیں۔ فافہم

۴۔ آپ رضی اللہ عنہ نے "سامراء (سُرَّ مَنْ رَأَى)" مضافاتِ بغداد میں وصال کیا

اس بات پر اہل سنت اور اہل تشیع کے جمیع ائمہ ومؤرخین کا اتفاق ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے "سامراء" میں وصال کیا، چنانچہ ہمیں ہنوز اس اَمر پر کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات، طائرانہ جائزہ

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	مقام	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد	سامراء	پیر	۲۵	جمادی الآخر	۲۵۴ھ	نقلاً
ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	الکامل فی التاریخ	=	—	—	=	=	جزماً
ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	اللباب فی الانساب	=	پیر	۲۵	=	=	=
سبط ابن الجوزی، متوفی ۶۵۴ھ	مرآۃ الزمان	=	—	—	=	=	=
احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	=	پیر	۲۶/۲۵/۴	=	=	=
احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	=	—	۳	رجب	=	نقلاً
صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ	الوافی بالوفیات	=	پیر	۲۶/۲۵/۴	جمادی الآخر	=	جزماً
صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ	الوافی بالوفیات	—	—	۳	رجب	=	نقلاً
ابن تغری بردی اتابکی، متوفی ۸۷۴ھ	النجوم الزاہرۃ	سامراء	—	—	جمادی الآخر	=	جزماً
شمس الدین ابن طولون، متوفی ۹۵۳ھ	الشذرات الذھبیۃ	=	—	۲۶/۲۵/۴	=	=	=
شمس الدین ابن طولون، متوفی ۹۵۳ھ	الشذرات الذھبیۃ	=	—	۳	رجب	=	نقلاً
محمد بن حسین دیار بکری، متوفی ۹۶۶ھ	تاریخ الخمیس	=	پیر	اواخر	جمادی الآخر	=	جزماً
عبد الملک عصامی مکی، متوفی ۱۱۱۱ھ	سمط النجوم	=	=	۲۵	=	=	=
احمد بن یوسف قرمانی، متوفی ۱۰۱۹ھ	اخبار الدول	—	=	۲۵/۴	رجب	=	=
سیّد مرتضیٰ زبیدی، متوفی ۱۲۰۵ھ	تاج العروس	—	—	—	—	=	=

نمازِ جنازہ اور تدفین

آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ جعفر کے بیٹے ابو احمد محمد المعروف الموفق باللہ، متوفی ۲۷۸ھ نے "شارع ابواحمد" کے مقام پر ادا کی، اور بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ کو "سُرَّ مَنْ رَأَى "یعنی سامراء، مضافات بغداد کے علاقے میں واقع آپ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہی دفن کیا گیا(۵۷)۔ یہ گھر آپ رضی اللہ عنہ کی ذاتی ملکیت تھا، اسی میں آپ رضی اللہ عنہ طویل عرصے تک نظر بند رہے اور پھر یہی مدفون ہوئے۔ شیخ خطیب بغدادی "تاریخ بغداد" میں بسند نقل کرتے ہیں:

توفي علي بن محمد بن علي بن موسى بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب بسر من رأى في داره التي ابتاعها من دُلَيْل بن يعقوب النصراني.(۵۸)

ترجمہ: علی بن محمد۔۔ الخ نے سامراء کے مقام پر اُس گھر میں وصال کیا، جسے انھوں نے دُلیل بن یعقوب عیسائی سے خریدا تھا۔

نماز جنازہ پڑھانے والی شخصیت کا نام متقدمین ائمہ مثلاً شیخ طبری، شیخ ابن جوزی اور شیخ ابن اثیر جزری کی کتب میں درج ہے، البتہ بقیہ حضرات نے وصال و مدفن کے بارے میں بیان کیا ہے۔ بوقت وصال بیشتر ائمہ کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک چالیس سال تھی، یعنی اگر جمہور ائمہ کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۲۱۴ھ میں مراد لی جائے، اور اگر پیدائش کے بارے میں دیگر اقوال کا اعتبار کیا جائے تو پھر اسی حساب سے کل عمر میں بھی اضافہ ہوگا۔ شیخ ابن کثیر دمشقی نے "البداية والنهاية" اور شیخ یافعی نے "مرآة الجنان" میں جو ذکر کیا، اُس کے مطابق انھوں نے بیس سال اور کچھ مہینے،

۵۷۔ **تاريخ الرسل والملوك**، للطبري، ۹/ ۳۸۱، ذكر السنة ۲۵٤هـ. **الكامل في التاريخ**، للجزري، ۷/ ۱۸۸، المسلسل ۱۰۱۷. **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۳/ ۵۲۰. **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ۳/ ۲۷۳. **الوافي بالوفيات**، للصفدي، ۲۲/ ٤۹. **المنتظم**، للجوزي، ۱۲/ ۷٤. **النجوم الزاهرة**، للشيخ ابن تغري بردي، ۲/ ٤۱۰. **البداية والنهاية**، للشيخ ابن كثير، ۱۱/ ۲۳۵. **مرآة الجنان**، لليافعي، ۲/ ۱۱۹. **الأنساب**، للسمعاني، ۸/ ٤٥۷. **مرآة الزمان**، للسبط ابن الجوزي، ۱۵/ ۳۳٦. **أخبار الدول**، للقرماني، ۱/ ۳۵۰.

۵۸۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب البغدادي، ۱۳/ ۵۲۰، الرقم ٦۳۹۳.

جبکہ سمعانی نے "الأنساب" اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں بیس سال اور نو مہینے تک "سامراء" میں سکونت ذکر کی ہے۔ چنانچہ اتنا عرصہ وہاں مقیم رہے اور پھر قضائے الٰہی سے خلیفہ ابوعبد اللہ محمد المعروف المعتز باللہ بن المتوکل علی اللہ جعفر، متوفی ۲۵۵ھ کے دورِ خلافت میں وصال ہوا۔

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کے خاندانی نسب کا امتحان اور کرامت کا ظہور

حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی "لسان المیزان" میں بیان کرتے ہیں:

خلیفہ متوکل عباسی کے زمانہ میں ایک عورت نے دعوی کیا کہ وہ حسین بن علی بن ابو طالب کی بیٹی ہے اور اس کی عمر اتنی ہو چکی ہے۔ چنانچہ متوکل نے علی (نقی) بن محمد۔۔الخ کو طلب کیا، تو انھوں نے اس کے دعوی کی تکذیب کی۔ اسے مسعودی نے "مروج الذہب" میں ذکر کیا تھا، پھر مجھے (حافظ عسقلانی کو) یہی واقعہ ابو سعید نیشاپوری کی "شرف المصطفی" میں بھی مل گیا، پس انھوں نے کہا: محمد بن عاصم تمیمی المعروف حزنبل نے احمد بن ابو طاہر سے اور انھوں نے علی بن یحییٰ المنجم سے نقل کیا:

> جب زینب کذابہ ظاہر ہوئی اور اور دعوی کیا کہ وہ فاطمہ و علی کی بیٹی ہے، تو خلیفہ متوکل نے اپنے مصاحبین کو جمع کیا اور پوچھا: ہمیں اس دعوی کی سچائی کیسے معلوم ہو؟ تو فتح بن خاقان نے کہا: ابن رِضا کو بلائیں، وہی صحیح معاملہ بیان کریں گے۔ چنانچہ آپ کو بلا کر دریافت کیا گیا، تو آپ نے کہا: بیشک اللہ تعالیٰ عزوجل نے اَولادِ فاطمہ کے گوشت کو درندوں پر حرام کر دیا ہے، لہٰذا اسے درندوں کے سامنے ڈال دیا جائے، اگر یہ سچی ہوئی، تو وہ کچھ نہیں کہیں گے اور اگر جھوٹی ہوئی، تو کھا جائیں گے، لیکن جب یہ معاملہ اُس عورت کو معلوم ہوا تو اُس نے اپنے دعوی کو خود ہی جھٹلا دیا۔ تب اسے اُونٹ پر سوار کر کے سامراء میں پھرایا گیا اور ساتھ ہی منادی کہتا گیا: یہ زینب کذابہ ہے، اس کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی رشتے داری نہیں۔ پھر کچھ دنوں بعد علی بن جہم نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ ان

کے مشورے کو خود انہی کے ذریعہ پرکھ لیتے، توہم بھی حقیقت جان لیتے، چنانچہ خلیفہ نے انھیں درندوں کے سامنے ڈال دیا، لیکن انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کہا، اس پر متوکل کہنے لگا: خدا کی قسم! اگر تم میں سے کسی نے بھی اس بات کی خبر دی، تو میں اُس کی گردن ماردوں گا۔(۵۹)

اسی طرح کا واقعہ متقدمین علماء میں سے قاضی ابو علی تنوخی، متوفی ۳۸۴ھ نے "الفرج بعد الشدة" میں بھی ذکر کیا ہے، لیکن وہاں علی نقی کے بجائے سیّدنا علی رِضا رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور اس میں اس قدر مزید ہے کہ امام رِضا رضی اللہ عنہ بھی اُس عورت کے ساتھ درندوں کے پاس اُترے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ سلامت رہے، جبکہ اُس عورت کو درندوں نے چیر پھاڑ کر رکھ دیا، اسی لیے وہ زینب کذّابہ (جھوٹی) سے مشہور ہوئی(۶۰)۔

شیخ ابن حجر مکی شافعی نے "الصواعق المحرقه" میں اس واقعہ کے دو مختلف مظاہر لکھے ہیں، چنانچہ ایک مقام پر انھوں سابق علماء سے منسوب کرتے ہوئے واقعہ میں سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا، لیکن پھر قصہ کے اختتام پر تنبیہ کی، کہ اس کا دُرست مصداق علی نقی رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ نے تو متوکل کی خلافت کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ جبکہ اسے لکھنے کے کچھ صفحات بعد ہی سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کے عنوان کے ضمن میں ایسا ہی ایک واقعہ یحییٰ بن عبد اللہ محض بن حسن مثنیٰ کے لیے بھی بیان کیا ہے اور یہ واقعہ ہارون رشید کے دور خلافت میں ہوا(۶۱)، واللہ اعلم۔

پس اس طرح کہ یاں تو متعدد واقعات رُونما ہوئے، یا پھر مؤرخین سے تسامح ہوا اور یہ واقعہ اپنی تفصیلات کے لحاظ سے مختلط ہو گیا، بعد والوں نے جس ماخذ کو دیکھا اُسی پر اعتماد کرتے ہوئے نقل کر دیا، اگر حافظ عسقلانی اسے نقل نہ کرتے، توہم بھی اس سے اجتناب ہی کرتے، لیکن انھوں نے مسعودی سے نقل کرنے کے بعد شیخ خرکوشی سے بھی اس کی تائید پائی، اور شاید اسی لیے بیان بھی کر دیا، البتہ ہمیں خرکوشی کی مطبوعہ "شرف المصطفی" میں یہ واقعہ نہیں مل سکا۔

۵۹- **لسان الميزان**، للعسقلاني، ۳/ ۵٦٦، الرقم ۳۳۲۷.

٦۰- **الفرج بعد الشدة**، للقاضي التنوخي، ٤/ ۱۷۲. الرقم ٤۲۳. ذكر: أبو القاسم العلوي يواجه الأسد.

٦۱- **الصواعق المحرقة**، للابن حجر المكي، الصفحة ٥٦۲/ ٥٥۸.

سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور دیہاتی کا قرض

شیخ ابن حجر مکی "الصواعق المحرقة" اور شیخ قرمانی "أخبار الدُّول" میں لکھتے ہیں:

شہر کوفہ کا ایک دیہاتی آپ کے پاس آیا اور عرض گزار ہوا: میں آپ کے اَجداد کا محبّ ہوں، مجھ پر اتنا قرض ہو چکا، جس نے میری کمر توڑ دی ہے، اَب مجھے آپ کے علاوہ ادائیگی کی سبیل نظر نہیں آتی، آپ نے پوچھا: کتنا قرض؟ اُس نے کہا: دس ہزار درہم، آپ نے کہا: ٹھیک ہے، ان شاء اللہ ادائیگی کا انتظام ہو جائے گا، پھر آپ نے اُسے تحریر لکھ دی، کہ اس شخص کا مجھ پر اتنا قرض ہے اور دیتے ہوئے کہا: جب مجلس عام لگی ہو تو وہاں آ کر مجھ سے سختی کے ساتھ قرض کا مطالبہ کرنا، پس اُس شخص نے مجلس میں آ کر ایسے ہی کیا، تو آپ نے اُس سے تین دن کی مہلت مانگی، اتنے میں یہ بات خلیفہ متوکل کو پہنچی، تو اُس نے تیس ہزار درہم دینے کا حکم دیا، جب آپ کو یہ رقم ملی، تو آپ نے دیہاتی کو دے دی، اُس نے عرض کی: اے اَولادِ رسول! دس ہزار درہم سے میرا قرضہ اُتر گیا، باقی آپ رکھ لیں، تو آپ نے تیس ہزار درہم میں سے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا، پس وہ دیہاتی یہ کہتے ہوئے پلٹ گیا:

اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ. (الأنعام، ٦/ ١٢٤)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے، جہاں اپنی رسالت رکھے۔[۶۲]

یہ واقعہ اگر دُرست ہو، تو سوال ہے کہ اس میں خلاف حقیقت کام ظاہر کیا گیا کہ آپ پر جو قرض نہ تھا، اُسے اپنا ظاہر کر کے رقم حاصل کی اور پھر دیہاتی کو دے دی۔ پس بر صدق واقعہ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے قرض کو اپنے ذمہ لینا شرعاً جائز ہے، چنانچہ اُس دیہاتی کا قرض اپنے ذمہ لینے کے بعد اَب آپ مقروض ہو گئے، یا پھر خود پر اُتنی رقم کو دیہاتی کی نسبت قرض تسلیم کر لیا، جس کی وجہ سے دیہاتی بحیثیت قرض خواہ مطالبہ کا اہل ہو گیا، واللہ اعلم۔

٦٢- **الصواعق المحرقة**، للابن حجر المكي، الصفحة ٥٦١. **أخبار الدُّول**، للقرماني، ١/ ٣٤٩.

پانچواں باب

تَذْكِرَةُ الْحَسَنِ الْعَسْكَرِيْ لِرَاحَةِ النَّبِيِّ الْأَبْطَحِيْ ﷺ

امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ

(ولادت ۲۳۱ھ / وفات ۲۶۰ھ)

تاریخ پیدائش اور مقام ولادت

کتب اہلسنّت میں آپ رضی اللہ عنہ کے حالات بہت قلیل مواد کی صورت منتشر بیان ہوئے، بہر حال ہمیں اُن میں سے جو میسّر آسکا، اس کے پیش نظر مندرجہ ذیل معلومات پیش خدمت ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بارے میں جہاں مواد کی قلت، وہی اختلاف کی بھی قلت ہے، پس ہمارے مطالعے کے مطابق ائمہ کا جزوی اختلاف ہے، جبکہ بیشتر اس کی تعیین پر متفق ہیں، ان اُمور کی تفصیلات یوں ہیں:

(۱) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۲۳۱ ہجری / ۸۴۵ء عیسوی میں ہوئی

جمہور ائمہ و مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش اسی سال میں ہوئی، چنانچہ شیخ خطیب بغدادی "تاریخ بغداد" میں اپنی متصل سند کے ساتھ ابو سعید سہل بن زیاد ازدی سے روایت کرتے ہیں:

ولد أبو محمد الحسن بن علي بن محمد بن علي بن موسى في سنة إحدى وثلاثين ومائتين.

ترجمہ: ابو محمد حسن (عسکری) بن علی (نقی) بن محمد بن علی بن موسیٰ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔

ان کے علاوہ محدث ابن جوزی نے "المنتظم"، شیخ سمعانی نے "الأنساب"، شیخ جزری نے "اللباب"، شیخ ابن تغری بردی نے "النجوم الزاھرۃ" میں یہی سال پیدائش درج کیا ہے، جبکہ شیخ ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" اور شیخ دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" میں بصورتِ قول اس کا ذکر کیا ہے۔ ان مقامات کی عبارات یکساں ہیں، لہٰذا طوالت کے پیش نظر سب کے ایراد کی حاجت نہیں، البتہ حوالہ جات درج کیے جارہے ہیں۔[1]

۱۔ **تاريخ بغداد**، للخطيب، ۸/ ۳۵۳. **المنتظم**، للجوزي، ۱۲/ ۱۵۸، الرقم ۱۶۳۹، ذكر السنة ۲٦۰هـ. **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ۲/ ۹٤، الرقم ۱٦۹. **اللباب في تهذيب الأنساب**، للشيخ ابن الأثير الجزري، ۲/ ۳٤۰، تحت المادة؛ العسكري. **الأنساب**، للسمعاني، ۸/ ٤٥٥، تحت المادة؛ العسكري. **النجوم الزاهرة**، للشيخ ابن تغري بردي، ۳/ ٤۱، ذكر السنة ۲٦۰هـ. **تاريخ الخميس**، للدياربكري، ۲/ ۲۸۸. **فصل الخطاب**، للبارسا، الصفحة ٤٤۳، ذكر الحسن العسكري.

(۲) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۲۳۲ ہجری / ۸۴۶ء عیسوی میں ہوئی

شیخ جزری نے "الکامل" اور شیخ مرتضیٰ زبیدی نے "تاج العروس" میں جزماً، جبکہ شیخ ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" اور دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" میں بصورتِ قول ثانی اسے سال پیدائش ذکر کیا ہے، اوّل الذکر لکھتے ہیں:

وَكَانَ مَوْلِدُهُ سَنَةَ اثْنَيْنِ وَثَلَاثِينَ وَمِائَتَيْنِ. (۲)

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۲۳۲ھ میں ہوئی۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کا مقام پیدائش "مدینہ منورہ" زادها الله شرفاً وتعظيماً "ہے

قرائن سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ بھی اپنی پیدائش کے بعد سے مدینہ منورہ میں ہی مقیم رہے اور پھر ۲۳۲ھ کے بعد خلیفہ وقت کے طلب کے کرنے پر عازم سفر ہوئے۔ اس تناظر میں آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا مدینہ منورہ میں ہونا قرین قیاس ہے، چنانچہ شیخ دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" اور شیخ عصامی نے "سمط النجوم والعوالي" میں بصراحت مدینہ منورہ درج کیا ہے (۳)، لیکن اس کے برخلاف شیخ ابن تغری بردی نے "النجوم الزاهرة" میں "سُرَّ مَنْ رَأَى" بیان کیا:

ومولده سنة إحدى وثلاثين ومائتين بسرّ من رأى. (۴)

پس اگر اسے دُرست مانا جائے تو ما قبل ذکر کردہ جمہور ائمہ ومؤرخین کے دونوں اقوال یعنی ۲۳۱ھ / ۲۳۲ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش والا مؤقف مؤکد نہیں رہتا، کیونکہ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ المتوکل علی اللہ نے منصب خلافت پر بیٹھنے کے بعد ہی سامراء بلایا تھا اور اسکی خلافت کا آغاز ہی ۲۳۲ھ میں اختتام ذوالحجہ سے ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ نے ذوالحجہ

۲۔ **الكامل في التاريخ**، للجزري، الصفحة ۱۰۳۹، ذكر السنة ۲٦۰هـ. **وفيات الأعيان**، للشيخ ابن خلكان، ۲/ ۹٤، الرقم ۱٦۹. **تاج العروس من جواهر القاموس**، للزبيدي، ۱۳/ ٤۰، تحت المادة؛ عسكر. **تاريخ الخميس**، للدياربكري، ۲/ ۲۸۸.

۳۔ **تاريخ الخميس**، للدياربكري، ۲/ ۲۸۸. **سمط النجوم والعوالي**، للشيخ العصامي، ٤/ ۱٥۰.

۴۔ **النجوم الزاهرة**، للشيخ ابن تغري بردي، ۲/ ٤۱، ذكر السنة ۲٦۰هـ.

کے چھ دن باقی تھے، تب انتقال کیا اور اسی مہینے کے اَخیر میں بیعت ہوئی، (تاریخ الخلفاء، للسیوطي، الصفحة ٥٣٧)۔ پس لا محالہ ۲۳۳ھ کا آغاز ہو چکا تھا جس میں سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ سامراء تشریف لائے۔ لہٰذا اگر آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش سامراء میں مانی جائے، تو لازماً سال ۲۳۳ھ کے کسی مہینے میں ہوئی، اور بایں صورت جمہور کا مؤقف دُرست نہیں رہتا اور اگر جمہور کا مؤقف مانا جائے تو ابن تغری بردی کا مؤقف کالعدم ہو جاتا ہے، کیونکہ بعض کتب میں اشارہ ہے کہ انھوں نے سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی سامراء کا سفر کیا تھا۔ ایسی صورت میں لازماً ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہو چکی تھی، اسی لیے والد کے ساتھ گئے۔ لیکن اگر پیدائش وہی سامراء جا کر میں ہوئی، تو پھر اس بیان کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا فافہم۔ بہر کیف جمہور اہل سنت اور اہل تشیع کی آراء کا رجحان اسی جانب ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش باختلاف سال ۲۳۱ھ / ۲۳۲ھ مدینہ منورہ میں ہوئی، اور پیش نظر تفصیلات کی روشنی میں ہمیں بھی یہی مؤقف قرین صواب لگتا ہے، تا آنکہ ابن تغری بردی کی تائید میں کوئی واضح و قطعی شواہد عیاں میسّر آئیں۔ واللہ اعلم

(۴) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا دن "جمعرات" ہے

ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" ۲۳۱ھ کے ضمن میں مہینے کو مطلق رکھتے ہوئے دن کی تعیین ذکر کی ہے۔

(۵) آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا مہینہ "ربیع الاوّل / ربیع الآخر" اور تاریخ "چھ" ہے

انھوں نے ہی مذکورہ مقام پر بصورت قول ثانی ۲۳۲ھ میں ربیع الاوّل یا ربیع الآخر کی چھ تاریخ میں آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش درج کی ہے۔ ان کے علاوہ مصادر اہلسنّت میں سے کسی اور امام نے ایسی تفصیلات رقم نہیں کی۔ واللہ اعلم

سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی تاریخِ پیدائش، طائرانہ جائزہ

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	مقام	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد	—	—	—	—	۲۳۱ھ	نقلاً
عبد الکریم سمعانی، متوفی ۵۶۲ھ	الانساب	—	—	—	—	=	جزماً
ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ	المنتظم	—	—	—	—	=	=
ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	الکامل	—	—	—	—	۲۳۲ھ	=
ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	اللباب	—	—	—	—	۲۳۱ھ	=
احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	جمعرات	—	—	=	=
احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	—	—	۶	ربیع الاول / ربیع الآخر	۲۳۲ھ	نقلاً
خواجہ محمد پارسا، متوفی ۸۲۲ھ	فصل الخطاب	—	—	—	—	۲۳۱ھ	جزماً
ابن تغری بردی، متوفی ۸۷۴ھ	النجوم الزاہرۃ	سامراء	—	—	—	=	=
محمد دیار بکری، متوفی ۹۶۶ھ	تاریخ الخمیس	مدینہ	—	—	—	۲۳۱ھ / ۲۳۲ھ	=
عبد الملک عصامی مکی، متوفی ۱۱۱۱ھ	سمط النجوم	=	—	—	—	=	=
مرتضی زبیدی، متوفی ۱۲۰۵ھ	تاج العروس	=	—	—	—	۲۳۲ھ	=

کنیت اور اَلقاب

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت کے بارے میں اہلسنّت اور اہل تشیع کے جمہور کا اتفاق ہے کہ "أبو محمد" تھی۔ لہٰذا اس پر شواہد و دلائل پیش کرنے کی حاجت نہیں، کیونکہ ہمارے درج کردہ ماقبل حوالہ جات اور آئندہ ذکر ہونے والے بہت سے ائمہ کے مصادر میں اسی کنیت کو ذکر کیا گیا۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کے لقب "العسكري" کا بھی یہی حال ہے اور عسکری کی وجہ تسمیہ ماقبل باب میں گزر چکی، اور یہ لقب جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے لیے معروف، ویسے ہی آپ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی مشہور ہے اور چونکہ ائمہ اہل بیت کے تسلسل میں یہ دونوں حضرات ہی صرف اس مقام سکونت سے منسوب ہو کر "عسکری" کہلائے، لہٰذا ائمہ و مؤرخین ان میں امتیاز کرنے کے لیے سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کو "عسکری اوّل"

اور سیّدنا حسن بن علی نقی رضی اللہ عنہ کو "عسکری ثانی" کہتے ہیں، نیز حقائق وشواہد کی روشنی میں بھی یہی درست ہے، لیکن اس کے برخلاف "ابوالحسن اوّل، ثانی وثالث" وغیرہ کے استعمال پر اختلاف وکلام سابق ابواب کے متعلقہ مقامات پر تفصیل سے پیش کر دیا گیا، چنانچہ یہ معاملہ اُن کے استعمال سے مختلف ہے۔ شیخ دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" میں آپ رضی اللہ عنہ کے مزید یہ القاب بھی بیان کیے ہیں: "اَلزَّكِيُّ ، اَلخَاصُّ (لعلّ الصواب؛ اَلخالِصُ) ، اَلسِّرَاجُ "(۵)۔ مؤخر الذکر اور "الخالِصُ" کو شیخ عصامی مکی نے "سمط النجوم" میں بھی بیان کیا ہے(۶)۔

حلیہ مبارک اور رنگت

شیخ عصامی نے "سمط النجوم" میں ذکر کیا ہے کہ "صفته بين السَّمرَّة والبياض" یعنی ان کی رنگت گندمی اور سفیدی مائل تھی(۷)۔ ان کے علاوہ دیگر کتب میں اس بابت کوئی تفصیل دکھائی نہیں دی۔

سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے والدین

سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے والد علی نقی بن محمد جواد رضی اللہ عنہ معروف ہیں، جن پر مستقل باب کے تحت کلام پیش کیا جاچکا، نیز آپ کا سلسلہ نسب دنیائے اسلام میں صدیوں سے مسلّم ہے، لہٰذا اس پر مزید دلیل کی قطعاً ضرورت نہیں۔ البتہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے بارے میں زیادہ تفصیلات کتب وتراجم میں موجود نہیں، چنانچہ متقدمین ائمہ کے یہاں تو ہمیں اس بابت کچھ میسّر نہیں آسکا، البتہ متاخرین علماء میں سے شیخ ابن تغری بردی نے "النجوم الزاهرة" میں اتنا بیان کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ "اُمّ ولد" یعنی باندی تھیں۔ جبکہ شیخ دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" میں ان کا نام "سُوْسَنْ"(۸)

۵۔ **تاريخ الخميس**، للدياربكري، ۲/ ۲۸۸.

۶۔ **سمط النجوم والعوالي**، للشيخ العصامي، ٤/ ۱۵۰. **أخبار الدول**، للقرماني، ۱/ ۳۵۱.

۷۔ **سمط النجوم والعوالي**، للشيخ العصامي، ٤/ ۱۵۰.

۸۔ تراجم ورجال کی کتب میں بالعموم ایسا نام مردوں کے لیے استعمال ہوا ہے، چنانچہ طبقات ابن سعد، تاریخ ابن معین، اور سیر اعلام النبلاء میں اس کے حامل شخصیات کے اسماء درج ہیں۔ اسے دو طرح سے لکھا گیا، "سُوْسَنْ ، سَوْسَنْ"، شیخ ابن نقطہ نے "**تكملة الإكمال**، ۳/ ۲٥٤" اور شیخ سیوطی نے"

درج کرنے کے ساتھ ہی لکھا:اس بارے میں مزید آراء بھی موجود ہیں[9]۔ شیخ عصامی مکی نے بھی "سمط النجوم"میں باندی ذکر کرتے ہوئے "سُوْسَنْ"ہی بیان کیاہے[10]۔ جبکہ خواجہ محمد پارسانقشبندی نے "فصل الخطاب"میں انھیں باندی لکھتے ہوئے "سمانہ"بیان کیااوراسی کتاب میں یہی نام انھوں نے سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کی والدہ کیلئے بھی درج کیاہے[11]۔

بہرکیف ان کے حالات زندگی اور حسب ونسب کے بارے میں حتمی رائے دینا ممکن نہیں،البتہ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کی عظمت شان اور خاندان اہل بیت کے تقدس کے پیش نظر عیاں ہوتاہے کہ وہ یقیناً عفت واحترام اور نیکی کے معاملات میں فائق ترہوں گی،اسی لیے انھیں حریم اہل بیت کے ساتھ تعلق کاشرف حاصل ہوا۔

تلامذہ وفیض یافتگان

امام موصوف کے تلامذہ کے بارے میں زیادہ معلومات میسّر نہیں، جس کی وجہ سے یہ فہرست تشنہ ہے،البتہ آپ رضی اللہ عنہ کے ایک جلیل القدر تلمیذ کاذکر میسّر آیا۔ چنانچہ امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ پر رحمتیں ہوں، کہ انھوں نے مقام "البَلَاذُرِيْ" کاذکر کرتے ہوئے محدث ابومحمد احمد بن محمد بن ابراہیم طوسی بلاذُری،الواعظ(متوفی ۳۳۹ھ)اُستادِامام حاکم نیشاپوری کو آپ رضی اللہ عنہ کا تلمیذ لکھاہے اور یہ مؤرخ وماہر اَنساب شیخ احمد بن یحییٰ بلاذُری،متوفی ۲۷۹ھ صاحب "أنساب الأشراف و کتاب البلدان" کے علاوہ ہیں۔ علمائے کرام دونوں میں امتیاز کرنے کے لیے اوّل الذکر کو "بلاذُری صغیر"اور ثانی الذکر کو "بلاذُری کبیر" کہتے ہیں،اور یہاں بلاذُری صغیر مرادہیں۔انھوں نے شیخ بلاذُری صغیر کی بصراحت سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ سے مکہ مکرمہ کے مقام پر کتابت حدیث بیان کی،پس آپ لکھتے ہیں:

المزهر في علوم اللغة ، ١/ ٢٥٣ "پراوّل الذکر اعراب لکھاجبکہ بہت سے ائمہ اوراہل لغت کے یہاں مؤخر الذکر بیان ہوا،ملاحظہ ہو:"**دُرة الغواص في أوهام الخواص** ، للحريري ، ١/ ١٥١ "۔

٩- **تاريخ الخميس** ، للدياربكري ، ٢/ ٢٨٨. **النجوم الزاهرة** ، للشيخ ابن تغري بردي ، ٣/ ٤١ ، ذكر السنة ٢٦٠هـ .

١٠- **سمط النجوم والعوالي** ، للشيخ العصامي ، ٤/ ١٥٠ .

١١- **فصل الخطاب** ، للشيخ محمد البارسا ، الصفحة ٤٤٣ ، ذكر الحسن العسكري .

وكتب بمكّة عن إمام أهل البيت أبي محمد الحسن ابن علی بن محمد بن علی بن موسى الرضا.[۱۲]

ترجمہ: انھوں نے مکہ مکرمہ میں اہل بیت کے امام ابو محمد حسن (عسکری) بن علی (نقی) بن محمد (جواد) بن علی بن موسی الرضا سے اَحادیث لکھیں۔

اور بلاذُری صغیر نا صرف امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ، بلکہ اُن کے اساتذہ کے بھی شیخ ہیں[۱۳]، جیسا کہ امام حاکم کے حوالے سے ہی متعدد ائمہ نے اس بارے میں تفصیلات درج کی ہیں[۱۴]۔ انھوں نے "صحیح مسلم" کی طرز پر اَحادیث صحیحہ کی کتاب بھی مرتب کی، چنانچہ ائمہ کے مشائخ میں ان کا شمار عظمت و جلالت علمی کے لیے کافی، جبکہ تعریفی تصریحات و کلمات اس پر مستزاد ہیں، تو یوں اہل بیت کے فرزند جلیل حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں ان کی شمولیت اس بات کو بھی عیاں کرتی ہے، کہ ائمہ اہل بیت سے صرف مجہول الحال اور ضعیف حضرات نے ہی اکتساب نہیں کیا، بلکہ اَجلہ محدثین کی جماعت کے ممتاز نمائندے اور عمائدین بھی اس بحر بیکراں سے مستفید ہوئے، البتہ ان کی تفصیلات مرتب و اُجاگر نہ ہو سکیں، اس لیے یہ پہلو پردہ خفا میں رہے۔

نویں صدی ہجری کے ممتاز محدث امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ نے ایک حدیث کی تشریح و توضیح میں محدث ابو بکر احمد شیرازی صاحب کتاب "الألقاب" کے حوالے سے ایک تابع ذکر کیا، جس کی سند میں "حسن بن محمد

۱۲۔ **الأنساب**، للسمعاني، ۲/ ۳۵۱، تحت الذكر ؛ البلاذري.

۱۳۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے نوجوانی میں اُن سے اکتساب کیا، کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۳۲۱ھ میں ہوئی، جبکہ شیخ بلاذُری نے ۳۳۹ھ میں وفات پائی۔ امام حاکم کا تعلق نیشاپور سے اور شیخ بلاذُری کا تعلق طوس سے تھا اور یہ دونوں علاقے قریب ہی واقع ہیں، جبکہ سمعانی کی تصریح کے مطابق تو موصوف کی مجالس نیشاپور میں بھی منعقد ہوتی رہیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بلاذُری کی مجالس میں حاضری دینے والے امام حاکم کے شیوخ میں سے صرف ابو علی حافظ کا نام درج کیا ہے، جبکہ سمعانی نے اسی کتاب میں "أبو الحسن المحمي . أبو نصر العبدوي" کے نام بھی لکھے ہیں۔

۱۴۔ **تاريخ الإسلام**، للذهبي، ۲۵/ ۱۶۹، الرقم ۲۷۱، ذكر السنة ۳۳۹هـ. **تذكرة الحفاظ**، للذهبي، ۳/ ۸۹۲، الرقم ۸۶۰. **سير أعلام النبلاء**، للذهبي، ۱۶/ ۳۶، الرقم ۲۲. **شذرات الذهب**، للعماد، ٤/ ۲۰۷، ذكر السنة ۳۳۹هـ. **طبقات الحفاظ**، للسيوطي، الصفحة ۳۶۵، الرقم ۸۲۹، الطبقة الثانية عشر.

بن علی بن موسی الرضا" ہے۔اس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ سیّدنا محمد جواد رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، اور ممکن ہے ایسا ہو۔ لیکن "حسن" کے جس شیخ کو سند حدیث میں درج کیا گیا، وہ بلاذُری صغیر ہیں، کیونکہ شیخ شیرازی نے ۴۰۰ھ کے بعد وصال کیا اور سند میں شیرازی صرف ایک واسطے سے اُن سے روایت کر رہے ہیں، جس سے واضح طور پر مراد بلاذُری صغیر ہیں ، اور یہ بلاذُری صغیر دراصل تلمیذ حسن عسکری رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ ماقبل ان سے کتابت حدیث کی تصریح امام سمعانی کے حوالے سے گزری۔ لہٰذا اقوی امکان یہ ہے کہ شیخ شیرازی کی سند میں مراد یہی ہوں، اوراس صورت میں "حسن بن علی بن محمد" ہو گا، جیسا کہ امام سمعانی کی سند میں گزرا۔ یعنی درمیان میں ایک نام "علی" ساقط ہے۔

ممکن ہے کہ حسن بن محمد جواد رضی اللہ عنہ نے بھی طویل عمر پائی اور ان سے بلاذُری صغیر نے روایت اَخذ کی ہو۔ لیکن یہ احتمال شواہد ودلائل سے عاری ہے۔ بہر دوصورت یہ متعین ہوا کہ یہاں بلاذُری صغیر مراد ہیں، اور یہ حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے تلمیذ ہیں، البتہ سیوطی کی سند اگر دُرست ہو، تو پھر بلاذُری صغیر نا صرف حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے تلمیذ ہوں گے، بلکہ ان کے چچا "حسن بن محمد جواد رضی اللہ عنہ" کے بھی شاگرد قرار پائیں گے۔ علامہ سیوطی کی عبارت یوں ہے:

ووجدت له متابعا آخر قال الشيرازي في الألقاب: أنبأنا أبو بكر محمد بن أحمد بن عقيل الوراق حدثنا أبو محمد أحمد بن محمد بن إبراهيم بن هاشم البلاذري الحافظ حدثنا الحسن بن محمد بن علي بن موسى الرضي به.(۱۵)

اَولاد وجانشین

کتب وتواریخ میں معروف یہی ہے کہ سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا "محمد" ہوا، پس اہل سنت کے بیشتر ائمہ ومؤرخین کے نزدیک انھوں نے بچپن میں ہی وصال فرمایا، اسی لیے وفات کے بعد اُن کے والد کی میراث آپ کے چچا جعفر بن علی نقی رضی اللہ عنہ نے پائی۔ جیساکہ متعدد کتب مثلاً شیخ محمد بن عبد الرسول برزنجی، متوفی ۱۰۱۳ھ کی "الإشاعة لأشراط الساعة ، (الباب الثالث ، الصفحة ١٤٠)" وغیرہ میں مذکور ہے۔ جبکہ اہل تشیع میں اثناعشری وامامیہ کا مؤقف یہ ہے کہ یہ بچپن میں ہی سامراء میں مخفی وپوشیدہ ہوگئے اور جب سے غیبت میں ہیں، قرب قیامت میں ظہور کریں گے اور

۱۵۔ **اللآلي المصنوعة** : للسيوطي ، ١/ ٣٧ ، تحت الحديث ، الإيمان معرفة بالقلب... إلخ.

اُن کے نزدیک دَر حقیقت یہی وہ امام مہدی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کی بشارات اَحادیث نبویہ میں بکثرت منقول ہیں، لیکن اس کے برعکس اہل سنت کے نزدیک امام مہدی رضی اللہ عنہ ابھی پیدا نہیں ہوئے، بلکہ وہ قرب قیامت میں پیدا ہو کر علامت مکمل ہونے پر ظہور فرمائیں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے مملو کریں گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دونوں کے نزدیک سیّدنا محمد بن حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی کوئی اَولاد نہ تھی، اور نہ ہی حسن عسکری رضی اللہ عنہ کا ان کے علاوہ کوئی بیٹا تھا۔ لیکن کتب تراجم وتواریخ میں ورق گردانی کے دوران کچھ اَنساب ایسے بھی نظر سے گزرے، جن کا سلسلہ نسب حسن عسکری رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتا ہے۔ ہماراغالب گمان تو اسی جانب ہے کہ جمہورائمہ نے صدیوں سے جس مؤقف پر تفصیلات پیش کیں، وہ اسی بات کی عکاس ہے کہ حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی نسل مبارک کا تسلسل جاری نہیں رہا اور آپ کا ایک ہی صاحبزادہ "محمد" تھا، جو باختلاف فریقین وصال فرما گیا، یا مخفی ہوا۔ لہٰذا کتب میں جو نسبی شجرے حسن عسکری بن علی نقی رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتے ہیں، اُن میں بنیادی طور پر رُواۃ وناقلین کی کوتاہی وغفلت کی آمیزش ہوسکتی ہے، جس کی وجہ سے ضبط ونقل میں سقم واقع ہوا۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ایسے خاندانوں کا نسب مشکوک ہو، بلکہ ہماری رائے یہ ہے کہ نسبی تسلسل میں ناموں کی تفصیلات پر شواہد وحقائق کی روشنی میں چھان پھٹک کی جائے، تاکہ دُرست اسماء کی تعیین ہوسکے، کیونکہ ناصرف ناموں میں مشابہت کے سبب اشتباہ لاحق ہوجاتے ہیں، بلکہ بسااَوقات تو باپ، دادا تک کے نام بھی کئی شخصیات کے یکساں ہوئے ہیں، اور ایسی یکسانیت رکھنے والے نام ونسب کا تعین اَدق ومشکل اَمر ہے، جس کے لیے جرح وتعدیل کے ائمہ نے بہت سی خدمات انجام دیں ہیں، لہٰذا ایسے خاندانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اسلاف کے اسماء کی تحقیق کرتے ہوئے دُرست شجروں کو مرتب کریں۔

ہم ذیل میں سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی مناسبت سے صرف چند حضرات کے اجمالی بیان پر اکتفا کررہے ہیں، کہ جو ناصرف آپ رضی اللہ عنہ کے ہم نام ہوئے، بلکہ اُن میں سے بعض کا زمانہ بھی وہی ہے:

۱۔ "احمد بن محمد بن حسن عسکری": یہ ربیع بن سلیمان سے اور وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے بہت سے ائمہ نے روایات نقل کی ہیں، مثلاً امام ابن عبد البر نے "التمہید" اور "الإستذکار" وغیرہ میں۔

۲۔ "ابوالحسن علی بن حسن عسکری": ان سے "مسند الشہاب" میں امام قضاعی نے بطریق امام زبیر بن بکار رحمۃ اللہ علیہ روایت لی ہے۔

۳۔ "ابو بکر احمد بن حسن عسکری": ان سے بھی اسی کتاب میں بطریق ابن سماک روایت درج ہے۔

۴۔ "محمد بن حسن عسکری": شیخ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ بغداد" میں ان سے بطریق عباس بن مزید بجرانی اَز اسماعیل ابن علیہ احادیث نقل کی ہیں۔

یہ مشت نمونہ چند شخصیات ہیں، جن کے نا صرف اسماء میں مشابہت ہے، بلکہ ان کا زمانہ بھی تقریباً ایک ہی ہے، پس نام اور قرب زمانی کے سبب اشتباہ کا لاحق ہونا قوی تر ہے، لیکن محدثین پر اللہ تعالی جل جلالہ کی رحمتیں ہوں، کہ انھوں نے ایسی شخصیات کو امکان بھر تحقیق کے بعد الگ الگ کر کے ممتاز و متعین کر دیا، اَب نام و نسب بلکہ علاقے و زمانے کی یکسانیت کے باوجود بھی نگاہِ محدثین میں شخصیات کا امتیاز باقی رہتا ہے، البتہ بیشتر مؤرخین اور عوام چونکہ زیادہ دِقت نظر سے کام نہیں لیتے، اسی لیے اُن پر معاملات کا مشتبہ ہو جانا بعید نہیں، اور شاید اسی سبب سے کتابت اَنساب میں بھی کہیں سہو واقع ہوا، جس کے پیش نظر ایسا لگتا ہے کہ حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی دیگر اَولادِ نرینہ بھی تھی، جن سے یہ خاندان جاری ہوئے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ واللہ اعلم

اس بارے میں شیخ عبد الرحمن بن ماجد رفاعی حسینی زرعینی کی کتاب "أنساب الطالبيين والعلويين القادمين للمغرب ونبذة من أخبارهم" مفید ہے، جس میں اہل بیت سے منسوب بعض اَنساب کی تحقیق کے بعد دُرست اسماء بیان کیے گئے، نیز اسی کتاب میں سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ سے متصل ہونے والے بعض اَنساب کی بھی تصحیح بیان کی ہے، جن میں ناقلین سے تصرف واقع ہوا تھا۔ ۲۸۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اس بارے میں کافی معلومات پیش کرتی ہے۔ اب ذیل میں اُن شجروں کو بحوالہ درج کیا جا رہا ہے، جن کا انتساب سیّدنا حسن عسکری بن علی نقی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ شیخ شمس الدین سخاوی "الضوء اللامع لأهل القرن التاسع" میں لکھتے ہیں:

أبو بكر بن محمد بن عبد المؤمن بن حريز - بمهملتين وآخره زاي ككبير - ابن مُعلَّى - بضم أوله وتشديد اللام المفتوحة - بن موسى بن حريز بن سعيد بن داود بن قاسم بن علي بن علوي - بفتح المهملة واللام اسم بلفظ النسب - بن ناشب- بنون ثم معجمة - بن جوهر بن علي بن أبي القاسم بن سالم بن عبد الله بن عمر ابن موسى بن يحيى بن علي الأصغر

بن **محمد التقي بن حسن العسكري** بن علي العسكري ابن محمد الجواد بن علي الرضى بن موسى الكاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن زين العابدين علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب ، التقى الحسيني الحصني ، ثم الدمشقي الشافعي ويعرف بالتقي الحصني .(١٦)

شیخ ابن العماد نے بھی معمولی اختلاف کے ساتھ یہی نسب ذکر کیا،البتہ انھوں نے "محمد التقي" کے بجائے "محمد المُتَّقي" لکھا۔ نیز فقیہ تقی الدین حصنی شافعی،صاحبِ نسب مذکور کی کتاب "دَفْعُ شُبْهِ مَنْ شَبَّهَ وَتَمَرَّدَ" کے دو مطبوعہ نسخوں کے محققین نے بھی "محمد التقي" ہی لکھا ہے، جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بحوالہ قاضی ابن شہبہ دمشقی انھیں "حسینی" ثابت النسب بیان کیا(١٧)۔ جس سے عیاں ہے کہ یہ نسل حسینی سے تعلق رکھتے ہیں،البتہ مقام اختلاف "حسن عسکری رضی اللہ عنہ" سے اتصال ہے۔

٢۔ شیخ محبی "خلاصة الاثر" میں محمد مسرابی مصری نزیل شام کے بارے میں لکھتے ہیں:

السيّد محمد بن سليمان بن محمد بن أبي الفتح بن تاج الدين بن أحمد بن إسمعيل بن موسى بن يحيى بن مرعى بن إسمعيل بن سليمان الميسونى؛ المقيم ببلدة شبرى بميسون ، ابن إبراهيم بن علوان بن إسمعيل بن أبي بكر بن إدريس ابن إدريس الأكبر ابن عثمان بن حسين بن محمد بن موسى بن يحيى بن عيسى بن **محمد التقي عيسى أبى الحسن العسكرى بن على الهادي** بن محمد الجواد بن علي الرضا بن موسى الكاظم..الخ .(١٨)

١٦۔ **الضوء اللامع لأهل القرن التاسع** ، للسخاوي ، ١١/ ٨١ ، كتاب الكنى . الرقم ٢٢٠ .

١٧۔ **شذرات الذهب** ، للشيخ ابن العماد ، ٩/ ٢٧٣ .ذكر السنة تسع وعشرين وثمانمائة .**إنباء الغمر** ، للعسقلاني ، ٣/ ٣٧٥ ، ذكر السنة ٨٢٩هـ . **طبقات الشافعية** ، للقاضي ابن شهبة ، ٤/ ٩٧ ، الرقم ٧٥٩.

١٨۔ **خلاصة الاثر في أعيان القرن الحادي عشر** ، للمحبي الحموي ، ٣/ ٤٧٣ .تحت العنوان ؛ محمد المسرابي المصري .

ان کے نسب میں خط کشیدہ مقام پر خلجان ہے، دیگر مصادر میں موصوف کے احوال معلوم نہیں ہو سکے، اسی لیے خط کشیدہ عبارت کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں، کیونکہ اس سے کئی احتمالات پیدا ہوتے ہیں: (۱) یا تو یہ تینوں ایک ہی شخصیت کی تفصیلات ہیں۔ (۲) یا پھر محمد تقی اور عیسیٰ دونوں کے بعد "بن" کا لفظ ساقط ہے۔ (۳) اور یا صرف محمد تقی کے بعد "بن" ساقط ہے۔ پہلی صورت میں "محمد تقی" اور تیسری صورت میں "ابو الحسن عسکری عیسیٰ" سیّدنا علی ہادی رضی اللہ عنہ کے غیر معروف صاحبزادے ہوں گے۔ لیکن اگر دوسری صورت ہو تو پھر عیسیٰ کے والد ابو الحسن عسکری بنتے ہیں، اور ان کے والد سیّدنا علی نقی۔ لیکن "ابو الحسن عسکری" تو خود علی نقی رضی اللہ عنہ ہیں، والد اور بیٹے کی یکساں کنیت اہل سنت اور اہل تشیع کسی کے یہاں بھی مذکور نہیں، پس بایں طور احتمال ثانی تو ممکن نہیں۔ اسی لیے شاید پہلی اور تیسری صورت میں سے کوئی شق دُرست ہو، لیکن اس کا فیصلہ دیگر شواہد کی بنیاد پر ہی قابل اعتماد ہو سکتا ہے، جو فی الحال میسّر نہیں۔

۳۔ شیخ عبد الرزاق بیطار "حلية البشر" میں معروف ولی اللہ اور صاحب کرامات شیخ سیّد عفیف الدین عبد اللہ حسینی مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا نسب نامہ یوں لکھتے ہیں:

عبد الله بن إبراهيم بن حسن بن محمد أمين بن علي ميرغني بن حسن بن ميرخودر بن حيدر بن حسن بن عبد الله بن علي بن حسن بن أحمد بن علي بن إبراهيم بن يحيى بن عيسى بن أبي بكر بن علي بن محمد بن إسماعيل ابن مير خودر البخاري بن عمر بن علي بن عثمان بن **علي المتقي بن الحسن بن علي الهادي** بن محمد الجواد ، الحسيني المتقي المكي الطائفي الحنفي الملقب بالـمَحْجُوب. (۱۹)

یہی نسب نامہ شیخ جبرتی نے "عجائب الآثار" میں بھی درج کیا ہے (۲۰) ۔ شیخ سیّد محمد بن جعفر کتانی نے "جلاء القلوب من الأصداء الغينية ،۱/ ۲۰٤" اور شیخ سیّد یوسف بن اسماعیل نبہانی نے "جامع کرامات الأولياء ،۲/ ۲۱۹"

۱۹۔ **حلية البشر في تاريخ القرن الثالث عشر** ، للبيطار ، ۲/ ۱۰۱۱ .

۲۰۔ **عجائب الآثار في التراجم والأخبار** ، للجبرتي ، ۲/ ۳٦۵-۳٦٤ .

میں ان کے مقام قطبیت اور مؤلفات وغیرہ کا ذکر کیا ہے، جس سے عیاں ہے کہ ان کی شخصیت معروف و معتمد تھی۔

اگر نسب بالا میں "حسن بن علی ہادی" سے مراد ائمہ اہل بیت کے امام نہ ہوں، بلکہ سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے ہوں، مثلاً "ابو الشرف حسن بن علی نقی" وغیرہ۔ تو ایسی صورت میں کلام نہیں، اس دوسرے بیٹے کا تذکرہ ما قبل سیّدنا نقی رضی اللہ عنہ کے باب میں گزر چکا۔ لیکن اگر اس سے مراد امام اہل بیت "ابو محمد حسن عسکری" ہی ہوں، تو پھر اختلاف پیدا ہوتا ہے اور اسی اختلاط کے باعث یہاں درج کیا گیا ہے۔

۴۔ مؤرخ شہیر غلام سرور لاہوری، متوفی ۱۳۰۷ھ "خزينة الأصفياء" میں معروف ولی اللہ اور صوفی شیخ بہاء الدین شاہِ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۷۹۱ھ کا شجرۂ نسب یوں لکھتے ہیں:

شاہ بہاء الدین بن سیّد محمد بخاری بن سیّد جلال الدین بن سیّد برہان الدین بن سیّد عبد اللہ بن سیّد زین العابدین بن سیّد قاسم بن سیّد شعبان بن سیّد برہان الدین بن سیّد محمود بن سیّد بلاق بن سیّد تقی صوفی خلوتی بن سیّد فخر الدین بن سیّد علی اکبر بن امام حسن عسکری بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن موسی (الصواب، علی) رِضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق۔۔ الخ۔[۲۱]

۵۔ قطب الاقطاب شیخ ابو العباس سیّد احمد بن علی بدوی مصری رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۶۷۵ھ کے نسب پر ائمہ ومؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ ائمہ اہل بیت سے متصل ہوتا ہے، البتہ صاحب "تذكرة الأنساب" نے ان کا شجرہ یوں لکھا:

سیّد احمد بدوی بن سیّد علی بن سیّد ابراہیم بن سیّد محمد بن سیّد ابو بکر بن سیّد اسماعیل بن سیّد عمر بن سیّد علی بن سیّد عثمان بن سیّد حسین بن سیّد محمد بن سیّد موسی بن سیّد یحییٰ بن سیّد علی بن سیّد محمد ثقفی بن سیّدنا حسن عسکری۔[۲۲]

۲۱۔ خزينة الأصفياء، للعلامة غلام سرور اللاهوري، مخزن چهارم، في اللغة الفارسية، ۱/ ۵۴۹، في الأردية، ۳/ ۶۲.

۲۲۔ تذكرة الأنساب، للشيخ النقوي، الصفحة ۲۵۲-۲۵۱.

انھوں نے سیّد بدوی کو سیّدنا حسن عسکری بن علی نقی رضی اللہ عنہ کی اَولاد میں شمار کیا، لیکن بعد تحقیق یہ واضح ہے کہ موصوف سے بھی دیگر کثیر حضرات کی طرح لغزش واقع ہوئی، چنانچہ ان کے مطابق آپ رحمۃ اللہ علیہ محمد ثقفی کے ذریعے سے ائمہ اہل بیت کے نسب میں شامل ہوتے ہیں، جبکہ اولادِ حسن عسکری میں اس نام کا فرد اہل سنت اور اہل تشیع کسی کے یہاں منقول نہیں۔ عرب محقق شیخ ڈاکٹر عامر نجار نے "الطرق الصوفية في مصر، نشأتها ونظمها وروّادها" میں کافی تحقیق کے بعد شجرۂ نسب یوں لکھا:

أحمد بن علي بن إبراهيم بن محمد بن أبي بكر بن إسماعيل بن عمر بن علي بن عثمان بن حسين بن محمد بن موسى بن يحيى بن عيسى بن علي بن محمد بن حسن بن جعفر بن علي الهادي بن محمد الجواد بن علي الرضا بن موسى الكاظم .. إلخ .[۲۳]

بایں صورت اوّل الذکر شجرہ سے جو خلجان پیدا ہوتا تھا، وہ اس تحقیق کے بعد رفع ہو گیا، کیونکہ اب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نسب جعفر بن علی نقی رضی اللہ عنہ سے مل کر ائمہ اہل بیت سے متصل ہوتا ہے اور جعفر کثیر العیال تھے، جن کا ذکر متعلقہ باب میں ہوا، لہٰذا سیّد احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا نسب حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے بجائے علی نقی رضی اللہ عنہ سے متصل ہے اور اس پر اشکال نہیں۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جسے ہم نے ماقبل بھی باور کرایا تھا کہ اَنساب میں تعطل نہیں، البتہ تصحیح انساب و تحقیق اسماء مطلوب ہیں، جس سے اَنساب مزید اُجاگر ہو سکتے ہیں۔

سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ سے اتصال نسب اور اشکالات

الغرض جو کچھ نسبی شجرے درج کیے گئے، اُن کی تو پھر بھی بعید و کمزور تاویلات کی جا سکتی ہیں، لیکن ہمارے پیش نظر علم الانساب سے متعلق کچھ کتب ایسی بھی موجود ہیں، جن میں اسی موضوع کو ملحوظ رکھتے ہوئے تاریخ اسلام کی متعدد شخصیات کے نسب ناموں کو مرتب کیا گیا ہے۔ چنانچہ نویں صدی ہجری سے تعلق رکھنے والے ماہر اَنساب شیخ محمد بن احمد عمید الدین حسینی نجفی، متوفی ۹۲۷ھ نے "المشَجَّر الكشّاف لتحقيق أصول السَّادة الأشراف / أو بحر الأنساب"

۲۳- **الطرق الصوفية في مصر، نشأتها ونظمها وروّادها**، للدكتور عامر النجار، الصفحة ۱۰۳-۱۰۲ .

لکھی۔ اس کتاب پر امام لغت سیّد محمد مرتضیٰ زبیدی نے حواشی واستدراکات بھی درج کیے، نیز اسی کتاب کو بنیاد بنا کر جامعہ اَزہر کے ممتاز عالم اور دارالکتب المصریہ کے محقق سیّد حسین محمد رفاعی نے "بحر الأنساب المحيط" ترتیب دی، اوراس میں شیخ نجفی کی "المشَجَّر الكشّاف"، علامہ زبیدی کی "تعليقات على المشجر الكشاف" اور ذیل مسمیٰ "الطيارات" کے مواد کو مرتب کرتے ہوئے "بحر الأنساب المحيط" لکھی ہے اور یوں ہی "نور الأنوار في فضائل و تراجم وتواريخ ومناقب ومزارات آل البيت الأطهار" بھی تالیف کی۔ ان میں موصوف نے دارالکتب المصریہ کے خزائن علمیہ سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے متعدد خاندانوں کے شجروں کی تفصیلات مرتب کیں، نیز انھوں نے ہی اوّل الذکر پر بھی تحقیق وتذییل کے فرائض انجام دیئے۔ چنانچہ ان کتب میں کئی معروف علمی حضرات کے نسب ناموں کا انتساب واضح طور پر سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ سے کیا گیا ہے۔ اُن میں سے کچھ انساب کی اجمالی تفصیلات پیش ہیں، اوراس کے لیے مؤخر الذکر کتاب "نور الأنوار، طبعة قديمة ١٣٥٦هـ/ طبعة جديدة ٢٠٠١ء" کی متعلقہ عبارات وصفحات کی نشاندہی کی جارہی ہے، مکمل عبارات کی حاجت نہیں۔

اور واضح رہے کہ مؤخر کتاب ایک تو جامعہ اَزہر کے مقتدر وممتاز صاحب قلم کی تالیف ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اسے جامعہ اَزہر اور دیارِ مصریہ کے دیگر اکابرین کی تصویب وتائید بھی حاصل ہے، جیسا کہ مطبوعہ کتاب کے اخیر میں تصریحات درج ہیں، بلکہ بیشتر اَنساب کے حاملین نے توخود اپنے شجرہ جات کی توثیق بھی کی، مثلاً سیّد محمد عبد الحی کتانی (قدیم، ص٧٧، جدید، ص١٧٨) وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ قابل وثوق مواد کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی محققہ کتاب میں سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ سے متصل ہونے والے نسبی سلاسل کا وجود اہل علم وتحقیق کے لیے دعوت فکر ہے۔ البتہ ہم ان کی تحقیقات سے گریزاں ہیں، کیونکہ ہمیں علم الانساب کی معرفت میں رُسوخ نہیں اور واجبی معلومات کی بنیاد پر تحقیق دیانت علمی کے خلاف ہے، لیکن اگر ماہرین اس پر غور فرمانا چاہیں، توکافی جہات موجود ہیں۔ لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ

۱۔ سیّد محمد مصطفیٰ، اسکندریہ

السيد عيسى بن السيد علي التقي بن الامام محمد المهدي بن الامام الحسن العسكري ابن الامام علي الهادي بن الامام محمد الجواد ..إلخ . (نور الأنوار، طبعة قديمة، الصفحة ٠٦ . طبعة جديدة، الصفحة ٣٥).

۲۔ سیّد محمد لطفی آفندی الجمل، نقیب الاشراف فی الدیار المصریہ

عيسى بن علي التقي بن محمد المهدي ابن الحسن العسكري بن علي الهادي بن محمد الجواد بن علي الرضا.. إلخ . (نور الأنوار ، طبعة قديمة ، الصفحة ٠٨ . طبعة جديدة ، الصفحة ٣٩).

۳۔ سیّد محمد عشوش

السيد عيسى بن السيد حسن العسكري الكبير الخالص بن السيد علي الهادي بن السيد محمد الجواد بن السيد علي الرضا..إلخ . (نور الأنوار ، طبعة قديمة ، الصفحة ١٢ . طبعة جديدة ، الصفحة ٤٨).

۴۔ سیّد ہاشم اسماعیل عسکری

السيد عيسى بن السيد علي التقي بن السيد محمد المهدي بن السيد حسن العسكري..إلخ . (نور الأنوار ، طبعة قديمة ، الصفحة ١٦ . طبعة جديدة ، الصفحة ٥٥).

۵۔ سیّد محمد عبد الحفیظ، نقیب الاشراف بمدیرۃ اسوان

السيد عيسى بن السيد علي التقي بن السيد الامام محمد المهدي بن السيد الامام حسن العسكري بن السيد الامام علي الهادي ..إلخ . (نور الأنوار ، طبعة قديمة ، الصفحة ١٧ . طبعة جديدة ، الصفحة ٥٩).

۶۔ سیّد یوسف بشیر؛ من الطود

السيد عيسى بن السيد علي المهدي ابن السيد حسن العتري (الصواب ؛ العسكري) بن السيد علي الهادي بن السيد محمد الجواد ..إلخ . (نور الأنوار ، طبعة قديمة ، الصفحة ٢٢ . طبعة جديدة ، الصفحة ٦٨).

۷۔ سیّد محمد خفاجہ

السيد عيسى بن السيد علي التقي بن السيد الامام محمد المهدي بن السيد حسن العسكري بن السيد علي الهادي ..إلخ . (نور الأنوار ، طبعة قديمة ، الصفحة ٣٢ . طبعة جديدة ، الصفحة ٨٢).

۸۔ شجرہ؛ساداتِ میر غانیہ، سوڈان

محمد ميرخود البخاري ابن عمر بن علي بن عثمان بن علي التقي بن حسن الخالص بن علي الهادي بن محمد الجواد ..إلخ . (نور الأنوار ، طبعة قديمة ، الصفحة ٥٢ . طبعة جديدة ، الصفحة ١٢٥).

ان کا نسب نامہ ما قبل شیخ بیطار کی "حلیــــة البـــشر" اور شیخ جبرتی کی "عجائـــب الآثـــار" کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

۹۔ سیّد عبد العظیم بن سیّد آدم رَمادی، مدیرۃ اَسوان

السيد عيسى بن السيد علي بن السيد الامام محمد المهدي بن السيد الامام حسن العسكري بن السيد الامام علي الهادي ..إلخ . (نور الأنوار ، طبعة قديمة ، الصفحة ٥٧ . طبعة جديدة ، الصفحة ١٣٤).

متذکرہ بالا شجروں کے واضح بیانات اوران خاندانوں کے صدیوں سے تسلسل کے سبب جمہور ائمہ و مؤرخین کے مسلّمہ مؤقف پر واضح اشکال پیدا ہوتا ہے، جس کا جواب کم اَز کم ہمارے پاس موجود نہیں، کیونکہ لوگ اپنے انساب کے امین ہوتے ہیں(۲۴)۔ لہٰذا سلاسل ہذا کے حاملین اور جمہور اہل سنت واہل تشیع میں سے کوئی ایک ہی مبنی بر صواب ہو سکتا ہے کہ یا تو جمہور کے مؤقف کے بر عکس حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی اولادِ نرینہ جاری ہوئی، جن سے مختلف بلاد واَمصار کے علمی ورُوحانی خاندان منسلک ہوئے، یا پھر ان خاندانوں کے ذکر اَنساب میں علمی لغزش کے سبب کتابت واسماء میں تبدیلیاں واقع ہوئیں، اس کی حقیقت کو تو اللہ تعالی ربّ العالمین جل جلالہ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن دنیا کے اطراف واکناف میں پھیلے ہوئے مختلف النسل واللسان خاندانوں کا ایک ہی نکتے پر لغزش کھانا اور صدیوں سے متنبہ نہ ہونا ایسا اَمر ہے، جسے ذہن آسانی سے ماننے کو آمادہ نہیں، واللہ اعلم۔

حسن عسکری کون۔۔؟ ایک معقول وممکنہ تاویل

سابق اَنساب و شجرہ جات میں تو صریحاً سیّدنا حسن عسکری بن علی نقی رضی اللہ عنہ کا بیان ہوا، لیکن تلاش و جستجو کے بعد ہمیں اس کی نفیس ومعقول تعیین میسّر آگئی، چنانچہ عرب محقق شیخ احمد محمد حجاب نے عارف باللہ سیّد احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کے

۲۴۔ یہ قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے، مکمل عبارت یوں ہے: "الناس مؤتمنون على أنسابهم ما لم يدعوا شرفا "۔ بعض لوگ اسے حدیث نبوی گمان کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے، بلکہ کئی علماء نے تو اس کے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہونے پر بھی کلام کیا ہے، البتہ یہ ایک معقول ومعروف کلام ہے، جس کے معانی درست ہیں، اسی لیے ہم نے یہاں درج کیا، لیکن یہ قاعدہ کلیہ اور نسبی ضابطہ نہیں، جسے مدار بنا کر نتیجہ اَخذ کیا جائے، کئی حضرات صرف پہلے حصہ "الناس مؤتمنون على أنسابهم" کو پیش نظر رکھ کر نتائج نکالتے ہیں، جبکہ اسی مقولے کا دوسرا حصہ "ما لم يدعوا شرفا" اپنے معانی کی وضاحت پیش کر رہا ہے۔ فافہم

نسب کی تحقیق پر مدلل کتاب "العظة والإعتبار آراء في حياة السيد البدوي..إلخ" لکھی، چنانچہ وہ اکابر مؤرخین مثلاً شیخ مقریزی وغیرہ کے بیانات کی روشنی میں لکھتے ہیں:

> سیّد بدوی کے نسب میں ائمہ اہل بیت کے بعد جس "حسن" نامی فرد کا ذکر ہوا، اس سے بعض لوگوں نے گمان کیا کہ یہ سیّدنا حسن عسکری بن علی ہادی رضی اللہ عنہ ہیں ، حالانکہ یہ "حسن بن جعفر بن علی ہادی رضی اللہ عنہ" ہیں، اور یہ جعفر مذکور دراصل سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، اور یہ حسن بھی اپنے چچا کے ہم نام اور ہم لقب ہوئے، اسی لیے لوگوں کو اشتباہ لاحق ہوا اور انھوں نے انھیں امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ گمان کر لیا، حالانکہ یہ درست نہیں۔[۲۵]

یہ تحقیق نا صرف معقول بلکہ مؤرخین وعلمائے اَنساب کی آراء کی روشنی میں مدلل ومؤکد بھی ہے، چنانچہ اگر اسے ملحوظ رکھا جائے، تو متذکرہ نسبی شجروں کی تصحیح ممکن ہے کہ بایں صورت اُن کا انتساب امام اہل بیت سیّدنا حسن عسکری بن علی ہادی رضی اللہ عنہ کے بجائے بطریق جعفر ہو کر سیّدنا علی نقی رضی اللہ عنہ سے ہوگا اور اُن کی جہت پر اختلاف نہیں، کہ اصل اختلاف تو امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی اَولاد ہونے پر تھا۔ الغرض ہمیں یہ توجیہ وتحقیق فی الحال قدرے مناسب معلوم ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اَنساب میں ناقلین سے سہو ہوا۔ درست بات یہی ہے کہ امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ واللہ اعلم

اس بارے میں شیخ احمد حجاب کی "العظة والإعتبار"، ڈاکٹر شیخ عامر نجار کی " الطرق الصوفية في مصر" اور شیخ عبد الرحمن رفاعی زرعینی کی "أنساب الطالبيين والعلويين القادمين للمغرب" وغیرہ قابل مطالعہ ہیں، ہم اس بحث پر کافی کلام کر چکے ہیں، لہٰذا مزید تفصیلات سے سوانحی مواد میں خلل کے پیش نظر اعراض کیا جارہا ہے، اہل علم تحقیق وفکر کے لیے کتب کی جانب مراجعت کریں۔

۲۵۔ العظة والإعتبار ، آراء في حياة السيد البدوي ، للشيخ حجاب ، الصفحة ١١٢-١١١.

محدث ابن جوزی کا سیّدنا حسن عسکری کو "لَيْسَ بِشَيءٍ" قرار دینا

یہ بحث عام قارئین کے لیے تو دلچسپی کا باعث نہیں، کہ اس میں مشکل کلمات اور اُصولی اصطلاحات سے بحث ہوگی، جو عوام کے بجائے علمی شغف رکھنے والے خاص علماء اور ماہرین فن کے لیے ہے، لیکن اپنے ممدوح سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ پر وارد ہونے والے الزام کی تردید میں اس پر کلام کرنا ہمارے لیے ناگزیر تھا، اس لیے ہم یہاں عام قارئین سے پیشگی معذرت کے خواہاں ہیں۔ والعذر عند كِرام النّاس مقبول. چنانچہ متقدمین ائمہ جرح وتعدیل کے یہاں تو امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے بارے میں جرح وتعدیل کا کلام سرے سے موجود ہی نہیں، البتہ طبقہ متوسطین سے تعلق رکھنے والے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں جرح وتعدیل کے بغیر ہی مطلقاً ذکر کیا ہے۔ لیکن چھٹی صدی ہجری کے ممتاز عالم شیخ ابن جوزی نے "الموضوعات" میں ایک حدیث کے تحت انھیں "لَيْسَ بِشَيءٍ" کہا ہے، لہٰذا اسی کی تفصیلات وتنقیدات پر آئندہ کی بحث ہے۔ اوّلاً اس بارے میں عرض ہے کہ علم جرح وتعدیل میں اس کے مصادیق واطلاقات کی تعیین پر متقدمین ومتاخرین کا اختلاف ہے، چنانچہ شیخ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح المغيث بشرح ألفية الحديث" میں لکھا:

قال ابن القطان: إن ابن معين إذا قال في الراوي: ليس بشيء، إنما يريد أنه لـم يرو حديثاً كثيراً .(٢٦)

ترجمہ: ابن قطان کہا: (امام) ابن مَعین جب کسی راوی کے بارے میں "لیس بشی" کہیں، تو اُن کی مراد ہوتی ہے کہ اُس راوی سے کثیر اَحادیث مروی نہیں۔

نیز اسی کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباري" کے مقدمہ "هدي الساري" میں عبد العزیز ابن مختار بصری کے تحت بھی ذکر کیا ہے (٢٧)۔ جبکہ متاخرین علماء نے سابق نصوص واَدِلہ سے تمسک کرتے ہوئے اسے جرح شدید اور اور درجہ ضُعف میں شمار کیا ہے، چنانچہ شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ نے "الرفع والتكميل" پر تحقیق کے دوران امام ابن معین

٢٦۔ فتح المغيث بشرح الفية الحديث ، للسخاوي ، ٢/ ٢٩٢ .

٢٧۔ هدي الساري ، للعسقلاني ، ١/ ٤٤١ ، الفصل التاسع ، في سياق أسماء من طعن فيه من رجال ...،حرف العين .

کے کلام پر ۳۱شواہد پیش کرتے ہوئے ثابت کیا کہ اس سے مراد ضعف وسقوط ہی ہے، قلت اَحادیث نہیں(۲۸) ۔ان اُمور کا خلاصہ یہ ہے کہ اوّل یعنی متقدمین کے نزدیک "لَيْسَ بِشَيءٍ"ضعف راوی پر دلالت نہیں کرتا، لیکن متاخرین کے نزدیک یہ ناصرف جرح شدید بلکہ سقوط وضعف پر بھی دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ اس تناظر میں ہمارے سامنے دو پہلو ہیں:

۱۔ اگر امام ابن معین اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ کی آراء کو مطلق رکھتے ہوئے سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے بارے میں "لَيْسَ بِشَيءٍ"کو دیکھا جائے، تو صرف قلیل الاحادیث ہونا ظاہر ہوتا ہے جو مناسب بھی ہے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ سے کثیر اَحادیث منقول ومروی نہیں(۲۹) ، لیکن اس سے آپ رضی اللہ عنہ پر ضعف وسقوط کا حکم جاری نہیں ہوگا۔

۲۔ اگر متاخرین کی تحقیقات وشواہد کو ملحوظ رکھا جائے، تو یہ جرح شدید ہے اور یہی نکتہ بحث ہے۔

ابن جوزی کی عبارت میں "لَيْسَ بِشَيءٍ" کے کلمات اختلافی اور محتاج ثبوت ہیں

آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیخ ابن جوزی نے "الموضوعات" میں یہ کلمات استعمال کیے اور پھر اُن کے حوالے سے بعد کے ائمہ نے نقل کیا، چنانچہ ابن جوزی کی اصل عبارت یوں ہے:

أنبأنا أبو بكر محمد بن أبي طاهر البزاز أنبأنا قال : أخبرنا القاضي أبو الحسين بن المهتدي قال : حدثنا أبو الفرج الحسن ابن أحمد قال: حدثنا عبد الله بن محمد ابن جعفر بن شاذان قال: حدثنا أحمد بن محمد بن مهران الجمّال قال: حدثني الحسن بن علي صاحب العسكر قال: حدثني علي بن محمد قال: حدثني أبي محمد بن علی قال: حدثنی أبي عن علي بن موسى الرضا قال: حدثني أبي موسى ابن جعفر قال: حدثني أبي جعفر بن محمد ، عن أبيه محمد بن علي ، عن جابر بن عبد الله قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

۲۸۔ **الرفع والتكميل** ، للشيخ اللكنوي ، مع تحقيق الشيخ أبو غدة ، الصفحة ۲۲۱-۲۱۳ . طبعة دار السلام .

۲۹۔ یہ بیان موجود مصادر حدیثیہ اور معلوم کتب کے تناظر میں ہے، کیونکہ ان میں آپ رضی اللہ عنہ سے اَحادیث موجود ومنقول نہیں، البتہ اگر امام سمعانی کے ما قبل بیان کو ملحوظ رکھا جائے، جس کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ سے مکہ مکرمہ میں شیخ بلاذُری صغیر نے کتابت حدیث کی، تو ایسی صورت میں قلت اَحادیث کا حکم بھی رفع ہو سکتا ہے، البتہ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات محفوظ ومنقول نہ رہ سکیں، لیکن اس سے آپ پر قلت اَحادیث کا الزام منطبق نہیں ہو سکے گا کہ عدم وُجود سے عدم ثبوت پر استدلال کی یہاں کوئی سبیل موجود نہیں، جبکہ کتابت حدیث بہ تصریح سمعانی ثبوت پر دلالت کرتی ہے اور عدم وُجود ذخائر وکتب میں تلاش وتفحص کی کمی، یا پھر مصادر میں سے بعض کے مفقود ہونے کے سبب ہو سکتا ہے۔ لہٰذا با قاعدہ اُصول؛ ثبوت کو نفی پر تقدم ہوگا۔ فافہم

لَمَا خَلَقَ اللهُ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلامُ وَحَوَّاءَ تَبَخْتَرَا فِي الْجَنَّةِ وَقَالا : مَا خَلَقَ اللهُ خَلْقًا أَحْسَنُ مِنَّا ، فَبَيْنَمَا هُمَا كَذَلِكَ إِذَا هُمَا بِصَورَةِ جَارِيَةٍ لَمْ يَرَ الرَّاءُونَ أَحْسَنَ مِنْهَا ، لَهَا نُورٌ شَعْشَعَانِيٌّ يَكَادُ يُطْفِئُ الأَبْصَارَ ، عَلَى رَأْسِهَا تَاجٌ وَفِي أُذُنَيْهَا قُرْطَانِ ، فَقَالا : يَا رَبِّ مَا هَذِهِ الْجَارِيَةُ ؟ قَالَ : صُورَةُ فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سَيِّدَةِ وَلَدِكَ ، فَقَالَ : مَا هَذَا التَّاجُ عَلَى رَأْسِهَا ؟ قَالَ : هَذَا بَعْلُهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ. قَالَ : فَمَا هَذَا الْقُرْطَانِ؟ قَالَ : ابْنَاهَا الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ ، وُجِدَ ذَلِكَ فِي غَامِضِ عَلِمْي قَبْلَ أَنْ أَخْلُقَكَ بِأَلْفَيْ عَامٍ .

هذا حديث موضوع ، والحسن بن علي صاحب العسكر هو الحسن بن علي بن محمد بن موسى بن جعفر أبو محمد العسكري ، أحد من تعتقد فيه الشيعة الإمامة. روى هذا وليس بشيء .(۳۰)

الغرض اس حدیث کی سند کے بارے میں ابن جوزی کا تجزیہ منقول ہے، جسے بعد کے ائمہ نے اُنہی کے حوالے سے نقل کیا، لہٰذا مدارِ حکم اوّل کی جانب ہے۔ اب ہم "لیس بشيء" کے حوالے سے اَدلہ وشواہد پیش کررہے ہیں، جس سے ثابت ہو گا کہ ابن جوزی کے یہ کلمات نا صرف اختلافی، بلکہ مضبوط قرائن کی روشنی میں اُن کی کتاب سے ثابت ہی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے کسی سخت حکم کا استنباط و تمسک کیا جائے۔ فنقول وبالله التوفيق .

۱۔ امام ذہبی نے "تلیخص الموضوعات" میں اسے نقل کرنے کے بعد ابن جوزی کا اختتامی کلام تو لکھا، لیکن اس میں " لَيْسَ بِشَيءٍ" کا اضافہ موجود نہیں:

۳۰۔ **الموضوعات** ، للابن الجوزي ، ۲/ ۲۱٦-۲۱۵ ، الرقم ۷۷۱ . كتاب الفضائل ، باب فضل فاطمة . **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ۳/ ۹۷ ، الرقم ۲۳۵۰ . **اللآلىء المصنوعة في الأحاديث الموضوعة** ، للسيوطي ، ۱/ ۳۹۵ ، باب فضائل أهل البيت . **تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة** ، للشيخ ابن عراق الكناني ، ۱/ ٤١٠ . **الفوائد المجموعة** ، للشوكاني ، الصفحة ۳۹۰، الرقم ۱۱۱ . **الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث** ، للبرهان الدين الحلبي سبط ابن العجمي ، الصفحة ۱۵٦ ، الرقم ٤٠٠ .

قال ابن الجوزي ، هذا موضوع ، والحسن بن علي ؛ هو العسكري.(۳۱)

ترجمہ: ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے اور حسن بن علی دراصل "عسکری" ہیں۔

اب اس کے دو ہی معنی ہوسکتے ہیں، کہ یاتوں ابن جوزی کا کلام ہی اس قدر تھا، اسی لیے امام ذہبی نے اسی پر اکتفاء کیا، یاپھر وہ ابن جوزی کی جرح سے اتفاق نہیں کرتے تھے اور ہمارے نزدیک مؤخر ہی راجح ہے، کیونکہ انھوں نے مذکورہ عبارت کے فوراًبعد یہ لکھا:

قلت: لعلّه من وضع ابن شاذان أو صاحبه(أي؛ أبو الفرج الحسن بن أحمد الـهماني) .(۳۲)

ترجمہ: میں کہتاہوں: یہ حدیث ابن شاذان یااُس کے ساتھی (ابوالفرج حسن بن احمد ہمانی) کے سبب موضوع ہے۔

البتہ انھوں نے "میزان الاعتدال" **میں اسی حدیث کو درج کرنے کے بعد ذکر کیاہے:**

قال ابن الجوزي : هذا موضوع ، لعلّه من وضع ابن شاذان أو صاحبه
الحسن ابن أحمد الـهماني ؛ الذي رواه عنه .(۳۳)

اس میں کم اَز کم بحوالہ ابن جوزی " لَيْسَ بِشَيْءٍ **" اضافہ نہیں۔ البتہ عبارت سے گمان ہوتاہے کہ اختتام تک سارا ہی ابن جوزی کاکلام ہے، جبکہ** "تلخيص الموضوعات" **کی عبارت میں صراحةً** "قلت" **سے امتیاز بیان ہوا یعنی شیخ ذہبی نے پہلے حدیث کے موضوع ہونے کو ابن جوزی کے کلام سے نقل کیااور پھر سبب موضوعیت کے تعین پر** "قلت" **کے بعد روایوں پر اپناکلام پیش کیاہے۔**

۲۔ حافظ ذہبی کی تلخیص بالاکے مطابق عبارت ابن حجر عسقلانی نے " لسان الميزان **"(۳۴) میں بھی نقل کی، جس میں "** لَيْسَ بِشَيْءٍ **" کے کلمات مذکور نہیں۔**

۳۱۔ **تلخيص الموضوعات** ، للذهبي ، الصفحة ١٤٦ ، الرقم ٣١٧ .

۳۲۔ **تلخيص الموضوعات** ، للذهبي ، الصفحة ١٤٦ ، الرقم ٣١٧ .

۳۳۔ **ميزان الاعتدال** ، للذهبي ، ٢/ ٤٩٦-٤٩٥ ، الرقم ٤٥٦٨ .

لہٰذا شیخ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی متذکرہ عبارات سے واضح نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ انھوں نے "والحسن العسكري ليس بشيء" کے بغیر ہی ابن جوزی کا کلام نقل کیا ہے، لہٰذا اس طور پر ابن جوزی کا "لَيْسَ بِشَيءٍ" کہنا ثابت ہی نہیں رہتا اور یوں ابن جوزی پر سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کو "لَيْسَ بِشَيءٍ" کہنے کی قدغن بھی نہیں رہتی، کیونکہ انھوں نے بعد کے راویوں پر وضع کا حکم لگایا، حسن عسکری رضی اللہ عنہ پر نہیں۔

۳۔ نیز اَمر بالا کی تائید "الموضوعات للجوزي" کے حاشیہ سے بھی ہوتی ہے، جہاں محققین نے بیان کیا ہے کہ اس کے ایک مخطوطے میں جرح کی عبارت یوں درج ہے:

روى هذا الحديث عن آبائه وليس بشيء .(۳۵)

جبکہ اسی کتاب کی طبع "المكتبة السلفية بالمدينة المنورة" میں متذکرہ بالا حاشیہ کی عبارت کو نفس کتاب میں ہی شامل کر دیا گیا۔ بہر کیف اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن جوزی کی کتاب کے نسخوں میں اس مقام کی عبارت میں تغیر و اختلاف ہے، اسی لیے ائمہ نے جن نسخوں کو ملاحظہ کیا، اُسی کے مطابق کلام نقل کیا۔

۴۔ اس حدیث کی موضوعیت کو شیخ برہان الدین حلبی المعروف سبط ابن العجمی، متوفی ۸۴۱ھ نے "الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث"(۳۶) میں بیان کیا اور پھر اس کے بارے میں محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا جرح والا کلام بھی نقل کیا، جو بقیہ رُواۃ سے متعلق ہے، لیکن انھوں نے حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی کلمات نقل نہیں کیے، جس سے عیاں ہے کہ یا تو انھیں بھی جرح سے اتفاق نہ تھا، یا پھر اُن کے پیش نظر کتاب میں یہ کلمات درج نہیں تھے، فافہم۔

۳۴۔ **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ٤/ ٥٧٦ ، الرقم ٤٤٢٣ ، تحت الترجمة ؛ عبد الله بن محمد بن جعفر بن شاذان .

۳۵۔ **الموضوعات** ، للابن الجوزي ، ٢/ ٢١٦ ، الرقم ٧٧١ . كتاب الفضائل ، باب فضل فاطمة ، طبعة أضواء السلف. **وفي طبعة المكتبة السلفية بالمدينة المنورة** ، ١/ ٤١٦ .

۳٦۔ **الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث** ، للبرهان الدين الحلبي سبط ابن العجمي ، الصفحة ١٥٦ ، الرقم ٤٠٠ .

سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے بری الذمہ ہونے پر مزید تائید

"الفوائد المجموعة للشوكاني" کے محقق معلمی یمانی نے حدیث بالا پر نفیس تحقیق پیش کی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

اوّلاً تو حسن عسکری اس موضوعیت سے بری الذمہ ہیں۔ نیز ان کے بعد کے رُواۃ میں سے عبد اللہ بن محمد ابن شاذان کے بارے میں حافظ ابن حجر وامام ذہبی وغیرہ کی جرح توجہ نہ ہونے کی بنیاد پر ہے، کیونکہ خطیب بغدادی نے ان کا ترجمہ ذکر کرتے ہوئے "ثقة" قرار دیا۔ جبکہ یہ دار قطنی کے بھی شیخ ہیں۔ ہاں البتہ ابو الفرج حسن بن احمد ہمانی قابل غور ہیں، کیونکہ خطیب بغدادی نے انھیں جرح وتعدیل کے بغیر ذکر کیا اور ممکن ہے کہ انھیں سے فساد پیدا ہوا ہو (۳۷)۔

تنبیہ بر جرح حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

اور باقی حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کرنا، تو اس پر مزید کلام ہے، کیونکہ انھوں نے حدیث کو ابن جوزی کے بجائے "ابو الحسین بن المہتدی باللہ، المعروف ابن الغریق، متوفی ۴۶۵ھ" کی "الفوائد" سے نقل کیا اور یہ امام دار قطنی کے تلمیذ اور خطیب بغدادی کے شیخ ہیں۔ ان کی کتاب کا نام "الفوائد المخرّجة من الأصول ، المسمّاة ؛ مشيخة أبي الحسين ابن المُهتدِي بالله" ہے، اسے شیخ عمرو عبد العظیم حُوینی کی تحقیق کے ساتھ "دار الذخائر، قاہرہ" نے شائع کیا ہے، انٹرنیٹ پر سرورق موجود، البتہ مطبوعہ نسخہ جستجو کے باوجود نہیں مل سکا۔ لیکن بحمد اللہ مخطوطہ (۳۸) تک رسائی حاصل ہوگئی، اور اس میں مذکورہ حدیث موجود ہے (۳۹)۔ اس میں شیخ ابو الحسین ابن مہتدی باللہ نے صرف مذکور سند سے حدیث روایت کی،

۳۷۔ **الفوائد المجموعة** ، للشوكاني ، مع تحقيق المعلمي اليماني ، الصفحة ۳۹۰، الرقم ۱۱۱ .ملتقطاً بتصرف.

۳۸۔ مکتبہ اَسدیہ، (رقم مخطوط ۳۸۰۹ت ۱۴۔ رقم مسلسل ۱۸۵۰۱) پر علم اسناد الحدیث کے مجموعے کے تحت مخطوط موجود ہے۔ اس مکتبہ کے جمیع مخطوطات مکتبہ ظاہریہ، دمشق میں ضم ومحفوظ ہوچکے ہیں۔ اس نسخہ کی جلد اوّل کا سن کتابت مؤلف کے زمانے کا ہے، بلکہ اسی نسخے پر مؤلف ابن مہتدی باللہ، متوفی ۴۶۵ھ کے سامنے ۴۵۹ھ میں کی گئی سماعات کا بھی ذکر ہے، چنانچہ یہ نسخہ مؤلف کا مصدقہ ہے۔ فافہم۔

۳۹۔ **الفوائد المخرجة من الأصول ، أو مشيخة ابن المهتدي بالله** ، المجلد الأول ، بعد الورقة ۱۸۷ تقريباً.

آغاز واختتام میں کہیں پر جرح وتعدیل یا ضعف ونقد کا کوئی کلام نہیں لکھا۔ چنانچہ ابن مہتدی باللہ سے تو کوئی بحث نہیں۔ البتہ اُن سے نقل کرتے ہوئے سیوطی نے "اللآلیء المصنوعة" میں حدیث کے بعد "الحسن العَسكرِيّ لَيْسَ بِشَيءٍ" لکھا ہے[۴۰]۔ چنانچہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کلمات جرح حافظ سیوطی کے اپنے ہیں۔ پس ان کی جرح کا جواب یہ ہے کہ صدیوں بعد پیش کی گئی اُن کی یہ جرح "غیر مفسر" ہے، جو عند المحدثین مقبول نہیں، اس پر مزید کلام آرہا ہے۔

مزید برآں سند سیوطی میں "حدثنا أحمد بن محمد بن مهران الرازي ؛ بحضرة أبي خيثمة ، حدثنا مولاي الحسن بن علي صاحب العسكر "کا اضافہ موجود ہے اور یہ بعینہ ابن مہتدی باللہ کے مخطوطہ بالا میں بھی درج ہے، لیکن ابن جوزی نے جب اپنے طریق سے حدیث کو ابن مہتدی باللہ سے روایت کیا، تو اُس میں "بحضرة أبي خيثمة "کے الفاظ موجود نہیں۔ اس سے مترشح ہوا کہ ابن جوزی اور سیوطی کے متفقہ مصدر ابن مہتدی باللہ سے مروی حدیث کی سند میں ہی اضطراب واختلاف ہے کہ وہ محفوظ نہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ امام ابن ابی خیثمہ، متوفی ۲۷۹ھ سے "احمد ابن مہران رازی" کے لقاء وسماع کی صراحت بھی منقول نہیں، کہ وہ مجہول الحال ہیں[۴۱]۔ الغرض اس تضاد سے اعتمادِ سند وحدیث پر کئی سوالات قائم ہوتے ہیں، جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ اسی حدیث کو شیخ ابن عراق کنانی، متوفی ۹۶۳ھ نے بھی "تنزيه الشريعة المرفوعة" میں براہ راست شیخ ابن المہتدی باللہ کی "الفوائد" سے نقل کرتے ہوئے بصراحت یہ لکھا:

أبو الحسن بن المهتدي بالله في فوائده من حديث جابر . وفيه الحسن بن علي العسكري ليس بشيء .

ترجمہ: اسے ابو الحسن ابن المہتدی باللہ نے اپنی فوائد میں سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اور اس کی سند میں حسن عسکری ہیں، جو کوئی چیز نہیں۔

۴۰۔ اللآلیء المصنوعة في الأحاديث الموضوعة ، للسيوطي ، ۱/ ۳۹۵ ، باب فضائل أهل البيت .

۴۱۔ شیخ احمد ابن مہران مجہول ہیں، ان کا سن پیدائش ووفات معلوم نہیں۔ البتہ بعض نے انھیں "احمد بن محمد بن یحییٰ بن مہران، سوطی بغدادی" بیان کیا، جیسا کہ "تاریخ بغداد، ج۶/ ۲۷۹-۳۱۰" میں دو مقامات پر ہے۔ اور یہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے ہیں، لیکن یہ بھی مجہول الحال ہیں۔ ملاحظہ ہو: (إرشاد القاضي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني ، للمنصوري ، الصفحة ۱۸۰ ، الرقم ۲۱۵)۔ واللہ اعلم۔

اس میں واضح طور پر انھوں نے سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے لیے جرح شدید کے کلمات استعمال کیے ہیں، لیکن اس عبارت کا حال بھی حافظ سیوطی کی مثل ہے کہ حکم لگایا، لیکن علت بیان نہیں کی، چنانچہ یہ بھی جرح غیر مفسر ٹھہری۔ البتہ ہمارا گمان ہے کہ شاید انھوں نے یہ جرح حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے مستعار لی ہے، کیونکہ اس کتاب میں وہ بکثرت اُن سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں، لہٰذا حافظ سیوطی یا اُن سے قبل کے محدث ابن جوزی اِن کلمات کے منبع ہیں، جن پر کلام کیا جا چکا۔ اس لیے شیخ کنانی کے حوالے سے مزید کلام کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

حاصل کلام

اگرچہ یہ کلمات "لَيْسَ بِشَيءٍ" تو مختلف فیہ ہیں، کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل کتاب "تليخص الموضوعات ، للجوزي" میں یہ اضافہ موجود نہیں، یا کم از کم متروک ہے اور یہی کچھ عسقلانی اور بقیہ ائمہ کی عبارات سے بھی مترشح ہے ، اس طرح جرح " لَيْسَ بِشَيءٍ "مختلط و متنازع ہونے کے سبب دم توڑتی ہوئی خود ہی کمزور ہو جاتی ہے۔

نیز اس تفصیل سے عیاں ہے کہ سب سے پہلے ابن جوزی نے ان کلمات کا استعمال کیا، چنانچہ سابق کلام سے قطع نظر اگر اُصول محدثین پر ہی اسے پرکھا جائے، تو بھی یہ کلمات لائق اعتناء نہیں رہتے، کیونکہ اسے "جرح غیر مفسر" کے طور پر بیان کیا گیا اور ایسی جرح دیگر شواہد سے مؤید نہ ہونے کی صورت میں ویسے ہی قابل اعتبار نہیں ہوتی، جبکہ یہاں تائید تو درکنار نفس کلمات کا ثبوت اور نقل ائمہ میں تشفی کا عنصر ہی مفقود ہے، لہٰذا اُصول محدثین پر یہ جرح غیر معتبر ٹھہرتی ہے۔ اور جہاں تک شیخ ابن جوزی کا معاملہ ہے، تو وہ رُواۃ حدیث کے بارے میں عند الائمہ متشدد شمار ہوتے ہیں، اسی لیے بعد کے ائمہ نے اُن کی جرح غیر مفسر قبول نہیں کی۔ اور حافظ سیوطی اگرچہ متشدد نہیں، لیکن اُن کی جرح ہذا بھی اسی حکم میں ہے۔ فافہم

البتہ جہاں تک حافظ عسقلانی کا "لَيْسَ بِشَيءٍ" کے بجائے "ضعّفه ابن الجوزي في الموضوعات" کہنے کا تعلق ہے، تو اوّلاً اس میں بھی حسب بالا کلام جاری ہو گا اور ثانیاً اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ عسقلانی نے اُن کی جرح غیر مفسر کو صرف نقل کیا ہے، موافقت نہیں کی، اور نہ ہی اس کی علت و تفصیل اور تائید و تصویب میں اپنا کوئی کلام پیش کیا ہے، جس سے یہ "جرح مفسر و مفسد" ہوتی۔ لہٰذا یہ صرف نقل ہے، جس کے سقوط و خلاف پر سابق اَدلہ و شواہد پیش کیے جا چکے ہیں۔

تو اس بحث سے واضح ہوا کہ سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی ذات پر ان کلمات کا انطباق جاری نہیں ہوتا، نیز متقدمین ائمہ جرح وتعدیل تو ان کے بارے میں بالکل خاموش ہیں، البتہ متاخرین میں سے بعض حضرات کا اختلاطی کلام ملتا ہے، جس کا حال علمی شواہد کے ساتھ واضح کر دیا گیا۔ تو یوں سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی ذات بے غبار رہی، اور جرح وموضوعیت کا اطلاق آپ رضی اللہ عنہ کے بجائے بعد والے رُواۃ وناقلین پر منطبق ہوا، جو ہمارے ممدوح کو مضر نہیں۔ اور یہاں واضح رہے کہ حدیث مذکور بلاشبہ موضوع ومن گھڑت ہے اور اس بارے میں ائمہ کا کلام بہرحال دُرست ومدلل ہے۔ ہمارا مدعا صرف سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ پر جرح کی حقیقت کو واضح کرنا تھا، حدیث بالا کی موضوعیت پر ہم بھی ائمہ کرام کی آراء سے موافقت رکھتے ہیں۔ هذا ما ظهر لي والعلم عند الله جلّ جلاله .

محدث بہلول کی حسن عسکری رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور نصیحت

شیخ ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقة" میں ذکر کیا ہے:

> آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ "بُهْلُوْلٌ"[۴۲] کا ایک واقعہ پیش آیا۔ اور وہ یہ کہ بہلول نے انھیں بچپن میں دیگر بچوں کو کھیلتا دیکھ کر روتے ہوئے دیکھا، تو خیال کیا کہ یہ اُن چیزوں کو دیکھ کر حسرت سے رو رہے ہیں، جو بچوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ تو آپ سے کہنے لگے: کیا میں وہ چیزیں خرید کر دے دُوں، جنھیں لے کر تم بھی کھیلو؟

۴۲۔ اس نام کی متعدد شخصیات گزری ہیں، عام طور پر بہلول دانا بیان کیا جاتا ہے، جن کا زبیدہ خاتون اور ہارون رشید کے ساتھ مکالمہ معروف ہے، لیکن وہ یہاں مراد نہیں ہوسکتے، کیونکہ ان کا مکمل نام ابو وُہیب بہلول بن عمرو صیرفی کوفی ہے (تاریخ الإسلام ، للذهبي ، ١٢/ ٨٩، الرقم ٣٧) اور انھوں نے ۱۹۰ھ میں وصال کیا تھا۔ پس آپ رضی اللہ عنہ کے معاصرین میں سے جو اس نام سے معروف ہوئے، اُن میں سے ایک **محدث جلیل شیخ ابو یعقوب اسحاق بن بہلول بن حسان بن سنان تنوخی انباری، متوفی ۲۵۲ھ** ہیں، جبکہ دوسرے انھیں کے بیٹے **شیخ ابو محمد بہلول بن اسحاق بن بہلول تنوخی قاضی، متوفی ۲۹۷ھ** ہیں، ان کے والد کو خلیفہ متوکل نے سامراء بلوایا اور احادیث کا سماع کیا تھا، چنانچہ وہاں آپ کے لیے منبر رکھا جاتا تھا، اس وقت ان کے بیٹے ابو محمد بہلول بھی والد کے ہمراہ ہی یہاں منتقل ہوئے تھے، پس سامراء ہی حسن عسکری کا مسکن تھا، چنانچہ انھیں دونوں میں سے کوئی ایک شخصیت مراد ہے، جنھوں نے حسن عسکری رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا مکالمہ کیا تھا۔ حافظ شمس الدین ذہبی نے "سير أعلام النبلاء ، ١٣/ ٥٣٥ . ١٢/ ٤٨٩ " میں ان کا تذکرہ لکھا اور اکابر محدثین وعلماء میں شمار کیا ہے، انھیں کی روشنی میں ہم نے یہ تفصیلات پیش کی ہیں۔

تو آپ نے جواب دیا: اے کم فہم! ہم کھیلنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ اس پر بہلول نے کہا: پھر ہماری پیدائش کس لیے ہوئی؟ آپ نے جواب دیا: علم و عبادت کے لیے۔ پس بہلول نے مزید پوچھا: آپ کو یہ باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟ آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اس فرمان سے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ .(المؤمنون :٢٣/ ١١٥)

ترجمہ: تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں۔

اس پر انھوں نے کہا: مجھے کوئی نصیحت کریں۔ تو آپ نے انھیں چند اشعار سنائے، جنھیں سنانے کے بعد حسن عسکری خود ہی غش کھا کر گر پڑے۔ جب انھیں ہوش آیا تو آپ نے انھیں کہا: آپ پر بھلا کیا مصیبت نازل ہوئی؟ آپ تو چھوٹے بچے ہیں اور آپ کا کوئی گناہ بھی نہیں۔ اس پر آپ نے کہا: اے بہلول! مجھ میرے حال پر رہنے دیں، کیونکہ میں نے اپنی والدہ کو بڑی لکڑیوں کو آگ لگاتے دیکھا ہے، مگر وہ چھوٹی لکڑیوں کے بغیر جلتی ہی نہیں، اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی جہنم کی آگ کے لیے چھوٹی لکڑیوں جیسا نہ بن جاؤں۔ [۴۳]

شیخ ابن حجر مکی نے تو اس واقعے کو مختصراً بیان کیا، جس میں اشعار اور دیگر تفصیلات مذکور نہیں، لیکن امام یافعی نے "روض الرياحين في حكايات الصالحين" میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے، جس میں مزید کچھ پہلو قابل مطالعہ ہیں، چنانچہ ہم اسے بھی یہاں محفوظ کر رہے ہیں، تا کہ قارئین دونوں کے اضافی نکات سے مستفید ہوں۔ حضرت بہلول (محدث مذکور) بیان کرتے ہیں:

میں "بصرہ" [۴۴] کی گلی میں موجود تھا اور وہاں کچھ بچے اخروٹ و بادام سے کھیل رہے تھے اور ایک بچہ دُور کھڑا

۴۳۔ **الصواعق المحرقة**، للابن حجر المكي، في اللغة العربية ٥٦٢، في اللغة الأردية، ٦٨٦ . ملخصاً .

۴۴۔ اس حکایات میں کئی اُمور قابل توجہ ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ شیخ ابن حجر مکی نے مقام کا ذکر نہیں کیا تھا، لیکن شیخ یافعی نے بصرہ بیان کیا ہے، اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ کمسنی کی عمر میں سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ سامراء سے وہاں کیسے اور کیونکر گئے، حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد حکومت وقت کی جانب سے سامراء میں

اُن کی جانب دیکھتے ہوئے رو رہا تھا۔ تو میں نے کہا: یہ ان بچوں کے ہاتھوں میں موجود چیزیں دیکھ کر حسرت کی وجہ سے رورہاہے کہ اس کے پاس یہ موجود نہیں۔ تب میں نے اُس سے کہا: اے بیٹے! کیوں روتے ہو، آؤ میں تمھیں بھی اخروٹ وبادام خرید دیتاہوں، تاکہ تم بھی ان کے ساتھ کھیل سکو۔ پس بچے نے میری طرف دیکھا اور کہنے لگا: اے کم فہم! ہمیں کھیلنے کے لیے تو پیدا نہیں کیا گیا۔ میں نے پوچھا: پھر کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیاہے؟ تو اُس نے جواب دیا: علم وعبادت کے لیے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ تمھیں برکت دے، یہ بات تم نے کہاں سے اَخذ کی؟ اُس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کے اس فرمان سے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ .(المؤمنون :٢٣/ ١١٥)

ترجمہ: تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمھیں بیکار بنایا اور تمھیں ہماری طرف پھرنا نہیں۔

تب میں نے اُس بچے سے کہا: اے بیٹے! میں تمھیں حکمت و دنائی والا دیکھتاہوں، پس مجھے کوئی نصیحت کر دو۔ تو اُس نے یہ اشعار پڑھے:

أرى الدُّنيا تجهر بانطِلَاق — مُشَمَّرة عَلَى قَدَم وسَاقِ
فَلَا الدُّنيا بِبَاقيه لِحَيٍّ — وَلَا حَيٌّ عَلَى الدُّنيا بِبَاقِ
كَأَنَّ المَوْتَ والحَدثَان فِيْهَا — إلى نَفْسِ الفَتى فَرْساً سَبَاقِ
فَيَا مَغْرُوْراً بِالدُّنيا رُوَيْداً — وَمِنْهَا خُذْ لِنَفْسِكَ بِالوثَاقِ

- ❖ میں دیکھتاہوں کہ دنیا ہر وقت رَواں دَواں ہے اور یہ اپنے قدم وپنڈلی کو (بھاگنے کے لیے) تیار رکھے ہوئے ہے۔
- ❖ نہ تو دنیا کسی زندہ کے لیے باقی رہے گی اور نہ کوئی زندہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔
- ❖ گویا کہ موت اور حوادث دو گھوڑے ہیں، جو انسان کی طرف تیز رفتاری سے دوڑے آرہے ہیں۔

نظر بند کیے ہوئے تھے، نیز بصرہ کا علاقہ مضافات بغداد میں واقع نہیں، بلکہ یہ موجود عراق سے کویت کی جانب سفر کرتے ہوئے ایران و کویت کے سنگم پر واقع ہے، جس کا موجودہ فاصلہ چھ سو اٹھاون (٦٥٨) کلومیٹر ہے، پس اتنی دور کمسنی کے عالم میں مسافت طے کر کے جانا قابل غور اَمر ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ امام یافعی نے اس پوری حکایت میں کہیں بھی حسن عسکری رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا، اَخیر میں صرف نسل حسینی کا تذکرہ موجود ہے، لیکن شیخ ابن حجر مکی نے اس واقعہ کو آپ رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کیاہے، چنانچہ اس طور پر حکایت بالا کی ذمہ داری انہی حضرات کی جانب عائد ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

❖ پس اے دُنیا کے شیدائی! خبر دار ہو جا اور اس دنیا میں ہی اپنے لیے اعتماد کی چیزیں (زادِ آخرت) بنالے۔

حضرت بہلول کہتے ہیں: اس کے بعد اُس بچے نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا، درایں حال کہ اُسکے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے اور پھر اُس نے کہا:

يَـــا مَـــنْ إِلَيْـــهِ المبتَهـــلْ　　　يَـــا مَـــنْ عَلَيْـــهِ المتكـــلْ
يَـــا مَـــنْ إِذَا مَـــا آمـــل　　　يَرْجُـــوْهُ لَم يخـــطِ الأَمَـــلْ

❖ اے وہ پاک ذات! جس کے سامنے عاجزی کی جاتی ہے اور جس (کی رحمت) پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔

❖ اے وہ ذات بزرگ و برتر! جب کوئی اس سے اپنی اُمید وابستہ کرے، تو اُسے نامراد نہیں کیا جاتا۔

جب اُس نے یہ اشعار پڑھ لیے تو اچانک بیہوش ہو کر گر پڑا، پس میں نے فوراً اُس کا سر اپنی گود میں رکھا اور اپنے لباس سے اُس کے چہرے پر لگنے والا غبار کو صاف کرنے لگا، پھر جب اُسے افاقہ ہوا تو میں نے کہا: اے بیٹے! تمھیں اچانک کیا ہو گیا، تم تو ابھی بہت چھوٹے ہو اور تم نے تو کوئی گناہ بھی نہیں کیا؟ اس پر بچے نے کہا: اے بہلول! مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، کیونکہ میں نے اپنی والدہ کو بڑی لکڑیاں جلاتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن اُن بڑی لکڑیوں کو جلانے کے لیے چھوٹی لکڑیاں سُلگائی جاتی ہیں، اور مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھے بھی جہنم کی آگ کا چھوٹا ایندھن نہ بنادیا جائے۔ میں نے اُس سے کہا: میں تمھیں بہت دانا دیکھ رہا ہوں، لہٰذا مجھے کچھ اور بھی نصیحت کر دو۔ تو اُس نے کہا:

غفـوتُ وحـادي المـوت في أثـري يحـدُو　　　فـإن لم أرُح يومـاً فلابُـدّ أن أغـدُو
أنعـمُ جِـسْمي باللبـاس ولينّـه　　　ولـيس لجـسمي مـن لبـاس البلابـدُ
كـأني بـه قـد مـرّ في بـرزخ الـبلى　　　ومَـن فوقـه رَدمٌ ومَـن تحتـه لَحـدُ
وقـد ذهبـت منـي المحاسـن وامّحَـت　　　ولم يبـق فـوقَ العَظـم لَحـمٌ ولا جِلْـدُ
أرى العُمـر قـد ولى ولم أدرك المُنـى　　　ولـيس مَعـي زَادٌ وفي سَـفْرِي بُعْـدُ
وقـد كنـتُ جـاهرت المهـيمنَ عاصـياً　　　وأحـدثتُ أَحـداثاً ولـيس لَهـا رَدُّ
وأرخيـتُ خـوفَ النَّـاس سِـتراً مـن الحيـا　　　ومـا خفـتُ مـن سري غـداً عنـده يبـدُو
بـلى خفتُـه لكـن وثّقـتُ بحِلمـه　　　وأن لـيس يعفُـو غـيرُه فلَـهُ الحمْـدُ

فلـو لم يكـن شـيء سـوى المـوت والـبلى ولم يـــك مــــن ربّي وَعيـــدٌ ولا وَعــــدُ
لكـــان لنـــا في المـــوت شـــغلٌ وفي الـــبلى عـــن اللّهـــو لكـــن زَالَ عـــن رَأينـــا الرُّشْـــدُ
عـــسى غَـــافر الـــزّلات يغفـــر زلّتـــي فقـــد يغفـــر المـــولى إذا أذنـــب العبـــدُ
أنــا عبــدُ سُــوءٍ خَنــت مــولاي عهــدَه كـــذلك عبـــد الـــسوءِ لـــيس لـــه عَهْـــدُ
فكيـــف إذا أحرقـــت بالنـــار جُثّتِـــيْ ونـــارُك لا يقـــوي لهـــا الحَجْـــرُ الـــصَّلْدُ
أنــا الفَــرْدُ عنــد المــوت والفَــرْدُ في الــبلى وأبعـــث فَـــرْداً فَـــارْحَم الفَـــرْدَ يـــا فَـــرْدُ

❖ میں غفلت میں رہا اور موت ہانکنے والا میرے پیچھے ہی آرہا ہے، لہٰذا اگر میں آج نہیں گیا، تو کل ضرور جانا (مرنا) ہی ہو گا۔

❖ میں نے تو یہاں اپنے جسم کو عمدہ وملائم لباس سے پیراستہ کر رکھا ہے، حالانکہ میرے بدن کو بوسید گی (قبر میں سڑنے) سے چھٹکارا نہیں۔

❖ گویا وہ منظر میرے پیش نظر ہے کہ میں قبر میں پڑا ہوں، اور میرے اُوپر مٹی کا ڈھیر اور نیچے قبر کا گڑھا ہے۔

❖ میرا یہ حسن وجمال جاتا رہے گا اور یکسر مٹ جائے گا اور پھر نہ تو ہڈیوں پر گوشت باقی رہے گا اور نہ ہی کھال۔

❖ میں اپنی عمر کو دیکھ رہا ہوں کہ ختم ہونے والی ہے، لیکن آرزوئیں پوری ہی نہیں ہوتیں، حالانکہ مجھے طویل سفر پر جانا ہے اور زادِ سفر کچھ پاس نہیں۔

❖ میں نے اپنے ربّ جلیل کی بیباکی کے ساتھ نافرمانیاں کی ہیں، بہت بُرے کام کیے ہیں، جو اَب مٹ نہیں سکتے۔

❖ میں نے لوگوں سے حیا کرتے ہوئے تو (گناہ کے وقت) پردے ڈال لیے تھے، لیکن مجھے اس بات کا خوف نہ رہا کہ یہ پوشیدہ گناہ کل اُس کے سامنے ظاہر (پیش) کیے جائیں گے۔

❖ ہاں مجھے اُس کا خوف تو تھا، البتہ میں اُس کی شان کریمی پر بھروسہ کرتا رہا اور بھلا اُس کے علاوہ کون ہے جو معاف کرے، پس ساری تعریفات تو اُسی کے لیے ہیں۔

❖ اگر موت اور اُخروی مصائب نہ بھی ہوتے، اور بالفرض میرے ربّ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور وعید کا معاملہ نہ بھی ہوتا۔

❖ تب بھی صرف موت ہی اِس بات کیلئے کافی تھی کہ ہم لہو سے اِجتناب کر لیتے، لیکن ہماری تو مَت ماری گئی تھی۔
❖ بس اَب تو کاش گناہوں کو معاف کرنے والا ہی مجھے بخش دے۔ کیونکہ جب غلام سے غلطی ہوتی ہے، تو آقا ہی معاف کرتا ہے۔
❖ بیشک میں نہایت بُرا بندہ ہوں، جس نے اپنے آقا کے عہد میں خیانت کی ہے اور بُرے غلام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ اُن کو عہد کی پاسداری نہیں ہوتی۔
❖ ہائے! جس وقت جہنم کی آگ میرے بدن کو جلائے گی (تو میرا کیا بنے گا؟)، اور تیری آگ تو ایسی ہے، جسے سخت چٹان بھی برداشت نہیں کر سکتی۔
❖ میں تو موت کے وقت بھی تنہا ہوں، قبر میں بھی اکیلا اور اس سے بھی اکیلا ہی اُٹھوں گا، پس اے ذاتِ یکتا! اس تنہا رہ جانے والے پر رحم فرمادے۔

جناب بہلول کہتے ہیں: جب وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہوا تو میں غش کھا کر گر پڑا۔ اسی اثناء میں وہ صاحبزادہ کہیں چلا گیا، پھر جب مجھے افاقہ ہوا تو میں اُسے بچوں میں تلاش کرنے لگا، لیکن وہ مجھے نہیں ملا۔ تب میں نے وہاں کے بچوں سے اس کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے کہا: کیا آپ اُسے نہیں جانتے؟ میں نے کہا: نہیں، تو وہ بچے کہنے لگے وہ صاحبزادہ تو حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی اَولاد میں سے ہے۔ تب میں نے کہا: میں حیران تھا کہ ایسا ثمر کہاں سے آیا؟ واقعی یہ اُسی درخت کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ ہمیں اس کے اور اس کے آبائے کرام کے فیضان سے مستفید فرمائے۔(۴۵)

۴۵۔ روض الرياحين في حكايات الصالحين، للإمام اليافعي، الصفحة ٨٤-٨٢، رقم الحكاية ٥٦.

سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ اور عیسائی راہب کا واقعہ

شیخ ابن حجر مکی شافعی نے ہی مذکورہ بالا کتاب میں متصلاً یہ واقعہ بھی تحریر کیا:

جب انھیں (سیّدنا حسن عسکری کو) محبوس کر دیا گیا، تو اسی اثناء میں سامراء میں شدید قحط رونما ہوا، چنانچہ خلیفہ معتمد بن متوکل [۴۶] نے لوگوں کو تین دن تک باہر نکل کر نمازِ استسقاء پڑھنے کا حکم دیا، لیکن اس کے باوجود بارش نہیں ہوئی۔ اسی دوران ایک روز عیسائی اپنے راہب کے ساتھ نکلے اور وہ جب بھی آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتا، بارش برسنے لگتی۔ یہی معاملہ دوسرے دن بھی ہوا۔ تو اسے دیکھ کر بعض جاہل شک میں مبتلا ہو گئے، جبکہ کچھ تو مرتد بھی ہو گئے۔ پس یہ معاملہ خلیفہ کے لیے پریشان کُن ہوا، تو اُس نے حسن خالص رضی اللہ عنہ کو لانے کا حکم دیا، پھر آپ سے کہنے لگا: اپنے نانا جان کی اُمت کو سنبھال لیں، اِس سے پہلے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ تو آپ نے کہا: اَب کل جب وہ عیسائی آئیں گے، تو ان شاء اللہ میں شکوک مٹا دوں گا۔ نیز اسی دوران آپ نے قید خانہ میں اپنے ساتھی کی رہائی کے بارے میں بات کی، تو خلیفہ نے اسے رہا کر دیا۔ چنانچہ جب دوسرے دن لوگ بارش کے لیے آئے، تو اُس راہب نے عیسائیوں کے ساتھ مل کر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے، اُسی وقت آپ نے کہا: اِس کا ہاتھ پکڑلو۔ جب دیکھا گیا تو اُس کے ہاتھوں میں انسانی ہڈی تھی۔ پھر اُس سے کہا گیا: اَب بارش برساؤ؟ لیکن اُس کے ہاتھ اُٹھانے کے ساتھ ہی بادل چھٹے اور سورج نکل آیا۔ سب لوگ اِس پر بڑے حیران

۴۶۔ خلیفہ المعتمد علی اللہ احمد بن المتوکل ۲۵۶ھ میں منصب خلافت پر متمکن ہوا اور حسن عسکری رضی اللہ عنہ نے ۲۶۰ھ میں وصال کیا، جس سے واضح ہے کہ آخری چار سالوں میں یہ واقعہ رُونما ہوا۔ امام ذہبی "تاریخ الاسلام" میں ۲۵۸ھ میں زلزلے اور نزول فتن، جبکہ ۲۶۰ھ میں بغداد میں مہنگائی کا بیان کیا ہے، تو اس سے خیال گزرتا ہے کہ انھیں دو سالوں میں سے کسی میں یہ واقعہ متعلق ہے اور بالخصوص ۲۶۰ھ سے۔ کیونکہ مہنگائی کا اکثر تعلق قحط سالی اور بارشیں نہ ہونے سے ہوتا ہے۔

ہوئے۔ تو خلیفہ نے کہا: اے ابو محمد! یہ سب کیا ماجرا ہے؟ آپ نے جواب دیا: یہ کسی نبی (علیہ السلام) کی ہڈی تھی (۴۷)، جو اس راہب نے قبر سے حاصل کر لی تھی۔ اور نبی (علیہ السلام) کی ہڈی کو جب بھی کھلے آسمان کے نیچے ظاہر کیا جاتا ہے تو بارش نازل ہو جاتی ہے۔ پس اس بات کا امتحان لیا گیا تو ایسے ہی واقع ہوا۔ اس طرح لوگوں کے شبہات زائل ہو گئے اور حسن عسکری کو گھر منتقل کر دیا گیا، جہاں وہ اکرام کے ساتھ رہے (۴۸) اور خلیفہ کی جانب سے انھیں انعامات سے نوازا جاتا رہا۔ (۴۹)

ہمیں اس واقعہ پر کچھ اشکالات ہیں، البتہ شیخ ابن حجر مکی اور شیخ قرمانی کے نقل کرنے کی بنیاد پر ہم نے اسے لکھ دیا، لیکن حواشی میں کچھ اُمور کی نشاندہی بھی کر دی ہے، واللہ اعلم۔

تاریخ وصال

۱۔ **۲۶۰ھ / ۸۷۳ء**

اہلسنت کے جمیع ائمہ و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ اسی سال آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، چنانچہ شیخ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں سند متصل کے ساتھ یہ قول نقل کیا:

أخبرني علي بن أبي علي ، قال : حدثنا الحسن بن الحسين النعالي ، قال : أخبرنا أحمد بن

۴۷۔ اگر اس واقعے کو درست مان لیا جائے تو پھر اشکال پیدا ہوتا ہے، انبیائے کرام کے اَجسام تو محفوظ ہوتے ہیں، انھیں قبر کی مٹی تک نقصان نہیں پہنچاتی، جیسا کہ صحاح و سنن کی بہت سی صحیح اَحادیث میں موجود ہیں۔ پس یہ ہڈی کیسے حاصل کی گئی؟ معاذ اللہ کسی نبی اللہ علیہ السلام کے سلامت جسم مبارک سے توڑی گئی، ایسا ممکن نہیں، یا بُوسیدگی کے بعد قبر سے نکالی گئی، تو یہ بھی ممکن نہیں، کیونکہ انبیائے کرام کے اَجسام بوسیدہ نہیں ہوتے، واللہ اعلم بالصواب۔

۴۸۔ برصدق واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کی طرح قید میں رہے۔ اسی لیے تو خلیفہ نے ضرورت پڑنے پر انھیں قید خانے سے باہر نکالا اور پھر واقعہ کے بعد گھر جانے کی اجازت دی۔ جیسا کہ ہم نے سابق حاشیہ میں ذکر کیا ہے کہ خلیفہ المعتمد علی اللہ کے دور میں یہ واقعہ پیش آیا اور قرین قیاس یہ ہے کہ ۲۶۰ھ کا زمانہ تھا، لہٰذا اسے پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ حسن عسکری رضی اللہ عنہ بھی مسلسل قید میں رہے، حتیٰ کہ جس سال انھوں نے وصال کرنا تھا، بس اُسی سال کچھ عرصہ قبل رہا کیے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۴۹۔ **الصواعق المحرقة** ، للابن حجر المكي ، في اللغة العربية ٥٦٣ ، في اللغة الأردية ، ٦٨٨ . ملخصاً . **أخبار الدُّول** ، للقرماني ، ١/ ٣٥٢ ، الفصل العاشر ، في ذكر أبي محمد الحسن الخالص .

عبد الله الذارع ، قال : حدثنا حرب بن محمد ، قال : حدثنا الحسن بن محمد العمي البصري ، قال : حدثنا أبو سعيد سهل بن زياد الأزدي ، قال :

ولد أبو محمد الحسن بن علي بن محمد بن علي بن موسى في سنة إحدى وثلاثين ومائتين ، وتوفي في يوم الجمعة . وقال بعض الرُّواة : في يوم الأربعاء لثمان خلون من ربيع الأول سنة مائتين وستين. (۵۰)

ترجمہ: ابو محمد حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسی ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور جمعہ کے دن وصال کیا۔ جبکہ بعض راویوں کے مطابق انھوں نے آٹھ ربیع الاوّل، بروز بدھ ۲۶۰ھ میں وصال کیا۔

چونکہ تمام مصادر و مآخذ اس سال میں وفات کے بیان پر متفق ہیں، اوران کتب کا ماقبل متعدد بار حوالہ ذکر ہو چکا، اسی لیے ہم کتب کے اسماء درج نہیں کر رہے ہیں، اہل علم سابق حوالہ جات کی جانب رجوع کریں۔

۲۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا مہینہ "ربیع الاوّل / جمادی الأولی" تھا

جمہور کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے اسی سال "ربیع الاوّل" کے مہینے میں وصال کیا۔ چنانچہ ابن جوزی نے "المنتظم"، شیخ سمعانی نے "الأنساب"، ابن جزری نے "اللباب في تهذيب الأنساب" اور شیخ یافعی نے "مرآة الجنان" میں جزماً، جبکہ شیخ ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں بصورتِ قولِ اوّل اسی کو بیان کیا ہے، نیز مؤخر الذکر نے ہی دوسرے قول کے مطابق اسی سال "جمادی الاولی" کا بھی ذکر کیا ہے۔ تاہم جمہور محدثین کا مؤقف زیادہ مضبوط ہے۔

۳۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن "بدھ / جمعہ" تھا

شیخ یافعی نے "مرآة الجنان" میں جزماً، جبکہ شیخ خطیب بغدادی نے قول متصل سے نقلاً اور شیخ ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" بصورت قول اوّل بیان کیا ہے کہ انھوں نے "جمعہ" کے دن وصال کیا، البتہ مؤخر دونوں ائمہ نے بصورتِ قولِ ثانی "بدھ" کا دن بھی ذکر کیا ہے۔

۵۰۔ **تاريخ بغداد** ، للخطيب البغدادي ، ۸/ ۳۵۳ .

۳۔ آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات "۸/۶" تھی

خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" اور ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں "آٹھ" تاریخ بیان کی ہے اور یافعی نے "مرآۃ الجنان" میں اسی کو بصورت قول ثانی درج کیا، جبکہ انھوں نے قول اوّل میں "چھ" کا بھی ذکر کیا ہے۔

سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات، طائرانہ جائزہ

امام / محدث / مؤرخ	کتاب	مقام	دن	تاریخ	مہینہ	سال	کیفیت
خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد	سامراء	جمعہ / بدھ	۸	ربیع الاوّل	۲۶۰ھ	نقلاً
عبد الکریم سمعانی، متوفی ۵۶۲ھ	الانساب	=	—	—	=	=	جزماً
ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ	المنتظم	=	—	—	=	=	=
ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	الکامل فی التاریخ	=	—	—	—	=	=
ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	اللباب فی الانساب	=	—	—	ربیع الاوّل	=	=
احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	=	جمعہ / بدھ	۸	=	=	=
احمد ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	وفیات الاعیان	=	—	—	جمادی الاولی	=	نقلاً
خواجہ محمد پارسا، متوفی ۸۲۲ھ	فصل الخطاب	=	جمعہ	۸/۶	ربیع الاوّل	=	جزماً
ابن تغری بردی، متوفی ۸۷۴ھ	النجوم الزاہرۃ	=	—	—	—	=	=
محمد دیار بکری، متوفی ۹۶۶ھ	تاریخ الخمیس	=	—	—	—	=	=
عبد الملک عصامی مکی، متوفی ۱۱۱۱ھ	سمط النجوم	=	جمعہ	۸	ربیع الاوّل	=	=
سیّد مرتضی زبیدی، متوفی ۱۲۰۵ھ	تاج العروس	=	—	—	—	=	=

نمازِ جنازہ اور تدفین

آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کے بارے میں معلومات میسّر نہیں آسکیں، البتہ مقام وصال اور تدفین کے بارے میں جمیع محدثین وائمہ کا اتفاق ہے کہ انھوں نے "سُرَّ مَنْ رَأَی" یعنی سامراء میں وصال کیا اور وہیں اپنے والد گرامی سیّدنا علی ہادی رضی اللہ عنہ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ چنانچہ شیخ خطیب بغدادی "تاریخ بغداد" میں لکھتے ہیں:

وبسُرَّ من رأى مات ، وبها قُبِرَ بجنب أبيه . (٥١)

ترجمہ: سامراء میں وفات پائی، اور اپنے والد کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

یہ وہی گھر تھا جہاں آپ رضی اللہ عنہ کے والد کو حکومت کی جانب سے نظر بند کیا گیا۔ یہ گھر انھوں نے خرید لیا تھا اور بعد ازاں یہی آپ حضرات کا مدفن و دائمی زیارت گاہ بنا، جو مرجع خلائق اور اہل عقیدت کی روحانی تسکین کا سامان ہے۔

وصالِ حسن عسکری رضی اللہ عنہ پر سامراء میں سوگ کی حقیقت

شیخ خیر الدین زرکلی نے "الأعلام ،٢/ ٢٠٠" میں مختصراً آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر سامراء میں سوگ اور بازاروں میں تعطل کے ذکر کو ابن صباغ مالکی کی "الفصول المهمة" کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ جبکہ دیگر اُردو کتب میں بھی ایسا ہی مذکور ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں، کیونکہ اس زمانے کی مرتب تواریخ بڑی تفصیلات کے ساتھ موجود ہیں اور بیشتر ائمہ ومؤرخین نے آپ رضی اللہ عنہ کی وفات وتدفین وغیرہ کے اُمور بھی ذکر کیے ہیں۔ پس اگر واقعی میں ایسا غیر معمولی واقعہ رُونما ہوا ہوتا، تو یہ حضرات لازماً اُسے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بیان میں تحریر کرتے، کیونکہ سامراء اُس زمانے میں اسلامی سلطنت کا پایہ تخت اور مرکز حکومت تھا، چنانچہ مرکز حکومت میں پورے شہر کا سوگ کے سبب کاروبار حیات معطل کرنا اور جم غفیر کی صورت میں تدفین کے لیے حاضر ہونا ایسا اَمر نہیں، جسے نظر انداز کیا جاسکے۔ لیکن ہمیں معتمد کتب تواریخ میں اس کے متعلق کوئی اشارہ تک معلوم نہ ہو سکا۔ حالانکہ یہ وہی زمانہ ہے، جسے امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے قرب زمانی کے باعث نا صرف خود مشاہدہ کیا، بلکہ اپنی تاریخ میں اس سال پر بھی عنوان قائم کیا ہے، لیکن مذکورہ واقعہ تو در کنار اس میں آپ رضی اللہ عنہ کی وفات تک کا ذکر موجود نہیں، حالانکہ بغداد کے دیگر حالات اور مہنگائی وغیرہ کا تذکرہ موجود ہے اور یہی حال شیخ ذہبی کی "تاریخ الاسلام" اور ابن جوزی کی "المنتظم" وغیرہ میں بھی ہے۔ البتہ انھوں نے وفات کا بیان کیا ہے۔ لہٰذا ان تاریخی شواہد اور معتمد کتب کی روشنی میں عیاں ہوتا ہے کہ پورے شہر سامراء کا ایسا سوگ کرنا منقول نہیں۔ باقی رہا ابن صباغ مالکی کا اسے نقل کر دینا، تو ہمارے بلکہ محققین اہل سنت کے نزدیک اُن کی علمی

٥١۔ تاريخ بغداد ، للخطيب البغدادي ، ٨/ ٣٥٤ .

حیثیت تو اپنی جگہ؛ اُن کی کتاب ہی لائق اعتبار نہیں۔ اسی لیے ہم نے اُن سے اَخذ مواد میں اِعراض برتا ہے، تاکہ نفس مواد پر قدغن سے حفاظت رہے۔ اس بارے میں کچھ معلومات مقدمہ کتاب میں بیان ہوں گی۔ ان شاء اللہ تعالی۔

شیخ نبہانی کی مزارِ حسن عسکری رضی اللہ عنہ پر حاضری اور روحانی کیفیت

قاضی سیّد یوسف بن اسماعیل نبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ متاخرین علمائے مصر میں ممتاز علمی مقام کے حامل ہوئے۔ موصوف "جامع کرامات الأولیاء" میں اپنی آپ بیتی یوں رقم کرتے ہیں:

میرے سفر کی ابتدا "کوی سنجق "شہر سے ہوئی، جو کُردوں کے علاقوں میں سے ایک مرکزی شہر ہے۔ میں وہاں بطور قاضی تعینات تھا اور میں نے اپنی مدت ملازمت مکمل ہونے سے پہلے ہی رخت سفر باندھ لیا، کیونکہ اس سال عراق کے شہروں میں غلہ کی کمیابی اور قحط سالی کی صورت حال پیدا ہو چکی تھی، لہٰذا میں نے کلک میں سفر کیا اور یہ کلک دراصل ایک خاص قسم کی عراقی کشتی کو کہتے ہیں، جسے چند برتنوں سے جوڑ کر بنایا جاتا ہے اور پھر اُوپر سے لکڑیاں کس دی جاتی ہیں، مسافر انھیں میں بیٹھ کر سفر کرتے ہیں۔ جب یہ سواری سامراء شہر کے پاس پہنچی، اور یہ شہر خلفائے بنو عباس کا مسکن رہا تھا۔ تو ہم نے چاہا کہ حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کریں، کیونکہ آپ اسی مقام پر مدفون ہیں۔ چنانچہ ہم نے سواری روکی، اور آپ کی زیارت کرنے کے لیے روانہ ہو گئے، پس میں جو نہی آپ رضی اللہ عنہ کی قبر کے احاطہ میں داخل ہوا تو مجھ پر ایسی روحانی کیفیت طاری ہوئی کہ ایسی کیفیت "مَوصل" میں اللہ کے نبی سیّدنا یونس علیہ السلام کے مزارِ مبارک پر حاضری کے علاوہ کسی اور جگہ نہیں ہوئی۔ بہر حال ویسی ہی کیفیت یہاں بھی حاصل ہوئی۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔[۵۲]

۵۲۔ جامع کرامات الأولیاء، للسید النبهاني، في اللغة العربية، ۲/ ۲۲، في اللغة الأردية، ۲/ ۷۵. ملخصاً.

تنگدستی ختم ہونے والی ہے

شیخ قرمانی "أخبار الدُّول" میں لکھتے ہیں:

ایک شخص نے محتاجی و تنگدستی سے عاجز آکر آپ سے خوشحالی کی دعا کے لیے کہا، تو آپ نے فرمایا: تمہارے چچازاد کا انتقال ہو گیا ہے اور اُس نے ایک لاکھ درہم چھوڑے ہیں، تو خوش ہو جاؤ؛ وہ رقم عنقریب تمھیں ملنے والی ہے، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں انتقال کی خبر اور بیان کردہ مالِ (وراثت) اُسے مل گیا۔ (۵۳)

خلیفہ محمد المعتز باللہ کا قتل

شیخ قرمانی نے "أخبار الدُّول" میں ذکر کیا ہے کہ ہثیم بن عدی کہتے ہیں:

جب (خلیفہ) المعتز (باللہ محمد) نے ابو محمد حسن کو (قید کرکے) کوفہ لائے جانے کا حکم صادر کیا تو لکھا: یہ کیسی بات ہمیں پہنچی ہے، جس نے ہمیں غمگین کر دیا؟ تو آپ نے جواب میں لکھا: اگر اللہ تعالی جل جلالہ نے چاہا تو تین دن بعد تمہارے غم مٹ جائیں گے۔ پس تیسرے روز (شعبان ۲۵۵ھ میں) خلیفہ کو قتل کر دیا گیا۔ (۵۴)

خلیفہ المعتز باللہ کی پیدائش بھی اسی سال ہوئی، جس میں سیّدنا حسن عسکری رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ یہ نوجوانی میں ہی منصب خلافت پر متمکن ہوا اور عیش و عشرت کی نئی داستانیں رقم کیں۔ سونے کی پالکیوں پر سواری، جواہرات کی بیش قیمت اَشیاء کا استعمال وغیرہ اس کے اہم کارنامے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ الخلفاء، (الصفحة ۵۵۷)" میں، نیز دیگر مؤرخین نے بھی اِس کے بہت سے شوق تحریر کیے ہیں۔ بہر کیف اِن واقعات میں علم غیب کی جانب اشارہ ہے اور یہ بحث یہاں مناسب نہیں، ہم نے نقل مؤرخ کے سبب واقعہ ذکر کیا، البتہ دیگر پیش نظر مصادر میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

۵۳۔ **أخبار الدُّول**، للقرماني، ۱/ ۳۵۱.

۵۴۔ **أخبار الدُّول**، للقرماني، ۱/ ۳۵۱.

چھٹا باب

تَذْكِرَةُ مُحَمَّدٍ الْمَهْدِيْ لِرَاحَةِ النَّبِيِّ الْقُرَشِيْ ﷺ

امام محمد مہدی رضی اللہ عنہ

(موعود و منتظر)

سیّدنا مہدی رضی اللہ عنہ اور قیامت کی علاماتِ کبری کا آغاز

آغازِ کائنات (Beginning of the Universe) اپنی تخلیق وتزئین کے لحاظ سے جس قدر خوبصورت وشاہکار ہے، اسی طرح اختتام کائنات (End of The Universe) بھی خالق اَرض وسما جل جلالہ کی قدرت وحاکمیت کا مظہر ہے۔ انسانیت جس طرح ابتدائے کائنات کی حتمی تعیین سے عاجز ہے، اسی طرح اختتام کائنات کا تعین واِدراک بھی اس کی دسترس سے ماوراء ہے، البتہ دونوں اُمور کی عقدہ کشائی اور آگہی کے لیے بنی نوع انسان کے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے، جس سے انھیں ان سربستہ رازوں کے بارے میں کچھ معلومات مہیا ہو سکتی ہیں، اور وہ راستہ ہے قرآن مجید اور فرامین نبویہ۔ لہٰذا قرآن مجید اور اَحادیث نبویہ میں ان اُمور سے متعلق اہم نشانیوں کو بڑی وضاحت واہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کا مقصد انسان کو مقصد تخلیق سے آگاہ کرنا ہے کہ اُسے حدود کائنات میں کس غرض کے لیے بھیجا گیا ہے، چنانچہ تخلیقی مراحل خواہ وہ کائناتی وآفاقی ہوں، یا وُجودِ انسانی، اسی نکتہ کی یاددہانی کراتے ہیں، کہ وجود وعدم کے مابین کا زمانہ کسب اعمال اور تکمیل مقصد کا دورانیہ ہے۔

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی جو بڑی نشانیاں بیان فرمائیں، اُن میں سے ایک امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور بھی ہے کہ اختتام کائنات کے آخری زمانے میں ان کا ظہور ہو گا اور یہ ایسا وقت ہو گا کہ دنیا میں ہر جانب ظلم وستم اور قتل وغارت گری کا دور ہو گا، لیکن اللہ تعالی جل جلالہ ان کے ظہور فرمانے کے بعد مختصر مدت میں ہی نظام دنیا کی بساط تبدیل فرما دے گا اور تھوڑے ہی عرصے میں ظاہری وباطنی نعمتوں کی ایسی فراوانی ہو گی، کہ اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی ہو گی۔ حق داروں کو اُن کے حقوق اور انسانیت کو امن نصیب ہو گا۔ نیز اسی دوران سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرما کر اپنے اُمور کی تکمیل فرمائیں گے، پس یہ وہ اختتامی لمحات ہوں گے، جس کے بعد فنائے کائنات اور پھر وقوعِ قیامت کے معاملات ہوں گے۔ اس لحاظ سے امام مہدی رضی اللہ عنہ کی ذات نا صرف قیامت کی علاماتِ کبری کا مقدمہ ہے، بلکہ بذاتِ خود واضح نشانی اور اللہ تعالی جل جلالہ کی حجت ہے۔

سیّدنا مہدی رضی اللہ عنہ کا نام و نسب

امام مہدی رضی اللہ عنہ کا نام اَحادیث کی روشنی میں "محمد بن عبد اللہ" معلوم ہوتا ہے، اگرچہ "محمد" نام کی تصریح والی روایات ضعیف ہیں، لیکن مطلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم نام ہونے کی روایات صحیح ہیں۔ اسی سے بعض علماء نے استدلال کیا، چونکہ قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو نام "محمد اور احمد" صریحاً بیان ہوئے ہیں، اس لیے امام مہدی رضی اللہ عنہ کا نام بھی "محمد بن عبد اللہ" یا پھر "احمد بن عبد اللہ" ہو گا اور اوّل الذکر قرین صواب ہے، کیونکہ ذخیرۂ حدیث میں سینکڑوں مقامات پر صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف اسم "محمد" سے خطاب کرتے ہوئے "یا محمد" عرض کیا ہے اور یہی مقام خطاب میں تواتر سے معروف بھی ہے۔

مہدی دراصل آپ رضی اللہ عنہ کا لقب مبارک ہے اور بہت سی شخصیات کے القاب نام سے زیادہ معروف اور خطاب میں رائج ہوتے ہیں، اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے، صدیوں سے تواتر کے ساتھ یہی آپ رضی اللہ عنہ کے لیے مستعمل ہے اور عوام و خواص میں اس کا مصداق متعین و معروف ہے۔ کذاب مدعیان مہدویت جو مختلف زمانوں میں بر آمد ہو کر خود کو مہدی کہلاتے رہے، انھیں اس بات کا شعور ہی نہیں کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ خود اپنے لیے اس لقب کا استعمال نہیں کریں گے کہ میں مہدی ہوں، بلکہ من جانب اللہ غیبی نداء (جیسا کہ اَحادیث میں ہے) اور پھر اُمت مسلمہ کی طرف سے انھیں اس لقب سے خطاب کیا جائے گا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فاطمی النسل ہونے پر تو اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کا اتفاق ہے، نیز یہی بات حدیث مبارکہ میں بھی وارد ہوئی ہے، البتہ اس کی نوعی تعیین پر اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک امام مہدی رضی اللہ عنہ والد گرامی کی طرف سے سیّدنا حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے اور بعض کے نزدیک سیّدنا حسین شہید کربلاء رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے، جمہور اہل تشیع مؤخر الذکر مؤقف کے حامل ہیں۔ بعض اہل علم نے اس معاملے میں یوں تطبیق بیان کی ہے کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہوں گے کہ آپ کے والد حسنی اور والدہ حسینی سادات میں سے ہوں گے، یا پھر اس کا عکس ہو گا اور اس طرح حضرات حسنین کریمین کے ذریعے نسب مبارک سیّدہ خاتون جنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے متصل جائے گا۔ الغرض ہم مسلکی بحث سے تعرض کے بجائے اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ میں حدیث نبوی کے

مصداق بتولی گلشن کی خوشبو و تازگی موجزن ہوگی، جس سے اُس زمانے کے اہل ایمان فیض یاب ہوں گے، لہٰذا حسنی و حسینی ہونا بسر و چشم، لیکن نبی کریم ﷺ کا انھیں نسلِ فاطمہ زہراء سے منسوب کرنا عجب ہی لطف دے رہا ہے۔

سیّدنا مہدی رضی اللہ عنہ کی پیدائش

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بارے میں اہلسنّت اور اہل تشیع کے دو بڑے مؤقف موجود ہیں، جیسا کہ کچھ تفصیلات سابق اَبواب کے ضمن میں بھی گزر چکیں۔ اہلسنّت کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ وقوع علاماتِ کبری کے آغاز میں قرب قیامت میں پیدا ہو کر ظہور فرمائیں گے اور پیدائش و ظہور کے مابین چالیس سال کی مدت حائل ہوگی۔ جبکہ اہل تشیع کے یہاں آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہو چکی اور یہ امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، البتہ کم سنی میں ہی والد کے وصال فرمانے کے بعد سامراء "سُرَّ مَنْ رَأَى" کے ایک غار میں پوشیدہ ہو گئے اور یہی سے قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے، چنانچہ پیدائش پر دونوں مکاتب فکر کا اختلاف، لیکن ظہور پر اتفاق ہے کہ قرب قیامت میں ہو گا۔

سیّدنا مہدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیش گوئیوں کا حال

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بارے میں مختلف زمانوں میں پیش گوئیوں کا سلسلہ بھی جاری ہے، چنانچہ اس ضمن میں بہت سے صوفی اور دیگر حضرات شامل ہیں، جنھوں نے مختلف تاریخوں میں آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا بیان کیا ہے، اگر ہم صرف گزشتہ بیسوی صدی عیسوی کو ہی لیں، تو اس میں بھی کئی حضرات نے تاریخ پیدائش بیان کی، بلکہ کچھ نے تو جزماً یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اسی صدی کی فلاں تاریخ کو پیدا ہو چکے ہیں، جس کے فلاں فلاں اثرات اور نشانیاں حج و عرفات وغیرہ میں دیکھی جا چکی ہیں۔ القصہ مختصر ایسی پیش گوئیاں نہ تو آج تک پوری ہوئیں، اور نہ ہی شرعاً ان کا کوئی اعتبار ہے، کیونکہ ایسے بیانات دینے والوں کے پاس قرآن و حدیث کی کوئی نص و دلیل موجود نہیں، لہٰذا یہ ایسے بیانات ہیں، جنھیں ہرگز لائق اعتناء شمار نہیں کیا جا سکتا۔

بلکہ ایسی باتیں سابق صدیوں میں بھی ہوتی رہیں، اور شاید اس کا تعلق ایسے اَمر سے ہے کہ کسی نہ کسی زمانے میں تو امام مہدی رضی اللہ عنہ نے ظہور فرمانا ہی ہے، چنانچہ پیش گوئیاں جاری رکھی جائیں، عین ممکن ہے کسی نہ کسی پیش گوئی کی زمانی موافقت بھی ہو ہی جائے، اَب جس کی مطابقت ہو گئی، اس کی واہ واہ۔۔ لیکن معذرت کے ساتھ، یہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے

معاملات میں دخل اَندازی کے مترادف ہے اور بغیر وحی کی تعلیمات کے بھلا اس وقت کا تعین کون کر سکتا ہے؟ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صرف اس بارے میں علامات ہی بیان فرمائی ہیں، تو پھر ان کے بعد کسی اُمتی کی کیا مجال کہ وہ تاریخ وسال کے بارے میں حتمی بیان کرے، نعوذ باللہ من ذلک۔

اَب ہو سکتا ہے کہ کچھ حضرات اسے اپنے پیروں کی بے اَدبی گمان کریں، لیکن اس بارے میں عرض ہے کہ آپ کے پیروں سے پہلے جن اکابرین نے پیدائش کی پیش گوئی، بلکہ تاریخ تک بیان کر دی، اور یہ تاریخیں بھی زمانہ ہوا گزر چکیں، لیکن امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور نہیں ہوا، پس آپ کے پیر یا پھر خود آپ لوگ اُن حضرات کے بارے میں کیا کہیں گے؟ کیونکہ اب دو ہی صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ کو اُن حضرات کی بیان کردہ تاریخوں کے مطابق ظہور کرنا چاہیے تھا، جو واقع نہیں ہوا، کہ اگر وہ پیدا ہو چکے ہوتے، تو لازماً انھیں تقریباً چالیس سال کی عمر پر ظاہر ہونا ہی تھا، جیسا کہ احادیث میں یہی عمر بیان ہوئی ہے اور ان کا ظہور احادیث کے مطابق ایسا ہوگا کہ جس میں شرقاً غرباً کسی مسلمان کو کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا، لیکن ہم ابھی تک دیکھ رہے ہیں کہ نہ تو ظہور مبارک ہوا اور نہ اس کے اثرات ظاہر ہوئے۔ اَب اگر اس کی مزید تاویل کی جائے کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ بزرگوں کی بیان کردہ فلاں تاریخ کو پیدا ہونے کے بعد پھر مخفی ہو گئے تو سوال یہ ہے کہ ایسا عقیدہ تو سلف سے آج تک کسی کا نہیں رہا اور جہاں تک اہل تشیع کا معاملہ ہے تو وہ اس سے جدا موَقف رکھتے ہیں، اب آپ کے بزرگوں کا ایسا موَقف جس کی تائید نہ تو احادیث سے ہوتی ہے اور نہ ہی سلف میں اس کی کوئی نظیر ہے، اُسے کیونکر مان لیا جائے؟

دوسری صورت یہ ہے کہ جن حضرات نے بھی ایسے بلا دلیل بیانات دیے ہیں، جن کا تضاد و تخالف واضح ہو چکا، تو اُن کے حق میں مغفرت کی دعا کی جائے اور معاملے کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے سپرد کر دیا جائے اور یہی اَدب واحترام کے زیادہ لائق ہے۔

لہٰذا امام مہدی رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بارے میں درست بات یہی ہے کہ ان کی پیدائش آخری زمانے میں ہو گی، جس کی تعیین معلوم نہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ ظہور فرمائیں گے تو کسی بزرگ کی پیش گوئی کی حاجت نہ ہو گی، بلکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے خلیفہ کی تائید و تصدیق کو خود ہی انسانوں کے لیے روز روشن کی طرح عیاں کر دے گا اور

اس میں کسی مسلمان کو شبہ کی گنجائش باقی نہ ہوگی، چنانچہ ایسی پیش گوئیوں سے بہتر ہے کہ مسلمان عملی طور پر سرمایہ آخرت کی تیاری کرے اور اگر اللہ تعالی جل جلالہ نے ظہورِ مہدی کو نصیب میں لکھا ہے، تو وہ خود ہی حاصل ہو جائے گا۔ اور چونکہ نظام شریعت اللہ تعالی جل جلالہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہے، لہذا ہم سب کو ان کی اتباع کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ والله الهادي إلى سبيل الهداية والرشاد .

امام مہدی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معیت، نیز وصال و مدفن

جس زمانے میں امام مہدی رضی اللہ عنہ ظہور فرمائیں گے، اُسی میں دجال بھی ظاہر ہو گا، جس کے فتنے سے انسانیت اپنے انتہائی کرب و آزمائش کے دور سے گزرے گی، امام مہدی رضی اللہ عنہ تقدیر الٰہی کے پیش نظر اُس پر غلبہ حاصل نہ کر سکیں گے، کیونکہ یہ معاملہ سیّدنا روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مخصوص ہو گا، چنانچہ ایک روز آپ علیہ السلام جامع مسجد کے میناروں پر نزول فرما ہوں گے اور پھر نیچے تشریف لا کر امام مہدی رضی اللہ عنہ کو ہی نماز کی امامت کے لیے آگے بڑھائیں گے۔

بعد اَزاں امام مہدی رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کی معیت میں بقیہ اُمور کی انجام دہی کریں گے اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے دَجال کو قتل کر کے انسانیت کو اُس کے فتنے سے نجات دیں گے۔ تو یوں کئی سالوں تک دونوں حضرات مسلمانوں کی رہنمائی فرمائیں گے۔

بعض اقوال کے مطابق امام مہدی رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں وصال کریں گے اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام وہیں نماز جنازہ اَدا فرما کر تدفین کریں گے، جبکہ ان کے بعد سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کا وصال مدینہ منورہ میں ہی ہو گا اور انھیں بقیہ مسلمانوں کے ہاتھوں خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے گا۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اقدس میں تدفین اَحادیث کریمہ میں بھی مذکور ہے۔

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صحابیت پر ائمہ کا استدلال

امام ذہبی نے "تجريد الصحابة، (١/ ٤٣٢، الرقم ٤٦٧٣)" اور علامہ سیوطی نے "الإعلام بحكم عيسى عليه السلام ، (الصفحة ١٩)" میں بیان کیا ہے کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کے ساتھ ساتھ صحابی رسول بھی ہیں۔ جس پر انھوں نے حدیثِ معراج سے تمسک کیا ہے کہ اس رات سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تھی، اور یہ

ملاقات روح و جسم کے ساتھ ہوئی تھی، اسی لیے سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام صحابی بھی ہیں۔ اگرچہ اس اَمر کو تسلیم کرنے میں کوئی تردُّد نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اس دلیل سے صرف سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ہی کیوں منتخب کیا گیا؟ کیونکہ شب معراج تو جمیع انبیاء و مرسلین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، جبکہ کئی انبیاء کی ملاقات کا تعین تو اَحادیث میں بھی موجود ہے، تو پھر انھیں نظر انداز کرکے صرف سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صحابیت کے لیے کیوں منتخب کر لیا گیا؟

اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ بقیہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات مبارکہ برزخی ہے، کیونکہ انھوں نے اپنی دنیاوی زندگی کی تکمیل کے بعد حکم الٰہی کے مطابق وصال فرمایا، لیکن سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام بحکم قرآنی ہنوز اپنی دنیاوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، اور قربِ قیامت میں نزول فرمانے کے بعد مقررہ وقت پر وصال فرمائیں گے، اس لیے اُن کے حق میں دنیاوی حیات کے ساتھ زیارتِ نبوی کا تحقق پایا گیا اور یوں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں، البتہ اُمت میں یہ بات بصورتِ تواتر منقول نہ ہوئی، اسی لیے اس کا شرعی درجہ بھی تواتر سے منقول ہونے والے اَصحاب کے حکم جیسا نہیں ہوگا۔ فافہم

اور جہاں تک سیّدنا ادریس، سیّدنا الیاس اور سیّدنا خضر علیہم السلام کا معاملہ ہے، تو اگرچہ ان کی حیات کے بارے میں بھی بعض اَحادیث منقول ہیں، لیکن محققین ائمہ کے نزدیک ان میں کافی اختلاف ہے۔ سیّدنا الیاس علیہ السلام سے متعلق روایات کے بارے میں بیشتر ائمہ کا رجحان اس جانب ہے کہ وہ اسرائیلی روایات ہیں، نیز کئی روایات میں تعارض بھی واقع ہے، جس کے پیشِ نظر ائمہ نے ان کی صحت کو تسلیم نہیں کیا۔ (ملاحظہ ہو: تبیان القرآن، ۹/ ۹۵۲-۹۴۷)۔ جبکہ سیّدنا ادریس علیہ السلام کے بارے میں کچھ معتبر روایات تو منقول ہیں، لیکن محققین ائمہ کا رجحان اس طرف ہے کہ انھوں نے وصال فرمایا تھا، البتہ مقام وصال میں اختلاف ہے۔ (ملاحظہ ہو: تبیان القرآن، ۷/ ۲۹۵-۲۹۲)۔ ان کے بارے میں محدثِ جلیل علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیقی بحث لکھ دی ہے، اہل ذوق وہاں مراجعت کریں۔

اور باقی رہا سیّدنا خضر علیہ السلام کا معاملہ، تو اس بارے میں پہلی بات یہ ہے کہ ان کی نبوت میں ہی اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک آپ علیہ السلام سابق شریعت کے ممتاز اولیاء و صالحین میں سے بلند تر مقام کے حامل تھے، لیکن نبی نہیں تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کی حیات سے متعلق روایات میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے، اسی لیے کسی واضح حکم سے تمسک نہیں کیا جاسکتا۔ (حیاتِ خضر سے متعلق مزید معلومات کے لیے امام عسقلانی اور ملا علی قاری کی تالیفات ملاحظہ کریں۔)

لیکن اگر بالفرض سیّدنا ادریس علیہ السلام اور سیّدنا الیاس علیہ السلام کے بارے میں بھی حیات کا اَمر قوی دلائل سے متحقق ہو جائے، تو پھر ان حضرات کے لیے نبی بھی ہونے کی حیثیت سے شبِ معراج میں زیارتِ نبوی کے سبب صحابیت کا وہی حکم ثابت ہو گا، جو سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بیان ہوا، البتہ سیّدنا خضر علیہ السلام کے لیے عدم نبوت کا مؤقف رکھنے والوں کے یہاں حیات متحقق ہونے کے باوجود زیارتِ نبوی کا ثبوت پھر بھی محتاج دلیل رہے گا، جس کے بعد ہی صحابیت کا حکم متوجہ ہو گا، کیونکہ نبی نہ ہونے کی صورت میں شبِ معراج ملاقات متحقق نہیں ہو گی، اوراس کے علاوہ ثبوتِ ملاقات کے لیے کسی واضح اور قوی دلیل کی ضرورت ہے، واللہ اعلم۔

سیّدنا مہدی رضی اللہ عنہ سے متعلق ائمہ ومحدثین کی تالیفات

امام مہدی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ائمہ ومحدثین نے بہت سی قابل قدر کتب تالیف کی ہیں، جن میں احادیث وآثار کی روشنی میں سیر حاصل بحث موجود ہے، البتہ بیشتر معاصر اُردو کتب کمزوراور موضوع روایات ومواد سے مملو ہیں، جس سے ناصرف تعارف امام مہدی کی جہات میں سقم دَر آتا ہے، بلکہ مزید شکوک وشبہات بھی رونما ہوتے ہیں، اس بارے میں چند اُردو کتب دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس میں مؤلفین نے ناصرف موضوعات شریف (اَزراہِ تفنّن) سے بھرپور استفادہ کیا ہے، بلکہ کلمات احادیث کی ترجمانی میں بھی ایسی لغزشیں کیں، کہ افسوس ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوا ہے کہ جس کتاب اور جس مقام پر بھی امام مہدی رضی اللہ عنہ سے متعلق مواد نظر آئے، اُسے شامل کتاب کرنے کا عزم مصمم ہے۔ اسی لیے اہل علم قارئین اصل عربی کتب یا پھر مستند اُردو کتب کی جانب مراجعت کریں۔ ہم ان تمام کتب کی تفصیلات تو یہاں پیش نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ جو کتاب ہمارے نزدیک محقق ومستند مواد پر مشتمل ہے، وہ لازمی طور پر دوسرے اہل علم کے لیے بھی ویسے ہی قابل تمسک ہو، البتہ چند معروف کتب کا بیان پیش خدمت ہے۔

ائمہ ومحدثین کی کتب:

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، امام مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، امام ابوالقاسم سلیمان طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ اورامام ابوعبد اللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ کی مختلف کتب میں امام مہدی سے متعلق متفرق اَحادیث۔

۲۔ امام ابوداود، متوفی ۲۷۵ھ "السنن ، كتاب المهدي ، الصفحة ٧٦٧-٧٦٥" امام ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ "السنن ، كتاب الفتن ، باب ما جاء في المهدي ، الصفحة ٥٠٤" اورامام ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ کی "السنن ، كتاب الفتن ، باب خروج المهدي ، الصفحة ٦٨٠-٦٧٩" میں امام مہدی رضی اللہ عنہ سے متعلق اَبواب۔

۳۔ امام عبد الرزاق صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ "المصنّف ، باب المهدي ، (١١/ ٣٧٤-٣٧١)"

۴۔ امام نعیم بن حماد بن معاویہ خزاعی مروزی، متوفی ۲۲۸ھ "كتاب الفتن ،(الصفحة ٣٧٩-٣١٩)"

۵۔ امام ابن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ "المصنّف ، كتاب الفتن ، (١٢/ ٤٠٤-٤٠٠)"

۶۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان بُستی، متوفی ۳۵۴ھ "صحيح ابن حبّان"۔ان کی مختلف اَحادیث کو امام نور الدین ہیثمی، متوفی ۸۰۷ھ نے "موارد الظمأن إلى زوائد صحيح ابن حبان، باب المهدي،(٦/ ١٣٤-١٢٨)" میں یکجا کر دیا ہے۔

۷۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ کی "كتاب المهدي/ الأربعين"

۸۔ امام ابو عمرو عثمان بن سعید المقری الدانی ،متوفی ۴۴۴ھ "السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشرطها ، باب ما جاء في المهدي ، (الصفحة ١٠٧٥-١٠٢٩)"

۹۔ شیخ یوسف بن یحییٰ سلمی مقدسی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ "عقد الدُّرر في أخبار المهدي المنتظر"

۱۰۔ شیخ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی ۹۱۱ھ "العَرف الوردي في أخبار المهدي"

۱۱۔ شیخ شہاب الدین ابن حجر مکی ہیتمی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ "القول المختصر في علامات المهدي المنتظر"

۱۲۔ شیخ علی بن حسام الدین متقی ہندی، متوفی ۹۷۵ھ "البرهان في علامات مهدي آخر الزمان"

۱۳۔ شیخ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری، متوفی ۱۰۱۴ھ "المشرب الوردي في مذهب المهدي"

معاصرین کی عربی کتب:

۱۔ شیخ محمد اسماعیل المقدم کی "المهدي"۔

یہ کتاب "الدار العالمية للنشر والتوزيع ، الإسكندرية ، مصر" سے پہلی بار ۱۴۰۰ھ / ۱۹۷۹ء میں، جبکہ گیارہویں مرتبہ ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ مہدویت کے باب میں تحقیقی مواد پر مشتمل تفصیلی کتاب ہے، جس میں عناوین ومباحث کو علمی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ شیخ حمود بن عبد اللہ بن حمود تویجری کی "الإحتجاج بالأثر على من أنكر المهدي المنتظر"۔

یہ کتاب سعودی عرب کے ادارے "الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء ، الرياض" سے ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں شیخ عبد اللہ بن زید بن محمود کے انکار مہدی سے متعلق افکار کا تحقیقی ردّ کرتے ہوئے اَحادیث مہدی کی صحت واستنادیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

۳۔ شیخ ڈاکٹر عبد العلیم عبد العظیم بستوی نے اس موضوع پر متعدد تالیفات لکھی ہیں، جن میں "المهدي المنتظر في ضوء الأحاديث والآثار الصحيحة" اور "الموسوعة في أحاديث المهدي الضعيفة والموضوعة" مشہور ہیں۔

یہ دونوں کتب "المكتبة المكية ، مكة المكرمة . دار ابن حزم بيروت" کے اشتراک سے ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئیں۔

۴۔ شیخ عبد المحسن بن حمد العباد البدر کی "الرد على من كذب بالأحاديث الصحيحة الواردة في المهدي"۔

یہ موصوف کے مجموعہ کتب ورسائل کی ساتویں جلد کا آخری رسالہ ہے، اس میں انھوں نے شیخ ابن تیمیہ وابن قیم سمیت ممتاز علماء کی آراء کے درست محامل بیان کرنے کے ساتھ شیخ رشید رضا مصری، مولانا مودودی، شیخ فرید وجدی وغیرہ کے انکارِ مہدی پر علمی تعقبات وتنقیدات پیش کی ہیں، اور بالخصوص شیخ عبد اللہ بن زید بن محمود کے انکار مہدی سے متعلق دلائل کا محاکمہ کیا ہے، مختصر ضخامت کی یہ کتاب قابل مطالعہ ہے۔ نیز انھوں نے امام مہدی سے متعلق دیگر رسائل ومضامین بھی تحریر کیے ہیں۔

معاصرین کی اُردو کتب:

چونکہ اس ضمن میں بہت سی تالیفات عام دسترس میں موجود ہیں، اسی لیے ان کی تفصیلات پیش کرنا غیر ضروری ہے، نیز ان میں سے چند قدرے تحقیقی مواد کی حامل کتب کا منبع بھی شیخ بستوی اور شیخ البدر کی مؤخر الذکر دو عربی تالیفات ہی ہیں، جبکہ بقیہ اُردو کتب کا حال تو حاطبِ لیل سے بھی پست ہے کہ نقل دَر نقل اور اصل مصادر سے اعراض نے اُن کے مواد میں اتنا سقم و خلجان پیدا کر دیا، جس سے استفادہ تو دور کی بات، اہل علم کے لیے مطالعہ کرنا بھی ذہنی کوفت کا باعث ہے، اسی لیے ہم نے کسی اُردو کتاب کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا تاکہ کسی کی دل آزاری کا سبب نہ ہو۔ قارئین اپنے مکتبہ فکر کے ذوق کے مطابق جس کا انتخاب کرنا چاہیں، مطالعہ واستفادے کے لیے اُسے اختیار فرمائیں۔

سیّدنا مہدی رضی اللہ عنہ سے متعلق چند صحیح اَحادیث وآثار

اس بارے میں سابق کتب میں شرح وبسط کے ساتھ مواد موجود ہے، جس میں صحیح وضعیف ہر طرح کی روایات بیان ہوئی ہیں، البتہ معاصرین میں سے بالخصوص شیخ عبد العلیم بستوی نے اپنی کتب میں جانفشانی سے جرح وتعدیل اور ائمہ کرام کے بیانات کی روشنی میں تفصیلات مرتب کی ہیں، جسے بعد کے عرب مؤلفین اور اُردو تالیفات کے جم غفیر نے من وعن نقل کیا، جبکہ بعض اُردو تالیفات میں تو ان کی محنت کو بغیر حوالے کے ہی یوں اپنے کھاتے میں ڈال لیا گیا، جیسا کہ اس کے مؤلف نے خود ہی جرح وتعدیل کے اُصول پیش نظر رکھتے ہوئے حکم حدیث بر آمد کیا ہے۔ بہر حال یہ بدترین علمی خیانت ہے، نعوذ باللہ من ذلک۔

اَحادیث مہدی پر چونکہ متقدمین ومتاخرین نے بہت سا مواد مرتب کر دیا ہے، تو ہم نے انہی کی محنتوں سے فیض یاب ہوتے ہوئے صرف چند صحیح احادیث وآثار کے انتخاب پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ بکثرت اَحادیث کو یہاں نقل کرنا اور پھر ان کے بارے میں علمی تفصیلات وشرح کو درج کرنا طوالت کا باعث تھا، اسی لیے ان اُمور سے اعراض کیا گیا ہے اور ویسے بھی یہ موضوع تشنہ نہیں، لہٰذا قارئین اس بارے میں بہت سی کتب تک رسائی حاصل کر کے تشنگی دور کر سکتے ہیں۔ ہم نے اس انتخاب میں درج ذیل اُمور کو پیش نظر رکھا ہے:

- اَحادیث کے ایراد میں "صحیحین" کو مقدم رکھا ہے۔
- اس کے بعد سنن اَربعہ اور پھر مستدرک للحاکم اور مصنّف ابن ابی شیبہ کی چند روایات کو نقل کیا ہے۔
- ایک ہی مفہوم کی حامل کئی اَحادیث میں سے صرف بعض کا انتخاب کیا ہے۔
- شیخ بستوی کی تالیف "المهدي المنتظر في ضوء الأحاديث والآثار الصحيحة" سے استفادہ کیا ہے۔
- دیگر متونِ اَحادیث سے براہ راست بھی چند روایات اَخذ کی گئی ہیں۔
- تخریج میں اصل مصادر اور دیگر تائیدی کتب سے مفصل حوالہ جات کو براہِ راست نقل کیا ہے۔
- اَحادیث کی جرح و تحکیم اور شرح کو طوالت کے سبب شامل نہیں کیا گیا۔

(۱) حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الأَنْصَارِيِّ ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

« كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ ، وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ ». [۱]

ترجمہ: *اُس وقت تمہاری کیسی شان ہوگی، جب (عیسیٰ) ابن مریم تمہارے درمیان نزول کریں گے اور تمہارا (نماز کے لیے) امام تم میں سے ہوگا۔*

(۲) حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعٍ ، وَهَارُونُ ابْنُ عَبْدِ الله ، وَحَجَّاجُ ابْنُ الشَّاعِرِ ، قَالُوا: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ (وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ) ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ الله ، يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:

« لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» قَالَ: « فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ: تَعَالَ صَلِّ لَنَا، فَيَقُولُ: لَا، إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ الله هَذِهِ الْأُمَّةَ ». [۲]

۱۔ **الصحيح** ، للإمام البخاري ، كتاب أحاديث الأنبياء ، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام ، الصفحة ٨٥٥ ، الرقم ٣٤٤٩ ، دار ابن كثير بيروت ، واللفظ له . **الصحيح** ، للإمام مسلم ، كتاب الإيمان ، باب نزول عيسى بن مريم حاكما بشريعة نبينا محمد، الصفحة ٨٦ ، الرقم ٢٤٦ ، بيت الأفكار الدولية . **الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان** ، ١٥/ ٢١٣ ، الرقم ٦٨٠٢ ، مؤسسة الرسالة . **كتاب الإيمان** ، للإمام ابن منده ، الصفحة ٥١٥ ، الرقم ٤١٣ ، مؤسسة الرسالة . **المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم** ، للإمام أبي نعيم ، ١/ ٢٢٠ ، الرقم ٣٩٣ ، دار الكتب العلمية . **مسند أبي عوانة** ، كتاب الإيمان ، باب ثواب مَن آمن مِن أهل الكتاب .. إلخ ، ١/ ٩٩ ، الرقم ٣١٦ ، دار المعرفة .

۲۔ **الصحيح** ، للإمام مسلم ، كتاب الإيمان ، باب نزول عيسى بن مريم حاكما بشريعة نبينا محمد ، الصفحة ٨٦ ، الرقم ٢٤٧ ، بيت الأفكار الدولية ، واللفظ له . **المسند** ، للإمام أحمد ، ٢٣/ ٣٣٥ ، الرقم ١٥١٢٧ ، مؤسسة الرسالة . **صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان** ، كتاب التاريخ ، باب إخباره صلى الله عليه وسلم عما يكون في أمته .. إلخ ، ١٥/ ٢٣١ ، الرقم ٦٨١٩ ، مؤسسة الرسالة . **المنتقى من السنن المسندة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم** ، للإمام ابن الجارود ، باب دوام الجهاد إلى يوم القيامة ، الصفحة ٤٣٦ ، الرقم ١٠٤٧ ، دار التأصيل . **مسند أبي عوانة** ، كتاب الإيمان ، باب ثواب مَن آمن مِن أهل الكتاب .. إلخ ، ١/ ٩٩ ، الرقم ٣١٧ ، دار المعرفة. **كتاب الإيمان** ، للإمام ابن مندة ، ١/ ٥١٧ ، الرقم ٤١٨ ، مؤسسة الرسالة .

ترجمہ: میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے لڑتے ہوئے قیامت تک غالب رہے گا، یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم نزول فرمائیں گے، پس اس (مسلمانوں کے) گروہ کا امیر اُن سے عرض کرے گا: آیئے، ہمیں نماز پڑھائیں۔ تو وہ فرمائیں گے: تمہارے بعض ہی دوسرے بعض کے امیر ہیں، یہ اللہ کے یہاں اس اُمت کی فضیلت ہے۔

(٣) وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ ، حَدَّثَنَا أَبِي ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ الله ، قَالَا : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

«يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خَلِيفَةٌ يَقْسِمُ الْمَالَ وَلَا يَعُدُّهُ». (٣)

ترجمہ: آخری زمانے میں ایک خلیفہ ہو گا، جو بغیر گنے مال تقسیم کرے گا۔

(٤) حَدَّثَنَا زُهَيْرُ ابْنُ حَرْبٍ وَعَلِيُّ ابْنُ حُجْرٍ – وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ – قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ ، قَالَ:

كُنَّا عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ الله فَقَالَ: يُوشِكُ أَهْلُ الْعِرَاقِ أَنْ لَا يُجْبَى إِلَيْهِمْ قَفِيزٌ وَلَا دِرْهَمٌ ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ ذَاكَ؟ قَالَ: مِنْ قِبَلِ الْعَجَمِ ، يَمْنَعُونَ ذَاكَ ، ثُمَّ قَالَ: يُوشِكُ أَهْلُ الشَّأْمِ أَنْ لَا يُجْبَى إِلَيْهِمْ دِينَارٌ وَلَا مُدْيٌ ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ ذَاكَ؟ قَالَ: مِنْ قِبَلِ الرُّومِ ، ثُمَّ سَكَتَ هُنَيَّةً ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى

السنن الكبرى ، للإمام البيهقي ، ٩/ ٣٠٤ ، الرقم ١٨٦١٥ ، دار الكتب العلمية . **المعجم الأوسط** ، للإمام الطبراني ، ٩/ ٣٩ ، الرقم ٩٠٧٨ ، دار الحرمين .

٣۔ **الصحيح** ، للإمام مسلم ، كتاب الفتن ، باب لا تقوم الساعة حتى يمُرّ الرَّجُل بقبر .. إلخ ، الصفحة ١١٦٨ ، الرقم ٢٩١٤ ، بيت الأفكار الدولية ، واللفظ له . **المسند** ، للإمام أحمد ، ١٧/ ٤٣٩ ، الرقم ١١٣٣٩ ، مؤسسة الرسالة . **المسند** ، للإمام أبي يعلى ، ٢/ ٤٢١ ، الرقم ١٢١٦ ، دار المأمون للتراث . **المستدرك على الصحيحين** ، للإمام الحاكم ، ٤/ ٥٠١ ، الرقم ٨٤٠١ ، دار الكتب العلمية .

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا ، لَا يَعُدُّهُ عَدَدًا» . قَالَ : قُلْتُ لِأَبِي نَضْرَةَ وَأَبِي الْعَلَاءِ: أَتَرَيَانِ أَنَّهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَا: لَا .[۴]

ترجمہ: ہم (یعنی ابو نضرہ اور ابو العلاء) سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ انھوں نے فرمایا: قریب ہے کہ اہل عراق کے پاس نہ غلہ لایا جاسکے گا اور نہ ہی دِرہم۔ ہم نے پوچھا: یہ بندش کن لوگوں کی طرف سے ہو گی؟ انھوں نے فرمایا: عجمیوں کی جانب سے۔ پھر فرمایا: قریب ہے کہ اہل شام کے پاس نہ دِینار لائے جا سکیں گے اور نہ ہی غلہ۔ ہم نے پوچھا: یہ بندش کن لوگوں کی طرف سے ہو گی؟ انھوں نے فرمایا: رُومیوں کی جانب سے۔ پھر تھوڑی دیر خاموشی کے بعد کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اُمت کے آخری دور میں ایک خلیفہ ہو گا، جو مال لبالب بھر کے دے گا اور اسے شمار نہیں کرے گا۔
راوی (جریری) نے کہا: میں نے ابو نضرہ اور ابو العلاء سے پوچھا کہ آپ کی رائے میں اس سے مراد عمر بن عبد العزیز ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں۔

(۵) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أبو دَاوُد الحفَرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَاسِيْنُ ، عَنْ إِبرَاهِيْمَ بْنِ محمَّدِ ابْن الحنفيَّة، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم:

«الْمَهْدِيُّ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ ، يُصْلِحُهُ اللهُ فِي لَيْلَةٍ ».[۵]

۴۔ **الصحيح** ، للإمام مسلم ، كتاب الفتن ، باب لاتقوم الساعة حتى يمرّ ..إلخ ، الصفحة ١١٦٨ ، الرقم ٢٩١٣ ، بيت الأفكار الدولية ، واللفظ له . **المسند** ، للإمام أحمد ، ٢٠/ ٢٩٨ ، الرقم ١٤٤٠٦ ، مؤسسة الرسالة . **صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان** ، كتاب التاريخ ، باب إخباره صلى الله عليه وسلم عما يكون في أمته .. إلخ ، ١٥/ ٧٥ ، الرقم ٦٦٨٢ ، مؤسسة الرسالة . **المستدرك على الصحيحين** ، للإمام الحاكم ، ٤/ ٥٠١ ، الرقم ٨٤٠٠ ، دار الكتب العلمية . **السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها** ، للإمام أبي عمرو الداني ، الصفحة ١١٢٠ ، الرقم ٦٠٤ ، دار العاصمة الرياض .

ترجمہ: مہدی ہم اہل بیت میں سے ہوگا اور اللہ (تعالی) ایک ہی رات میں اُسے صالح بنادے گا۔

(٦) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ ، ثَنَا أَبُو الْمَلِيحِ الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ ، عَنْ زِيَادِ بْنِ بَيَانٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ نُفَيْلٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ، قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:

«الْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِي ، مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ» .(٦)

ترجمہ: مہدی میری نسل فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا۔

(٧) حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ تَمَّامِ بْنِ بَزِيعٍ ، حَدَّثَنَا عِمْرَانُ الْقَطَّانُ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

«الْمَهْدِيُّ مِنِّي ، أَجْلَى الْجَبْهَةِ ، أَقْنَى الْأَنْفِ ، يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا ،
كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا، يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِينَ» .(٧)

٥۔ **السنن** ، للإمام ابن ماجة ، كتاب الفتن ، باب خروج المهدي ، الصفحة ٦٨٠ ، الرقم ٤٠٨٥ ، مكتبة المعارف ، واللفظ له . **المسند** ، للإمام أحمد ، ٢/ ٧٤ ، الرقم ٦٤٥ ، مؤسسة الرسالة . **البحر الزخّار المعروف مسند البزّار** ، ٢/ ٢٤٣ ، الرقم ٦٤٤ ، مكتبة العلوم والحكم بالمدينة المنورة . **السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها** ، للإمام أبي عمرو الداني ، الصفحة ١٠٥٩ ، الرقم ٥٧٩ ، دار العاصمة الرياض . **المصنّف** ، للإمام ابن أبي شيبة ، ١٤/ ١٨١ ، الرقم ٣٨٦٤٠ ، مكتبة الرشد . **كتاب الفتن** ، للإمام نعيم بن حماد المروزي ، الصفحة ٣٧٦ ، الرقم ١١١٨ ، مكتبة التوحيد . **حلية الأولياء** ، للإمام أبي نعيم ، ٣/ ١٧٧ ، دار الكتب العلمية .

٦۔ **السنن** ، للإمام أبي داود ، كتاب المهدي ، الصفحة ٧٦٦ ، الرقم ٤٢٨٤ ، مكتبة المعارف ، واللفظ له . **السنن** ، للإمام ابن ماجة ، ، كتاب الفتن ، باب خروج المهدي ، الصفحة ٦٨٠ ، الرقم ٤٠٨٦ ، مكتبة المعارف . **كتاب الفتن** ، للإمام نعيم بن حماد ، الصفحة ٣٧٥ ، الرقم ١١١٧ ، مكتبة التوحيد . **السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها** ، للإمام أبي عمرو الداني ، الصفحة ١٠٥٧ ، الرقم ٥٧٥ ، دار العاصمة الرياض .

٧۔ **السنن** ، للإمام أبي داود ، كتاب المهدي ، الصفحة ٧٦٦ ، الرقم ٤٢٨٥ ، مكتبة المعارف ، واللفظ له . **السنن** ، للإمام ابن ماجة ، ، كتاب الفتن ، باب خروج المهدي ، الصفحة ٦٨٠ ، الرقم ٤٠٨٦ ، مكتبة المعارف . **كتاب الفتن** ، للإمام نعيم بن حماد ، الصفحة ٣٦٤ ، الرقم ١٠٦٥ ، مكتبة التوحيد . **البحر الزخار المعروف مسند البزار** ، ١٨/ ٧٥ ، ٩ ، مكتبة العلوم

ترجمہ: مہدی میری اَولاد میں سے کشادہ جبیں، اُونچی بینی والے ہوں گے ، روئے زمین کو عدل وانصاف سے اُسی طرح بھر دیں گے، جیسا کہ وہ ظلم وستم سے بھر چکی ہوگی، وہ سات سال تک حکومت کریں گے۔

(۸) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ بْنِ مُحَمَّدٍ القُرَشِيُّ الكُوفِيُّ ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ ، عَنْ عَاصِمِ ابْنِ بَهْدَلَةَ ، عَنْ زِرٍّ ، عَنْ عَبْدِ الله (بن مسعود) قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

«لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ العَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِيْ». (۸)

ترجمہ: دنیا اُس وقت تک ختم نہیں ہوگی، جب تک عرب پر میری اہل بیت میں سے ایک شخص کی حکمرانی نہ ہو جائے، جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔

(۹) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ ، حَدَّثَنَا فِطْرٌ ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِي بَزَّةَ ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ ، عَنْ عَلِيٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

«لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدَّهْرِ إِلَّا يَوْمٌ ، لَبَعَثَ اللهُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِي ، يَمْلَؤُهَا عَدْلًا ، كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا» . (۹)

والحكم بالمدينة المنورة . **السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها** ، للإمام أبي عمرو الداني ، الصفحة ١٠٣٨ ، الرقم ٥٥٣ ، دار العاصمة الرياض . **المعجم الأوسط** ، للإمام الطبراني ، ٩/ ١٧٦ ، الرقم ٩٤٦٠ ، دار الحرمين .

٨۔ **السنن** ، للإمام الترمذي ، كتاب الفتن ، باب ما جاء في المهدي ، الصفحة ٥٠٤ ، الرقم ٢٢٣٠ ، مكتبة المعارف ، واللفظ له . **مسند ابن أبي شيبة** ، ١/ ١٩٢ ، الرقم ٢٨٣ ، دار الوطن الرياض. **المسند** ، للإمام أحمد ، ٧/ ١٧٤ ، الرقم ٤٠٩٨ ، مؤسسة الرسالة . **البحر الزخار المعروف مسند البزار** ، ٥/ ٢٠٤ ، الرقم ١٨٠٤ ، مكتبة العلوم والحكم بالمدينة المنورة . **السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها** ، للإمام أبي عمرو الداني ، الصفحة ١٠٥١ ، الرقم ٥٦٧ ، دار العاصمة الرياض . **المعجم الصغير** ، للإمام الطبراني ، ٢/ ٢٩٠ ، الرقم ١١٨١ ، المكتب الإسلامي . **حلية الأولياء** ، للإمام أبي نعيم ، ٥/ ٧٥ ، دار الكتب العلمية . **الفوائد المعروف بالغيلانيّات** ، للإمام أبي بكر الشافعي ، الصحفة ٣٨٣ ، الرقم ٤١٤ ، دار ابن الجوزي .

ترجمہ: اگر زمانے میں سے ایک ہی دن باقی رہے، تب بھی اللہ (تعالیٰ) میری اہل بیت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا، وہ اسے (دنیا کو) عدل سے اُسی طرح بھر دے گا، جیسا کہ وہ ظلم سے بھر چکی ہو گی۔

(١٠) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدًا العَمِّيَّ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الصِّدِّيقِ النَّاجِيَّ يُحَدِّثُ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قَالَ:

خَشِينَا أَنْ يَكُونَ بَعْدَ نَبِيِّنَا حَدَثٌ ، فَسَأَلْنَا نَبِيَّ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «إِنَّ فِي أُمَّتِي المَهْدِيَّ يَخْرُجُ يَعِيشُ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا أَوْ تِسْعًا» – زَيْدٌ الشَّاكُّ – قَالَ: قُلْنَا: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَ: «سِنِينَ» قَالَ: فَيَجِيءُ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَيَقُولُ: يَا مَهْدِيُّ أَعْطِنِي أَعْطِنِي ، قَالَ: «فَيَحْثِي لَهُ فِي ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَحْمِلَهُ» . [١٠]

٩- **السنن** ، للإمام أبي داود ، كتاب المهدي ، الصفحة ٧٦٦ ، الرقم ٤٢٨٣ ، مكتبة المعارف ، واللفظ له . **السنن** ، للإمام الترمذي ، كتاب الفتن ، باب خروج المهدي ، الصفحة ٥٠٤ ، الرقم ٢٢٣١ ، مكتبة المعارف . **المصنّف** ، للإمام ابن أبي شيبة ، ١٤/ ١٨٢ ، الرقم ٣٨٦٤٤ ، مكتبة الرشد . **المسند** ، للإمام أحمد ، ٢/ ١٦٣ ، الرقم ٧٧٣ ، مؤسسة الرسالة . **البحر الزخار المعروف مسند البزار** ، ٢/ ١٣٤ ،الرقم ٤٩٣ ، مكتبة العلوم والحكم بالمدينة المنورة . **معجم ابن الأعرابي** ، الصفحة ٢/ ٦٨٠ ، الرقم ١٣٦٣ ، دار ابن الجوزي . **المعجم الأوسط** ، للإمام الطبراني ، ٢/ ٥٥ ، الرقم ١٢٣٣ ، دار الحرمين . **مسند الهيثم بن كليب الشاشي** ، ٢/ ١٠٩ ، الرقم ٦٣٢ ، مكتبة العلوم والحكم . **الأحاديث المختارة** ، للإمام المقدسي ، ٢/ ١٧٢ ، الرقم ٥٥١ ، دار خضر بيروت . **الإعتقاد** ، للإمام البيهقي ، الصفحة ٢٨٤ ، دار الفضيلة .

١٠- **السنن** ، للإمام الترمذي ، كتاب الفتن ، باب خروج المهدي ، الصفحة ٥٠٤ ، الرقم ٢٢٣٢ ، مكتبة المعارف ، واللفظ له. **السنن** ، للإمام ابن ماجة ، الصفحة ٦٧٩ ، الرقم ٤٠٨٣ ، مكتبة المعارف . **المسند** ، للإمام أحمد ، ١٧/ ٢٥٤ ، الرقم ١١١٦٣ ، مؤسسة الرسالة . **المعجم الأوسط** ، للإمام الطبراني ، ٥/ ٣١١ ، الرقم ٥٤٠٦ ، دار الحرمين . **المستدرك على الصحيحين** ، للإمام الحاكم ، ٤/ ٦٠١ ، الرقم ٨٦٧٥ ، دار الكتب العلمية . **كتاب الفتن** ، للإمام نعيم بن حماد ، الصفحة ٣٦٠ ، الرقم ١٠٤٨ ، مكتبة التوحيد . **السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها** ، للإمام أبي عمرو الداني ، الصفحة ١٠٣٥ ، الرقم ٥٥٠ ، دار العاصمة الرياض .

ترجمہ: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وقوعِ حوادثات کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت میں مہدی کا ظہور ہو گا، جو (ظہور کے بعد) پانچ، سات یا نو تک زندہ رہے گا۔ (راوی زید کو اس مدت کی تعیین میں شک ہے)۔ راوی کہتے ہیں: صحابہ نے عرض کیا: اس مدت سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سال۔ پھر فرمایا: ایک شخص آکر ان سے سوال کرتے ہوئے کہے گا: اے مہدی! مجھے دیجیے، مجھے دیجیے۔ پس وہ اُس کے کپڑے میں اتنا بھر بھر کے (مال) دیں گے، جسے اُٹھانے کی وہ استطاعت رکھتا ہو گا۔

(١١) أَخْبَرَنَا أَبو عَبْدِ الله الصَّفَّارُ ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَرُومَةَ ، ثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حَفْصٍ ، ثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ ، عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

«يَقْتَتِلُ عِنْدَ كَنْزِكُمْ ثَلَاثَةٌ ، كُلُّهُمُ ابْنُ خَلِيفَةَ ، ثُمَّ لَا يَصِيرُ إِلَى وَاحِدٍ مِنْهُمْ ، ثُمَّ تَطْلُعُ الرَّايَاتُ السُّودُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ ، فَيُقَاتِلُونَكُمْ قِتَالًا لَمْ يُقَاتِلْهُ قَوْمٌ – ثُمَّ ذَكَرَ شَيْئًا فَقَالَ – إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَبَايِعُوهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ ، فَإِنَّهُ خَلِيفَةُ الله الـمَهْدِيُّ». [١١]

ترجمہ: تمہارے خزانے کے پاس تین لوگ لڑیں گے، ہر ایک خلیفہ کا بیٹا ہو گا، لیکن اُن میں کسی ایک کو بھی وہ حاصل نہیں ہو گا، پھر مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے نمودار ہوں گے، پس وہ تم سے ایسے لڑیں گے کہ کسی قوم نے تم سے ایسی لڑائی نہیں کی ہو گی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ باتیں بیان کرنے کے

١١ـ **المستدرك على الصحيحين** ، للإمام الحاكم ، ٤/ ٥١٠ ، الرقم ٨٤٣٢ ، دار الكتب العلمية ، واللفظ له . **السنن** ، للإمام ابن ماجة ، ، كتاب الفتن ، باب خروج المهدي ، الصفحة ٦٧٩ ، الرقم ٤٠٨٤ ، مكتبة المعارف . **البحر الزخار المعروف مسند البزار** ، ١٠/ ١٠٠ ، الرقم ٤١٦٣ ، مكتبة العلوم والحكم . **السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها** ، للإمام أبي عمرو الداني ، الصفحة ١٠٣٢ ، الرقم ٥٥٨ ، دار العاصمة الرياض . **مسند الرُّوياني** ، ١/ ٤١٧ ، الرقم ٦٣٧ ، مؤسسة قرطبة .

بعد فرمایا: جب تم انھیں دیکھو، تو ان کی بیعت کرو، اگر چہ تمھیں برف پر ہاتھوں کے بل گھسٹتے ہوئے جانا پڑے، کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہو گا۔

(۱۲) أَخْبَرَنِي أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ المَحْبُوبِيُّ بِمَرْوَ ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْعُودٍ ، ثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عُبَيْدٍ ، ثَنَا أَبُو الصِّدِّيقِ النَّاجِيُّ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

«يَخْرُجُ فِي آخِرِ أُمَّتِي المَهْدِيُّ ، يَسْقِيهِ اللهُ الْغَيْثَ ، وَتُخْرِجُ الْأَرْضُ نَبَاتَهَا ، وَيُعْطِي المَالَ صِحَاحًا ، وَتَكْثُرُ المَاشِيَةُ ، وَتَعْظُمُ الْأُمَّةُ ، يَعِيشُ سَبْعًا أَوْ ثَمَانِيًا» يَعْنِي حِجَجًا .(۱۲)

ترجمہ: میری اُمت کے اخیر میں مہدی کا ظہور ہو گا، اللہ انھیں بارش سے سیر اب کرے گا اور زمین اپنے نباتات (خزانے) نکال دے گی، اور وہ مال کو صحیح تقسیم کرے گا، مویشی بکثرت ہوں گے اور اُمت کو غلبہ حاصل ہو گا، (اور وہ اپنے ظہور کے بعد) سات یا آٹھ سال تک زندہ رہے گا۔

(۱۳) حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ ، ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَفَّانَ الْعَامِرِيُّ ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَنْقَزِيُّ ، ثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ ، أَخْبَرَنِي عَمَّارٌ الدُّهْنِيُّ ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ ، قَالَ:

كُنَّا عِنْدَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، فَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ المَهْدِيِّ ، فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: هَيْهَاتَ ، ثُمَّ عَقَدَ بِيَدِهِ سَبْعًا، فَقَالَ: ذَاكَ يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ: اللهَ اللهَ قُتِلَ ، فَيَجْمَعُ اللهُ تَعَالَى لَهُ قَوْمًا قُزُعًا كَقَزَعِ السَّحَابِ ، يُؤَلِّفُ اللهُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ، لَا يَسْتَوْحِشُونَ إِلَى أَحَدٍ ، وَلَا يَفْرَحُونَ بِأَحَدٍ ، يَدْخُلُ فِيهِمْ عَلَى عِدَّةِ أَصْحَابِ بَدْرٍ ، لَمْ يَسْبِقْهُمُ الْأَوَّلُونَ ، وَلَا يُدْرِكُهُمُ الْآخِرُونَ ، وَعَلَى عَدَدِ أَصْحَابِ طَالُوتَ الَّذِينَ جَاوَزُوا مَعَهُ النَّهَرَ . قَالَ أَبُو الطُّفَيْلِ: قَالَ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ: أَتُرِيدُهُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ ، قَالَ: إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ

۱۲۔ **المستدرك على الصحيحين** ، للإمام الحاكم ، ٤/ ٦٠١ ، الرقم ٨٦٧٣ ، دار الكتب العلمية .

هَذَيْنِ الْخَشَبَتَيْنِ (وفي نسخة: الجنبتين)، قُلْتُ: لَا جَرَمَ وَالله ، لَا أُرِيهِمَا (وفي نسخة : أَرْمِيهِمَا) حَتَّى أَمُوتَ ، فَمَاتَ بِهَا يَعْنِي مَكَّةَ حَرَسَهَا اللهُ .(١٣)

ترجمہ: ہم لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے اِن سے مہدی کے بارے میں دریافت کیاتو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہائے! پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مہدی کا ظہور ایسے آخری زمانے میں ہو گا کہ جب کوئی "اللہ اللہ " کہے گا تو قتل کر دیا جائے گا، بعد اَزاں اللہ تعالی ایک جماعت کو اُن کے پاس اکٹھا کر دے گا، جیسا کہ بادل کے متفرق ٹکڑے جمع ہوتے ہیں، اور اُن کے دلوں میں باہمی اُلفت پیدا کر دے گا، چنانچہ نہ کوئی کسی سے خوفزدہ ہو گا اور نہ ہی کسی سے خوش۔ (کیونکہ سب کی اُلفت یکساں ہو گی)، ان (مہدی) کے پاس جمع ہونے والوں کی تعداد اَصحاب بدر کی مثل ۳۱۳ ہو گی، اس جماعت کو ایسی فضیلت حاصل ہو گی، جو نہ ان سے پہلے والوں کو حاصل ہوئی اور نہ بعد والوں کو حاصل ہو گی، نیز اس جماعت کی تعداد اَصحاب طالوت کی تعداد کے بھی موافق ہو گی، جنھوں نے طالوت کے ہمراہ نہر کو عبور کیا تھا۔

ابو الطفیل کہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ نے پوچھا: کیا تم اس جماعت میں شریک ہونے کے خواہاں ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ انھوں نے فرمایا: وہ (کعبہ کے) انھیں دو سُتونوں کے مابین ظاہر ہوں گے۔ میں نے کہا: خدا کی قسم میں مرنے تک اس مقام کو نہیں چھوڑوں گا۔ پس انھوں نے مکہ مکرمہ میں ہی وفات پائی۔

(١٤) أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ الْعَنَزِيُّ ، ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ الدَّارِمِيُّ ، ثنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ ، أَنْبَأَ نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ ، حَدَّثَنِي عَيَّاشُ بْنُ عَبَّاسٍ، أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ يَزِيدَ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ الله بْنَ زُرَيْرٍ الْغَافِقِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ:

١٣- **المستدرك على الصحيحين** ، للإمام الحاكم ، ٤/ ٥٩٧ ، الرقم ٨٦٥٩ ، دار الكتب العلمية ، واللفظ له . وطبعة دار التأصيل ، ٨/ ٣٦٦ ، الرقم ٨٨٨٤ .

«سَتكُونُ فِتْنَةٌ يُحَصَّلُ النَّاسُ مِنْهَا ، كَمَا يُحَصَّلُ الذَّهَبُ فِي الْمَعْدِنِ ، فَلَا تَسُبُّوا أَهْلَ الشَّامِ ، وَسُبُّوا ظَلَمَتَهُمْ ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْأَبْدَالَ ، وَسَيُرْسِلُ اللهُ إِلَيْهِمْ سَيْبًا مِنَ السَّمَاءِ ، فَيُغْرِقُهُمْ ، حَتَّى لَوْ قَاتَلَتْهُمُ الثَّعَالِبُ غَلَبَتْهُمْ ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ عِنْدَ ذَلِكَ رَجُلًا مِنْ عِتْرَةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا إِنْ قَلُّوا ، وَخَمْسَةَ عَشَرَ أَلْفًا إِنْ كَثُرُوا ، أَمَارَتُهُمْ أَوْ عَلَامَتُهُمْ أَمِتْ أَمِتْ عَلَى ثَلَاثِ رَايَاتٍ ، يُقَاتِلُهُمْ أَهْلُ سَبْعِ رَايَاتٍ ، لَيْسَ مِنْ صَاحِبِ رَايَةٍ إِلَّا وَهُوَ يَطْمَعُ بِالْمُلْكِ ، فَيَقْتَتِلُونَ وَيُهْزَمُونَ ، ثُمَّ يَظْهَرُ الْهَاشِمِيُّ ، فَيَرُدُّ اللهُ إِلَى النَّاسِ إِلْفَتَهُمْ وَنِعْمَتَهُمْ (وزاد في نسخة : وَقَاصِيَهُمْ وَدَانِيَهُمْ)، فَيَكُونُونَ عَلَى ذَلِكَ ، حَتَّى يَخْرُجَ الدَّجَّالُ» . (۱۴)

ترجمہ: عنقریب فتنہ (واقع) ہو گا، اس میں لوگ ایسے نکلیں (شریک ہوں) گے ، جیسا کہ کان سے سونا نکلتا ہے۔ پس تم اہل شام کو گالیاں مت دو، البتہ ان کے ظالموں کو بُرا کہو۔ کیونکہ بیشک اُن میں ابدال ہوں گے، اور عنقریب وہاں کے لوگوں پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسے گی، جو انھیں غرق کر دے گی، حتیٰ کہ (بارشوں کی تباہی کے سبب ناتوانی کا یہ حال ہو جائے گا کہ) اگر ان سے لومڑیاں بھی لڑیں، تو غالب آ جائیں۔ پھر اللہ (تعالیٰ) اَولادِ رسول میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائے گا، جس کے ہمراہ کم اَز کم بارہ اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار کا لشکر ہو گا، اس لشکر کی نشانی تین جھنڈوں پر " أَمِتْ أَمِتْ " ہو گی، جبکہ ان کے مدمقابل سات جھنڈے والے ہوں گے، ان میں سے ہر ایک جھنڈے والا بادشاہی کی خواہش رکھتا ہو گا، پس وہ (سات جھنڈوں والے) لوگ لڑیں گے اور شکست کھائیں

۱۴- **المستدرك على الصحيحين**، للإمام الحاكم ، ٤/ ٥٩٦ ، الرقم ٨٦٥٨ ، دار الكتب العلمية ، واللفظ له . وطبعة دار التأصيل ، ٨/ ٣٦٥ ، الرقم ٨٨٨٣ .

گے، پھر (اللہ تعالیٰ عزوجل) ہاشمی (مہدی) کو ظاہر فرمائے گا (فتح دے گا)۔ پس اللہ (تعالیٰ عزوجل) لوگوں کو ان کی اُلفت ونعمت کی سائے میں رکھے گا اور وہ لوگ یوں ہی رہیں گے، یہاں تک کہ دَجال نکلے گا۔

(١٥) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا مُوسَى الْجُهَنِيُّ ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ قَيْسٍ الْمَاصِرُ ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ ، قَالَ: حَدَّثَنِي فُلَانٌ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

«أَنَّ الْمَهْدِيَّ لَا يَخْرُجُ حَتَّى تُقْتَلَ النَّفْسُ الزَّكِيَّةُ ؛ فَإِذَا قُتِلَتِ النَّفْسُ الزَّكِيَّةُ ، غَضِبَ عَلَيْهِمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ، فَأَتَى النَّاسَ الْمَهْدِيُّ ، فَزَفُّوهُ كَمَا تُزَفُّ الْعَرُوسُ إِلَى زَوْجِهَا لَيْلَةَ عُرْسِهَا ، وَهُوَ يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا وَتُخْرِجُ الْأَرْضُ نَبَاتَهَا وَتُمْطِرُ السَّمَاءُ مَطَرَهَا ، وَتَنْعَمُ أُمَّتِي فِي وِلَايَتِهِ نِعْمَةً لَمْ تَنْعَمْهَا قَطُّ» .(١٥)

ترجمہ: نفس زکیہ کے قتل ہونے تک مہدی کا ظہور نہیں ہو گا، پس جب وہ قتل کر دیے جائیں گے، تو زمین وآسمان والے ان کے قاتلوں پر غضب ناک ہوں گے، پھر لوگ مہدی کے پاس آئیں گے اور انھیں آراستہ کریں گے، جیسا کہ دلہن کو شوہر کے پاس لے جانے کے لیے آراستہ کیا جاتا ہے، اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے مملو کر دیں گے، زمین اپنی پیداوار نکال دے گی، آسمان سے خوب بارشیں ہوں گی، میری اُمت ان کی ولایت (حکمرانی) میں خوب نعمتیں پائے گی، جو اس سے قبل انھیں کبھی نہ ملی ہوں گی۔

١٥۔ **المصنّف** ، للإمام ابن أبي شيبة ، ٢١/ ٤٠٣ ، الرقم ٤٠٤٤٧ ، دار كنوز إشبيليا ، الرياض .

ساتواں باب

امام موسیٰ کاظم اور امام علی رِضا رضی اللہ عنہما سے مروی اَحادیث و آثار کا مجموعہ

إِعْجَازُ الْمُصْطَفَى فِي الأَحَادِيْثِ الْمَرْوِيَّةِ عَنِ الكَاظِمِ وَالرِّضَا

مقدمہ

اہل بیت کرام سے مروی اَحادیث کو جمع و محفوظ کرنے کا اہتمام اہلسنّت کی جانب سے تاریخ کے صدیوں پر محیط اَدوار میں چند مرتبہ ہی ہوا، اُن میں بھی زیادہ تر کام کی نوعیت کتب کے ضمن میں مسانید واَبواب کی صورت جمع روایات تھیں، جس میں کثیر الروایہ اَصحاب مثلاً امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جانب فوق کی اَحادیث مرتب ہوئیں، لیکن کسی منظم و مستقل کام کی نظیر ہمارے سامنے موجود نہیں، اسی سبب سے اُن حضرات کے تذکاروسیرت کے کچھ پہلو بھی عیاں نہ رہے اور صرف تقریری یا غیر ثابت شدہ مواد پر مبنی گفتگو نے ماحول میں بازگشت پیدا کرنے کا کام انجام دیا۔

کتاب ہذا چونکہ امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے بعد کی شخصیات پر مشتمل ہے اوران حضرات پر اہل سنت کے یہاں مواد منتشر و قلیل ہے، جس میں اَحادیث کا پہلو تو نہ ہونے کے برابر ہے اوراگر کچھ احادیث ذکر ہوئیں، تواُن کی اکثریت پر محدثین نے قیل و قال کی ہے، لہٰذا ایسے میں مرویاتِ اہل بیت کو جائے مقال سے نکال کر مرتب کرنا سہل اَمر نہ تھا۔ اسی لیے امام رِضا رضی اللہ عنہ سے متعلق کتاب کی طبعِ اوّل میں عجلت و تساہل کے سبب دو تین احادیث ہی شامل کی جاسکیں، لیکن اس کے بعد امام موسی کاظم کی طبع اوّل میں توفیق ایزدی سے ۷۰ اَحادیث وآثار میسّر آئے، جنھیں حتی الامکان تخریج وسند کے ساتھ محفوظ کر دیا گیا، پھر عنایتِ ربانی نے کرم نوازی کی اور ہمارے اعراضِ تحریر کے باوجود توفیق خداوندی نے رغبت دلائی اور ہمیں دوبارہ اہل بیت پر مواد کو اَز سر نو مرتب و منقح کرنے کی سعادت ملی، تو اس بار جہاں امام رِضا رضی اللہ عنہ کے بعد والے ائمہ کے تذکار بھی مرتب ہوئے، وہیں خیال آیا کہ باب الاحادیث کی مزید تحقیق وتنقیح بھی کی جائے، چنانچہ محض فضل الٰہی سے اس جانب متوجہ ہوا اور تمام سابق درج شدہ اَحادیث پر نظر ثانی کی گئی، ان کے مصادر کو دوبارہ پرکھا گیا اور دیگر مآخذ سے تائیدات وشواہد کی روشنی میں مختصر بحث شامل کی، جس میں کوشش یہ رہی کہ حدیث کے متابع وشواہد ذکر کیے جائیں، تاکہ قوت واستناد میں کچھ مضبوطی پیدا ہو، نیز اس سلسلے میں اکابر محدثین وائمہ اور معاصر محققین کی تنقیدات کو بھی پیش نظر رکھا گیا، جس میں رُواۃ کی جرح کو حل کرنے کے لیے اَدِلہ ونظائر بروئے کار لائے گئے، تو یوں بحمد اللہ خاطر خواہ ذخیرہ پہلے سے زیادہ منقح ہو کر اُجاگر ہوا۔

عرب محققین میں سے بالخصوص محدث شیخ ناصر الدین البانی، متوفی ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء کی تنقیدات کو پیش نظر رکھتے ہوئے توضیح وجواب کی سعی کی گئی ہے، کیونکہ انہی کی تحقیقات کو دیارِ عرب کے حواشی میں بالعموم نقل کیا جاتا ہے،

لہٰذا امدارِ حکم انہی کے مصادر و مآخذ تھے، جس میں حتی الامکان تسامحات کی نشاندہی کرتے ہوئے اَحادیث پر وارد اعتراضات وتنقیدات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ بہر کیف اس طرح ۷۰ میں سے چند اَحادیث حذف کر دی گئیں، کہ اگر چہ ان کے ناقلین ثقہ ائمہ تھے، لیکن ہمیں دیگر مصادر سے ان کے ایراد کردہ متون واسانید کی تائید حاصل نہ ہو سکی، اس لیے شرح صدر نہ ہونے کی وجہ سے انھیں حذف کرنا ہی مناسب جانا گیا۔

اسانید کی تحکیم ایک طویل ودِقت طلب اَمر ہے اور سوانح کی اس کتاب میں اس پر خامہ فرسائی کرنا زیادہ معقول بھی نہیں تھا، اسی لیے بحث کے دوران صرف سند حدیث میں ائمہ اہل سے متصل ہونے والی راوی پر کلام پیش کیا گیا ہے، پوری سند کی تحکیم نہیں کی گئی، اور ویسے بھی جائے مقال یہی مقام ورُواۃ تھے۔

جرح وتعدیل کے لیے اکابر ائمہ سے استشہاد کیا گیا ہے، البتہ کئی مقامات پر معروضات بھی پیش ہیں، کیونکہ پانچ چھ سو سال بعد آنے والے ائمہ کے ایسے بیانات؛ جن کا ماخذ مذکور نہیں، انھیں سابق القرون ائمہ کی نقلِ روایت اور عدمِ جرح پر فوقیت نہیں دی گئی، مثلاً کسی حدیث کو امام حاکم و بیہقی نے اپنی کتب میں بغیر جرح کے وارد کیا، لیکن بعد کے ائمہ مثلاً حافظ ذہبی وغیرہ نے اس پر جرح کی، تو اگر ان کی جرح مفسر تھی، تو اس پر کلام کیا گیا ہے، لیکن اگر جرح مفسر ومفسد نہ تھی، اور سابق ائمہ کی مثل روایت کو دیگر محدثین نے بھی اپنی کتب میں بغیر نقد کے ہی بیان کیا تھا، تو ایسے میں اُن کی جانب میلان برتا گیا، اسی طرح کچھ رُواۃ کے بارے میں ائمہ نے سابق محدثین سے منقول جرح تو بیان کی، لیکن بعد تحقیق عیاں ہوا کہ ان کی جرح کے بیانات باہم متصادم ہیں، یا پھر انھوں نے راوی پر جرح کے باوجود اُس سے بغیر نقد وسبب وضع بیان کیے روایت لی، تو ایسے میں خود ان کا اصول جرح مختلف فیہ ہو گیا، لہٰذا دیگر قرائن وشواہد کی روشنی میں ترجیحات کو نقل کیا گیا۔

اپنی امکان بھر استعداد و کوشش کے بعد ایسی کسی حدیث کو شامل نہیں کیا گیا، جس کے موضوع ہونے پر جمہور ائمہ ومحدثین کا اتفاق ہو اور اس کے بارے میں کوئی مستند اور واضح تائید موجود نہ ہو، البتہ صرف بعض کے موضوع کہنے کی جانب توجہ نہیں دی گئی، جبکہ دیگر مصادر سے اُس کی تائید وتوثیق کے دلائل میسّر آ گئے ہوں، کیونکہ سب کا موضوع کہنے پر اتفاق کرنا اور بات ہے اور بعض کا موضوع کہنا اور بات ہے، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، اس کی واضح مثال امام ابن جوزی کی "الموضوعات" وغیرہ ہیں، کہ انھوں نے اپنی تحقیق کے بعد کئی احادیث کو موضوع کہا، لیکن بعد کے ائمہ مثلاً حافظ ذہبی، عسقلانی اور سیوطی وغیرہ نے اس پر تعقب کرتے ہوئے کئی احادیث کے شواہد پیش کر کے ان کی صحت

بیان کی، لہٰذا صرف بعض کا موضوع کہنا مُضر نہیں، اسی لیے ہم نے نظریۂ اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے، جس کی تفصیلات متعلقہ احادیث کی ضمن میں بیان ہوئیں، لیکن یہ بات واضح رہے کہ ان میں سے بیشتر احادیث ضعیف ہی ہیں، صحیح اور حسن کے مرتبہ پر فائز نہیں، لہٰذا جو حدیث جس مقام کی حامل ہے، قارئین بھی اسی طرح استناد کریں، کیونکہ افراط و تفریط کسی صورت محمود نہیں۔ الغرض ایسے کئی اُمور ہیں، جن کا ذکر احادیث کے ضمن میں مذکور ہے، چنانچہ اس دِقت آمیز کام کے بعد باب الاَحادیث پہلے سے زیادہ منقح ہو گیا۔ ولله الحمد والمنة.

جُزء مسند موسی بن جعفر

امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث پر شیخ ابو بکر محمد بن عبد اللہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۳۵۴ھ نے کام کیا، جس میں ایک ہی سند سے تقریباً ساٹھ (۶۰) اَحادیث و آثار یکجا کیے گئے ہیں، اس جزء کو بہت سے ائمہ نے سماع و روایت کیا ہے، جن میں امام ابن حجر عسقلانی بھی ہیں، ان کی سند شیخ ابو بکر شافعی سے ہو کر موسی بن ابراہیم مروزی اور پھر امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، نیز شیخ ابو حفص سراج الدین عمر بن علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۷۵۰ھ کی "مشيخة القزويني" میں اسی جزء مسند کی تین متصل اسانید منقول ہیں، جن میں سماع کی صراحت کے ساتھ اسے امام کاظم رضی اللہ عنہ تک بیان کیا گیا، ان میں سے امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کی بطریق ابو بکر شافعی جزء مسند کے سماع کی سند یوں مذکور ہے:

أرويه أعلى منه عدداً ، عن الشيخ العالم مسند الدنيا ، فخر الدين أبي الحسن علي بن أحمد بن عبد الواحد المقدسي ، إجازةً عامةً إن لم تكن خاصةً ، بإجازته الخاصة من أبي المكارم أحمد بن محمد بن محمد بن عبد الله بن اللبان الأصبهاني ، بروايته كذلك إن لم تكن سماعاً عن مسند وقته ، أبي علي الحسن بن أحمد بن الحسن الحداد ، بروايته كذلك عن **الحافظ أبي نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق الأصبهاني** ، بروايته عن **أبي بكر محمد بن عبد الله بن إبراهيم الشافعي البزاز** إجازةً، حدثنا محمد بن خلفٍ ، حدثنا

موسى بن إبراهيم ، **حدثنا موسى بن جعفر** ، عن أبيه ، عن جده ، عن
رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ورضي الله عنهم أجمعين .[1]

تو اس جزء مسند کی جتنی بھی معلوم اسناد ہیں ان سب کا طریق امام ابو بکر شافعی سے محمد بن خلف، پھر ان سے شیخ موسیٰ بن ابراہیم مروزی اور ان سے امام کاظم رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتا ہے۔ امام کاظم رضی اللہ عنہ سے اُوپر کی شخصیات معروف ہیں، لہٰذا ہم ان کے احوال درج کرنے کے بجائے امام کاظم رضی اللہ عنہ کے بعد سے تین راویوں کے مختصر اَحوال ترتیب وار درج کر رہے ہیں۔

جُزء مسند موسیٰ بن جعفر کے راوی

(۱) **ابو عمران موسى بن إبراهيم المروَزي ، البغدادي**

موصوف اکابر محدثین مثلاً عبد اللہ بن لہیعہ، ابراہیم بن سعد، اسماعیل بن جعفر، موسیٰ بن جعفر، ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر حضرات سے روایت کرتے ہیں، جبکہ آپ سے روایت کرنے والوں میں محمد بن خلف بن عبد السلام اور محمد بن ادریس شعرانی وغیرہ شامل ہیں، آپ پر امام دار قطنی اور یحیٰ بن معین نے جرح بھی کی ہے۔[2]

یہ امام کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے متعلق آئندہ ذکر ہونے والی روایت "أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَتَكَلَّمُ فِي الله بِشَيْءٍ لَا يَنْبَغِي ، فَأَمَرَ بِضَرْبِ عُنُقِهِ..إلخ." میں تفصیلی کلام زیب قرطاس ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں ۔

(۲) **أبو عبد الله محمد بن خلف بن عبدالسلام ، الأعور المروزی**

یہ ممتاز محدثین مثلاً یحیٰ بن ہاشم سمسار، عاصم بن علی، علی بن جعد، موسیٰ بن ابراہیم مروزی اور ابو بلال اشعری سے روایت کرتے ہیں، نیز ان سے روایت کرنے والوں میں ابو عمرو ابن سماک، محمد بن عباس بن نجیح، عبد الصمد بن علی طستی، ابو بکر شافعی اور دیگر شامل ہیں۔ خطیب بغدادی نے "وكان صدوقاً" جبکہ دار قطنی نے "لا بأس به" کہا ہے۔ شیخ عبد الباقی بن قانع کہتے ہیں: محمد بن خلف بن عبد السلام نے ۲۸۱ھ

۱۔ **مشيخة القزويني** ، للشيخ عمر بن علي القزويني ، ١/ ٢٣٣ ، الرقم ٧٣، دار البشائر الاسلامية ، الطبعة الاولى ٢٠٠٥ء .

۲۔ **تاريخ بغداد** ، ١٥/ ٢٨ ، رقم الترجمة ٦٩٤٧. **ميزان الاعتدال** ، للذهبي ، ٤/ ١٩٩ . ملخصاً .

میں وصال کیا۔[۳]

(۳) أبوبكر محمد بن عبد الله بن ابراهيم بن عَبْدُوَيْه الشافعي البغدادي

آپ امام، محدث، فقیہ وحجۃ اور مسند عراق تھے، ان کی "کتاب الفوائد المعروف الغِيلانيَّات[۴]"مشہور ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش مقام جبل میں ۲۶۰ھ میں ہوئی، آپ نے سماع حدیث صرف چھ سال کی عمر میں سن ۲۶۶ھ میں شروع کر دیا۔ آپ کے مشائخ میں محمد بن شداد مسمعی، ابن ابی العوام، ابو قلابہ رقاشی اورامام ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر محدثین شامل ہیں۔ امام مزی رحمۃ اللہ علیہ نے غیلانیات میں مذکور آپ کے شیوخ کا تذکرہ تالیف کیا ہے۔ آپ نے طویل عمر پائی اور جلالت علمی، علو اسناد، اور بہت سے حضرات سے روایت کے تفرد نے طالبان حدیث کو آپ کی جانب متوجہ کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والوں میں امام دار قطنی، ابو حفص شاہین، ابوعبد اللہ ابن مندہ، ابو بکر بن مردویہ اوراسحاق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ شامل ہیں۔

امام ذہبی نے بحوالہ خطیب بغدادی "سير أعلام النبلاء" میں "كان ثقة ، ثبتاً ، حسن التصنيف ، جمع أبواباً وشيوخاً" اور بحوالہ دار قطنی "قال حمزة السهمي: سئل الدارقطني عن أبي بكر الشافعي فقال : ثقة جبل ، ما كان في ذلك الوقت أحد أوثق منه" ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ذوالحجہ ۳۵۴ھ میں وصال فرمایا۔[۵]

جُزء مسند موسی بن جعفر کی دستیابی و تبییض

امام ابو بکر شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ جزء کا مخطوطہ "دار الکتب الظاہریہ دمشق" سے حاصل ہو گیا، جس کی تبییض بھی کر لی گئی، اورارادہ تھا کہ اسے بھی ترجمہ و تخریج کے ساتھ کتاب ہذا میں شامل کر دیا جائے، لیکن اسی دوران سعودی عرب کے علمی مراکز میں مزید تین نسخوں کی تفصیلات دیکھنے میں آئیں، جس کے بعد اس کام کو اُن نسخوں کے حصول اور تقابل کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا ہے، کیونکہ دار الکتب الظاہریہ کا مخطوط بعض مقامات سے محو اور بعض پر قابل مطالعہ نہ تھا

۳۔ تاريخ بغداد ، ۳/ ۱۲٤ ، رقم الترجمة ۷٤٥ ، ملخصاً.

۴۔ یہ کتاب حلیمی کامل اسعد عبد الہادی کی تحقیق کے ساتھ بارہ سو صفحات پر دار ابن الجوزی، سعودی عرب سے شائع ہو چکی ہے۔

۵۔ سير أعلام النبلاء ، للذهبي ، ١٦/ ٣٩ ، الرقم ٢٧ . ملخصاً.

لہٰذا اندازے سے کلمات کو پڑھ کر لکھنے کے بجائے بقیہ نسخہ جات کی روشنی میں مرتب کیا جانا زیادہ سود مند گمان ہوا، تو اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے فی الحال جزء مسند کو کتاب ہذا میں شامل نہیں کیا جارہا۔

مؤلف کا مرتب کردہ مجموعہ

امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کی احادیث پر اب تک صرف ایک ہی کام ہوا اور وہ امام ابو بکر شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۵۴ھ کا ہے، چنانچہ اس کام کے قریباً ایک ہزار چوراسی ۱۰۸۴ برس بعد ہمیں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ امام کاظم ورِضا سے مروی اَحادیث جو محدثین کی کتب میں بکھری ہوئی تھیں، انھیں یکجا کریں، تو اللہ تعالی عزوجل کے فضل و کرم سے ہم نے تلاش وجستجو کے بعد اس مختصر مجموعے کو مرتب کیا، جس میں ہر حدیث کو مع سند و متن اور حوالہ جات کے درج کیا ہے، تاکہ اہل علم بھی اس سے مستفید ہو سکیں، اور یہاں یہ بات واضح رہے کہ ہماری جمع کردہ مرویات اس جزء مسند کی روایات کے علاوہ ہیں جسے امام ابو بکر شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا تھا، البتہ مندرجہ ذیل دو اَحادیث اور دو اَثر یکساں ہیں:

- ❖ مَنْ أُذِنَ لَهُ بِالدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ .
- ❖ الإِيْمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ، وَإِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ، وَعَمَلٌ بِالأَرْكَانِ .
- ❖ قال علي: إِنَّهُ سَيَأْتِي قَوْمٌ يُجَادِلُوْنَكُمْ بِالْقُرْآنِ فَخُذُوْهُمْ بِالسُّنَنِ ، فإِنَّ أَصْحَابَ السُّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ الله .
- ❖ أُتِي علي عليه السلام بِرَجُلٍ قَدْ سَبَّ الله ، فَقَالَ عَلِيٌّ: فَاقْتُلُوْهُ وَمَنْ سَبَّ أَنْبِيَاءَ الله فَاضْرِبُوْهُ .

ہم نے اپنے مجموعے میں اوّلاً سند اور پھر متن حدیث کو مع اعراب وترجمہ درج کیا ہے اور بعد اَزاں حواشی میں مفصل تخریج کر دی ہے اور سند میں جس مقام پر امام کاظم ورِضا کا ذکر تھا، اُسے امتیاز دینے کے لیے خط کشیدہ کر دیا ہے۔ بسا اَوقات امام کاظم رضی اللہ عنہ کے طریق سے ہی ایک روایت کئی کتب میں مذکور ہوئی، تو ہم نے تمام کی اسانید کو ذکر کرنے کے بجائے صرف ایک کی سند کو ذکر کیا ہے، جس کے مصدر وماخذ کی وضاحت تخریج میں "واللفظ له" کی گئی ہے۔

اس مجموعے میں ہماری کوشش رہی کہ آپ رضی اللہ عنہ کی کسی ایسی روایت کو درج نہ کیا جائے جس کے موضوع ہونے پر ائمہ کرام کا اتفاق ہوا، اسی لیے ہم نے بہت سی روایات کو عمداً چھوڑ دیا، کہ اُن پر امام بیہقی، امام عسقلانی اور امام سیوطی جیسے اَساطین نے بالاتفاق موضوع ہونے کا حکم لگایا تھا، لیکن وہ روایات جنھیں اکابر محدثین نے تو نقل کیا اور موضوع کا حکم بیان نہیں کیا، البتہ معاصر عرب محققین نے انھیں موضوع قرار دیا ہے تو اُن محققین کے بجائے ہم نے محدثین کی نقل

اور عدم جرح کو ترجیح دی ہے، لہٰذا ایسی چند روایات کو لے لیا، کیونکہ معاصر محققین میں ایک روش عام ہے کہ ایک مرتبہ جو پیٹرن سیٹ کر لیا، بس بلا تحقیق ہر مقام پر اسی کو استعمال کرتے چلے جاتے ہیں۔

اس کی ایک واضح مثال شیخ ناصر الدین البانی ہیں، جن کے یہاں اَحادیث کو موضوع قرار دینے کی شاہراہ کافی عام ہے اور یہ اپنے مقررہ فارمیٹ کے مطابق جہاں کسی راوی کو دیکھتے ہیں، وہیں حکم وَضع لگادیتے ہیں، حالانکہ یہ اُصول نہ تو علمائے حدیث کے یہاں معتبر اور نہ ہی دیانت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ چنانچہ ایسے میں راوی کے نام کو دیکھ کر بس ایک ہی حکم داغتے جانا کسی طرح بھی قابل تعریف نہیں، لیکن افسوس! ہمیں شیخ البانی کے یہاں یہ اُسلوب کئی مقامات پر دکھائی دیا اور پھر ان کی روش نے کئی معاصرین کی راہیں بھی ہموار کردیں اور وہ اسی ڈگر پر چلتے نظر آئے۔

محدث البانی کے اس اُسلوب پر ان کے معاصر اہل علم نے علمی گرفت بھی کی، چنانچہ شیخ حسن بن علی السقاف کی "تناقضات الألباني الواضحات" تین جلدوں میں، اسی طرح شیخ عبد اللہ غماری مغربی کی "جزء فيه الرَّد على الألباني" اور سقاف ہی "قاموس شتائم الألباني" وغیرہ میں اس پر سیر حاصل بحث اور اَمثلہ موجود ہیں کہ شیخ البانی کس طرح اپنے مقصد پر پورا نہ اُترنے والی اَحادیث کو موضوع وضعیف قرار دیتے اور ائمہ متقدمین پر طعن کرتے ہیں۔ شیخ البانی کے تضادات کی ایک مثال قاموس مذکور میں ہے کہ انھوں نے اپنی "صحيح الترمذي" میں حدیث "السلام قبل الكلام" کی تصحیح کی، لیکن پھر خود ہی "ضعيف الجامع" میں اس پر موضوع ہونے کا حکم بھی لگادیا، نیز ہمارے مجموعے میں بھی ایسی کچھ مثالیں موجود ہیں، جن کی نشاندہی کردی گئی ہے۔ اسی لیے ہم نے بغیر نقد وجرح کے محدثین کے ایراد کو دیگر شواہد کی موجودگی میں قوی تر گردانتے ہوئے تمسک کیا ہے اور بعد والوں نے اگر جرح مفسر ومفسد کی تھی، تو اس کی روشنی میں روایت کو معروضی انداز میں پرکھنے کی کوشش کی ہے اور بر تقدیر ثبوت ایسی چند روایات کو اس بار کی تنقیح کے دوران خارج بھی کردیا ہے، لیکن اگر صرف جرح مطلق اور غیر مفسر تھی، نیز اس کے مقابل دیگر شواہد سے روایت کا ثبوت معلوم ہو رہا تھا، تو ایسی صورت میں اثبات کو ترجیح دی ہے، جس کی تفصیل روایت کے ضمن میں درج ہے۔

ضعیف + ضعیف = ضعیف اور متساہل + متساہل = کی توثیق متساہل ہی ہوتی ہے، لیکن یہاں روایات کے شواہد میں اگر ضعیف سے تمسک کیا گیا، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس کے ذریعے صحت پر استشہاد کر رہے ہیں، بلکہ مراد یہ ہے

کہ متابع وشواہد کے تتبع اور تکثیر سے اس کی اصل پر دلیل کے متقاضی وخواہاں ہیں، کہ حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل موجود ہے، یہ موضوع ومن گھڑت نہیں، باقی رہاضعف تو ہم نے بصراحت اسے کئی مقامات پر تسلیم کیا ہے، جو ہمارے مدعا کو مُضر بھی نہیں، لہٰذا قارئین بھی ان اُمور کو دوران مطالعہ پیش نظر رکھیں۔

باب الاحادیث میں چونکہ علمی ابحاث اور اُصولی اصطلاحات کا ایراد ناگزیر تھا، اسی لیے ایسی عبارت عام قارئین کے لیے مفید نہیں، بایں سبب انھیں بلاترجمہ درج کیا گیا ہے، کیونکہ ان کا ترجمہ عوام کے لیے عبث ہے اور اہل علم کو اس کی حاجت نہیں، پس قارئین صرف اَحادیث کے تراجم یا اس کے بعد مختصر وضاحت کے مطالعہ سے مستفید ہوں، اور بقیہ اُمور میں پیشگی معذرت قبول فرمائیں۔ فنقول وبالله التوفيق وبه نستعين .

(۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ ، حَدَّثَنِي نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْأَزْدِيُّ ، أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، حَدَّثَنِي أَخِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ :

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ فَقَالَ: مَنْ أَحَبَّنِيْ وَأَحَبَّ هَذَيْنِ وَأَبَاهُمَا وَأُمَّهُمَا كَانَ مَعِي فِي دَرَجَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . [۲]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے (سیّدنا) حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کا ہاتھ تھام کر ارشاد فرمایا: جس نے مجھ سے محبت کی، اور اِن دونوں سے محبت کی، اور اِن دونوں کے ماں باپ (سیّدنا علی مرتضیٰ اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ (جنت میں) میرے درجے میں (سکونت پذیر) ہوگا۔

محدثین نے امام ترمذی کے اس حدیث کو حسن کہنے اور نہ کہنے پر کلام کیاہے۔ بعض مطبوعہ نسخوں میں صرف "غریب" کے الفاظ ہیں، جبکہ دیگر نسخوں میں امام ترمذی ہی کی جانب سے "حديث حسن غريب" کی صراحت بھی موجود ہے۔ محقق "سنن ترمذی" شیخ بشار عواد کے علاوہ بیشتر نے "حسن" کی صراحت کی ہے، لیکن انھوں نے "حديث حسن غريب" کے الفاظ پر اصرار کیااور یہ غالباً امام ذہبی کے کلام کی بنیاد پر ہے۔

امام ضیاء الدین مقدسی، متوفی ۶۴۳ھ نے "الأحاديث المختارة" میں حدیث بالا کو انہی کلمات کے ساتھ اپنی سند متصل سے بیان کرتے ہوئے چھ متابع وشواہد پیش کیے ہیں، اور کتاب کے عرب محقق پروفیسر ڈاکٹر عبد الملک دھیش

۲۔ **سنن الترمذي** ، للإمام الترمذي ، كتاب المناقب ٤٦ ، باب ٢١ ، الرقم٣٧٣٣ ، الصفحة ٨٤٦ ، واللفظ له ، مكتبة المعارف الرياض ، الطبعة الاولى . **فضائل الصحابة** ، للإمام أحمد بن حنبل ، الرقم ١١٨٥ ، الصفحة ٦٩٤، طبعة مركز البحث العلمي جامعة أم القرى بمكة المكرمة ، الطبعة الاولى . **مسند أحمد** ، ٢/ ١٧، الرقم ٥٧٦ ، موسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الاولى . **كتاب الشريعة** ، للإمام أبي بكر الآجري ، باب ١٩٢، الرقم ١٦٣٨، الصفحة ٢١٥١ ، دار الوطن الرياض ، الطبعة الاولى . **المعجم الصغير** ، للطبراني ، الرقم ٩٦٠ ، ٢/ ١٦٣ ، المكتب الإسلامي بيروت ، الطبعة الاولى . **المعجم الكبير** ، للطبراني ، ٣/ ٤٣، الرقم ٢٦٥٤ ، مكتبة ابن تيمة بالقاهرة ، الطبعة الثانية . **المتحابين في الله** ، للإمام ابن قدامة المقدسي ، الرقم ٧٣ ، الصفحة ٧٤، مكتبة القرآن . **تهذيب الكمال** ، للمزي ، ٦/ ٢٢٨ ، و٢٠/ ٣٥٤ ، طبعة مؤسسة الرسالة .

نے ان تمام کی اِسناد کو "إسناده حسن" قرار دیا ہے[7]۔ یوں ہی حافظ مزی نے "تهذيب الكمال" میں اپنی دو عالی سندوں کے ساتھ درج کرتے ہوئے انہی کلمات حدیث کو بیان کیا ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "سير أعلام النبلاء، (١٢/ ١٣٥)" میں اس حدیث پر کلام کیا، جس کا خلاصہ ہے:

> اس حدیث کے تمام روای ثقہ ہیں سوائے علی بن جعفر کے اور اُن کی جرح و تعدیل کا حال معلوم نہیں۔ انھوں نے جن الفاظ سے حدیث روایت کی اُن میں اختلاف ہے۔ شاید راوی نے الفاظ حدیث کو صحیح طور پر محفوظ نہ رکھا، اس لیے "معي في درجتي" کے الفاظ روایت کر دیے، حالانکہ کلمات "معي في الجنة" ہوں گے، جیسا کہ حدیث "المرء مع من أحبّ" بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ نیز کسی اُمتی کو صرف محبت رسول اور محبت حسنین کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عظیم درجے میں سکونت مل جانا قابل غور اَمر ہے۔۔ الخ۔ نیز انھوں نے سند مذکور سے روایت بالا کو "هذا حديثٌ منكرٌ جداً" شمار کیا ہے۔

شیخ ذہبی نے مزید لکھا:

> جب اس حدیث کو شیخ نصر بن علی نے بیان کیا، تو خلیفہ متوکل نے انھیں ایک ہزار کوڑے لگانے کا حکم صادر کیا، چنانچہ انھیں کوڑے لگائے جا رہے تھے کہ اسی اثنا میں جعفر بن عبد الواحد نے خلیفہ سے کہا: یہ شخص سنی ہے۔ تب انھیں چھوڑا گیا۔ خطیب بغدادی کے مطابق خلیفہ نے انھیں رافضی ہونے کی وجہ سے کوڑے لگوائے تھے۔ انتہیٰ۔

٧۔ الأحاديث المختارة، للمقدسي، ٢/ ٤٥-٤٣، الرقم٤٢١-٤١٦.

ذہبی کے نزدیک "علی بن جعفر" کے علاوہ سند بالا کے تمام راوی "ثقہ" ہیں، جبکہ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ،(۷/ ۱۲۲ ، الرقم۳۱۲۲)" میں "علی بن جعفر" کو مجہول الحال قرار دیتے ہوئے حدیث کو "منکرٌ" کہا ہے۔

لیکن شیخ علی بن جعفر صادق المعروف عُریضی، متوفی ۲۱۰ھ اہل بیت کے معروف راوی ہیں، ان کا مختصر تذکرہ اور کتبِ اَحادیث میں منقول مرویات بابِ رِضا رضی اللہ عنہ میں مذکور ہیں۔ امام عسقلانی نے انھیں "تقريب التهذيب، (الصفحة ٦٩١،الرقم٤٧٣٣)" میں "مقبول ؛ من كبار العاشرة" شمار کیا۔ البتہ ان کے والد گرامی جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سماع پر کلام ہے، اسی لیے شیخ عراقی نے "تحفة التحصيل في ذكر راوة المراسيل،(الصفحة۲۳۳)" میں درج کیا ہے، نیز یہی احتمال عسقلانی نے بھی " تهذيب التهذيب،(۷/ ۲۹۳)" میں بایں کلمات "روى عن : أبيه ، إن كان سمع منه" ذکر کیا ہے۔ لیکن حدیثِ ترمذی کی سند میں وہ اپنے بھائی امام کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں، جن سے سماع پر کلام نہیں۔ صرف مجہول الحال اور توثیق نہ ہونے کا معاملہ تھا، جس پر عسقلانی، مقدسی اور دیگر ائمہ کی تائیدات موجود ہیں، چنانچہ مجہول الحال اور توثیق نہ ہونے کا حکم بھی مرتفع ہو گیا۔ فافہم

(٢) أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ ، لَفْظًا وَقِرَاءَةً عَلَيْهِ وَقَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ الْحَسَنِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ الْعَقِيقِيُّ صَاحِبُ كِتَابِ النَّسَبِ بِبَغْدَادَ قَالَ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، أَبُو مُحَمَّدٍ بِالْمَدِينَةِ ، سَنَةَ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ وَمِائَتَيْنِ ، قَالَ : حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَخِيهِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، قَالَ : قَالَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ :

سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ التَّمِيمِيَّ ، وَكَانَ وَصَّافًا ، عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا أَتَعَلَّقُ بِهِ ، فَقَالَ : كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا ، يَتَلَأْلأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ، أَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوعِ ، وَأَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ ، عَظِيْمَ الْهَامَةِ ، رَجْلَ الشَّعْرِ ، إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيقَتُهُ فَرَقَ- وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ : إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيصَتُهُ فَرَقَ- وَإِلَّا فَلَا يُجَاوِزُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنِهِ إِذَا هُوَ وَفَّرَهُ ، أَزْهَرَ اللَّوْنِ ، وَاسِعَ الْجَبِينِ ، أَزَجَّ الْحَوَاجِبِ ، سَوَابِغَ فِي غَيْرِ قَرَنٍ ، بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ ، أَقْنَى الْعِرْنِينِ ، لَهُ نُورٌ يَعْلُوهُ ، يَحْسَبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ . كَثَّ اللِّحْيَةِ ، سَهْلَ الْخَدَّيْنِ – وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ : الْمَسْرُبَةِ- كَأَنَّ عُنُقَهُ جِيدُ دُمْيَةٍ ، فِي صَفَاءِ الْفِضَّةِ ، مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ ، بَادِنًا مُتَمَاسِكًا ، سَوِيَّ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ ، عَرِيضَ الصَّدْرِ ، – وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ: فَسِيْحَ الصَّدْرِ – بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ ، ضَخْمَ الْكَرَادِيْسِ ، أَنْوَرَ الْمُتَجَرَّدِ ، مَوْصُولَ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِي كَالْخَطِّ . عَارِيَ الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ ، مِمَّا سِوَى ذَلِكَ . أَشْعَرَ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَأَعَالِيَ الصَّدْرِ ، طَوِيلَ الزَّنْدَيْنِ ، رَحْبَ الرَّاحَةِ – وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ: رَحْبَ الْجَبْهَةِ – سَبْطَ الْقَصَبِ ، شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ – لَمْ يَذْكُرِ الْعَلَوِيُّ – الْقَدَمَيْنِ ، سَائِلَ الْأَطْرَافِ ، خَمْصَانَ الْأَخْمَصَيْنِ ، مَسِيحَ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُو عَنْهُمَا الْمَاءُ ، إِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا ، يَخْطُو تَكَفِّيًا وَيَمْشِي هَوْنًا ، ذَرِيعَ الْمِشْيَةِ إِذَا مَشَى ، كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ ، وَإِذَا

الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمْعًا – وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ: جَمِيعًا – خَافِضَ الطَّرْفِ ، نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَطْوَلُ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ . جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ ، يَسُوقُ أَصْحَابَهُ يَبْدُرُ – وَفِي رَاوِيَةِ الْعَلَوِيِّ: يَبْدَأُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ –.

قُلْتُ : صِفْ لِي مِنْطَقَهُ ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، مُتَوَاصِلَ الْأَحْزَانِ ، دَائِمَ الْفِكْرَةِ – وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ : الْفِكْرِ – لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ ، لَا يَتَكَلَّمُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ ، طَوِيلَ السَّكْتَةِ – وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ : السُّكُوتِ – يَفْتَتِحُ الْكَلَامَ وَيَخْتِمُهُ بِأَشْدَاقِهِ ، وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ – وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ : الْكَلَامِ – فَصْلٌ : لَا فُضُولَ وَلَا تَقْصِيرَ. دَمِثٌ : لَيْسَ بِالْجَافِي وَلَا الْمُهِينِ . يُعَظِّمُ النِّعْمَةَ وَإِنْ دَقَّتْ ، لَا يَذُمُّ مِنْهَا شَيْئًا . لَا يَذُمُّ ذَوَاقًا وَلَا يَمْدَحُهُ – وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ : لَمْ يَكُنْ ذَوَّاقًا وَلَا مُدَحَةً ، لَا يَقُومُ لِغَضَبِهِ إِذَا تَعَرَّضَ الحَقَّ شَيْءٌ حَتَّى يَنْتَصِرَ لَهُ – وَفِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرَى: لَا تُغْضِبُهُ الدُّنْيَا وَمَا كَانَ لَهَا، فَإِذَا تُعُوطِيَ الْحَقَّ لَمْ يَعْرِفْهُ أَحَدٌ ، وَلَمْ يَقُمْ لِغَضَبِهِ شَيْءٌ حَتَّى يَنْتَصِرَ لَهُ ، لَا يَغْضَبُ لِنَفْسِهِ وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا . إِذَا أَشَارَ أَشَارَ بِكَفِّهِ كُلِّهَا ، وَإِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا ، وَإِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا ، يَضْرِبُ بِرَاحَتِهِ الْيُمْنَى بَطْنَ إِبْهَامِهِ الْيُسْرَى– وَفِي رِوَايَةِ الْعَلَوِيِّ ، فَيَضْرِبُ بِإِبْهَامِهِ الْيُمْنَى بَاطِنَ رَاحَتِهِ الْيُسْرَى– وَإِذَا غَضِبَ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ، وَإِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهُ ،جُلُّ ضَحِكِهِ التَّبَسُّمُ ، وَيَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ .(٨)

٨ـ **دلائل النبوة** ، للبيهقي ، ١/ ٢٨٦–٢٨٨ ، دار الكتب العلمية ، واللفظ له . **السنن الكبرى** ، للبيهقي ، ١٣/ ٤٧٦ ، الرقم ١٣٤١٣ ، طبعة مركز هجر للبحوث مصر . **الطبقات الكبرى** ، للإمام ابن سعد ، ذكر صفة خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ١/ ٣٦٤–٣٦٢، طبعة مكتبة الخانجي بالقاهرة . **الشمائل النبوية** ، للترمذي ، باب ما جاء في خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم ، الصفحة ٣٥ ، الرقم ٨ ، المكتبة التجارية ، الطبعة الأولى . كلاهما بسند آخر عن هند بن أبي هالة أيضاً .

ترجمہ: میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ تمیمی رضی اللہ عنہ [9] سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ دریافت کیا، کیونکہ وہ ''وصّاف رسول'' کہلاتے تھے، اور میری خواہش تھی کہ وہ مجھ سے کچھ بیان کریں تو میں اسے اپنا لوں، چنانچہ انھوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فربہ جسم اور صاحب وجاہت تھے، آپ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا، میانہ قد سے بلند، اور شاخ نُما لمبائی سے کم (یعنی معتدل) تھے، سر بڑا، بالے (قدرے) گھنگھریالے، بالوں کی لٹ جدا ہوتی تو مانگ نکل آتی، جب بال بڑھتے تو کانوں کی لَو سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ رنگت گلاب جیسی، پیشانی کشادہ، بھنویں باریک، دراز اور کمان کی طرح خمدار، لیکن ملی ہوئی نہیں تھیں، ان بھنوؤں کے درمیان رَگ کی مثل باریک سی لکیر جو غصہ کے وقت اُبھر آتی، بینی بلند و روشن جس سے نور پھوٹتا تھا، جو اچانک دیکھتا تو بینی کو بڑا خیال کرتا، گھنی داڑھی، رُخسار نازک، سینے سے ناف تک بالوں کی لکیر، گردن ایسی گویا تراشی گئی مُورت، اور رنگت میں چاندی کی مثل، جسمانی ساخت میں اعتدال، صحت مند و توانا جسم، پیٹ و سینہ ہموار، البتہ سینہ کشادہ، کندھوں کے درمیان کشادگی، کلائیوں کی ہڈیاں پُر گوشت، جسم روشن اور بالوں سے صاف، صرف سینے سے ناف تک خط کی طرح بالوں کی باریک لکیر، باقی سینے اور پیٹ پر بال نہیں تھے،

المعجم الكبير ، للطبراني ، ٢٥/ ٢٤٥ ، الرقم ٢٩. طبعة مكتبة ابن تيمية بالقاهرة . **مشيخة ابن شاذان الصغرى** ، الصفحة ٤٥ ، الرقم ٦١ ، مكتبة الغرباء الأثرية بالمدينة المنورة.

٩۔ آپ رضی اللہ عنہ اُم المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، جو سابق شوہر سے پیدا ہوئے اور بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں پرورش پائی۔ ان کا معروف نام ''نباش بن زُرارۃ'' ہے۔ والد اور ان کے نام کی تعیین میں اختلاف ہے، اس بارے میں محدثین کی مختلف آراء ہیں، اور یوں ہی صحبتِ نبوی پر بھی کلام ہے، البتہ امام ابن حبان اور ابن مندہ نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''بصرہ'' کے مقام پر جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ چونکہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی ہیں، اس لحاظ سے امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے انھیں ماموں کہا۔ (ملاحظہ ہو: الاصابہ، للعسقلانی، ٦/ ٣٢٨، دار الکتب العلمیہ۔ اکمال تہذیب الکمال، للمغلطائی، ١٢/ ١٦٩، مطبعہ فاروق الحدیثیہ قاہرہ)۔ ملخصًا۔

البتہ کلائیوں، کندھوں اور سینے کے بالائی حصے پر (ہلکے) بال تھے، ہاتھوں اور گھٹنوں کے جوڑ وسیع (ومضبوط)، ہتھیلیاں نرم، جبیں کشادہ، قامت دراز، ہتھیلیاں اور قدم بھرے ہوئے، انگلیاں درازو کشادہ، تلوے درمیان سے بلند (حضرت ابوہریرہ نے تلووں میں بلندی کے خلاف ذکر کیا ہے)، قدمین زمین سے ملے ہوئے کہ پانی بہہ جائے، جب کسی مقام سے ہٹتے تو وقار کے ساتھ، جب قدم جماتے تو مضبوطی کے ساتھ، نرمی سے چلتے مگر رفتار ذرا تیز ہوتی، جب چلتے تو محسوس ہوتا کہ اُونچائی سے اُتر رہے ہیں، جب کسی طرف متوجہ ہوتے تو پورے پہلو کو بدل کر متوجہ ہوتے۔ نگاہیں جھکی رہتیں، آسمان پر دیکھنے سے زیادہ زمین کی جانب نگاہیں رکھتے، جب کسی چیز کو ملاحظہ کرتے تو بغور کرتے (یعنی عجلت والی نگاہ نہیں ڈالتے)، اپنے اصحاب کو چلنے میں آگے رکھتے، ملنے والوں کو آپ ہی سلام میں پہل کرتے۔

میں نے (اپنے ماموں سے) کہا: میرے لیے آپ ﷺ کے کلام کرنے کی کیفیت بیان کریں تو انھوں نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ (اُمت کے معاملات میں) زیادہ تر غمگین و فکر مند رہتے، یعنی ایسی فکر جو بے چین رکھتی تھی، بغیر ضرورت کلام نہیں فرماتے، خاموشی طویل ہوتی، جب گفتگو شروع اور ختم کرتے تو اپنے دہن سے جامع کلمات ادا فرماتے (یعنی گفتگو جامع اور ضرورت کے مطابق ہوتی)، کلام واضح ہوتا، نہ ضرورت سے زیادہ اور نہ حاجت سے کم، نرم خُو تھے، ترش رُو اور خوفزدہ کرنے والے نہیں تھے، چھوٹی سی نعمت کی بھی قدر کرتے تھے (یعنی کوئی معمولی چیز بھی پیش کرتا تو اس کی قدر کرتے تھے)، کسی چیز کی بُرائی نہیں کرتے تھے، کھانے کے ذائقے کی اچھائی برائی بیان نہیں کرتے تھے، یعنی آپ ذائقوں کے شوقین یا عیب نکالنے والے نہیں تھے (جو ہوتا تناول فرمالیتے)، کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے، جب حق کی بات ہوتی تو مدد کیے بنا نہیں بیٹھتے، دنیاوی اُمور کے لیے غضب ناک نہیں ہوتے، جب حق

دلوانے کی بات ہوتی تو آپ کسی کی پروا نہیں فرماتے، کبھی بھی اپنے غضب کے لیے نہیں اُٹھے کہ بدلہ لیں، آپ کبھی بھی نہ تو اپنی ذات کے لیے غصہ کرتے اور نہ ہی اس کا بدلہ لیتے، جب اشارہ کرتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ کرتے، جب تعجب کا اظہار کرنا ہوتا تو ہتھیلی پلٹ دیتے، جب کلام کرتے تو انھیں ملا لیتے اور کبھی (دوران کلام) داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے پر مارتے، یا بائیں انگوٹھے کو داہنی ہتھیلی پر مارتے، جب ناراض ہوتے تو رُخ پھیر لیتے، جب خوش ہوتے تو نظریں جھکا دیتے، زیادہ تر تبسم فرماتے، مسکرانے پر برف کی مثل (یعنی موتی جیسے) دندان ظاہر ہوتے (چمکتے) تھے۔

(۳) أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ ، أَنْبَأَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ بْنِ سُلَيْمَانَ الصُّوفِيُّ قَالَ : قُرِئَ عَلَى أَبِي عَلِيٍّ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْأَشْعَثِ الْكُوفِيِّ بِمِصْرَ وَأَنَا أَسْمَعُ ، فَأَقَرَّ بِهِ : حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فِي مَدِينَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، حَدَّثَنَا أَبِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

أَهْلُ الْجَنَّةِ لَيْسَتْ لَهُمْ كُنًى إِلَّا آدَمُ ؛ فَإِنَّهُ يُكَنَّى بِأَبِي مُحَمَّدٍ تَوْقِيرًا وَتَعْظِيمًا . [۱۰]

ترجمہ: آدم (علیہ السلام) کے علاوہ جنتیوں میں کسی کی کنیت نہیں ہوگی، اور انھیں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) توقیر و تعظیم کی وجہ سے "ابو محمد" کہا جائے گا۔

اسے **ابن عدی** نے "الكامل في ضعفاء الرجال" میں نقل کر کے کلام کیا اور پھر انھیں کلمات کے مشابہ طریق کو **ابن جوزی** نے "الموضوعات" میں بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن **شیخ سیوطی** نے "اللآلي المصنوعة" اور پھر **ابن عراق کنانی** نے

۱۰- **دلائل النبوة** ، للبيهقي ، ٥/ ٤٨٩ ، دار الكتب العلمية بيروت ، واللفظ له . **تاريخ دمشق الكبير** ، لإبن عساكر ، ٧/ ٣٨٨ ، الرقم ٢٠١٧ ، دار الفكر بيروت . **إمتاع الأسماع** ، للمقريزي ، ٣/ ١٨٩ ، دار الكتب العلمية . **عمدة القاري** ، للعيني ، كتاب الصلاة ، باب كيف فرضت الصلوات في الإسراء ، ٤/ ٧٣ ، دار الكتب العلمية . **الدر المنثور** ، للسيوطي ، ١/ ٣٣١ ، سورة البقرة ، تحت الآية ٣٧ ، طبعة مركز هجر للبحوث .

"تنزيه الشريعة"(۱۱) میں تحقیقی کلام کرتے ہوئے حمایت کے شواہد پیش کیے ہیں، جس سے اس کی تقویت ہوتی ہے. نیز بقیہ مقامات پر تو اس کی سند میں "محمد ابن اشعث کوفی" کے سبب کلام کیا گیا، لیکن امام ابو الشیخ اصبہانی نے "العظمة" میں اسے اپنی سند متصل کے ساتھ تابعی حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی، متوفی ۱۰۶ھ سے روایت کیا ہے(۱۲)۔ اور یہ حافظ ذہبی وعسقلانی کے یہاں "ثقة ، إمام "مذکور ہیں۔ نیز اس میں ابن اشعث کوفی بھی موجود نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حدیث بالا نا صرف تعدد طرق سے مروی ہے، بلکہ اس پر موضوعیت کا حکم بھی موزوں نہیں، واللہ اعلم۔ چونکہ ہم نے باب الاحادیث میں ابن اشعث سے دس کے قریب روایات نقل کی ہیں، اوران پر ناقدین کی جرح معروف ہے، لہٰذا ہم آغاز میں ہی ان پر تفصیلی کلام سے مؤقف واضح کررہے ہیں۔ فنقول وبالله نستعين .

محمد بن محمد بن اَشعث کوفی اور جرح کے بیانات

ابو علی / ابو الحسن محمد بن محمد اشعث کوفی، مصری، متوفی ۳۱۴ھ۔ یہ حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم اصبہانی المعروف ابن المقری، متوفی ۳۸۱ھ، اور امام ابن عدی جرجانی، متوفی ۳۶۵ھ کے شیخ، نیز امام طحاوی کے ہم زمانہ اَصحاب میں سے ہیں، لیکن ابن عدی نے "الكامل في ضعفاء الرجال ،(۷/ ۲۳۰۳، طبعة دار الفكر)" میں ان پر سخت جرح کی ہے اور پھر انہی کی جرح کو بعد کے ائمہ مثلاً حافظ ذہبی وعسقلانی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

امام ذہبی نے "المغني في الضعفاء،(۲/ ۳٦٨،الرقم۵۹۵۰)" میں "محمد بن الأشعث الكوفي شيخ لابن عدي اتهمه ابن عدي" اور "ميزان الإعتدال ،(٤/ ٢٨،الرقم۸۱۳۱)" میں "قال السهمى: سألت الدارقطني عنه، فقال: آية من آيات الله، وضع ذاك الكتاب - يعنى العلويات" جبکہ عسقلانی نے "لسان الميزان ،(۷/ ۳۷٦،

۱۱- **الكامل في ضعفاء الرجال** ، للشيخ ابن عدي الجرجاني ، ٦/ ٢٣٠٣ ، تحت الترجمة؛ محمد ابن أشعث . **الموضوعات** ، للجوزي ، ۳/ ۵۸۸ ، الرقم ۱۸۱۷ . **اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة** ، للسيوطي ، ۲/ ٤٥٦ . **تنزيه الشريعة المرفوعة** ، للكناني ، ۲/ ۳۸٤ .

۱۲- **العظمة** ، لابي الشيخ الأصبهاني ، الصفحة ۱۵۷۹ ، الرقم ۱۰٤٤ ، دار العاصمة الرياض .

الرقم ۷۳۵۷)" انہی کی مثل سابق ائمہ کے کلمات سے شدید مذکورہ جرح نقل کی ہے۔ یہاں تک اس تمام جرح کا ماحصل ہے، جسے ان ائمہ کے بعد آنے والوں نے بعینہ نقل کر کے برقرار رکھا ہے، لہٰذا مدار انہی کے بیانات پر ہے اور ان میں بھی حافظ ذہبی و عسقلانی کی تحقیقات سابق ائمہ ابن عدی جرجانی اور پھر دارقطنی کے بیانات پر مستحکم ہیں۔ نیز انھوں نے سابق جرح کو نقل کرنے کے علاوہ اپنی جانب سے جرح میں اضافہ یا شواہد بیان نہیں کیے، چنانچہ ہم اوّل الذکر ائمہ کے حوالے سے معروضات پیش کر رہے ہیں۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی جرح اور بیانات میں تضاد

محدث ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی، متوفی ۳۸۵ھ کی معروف جرح "آية من آيات الله، وضع ذاك الكتاب" تو یہی کلمات ہیں، جنھیں ذہبی و عسقلانی نے نقل کرتے ہوئے برقرار رکھا اور بر تقدیر اثبات یہ جرح کی اَعلیٰ ترین قسم ہے، جس کے سبب راوی کذاب و وضاع ہونے کے سبب بالاتفاق مردود ہو جاتا ہے، لیکن اس جرح کی قوت خود امام دارقطنی کے اُس بیان سے متزلزل ہو جاتی ہے، جسے امام عسقلانی نے متذکرہ بالا مقام پر انہی کی کتاب "غرائب مالك" سے بایں کلمات ذکر کیا:

وأورد الدارقطني في غرائب مالك من روايته عن محمد بن محمد بن سعدان البزاز عن القعنبي حديثاً، وقال كان ضعيفاً.

غرائب مالک اگرچہ مفقود ہے، لیکن اس کی مذکورہ متن و جرح مکمل طور پر خطیب بغدادی کی "تاريخ بغداد، (۳/ ۲۷۲)" میں بحوالہ شیخ اَزہری اَز دارقطنی بعینہ منقول ہے۔

اب امام دارقطنی کی منقول جرح تو "آية من آيات الله، وضع ذاك الكتاب" ہے، جسے دارقطنی کے تلمیذ شیخ حمزہ بن یوسف سہمی نے براہِ راست سماع کرتے ہوئے "سُؤالات السَّهمي للدَّارقُطْني، (الصفحة ۱۰۱، الرقم ۵۲)" میں اور دیگر ائمہ نے اپنی کتب میں نقل کیا، لیکن اس کے برعکس دوسرے تلمیذ اور خطیب بغدادی کے شیخ یعنی اَزہری ان کے حوالے سے صرف "ضعیف" نقل کر رہے ہیں۔

پس اُصول محدثین کے مطابق کذاب اوروضاع کے مقابل ضعیف میں تطبیق سمجھ سے بالاتر ہے، کیونکہ پہلی جرح کی صورت میں راوی ناصرف متروک وساقط، بلکہ اس کی مرویات کو بغیر سببِ وَضع بیان کیے لکھنااور نقل کرنے بھی حلال نہیں، لیکن دوسری صورت میں روایت تو جائز، البتہ سبب ضعف پر تنبیہ کر دی جاتی ہے اور بالفرض نہ بھی کی جائے تو نفس روایت میں حرج نہیں، کیونکہ ضعیف روایات منقول ہیں، اُن پر ضعف کی نشاندہی بعد میں کی گئی، لیکن موضوع روایت کو جانتے ہوئے بغیر سبب وتنبیہ بیان ونقل کرنامحدثین کے یہاں ہر گز روا نہیں، جیسا کہ امام زین الدین عراقی، متوفی ٨٠٦ھ نے "التبصرة والتذكرة المعروف ألفية العراقي ،(الصفحة ١١٤)" میں لکھا:

شَرُّ الضَّعِيْفِ : الخَبَرُ المَوضُوْعُ   اَلكَذِبُ ، الْمُخْتَلَقُ ، المَصْنُوْعُ
وَكَيْفَ كَانَ لَمْ يُجِيْزُوا ذِكْرَهْ   لِمَنْ عَلِمْ ، مَا لَمْ يُبَيِّنْ أَمْرَهْ

پس معاملہ صاف ہے کہ اگر دارقطنی کے نزدیک ابن اشعث وضاع وکذاب تھے، تو پھر بغیر وضع کی تنبیہ کیے روایت کیوں بیان کی؟ اور اگر روایت کا بیان ناگزیر تھا تو پھر راوی کو صرف "ضعیف" کیوں کہا؟ کہ جس راوی کو خود صریحاً موضوعات گھڑنے والا کہا، اُسی کو دوسرے مقام پر صرف "ضعیف" کہہ رہے ہیں۔ فیا للعجب؟۔ الغرض شیخ دارقطنی کی جرح باہم متضاد ہے، لہٰذا کم اَز کم اس کی بنیاد پر راوی کو مطعون نہیں کیا جاسکتا، فافہم۔

امام ابن عدی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی جرح خود ہی متصادم

حافظ ابواحمد عبد اللہ بن عدی جرجانی، متوفی ٣٦٥ھ معروف محدث ہیں، اور متکلم فیہ راوی ابن اشعث ان کے شیخ ہیں، انھوں نے ہی سب سے پہلے اپنے شیخ پر شدید جرح نقل کی، جس کا بیان سابق میں ہوا، نیز انھوں نے اسی کتاب "الکامل" میں ابن اشعث کی چند ایسی مرویات بھی نقل کی ہیں، جو ان کے بقول نسخہ موضوعہ سے منقول ہیں۔

لیکن اس کے برعکس ابن عدی نے اسی کتاب میں "الكامل في ضعفاء الرجال،(٣/ ٣٩٣، طبعة دار الكتب العلمية)" میں حریز بن عثمان حمصی رحبی کے ترجمے کے تحت محمد بن محمد بن اشعث سے اپنی سند کے ساتھ "أن فتى شاباً أتى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال: يا رسول الله ! ائذن لي في الزنا قال فصاح القوم به..." روایت

نقل کی ، لیکن اس روایت پر کوئی نقد وجرح نہیں کی۔ نیز یہی روایت ابن عدی کی سند سے امام بیہقی نے ”شعب الإيمان ، (٧/ ٢٩٥،الرقم٥٠٣٢) “میں بھی نقل کی ہے اورانھوں نے بھی ابن عدی کی طرح کوئی نقد نہیں کی۔

یوں ہی ”الکامل في ضعفاء الرجال،(١/ ٣٠٣)“میں احمد بن عبد الرحمن بن وہب کے ترجمے میں ”وسمعت محمد بن محمد بن الأشعث يقول: كنا عند أبي عبد الله ابن أخي ابن وهب ، فمر علي هارون بن سعيد الأبلي وهو راكب فسلم عليه...“سے استدلال کیاہے۔ نیز ”الكامل في ضعفاء الرجال،(٩/ ٧٢)“پر حمید بن طویل کے بیان میں ”حدثنا محمد بن محمد بن الأشعث الكوفي ، حدثنا أبو علقمة عبد الله بن عيسى الفروي الأصم الكبير ، حدثني يحيى بن حميد الطويل، عن أبيه، عن أنس بن مالك، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يكرع في حياض زمزم“ نقل کیااوراس آخری روایت کے بعد مجموعی طور پر صاحب ترجمہ حمید بن طویل کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایات کے بارے میں ”عن أنس أحاديث آخر وأحاديثه غير مستقيمة“ذکر کیاہے، لیکن ابن اشعث پر کوئی نقد نہیں کی، چنانچہ ان بیانات کی روشنی میں ابن عدی کی ابن اشعث کے بارے میں جرح بالا کو دیکھ لیا جائے۔

الغرض اس سے معلوم ہوا کہ ابن عدی کے یہاں بھی ابن اشعث کی تمام مرویات نہ تواس نسخہ موضوعہ سے منقول ہیں ،اورنہ ہی ان کی ساری روایات اُس جرح کی زَد میں آتی ہیں، جنھیں خود موصوف نے اسی کتاب میں درج کیا ہے۔ پس جس طرح ابن عدی نے ان سے جرح کے باوجود تمسک کیا،اسی طرح بقیہ ائمہ نے بھی ان کی مرویات لیں، ان میں سے بعض کا بیان آرہاہے، توبایں طورابن عدی جرجانی کی جرح خود ان کی ایک ہی کتاب میں متصادم ہو کر مضبوط نہیں رہتی،چہ جائے کہ اس سے بھی کسی سخت حکم کا استنباط کیاجائے،فافہم۔

امام ذہبی وعسقلانی کی جرح

یہ حضرات چونکہ سابق دونوں ائمہ کی جرح کے صرف ناقل ہیں،اسی لیے جب اصل کی جرح متصادم ومتضاد ہونے کی وجہ سے مؤکدومدلل نہ رہی،توان کے بیانات بھی کمزور ہو جاتے ہیں، نیز امام ذہبی اور حافظ عسقلانی نے اپنی کوئی جرح مفسر ومفسد بیان ہی نہیں کی ،لہٰذا اصل ساقط یااقل درجہ اختلافی ہونے کے باعث حکم جرح کی شدت بھی مرتفع ہو جاتی ہے۔ فتدبر

کتبِ محدثین میں ابن اشعث کی بغیر جرح کے مرویات

ذیل میں صرف اُن مرویات کو درج کیا جارہا ہے، جسے کبار و معروف محدثین نے اپنی کتب میں بغیر کسی نقد و جرح کے نقل کیا ہے اور اس میں مصنفین کے ایراد کا اعتبار ہے، ورنہ محققین نے تو ہر کتاب پر متذکرہ بالا جرح ہی کا پی پیسٹ کی ہے، جو ہماری بحث کو مضر نہیں۔ نیز ابن اشعث کی درج ذیل مرویات اُن کے علاوہ ہیں، جنھیں ہم نے اسی کتاب میں مختلف مقامات پر با حوالہ درج کر دیا ہے۔

"**شرح مشكل الآثار** ، للطحاوي ، ١٣/ ٤٣٦ ، الرقم ٥٣٩٤ ، باب بيان مشكل ما رواه أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في هذا المعنى . **المعجم** ، لإبن المقري ، الصفحة ١٧ ، الرقم ٤١ . **تاريخ بغداد** ، للخطيب ، ٣/ ٤٤٠ . **الكفاية في علم الراوية** ، للخطيب ، ١/ ٣٦٨ ، الرقم ٣١٧ . **الطب النبوي** ، لأبي نعيم ، الصفحة ٢٥٩ ، الرقم ١٤٨. **مسند الشهاب** ، للقضاعي ، ١/ ١٥٧ ، الرقم ٢٢٠-٢/ ١٢٥ ، الرقم ١٠٢٤ . **شعب الإيمان** ، للبيهقي ، ٢/ ٤٩٧ ، الرقم ١٣٠٣ . **الطيوريات** ، لأبي طاهر السلفي ، ٢/ ٥٢٦ ، الرقم ٤٤٨ ."

محدثِ اَحناف اور فقیہِ مذہب امام طحاوی کی توثیق

امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی، متوفی ۳۲۱ھ علمائے اَحناف میں بلند مقام کے حامل ہیں، انھوں نے اپنی معروف کتاب "شرح مشكل الآثار" میں ایک روایت بیان کی ہے اور اس راویت کو انھوں نے متعدد اَصحاب سے سماع کیا، لیکن بیان کرتے وقت صرف "محمد بن محمد بن اشعث کوفی" کا نام ہی سند میں درج کیا، اُن کی اصل عبارت یوں ہے:

ما قد حدثني غير واحد ، من أصحابنا ، منهم : محمد بن محمد بن الأشعث الكوفي قالوا: حدثنا محمد بن عبد الله بن يزيد المقرئ ، حدثنا أبي ، حدثنا همام ، عن قتادة ، عن النضر بن أنس ، عن بشير بن نهيك ، عن أبي هريرة رضي الله عنه: **أن رجلا أعتق شقصا له في مملوك، فغرمه النبي صلى الله عليه وسلم بقية ثمنه** . قال: فكان قتادة يقول: إن لم يكن مال استسعي العبد .

یہ ابن اشعث کے معاصر اور حدیث وفقہ کے بلند پایہ امام کی واضح توثیق ہے، کیونکہ انھوں نے زندگی کا زیادہ عرصہ معاصرت میں گزارا، چنانچہ انھیں احوال کی بابت تلامذہ کی نسبت زیادہ معلومات ہوں گی، حالانکہ معاصرت میں منافرت کا امکان قوی تر ہوتا ہے، لیکن اس کے برعکس تعریف کا پایا جانا کمیاب ہے اور یہاں تو کئی اصحاب سے سماع حدیث کے باوجود بیان واندارج سند کے لیے انھوں نے صرف ابن اشعث کا ہی انتخاب کیا، جس سے واضح عیاں ہے کہ ان کے نزدیک یہ راوی قابل اعتبار تھے، اسی لیے باہتمام ذکر ہوئے۔ اس تناظر میں دیکھیں تو تلامذہ کے مقابل معاصر کی یہ توثیق زیادہ وزن دار ہے۔

محدثِ عرب شعیب الأرنؤوط کا تسامح

دیارِ عرب کے معروف محقق ومحدث شیخ شعیب ارنؤوط نے امام طحاوی کی حدیث بالا کی سند پر ایسا کلام کیا، جسے دیکھ کر ہمیں کچھ لمحات کے لیے حیرت ہوئی، زیادہ تبصرے سے قطع نظر اصل عبارت پیش خدمت ہے:

إسناده صحيح ، رجاله ثقات رجال الشيخين غير محمد بن عبد الله بن يزيد المقرىء ، فمن رجال النسائي وابن ماجه ..إلخ .

یک لحظہ ہمیں گمان ہوا کہ محقق نے حاشیہ میں کسی اور حدیث کی سند پر کلام کیا ہوگا، لیکن بغور دیکھنے پر عیاں ہوا کہ انھوں نے اسی سند پر کلام کیا ہے، کیونکہ اس میں ابن اشعث کے بعد والے راوی پر معمولی اختلاف بھی بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اس توثیق کو دیکھنے کے بعد تو ابن عدی سمیت ساری جرح ہی کافور ہو جاتی ہے کہ انھوں نے صریحاً انھیں رجالِ شیخین یعنی امام بخاری ومسلم کے رجال میں شمار کر دیا اور اس پر مستزاد یہ کہ سند بھی صحیح قرار دی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہاں شیخ الارنؤوط سے سہو ہوا، کیونکہ امام طحاوی کی سند میں مذکور محمد بن محمد بن اشعث کوفی کسی طور پر بھی نہ تو رجالِ شیخین میں سے ہیں، کہ جس زمانے میں شاید یہ ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے، اُسی زمانے میں امام بخاری ومسلم نے وصال فرمایا، اور نہ ہی یہ شیخین کی شرائط متعلق بہ راوی پر پورے اُترتے ہیں۔ اور غالباً موصوف کو سند میں مذکوراَشعث کی نسبت سے اشتباہ لاحق ہو گیا، کیونکہ شیخین کے کئی ثقہ رجال اسی نسبت کے حامل ہیں، مثلاً ابو الاشعث صنعانی، ابو الاشعث احمد بن مقدم عجلی بصری، ابو عمران ہارون بن الاشعث بخاری وغیرہ، فافہم۔

بہر کیف محولہ مقامات پر محدثین نے بغیر کسی نقد کے ابن اشعث سے روایات درج کی ہیں، جبکہ حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم اصبہانی المعروف ابن المقری، متوفی ۳۸۱ھ تو ابن اشعث کے تلمیذ بھی ہیں، اور پھر امام طحاوی ان سب سے فائق اور ہم زمانہ وہم مجلس ہیں، لیکن بایں طورانھوں نے روایت درج کرکے توثیق بیان کی۔ اب اتنے ائمہ پر موصوف کی کذب بیانی اوراَحادیث گھڑنے کی صفت آشکارنہ ہوسکے، تو یہ جائے تعجب ہے۔

اور ممکن ہے کہ ناقدین یہاں معترض ہوں کہ بقیہ مرویات میں ابن اشعث دیگر شیوخ سے روایت کررہاہے، موسیٰ بن اسماعیل بن موسیٰ کاظم سے نہیں، جس پر ابن عدی اوردار قطنی کی مبیّنہ جرح ہے۔ تواس کاجواب یہ ہے کہ امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" اور پھر "السنن الکبری" میں کل چارروایات ایسی درج کی ہیں، جن میں یہی ابن اشعث اپنے شیخ موسیٰ بن اسماعیل ابن کاظم سے راوی ہے (یہ روایات اسی باب میں بسند درج کردی گئی ہیں) اوربہ فرض کلام "دلائل النبوۃ" کے بارے میں پھر یہ کہاجاسکتاہے کہ باب الفضائل میں توسیع نے انھیں برانگیختہ کردیا، جس کے سبب ان سے دوروایات لے لیں، اگرچہ معاملہ ایسانہیں، لیکن "السنن الکبری" توخاص احکام کی کتاب ہے اور یہ بیہقی کی بقیہ کتب پر فائق تر اوراَقدم بھی۔ اس میں اسی طریق سے اوروہ بھی خاص احکام کے بارے میں دوروایات لیناتساہل وتغافل پر کیوں کر دلالت کرسکتاہے؟

شیخ علی متقی ہندی نے "کنز العمال" میں "السنن الکبری" کی ایک روایت کی بنیادپر یہی کلام کیاتھا، شاید انھیں ایک ہی روایت نظر آسکی، لیکن ہمیں اس میں دوسری روایت بھی مل گئی، چنانچہ اب معترض کے پاس سوائے اس بات کے کوئی چارہ نہیں کہ امام بیہقی متساہل تھے اور یہاں بھی اُن سے تساہل ہوا۔ فی الحال تساہل بیہقی پر بحث یہاں موضوع سخن اور مقصود نہیں، لیکن اتناعرض ہے کہ جب شریک القاضی سے تصریح سماع کی دلیل چاہیے ہو، تو یہی بیہقی اوران کی "السنن" ودیگر معیاراور جب اپنامدعانہ ہوتوناصرف بیہقی بلکہ "السنن الکبری" بھی تساہل وغفلت کاہدف بنتی ہے، اَب جوچاہے آپ کاحسن کرشمہ ساز کرے۔

حافظ ابن عدی اورامام دار قطنی کی جرح ناقدین کے ہاتھ ایسی چڑھی، کہ انھوں نے جہاں ابن اشعث کانام دیکھا، جرح بالاکوکاپی پیسٹ کردیا، یہ فارمولا عرب محققین اور بالخصوص شیخ البانی کے یہاں خاصاعام ہے اوران حضرات کے نزدیک یہ فرق کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتاہے کہ ابن اشعث موسیٰ بن اسماعیل بن موسیٰ کاظم سے راوی ہے، جس پر ابن

عدی ودار قطنی وغیرہ کی خاص جرح ہے، یا کسی اور شیخ سے، جس سے ان ائمہ کی جرح متعلق ہی نہ تھی، کہ انھوں نے تو خاص ایک سند پر ہی کلام کیا تھا، جس کا تضاد واختلاف واضح ہو چکا، لیکن اب محققین عرب کو بھلا کون سمجھائے کہ ان کے نزدیک امام الکل شیخ البانی ہی ہیں، جنھوں نے اس طریق کو وسعت دیتے ہوئے اپنی کتب میں بنیاد رکھ دی، لیکن ہمیں یقین ہے کہ موصوف سمیت سب کی نیت صالح ہی تھی، اور یہ حضرات حفاظتِ حدیث کے پیش نظر زیادہ سخت رہے، البتہ کچھ مقامات پر تحقیق کلام اور تعیین اَمر میں خطا ہو گئی۔ اللہ تعالی عَزَّوَجَلَّ سب سے در گزر فرمائے۔

اسی لیے ہم نے نا صرف بطریق موسی بن اسماعیل ابن کاظم پر شواہد و بحث پیش کی، بلکہ دیگر اسناد کے نظائر اور ائمہ کے یہاں ایراد کے حوالہ جات بھی زیب قرطاس کر دیئے ہیں، اگرچہ ہنوز اس پر مزید پہلوؤں سے بھی بحث کی جا سکتی ہے، لیکن کتاب ہذا میں یہ بحث خاصی طویل ہو چکی، لہٰذا ہم اسی قدر پر اکتفاء کرتے ہیں۔ هذا ما ظهر لي والعلم عند الله تبارك وتعالى .

(۴) حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ أَبِي سَهْلٍ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، قَالَا : حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ صَالِحٍ أَبُو الصَّلْتِ الْهَرَوِيُّ ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا ، عَنْ أَبِيهِ (مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ) ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

الْإِيمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ وَ عَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ .(۱۳)

ترجمہ: ایمان دل سے ماننے، زبان سے اِقرار کرنے اور احکام اسلام پر عمل کرنے کا نام ہے۔

نیز اسی حدیث کے مشابہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب بھی منسوب ہے، عین ممکن ہے کہ وہ اسی حدیث سے اَخذ شدہ ہو۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں فرقہ جہمیہ کا فساد موجود تھا جس میں ایمان، اسلام، اور قضاء وقدر وغیرہ ابحاث پر اسلامی احکامات میں تشکیک پیدا کی جاتی تھی، ایسے میں ائمہ نے دلائل عقلیہ ونقلیہ سے انکی خوب سرکوبی فرمائی، جس کی بہت سی مثالیں کتب علم کلام کی زینت ہیں۔ فرقہ جہمیہ کی ایسی ہی چال کو دفع کرنے کے لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے اقوال مروی ہیں، چنانچہ "معجم ابن الاعرابی" میں متذکرہ حدیث سے ایک رقم پہلے یہ قول موجود ہے کہ جہمیہ کے ایک شخص نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ایمان صرف قلبی تصدیق کا نام ہے، جس کے جواب میں آپ نے فرمایا: ایمان دل سے ماننے اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے۔

جبکہ فرقہ جہمیہ کی سرکوبی اور ان کے فتنوں کو کچلنے کے لیے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں فرمایا:

ایمان دل سے ماننے، زبان سے اقرار کرنے اور فرائض کو ادا کرنے کا نام ہے۔

۱۳۔ **السنن** ، للامام ابن ماجة ، باب الإيمان ۹ ، الرقم ٦٥، الصفحة ٢٦ ، مكتبة المعارف ، واللفظ له . **التاريخ الكبير** ، للمحدث ابن أبي خيثمة ، السفر الثاني ، ٢/ ٩١٧ ، الرقم ٣٩٠٣ ، طبعة الفارق الحديثية . **تهذيب الآثار** ، للطبري ، مسند عبد الله بن عباس ، ٢/ ٦٨٣ ، الرقم ١٠٢٩/ ١٠٢٨، مطبعة المدني القاهرة . **الكنى و الأسماء** ، للدولابي ، ١ / ٤٧٨ ، الرقم ١٦٩٨ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الاولى . **المعجم** ، لابن الأعرابي ، ٢/ ٧٩٢ ، الرقم ١٦٢١ ، دار ابن الجوزي الرياض ، الطبعة الاولى . **المعجم الأوسط** ، للطبراني ، ٦/ ٢٢٦ ، و ٨/ ٢٦٢ ، الرقم ٦٢٥٤ دار الحرمين القاهرة . **شعب الإيمان** ، للبيهقي ، ١/ ١٠٦ ، الرقم١٧-١٦ ، مكتبة الرشد الرياض ، الطبعة الاولى . **الفوائد** ، للإمام تمام الرازي ، ١/ ٢٩٤ ، الرقم ٧٣٧-٧٣٦ ، مكتبة الرشد . **المتفق والمفترق** ، للخطيب ، ٣/ ١٤٤٣ ، الرقم ٨٣٥، دار القادري دمشق . **تاريخ بغداد** ، للخطيب ، ٢/ ٦٧ ، رقم الترجمة ٢٩. و١٢/ ٣١٧ ، رقم الترجمة ٥٦٨١. **طبقات الشافعية** ، للسبكي ، ١/ ١١٩، دار إحياء الكتب العربية .

اس حدیث پر محدثین وائمہ نے مختلف جہات سے تائیدی و تنقیدی کلام کیا ہے، اُن تمام کی تفصیلات تو یہاں سود مند نہیں، البتہ ہم صرف امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کے پیش نظر کچھ علمی و تحقیقی نظائر پر بحث کے خواہاں ہیں۔ بیشتر ناقدین کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ سے حدیث بالا کو روایت کرنے والا راوی "عبد السلام بن صالح المعروف ابو الصلت ہروی" جائے مقال ہے، اس لیے حدیث موضوع ہے۔ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة،(٥/ ٢٩٥)" میں اس کی بابت کافی تنقیدی ابحاث یکجا کی ہیں۔ اگرچہ سیوطی اور کنانی وغیرہ نے اُن کے جمع کردہ مواد پر پہلے ہی توضیحات پیش کر دی ہیں، اسی لیے ہم ان کے علاوہ دیگر ایسے اُمور پر شواہد وادلہ پیش کر رہے ہیں، جن پر ہنوز توجہ نہیں کی گئی۔

ابو الصلت عبد السلام بن صالح ہروی کی سند بالا کے متابع

١۔ سب سے پہلے اس بات کو موضوع بحث قرار دیا گیا کہ شیخ البانی وغیرہ نے جن شخصیات کو ابو الصلت ہروی سے روایت میں ذکر کیا ہے، اُن کی علمی ثقاہت مطعون ومتروک اور جائے کلام ہے، لہٰذا ہم اس بارے میں اوّلاً محدث ابو بکر احمد بن ابی خثیمہ، متوفی ٢٧٩ھ کو پیش کر رہے ہیں، جنھوں نے حدیث بالا کو نا صرف اپنی کتاب "التاريخ الكبير" میں درج کیا، بلکہ انھوں نے قرب زمانی کے سبب اِسے براہ راست بصیغہ جزم "حدثنا" ابو الصلت ہروی سے روایت کیا ہے اور یہ راوی علمی لحاظ سے دیگر مطعون ومتروک رُواۃ کی مثل نہیں۔

چنانچہ امام ابن ابی حاتم رازی نے "الجرح والتعديل ، (٢/ ٥٢،الرقم٥٧)" میں انھیں "كان صدوقا"، جبکہ حافظ ذہبی نے بحوالہ خطیب "تاريخ الإسلام ،(٢٠/ ٢٥٢)" میں "كان ثقة عالماً ، مُتفنّناً ، حافظاً " اور بحوالہ دار قطنی "ثقة مأمون" بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ امام ابن حبان نے انھیں "كتاب الثقات،(٨/ ٥٥)" میں لا کر توثیق کی ہے، لہٰذا متذکرہ ائمہ کے توثیقی کلمات کی روشنی میں واضح ہے کہ ابو الصلت ہروی سے روایت کرنے والوں میں یہ متابع زیادہ مدلل ومؤکد ہے اور ان پر کوئی قدغن نہیں، فافہم۔

٢۔ اسی طرح حدیث بالا کو محدث ابو بشر محمد دولابی رازی، متوفی ٣١٠ھ نے "الكنى والأسماء" میں اپنی سند متصل کے ساتھ صرف ایک واسطے سے ابو الصلت ہروی سے روایت کیا ہے، چنانچہ موصوف "محمد بن اسماعیل، ابو صالح بن ابی ضرار رَازی، متوفی ٢٤٠ھ " سے اور وہ شیخ ہروی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ سند بالا کا دوسرا متابع ہے، جسے تخریج حدیث

میں تو شیخ البانی نے درج کیا، لیکن نقد کلام میں متابعت پر کوئی جرح نہیں کی۔ نیز یوں ہی امام ابن جوزی، ابن عدی اور دیگر ناقدین کے یہاں بھی ان پر کوئی کلام نہیں کیا گیا۔

چنانچہ اس میں شیخ دولابی اور ہروی کے مابین صرف ایک راوی ہے اور وہ علمائے جرح وتعدیل کے نزدیک معتبر ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعديل، (٧/ ١٩٠)" میں انھیں اپنے والد کے حوالے سے، یوں ہی حافظ ذہبی نے "الكاشف، (٢/ ١٥٨، الرقم٤٧٢٥)" اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تقريب التهذيب (الصفحة ٨٢٦، الرقم٥٧٧١)" اور "تهذيب التهذيب، (٩/ ٦٠)" میں انھیں "صدوق" لکھا ہے، البتہ مؤخر الذکر نے "لسان الميزان، (٦/ ٥٧٦)" میں "محمد بن اسماعیل رازی" کو غالی شیعہ قرار دیا ہے، لیکن واضح رہے کہ وہ کوئی اور راوی ہے۔ لہٰذا ائمہ کرام کے ان شواہد کی روشنی میں ابو الصلت ہروی کی سند کا دوسرا متابع بے غبار ٹھہرتا ہے۔

۳۔ حدیث بالا کو امام ابن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ "تهذيب الآثار" میں بھی اپنی سند متصل کے ساتھ لائے ہیں، جنھیں ابو الصلت ہروی سے دو الگ الگ افراد نے روایت کیا ہے، چنانچہ پہلی سند میں وہ "ابو یونس محمد بن احمد بن یزید مکی" سے اور وہ ابو الصلت ہروی سے روایت کرتے ہیں۔ نیز اس روایت کو طبری کے حوالے سے ہی بخاری کی اوّلین و مفصل شرح لکھنے والے محدث ابو الحسن علی المعروف ابن بطال، متوفی ۴۴۹ھ نے "شرح صحيح البخاري، (١/ ٥٨)" میں بھی درج کیا ہے۔

حافظ عسقلانی نے "تقريب التهذيب، (الصفحة ٨٢٣، الرقم٥٧٥٢)" میں اس نام کی تعیین میں تین شخصیات کا بیان کیا ہے، جن میں سے ایک امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ محمد بن احمد قرشی جمحی، متوفی ۲۵۵ھ بھی ہیں۔ اگرچہ تینوں میں سے یہاں مراد کون ہے، یہ الگ بحث ہے، لیکن شیخ ابن حجر کا اپنا رُجحان امام حمیدی کے تلمیذ اور امام ابو داود کے شیخ "محمد بن احمد قرشی، جمحی" کی ہی جانب ہے اور اس سے بھی قطع نظر تینوں ہی رجال اُن کے نزدیک "صدوق" ہیں، چنانچہ تعیین کے بغیر بھی حکم توثیق واضح ہے۔ تو اس طرح بحوالہ طبری سند ابو الصلت ہروی کا یہ تیسرا متابع بھی مؤکد و مستحکم ٹھہرتا ہے۔

نیز دوسری سند میں وہ "عامر بن حرب موصلی" سے بطریق ابو الصلت ہروی روایت کرتے ہیں، لیکن ان کا تذکرہ تلاش کے باوجود کتب رجال و تاریخ میں نہیں ملا، لہٰذا ان کی توثیق و تردید میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یہ متابع بھی ناقدین

اور بالخصوص شیخ البانی کے یہاں مجروح رُواۃ کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔ اگرچہ انھوں نے تخریج حدیث میں طبری کی متذکرہ کتاب کا ذکر کیا، لیکن کمال ہے نقد کرتے ہوئے اس سے مطلقاً تعرض نہیں کیا۔ فافہم

۴۔ حدیث بالا کو امام ابو القاسم طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ نے "المعجم الأوسط" میں دو مختلف افراد سے درج کیا ہے، چنانچہ پہلی سند میں وہ "محمد بن علی الصائغ" سے اور وہ ابو الصلت ہروی سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ دراصل ابو عبد اللہ محمد بن علی بن زید مکی الصائغ، متوفی ۲۹۱ھ ہیں۔ ان سے امام بزار، دار قطنی، بیہقی، طحاوی، اور حاکم سمیت متعدد ائمہ کرام نے احادیث نقل کی ہیں۔ مختلف کتب میں ان سے ۴۹۵ اَحادیث موجود ہیں۔ امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معین کے تلمیذ اور امام طبرانی کے شیخ ہیں، طبرانی نے اپنی کتب میں ان کے طریق سے بکثرت روایات درج کی ہیں۔

امام ابن حبان نے انھیں "كتاب الثقات، (۹/ ۱۵۲)" میں لا کر توثیق کی ہے، جبکہ حافظ ذہبی نے "سير أعلام النبلاء، (۱۳/ ٤٢٨)" میں ان کا ترجمہ لکھتے ہوئے "المحدث ، الإمام ، الثقة" اور "تاريخ الإسلام، (۲۲/ ۲۸۳)" میں "وكان محدث مكة في وقته ، مع الصِّدق والمعرفة" بیان کیا ہے۔ الغرض متذکرہ بیانات کی روشنی میں راوی کا علمی مرتبہ واضح ہے۔ چنانچہ سند ابو الصلت ہروی کا یہ چوتھا متابع مضبوط دلائل اور معتبر شخصیت سے نقل ہو کر عیاں ہوا، جس پر ناقدین میں سے کسی کو کلام کی راہ نہیں۔

۵۔ امام طبرانی نے "المعجم الأوسط" ہی میں اپنے دوسرے شیخ سے بھی حدیث بالا کو نقل کیا ہے، چنانچہ اس سند میں اپنے شیخ معاذ سے اور وہ ابو الصلت ہروی سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ دراصل ابو المثنیٰ معاذ بن مثنی، عنبری بغدادی، متوفی ۲۸۸ھ ہیں۔ ان سے امام حاکم، بیہقی، دار قطنی، مقدسی وغیرہ نے بکثرت روایات لی ہیں، نیز صرف امام طبرانی نے ہی ایک ہزار کے قریب اَحادیث درج کی ہیں۔ الغرض ان سے مختلف کتب میں (۱۳۱۵) اَحادیث مروی ہیں۔

امام خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد، (۱۵/ ۱۷۳، الرقم ۷۰۷۳)" میں انھیں "ثقة" اور امام ذہبی نے "سير أعلام النبلاء، (۱۳/ ٥٢٧)" میں "ثقةٌ ، مُتقنٌ" قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان شواہد کے پیش نظر شیخ طبرانی کی سند بالا سے پانچواں متابع بھی علمی لحاظ سے مؤکد ہو کر آشکار ہوا۔ البتہ انھوں نے دونوں اسناد کے اخیر میں تفرد عبد السلام بن صالح ہروی کو بیان کیا ہے، جس پر مزید کلام آرہا ہے۔

۶۔ حدیث بالا کو شیخ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں تین مختلف اسناد سے درج کیا ہے، جن میں سے دو میں ابو الصلت ہروی مذکور ہے۔ چنانچہ پہلی سند میں وہ بطریق طبرانی "معاذ بن مثنی" اور "محمد بن علی بن فستقہ" سے اور یہ دونوں حضرات ابو الصلت ہروی سے روایت کرتے ہیں۔ معاذ بن مثنیٰ کی توثیق و بحث ابھی گزری، البتہ یہاں دوسرے راوی پر کلام پیش ہے اور یہ "ابو العباس محمد بن علی بن فضل، المعروف فُسْتُقَة، متوفی ۲۸۸ھ "ہیں۔ خلف بن ہشام، قتیبہ بن سعید اور علی بن مدینی جیسے محدثین کے تلمیذ ہیں۔ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد،(٤/ ١٠٨،الرقم ١٢٨٣)" پر انھیں "وكان ثقةً" لکھا، جبکہ حافظ ذہبی نے "تاريخ الإسلام ،(٢٠/ ٢٧٩)" میں ان کا ترجمہ لکھتے ہوئے توثیق بالا کو برقرار رکھا ہے۔ تو اس طرح سند ابو الصلت ہروی کا یہ چھٹا متابع واضح ہوا، جس کے راوی پر ائمہ کی تائیدات موجود ہیں۔

شیخ البانی نے یہاں بھی حسب سابق کمال کیا ہے کہ خطیب بغدادی سے حدیث کی تخریج کی، اور پھر کمزور متابع کو لے کر نقد کر ڈالی، لیکن اس راوی اور سند ہذا پر کوئی التفات ہی نہیں کیا، حالانکہ علمی دیانت کا تقاضہ تھا کہ وہ جہاں کمزور اور موضوع اسناد پر بحث کر رہے تھے، وہیں مقبول پر بھی کچھ کلام کر دیتے، تاکہ دونوں جہات کا حکم واضح رہتا اور صحیح و سقیم میں امتیاز بھی ہو جاتا۔

۷۔ خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد" میں اس کی دوسری سند کو "محمد بن سہل بن عامر بجلی" سے وارد کیا ہے اور یہ غالباً یہ "محمد بن سہل بن عامر کوفی "ہیں۔ یہ اپنے والد سہل بن عامر سے روایت کرتے ہیں، جبکہ ان سے شیخ داود (عبد اللہ) جعفری (ابو سلیمان مدنی)، متوفی ۲۳۰ھ "ثقة" اور ابو شیبہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ امام ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعديل،(٧/ ٢٧٧)" میں اپنے والد سے ان کا مختصر ذکر کیا ہے۔ نیز حافظ مزی نے "تحفة الأشراف،(٧/ ٣٦٦)" میں اس متابع کو "محمد بن زیاد سلمی" کے ساتھ بطور تائید درج کیا ہے۔

پس اگر تو یہ راوی وہی ہیں، جنھیں ابن ابی حاتم نے "الكوفي ، أو سكن الرَّي" سے ذکر کیا، تو پھر یہ کلیۃً مجہول نہیں، جیسا کہ ناقدین نے گمان کیا ہے اور ہمارے نزدیک دونوں ایک ہی ہیں، کیونکہ "البُجَليُّ" خاندانی نسبت ہے اور بقیہ مقام سکونت کی مناسبت سے ہے۔ الغرض ان کی صریح توثیق تو معلوم نہیں ہو سکی، لیکن خطیب بغدادی اور پھر حافظ مزی کا سند ہذا کو بیان کرنا ضمنی تقویت کرتا ہے۔ پس اگر اس توضیح کو قبول نہ بھی کیا جائے، تو بھی سابق چھ اَدلہ نفس مسئلہ

کے اثبات پر کافی ہیں۔ اسے ہم نے صرف ضمنی تائید اور دیانت علمی کے طور پر درج کر دیا ہے۔ نیز یہ راوی بھی شیخ البانی کے یہاں زیر بحث نہیں آئے ہیں۔ فافہم

۸۔ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں اس کی تیسری سند کو "علی بن غراب" سے اور انھوں نے سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ متابعت تامہ ہے، نیز اس میں اختلافی شخصیت یعنی ابو الصلت ہروی بھی موجود نہیں۔

اور یہ قاضی ابو الحسن / ابو الولید علی بن غراب فزاری کوفی، متوفی ۱۸۴ھ ہیں۔ امام نسائی، ابن ماجہ اور احمد بن حنبل سمیت متعدد ائمہ و محدثین کے شیخ ہیں۔ امام حاکم، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، بزار، دار قطنی اور ابن ابی شیبہ جیسے اَساطین نے ان سے روایت نقل کی ہیں۔ مجموعی طور پر مختلف کتب میں (۵۴) اَحادیث منقول ہیں۔

امام ابن ابی حاتم رازی نے "الجرح والتعديل، (٦/ ٢٠٠)" میں یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور اپنے والد کے حوالے سے انھیں "صدوق" جبکہ شیخ عسقلانی نے "تهذيب التهذيب، (٧/ ٣٧١)" میں بحوالہ یحییٰ بن معین اور عثمان بن ابی شیبہ انھیں "ثقةٌ" لکھا ہے۔ حافظ ذہبی نے "تاريخ الإسلام، (١٢/ ٣٠٦)" میں بحوالہ دار قطنی "ثقةٌ" بیان کیا ہے۔ البتہ امام ابن حبان، جوزجانی اور دیگر محدثین نے ان پر جرح بھی کی ہے، لیکن جمہور کے نزدیک ان کی توثیق ہی راجح ہے۔ خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ میرے نزدیک ان پر مائل بہ تشیع ہونے کی وجہ سے جرح کی گئی ہے، لیکن ان کی روایات میں صدق ہی پایا گیا۔ اور یوں ہی مغلطائی نے "إكمال تهذيب الكمال، (٩/ ٣٦١)" میں لکھا: امام نسائی نے تدلیس کے باوجود انھیں "ليس به بأس" جبکہ امام احمد بن حنبل نے "ولا أراه إلا صدوقا" قرار دیا ہے۔ حافظ سیوطی اور شیخ کنانی دونوں نے مذکورہ مقام پر ان کی سند کو متابع بننے کا اہل قرار دیا ہے۔

۹۔ حدیث بالا کو امام ابو سعید ابن الاعرابی بصری، متوفی ۳۴۰ھ نے "المعجم" میں بطریق "عبد الغنی بن محمد بن حسن" انھوں نے "عبد اللہ بن جعفر بن محمد" اور انھوں نے سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں ابو الصلت ہروی سرے سے موجود ہی نہیں، اور یہ سند کی متابعت تامہ ہے۔ نیز حافظ عسقلانی نے بطورِ دلیل متابع اسی سند کو "النكت الظراف على هامش الأطراف، (٧/ ٣٦٦، الرقم ١٠٠٧٦)" میں بھی صریحاً بیان کیا ہے، جس سے ضمناً اُن کے میلان صحت کا بھی اشارہ ملتا ہے، کیونکہ اگر اُن کے نزدیک حدیث وسند ہی موضوع ہوتی، تو وہ متابع پیش کرنے کے

بجائے تردید پر کلام پیش کرتے۔ البتہ شیخ ابن الاعرابی اور حافظ عسقلانی کی ذکر کردہ سند میں ایک لفظ پر معمولی اختلاف ہے، چنانچہ اوّل نے "عبد اللہ بن جعفر بن محمد" اور ثانی نے "عبد اللہ بن یحییٰ بن جعفر بن محمد" بیان کیا ہے۔ اس بارے میں مزید کلام باب رِضا میں مذکور ہے، وہاں مراجعت کریں۔ لیکن اختلاف بالا سے قطع نظر دونوں ائمہ کا سند کو بطور ثبوت لانا اس پر دلالت کرتا ہے، کہ اُن کے نزدیک موضوعیت کا حکم مبنی بر صواب نہیں تھا۔

۱۰۔ حدیث بالا کو امام بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ "شعب الإيمان" میں اپنی دو مختلف اسناد سے لائے ہیں، چنانچہ پہلی سند میں بطریق "علی بن عبد العزیز" اور وہ ابو الصلت ہروی سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ ابو الحسن علی بن عبد العزیز بن مرزبان ابن سابور بغوی، متوفی ۲۸۶ھ ہیں۔ ان سے امام ابن ماجہ، حاکم، دار قطنی، بیہقی، طحاوی او دیگر محدثین کرام نے روایات لی ہیں، صرف امام طبرانی نے اپنی کتب میں دو ہزار سے زائد اَحادیث نقل کی ہیں، اور مجموعی طور پر ان سے مختلف کتب حدیث میں (۲۹۶۶) اَحادیث مروی ہیں۔ حافظ ذہبی نے "سير أعلام النبلاء، (۱۳/ ۲٤۸)" میں انھیں "الإمام ، الحافظ ، الصَّدوق" بیان کیا ہے، جبکہ اسی مقام پر بحوالہ امام دار قطنی "ثقةٌ ، مأمونٌ" بھی لکھا ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعديل، (٦/ ١٩٦)" پر انھیں "وكان صدوقاً" ذکر کیا ہے۔ یوں ہی امام ذہبی نے "ميزان الأعتدال، (۳/ ۱٤۳)" اور حافظ عسقلانی نے "لسان الميزان، (٥/ ٥٥٩)" میں بعض کمزوریوں کے باوجود "ثقةٌ" شمار کیا ہے، لہٰذا اس تناظر میں ان کی ثقاہت راجح اور سند ہذا کا آٹھواں متابع قوی ٹھہرتا ہے۔

۱۱۔ امام بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ نے "شعب الإيمان" میں حدیث بالا کی دوسری اور قوی تر سند بھی ذکر کی، چنانچہ اس میں ابو الصلت ہروی کے ساتھ سیّدنا رضا سے سماع حدیث کرنے والوں میں "محمد بن اسلم طوسی" بھی مذکور ہیں۔ اور یہ ابو الحسن محمد بن اسلم بن سالم بن یزید طوسی خراسانی کندی، متوفی ۲۴۲ھ ہیں۔ نیز امام بیہقی کی سند متابعت کی صحت کو امام ابن جزری نے بھی "مناقب الأسد الغالب علي بن أبي طالب، (۱/ ۷۵)" میں برقرار رکھتے ہوئے استناداً پیش کیا ہے۔

امام ابن ابی حاتم رازی نے "الجرح والتعديل، (۷/ ۲۰۱)" میں انھیں اپنے والد اور شیخ ابوزُرعہ رازی کے حوالے سے "ثقةٌ" لکھا جبکہ حافظ ذہبی نے "سير أعلام النبلاء، (۱۳/ ۲٤۸)" میں "الإمام ، الحافظ الرَّبانيّ ، شيخ الإسلام"

قرار دیا ہے اور اسی کتاب میں ان کے لیے بحوالہ حاکم "كان من الأبدال المتتبعين للآثار" بھی بیان کیا ہے، نیز ذہبی نے ان کا مفصل وذوق افزاء تذکرہ تحریر کیا جو قابل مطالعہ ہے۔ امام ابن حبان نے بھی "الثقات،(۹/ ۹۷)" میں ان کے کافی مدح وتوصیف بیان کی ہے۔ سیوطی نے "طبقات الحفاظ، (الصفحة۲۳۸)" میں انھیں "وكان من الثقات الحفاظ، والأولياء الأبدال" بیان کیا، نیز اسی مقام پر بحوالہ امام ابن خزیمہ "هو رباني هذه الأمة" بھی ذکر کیا ہے۔

لہٰذا محمد بن اسلم طوسی کے براہ راست سماع کرنے کی بدولت نا صرف سند کی متابعت تامہ میسّر آئی، بلکہ ائمہ نے ابو الصلت ہروی پر تفردِ سند کا جو حکم لگایا، وہ بھی متغیر ہو کر درجہ حسن ہو جاتا ہے، کیونکہ محمد بن اسلم طوسی کی اُسی شیخ یعنی سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے حدیث کی متابعت پائی گئی، تو یوں حدیث کی روایت میں شیخ ہروی تنہا نہیں ۔

خلاصۂ بحث

بحث ہذا کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض محدثین اور ناقدین کو حدیث بالا سے متعلق درج ذیل اُمور پر اختلاف وکلام تھا:

۱۔ ابو الصلت ہروی سے حدیث بالا کو جتنے راویوں نے لیا، وہ متروک ومطعون ہیں

حدیث بالا کی مختلف جہات پر نقد کرنے والوں میں سب سے زیادہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ البانی نے گفتگو کی ہے، جبکہ جزوی طور پر دیگر محدثین کے یہاں بھی کلام ہوا ہے۔ لیکن بیشتر کا مرجع اوّل ہے اور تنقیدی ابحاث کا احاطہ مؤخر الذکر نے شرح وبسط کے ساتھ کر دیا ہے۔ چنانچہ ہم نے ایرادِ اَدلہ اور توضیحات کے لیے ان کے نکات کو زیادہ ملحوظ رکھا ہے۔ اسی لیے جن راویوں پر انھوں نے گرفت کی، ہم نے اُن سے تمسک نہیں کیا، تاکہ اختلاف پیدا نہ ہوا، البتہ چند حضرات کے بارے میں کبار محدثین اور علمائے جرح وتعدیل سے استفادہ کرتے ہوئے ثقاہت کو اُجاگر کیا ہے، جس سے اِن حضرات کی تنقید وتضعیف کالعدم ہو جاتی ہے۔

بہر کیف امام ابن جوزی نے "الموضوعات،(۱/ ۱۸۷-۱۸۵)" میں تفصیلی کلام کرتے ہوئے درج ذیل رُواۃ کی اسناد پر تنقید کی ہے: "معاذ بن مثنی، محمد بن علی"۔ "عبد اللہ بن احمد بن عامر بن سلیمان طائی"۔ "علی بن غُراب"۔ "محمد بن سہل بن عامر بجلی"۔ "داود بن سلیمان غازی"۔

شیخ ناصر الدین البانی نے ''سلسلة الأحاديث الضعيفة، (٥/ ٢٩٩-٢٩٥)'' میں حدیث بالا کے درج ذیل رُواۃ پر تنقید کی ہے: ''ہیثم ابن عبد اللہ''۔ ''داود بن سلیمان قزوینی، علی بن اَزہر سرخسی''۔ ''محمد بن صدقہ، محمد تمیم''۔ ''عباد بن صہیب''۔ ''عبد اللہ بن موسیٰ بن جعفر بن محمد''۔ ''احمد بن عباس زہری''۔ ''عبد اللہ بن احمد بن عامر بن سلیمان طائی''۔ ''ابو علی احمد بن علی انصاری''۔

یہاں ہم نے وہ راوی اَخذ کیے ہیں، جنھیں ابو الصلت ہروی سے حدیث لینے پر موضوع بحث بنایا گیا تھا، ان سے بعد کے مزید رُواۃ زیر بحث نہیں، اور نہ ہی اس مقام پر ان کے ایراد کی حاجت ہے۔ مذکورہ راویوں میں سے تین افراد ایسے ہیں، جنھیں ناقدین نے جرح کرتے ہوئے ضعیف و متروک قرار دیا، لیکن ہم نے دیگر کبار علمائے جرح و تعدیل کی نصوص سے استدلال کرتے ہوئے اُن کی صحت و توثیق واضح کر دی ہے، لہٰذا اب اُن پر ناقدین کا حکم مؤثر نہیں رہتا اور یہ رُواۃ ذیل میں رقم (٥/٦/٧) پر اجمالاً مذکور ہیں۔ جبکہ بقیہ متابعات و شواہد میں ایسے رُواۃ پیش کیے گئے ہیں، جن کی علمی واستنادی حیثیت بھی معتبر ہے اور انھیں ناقدین کے یہاں زیر بحث بھی نہیں لایا گیا۔ نیز رقم (١٠/١١) پر موجود شخصیات کے بارے میں کوئی حتمی رائے تو حاصل نہیں ہو سکی، لیکن دیگر ائمہ کی نقل وعدم جرح کی بنیاد پر انھیں بھی ضمناً تائید میں شامل کر لیا گیا ہے، اگرچہ ان کا حذف بھی ہمارے مؤقف کو مضر نہیں۔ اب اہل علم ما قبل درج ابن جوزی اور البانی کے یہاں مذکور مطعون و متروک رُواۃ اور یہاں درج ائمہ کی تفصیلات کا تقابلی جائزہ کر لیں۔

١۔ ابو بکر احمد بن ابی خثیمہ، متوفی ٢٧٩ھ۔ ''ثقةٌ، صدوقٌ''۔

٢۔ ابو صالح محمد بن اسماعیل بن ابی ضرار رَازی، متوفی ٢٤٠ھ۔ ''صدوقٌ''۔

٣۔ ابو یونس محمد بن احمد بن یزید قرشی جمحی، متوفی ٢٥٥ھ۔ ''صدوقٌ''۔

٤۔ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن زید مکی الصائغ، متوفی ٢٩١ھ۔ ''المحدث، الإمام، الثقة''۔

٥۔ ابو المثنیٰ معاذ بن مثنی، عنبری بغدادی، متوفی ٢٨٨ھ۔ ''ثقةٌ، مُتقنٌ''۔

٦۔ ابو العباس محمد بن علی بن فضل، المعروف فُسْتُقَة، متوفی ٢٨٨ھ۔ ''ثقةٌ''۔

٧۔ قاضی ابو الحسن / ابو الولید علی بن غُراب فزاری کوفی، متوفی ١٨٤ھ۔ ''ثقةٌ، صدوقٌ''۔

۸۔ ابو الحسن علی بن عبد العزیز بن مرزبان ابن سابور بغوی، متوفی ۲۸۶ھ۔"ثقةٌ ، مأمونٌ ، إمامٌ "۔

۹۔ ابو الحسن محمد بن اسلم طوسی، متوفی ۲۴۲ھ۔"الثقة ، الإمام ، الحافظ الرَّبانيّ ، شيخ الإسلام"۔

۱۰۔ عبد اللہ بن یحییٰ بن جعفر بن محمد۔

۱۱۔ محمد بن سہل بن عامر کوفی۔

۲۔ ابو الصلت ہروی حدیث بالا کو سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں منفرد ہے

بہت سے ائمہ اور ناقدین نے یہی بات بیان کی ہے کہ حدیث بالا کے جمیع طرق ابو الصلت ہروی سے ہی متصل ہوتے ہیں، جس سے انھوں نے گمان کیا کہ یہ حدیث اس کی گھڑی ہوئی ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا، تو لازماً سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ سے دیگر حضرات بھی روایت کرتے۔ چنانچہ اس کے لیے ہم نے ماقبل ترتیب متابعات کے ضمن میں رقم (۷/۸/۹/۱۱) میں شواہد کو تفصیلی دلائل کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ ابو الصلت ہروی کے علاوہ بھی چار شخصیات ایسی ہیں، جو حدیث کو سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ سے براہِ راست روایت کرتی ہیں، ان میں سے دو اگرچہ زیادہ مبرہن اور مؤکد نہیں، لیکن علی بن غُراب اور پھر محمد بن اسلم طوسی ایسی شخصیات ہیں، جن پر بکثرت ائمہ کا اعتماد اور توثیقات موجود ہیں، لہٰذا نہ تو یہ دونوں ضعیف راوی ہیں، اور نہ ہی انھوں نے ابو الصلت ہروی سے روایت کیا ہے، بلکہ علی بن غُراب، متوفی ۱۸۴ھ تو اس حدیث کو اُس وقت سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ سے روایت کر چکے، جبکہ ابو الصلت ہروی، متوفی ۲۳۶ھ شاید ابھی تحصیل علم کر رہے ہوں گے۔

اس کے علاوہ شیخ خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ "المتفق والمفترق، (۳/ ١٤٤٣، الرقم ٨٣٥)" میں حدیث بالا کو بطریق محمد بن صدقہ اور محمد بن تمیم از سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے، تو اس سند میں ابو الصلت ہروی تو اپنی جگہ رہے، خود سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ بھی مذکور نہیں۔ بلکہ دونوں راویوں نے اسے ابو الصلت کے شیخ الشیخ موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اور یہ متابعات قاصرہ ہیں۔ لیکن اس سند پر دونوں راویوں کے مجہول الحال ہونے کے سبب واضح حکم لگانا ممکن نہیں، اسی لیے محدثین اور ناقدین نے بھی اس اِعراض کیا اور بایں وجہ ہم بھی تمسک نہیں کر رہے۔ لیکن بر سبیل تنزل اگر شیخ بغدادی کی نقل دُرست ہو، تو ایسی صورت میں یہ بھی قوی متابع شمار ہو گا۔

۳۔ متن حدیث کے شاہد موجود نہیں

اس پر حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللآلي المصنوعة" میں تفصیلی بحث کی ہے، جس میں دیلمی، شیرازی اور صابونی جیسے محدثین سے کافی شواہد یکجا کر دیے ہیں، نیز یوں ہی شیخ ابن عراق کنانی نے "تنزيه الشريعة المرفوعة" میں بھی نفیس و مختصر کلام جمع کیا ہے، چونکہ وہ ابحاث مرتب ہیں، اسی لیے ہم اُن کے ایراد سے اجتناب کر رہے ہیں، اہل ذوق وہاں مراجعت کریں[۱۴]۔

۴۔ ابو الصلت ہروی خود ہی متہم و متروک ہے

ان کے بارے میں اکابر محدثین و ائمہ کے کلمات جرح و تعدیل میں اختلاف پایا جاتا ہے، ان تمام اقوال کا احاطہ یہاں ممکن نہیں۔ البتہ شیخ یحییٰ بن معین کی جرح سب سے زیادہ منقول ہے، جس میں باہم تصادم نظر آتا ہے، پس کسی مقام پر تو انھوں نے واضح توثیق کی اور کسی مقام پر جرح، چنانچہ ان کے میسّر اقوال کا خلاصہ یوں ہے:

١. حدثنا إبراهيم بن عبد الله بن الجنيد، قال: سألت يحيى بن معين، عن أبي الصلت الهروي، فقال: قد سمع وما أعرفه بالكذب .... وقال مرة أخرى: سمعت يحيى، وذكر أبا الصلت الهروي، فقال: لم يكن أبو الصلت عندنا من أهل الكذب. (تاريخ بغداد ، ١٢/ ٣١٩)

٢. عبد الخالق بن منصور، قال: وسألت يحيى بن معين عن أبي الصلت، فقال: ما أعرفه. (تاريخ بغداد ، ١٢/ ٣١٩)

٣. قال ابن محرز: سألت يحيى بن معين عن أبي الصلت ، فقال : ليس ممن يكذب . وقال عباس : سمعت ابن معين ، يوثق أبا الصلت. (سير أعلام النبلاء ، (١١/ ٤٤٨)

٤. قال حاتم بن يونس الجرجاني الحافظ: سألت ابن معين عنه ، فقال: صدوق ، أحمق . (سير أعلام النبلاء ، ١١/ ٤٤٨)

٤. سئل يحيى بن معين، عن أبي الصلت فقال: قد سمع وما أعرفه بالكذب. (تاريخ الإسلام،١٧/ ٢٥٠)

۱۴۔ **اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة** ، للسيوطي ، كتاب الإيمان ، ١/ ٣٣-٣٦، دار المعرفة بيروت . **تنزيه الشريعة المرفوعة عن أخبار الشنيعة الموضوعة** ، للكناني ، كتاب الإيمان ، ١/ ١٥١، دار الكتب العلمية ، الطبعة الثانية .

٥. وقال الحسن بن علي بن مالك : سألت ابن معين عن أبي الصلت ؟ فقال : ثقة صدوق إلا أنه يتشيع . (تهذيب التهذيب ، ٤/ ١٧٤، طبعة السعودية)

٦. قال الدوري : سمعت ابن معين يوثق أبا الصلت . (تهذيب التهذيب ،٤/ ١٧٥)

٧. قال صالح بن محمد : رأيت بن معين يحسن القول فيه . (تهذيب التهذيب ،٤/ ١٧٥)

٨. قال الحاكم : وثقة أمام أهل الحديث يحيى بن معين . (تهذيب التهذيب ،٤/ ١٧٥)

جبکہ امام ابو داود نے اپنی اور یحییٰ بن معین کی توثیق یوں ذکر کی:

٩. وقال الآجري ، عن أبي داود : كان ضابطا ، ورأيت ابن معين عنده . (تهذيب التهذيب ، ٤/ ١٧٥)

اَب صرف شیخ یحییٰ بن معین سے منقول کلمات میں ہی اتنا واضح اختلاف ہے کہ کہیں جرح شدید ہے اور کہیں واضح توثیق و تعدیل۔ تو پھر بقیہ ائمہ کی جرح کی تحقیق و تنقیح کے بعد ممکن ہے کچھ اور ہی منظر عیاں ہو۔

البتہ صرف عبد الخالق بن منصور کے متذکرہ جواب کی وضاحت میں "تاريخ بغداد ، ١٢/ ٣١٩" میں لکھا ہے کہ ابتدائی طور پر تو یحییٰ بن معین کو ابو الصلت ہروی کے بارے میں معلوم نہیں تھا، لیکن جب شناسائی ہو گئی، تو پھر ابراہیم بن عبد اللہ بن جنید والا توثیق کا جواب دیا۔ انتہیٰ۔

امام نسائی نے انھیں صرف "ليس بثقة" کہا ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ نے ان کی معروف روایت ہونے پر کوئی جرح نہیں کی، البتہ غیر معروف روایات کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ احمد بن سیار مروزی نے ان کی تعریف ہی بیان کی۔ امام ابو حاتم رازی نے "لم يكن بصدوق ، وهو ضعيف ، ولم يحدثني عنه" کے ساتھ معمولی جرح کی ہے۔ یہ تمام اقوال حافظ مزی و عسقلانی نے " تهذيب الكمال ، ١٨/ ٨٠ . تهذيب التهذيب ،٤/ ١٧٥" میں جمع کر دیے ہیں۔

امام ابو الحسن عجلی، متوفی ٢٦١ھ نے تو انھیں صریحاً "ثقة" لکھا ہے، جیسا کہ "إكمال ،(٨/ ٢٧٤)" میں مذکور ہے۔ عجلی کی "معرفة الثقات،(٢/ ٩٤، الرقم ١٠٩٩)" کی طبع قاہرہ میں "عبد السلام بن صالح ، بصري ، ثقة "جبکہ "دار الكتب العلمية ،(الصفة ٣٠٣ ،الرقم ١٠٠٢)" کی طبع میں "بصری" کو بریکٹ میں لکھا گیا ہے۔ نیز اوّل الذکر کے محقق

نے اس سے "عبد السلام بن صالح ، أبو عمرو الدارمي" مراد لیا، جبکہ ثانی الذکر کے محققین نے ابوالصلت ہروی کو مراد لیا ہے اور شیخ مغلطائی کی نقل کے پیش نظر یہی درست بھی ہے۔

الغرض ابوالصلت ہروی کے معاصرین اور کبار ائمہ نے توثیق یا پھر معمولی جرح ہی کی ہے، لیکن بعض معاصرین مثلاً ابواسحاق جوزجانی، متوفی ۲۵۹ھ ،ابوزُرعہ رازی، متوفی ۲٦۴ھ وغیرہ نے شدید جرح کی ہے اوران کے بعد آنے والے مثلاً شیخ ابوجعفر محمد عقیلی، متوفی ۳۲۲ھ اور محمد بن طاہر (غالباً قیسرانی ظاہری، متوفی ۵۰۷ھ) نے توایسی جرح کی ہے کہ سب ہی کو کہنا پڑا، کہ حافظ عسقلانی کو بھی "وأفرط العقيلي فقال: كذاب" کہنا پڑا۔" تهذيب التهذيب ، ٤/ ١٧٥. تقريب التهذيب ، الصفحة ٦٠٨ ، الرقم ٤٠٩٨"۔

ہمارے نزدیک کبار ائمہ جرح وتعدیل مثلاً امام ابوداود اور پھر یحییٰ بن معین کی اکثر مقامات پر توثیق نیز ابوالصلت کے دیگر معاصرین کے نزدیک معمولی جرح کے ساتھ قبولیت وصدق کی شہادت بعد میں آنے والے حضرات کی جرح کے مقابلے میں زیادہ لائق اعتناء ہے، اس لیے ہم نے کتاب ہذا میں صرف مستند ائمہ کے یہاں بغیر جرح کے وارد کردہ ان کی تین چار روایات کو ہی درج کیا ہے، نیز ان کی تائید دیگر متون وشواہد سے بھی ہوتی ہے۔

بہر حال مجموعی طور پر حافظ عسقلانی کا بیان "صدوق ، له مناكير ، وكان يتشيع" ہمارے نزدیک اقوال ائمہ کا جامع خلاصہ ہے کہ شواہد ائمہ کی روشنی میں ان کا صدق راجح اور تشیع غلو سے پاک تھا، البتہ مناکیر کی موجودگی صرف انہی روایات پر مؤثر ہوگی، جن میں ثبوت بدلائل وقوت واضح ہو، یہی امام اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل اوراحمد بن سیار مروزی ایسے معاصر اَساطین کے بیانات سے بھی مترشح ہے۔ واللہ اعلم

(٥) حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو طَالِبٍ الْعَبَّاسُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ مُقَاتِلِ بْنِ صَالِحٍ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ وَنِيَّةُ الْفَاجِرِ شَرٌّ مِنْ عَمَلِهِ وَكُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى نِيَّتِهِ. (١٥)

ترجمہ: مؤمن کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے اور فاسق کی نیت اُس کے عمل سے بدتر ہے اور ہر ایک اپنی نیت پر عمل کرتا ہے۔

امام ابن عبد البر "الإستذكار**"(١٦) میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں:**

نیت تو بغیر عمل کے بھی قبول ہو جاتی ہے، جبکہ عمل بغیر نیت کے مقبول نہیں ہوتا، کیونکہ نیت عمل کیے بغیر بھی ثواب کا سبب بن جاتی ہے، جبکہ عمل کو قابل ثواب ہونے کے لیے نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز مؤمن شخص کی اچھے اعمال کے بارے میں نیتیں تو زیادہ ہوتی ہیں، لیکن وہ ساری نیتوں پر عمل نہیں کرپاتا، اس لیے اُسے نیتوں کا ثواب بھی دیا جاتا ہے، لیکن فاسق شخص بُرائی کے جتنے ارادے کرتا ہے، اُن سب کو کر نہیں پاتا کہ اگر وہ اپنی ساری نیتوں پر عمل کر سکے، تو دنیا میں فساد پھیل جائے۔ ملخصًا

١٥- **التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد** ، للإمام ابن عبد البر ، حديث رابع لمحمد بن المنكدر ، ١٢/ ٢٦٥، طبعة وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية ، المغرب ، واللفظ له . **المعجم الكبير** ، للطبراني ، ٦/ ١٨٥، الرقم ٥٩٤٢ ، مكتبة ابن تيمية القاهرة . **مسند الشهاب** ، للقضاعي ، ١/ ١١٩ ، الرقم ١٤٨، مؤسسة الرسالة بيروت. **حلية الأولياء** ، للإمام أبي نعيم ، ٣/ ٢٥٥ ، دار الكتب العلمية . **مجمع الزوائد** ، للهيثمي ، ١/ ٣٤٧ ، الرقم ٢١٣/ ٤٢٦ ، دار المنهاج . **كتاب الأمثال في الحديث النبوي** ، للإمام أبي الشيخ الأصبهاني ، الصفحة ٥٤ ، الرقم ٥٢ ، الدار السلفية الهند . **الطيوريات** ، للإمام أبي طاهر السلفي ، ٢/ ٧٤٣ ، الرقم ٦٦٥ . طبعة أضواء السلف . **تاويل مختلف الحديث** ، للدينوري ، ١/ ٢٢٤، المكتب الإسلامي .

١٦- **التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد** ، ١٢/ ٢٦٥ . **الإستذكار** ، ٥/ ١٨٦ ، الرقم ٦٤٠٢، كلاهما لإبن عبد البر .

شیخ ناصر الدین البانی نے ''سلسلة الأحاديث الضعيفة ،(٦/ ٣٠٣، الرقم ٢٧٨٩.و١٣/ ١٢١، الرقم ٦٠٤٥)'' میں اس حدیث کے طرق وشواہد پر بحث کرتے ہوئے اوّلاً موضوع اور پھر ضعیف پر تنزل کیا ہے۔ شیخ عجلونی نے ''كشف الخفاء،(٢/ ٣٢٤،الرقم ٢٨٣٦)'' اور حافظ سیوطی نے '' الدُّرر المنتثرة،(الصفحة ١٩٧،الرقم ٤٢٦)'' میں مختصر بحث کے بعد موضوع کے بجائے ضُعف ہی بیان کیا ہے، نیز بعض عرب محققین نے ''حسن لغیرہ'' بھی کہا ہے، جیسا کہ ''تأويل مختلف الحديث، للدينوري،(١/ ٢٢٤)'' پر مذکور ہے۔ شیخ سخاوی ''المقاصد الحسنة،(الصفحة ٧٠٢)'' میں لکھتے ہیں:

اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن متعدد طرق اور دیگر شواہد کا وجود اسے تقویت دیتا ہے اور میں نے اس بارے میں ایک رسالہ بھی تحریر کیا ہے۔

لیکن واضح رہے کہ انھوں نے دیگر اَصحاب سے مروی طرق واَسانید پر ضعف کا حکم لگایا ہے، اُن کے یہاں ابن عبد البر والی سند بالا زیر بحث ہی نہیں آسکی، لہٰذا شیخ البانی و دیگر کا ناقدانہ کلام اس سند پر جاری نہیں ہو گا۔

امام ابن عبد البر نے بطریق امام کاظم رضی اللہ عنہ حدیث کو اپنے سب سے عالی و مقدم شیخ خلف بن قاسم بن سہل ابن دباغ اَندلسی، متوفی ۳۹۳ھ سے روایت کیا ہے۔ شیخ ذہبی ان کے لیے ''تاريخ الإسلام،(٢٧/ ٢٨٥)'' میں لکھتے ہیں:

ابن عبد البر انھیں اپنے مشائخ میں مقدم تر رکھتے تھے۔ نیز اسی مقام پر حافظ ذہبی نے انھیں ''وكان حافظاً فَهِماً ، عارفاً بالرِّجال'' جیسے کلمات سے بھی یاد کیا ہے۔ انتہیٰ۔

خلف بن قاسم کے شیخ ابو طالب عباس بن احمد بن سعید ابن صالح مولی عبد اللہ بن جعفر کا تذکرہ معلوم نہیں ہو سکا، انھوں نے موسی بن اسماعیل بن موسی کاظم سے روایت کی، ان کی کنیت ابو الحسن ہے اور یہ معروف راوی ابو الصلت ہروی کے بھی شیخ ہیں۔ حاکم نے ''المستدرك'' اور بیہقی نے ''السنن الكبرى'' میں ان کے طریق سے روایت لے کر ضمنی توثیق کی ہے، بلکہ مؤخر نے تو خاص احکام کے باب میں حدیث لی ہے، فافہم۔ یہ دونوں اَحادیث آرہی ہیں۔

ابن عبد البر کی متذکرہ سند میں محمد بن اشعث کوئی موجود نہیں، لیکن اسی طریق سے آئندہ آنے والی حدیث کی سند میں موسی بن اسماعیل کے بعد ابن اشعث کا ذکر ہے، چنانچہ گمان ہے کہ اوّل الذکر مقام پر یہ راوی کسی سبب سے ساقط ہو گیا، یا پھر ابو طالب عباس بن احمد کو بھی براہ راست موسی بن اسماعیل ابن کاظم سے روایت حاصل ہو گی۔ واللہ اعلم۔

(٦) حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ الْقَاسِمِ ، حَدَّثَنَا أَبُو طَالِبٍ الْعَبَّاسُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ مُقَاتِلِ بْنِ صَالِحٍ مَوْلَى عَبْدِ الله بْنِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الأشعث الكوفي قال : حدثني موسى ابن إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

إِنَّ شِرَارَ النَّاسِ عِنْدَ الله الَّذِينَ يُكْرَمُونَ اتِّقَاءَ شَرِّهِمْ .(١٧)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہیں؛ جن کے فتنے سے بچنے کے لیے اُن کی عزت کی جاتی ہو۔

حدیث میں بیان کردہ اَمر کی وضاحت "صحيح البخاري" کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے داخلے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُسے آنے دو، یہ بُرا بھائی ہے۔ پس جب وہ شخص اَندر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے نرمی سے بات کی، جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے تو اُس کے بارے میں یہ فرمایا تھا، لیکن پھر نرمی سے کلام کیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک مرتبہ میں بدترین شخص وہ ہے؛ جسے لوگ اُس کی بدزبانی کے سبب چھوڑ دیں۔(١٨)

بہرکیف حدیث بالا متعدد محدثین کے یہاں دیگر اسناد سے موجود ہے، لیکن سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل کرنے میں امام ابن عبد البر منفرد ہیں، انھوں نے حسب سابق اسے اپنے شیخ خلف بن قاسم بن سہل سے روایت کیا

١٧- **التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد** ، للامام ابن عبد البر ، حديث تاسع عشر من البلاغات ، ٢٤/ ٢٦٢ ، واللفظ له . **والاستذكار**...أيضاً ، ٢٦/ ١٢٢ ، الرقم ٣٨٩٢٥. **مسند إسحاق بن راهويه** ، ٢/ ٣١٠ ، الرقم ٢٩١ ، ٢/ ٦٢٢ ، الرقم ١١٩٨، رواه برجال الصَّحِيحَين ، مكتبة دار الايمان بالمدينة المنورة . **مسند الإمام أحمد** ، ٤١/ ٣٠٧ ، الرقم ٢٤٧٩٨. **مسند الإمام البزار** ، ١٨/ ٢٣٣ ، الرقم ٢٥١، مكتبة العلوم والحكم . **مسند أبي يعلى الموصلي** ، ٨/ ٨٥ ، الرقم ٤٠١٨ ، دار المأمون للتراث .

١٨- **الصحيح** ، للبخاري ، كتاب الأدب ، باب المداراة مع الناس ، الصفحة ١٥٣١ ، الرقم ٦١٣١. دار ابن كثير بيروت .

ہے۔ محدثین وائمہ کے درج کردہ شواہد اور واضح تائیدات نے حدیث کی توثیق بیان کی ہے۔ لیکن شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ، (١٣/ ٨٠٣ ، الرقم٦٤٦٢)" میں یک لخت موضوع کہتے ہوئے ابن عبد البر کے بارے میں لکھا:

سكت عنه ابن عبد البر وكأن ذلك لوضوح علته.

ترجمہ: ابن عبد البر نے حدیث لکھ کر سکوت کیا، شاید انھیں بھی اس کی قباحت معلوم تھی۔

لیکن البانی کو خود معلوم نہیں ہوسکا کہ ابن عبد البر اسے دوسری کتاب "الاستذکار، ٢٦/ ١٢٢، الرقم ٣٨٩٢٥)" میں بھی لائے ہیں، اور وہاں سکوت کے بجائے بطریق سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اِس کے "التمہید" میں ایراد کو خود اُجاگر کیا ہے۔ لہٰذا اگر اُن کے نزدیک اس میں واقعی کوئی قباحت ہوتی، تو کم اَز کم دوسرے مقام پر اسے امتیازاً بیان کرنے کے بجائے نقد کرتے، یا پھر ذکر ہی نہ کرتے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا، تو اس سے صاف عیاں ہے کہ انھیں سند بالا کے طریق پر اعتماد تھا۔ تو یوں البانی کا شیخ ابن عبد البر کے حوالے سے ظاہری دردمندانہ بیان کالعدم ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بعد انھوں نے اپنے طے شدہ فارمولے کے مطابق راوی کو دیکھتے ہی چڑھائی کر دی، جس کا جواب مقدمے اور دیگر مقامات پر متعدد مرتبہ دیا جاچکا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث شواہد ومتابع کی روشنی میں "صحیح" قرار پاتی ہے، البتہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی سند اہل بیت میں ابن عبد البر کا دیگر محدثین سے تفرد ہے۔

(۷) أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُنْدَارٍ الْقَزْوِينِيُّ بِمَكَّةَ ، ثنا أَبُو مُحَمَّدٍ سَهْلُ بْنُ أَحْمَدَ الدِّيبَاجِيُّ ، ثنا أَبُو عَلِيٍّ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَشْعَثِ ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ ، أنبأ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ بْنِ سُلَيْمَانَ الصُّوفِيُّ قَالَ : قُرِئَ عَلَى أَبِي عَلِيٍّ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَشْعَثِ الْكُوفِيِّ : حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، ثنا أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ:

وَجَدْنَا فِي قَائِمِ سَيْفِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّحِيفَةِ : إِنَّ الْأَقْلَفَ لَا يُتْرَكُ فِي الْإِسْلَامِ حَتَّى يَخْتَتِنَ وَلَوْ بَلَغَ ثَمَانِينَ سَنَةً . (۱۹)

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے دستے میں جو صحیفہ پایا، اُس میں لکھا تھا: بغیر ختنے والے شخص کو اسلام میں یوں ہی نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ اس کا ختنہ کیا جائے گا، اگرچہ اسیؔ (۸۰) سال کا ہی کیوں نہ ہو۔

ختنہ اسلامی احکامات وشعائر میں سے ایک ہے، اسی لیے اس پر زور دیا گیا، چنانچہ "مسند أحمد" میں آپ ﷺ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان شخص نے اسلام قبول کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلْقِ عَنْكَ شَعَرَ الْكُفْرِ، وَاخْتَتِنْ . (۲۰)

ترجمہ: خود سے زمانہ کفر کے بال اُتارو اور ختنہ کرو۔

۱۹۔ **السنن الكبرى** ، للبيهقي ، كتاب الأشربة ، باب يكره السلطان على الإختتان ..الخ ، ۸/ ۵۶۱ ، الرقم ۱۷۵۵۸ ، دار الكتب العلمية ،الطبعة الثالثة ، واللفظ له . **تبيين الإمتنان بالأمر بالإختتان** ، للامام ابن عساكر ، الرقم ٦ ، الصفحة ۳۱، دار الصحابة بطنطا ، الطبعة الاولى . **إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة** ، للبوصيري ، كتاب الطهارة ، باب ۹، ۱/ ۲۹۳ ، الرقم ٤۸۳ ، دار الوطن الرياض ، الطبعة الاولى . **تحفة المودود في أحكام المولود** ، لابن القيم ، الصفحة ۱٦٤ ، دار البيان . **كنز العمال** ، للمتقي ، ۱٦/ ٤۳٦ ، الرقم ٤۵۳۱۰ ، مؤسسة الرسالة بيروت. **الجامع الصغير مع زيادته** ، للسيوطي ، ۱/ ۲۰٤، الرقم ۱٤۱۵ ، المكتب الإسلامي بيروت .

۲۰۔ **المسند** ، للامام أحمد ، ۲٤/ ۱٦۳، الرقم ۱۵٤۳۲ ، موسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الاولى .

اس حدیث سے بھی ختنے کی اہمیت واضح ہو رہی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ایسی عمر میں اسلام لائے کہ ختنہ کرنے سے اُسے جسمانی اَذیت یا کسی مرض کا اندیشہ ہو، تو اُسے ختنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، لیکن اگر اُس میں جسمانی طاقت و قوت موجود ہو، تو ختنہ کرایا جائے گا۔ یہ جو بات مشہور ہے کہ یا تو خود ختنہ کرے، یا پھر کسی ایسی خاتون سے شادی کرے جو ختنہ کر سکتی ہو اور بصورت دیگر ختنہ نہیں کر سکتا۔ یہ بات حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ ختنہ اسلام میں سنت ہونے کے ساتھ ساتھ فطری ضرورت بھی ہے، لہٰذا جس طرح کسی مرض کی وجہ سے طبیب ستر دیکھ سکتا ہے، اُسی طرح ختنہ کرنے کے لیے بھی اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ ختنہ میں عمر ملحوظ نہیں رکھی جائے گی، بلکہ طاقت و قوت کا لحاظ ہو گا، اگر قوت موجود ہے، تو چاہے خود ختنہ کرے، بیوی سے کرائے یا پھر طبیب سے بہر صورت اجازت ہے، لیکن اگر قوت موجود نہیں تو حکم ساقط ہو جائے گا اور اُسے ختنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

حدیث بالا کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "السنن الكبرى" میں روایت کیا اور پھر سند میں تفرد اہل بیت کا بیان کیا، لیکن کوئی جرح نہیں کی۔ نیز یوں ہی امام ابن عساکر نے انہی سے حدیث نقل کرتے ہوئے ابن اشعث کوفی کو "ليس بقوي" کہا، جبکہ شیخ بوصیری و ابن قیم جوزیہ نے بھی روایت کو بلا جرح نقل کیا ہے۔ البتہ شیخ البانی کے یہاں "سلسلة الأحاديث الضعيفة ، (٦/ ٥٦٧، الرقم ٢٩٩٧. و١١/ ٧٨٧، الرقم ٥٤٥٤)" میں بڑی وسعت کے ساتھ موضوع کہا گیا۔ تو ہمارے نزدیک امام بیہقی کے "السنن الكبرى" جیسی کتاب میں بغیر تنقید کے لانے سے اس کی صحت ہی واضح ہوتی ہے، کیونکہ انھوں نے عمومی طور پر اپنی کتب میں موضوع احادیث نہ لانے کا التزام کر رکھا ہے اور یہ کتاب تو خاص احکام سے متعلق ہے، پھر بھلا اس میں بغیر نقد کے موضوع حدیث کیوں لانے لگے؟ اس کے علاوہ بوصیری، ابن قیم جوزیہ، سیوطی اور علی متقی نے بھی حدیث پر کوئی نقد نہیں کی، ہاں ابن عساکر نے صرف ایک راوی پر جرح خفیف کی ہے، تو ان اُمور کے پیش نظر ہماری رائے بھی ائمہ کے ساتھ ہے اور یوں یہ حدیث بر سبیل تنزل "ضعیف" ٹھہرتی ہے، موضوع نہیں۔ واللہ اعلم

(٨) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ ، حَدَّثَنِي أَبِي الْحُسَيْنُ بْنُ مُوسَى ، عَنْ أَبِيهِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ :

أَرْبَعُ خِصَالٍ مِنْ سَعَادَةِ الْعَبْدِ ؛ أَنْ تَكُونَ زَوْجَتُهُ صَالِحَةً ، وَوَلَدُهُ أَبْرَاراً ، وَخُلَطَاؤُهُ صَالِحِينَ ، وَمَعِيشَتُهُ فِي بَلَدِهِ . [٢١]

ترجمہ: چار چیزوں کا ہونا کسی شخص کے لیے سعادت کی نشانی ہے: اس کی بیوی نیک ہو، اَولاد نیک ہو، ملنے والے (دوست واَحباب) بھلے ہوں اور اس شخص کا معاش (روزگار) اُسی کے شہر میں ہو۔

آپ ﷺ کی یہ حدیث انسانی زندگی کے معاشرتی نظام کا جامع و مفید نصاب بیان کر رہی ہے، کیونکہ انسان نیک بیوی اور اَولاد کے سبب گھریلو زندگی میں پُر سکون رہتا ہے اور اچھے دوستوں کی وجہ سے باہر کے تعلقات اور اُمورِ حیات میں آسانی رہتی ہے، جبکہ اپنے ہی شہر میں روزگار میسّر ہو تو بندہ دن کی مشقت کے بعد رات کو اہل عیال کے ساتھ اطمینان محسوس کرتا ہے۔ اس آخری بات کی افادیت پردیس جا کر کمانے والے بخوبی جانتے ہیں کہ نوکری اور رہائش کتنی ہی آرام دِہ کیوں نہ ہو، اہل وعیال کی کمی ضرور محسوس ہوتی ہے، چنانچہ حدیث میں ان اُمور کو صدیوں پہلے ہی بیان فرما دیا گیا کہ اگر کسی کو یہ چاروں چیزیں مل جائیں تو وہ سعادت مند و خوش نصیب ہے، اُسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا شکر ادا کرے۔

قاضی دینوری نے "المجالسة وجواهر العلم" میں اس حدیث کو دو سندوں سے نقل کیا ہے، ایک میں اپنے شیخ احمد سے، انھوں نے محمد بن حسین سے اور انھوں نے حسین بن موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے۔ تو اس طرح امام کاظم رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے حسین آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ہیں۔ جبکہ دوسری سند عالی ہے کہ اس میں ابتدائی راوی شیخ احمد نہیں، بلکہ اُن کے بھی شیخ محمد بن حسین ہیں، جن سے قاضی دینوری نے براہ راست روایت لی ہے۔ لہٰذا پہلی روایت میں شیخ دینوری کے بعد تین، جبکہ دوسری روایت میں دو راوی موجود ہیں۔ نیز بطریق امام کاظم رضی اللہ عنہ کتب حدیث میں یہ دو اسناد ہی معلوم ہو سکیں، البتہ متن وسند کے دیگر متابع و شواہد موجود ہیں۔

٢١- **المجالسة وجواهر العلم** ، للدينوري المالكي ، ٢/ ٣٧٣ ، الرقم ٥٤١ ، و ٦/ ٦٥ ، الرقم ٢٣٨١ ، دار ابن حزم ، الطبعة الأولى ، واللفظ له . **التدوين في أخبار قزوين** ، للرافعي القزويني ، ٢/ ٣٨٩ ، دار الكتب العلمية .

امام ابن ابی الدنیا نے "الإخوان" میں عبد اللہ بن حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہم سے اسی حدیث کو دو مختلف اسناد سے مرفوعاً اور مقطوعاً روایت کیا ہے، جس میں عبد اللہ بن حسن کی متابعت تامہ بھی موجود ہے۔

أَرْبَعٌ مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ ؛ أَنْ تَكُونَ زَوْجَتُهُ صَالِحَةً وَأَنْ يَكُونَ وَلَدُهُ أَبْرَارًا وَأَنْ تَكُونَ مَعِيشَتُهُ فِي بَلَدِهِ وَإِخْوَانُهُ صَالِحَيْنِ .[٢٢]

نیز امام ابن عساکر نے انھیں کے طریق سے "تاريخ دمشق ، (٥٤/ ١٧٨،الرقم١١٤٣٧)" میں روایت ذکر کرنے کے بعد "غريب جداً" لکھا۔ امام ابن حبان نے بغیر سند کے "روضة العُقلاء،(الصفحة١٠١)" میں بیان کیا ہے، جبکہ امام ابن حجر عسقلانی نے "المطالب العالية ،(١٣/ ٣٠٦،الرقم٣١٧٨)" میں بحوالہ اسحاق بن راہویہ از بقیہ بن ولید درج کیا ہے۔ شیخ بوصیری نے "إتحاف الخيرة المهرة ،(٤/ ٢٤،الرقم٣١٠٣)" میں امام اسحاق بن راہویہ سے ہی نقل کرتے ہوئے اختتام پر "هذا إسنادٌ ، رجاله ثقاتٌ" لکھا ہے۔ شیخ مناوی نے "فيض القدير،(١/ ٤٦٦،الرقم٩٢٠)" میں اس کی شرح کرتے ہوئے سیوطی کی رمز سے "ضعيف" ہونا بیان کیا ہے۔ شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ، (٢/ ١٨١ ، الرقم ٧٥٩)" میں رجال پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے "ضعيف جداً" کا حکم بیان کیا ہے۔ الغرض جملہ تفصیلات کے پیش نظر حدیث بالا ضعیف ہے، لیکن موضوع نہیں۔ فافہم

٢٢۔ **كتاب الإخوان** ، للامام ابن أبي الدنيا ، الرقم ٥٤/ ٥٣ ، الصفحة ١٠٦–١٠٥ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى.

(۹) أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ ، أنبأ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ بْنِ سُلَيْمَانَ الصُّوفِيُّ ، قَالَ : قُرِئَ عَلَى أَبِي عَلِيٍّ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَشْعَثِ الْكُوفِيِّ بِمِصْرَ وَأَنَا أَسْمَعُ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو الْحَسَنِ مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، ثنا أَبِي إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

لَيْسَ لِلْعَبْدِ مِنَ الْغَنِيمَةِ شَيْءٌ إِلَّا خُرْثِيَّ الْمَتَاعِ ، وَأَمَانُهُ جَائِزٌ إِذَا هُوَ أَعْطَى الْقَوْمَ الْأَمَانَ. (۲۳)

ترجمہ: غلام کیلئے مال غنیمت میں معمولی سامان کے علاوہ کچھ نہیں، البتہ اگر وہ کسی قوم کو امان دے تو اس کی اَمان جائز (معتبر) ہے۔

اس حدیث میں جہاد اور مال غنیمت سے متعلق احکام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو مال غنیمت جمع ہو، اُس میں غلاموں کا حصہ نہیں ہو گا، بلکہ آزاد مجاہدین اُس میں شریک ہوں گے۔ البتہ غلام اُس مال میں سے معمولی نوعیت کا سامان لے سکتے ہیں، بیش قیمت نہیں۔ لیکن انھیں اس بات کی اجازت ہے کہ اگر دورانِ جنگ یا ویسے بھی کسی کو اَمان دیں، تو ان کی اَمان کو معتبر جانتے ہوئے نافذ کیا جائے گا۔

شیخ علی متقی حدیث بالا کو "کنز العمال" میں نقل کرتے ہوئے نفیس فائدہ لکھتے ہیں:

قلت : إيراد "هق" لهذا الحديث من ابن الأشعث عن أهل البيت ، فيه فائدة جليلة ، فإن "هق" التزم أن لا يخرج في تصانيفه حديثاً يعلمه موضوعاً ، خصوصاً أنه أورده في السنن الكبرى التي هي من أجل كتبه وهي على أبواب الأحكام التي لا يتساهل في أحاديثها وقد كنت أتوقى الأحاديث التي في سنن ابن الأشعث ، لأنهم تكلموا فيه وفيها . (۲۴)

۲۳۔ **السنن الكبرى** ، للبيهقي ، ٦/ ١٦٠ ، الرقم ١٨١٧٢ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الثالثة ، واللفظ له . **كنز العمال** ، للمتقي ، ٤/ ٥٢٨ ، الرقم ١١٥٥٨ و ١٠٩٨٣ ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الخامسة .

۲۴۔ **كنز العمال** ، للمتقي ، ٤/ ٥٢٨ ، الرقم ١١٥٥٨ و ١٠٩٨٣ ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الخامسة .

ترجمہ: میں کہتا ہوں: بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت کی اس حدیث کو محمد بن اشعث کوفی کے طریق سے لیا، جس میں فائدہ جلیلہ ہے۔ کیونکہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا التزام کر رکھا ہے کہ وہ اپنی تصانیف میں کسی بھی ایسی حدیث کو نہیں لائیں گے جو اُن کی معلومات کے مطابق موضوع ہوگی۔ تو خاص طور پر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا اس روایت کو "سنن کبری" میں؛ جو اُن کی بلند پایہ کتابوں میں سے ہے اور وہ بھی احکام کے باب میں؛ جس میں اَحادیث کو پرکھنے میں سستی نہیں کی جاتی (اس کے موضوع نہ ہونے پر واضح دلالت کرتا ہے، ورنہ آپ احکام کے باب میں خاص طور پر اسے ذکر نہیں کرتے)۔ میں (علی متقی) سنن ابن اشعث کی اَحادیث سے احتراز کرتا ہوں، کیونکہ اس کے اور اس کی کتاب کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

(١٠) حدثنا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ دُلَيلٍ الْإِخْبَارِيُّ ، حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمُقْرِئُ ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنِي عَمُّ أَبِي الْحُسَيْنِ بْنِ مُوسَى ، حَدَّثَنِي أَبِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

كَيْفَ تَقْرَأُ إِذْ قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ ؟ قُلْتُ: الْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، فَقَالَ: قُلْ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ .[٢٥]

ترجمہ: تم نماز میں تلاوت کیسے کرتے ہو؟ انھوں نے عرض کی: "الحمد للہ ربّ العالمین" پڑھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (تلاوت کی ابتدا میں) "بسم اللہ الرحمن الرحیم" بھی پڑھا کرو۔

خواہ فرض نماز ہو یا نفل، سورۃ الفاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے میں اَحناف کی اکثریت کا مؤقف "سنت" جبکہ بعض نے "واجب" بھی لکھا ہے۔ لیکن فرض نمازوں میں اسے جہری طور پر قراءت کی طرح نہیں، بلکہ آہستہ آواز میں پڑھا جائے گا اور مذاہب فقہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے سورۃ

٢٥- السنن ، للدارقطني ، باب في الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، ٢/ ٦٦، الرقم ١١٥٧، مؤسسة الرسالة ، الطبعة الأولى .

الفاتحہ کا جزء قرار دیتے ہیں، جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا موقف مختلف ہے، لہٰذا اسی اعتبار سے احکام بھی مختلف ہوں گے، ان اُمور کی تفصیلات فقہی کتب میں موجود ہے۔ چونکہ صحاح وسنن کی متعدد کتب میں حدیث بالا کے تائیدی متابع وشواہد بھی موجود ہیں، اور خود امام دار قطنی نے اسی مقام پر بیشتر احادیث کو متعلقہ باب کے تحت یکجا کر دیا گیا ہے تو اس پر مزید کسی کلام کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۱۱) أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ ، حدثنا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ جَعْفَرٍ الْحَافِظُ بِبَغْدَادَ ، حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ دُبَيْسٌ الْمَقْرِئُ ، حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْكِسَائِيُّ الْمُقْرِئُ ، حدثنا هِشَامُ الْبَرْبَرِيُّ ، حدثنا عَلِيُّ بْنُ حَمْزَةَ الْكِسَائِيُّ ، حدثنا مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:

لِكُلِّ شَيْءٍ عَرُوسٌ، وَعَرُوسُ الْقُرْآنِ الرَّحْمٰنُ . (۲۶)

ترجمہ: ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت (سورہ) رحمٰن ہے۔

یہ سورت ترتیب قرآنی کے لحاظ سے ۵۵ نمبر پر اور نزول کے اعتبار سے ۴۳ نمبر پر ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ "مکی" ہے، البتہ اسے "مدنی" بھی شمار کیا گیا، جیسا کہ ہمارے یہاں رائج مصحفِ قرآنی میں درج ہے۔ الغرض اس سورت میں مکی سورتوں کی طرح مختصر آیات، توحید، علامات قدرت، قیامت کی ہولناکیاں، اللہ تعالیٰ عزوجل کی نعمتیں، جنت و جہنم اور اختتام کائنات جیسے اہم واعتقادی اُمور کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اسے "سورۃ الرحمٰن" اس لیے کہتے ہیں کہ اس سورت کا آغاز "الرحمٰن" کے کلمات مبارکہ سے ہو رہا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "السنن ، كتاب التفسير ، باب سورة الرحمن ،(الرقم ۳۲۹۱)" میں سند ضعیف کے ساتھ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے پاس تشریف لائے اور اُن کے سامنے مکمل "سورۂ رحمٰن" کی تلاوت فرمائی، چنانچہ وہ سب خاموش رہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے جنّوں والی رات میں اسے جنات کے سامنے تلاوت کیا، تو انھوں نے تم سے بہتر جواب دیا، پس جب بھی میں اِس فرمان "فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُما تُكَذِّبان" پر

۲۶۔ **شعب الإيمان** ، للبيهقي ، ٤/ ١١٧ ، الرقم ٢٢٦٥ ، مكتبة الرشد ، واللفظ له . **الدُّر المنثور** ، للسيوطي ، ١٤/ ١٠١ ، مركز هجر للبحوث والدراسات مصر.

پہنچتا، تو وہ کہتے: ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلائیں گے، پس تیرے ہی لیے ساری حمد ہے۔

شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ،(٣/ ٥٢٦،الرقم١٣٥٠)" میں حدیث بالا بطریق امام کاظم رضی اللہ عنہ کو "منکر" اور دوسری کتاب "الجامع الصغير، للسيوطي،(الصفحة ٦٨٢، الرقم٤٧٢٩)" میں تحقیق و تحکیم کے دوران "ضعیف" لکھا ہے، جبکہ علامہ شوکانی نے "تفسير فتح القدير، (الصفحة١٤٣٣)" میں اسے نقل کرتے ہوئے کوئی نقد نہیں کی۔ نیز امام قرطبی، شیخ سیوطی، ابن رجب حنبلی اور دیگر بہت سے مفسرین نے بھی اسے بغیر ضعف و تنقید کے بیان کیا ہے، البتہ دیگر اَدلہ و شواہد کے پیش نظر یہ حدیث ضعیف ہے، منکر نہیں۔

(١٢) أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ ، حَدَّثَنِي أَبُو مَنْصُورٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْعَنْبَرِيُّ الصُّوفِيُّ النَّيْسَابُورِيُّ نَزِيلُ بَغْدَادَ ، نا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَامِرٍ ، نا أَبِي ، نا عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا ، نا مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ الْمُرْتَضَى ، حَدَّثَنِي أَبِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ، نا أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

رَأْسُ الْعَقْلِ بَعْدَ الدِّينِ التَّوَدُّدُ إِلَى النَّاسِ ، واصْطِنَاعُ الخيْرِ إِلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ. (٢٧)

ترجمہ: دین کے بعد سب سے بڑی دانائی کی بات لوگوں سے محبت کا اظہار کرنا اور ہر نیک و بد سے بھلائی کرنا ہے۔

یعنی سب سے بڑی دانشمندی تو دین میں ہے، پس اگر کسی کو دین کی سعادت مل جائے تو اُسے چاہیے کہ پھر ایسے اعمال بجالائے؛ جس سے لوگوں کے قلوب میں اس کی محبت پیدا ہو، مثلاً خندہ پیشانی سے ملنا، حقوق کا خیال رکھنا، تحائف دینا اور غیبت و چغلی سے بچنا۔ چنانچہ اس طرح کے کاموں سے بندہ نا صرف دوسرے شخص کی عزت کو محفوظ رکھتا ہے، بلکہ

٢٧- **شعب الإيمان** ، للبيهقي ، فصل في طلاقة الوجه ، ١٠/ ٤٠٦ ، الرقم ٧٧٠٥ ، مكتبة الرشد الرياض ، واللفظ له . **حلية الأولياء** ، للامام أبي نعيم الأصفهاني ، ٣/ ٢٠٣ ، دار الكتب العلمية . **آداب الصحبة** ، للإمام السلمي الصوفي ، الصفحة ٩٨ ، الرقم ١٣٩ ، دار الصحابة بطنطا .

اُس کی اپنی عزت میں بھی اضافہ اور باہمی تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بھلائی کرنے میں نیک وبد کا امتیاز نہ رکھا جائے، بلکہ سب کو نفع پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

امام عبد الرحیم عراقی، متوفی ۸۰۶ھ نے "تخريج أحاديث الإحياء ،(الصفحة ١١٥٢ ، الرقم ١٦٩٦)" میں کافی بحث کے بعد اس کے مجموعی متعلقات سمیت ضعف بیان کیا ہے۔ شیخ مناوی نے "التيسير شرح الجامع الصغير ، (٢/ ٢٣)" میں اسنادِ بالا کو ضعیف، جبکہ شیخ البانی نے "الجامع الصغير ، للسيوطي ، (٤٥٣ ، الرقم ٣٠٧٦)" پر تحقیق کے دوران حسب عادت موضوع کہا ہے۔ لیکن یہ تمام کلام امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی وارد کردہ سند کی وجہ سے ہے، جس میں "عبد اللہ بن احمد بن عامر طائی" کے سبب کلام ہوا۔ اس کے برعکس امام ابو عبد الرحمٰن سلمی، متوفی ۴۱۲ھ نے اسے بطریق "احمد بن علی بن مہدی بن صدقہ "سیّدنا رِضا سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ یہ بیہقی کی سند سے مختلف ہے، اگرچہ یہ راوی بھی مجہول الحال ہے۔ اس کے علاوہ متن حدیث کے دیگر شاہد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، اور سعید ابن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے ابن ابی الدنیا، طبرانی اور بیہقی، شیرازی وغیرہ کے یہاں مروی ہیں، لہٰذا ان کے پیش نظر یہ عیاں ہے کہ اس کی اصل ضرور ہے، لیکن اسناد میں کمزوری ہے، جس کی وجہ سے حدیث بالا "ضعیف" ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ کلام حافظ ذہبی اور عراقی

امام عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے متذکرہ مقام پر بحث میں لکھا:

أورده الذهبي في الضعفاء يعني ؛ الطائي .

الغرض وہ بیان کرنا چاہ رہے تھے کہ سند میں مذکور "عبد اللہ بن احمد بن عامر طائی" کو حافظ ذہبی نے "المغني في الضعفاء" میں ذکر کیا ہے، چنانچہ انھوں نے ذہبی کا اِن کے بارے میں تنقیدی کلام بھی نقل کیا۔ لیکن دُرست یہ ہے کہ اس کتاب میں تو انھوں نے مذکورہ راوی کا ذکر ہی نہیں کیا، بلکہ یہاں تو سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ کو ہی لائے ہیں، ملاحظہ ہو: "المغني في الضعفاء،(٢/ ٢٦،الرقم ٤٣٤٥)"۔

اس بارے میں شیخ مناوی نے "فيض القدير شرح الجامع الصغير،(٣/ ٥٧٥) "میں حافظ ذہبی کی دُرست تعیین نقل کی:

وعلي بن موسى الرضي ؛ أورده الذهبي في الضعفاء وقال: له عجائب عن أبيه عن جده .

امام ذہبی سے اللہ تعالی عَزَّوَجَلَّ در گزر فرمائے کہ انھوں نے بھی وہی کام کر ڈالا، جس پر وہ خود شیخ عقیلی کے بارے میں نالاں تھے۔ ہم نے حافظ ذہبی اور عقیلی دونوں کا جواب امام کاظم کے باب میں بیان کر دیا ہے، وہاں مراجعت کریں۔

(۱۳) أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَبِيبٍ الْمُفَسِّرُ ، أَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَفِيدُ ، أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَامِرٍ الطَّائِيُّ ، حَدَّثَنِي أَبِي ، حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ مُوسَى ، حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ ، حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ، حَدَّثَنِي أَبِي الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، قَالَ :

كُنَّا عَلَى مَائِدَةٍ أَنَا وَأَخِي مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ ، وَبَنُو عَمِّي عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَبَّاسِ، وَقُثَمُ ، وَالْفَضْلُ عَلَى مَائِدَةٍ نَأْكُلُ فَوَقَعَتْ جَرَادَةٌ عَلَى الْمَائِدَةِ فَأَخَذَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ ، فَقَالَ لِلْحُسَيْنِ : يَا سَيِّدِي ! تَعْلَمْ مَا مَكْتُوبٌ عَلَى جَنَاحِ الْجَرَادَةِ : قَالَ : سَأَلْتُ أَبِي أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ : إِنِّي سَأَلْتُ جَدَّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ لِي: عَلَى جَنَاحِ الْجَرَادَةِ مَكْتُوبٌ : إِنِّي أَنَا اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا ، رَبُّ الْجَرَادَةِ وَرَازِقُهَا ، إِذَا شِئْتُ بَعَثْتُهَا رِزْقًا لِقَوْمٍ ، وَإِنْ شِئْتُ عَلَى قَوْمٍ بَلَاءً . قَالَ: فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ فَضَمَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ إِلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : وَاحِدَةٌ مِنْ مَكْنُونِ الْعِلْمِ . (۲۸)

ترجمہ: میں (حسین)، میرا بھائی محمد بن حنفیہ، میرے چچا کے بیٹے عبد اللہ بن عباس، قثم اور فضل دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک ایک ٹڈی دستر خوان پر گری، تو عبد اللہ بن عباس نے اُسے پکڑ لیا اور حسین سے پوچھنے لگے، اے میرے سردار! آپ کو معلوم ہے کہ ٹڈی کے پَروں پر کیا لکھا ہوتا ہے ؟ انھوں

۲۸۔ **شعب الإيمان** ، للبيهقي ، فصل في محنة الجراد والصبر عليها ، ١٢/ ٤١٢ ، الرقم ٩٦٥٨ ، مكتبة الرشد الرياض . **حياة الحيوان** و للدميري ، باب الجراد ، ١/ ٦١٢ ، دار البشائر دمشق . **الدر المنثور** ، للسيوطي ، ٦/ ٥١٤ ، تحت سورة الأعراف ، الآية ١٣٣ ، مركز هجر للبحوث مصر .

نے فرمایا: میں نے اپنے والد امیر المومنین (علی مرتضیٰ) سے اس کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا: بیشک میں نے یہی بات آپ کے نانا (محمد رسول اللہ ﷺ) سے دریافت کی تھی، تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ٹڈی کے پَروں پر لکھا ہوتا ہے؛ بیشک میں ہی خدا ہوں، میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں ہی ٹڈی کا ربّ اور اُسے رزق دینے والا ہوں، جب میں چاہتا ہوں؛ تو انھیں کسی قوم کا رزق بنا بھیجتا ہوں اور جب میں چاہتا ہوں؛ تو انھیں کسی قوم پر مصیبت بنا بھیجتا ہوں۔ یہ سن کر عبد اللہ بن عباس نے کھڑے ہو کر حسین بن علی کو اپنے سینے سے لگالیا اور کہا: بیشک یہ علم کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک بات ہے۔

ٹڈیوں (Locusts) کو حدیث میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا لشکر کہا گیا ہے[۲۹]۔ چنانچہ قوم بنی اسرائیل کے نافرمانوں پر اس کا عذاب بھی نازل ہوا، اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ۔[۳۰]

ترجمہ: پھر بھیجا ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں۔ پھر بھی وہ تکبّر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔

حشرات الارض (Insects) کی حرمت پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ فقہائے مالکیہ کے نزدیک حشرات الارض بعض شرائط کے ساتھ حلال ہیں۔ لیکن ٹڈی (Locust) اُن حشرات الارض میں سے ہے؛ جس کے حلال ہونے پر تمام مذاہب فقہیہ کا اتفاق ہے[۳۱]۔ چنانچہ امام بخاری و مسلم رضی اللہ عنہم حضرت عبد اللہ بن ابی اَوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

۲۹- **المعجم الكبير**، للطبراني، ۲۲/ ۲۹۷، الرقم ۷۵۷، مكتبة ابن تيمية . **شعب الإيمان**، للبيهقي، فصل في محنة الجراد والصبر عليها، ۱۲/ ٤۰۹، الرقم ۹٦٥٤، مكتبة الرشد الرياض .

۳۰- **القرآن الكريم**، سورة الأعراف ۰۷/ ۱۳۳.

غَزَوْنَا مَعَ النبيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ –أو سِتاً– كُنَّا نَأْكُلُ مَعَهُ الجَرَادَ .(۳۲)

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سات (یا چھ) غزوات میں حصہ لیا اور ہم لوگ آپ ﷺ کی موجودگی میں ٹڈی کھایا کرتے تھے۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ ضعیف سند کے ساتھ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كُنَّ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَادَيْنَ الجَرَادَ عَلَى الأَطْبَاقِ.(۳۳)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات ایک دوسرے کو ٹڈیوں کے تحائف (کھانے) برتن میں بھیجا کرتی تھیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "الموطأ" میں سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

سُئِلَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ عَنِ الجَرَادِ فَقَالَ: وَدِدْتُ أَنَّ عِنْدِي قَفْعَةً نَأْكُلُ مِنْهُ .(۳۴)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا؟ تو آپ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس (ٹڈیوں سے بھری) زنبیل (تھیلی) ہوتی، تو میں اُس میں سے کھایا کرتا۔ (یعنی سائل کے اضطراب کو دور کرنے کے لیے عملی صورت کا بھی بیان کر دیا)۔

۳۱۔ **الموسوعة الفقهية الكويتية** ، لجنة من العلماء ، ٥/ ١٤٢ ،تحت المادة ؛ أطعمة ، الرقم٥٣ .

۳۲۔ **الصحيح ، للبخاري** ، كتاب الصيد والذبائح ، باب أكل الجراد ، الصحة ١٤٠٠، الرقم ٥٤٩٥ ، دار ابن كثير . **الصحيح** ، للقشيري ، كتاب الصيد ، باب إباحة الجراد ، الصفحة ٨٠٨، الرقم١٩٥٢، بيت الأفكار الدولية.

۳۳۔ **السنن** ، للترمذي ، كتاب الصيد ، باب صيد الحيتان والجراد ، الصفحة ٥٤٤ ، الرقم ٣٢٢٠، مكتبة المعارف الرياض .

۳۴۔ **الموطأ** ، للإمام مالك ، كتاب الجامع ، باب ما جاء في الطعام والشراب ، الصفحة ١٣٦٦ ، الرقم ٣٤٤٣ ، مؤسسة زايد بن سلطان ، أبوظبي .

ٹڈی کو ذبح کرنا ممکن نہیں، لہٰذا یہ بغیر ذبح کے ہی حلال ہے، البتہ بعض فقہائے مالکیہ وشوافع کے یہاں اس کے ذبح کا قول بھی منقول ہے، لیکن جمہور ائمہ وفقہاء کے نزدیک حدیث "أُحِلَّت لَنَا مَيْتَتَانِ : الحُوتُ والجَرَادُ.(السنن ، للترمذي ، الرقم٣٢١٨)" کی روشنی میں اس کا ذبح ساقط ہے۔ اس بارے میں بلادِ سندھ کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، متوفی ۱۱۷۴ھ کی "فاكهة البُستان في مسائل ذبح وصيد الطّير والحيوان ،(الصفحة ١٥٦/ ٣٥٣)" قابل مطالعہ ہے، جس میں فقہ حنفی کی روشنی میں اس کے ذبح کے کچھ مسائل جامع صورت میں بیان کر دیے گئے ہیں۔

ٹڈیوں (Locusts) کی مختلف اقسام ہیں؛ جن میں زمینی اور سمندری ہونے کے علاوہ چھوٹی، بڑی، سرخ، زَرد اور سفید اَقسام شامل ہیں۔ فقہاء کے نزدیک بھی احادیث کی روشنی میں دو اَقسام یعنی بَری وبحری کا بیان کیا گیا ہے۔ الغرض اس کے حلال ہونے میں تو اختلاف نہیں، لیکن طبائع کے اختلاف اور علاقائی تغیرات کے سبب اس کے اثرات میں کلام نہیں، چنانچہ بہت سی اشیاء کا استعمال کسی ایک خطے میں تو مفید ہوتا ہے، لیکن دوسرے علاقے اور موسم میں اس کا استعمال انسانی بدن ومزاج کو موافق نہیں آتا۔ اسی لیے اَطباء وماہرین حیوانات اور بالخصوص میڈیکل سائنس جن اَقسام کو انسانی صحت کے لیے مُضر بیان کرتی ہو، اُس سے اجتناب کرنا بھی حفظان صحت کے اُصول کے مطابق قرآن وحدیث سے مؤید ہے۔ نیز علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے "حياة الحيوان" میں "بحری ٹڈی" کے اَثرات کو گرم وخشک لکھا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "الطب النبوي ، (الصفحة ٩٦)" میں اسے بکثرت کھانے پر کلام کیا ہے، فافہم۔ ٹڈی دَل (ٹڈیوں کا غول) آج کل پاکستان میں بھی بکثرت عام ہے، اسی لیے ہم نے مختصر معلومات پیش کر دیں، تفصیلات کے لیے فقہی کتب ملاحظہ کریں۔

(۱۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْفَضْلِ بِمِصْرَ قَالَ : نا مُحَمَّدُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ : ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمُّ أَبِي الْحُسَيْنُ بْنُ مُوسَى ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ فِي كُلِّ لَيْلَةِ جُمُعَةٍ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ إِلَى آخِرِهِ السَّمَاءَ الدُّنْيَا، وَفِي سَائِرِ اللَّيَالِي فِي الثُّلُثِ الْآخِرِ مِنَ اللَّيْلِ ، فَيَأْمُرُ مَلَكًا يُنَادِي : هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ ، هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَأَتُوبَ عَلَيْهِ ، هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ، يَا طَالِبَ الخَيْرِ ! أَقْبِلْ ، وَيَا طَالِبَ الشَّرِّ ! أَقْصِرْ . (۳۵)

ترجمہ: بیشک اللہ عزوجل ہر جمعہ کی رات کے آغاز سے لے کر رات کے آخری وقت تک آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، جبکہ بقیہ راتوں کے آخری تہائی حصے میں، پھر فرشتے کو حکم ہوتا ہے، وہ ندا کرتا ہے: کوئی سوالی ہے؛ جسے عطا کروں، کوئی توبہ کرنے والا ہے؛ جس کی توبہ قبول کروں، کوئی بخشش کا خواستگار ہے؛ جس کی بخشش کروں، اے خیر مانگنے والے! توجہ کر اور اے شر پھیلانے والے! باز آجا۔

حدیث بالا کے کلمات کو صحاح وسنن سمیت کبار محدثین نے مختلف صحیح اسناد سے روایت کیا ہے، چنانچہ حضرت ابن مسعود، جبیر بن مطعم، عبد اللہ بن ابی رافع از علی مرتضیٰ، جابر بن عبد اللہ، عثمان بن ابی العاص ثقفی، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عباس، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم وغیرہ سے حدیث بالا کے متعدد شواہد کتب حدیث میں مروی ہیں، جن کی شہرت کے سبب ایراد وحوالہ جات کی حاجت نہیں۔

۳۵۔ **كتاب النزول** ، للإمام الدارقطني ، الرقم ۳ ، الصفحة ۹۲ ، طبعة بيروت ، بتحقيق الدكتور علي الفقيهي ، واللفظ له . **عمدة القاري شرح صحيح البخاري** ، للإمام العيني، ۷/ ۲۸۷، كتاب التهجد ، باب الدعاء في الصلاة في آخر الليل، دار الكتب العلمية . **الإبانة عن أصول الديانة** ، للإمام الأشعري ، الباب الخامس ، ذكر الإستواء ، الصفحة ۱۱۱ ، طبعة دار الأنصار .

موسی کاظم رضی اللہ عنہ کے طریق سے امام دار قطنی نے روایت بالا کو ”حسین بن موسی کاظم“ سے نقل کیا ہے، جبکہ شیخ یحیٰ بن حسین شجری جرجانی، متوفی ۴۹۹ھ نے ”ترتیب الأمالي الخميسية ، للشجري،(۲/ ۱٤۱)“ میں اپنی سند متصل کے ساتھ ”موسی بن ابراہیم مروزی اَعور“ سے اورانھوں نے موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، پس سند ہذا دار قطنی کے لیے نظیر اور متابعت تامہ ہے۔اس کے علاوہ عبداللہ بن ابی رافع کے طریق سے یہی روایت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے ”الإبانة الكبرى ، لإبن بطة،(۷/ ۲۱۷، الرقم۱۷۰)“ میں بھی موجود ہے، جبکہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہی بغیر سند کے شیخ ابن جوزی نے ”التبصرة في الوعظ ، (۲/ ٦۲)“ میں نقل کی ہے۔

امام بدرالدین عینی نے محولہ مقام پر ”وفي إسناده من يجهل“ بیان کیا ہے، لیکن رُواۃ کی جہالت تعدد طُرق ، شواہد اور متابعت کے بعد مُضر نہیں، البتہ اس جہت سے سند مبحوثہ میں ضعف کا آنا ممکن ہے، لیکن مجموعی طور پر حدیث ”صحیح “وثابت ہے۔امام دار قطنی نے حدیث بالا کی متعلقہ اَبحاث اور جمع طرق پر خود ہی ایک رسالہ بھی لکھا، جیسا کہ ابن کثیر ”تفسیر القرآن،(۲/ ۱۹)“ میں لکھتے ہیں:

وقد أفرد الحافظ أبو الحسن الدارقطنيُّ في ذلك جزءًا على حدةٍ ، فرواه من طُرقٍ متعددةٍ .

(١٥) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبَصْرِيُّ ، نَا أَبِي ، نَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُوسَى ، عَنْ أَبِيهِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛ قَالَ: وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحُنَيْنِيُّ ، حَدَّثَنِي أَبِي الْحُسَيْنُ بْنُ مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛ أَنَّهُ قَالَ :

الدُّنْيَا دُوَلٌ ، مَا كَانَ مِنْهَا لَكَ أَتَاكَ عَلَى ضَعْفِكَ ، وَمَا كَانَ مِنْهَا عَلَيْكَ لَمْ تَدْفَعْهُ بِقُوَّتِكَ ، وَمَنِ انْقَطَعَ رَجَاؤُهُ مِمَّا فَاتَ اسْتَرَاحَ بَدَنُهُ ، وَمَنْ رَضِيَ بِمَا رَزَقَهُ اللهُ قَرَّتْ عَيْنُهُ . [٣٦]

ترجمہ: دنیا عارضی ہے، اس میں جو تیرے مقدر میں ہے، وہ تیری کمزوری کے باوجود تجھے مل کر رہے گا اور جو تیرے خلاف ہے پس اُسے تو پوری طاقت لگا کر بھی دُور نہیں کر سکتا۔ اور جو اپنی اُمیدوں کو حاصل نہ ہونے والی چیزوں سے توڑلے، اُس کا بدن سکون پائے گا اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دیے ہوئے رزق پر راضی رہے، اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

حدیث میں انسان کو مقدر کے ذریعے ملنے والی نعمتوں کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دی گئی ہے، یعنی بندے کو اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ اس دنیا میں جو نعمت اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے مقدر میں لکھی ہے، وہ مل کر ہی رہے گی، چاہے وہ بظاہر کتنی ناممکن ہی کیوں نہ ہو اور جو دُکھ و پریشانی اس کے مقدر میں لکھی جا چکی، تو بندہ چاہتے ہوئے بھی اُس سے بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ پر یقین رکھتے ہوئے اپنے معمولات کو انجام دیتا رہے اور خیالی دنیا کو حقیقت کرنے کی کوشش میں نہ لگے، بلکہ حقائق پر اعمال کی بنیاد اُستوار کرے۔ اسی طرح جب بندہ اپنے مقدر

٣٦۔ **المجالسة وجواهر العلم** ، للدينوري المالكي ، ٢/ ٣٨٦ ، الرقم ٥٦١ ، و ٦/ ٦٠ ، الرقم ٢٣٦٩ ، دار ابن حزم ، الطبعة الأولى ، واللفظ له . **الفردوس بمأثور الخطاب** ، للديلمي ، ٢/ ٢٣١، الرقم ٣١١٣ ، دار الكتب العلمية . **تسهيل النظر وتعجيل الظفر** ، للماوردي ، الصفحة ٢٣٠ ، دار النهضة العربية . **أدب الدين والدنيا** ، للماوردي ، الصفحة ٣٦٢ ، باب البرّ ، دار المنهاج . **فيض القدير شرح الجامع الصغير** ، للمناوي ، ٣/ ٥٢ ، دار المعرفة بيروت.

میں ملنے والے رزق پر شاکر بن جاتا ہے تو اس کا جسم بیجا سوچ وبچار اور بھاگ دوڑ سے محفوظ رہتا ہے، چنانچہ زندگی و جسم دونوں ہی پُر سکون رہتے ہیں۔

اس روایت کو قاضی ابو بکر دینوری نے کتاب بالا میں دو مقامات پر مختلف اسناد سے نقل کیا ہے، ایک روایت کے مطابق دینوری نے اپنے شیخ احمد سے، انھوں نے محمد بن اسماعیل بصری سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے حسین بن موسی سے اور انھوں نے اپنے والد امام کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

جبکہ دوسری روایت کے مطابق دینوری نے اپنے شیخ محمد بن حسین حُنینی سے، انھوں نے حسین بن موسی سے اور انھوں نے اپنے والد امام کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ سند عالی ہے۔ لہٰذا پہلی سند میں دینوری کے بعد امام کاظم رضی اللہ عنہ تک چار جبکہ دوسری سند میں صرف دو راوی موجود ہیں۔

بعض کتب میں مذکور ہے کہ حدیث بالا کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بغیر سند کے امام ابن عبد البر نے "بهجة المجاس "میں بھی ذکر کیا ہے، لیکن ہمیں تلاش کے باوجود اُس میں نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم

شیخ البانی نے "سلسة الأحاديث الضعيفة ،(١٢/ ٣١٠، الرقم٥٦٣٦)"میں اسے قاضی دِینوری کے سبب موضوع کہا ہے، کیونکہ بحوالہ دار قطنی انھیں "وهو عندي ممن كان يضع الحديث"اور بحوالہ ذہبی "مشَّاه غيره" بیان کیا ہے اور پھر "حسین بن موسی "مجهول الحال ہے، انتہیٰ۔ حافظ ذہبی کی یہ جرح "المغني في الضعفاء ،(١/ ٩٥، الرقم ٤٦٢)"اور "ميزان الأعتدال،(١/ ١٥٦،الرقم٦٢٠)"پر موجود ہے اور کم وبیش یہی شیخ عسقلانی نے "لسان الميزان ، (١/ ٦٧٢ ، الرقم٨٦٠)"میں بھی لکھی ہے۔

لیکن امام ذہبی نے "سير أعلام النبلاء ،(١٥/ ٤٢٧)"میں قاضی دِینوری کا ترجمہ لکھتے وقت "الفقيه ، العلامة ، المحدث "اور "وكان بصيراً بمذهب مالك"ذکر کیا ہے۔ نیز انھوں نے ہی "تاريخ الإسلام ، (٢٠/ ٢٠٠)"میں شیخ ابن زُولاق، متوفی ٣٨٧ھ کا اپنا واقعہ اِن کی کتاب "قُضاة مِصر "کے حوالے سے تحریر کیا ہے، جس سے اُن کے صدق کی علامات واضح ہوتی ہیں۔ پس شیخ ذہبی نے تو مختصر واقعہ لکھا، لیکن شیخ ابن العدیم، متوفی ٦٦٠ھ نے "تاريخ حلب،

(۳/ ۱۱۳۹)"میں اسے مفصل بیان کیا ہے(۳۷)، نیز انھوں نے دِینوری کے شیوخ و تلامذہ اور اَحادیث کی دیگر مرویات کو بھی سند متصل سے بیان کیا ہے، تو یہ سارا بیان بھی اُن کی صدق و توثیق کو ہی واضح کرتا ہے۔ اسی طرح حافظ عسقلانی نے متذکرہ مقام پر مسلمہ (بن قاسم) کی "کتاب الصلة" کے حوالے سے انھیں "ثقة ، کثیر الحدیث" بیان کیا ہے۔ جبکہ ابن فرحون مالکی نے "الدیباج المذھب ،(۱/ ۱۵۲،الرقم ۱٦) "میں شیخ دار قطنی کی جرح کے ساتھ ہی "وغلب علیه الحدیث " بھی ذکر کیا ہے۔ علاوہ اَزیں امام مقدسی حنبلی نے "الأحادیث المختارة ، (۷/ ۲٤۸-٦/ ۱۵۸)"میں ان کے طریق سے دو اَحادیث نقل کرکے ضمنی توثیق کی ہے اور امام ابن عساکر نے تو "تاریخ دمشق الکبیر ،(۱/ ۲۷٤-٦/ ٦-٦/ ۳٤۰-۱۷/ ۷)"میں ان سے بکثرت اَحادیث و آثار کو نقل کیا ہے(۳۸)۔

الغرض بیانات سے عیاں ہے کہ ان کے بارے میں صرف اِن کے معاصر دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کی واضح جرح ہے اور بقیہ ائمہ نے انہی کا حوالہ نقل کیا۔ لیکن اس کے برعکس ذہبی نے دوسرے مقام پر اُن کے لیے واضح تعریفی کلمات نقل کیے ہیں، اور یوں ہی عسقلانی نے مسلمہ بن قاسم سے صریح توثیق بھی بیان کی ہے، اگرچہ ہمارے نزدیک مسلمہ کی کتاب زیادہ معتبر نہیں، لیکن عسقلانی کی نقل کافی ہے۔ نیز ابن العدیم نے بھی مفصل تذکرے کی ضمن میں اُن کی تعریف ہی بیان کی، چنانچہ ان شواہد کی بنیاد پر دِینوری پر وضع حدیث کی تہمت ایسی جرح ہے، جس پر کوئی قوی دلیل موجود نہیں، بلکہ انہی ائمہ کے یہاں اس کے خلاف پر قرائن موجود ہیں، لہٰذا امام دار قطنی کی جرح مدلل و موزوں نہیں رہتی، کہ اوّلاً تو وہ اس بارے میں منفرد ہیں، ثانیاً معاصر بھی اور ثالثاً کسی نے بھی صریحاً اِن کی تائید و تصریح نہیں کی۔ البتہ شواہد کی روشنی میں ان کا ضعف مترشح ہے، جو ہمارے لیے مُضر نہیں، اسی لیے سند بالا بھی صرف ضعیف ہے، موضوع نہیں، واللہ اعلم۔

۳۷۔ ابن زُولاق کی "قضاة مصر "تو شاید مفقود ہے، لیکن ان کے معاصر اور اس عنوان پر لکھنے والے ابو عمر محمد بن یوسف کندی مصری، متوفی ۳۵۵ھ کی "الولاة وکتاب القضاة ، (۵٤۷)"پر یہی واقعہ معمولی تغیر کے ساتھ ابن قتیبہ دینوری کے بیٹے ابو احمد عبد الواحد سے منقول ہے۔

۳۸۔ اس بارے میں "المجالسة وجواهر العلم" کے محقق شیخ مشہور بن حسن آل سلمان نے مقدمے میں موصوف کے تلامذہ و شیوخ کی توثیق اور دار قطنی کی جرح پر بھی کافی کلام کیا ہے اور ہم نے دیگر شواہد سے اس بحث کو مزید مؤکد کر دیا ہے۔ وللہ الحمد

(١٦) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ مُوسَى ، نا أَبِي الْحُسَيْنِ بْنُ مُوسَى ، عَنْ أَبِيهِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛ قَالَ :

عَلَمُ الإِسْلامِ الصَّلاةُ ، فَمَنْ فَرَغَ لَهَا قَلْبَهُ وَحَادَ عَلَيْهَا حُدُودَهَا وَوَقْتَهَا ، فَهُوَ مُؤْمِنٌ . (٣٩)

ترجمہ: اسلام کا پرچم "نماز" ہے، پس جو قلبی طور پر خود کو اس کے لیے تیار رکھے اور آداب کے ساتھ بر وقت اَدا کرنے کی سعی کرتا رہے؛ وہ مؤمن ہے۔

اسلام کے احکامات و فرائض میں سب سے اہم ترین نماز ہے، اسی لیے قرآن مجید میں تقریباً سات سو مرتبہ اس کا ذکر موجود ہے، نیز آپ ﷺ کی سینکڑوں اَحادیث بھی اس کی اہمیت وفضیلت پر گواہ ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مؤمن کی معراج فرمایا ہے۔ قرون اولیٰ میں ترک نماز کو کفر تصور کیا جاتا تھا، اسی لیے بے نمازی سے لوگ قطع تعلق اختیار کر لیتے تھے، لیکن آج نمازوں کا ترک اور انھیں سستی سے اَدا کرنا بہت عام ہو چلا ہے۔ متذکرہ حدیث میں ایسے لوگوں کے لیے خوب نصیحت ہے کہ کامل مومن وہی ہے جو نماز کو بروقت اور اس کی شرائط کے مطابق اَدا کرے۔ اس بارے میں بے شمار اُردو و عربی کتب میں تفصیلات موجود ہیں، لہٰذا ہم اس کی مزید بحث سے اجتناب کرتے ہیں۔ قارئین کرام اپنے فقہی مسالک ورُجحان کے مطابق کتب کی جانب مراجعت کریں۔

شیخ البانی نے "سلسة الأحاديث الضعيفة ،(٨/ ٣٢٩،الرقم٣٨٦٨)" میں اس کے مشہور طرق و مصادر کو بیان کرنے کے بعد ضعیف کہا اور ہمیں بھی اس سے اتفاق ہے۔ لیکن اس میں قاضی دِینوری کی سند مذکور نہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤلف اس پر پہلے کلام کر چکے، یا پھر انھیں دِینوری کا یہاں اس حدیث کا وجود معلوم نہیں تھا۔

٣٩۔ **المجالسة وجواهر العلم** ، للدينوري المالكي ، ٦/ ٦٤ ، الرقم ٢٣٨٠ ، دار ابن حزم ، الطبعة الاولى ، واللفظ له . **تاريخ بغداد** ، للخطيب ، ١٢/ ٤٠٨ ، الرقم ٥٧٥٦ ، دار الغرب الإسلامي . **معجم ابن الأعرابي** ، ١/ ١٩١ ، الرقم ٣٣١ ، دار ابن الجوزي .**الكامل في ضعفاء الرجال** ، ل\ابن عدي ، ٤/ ١٤٣٨ ، تحت الترجمة : طريف بن شهاب ، دار الفكر بيروت . **الجامع الصغير وزيادته** ، للسيوطي ، الصفحة ٥٤٥ ، الرقم ٣٧٢٣ ، المكتب الإسلامي .

(۱۷) أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ مُحَمْوَيْهِ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الْعَلَوِيُّ بِنَيْسَابُورَ ح وَأَخْبَرْنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بِطُوسٍ أَخْبَرَنَا مَيْمُونُ بْنُ حَمْزَةَ بِمِصْرَ قَالَا : أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مَهْدِيِّ بْنِ صَدَقَةَ ، أَخْبَرَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَلِيُّ بن مُوسَى الرضى ، حَدثني أَبِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ ، حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ، حَدَّثَنِي أَبِي الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ الله عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله ﷺ :

ثَلَاثٌ أَخَافُهُنَّ عَلَى أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي ، الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ ابْتِغَاءَ الرِّئَاسَةِ ، وَمُضِلَّاتُ الْفِتَنِ ، وَشَهْوَةُ الْبَطْنِ وَالفَرجِ . (۴۰)

ترجمہ: مجھے اپنے بعد اپنی اُمت پر تین باتوں خوف ہے، حکومت پانے کی خاطر ہدایت کے بعد گمراہی میں مبتلا ہونا، گمراہ کرنے والے فتنے اور پیٹ و شرمگاہ کی شہوت۔

اس حدیث میں محبوب کریم ﷺ نے اُمت کو پیش آنے والے تین ہلاکت خیز اُمور کے بارے میں آگاہ فرمایا۔ اگر آج ہم دیکھیں تو اکثریت ایسی ہی اُمور میں منہمک ہو کر دنیا و آخرت برباد کر رہی ہے۔ حکومت واقتدار کی خاطر ہر ظلم ڈھایا جارہا ہے اور ایسے ایسے فتنے نمودار ہو رہے ہیں؛ جن کی وجہ سے انسان اپنے دین، اپنے ربّ جَلَّ جَلَالُہٗ سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔ نیز پیٹ کو بھرنے اور نفسانی خواہش کے لیے ہر اُس حد کو پار کیا جارہا ہے؛ جسے ایک مسلمان کبھی پامال کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ونسأل الله لنا العافية في الأمور كلّها.

متن حدیث کا شاہد حضرت اَفلح مولی رسول اللہ ﷺ سے بھی "أخاف على أمتي من بعدي ثلاثاً :ضلالةَ الأهواء واتباعَ الشَّهوات والغفلةَ بعد المعرفة" کے ساتھ متعدد کتب میں موجود ہے (۴۱)۔ البتہ سند بالا ضعیف ہے۔

۴۰۔ **ذمُّ الكلام و أهله** ، للهروي ، ۱/ ۳۹۰، الرقم ۸۹ ، مكتبة الغرباء الاثرية ، واللفظ له . **الفردوس بمأثور الخطاب** ، للديلمي ، ۲/ ۱۰۱ ، الرقم ۲۵۳۹ ، دار الكتب العلمية . **مسند الفردوس** ، للديلمي ، ۲/ ۱٦۱ ، الرقم۲۳٦۳ ، دار الكتاب العربي . **كنز العمال** ، للمتقي ، ۱٦/ ٤٥ ، الرقم ٤۳۸٦٤ ، مؤسسة الرسالة. (شیخ متقی نے بحوالہ دیلمی اسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، لیکن شیخ دیلمی کے یہاں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، پس علامہ متقی رحمۃ اللہ علیہ کو تسامح ہوا۔)

(١٨) حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ مَخْلَدٍ الْعَطَّارُ ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ بْنِ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ الْفَضْلِ الْعُمَرِيُّ قَالَ : حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ يَزِيدَ ، عَنْ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لِي : إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ زَوَّجَكَ ابْنَةَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَهُ صُورَةُ عَائِشَةَ ، قَالَ : فَنَهَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ : يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَانِي وَقَالَ : إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ زَوَّجَنِي ابْنَتَكَ فَأَرِنِيهَا ، قَالَ : فَأَخْرَجَ إِلَيْهِ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ فَأَرَاهُ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَيْسَتْ هَذِهِ الصُّورَةُ الَّتِي أَرَانِيهَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، قَالَ : إِنَّ لِي ابْنَةً صَغِيرَةً لَمْ تَبْلُغْ ، قَالَ : أَرِنِيهَا ، فَأَخْرَجَ إِلَيْهِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقَالَ : هَذِهِ الصُّورَةُ الَّتِي أَتَانِي بِهَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ قَالَ : إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ زَوَّجَنِيهَا ، قَالَ : زَوَّجْتُكَ بِهَا يَا رَسُولَ اللهِ . [٤٢]

ترجمہ: جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہنے لگے: بیشک اللہ عزوجل نے ابو بکر کی بیٹی کو میری زوجیت میں دے دیا ہے اوران کے پاس عائشہ کی تصویر بھی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر کے پاس تشریف لے گئے اوراُن سے فرمایا: اے ابو بکر! جبرائیل عزوجل میرے پاس آئے اورانھوں نے کہا: اللہ عزوجل نے آپ کی بیٹی میری زوجیت میں دے دی ہے، پس آپ مجھے دکھائیں (تاکہ میں شناخت کروں)

٤١۔ **نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول** ، للحكيم الترمذي ، الصفحة ٦٥٨ ، الرقم ٩١٢ ، مكتبة الإمام البخاري . **جامع المسانيد والسنن** ، لإبن كثير ، ١/ ٣١٠ ، الرقم ٥١٨ ، دار خضراء . **معرفة الصحابة** ، لإبي نعيم ، ١/ ٣٣٥ ، الرقم ١٠٥٣ ، دار الوطن . **الإصابة في تمييز الصحابة** ، للعسقلاني ، ١/ ٢٥١ ، الرقم ٢٢٩ ، دار الكتب العلمية .

٤٢۔ **كتاب الشريعة** ، للامام أبي بكر الآجري ، ٥/ ٢٣٩٧ ، الرقم ١٨٧٧ ، دار الوطن الرياض ، الطبعة الأولى .

،اس پر انھوں نے اسماء بنت ابو بکر کو دکھایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ نہیں ہے؛ جس کی صورت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے دکھائی تھی، عرض کی: میری ایک نابالغ بھی بیٹی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے دکھائیں، پس انھوں نے عائشہ کو سامنے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جبرائیل اسی کی تصویر لے کر میرے پاس آئے اور کہا: اللہ عزوجل نے اِسے میری زوجیت میں دیا ہے۔ اس پر انھوں (ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے بھی اسے آپ کی زوجیت میں دیا۔

اس حدیث میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا اظہار ہے کہ اللہ تعالی عزوجل نے انھیں آپ ﷺ کی زوجیت میں دیا اور پھر آپ ﷺ کے جاں نثار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حکم ربانی کو بسر و چشم تسلیم کرتے ہوئے انھیں حرم نبوی کے لیے قبول کیا۔ الغرض آپ رضی اللہ عنہا کے ایسے بے شمار فضائل اَحادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ اپنی تمام اَزواج میں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ان سے زیادہ محبت فرماتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا علوم نبوت سے فیض یاب اور ذہین وفطین شخصیت کی مالک تھیں، صحابہ کرام آپ رضی اللہ عنہا سے مسائل کے جوابات اور اکتساب علم کیا کرتے تھے۔ آپ سے دو ہزار سے زائد اَحادیث مروی ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۵۸ھ میں وصال کیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد اَزاں روضۂ رسول کے سامنے جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔

حدیث بالا کے کلمات تو دیگر مآخذ میں میسّر نہیں آسکے، البتہ متن حدیث کے شاہد صحاح وسنن کی اَحادیث میں بکثرت موجود ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم "الصحیح" میں روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَيْنِ ، إِذَا رَجُلٌ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةِ حَرِيرٍ، فَيَقُولُ: هَذِهِ امْرَأَتُكَ ، فَأَكْشِفُهَا فَإِذَا هِيَ أَنْتِ ، فَأَقُولُ: إِنْ يَكُنْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ . (۴۳)

۴۳۔ **الجامع الصحيح** ، للبخاري ، كتاب النكاح ، باب نكاح الأبكار، الصفحة١٢٩٥ ، الرقم ٥٠٧٨ ، دار ابن كثير بيروت ، واللفظ له . **صحيح مسلم** ، للقشيري ، كتاب فضائل الصحابة ، باب في فضل عائشة ، الصفحة ٩٨٩ ، الرقم ٢٤٣٧ ، بيت الأفكار الدولية .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: مجھے (شادی سے پہلے) دومرتبہ تم دکھائی گئیں، کہ ایک فرشتہ نے تمہاری تصویر ریشم کے ٹکڑے میں اُٹھائی ہوئی تھی اوروہ کہہ رہا تھا: یہ آپ کی زوجہ ہے۔ چنانچہ جب میں نے اُسے کھولا، تووہ تم تھیں۔ تب میں نے کہا: اگر یہ اللہ کی جانب سے ہے، تووہی پورا کرے گا۔

(١٩) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيُّ الْقَاضِي قَالَ : نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ : حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

مَنْ شَتَمَ الْأَنْبِيَاءَ قُتِلَ ، وَمَنْ شَتَمَ أَصْحَابِي جُلِدَ . (٤٤)

ترجمہ: جس نے انبیاء (میں سے کسی بھی نبی) کو گالی دی، اُسے قتل کیا جائے اور جس نے میرے صحابہ کو گالی دی، اُسے کوڑے مارے جائیں۔

(٢٠) ثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيُّ الْقَاضِي بِمَدِينَةِ طَبَرِيَّةَ سَنَةَ سَبْعٍ وَسَبْعِينَ وَمِائَتَيْنِ ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ :

مَنْ سَبَّ الْأَنْبِيَاءَ قُتِلَ ، وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابِي جُلِدَ . (٤٥)

ترجمہ: جس نے اَنبیاء (میں کسی بھی نبی) کی توہین کی، اُسے قتل کیا جائے اور جس نے میرے صحابہ کی توہین کی، اُسے کوڑے مارے جائیں۔

(٢١) حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُزَاحِمُ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ الْبَصْرِيُّ ، ثنا الْحُسَيْنُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ الرَّبِيعِ اللَّخْمِيُّ ، حَدَّثَنِي عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ صَالِحٍ الْهَرَوِيُّ ، حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا ، حَدَّثَنِي أَبِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

٤٤- **المعجم الأوسط** ، للطبراني ، ٥/ ٣٥ ، الرقم ٤٦٠٢ ، دار الحرمين القاهرة .

٤٥- **المعجم الصغير** ، للطبراني ، ١/ ٣٩٣ ، الرقم ٦٥٩ ، المكتب الاسلامي ، الطبعة الاولى .

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَاقْتُلُوهُ، وَمَنْ سَبَّ وَاحِدًا مِنْ أَصْحَابِي فَاجْلِدُوهُ . (۴۶)

ترجمہ: جس نے انبیاء میں سے کسی بھی نبی کی توہین کی، اُسے قتل کر دو اور جس نے میرے صحابہ میں سے کسی بھی صحابی کی توہین کی، اُسے کوڑے مارو۔

(۲۲) حَدَّثَنَا الشَّيْخ أَبُو عَبْدُ الله أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ غَلْبُونٍ ، عَنِ الشَّيْخ أَبِي ذَرٍّ الهَرَوِيّ إجَازَةً ، قَالَ أَبُو الحسَن الدَّارَقُطْنِيُّ وَأَبُو عُمْر بْنُ حَيْوَةَ ، قَالَا : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ نُوحٍ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ زَبَالَةَ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الله بْنُ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ ، عَنْ محمَّد بْنِ عَلِيِّ بْنِ الحُسَيْن ، عَنْ أَبِيْهِ ، عَنْ الحُسَيْنِ بْنِ عَلِيّ ، عَنْ أَبِيْهِ ، أَنَّ رَسُولَ الله – صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – قَالَ :

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا فَاقْتُلُوهُ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَاضْرِبُوهُ . (۴۷)

ترجمہ: جس نے کسی نبی کی توہین کی، اُسے قتل کر دو اور جس نے میرے صحابی کی توہین کی، اُسے (کوڑے) مارو۔

رقم ۱۹ تا ۲۲ کی اَحادیث کا مفہوم یکساں ہے، البتہ ان کی اسانید وکلمات الگ ہیں، اسی لیے ہم نے انھیں ذکر کیا ہے۔ ان اَحادیث میں توہین رسالت (Blasphemy) کرنے والے شخص کی سزا کے اَحکام بیان ہوئے ہیں، کہ اگر وہ کسی بھی نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو، تو اسلامی حکومت میں اُسے قتل کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی بدبخت صحابہ کرام میں سے کسی کی شان میں گستاخی واہانت کا ارتکاب کرے، تو اُسے کوڑے مارے جائیں گے۔ الغرض اس بارے میں فقہی اوراجتہادی نوعیت کے اختلافات بھی ہیں؛ جن کا ذکر شیخ ابن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ کی "الصَّارم المَسلول على شاتِم الرسول"، شیخ ابوالحسن تقی الدین علی سبکی شافعی، متوفی ۷۵۶ھ کی "السَّيف المسلول على مَن سبَّ الرَّسول" اور متأخرین حنفی فقہاء میں سے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، متوفی ۱۱۷۴ھ کی "السَّيف الجلي على سابِّ النبي" میں موجود

۴۶۔ **الفوائد** ، للامام أبي القاسم تمام الرازي ، ۱/ ۲۹۵ ، الرقم ۷۴۰ ، مكتبة الرشد الرياض ، الطبعة الاولى .

۴۷۔ **الشفاء** ، للقاضي عياض ، فصل في الحجة في ايجاب قتل من سبه ..الخ ، الصفحة ۷۷۳ ، الرقم ۱۷۶۲ ، طبعة جائزة دبي الدولية للقرآن الكريم ، الطبعة الأولى . **الفتاوى** ، للسبكي ، ۲/ ۵۸۲ ، دار المعرفة بيروت .

ہے، البتہ جامع اور معلوماتی نوعیت کی بحث خاتم الفقہاء ابن عابدین شامی حنفی، متوفی ۱۲۵۲ھ کی ”تنبیه الوُلَاة والحُکَّام“ میں ہے، جس میں اَحناف کی قدیم وجدید آراء پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ انتہائی حساس موضوع ہے اوراس بارے میں مختصر کلام کرنا مفید نہیں، اسی لیے ہم یہاں اس کے تعرض سے اجتناب کر رہے ہیں، لیکن صرف اس قدر عرض ہے کہ توہین رسالت (Blasphemy) بلاشبہ عظیم تر جرائم میں سے ایک ہے، جس کے باعث کوئی شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن اس بات کا تعین کرنا کہ واقعی اُس شخص نے گستاخی کی ہے اوروہ شرعی تقاضوں کے مطابق حتمی طور پر اسلام سے خارج ہو گیا ہے، یہ عوام الناس کی ذمہ داری اور منصب نہیں، کیونکہ انھیں فقہیات میں سے تکفیری اُصول وضوابط کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہو تیں، لہٰذا علم وتقویٰ کے حاملین ایسے علماء جنھیں مہارتِ تامہ اور زمانی حقائق و تبدیلیوں سے آگاہی حاصل ہو، وہ اس بارے میں غور و فکر کے بعد فیصلہ کریں گے، جسے ریاستی اِداروں کے ذریعے نافذ کیا جائے گا۔ کیونکہ کسی بھی شخص کو اسلام سے خارج قرار دینا انتہائی سنگین معاملہ ہے، لہٰذا اس کے لیے شواہد کی قوت میں بھی اُسی قدر مضبوطی مطلوب ہوتی ہے، فافہم۔

مؤخر الذکر دونوں اَحادیث کو امام دار قطنی نے ”أطراف الغرائب ،(۱/ ۸۲ ، الرقم ۲۵۵)“ میں نقل کرتے ہوئے صرف ”غریب“ کہا ہے، لیکن چونکہ اس کے شواہد بکثرت موجود اور عند العلماء اُن سے تمسک واستشہاد کیا گیا ہے اور ہم نے ما قبل متعلقہ کتب کے اسماء بھی درج کر دیے ہیں، اسی لیے اس پر مزید بحث کی حاجت نہیں۔

(٢٣) ح أَبُو مُحَمَّدٍ ، أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الله الْهَرَوِيُّ ، ح أَبُو الْحَسَنِ ، عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَهْرَوَيْهِ الْقَزْوِينِيُّ بِالْكُوفَةِ قَدِمَهَا حَاجًّا ، ح دَاوُدُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ وَهْبٍ أَبُو أَحْمَدَ الْفَرِيُّ الْقُرَيْشِيُّ ، حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرَّضِيُّ ، حَدَّثَنِي أَبُو مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ الله عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

إِنَّ مُوسَى بْنَ عِمْرَانَ سَأَلَ رَبَّهُ ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ ، فَقَالَ : يَا رَبِّ ! أَبَعِيدٌ أَنْتَ فَأُنَادِيَكَ ، أَمْ قَرِيبٌ فَأُنَاجِيَكَ ؟ فَأَوْحَى الله إِلَيْهِ يَا مُوسَى بْنَ عِمْرَانَ ! أَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِي. (٤٨)

ترجمہ: موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اپنے ربّ عزوجل سے ہاتھ اُٹھا کر سوال کیا: اے میرے ربّ! کیا تو بعید ہے کہ میں تجھے پکاروں؟ یا تو قریب ہی ہے کہ میں تجھ سے سرگوشی کروں؟ تو اللہ عزوجل نے وحی فرمائی: اے موسیٰ بن عمران! جو مجھے یاد کرے، میں اُس کے قریب ہوں۔

حدیث میں اللہ عزوجل کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انھوں نے آدابِ دعا کے بارے میں دریافت کیا، تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا۔ نیز اس بارے میں قرآن مجید میں یہ فرمان ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيْبٌ ، أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ، فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ . (٤٩)

ترجمہ: اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں، تو میں نزدیک ہوں، دُعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے، تو انھیں چاہیے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔

٤٨- **بحر الفوائد** ، للإمام أبي بكر الكلاباذي ، باب من آداب الدعاء ، ١ / ٤٣٥ ، الرقم ٤٥٢ ، دار السلام القاهرة ، الطبعة الاولى.

٤٩- **القرآن الكريم** ، سورة البقرة : ٢/ ١٨٦ .

اللہ تعالی عَزَّوَجَلَّ نے قرآن مجید میں دعا مانگنے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے، نیز اَحادیث کریمہ میں اس کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے، چنانچہ حدیث کا مفہوم ہے: جو بندہ اپنے ربّ جَلَّ جَلَالُہٗ سے دعا نہیں مانگتا، تو اللہ تعالی جَلَّ جَلَالُہٗ اس پر غضب فرماتا ہے۔ لہٰذا بندے کو ہمیشہ دعا کے ذریعے بارگاہ خداوندی سے وابستہ رہنا چاہیے۔ دعا کرتے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا سنت نبوی اور سنت اَنبیاء ہے۔ عام مقامات یعنی مساجد وغیرہ میں جہاں دیگر لوگ اپنی عبادات میں مشغول ہوں، وہاں آہستہ دعا مانگی جائے تاکہ کسی کے معمولات یا آرام میں خلل نہ آئے، لیکن اگر کوئی شخص تنہائی میں خشوع حاصل کرنے یا عجز کا اظہار کرنے کے لیے آواز بلند بھی کرلے تو حرج نہیں، لیکن حد سے زیادہ آواز بلند کرنے کو بھی علمائے کرام نے خلاف اَدب لکھا ہے۔ آدابِ دعا کے بارے میں ائمہ ومحدثین کی بہت سی تالیفات موجود ہیں۔ اُردو زبان میں علامہ نقی علی خان کی "أحسن الوعاء لآداب الدعاء" اوراس پر ان کے صاحبزادے امام احمد رضا خان حنفی کی شرح "ذیل المدعاء لأحسن الوعاء" عمدہ وجامع ہے، اہل ذوق مزید معلومات کے لیے اس کی جانب مراجعت فرمائیں۔

اس حدیث کو معمولی کلمات کے اختلاف کے ساتھ امام ابو القاسم اصبہانی، المعروف قوام السنہ، متوفی ۵۳۵ھ نے "الحجة في بيان المحجة وشرح عقيدة أهل السنة ،(١/ ٣٩٩،الرقم ٢٣٦)" میں بغیر سند کے یوں ذکر کیا ہے:

وروي أن موسى عليه السلام لما مضى يقتبس النار سمع صوتاً : يا موسى ، يا موسى ، فأجاب : لبيك لبيك . من أنت ؟ إني أسمع صوتك ، ولا أرى مكانك . فقال يا موسى: أنا ربُّك. قال موسى : إلهي أبعيدٌ أنت فأناديك أم قريبٌ فأناجيك؟ فقال يا موسى: أنا عن يمينك وأمامك ، وأقرب إليك من نفسك .

اس حدیث کی مذکورہ بالا سند رُواۃ کے سبب ضعف ہے، لیکن حضرت عبد اللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے صحیح سند کے ساتھ اس کا شاہد بھی منقول ہے، چنانچہ امام ابن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ نے "العلل ،(٥/ ١٦١،الرقم١٨٨٥)" میں محمد بن عبد الرحمن قرشی مدنی المعروف ابن ابی ذِئب، متوفی ۱۵۹ھ کی شیخ سعید مَقْبُرِي کے طریق سے عبد اللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی روایت مختصراً بیان کی ہے، جس پر ان کے والد امام ابو حاتم رازی نے "ابن أبي ذئب جوّد هذا الحديث ، وهو أصح" کے کلمات سے توثیق بیان کی ہے، نیز اسی مقام پر محمد بن عجلان مدنی قرشی کی سند سے سعید بن مقبری کی متابعت بھی مذکور ہے، چنانچہ یہ شواہد حدیث بالا کی تقویت کے لیے کافی ہیں۔ فتدبر

(۲۴) حَدَّثَنَا ابْنُ مَخْلَدٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَارُودِيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو مَالِكٍ سَلَّامُ بْنُ سَالِمٍ مَوْلَى خُزَاعَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْوَرَّاقُ ، قَالَ : حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ :

أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَتَكَلَّمُ فِي اللهِ بِشَيْءٍ لَا يَنْبَغِي ، فَأَمَرَ بِضَرْبِ عُنُقِهِ ، فَضُرِبَتْ عُنُقُهُ، وَقَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ تَكَلَّمَ فِي اللهِ فَاقْتُلُوهُ ، وَمَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقُرْآنِ فَاقْتُلُوهُ . (۵۰)

ترجمہ: آپ نے کسی شخص کو اللہ عزوجل کے بارے میں ایسی بات کرتے ہوئے سنا، جو اُس کے شایاں نہیں (یعنی توہین آمیز کلمات تھے) تو آپ نے اِسے قتل کرنے کا حکم دیا، پس اسے قتل کر دیا گیا تو فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا: جو اللہ عزوجل کے بارے میں بدکلامی کرے، اُسے قتل کر دو اور جو قرآن کے بارے میں گستاخی کرے، اُسے بھی قتل کر دو۔

حدیث بالا کی سند میں امام کاظم رضی اللہ عنہ سے جو راوی بیان کر رہا ہے، اس کے بارے میں محولہ کتاب کے محققین نے لکھا: یہ "موسی بن ابراہیم" دراصل "ابو عمران موسی بن ابراہیم مروزی بغدادی" ہی ہے۔ لیکن یہ محققین کی لغزش ہے، کیونکہ موسی بن ابراہیم الوراق اور موسی بن ابراہیم مروزی دو الگ الگ شخصیات ہیں، البتہ دونوں کی کنیت ابو عمران ہے۔

۱۔ ابو عمران موسی بن ابراہیم الوراق

ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، البتہ شیخ ابن العدیم، متوفی ۶۶۰ھ نے "بغية الطلب في تاريخ الحلب، (الصفحة ۱۰۵۹)" میں انھیں شیخ ابو العباس احمد بن محمد بن یعقوب بن ابی احمد طبری شافعی کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کبار اَصحاب کے تلمیذ ہیں۔

۵۰۔ **الإبانة الكبرى** ، لابن بطة الحنبلي ، الكتاب الثالث الرد على الجهمية ، المجلد الثاني ، باب بيان كفرهم وضلالهم و خروجهم عن الملة ، الصفحة ۴۲ ، الرقم ۲۳۵ ، دار الراية الرياض ، الطبعة الثانية .

ان کے حوالے سے مروی چند آثار کو مختلف ائمہ نے نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو: "تالي تلخيص المتشابة ، للخطيب ،(الصفحة ٧٣،الرقم ١٩) . شرح أصول اعتقاد أهل السنة ، للالكائي ، (١/ ٢٤٤ ،الرقم ٤٠٥–و٢/ ٣٢٠ ، الرقم ٥١٥). إمتاع الأسماع ، للمقريزي ، (٥/ ٦١، تحت العنوان ؛ رقم إسمه على صفحات المخلوقات)"۔

نیز سمعانی نے "الأنساب ،(١/ ١١١)" اور جزری نے "اللباب، (١/ ٢٣)" میں محدث "ابو طاہر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عباس بن موسی بن ابراہیم الوراق، الاباوَردی المعروف ابن ابی القطری بغدادی کا نسب ذکر کیا ہے، شاید یہ انہی کی اَولاد میں سے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی معلومات اور جرح و تعدیل کے بیانات تک رسائی نہیں ہو سکی۔

۲۔　ابو عمران موسی بن ابراہیم مروزی بغدادی، متوفی ۲۳۰ھ

ان کے بارے میں ائمہ و محدثین نے درج ذیل آراء بیان کی ہیں، چنانچہ امام خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد ،(١٥/ ٢٨،الرقم ٦٩٤٧)" میں ان کا ترجمہ لکھتے ہوئے بحوالہ یحییٰ بن معین "كذاب" اور بحوالہ دار قطنی "متروك" بیان کیا۔ امام ذہبی نے بھی یہی بیانات "ميزان الاعتدال ،(٤/ ١٩٩،الرقم ٨٨٤٤)" اور "تاريخ الإسلام ،(١٦/ ٤١٧)" میں ذکر کیے ہیں۔ جبکہ عسقلانی نے "لسان الميزان ، (٨/ ١٨٧)" میں سابق اَقوال کے علاوہ بحوالہ عقیلی "منكر الحديث ، لا يتابع على حديثه" بحوالہ ابو نعیم "ضعيف" اور بحوالہ ابن عدی "شيخ مجهول ، حدّث بالمناكير عن الثقات وغيرهم وهو بيّن الضعف" بیان کیا ہے۔ چنانچہ ان بیانات کی روشنی میں جرح شدید اور ترک ہی عیاں ہے، لیکن درج ذیل اُمور ایسے ہیں، جن کی وجہ سے متذکرہ بالا جرح پر سوالیہ نشان قائم ہوتا ہے۔

معروضات بَر دلائل ائمہ و محدثین

امام حاکم نے "ابو عمران موسی بن ابراہیم" کے طریق سے "المستدرك ،(٢/ ٢٩٢، الرقم٣٠١٧، طبعة دار الحرمين)" میں ایک روایت لیتے ہوئے اُسے بشرط شیخین صحیح کہا ہے۔

کتاب ہذا کی مختلف طبعات میں تو اس مقام پر راوی کا یہی نام مذکور ہے، ملاحظہ ہو: "دار الفكر ، (٢/ ٢٤٣). دار الكتب العلمية ، (٢/ ٢٦٦ ، الرقم٢٩٥٨)"۔ لیکن اسی کتاب کی طبع "دار التأصيل ، (٤/ ٤٤، الرقم ٢٩٩٩)" میں

راوی کا نام تبدیل کر کے "ابو عمران موسی بن ہارون" لکھا گیا، لیکن ہمارے نزدیک مؤخر الذکر طبع کے محققین سے لغزش ہوئی ہے کہ انھوں نے متکلم فیہ راوی "ابو عمران موسی بن ابراہیم مروزی بغدادی، متوفی ۲۳۰ھ" کو "ابو عمران موسی بن ہارون بن عبد اللہ بن مروان، الحمال بغدادی، متوفی ۲۹۴ھ" ایسے ثقہ وحافظ راوی سے تبدیل کر دیا، لیکن در حقیقت یہ تصرف باطل اور سہو وغفلت پر مبنی ہے۔

(الف) اس ثقہ راوی کا سندِ حاکم میں مذکور اپنے شیخ "ابو عثمان عمرو بن محمد الناقد بغدادی، متوفی ۲۳۲ھ" سے سماع ہی ثابت نہیں، جبکہ حاکم کی متعلقہ روایت میں وہ اپنے شیخ عمرو ناقد سے بصیغہ جزم روایت کر رہے ہیں۔

(ب) شیخ عمرو ناقد کی وفات ۲۳۲ھ میں ہوئی، اور راوی موسی بن ہارون ۲۹۴ھ میں فوت ہوئے، اگرچہ ان کی پیدائش ۲۱۴ھ میں بیان کی جاتی ہے، لیکن ہمارے پیش نظر مصادر ترجمہ مثلاً تاریخ بغداد، تاریخ الاسلام اور تقریب التہذیب وغیرہ میں سے کسی نے بھی ان کے شیوخ میں شیخ عمرو ناقد کو ذکر ہی نہیں کیا۔ فتدبر

الغرض امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جس راوی سے متعلقہ روایت نقل کی گئی، وہ ابو عمران موسی بن ابراہیم، متوفی ۲۳۰ھ ہے، جس پر ائمہ نے جرح کی ہے۔ لہٰذا اس ثبوت کے بعد امام حاکم کا اس راوی سے نقل کردہ روایت کے بعد بشرط شیخین صحیح کہنا اقل درجہ مذکورہ رُواۃ کی ضمنی توثیق ہے اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ امام ذہبی نے "تلخيص على هامش المستدرك، (٢/ ٢٦٦، طبعة دار الكتب العلمية)" میں اس روایت اور راوی کسی پر کوئی نقد بیان نہیں کی، بلکہ انھوں نے اس کے برعکس "على شرط البخاري ومسلم" کہہ کر مزید مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اور پھر امام سراج الدین عمر المعروف ابن الملقن، متوفی ۸۰۴ھ نے "مختصر استدراك الحافظ الذهبي على مستدرك أبي عبد الله الحاكم" میں امام حاکم کی "المستدرك ، كتاب التفسير" میں وارد اس روایت وراوی، نیز حافظ ذہبی کے متذکرہ بیان سے کوئی تعرض نہیں کیا، بلکہ انھوں نے تو اس روایت کو سرے سے کتاب التفسیر کے متعلقہ تنقیدی مقام پر شامل ہی نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں پوری کتاب میں یہ روایت کہیں اور تنقید کے ضمن میں نظر آئی۔

چنانچہ امام حاکم کی مذکورہ سند میں راوی "ابو عمران موسی بن ابراہیم" کو ذکر کرنے سے اوّلاً حاکم کی توثیق واضح ہوئی۔ پھر ثانیاً شیخ ذہبی نے بھی بشرط شیخین نقل کر کے اسے برقرار رکھا ہے اور ثالثاً شیخ ابن الملقن نے بھی اس سے

تعرض نہ کرکے حاکم وذہبی کے بیانات کی تائید کردی، چنانچہ ان تین ثقہ ائمہ کی راوی کے بارے میں تعدیل ہی واضح ہورہی ہے۔ فافہم۔

نیز امام ذہبی کا اپنی دیگر کتب میں صریح جرح کرنا اور پھر یہاں واضح نام پائے جانے کے باوجود اسے بشرط شیخین صحیح قرار دینا ایسا اَمر ہے، جس کی تطبیق ہمیں واضح نہیں ہوسکی۔ البتہ انتہائی درجہ میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید ذہبی سے تعیین میں سہو ہوگیا، اسی لیے دوسرا راوی گمان کرتے ہوئے جرح نہیں کی۔ پس اگر یہ مان بھی لیا جائے تو پھر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اوّلاً امام حاکم سے ایسے کذاب ومتروک راوی کو لینے میں خطا ہوئی، پھر ذہبی سے بھی سہو ہوا، اور پھر ان دونوں پر کلام کرنے والے ابن الملقن بھی غافل رہے؟ فيا للعجب .

یہاں تک تو حافظ ذہبی کی جرح اور پھر روایت پر نقد کے بجائے توثیق بیان کرنے کا معاملہ تھا، جس سے اُن کی بیان کردہ جرح پر سوالیہ نشان قائم ہوتا ہے، لیکن اس معاملے میں امام عسقلانی سے بھی ایسا ہی سرزد ہوا، چنانچہ انھوں نے متذکرہ بالا مقام پر شدید جرح کی، لیکن پھر خود ہی "المطالب العالية ، (١٦/ ٥٥،الرقم ٣٩١٧)" میں ان سے بغیر کسی نقد و جرح کے روایت بھی لے لی، اور اپنی اہم تر کتاب میں روایت لاتے ہوئے کوئی نقد تک نہیں کی۔۔!

یہ تو وہ ائمہ تھے، جنھوں نے مذکورہ راوی پر نا صرف جرح کی، بلکہ اس کے برعکس اپنی کتب میں ایسے کذاب راوی سے روایات بھی بغیر تنبیہ کیے نقل کردیں۔ اب ہم چند ایسے معروف ائمہ کے شواہد پیش کررہے ہیں، جن کی جرح کے بارے میں تو ہمیں کوئی قول معلوم نہیں ہوسکا، البتہ انھوں نے اسی راوی کے طریق سے روایات کو بغیر جرح کے نقل کیا ہے۔ چنانچہ طبرانی نے "مسند الشاميين ،(٢/ ٢٠٣،الرقم ١١٩٠-٤/ ٣٧٨،الرقم ٣٦٠٠)" میں ان سے دو روایات لی ہیں، لیکن راوی اور روایت میں سے کسی پر نقد نہیں کیا۔ ابن شاہین، متوفی ۳۸۵ھ نے "الترغيب في فضائل الاعمال ،(باب فضل المشي في الخير ، الصفحة ١٥٠ ، الرقم ٥٢١)" میں ان سے روایت لے کر کوئی جرح نہیں کی۔ امام بیہقی نے بھی "شعب الإيمان ،(١٢/ ١٣٧،الرقم ٩١٧١)" میں ان کے طریق سے بغیر کسی جرح کے روایت لی ہے۔ فافہم۔

ہم نے ابھی جن کتب سے روایات نقل کی ہیں، اُن کے محققین نے حواشی میں خوب زور لگایا، لیکن افسوس متن میں کلام ائمہ پر کوئی زیادتی نہیں کرسکے، لہٰذا ہمارے روئے سخن نقل ائمہ پر ہے، محققین کے حواشی پر نہیں۔

الغرض ان اَبحاث کے پیشِ نظر موسی بن ابراہیم مروزی پر کذاب و متروک کی جرح متزلزل ہو جاتی ہے اور ہمیں امام ابونعیم کا سابق بیان "ضعیف" ہی موزوں معلوم ہوتا ہے۔ پس یہ راوی بالاتفاق ضعیف ہے۔ البتہ ائمہ کی جرح شدید کے شواہد باہم متعارض اور محتاج تطبیق ہے، جو ہمارا موضوع نہیں۔ کیونکہ ان ائمہ نے خود ہی ایک جگہ جرح کر کے اُصول بیان کیے اور راوی کو کذاب و متروک کہہ کر چھوڑا، لیکن پھر دوسرے مقام پر خود ہی اُن سے تصادم و تعارض کر دیا۔
هذا ما ظهر لي والعلم عند الله .

(٢٥) حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ بْنِ سُلَيْمَانَ الزَّاهِدُ ، ثنا أَبُو عَلِيٍّ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَشْعَثُ الْكُوفِيُّ بِمِصْرَ ، حَدَّثَنِي أَبُو الْحَسَنِ مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ :

أَن يَهُودِيًّا ، كَانَ يُقَالَ لَهُ جُرَيْجِرَةَ كَانَ لَهُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَنَانِيرُ ، فَتَقَاضَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ : يَا يَهُودِيُّ ! مَا عِنْدِي مَا أُعْطِيكَ ، قَالَ : فَإِنِّي لَا أُفَارِقُكَ يَا مُحَمَّدُ حَتَّى تُعْطِيَنِي ، فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذًا أَجْلِسُ مَعَكَ ، فَجَلَسَ مَعَهُ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ الْمَوْضِعِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْآخِرَةَ وَالْغَدَاةَ ، وَكَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَدَّدُونَهُ ، وَيَتَوَعَّدُونَهُ ، فَفَطِنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : مَا الَّذِي تَصْنَعُونَ بِهِ ؟ فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ ! يَهُودِيٌّ يَحْبِسُكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنَعَنِي رَبِّي أَنْ أَظْلِمَ مُعَاهَدًا وَلَا غَيْرَهُ ، فَلَمَّا تَرَحَّلَ النَّهَارُ ، قَالَ الْيَهُودِيُّ : أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ، وَقَالَ : شَطْرُ مَالِي فِي سَبِيلِ اللهِ ، أَمَا وَاللهِ ! مَا فَعَلْتُ الَّذِي فَعَلْتُ بِكَ إِلَّا لِأَنْظُرَ إِلَى نَعْتِكَ فِي التَّوْرَاةِ : مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ ، وَمُهَاجَرُهُ بِطَيْبَةَ ، وَمُلْكُهُ بِالشَّامِ ، لَيْسَ بِفَظٍّ ، وَلَا غَلِيظٍ ، وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ ، وَلَا مُتَزَيٍّ بِالْفُحْشِ ، وَلَا قَوْلِ الْخَنَا ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللهِ ، هَذَا مَالِي فَاحْكُمْ فِيهِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ ، وَكَانَ الْيَهُودِيُّ كَثِيرَ الْمَالِ . (٥١)

٥١- **المستدرك** ، للحاكم ، تواريخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين ، ٢/ ٦٧٨ ، الرقم ٤٢٤٢ ، دار الكتب العلمية ، واللفظ له . **دلائل النبوة** ، للبيهقي، ٦/ ٢٨٠ ، دار الكتب العلمية . **تاريخ دمشق الكبير** ، للابن عساكر ، ١/ ١٨٤، الرقم ٢٢٠ ، دار الفكر .

ترجمہ: ایک یہودی جس کا نام جریجرہ تھا، اس کا رسول اللہ ﷺ پر کچھ دیناروں کا قرض تھا، پس اس نے آپ ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے یہودی! ابھی میری پاس کچھ نہیں جو تمھیں دُوں، اس نے کہا: اے محمد! میں اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ مجھے قرض واپس نہ کر دیں، تب آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے میرے ساتھ بیٹھ جاؤ، پس وہ آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے اسی مقام پر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن صبح کی نماز ادا فرمائی، جبکہ صحابہ کرام اس یہودی کو ڈرا رہے تھے، دھمکیاں دے رہے تھے، آپ ﷺ نے اس معاملے کو بھانپ لیا تو فرمایا: یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! اس یہودی نے آپ کو محبوس کر رکھا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے ربّ نے مجھے معاہدہ کرنے والے، بلکہ کسی بھی فرد پر ظلم کرنے سے منع کیا ہے، جب دن گزر گیا تو اس یہودی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ عزوجل کے بندے اور رسول ہیں، نیز اس نے کہا: میرے مال کا اتنا حصہ اللہ عزوجل کی راہ میں وقف ہے، خدا کی قسم! میں نے آپ کے ساتھ یہ سب صرف اس لیے کیا تاکہ تورات میں لکھی اس نشانی کو دیکھ لوں، کہ محمد بن عبد اللہ ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور وہ طیبہ کی طرف ہجرت کریں گے، ان کی سلطنت شام میں ہوگی، آپ بد خلق اور سخت دل نہیں ہوں گے، نہ ہی بازاروں میں شور مچانے والے، اور نہ ہی فحش گو اور بد زبان ہوں گے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور بیشک آپ اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔ پس یہ میرا مال ہے اس میں اللہ عزوجل کی مرضی کے مطابق جو چاہیں حکم کریں۔ اور یہ یہودی بہت مال دار تھا۔

امام حاکم، متوفی ۴۰۵ھ نے اسے " المستدرك "میں محولہ بالا مقام پر بہ سند نقل کرکے کوئی تنقید نہیں کی، اور یوں ہی امام ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ نے "تاريخ دمشق الكبير "میں اسے امام بیہقی اور انھوں نے امام حاکم کے طریق سے نقل کیا، لیکن جرح وضعف پر کوئی کلام نہیں کیا، اس کے علاوہ امام بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ اسے اپنی شہرہ آفاق کتاب "دلائل النبوة" میں بھی "زید بن سَعْنَة رَضِیَ اللہُ عَنْہُ" کے باب میں بطور نظیر و شاہد لائے ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے "الإصابة ، (٢/ ١٢٨، طبعة العلمية)" میں اس روایت کو امام حاکم اور بیہقی کے علاوہ ابو سعد خرکوشی نیشاپوری، متوفی ۴۰۷ھ کی "شرف المصطفى" کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے اور یہ حاکم و بیہقی دونوں کے شیخ ہیں۔ چنانچہ یوں مزید ماخذ کا اضافہ معلوم ہوا۔ اگرچہ موجودہ "شرف المصطفیٰ" میں یہ واقعہ نہیں مل سکا، لیکن اس کی طبع ناقص ہونے کے سبب یہ مُضر نہیں، البتہ حافظ عسقلانی کی نقل اس کے ثبوت پر کافی ہے، لہٰذا یوں روایتِ بالا میں امام حاکم کا تفرد باقی نہیں رہتا۔

امام ابن الملقن نے "مختصر استدراك الحاكم" میں روایت کے بعد فقط شیخ ذہبی کا کلام نقل کرنے پر اکتفا کیا، اپنی طرف سے کوئی جرح نہیں کی۔ حالانکہ اس کتاب میں انھوں نے بہت سے مقامات پر تعقبات درج کیے ہیں، چنانچہ مذکورۃ الصدر ائمہ نے ضُعف و جرح کے بجائے اس روایت سے ایراد و استناد ہی کیا ہے، جو اس کے قوی ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ البتہ امام ذہبی نے "تلخيص الحاكم" میں اس کے بعد "حديث منكر بمرة ، وآفته من موسى أو ممن بعده" اور حافظ عسقلانی نے "إتحاف الخيرة المهرة ،(١١/ ٣٤٧، الرقم١٤١٧١)" میں صرف راوی ابو علی الاشعث کے بارے میں "كذبه جماعة" بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ البانی نے "سلسة الأحاديث الضعيفة ،(٤/ ٢٧٨، الرقم١٧٩٥)" اسے موضوع قرار دیا، لیکن پھر خود ہی دوسری کتاب "الجامع الصغير وزيادته للسيوطي" کی تحکیم کے دوران "ضعيف الجامع الصغير، (الصفحة ٨٥٠ الرقم ٥٨٩٣)" میں اسے صرف "ضعيف" شمار کیا ہے، فيا للعجب۔ لہٰذا البانی کے یہاں اپنے ہی کلام میں واضح تناقض موجود ہے، چہ جائے کہ اس پر مزید نقد و توضیح کی جائے۔ تو یوں صرف حافظ عسقلانی و ذہبی کی جرح باقی رہ جاتی ہے، لیکن مذکورہ بالا ائمہ کے اسے روایت کرکے برقرار رکھنے اور تمسک کرنے سے صرف ان دو حضرات کی بعد کے راویوں پر ضمنی جرح وزن دار نہیں

رہتی۔ کیونکہ ابن اشعث کوفی اگرچہ نسخہ موضوعہ کے حامل بیان کیے جاتے ہیں، لیکن لازمی نہیں کہ اُن کی ہر حدیث اُسی نسخے سے منقول ہو، شاید یہی وجہ تھی کہ اوّلاً ابو سعد خرکوشی، پھر حاکم اور بعد اَزاں بیہقی وابن عساکر نے اس روایت کو بلا نکیر درج کیا ہے، جبکہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تو "دلائل النبوة" میں دوسری سند سے حدیث نقل کرنے کے بعد مذکورہ بالاسند کی روایت کو بطور تائید نقل کیا ہے، لہٰذا اگر اُن کے نزدیک واقعی یہ حدیث موضوع ہوتی، تو وہ بھلا کیونکر اسے نظیر میں پیش کرتے؟

اس حدیث کا بعض حصہ "مَنَعَنِي رَبِّي أَنْ أَظْلِمَ مُعَاهَدًا وَلَا غَيْرَهُ" بغرض اختصار "جمع الجوامع ، للسيوطي، (١٠/ ٣٩٤، الرقم ٢٣٦٨٥، طبعة الجامع الأزهر)" میں بھی موجود ہے اور یہاں شیخ سیوطی نے اسے نقل کرنے کے بعد "وتُعُقِّبَ عَنْ عَلِيٍّ" لکھا، لیکن انھوں نے ہی جب "الجامع الصغير، (الصفحة ٥٤٧، الرقم ٩١١٥، طبعة العلمية)" میں اسے نقل کیا، تو وہاں اپنی رَمز کے ساتھ "صحیح" ہونا بیان کیا ہے، جیساکہ البانی نے بھی مذکورہ مقام پر ان کی صحت کا حوالہ نقل کیا اور اَمیر صنعانی کی آنے والی کتاب میں بھی مذکور ہے۔

لیکن اس کے شارحین نے حدیث کے بعد کوئی نقد وجرح ذکر نہیں کی، ملاحظہ ہو: شیخ عبد الرؤف مناوی، متوفی ١٠٣١ھ "فيض القدير، (٦/ ٢٤٥، الرقم ٩١١٥)" اور "التيسير، (٢/ ٤٤٩)"، شیخ علی بن احمد عزیزی بولاقی شافعی، متوفی ١٠٧٠ھ "السراج المنير، (٣/ ٣٦٩)"، شیخ الازہر نجم الدین محمد حَفنی شافعی خلوتی، متوفی ١١٨١ھ "حاشية الحفني على الجامع الصغير، (٣/ ٣٩٦)"، شیخ محمد بن اسماعیل المعروف الامیر صنعانی، متوفی ١١٨٢ھ "التنوير شرح الجامع الصغير، (١٠/ ٤٣٦، الرقم ٩٠٩٦)"، شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی، متوفی ١٣٥٠ھ "الفتح الكبير في ضم الزيادة إلى الجامع الصغير، (٣/ ٢٤٨)"۔ جبکہ محدثِ عرب شیخ احمد ابن صدیق غماری حسینی، متوفی ١٣٨٠ھ نے تو "المداوي لعلل الجامع الصغير وشرحي المناوي، (٦/ ٤٢٣)" میں اِسے مطلقاً نقد کے لیے وارد ہی نہیں کیا، فافہم۔

تو ان شواہد کی روشنی میں حق واضح ہے کہ حدیث بالا بعض رُواۃ پر جرح پائے جانے کے سبب صرف "ضعیف" ہے، جیساکہ شیخ البانی نے بھی "ضعيف الجامع الصغير" میں تسلیم کیا ہے۔ موضوع نہیں، جیساکہ انھوں نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة" میں لکھ دیا ہے، واللہ اعلم۔

(٢٦) أَخْبَرَنَا أَبُو الْمَكَارِمِ الْمُبَارَكُ بْنُ مُحَمَّدِ بْن المعمّر الباذرائي ، أَنْبَأَ أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ زَكَرِيَّا الصُّوفِيُّ الطُّرَيْثِيثِيُّ ، أَنْبَأَ أَبُو عَبْدِ الله الْحُسَيْنُ بْنُ شُجَاعٍ الْمَوْصِلِيُّ الصُّوفِيُّ ، أَنْبَأَ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الله الشَّافِعِيُّ ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ ، ثَنَا مُوسَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، ثَنَا مُوسَى بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :

مَنْ أُذِنَ لَهُ بِالدُّعَاءِ فُتِحَ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَة .(٥٢)

ترجمہ: جسے دعا کی توفیق مل گئی، اس کے لیے رحمت کے دروازے بھی کھول دیے جاتے ہیں۔

بندے کا اپنے ربّ سے تعلق دو عبادتوں میں زیادہ مقرب ہوتا ہے، ایک نماز اور دوسرا دعا۔ قرآن مجید اور اَحادیث نبویہ میں دعا مانگنے کے بہت سے فرامین اورآداب ذکر کیے گئے، چنانچہ اللہ تعالی عَزَّوَجَلَّ کا فرمان ہے: ”جب دعا کرنے والا مجھ سے مانگے، تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں“۔ اسی طرح ”مجھ سے دعا مانگو، میں قبول کروں گا“۔ لہٰذا بندے کو اپنے ربّ کریم عَزَّوَجَلَّ سے دعاؤں کے ذریعے بھی تعلق قائم رکھنا چاہیے اور جب بندے کو دعا مانگنے کی توفیق مل جائے، تو اس یقین کے ساتھ مانگے کہ توفیق بخشنے والے کی جانب سے قبولیت بھی ملے گی، نااُمیدی نہیں ہونی چاہیے۔

حدیث بالا کی سند حضرت زین العابدین علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ پر منتہی ہے، لہٰذا یہ مرسل ہے، نیز اس کی سند پر محققین کتاب ہٰذا کے دو بیانات ہیں، پس محولہ مقام پر محقق شیخ فوّاز احمد زمرلی نے سند کے بارے میں ”هو مرسل حسن الإسناد إن شاء الله تعالى“ لکھا، جبکہ اس کی طبع ”مطبعة ابن تيمية بالقاهرة“ میں شیخ ابو یوسف محمد بن حسن نے ”ضعيف وإسناده مقطوع“ بیان کیا ہے۔ لیکن موسی بن ابراہیم مروزی جیسے متفقہ ضعیف راوی اور محمد بن خلف بن عبد السلام مروزی؛ جن کی یحییٰ بن معین نے تکذیب کی، پس ان کی موجودگی میں سند کو حسن الاسناد کہنے کی تو کوئی معقول وجہ باقی نہیں رہتی، لہٰذا درست بات یہی ہے کہ یہ سند بالا ”ضعیف“ ہے۔

٥٢ـ **الترغيب في الدعاء والحث عليه** ، للإمام عبد الغني المقدسي ، الصفحة ٤٦، الرقم ١٣ ، دار ابن حزم بيروت . ومطبعة ابن تيمية بالقاهرة ، الصفحة ٢١، الرقم ١٣.

البتہ اس حدیث کے شواہد ونظائر"السنن ، للترمذي ، (الصفحة٨٠٥ ، الرقم ٣٥٤٨،طبعة المعارف)"، "المصنّف لابن أبي شيبة ،(١٠/ ١٥،الرقم ٢٩٦٥٦، طبعة الرشد)"،"المستدرك ، للحاكم ،(١/ ٦٨١،الرقم ١٨٨٥، طبعة دار الحرمين)"اور شیخ کلاباذی بخاری، متوفی ۳۸۴ھ کی"بحر الفوائد ،(الصفحة ٣٣،طبعة العلمية)" میں بطریق حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً بھی مذکور ہیں:

مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ . إلخ . رواه الترمذي واللفظ له .

امام ابن ابی شیبہ نے"فتحت له أبواب الإجابة"امام حاکم نے"فتحت أبواب الجنة"اور کلاباذی بخاری نے "من أذن له بالدعاء منكم فتحت له أبواب الرحمة"کے کلمات بیان کیے ہیں۔

(٢٧) أَخْبَرَنَا أَبُو الْفَتْحِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْعَطَّارُ الْبَغْدَادِيُّ قَدِمَ عَلَيْنَا ، ثنا عَبْدُ الله بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَخْلَدِيُّ بِبَغْدَادَ ، ثنا عُمَرُ بْنُ حَسَنٍ الشَّيْبَانِيُّ ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفِ بْنِ عَبْدِ السَّلَامِ ، ثنا مُوسَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَرْوَزِيُّ ، ثنا مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ الله عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

الْعَمَائِمُ تِيجَانُ الْعَرَبِ ، وَالِاحْتِبَاءُ حِيطَانُهَا ، وَجُلُوسُ الْمُؤْمِنِ فِي الْمَسْجِدِ رِبَاطُهُ . (٥٣)

ترجمہ: عمامے عرب کا تاج،(انداز)اِحتباء(یعنی بیٹھے ہوئے پاؤں کھڑے کرکے ہاتھوں سے اِن کے گرد گرفت کرنا)اُن کی دیواریں،اور مؤمن کا مسجد میں بیٹھنا اس کی قیام گاہ ہے۔

٥٣۔ **مسند الشهاب** ، للامام أبي سلامة القضاعي ، باب العمائم تيجان العرب ، ١/ ٧٥ ، الرقم ٦٨ ، موسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الاولى ، واللفظ له . **شعب الإيمان** ، للبيهقي ، ٨/ ٢٩٦ ، الرقم ٥٨٥٢ ، مكتبة الرشد الرياض . **الفردوس بمأثور الخطاب** ، للديلمي ، ٣/ ٨٧ ، الرقم ٤٢٤٦ ، دار الكتب العلمية . **الجامع الصغير** ، للسيوطي ، الصفحة ٣٥٣ ، الرقم ٥٧٢٣ ، دار الكتب العلمية . **فيض القدير** ، للمناوي ، ٤/ ٣٩٣ ، الرقم ٥٧٢٣ ، دار المعرفة بيروت . **مرقاة المفاتيح** ، للقاري ، ٨/ ٢١٥ ، الرقم ٤٣٤٠ ، دار الكتب العلمية .

اس حدیث میں عربوں کے چند خصائص اور عادات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی عزت و وقار میں ان اُمور کا دخل ہے، جن میں عمامہ باندھنا بھی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے خاص طور پر عربوں کو اس کی ترغیب ارشاد فرمائی، نیز بعض ضعیف اَحادیث میں عمامے ترک کرنے کو عرب کی رسوائی بھی ذکر کیا گیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج ممالک عرب میں بالعموم صرف رومال رکھنے کا رواج ہو چلا ہے۔

اور یوں ہی حدیث مبارکہ میں بحالت احتباء بیٹھنے کی عادت کا بیان ہوا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ زمین پر بیٹھنے کے بعد دونوں زانوؤں کو کھڑا کر لیا جائے اور پھر دونوں ہاتھوں سے اِن کے گرد گرفت کر کے بدن کو سہارا دیا جائے۔ یہ صورت بدن کی عارضی راحت کے لیے مفید ہوتی ہے۔ اسی لیے بعض اَحادیث میں دوران خطبہ اس صورت میں بیٹھنے کے بارے میں ممانعت بھی آئی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں انسان غافل ہو کر کلمات خطبہ کے فہم واثر سے دور ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے مسجد میں بیٹھنے کو بیان فرمایا جو عادت کے ساتھ ساتھ مساجد کی آبادی کی علامت ہے، کیونکہ انسان جب مسجد میں اپنے معمولات رکھے گا، تو وہ نماز کی ادائیگی اور احکام خداوندی کی پاسداری بھی اچھے طور پر کر سکے گا، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حیات اقدس میں نماز کے علاوہ نکاح، اہم فیصلے، وفود سے ملاقات، باہمی مشاورت اور جنگی اہداف کی تکمیل وترتیب کو مسجد نبوی میں ہی طے فرمایا، لیکن آج مساجد کی حیثیت صرف جمعہ وعیدین کے اجتماعات کے لیے ہی رہ گئی ہے۔ اسی لیے اُمت مسلمہ کو آج پھر سے مساجد کی جانب توجہ کرنے اور انھیں معاشرے میں مرکزی حیثیت سے پیش کرانے کی ضرورت ہے، تاکہ مسلمانوں کے اکثر معاملات اس سے وابستہ ہو کر مذہبی تقدس کے ساتھ دیانت وخلوص سے بھی مزین ہو جائیں، کیونکہ عام طور پر مسلمانوں کی اکثریت بحمد اللہ ایسی ہے کہ اگرچہ وہ کتنے ہی گناہ گار کیوں نہ ہوں، لیکن مساجد میں ہمیشہ راست گوئی سے کام لیتے اور اس کے تقدس کا خیال رکھتے ہیں۔ پس مساجد مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا ہمہ جہتی ادارہ ہے جو پورے علاقے کو اپنے ساتھ بخوبی منسلک کر کے چلانے اور سنوارنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حدیث بالا کے متابع وشاہد موجود ہیں، امام بیہقی نے "شعب الإيمان ، (٨/ ٢٩٦، الرقم ٥٨٥٢)" میں حضرت ابن شہاب زہری سے اور امام رامہرمزی، متوفی ٣٦٠ھ نے "كتاب أمثال الحديث ،(الصفحة ١٥١، الرقم ١١٧ ، طبعة مؤسسة الكتب الثقافية)" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان ائمہ کی اسناد طعن شدید سے مبراء ہیں۔

لیکن شیخ سخاوی نے "المقاصد الحسنة ،(الصفحة ٤٦٥، الرقم ٧١٧ ، دار الكتاب العربي)"اور شیخ عجلونی نے "كشف الخفاء،(٢/ ٧٢)"میں اس بابت وارد اَحادیث پر مجموعی حکم ضعف عائد کیا ہے۔

شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ،(٤/ ٩٦ ،الرقم١٥٩٣)"میں تو حدیث بالا کو "منکر "لکھا، لیکن پھر خود ہی "الجامع الصغير ، للسيوطي"کی تحکیم کے دوران "ضعيف الجامع الصغير ، (الصفحة ٥٦٧ ، الرقم ٣٨٩٢)"میں اسے صرف "ضعیف"شمار کیا ہے۔

امام سیوطی اگرچہ اِسے صحیح کی رمز کے ساتھ لائے ہیں، لیکن مناوی نے "فيض القدير ، (٤/ ٣٩٢)"اور شیخ صنعانی نے "التنوير ،(٧/ ٤٠٥ ، الرقم ٥٧٠٥)"وغیرہ میں اِسے ضعیف لکھا ہے اور دونوں نے بحوالہ شیخ عامری شارح مسند الشہاب "غریب"بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس پر شیخ ابن صدیق غماری نے "المداوي ، (٤/ ٥٢٩، الرقم ٥٧٢٣)"میں تعقب کرتے ہوئے لکھا:فإن العامري ساقط عن درجة الإعتبار ، والحديث ليس بغريب بل له طرق عن النبي صلى الله عليه وسلم۔ نیز شیخ غماری اور البانی دونوں نے مناوی پر تعقب کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انھوں نے حدیث دیلمی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے، حالانکہ امام دیلمی کے یہاں یہ حدیث بطریق طاؤس اَز حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ منقول ہے، لیکن دیلمی کے نسخے "دار الكتب العلمية،(٣/ ٨٧)"میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی گئی، اور یہ محققین کا تسامح ہے، کیونکہ اسی کے دوسرے نسخے " دار الكتاب العربي ،(٣/ ١١٧)"میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہی نام درج ہے اوراس کی تائید حافظ عسقلانی کی "تسديد القوس مختصر مسند الفردوس ، (المخطوطة ، الورقة٢٤٧)"سے بھی ہوتی ہے، لہٰذا درست یہی ہے کہ امام دیلمی کے یہاں حدیث بالا کا شاہد بطریق ابن عباس رضی اللہ عنہ منقول ہے۔

(۲۸) أَخْبَرَنَا أَبُو الْفَتْحِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْعَطَّارُ ، ثنا عَلِيُّ بْنُ عُمَرَ الْخُتُلِّيُّ ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَبَّاسِ بْنِ الْفَضْلِ الْمَرْوَزِيُّ ، ثنا الْقَاسِمُ بْنُ الْحَسَنِ الزُّبَيْدِيُّ ، ثنا سَهْلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَرْوَزِيُّ ، عَنْ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ مُتَّصِلًا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

اَلْوُضُوْءُ قَبْلَ الطَّعَامِ يَنْفِي الْفَقْرَ وَبَعْدَهُ يَنْفِي اللَّمَمَ، وَيُصِحُّ الْبَصَرَ . (۵۴)

ترجمہ: کھانے سے پہلے وضو کرنا محتاجی کو، اور کھانے کے بعد وضو کرنا وساوس کو دُور اور نظر کو تیز کرتا ہے۔

یہاں کھانے سے پہلے وضو سے نماز والا وضو مراد نہیں، بلکہ صرف ہاتھ اور منہ کا دھونا مراد ہے، چنانچہ اس حدیث کی مثل امام ابو داود اور امام ترمذی کی روایت ہے "کھانے کی برکت اس سے پہلے اور بعد میں وضو کرنا ہے"، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی "سنن" میں روایت کرتے ہیں: "جو اپنے گھر میں برکت چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرے"۔ ان احادیث کے اُخروی فوائد کے علاوہ ظاہری اور جسمانی فوائد آج کسی ذی شعور پر پوشیدہ نہیں ہے، چنانچہ یہ حدیث حفظانِ صحت کے زرّیں اصولوں میں سے ہے۔ اس حدیث کے متعدد طرق اور شاہد مل کر مجموعی طور پر اس کی تقویت کرتے ہیں، جن میں سے تین مذکور ہو چکے۔

حدیث بالا کو امام کاظم رضی اللہ عنہ کے طریق سے تو شیخ قضاعی نے روایت کیا ہے، البتہ انہی کے حوالے سے شیخ عراقی، شیخ مناوی وغیرہ نے استناداً نقل کیا ہے، لیکن ان کے علاوہ محولہ مقامات پر اسے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے، لیکن بایں طور یہ اپنے معنی کے لحاظ سے ایسا اَمر ہے، جس پر تابعی منقول کے بغیر کلام نہیں کر سکتا، اسی لیے گمان ہوتا ہے کہ یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل روایت ہے۔ بہر کیف اس کی تائید دیگر مروی اَحادیث سے بھی ہوتی ہے، لیکن

۵۴۔ **مسند الشهاب** ، للقضاعي ، باب الوضو قبل الطعام..الخ ، ۱/ ۲۰۵ ، الرقم ۳۱۰ ، مؤسسة الرسالة ، واللفظ له . **المجالسة وجواهر العلم** ، للدينوري ، ۳/ ٤٢ ، الرقم ٦٤٠ ، و٥/ ٢١٤ ، الرقم ٢٠٤٠، دار ابن حزم . **غريب الحديث** ، للابن قتيبة ، ۱/ ١٥٦ ، مطبعة العاني بغداد . **فيض القدير** ، للمناوي ، ٦/ ٣٧٦ ، دار المعرفة بيروت . **تخريج أحاديث إحياء علوم الدين** ، للعراقي ، ۳/ ۹۰۱ ، الرقم ۱۱۹۱، دار العاصمة الرياض . **الزاهر في بيان معاني كلمات الناس** ، للإمام أبي بكر الأنباري ، ۱/ ٤٠ ، مؤسسة الرسالة . **النهاية في غريب الحديث** ، للجزري ، ٥/ ١٩٥ ، دار إحياء التراث العربي .

مجموعی طور پر اس بارے میں وارد اَحادیث ضعیف ہی ہیں۔امام عراقی ومناوی نے محولہ مقام پر کچھ شواہد بھی پیش کیے ہیں،ان شواہد کے علاوہ شیخ ابن قتیبہ دینوری نے ”غريب الحديث،(١/ ١٥٦)“میں اپنی سند سے اس کا شاہد ”حدثنيه محمد بن عبد العزيز عن ابن الأصبهاني عن أبي عبيدة الناجي عن الحسن“ درج کیااور یہی سند ابو بکر اَنباری،متوفی ۳۲۸ھ نے ”الزاهر في بيان معاني كلمات الناس،(١/ ٤٠)“میں بھی لکھی ہے۔نیز ابن اثیر جزری نے ”النهاية في غريب الحديث“میں اسے بغیر سند کے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیاہے۔چنانچہ یہ شواہد حدیث بالا کی اصل پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

امام قضاعی کی حدیث بالا کی سند کے بارے میں حافظ ذہبی نے ”ميزان الاعتدال ،(٤/ ٢٠٢)“میں ”باسناد مظلم“ بیان کیاہے،جبکہ شیخ عجلونی،متوفی ۱۱۶۲ھ نے ”كشف الخفاء ،(٢/ ٣٣٦ ، الرقم ٢٩٠٠)“اور شیخ طاہر پٹنی،متوفی ۹۸۶ھ نے ”تذكرة الموضوعات ،(الصفحة١٤١)“اور قاضی شوکانی،متوفی ۱۲۵۰ھ نے ”الفوائد المجموعة، (الصفحة ١٥٥)“میں بحوالہ امام رضی الدین حسن بن محمد قرشی صغانی،متوفی ۶۵۰ھ اِسے موضوع کہاہے اورانھوں نے اپنی کتاب ”الموضوعات ، (الصفحة ٥٧ ، الرقم ١١٣)“پراسے موضوع شمار کیاہے،چنانچہ بعد کے علماء کے نزدیک مدارِ حکم انہی کا بیان ہے،کیونکہ انھوں نے اپنی طرف سے مزید تحقیق وجرح بیان نہیں کی۔

لیکن شیخ صغانی حنفی کا یہ بیان اُصول محدثین کی روشنی میں جرح غیر مفسر اور بلادلیل ہے،نیز اگر بالفرض اس سے بھی قطع نظر کی جائے،تو یہ خود ان کے اپنے بیان سے متصادم ہے،چنانچہ انھوں نے اپنی دوسری کتاب ”العباب الزاخر واللباب الفاخر،(الصفحة،١٣١، مطبعة المجمع العلمي العراقي)“میں حدیث بالا کو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے نقل کرنے کے بعد کوئی تبصرہ نہیں کیا،بلکہ اس حدیث کی مراد کو بیان کیا۔پس اگر واقعی اُن کے نزدیک یہ حدیث موضوع تھی،تو پھر ایسی موضوع حدیث کو بغیر وضاحت نقل کرکے مرادی معنیٰ کیوں بیان کررہے ہیں؟

الغرض شیخ صغانی کا حکم اُن کے اپنے بیانات کی روشنی میں متصادم ہونے کے سبب قابل اعتناء نہیں،نیز اس کے علاوہ موضوع کہنے میں موصوف منفرد ہیں،جبکہ دوسری جانب ان سے فائق تر امام عراقی وشیخ مناوی وغیرہ نے صرف

ضعیف کہنے پر اکتفاء کیاہے۔باقی حافظ ذہبی کا اس کی اسناد کے بارے میں کلام کا معاملہ ،تو یہ انتہائی درجہ میں ضُعف کے مترادف ہے اور ہم پہلے ہی بیان کر چکے کہ اس باب میں وارد بیشتر روایات ضعیف ہیں،اور یہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔

(۲۹) أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ بْنِ نَظِيفٍ الْفَرَّاءُ ، ثنا الْحُسَيْنُ بْنُ غِيَاثٍ الْخُرَاسَانِيُّ ، قَالَ : ثنا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ ، ثنا أَبِي ، ثنا عَلِيُّ بْنُ مُوسَى ، حَدَّثَنِي أَبِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ :

مَنْ عَامَلَ النَّاسَ فَلَمْ يَظْلِمْهُمْ ، وَحَدَّثَهُمْ فَلَمْ يَكْذِبْهُمْ ، وَوَعَدَهُمْ فَلَمْ يُخْلِفْهُمْ ، فَهُوَ مِمَّنْ كَمُلَتْ مُرُوءَتُهُ ، وَظَهَرَتْ عَدَالَتُهُ ، وَوَجَبَتْ أُخُوَّتُهُ ، وَحَرُمَتْ غَيْبَتُهُ . (۵۵)

ترجمہ: جو لوگوں سے معاملہ کرے تو اُن پر ظلم نہ کرے،جب بات کرے تو اُن سے جھوٹ نہ بولے اور جب وعدہ کرے تو اُن سے وعدہ خلافی نہ کرے ،تو ایسا شخص اُن لوگوں میں سے ہے؛جس نے اپنے انسانی کمالات کی تکمیل کر لی ،عدل کو ظاہر ،اُخوّت کا لازم اور اپنی غیبت کو حرام کر لیا۔

آپ ﷺ نے اس حدیث میں انسانی خوبیوں کی معراج اور بہترین مسلمان کا کردار ذکر فرمایا،چنانچہ اگر آج ہم میں یہ اَوصاف پیدا ہو جائیں تو نا صرف ہمارے اَندر مثبت تبدیلی رُونما ہو گی،بلکہ معاشرے بھی اس سے مستفید ہو سکے گا۔

۵۵۔ **مسند الشهاب** ، للقضاعي ، باب من عامل الناس فلم يظلمهم.. الخ ، ۱/ ۳۲۲ ، الرقم ۵۴۳ ، مؤسسة الرسالة . **الكفاية في علم الرواية** ، للخطيب البغدادي ، باب الكلام في العدالة ، الصفة ۷۸ ، طبعة مصر . **الفردوس بمأثور الخطاب** ، للديلمي ، ۳/ ۴۹۹، الرقم ۵۵۴۶ ، دار الكتب العلمية . **تسهيل النظر وتعجيل الظفر في أخلاق الملك وسياسة الملك** ، للإمام الماوردي ، الصفحة ۲۸، الفصل الرابع ، دار النهضة العربية . **كتاب الأمثال** ، للماوردي ، الصفحة ۲۳۷ ، الرقم ۷۴۶ ، دار الوطن . **قوت القلوب في معاملة المحبوب** ، للإمام أبي طالب المكي الصوفي ، ۳/ ۱۵۶۸ ، الفصل الرابع والأربعون ، كتاب الأخوة في الله تبارك وتعالى ، مكتبة دار التراث . **ذكر أخبار أصبهان** ، للإمام أبي نعيم ، ۲/ ۳۰۰ ، دار الكتاب العربي . **التماس السعد في الوفاء بالوعد** ، للسخاوي ، الصفحة ۸۳، مكتبة العبيكان الرياض .

حدیث بالا پر مصادر مذکورہ میں سے بعض کے محققین نے حکم وضع بیان کیا ہے، لیکن کسی مستند امام سے اس بارے میں کوئی شہادت میسر نہیں آسکی۔ حدیث کی مسند شہاب والی سند تو "احمد بن علی ابن صدقہ " سے سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ پر متصل ہوتی ہے، لیکن اس کی متابعت امام ابو نعیم اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ کی " ذکر أخبار أصبهان "میں بھی محولہ بالا مقام پر سند متصل سے بیان ہوئی، جس میں "داود بن سلیمان" سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہا ہے، اس کے علاوہ خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ "عبد اللہ بن احمد بن عامر طائی" کے طریق سے روایت کیا ہے، پس یوں یہ دونوں مسند شہاب کی سند کے لیے دلیل ہیں۔ اگرچہ یہ تینوں رُواۃ متکلم فیہ ہیں، لیکن لازمی نہیں کہ ان کی ہر حدیث ہی موضوع ہو، لہٰذا اوّلاً تو خطیب بغدادی کی ضمنی توثیق ہمارے سامنے ہے کہ انھوں نے راوی "عبد اللہ بن احمد بن عامر طائی" سے روایت نقل کی، لیکن اس پر نقد و جرح نہیں کی، اور پھر یوں ہی امام ابو نعیم نے بھی کیا۔ تو قاضی ابن سلامہ قضاعی، متوفی ۴۵۴ھ، خطیب بغدادی اور ان کے بعد ابو نعیم تینوں ائمہ کی مختلف اسناد بلا نکیر ہیں، لہٰذا اگر واقعی ان رُواۃ کی یہ حدیث موضوع تھی ، تو ان میں سے کوئی ایک فرد تو اس پر نقل کرنے کے بعد تنبیہ کرتا، فافہم۔

صوفی و محدث ابو طالب مکی، متوفی ۳۸۶ھ نے "قوت القلوب"، امام علم الکلام علی بن محمد بن حبیب ماوردی، متوفی ۴۵۰ھ نے "تسهيل النظر"، امام دیلمی، متوفی ۵۰۹ھ نے "الفردوس بمأثور الخطاب" حدیث بالا کو روایت کیا، لیکن کوئی جرح ذکر نہیں کی، اور حافظ سخاوی، متوفی ۹۰۲ھ نے "التماس السعد في الوفاء بالوعد" میں بسند جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ از سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نقل کیا اور نقاد ہونے کے باوجود کوئی سقم بیان نہیں کیا۔ لہٰذا یہ تمام اُمور اس بات میں واضح ہے کہ حدیث پر موضوع کا حکم زیادتی ہے، ورنہ متذکرہ ائمہ موضوع حدیث کو بغیر حکم وضع باہتمام نقل کرنے کی مرتکب ہوئے، ونعوذ باللہ من ذلک۔

(٣٠) أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ ، مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يَحْيَى ، أبنا عَبْدُ الله بْنُ أَحْمَدَ بْنِ طَالِبٍ الْبَغْدَادِيُّ ، أبنا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَلَّادٍ ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدِ الله الْجُشَمِيُّ ، ثنا عَلِيُّ بْنُ الْمُؤَمَّلِ مِنْ أَهْلِ وَادِي الْقُرَى قَالَ : سَمِعْتُ مُوسَى بْنَ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ الله عَنْهُ يَقُولُ : حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ آبَائِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

نِعْمَ المَالُ النَّخْلُ ، الرَّاسِخَاتُ فِي الْوَحْلِ ، الـمُطْعَمَاتُ فِي الْـمَحَلِ . (٥٦)

ترجمہ: کھجور کا درخت کیا ہی بہترین مال ہے، جو کیچڑ (نرم زمین) میں لگ جاتا (پروان چڑھتا) ہے اور قحط سالی میں خوراک بنتا ہے۔

آج کی سائنسی ونباتاتی ترقی نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ کھجور کے درخت میں بقیہ نباتات سے زیادہ پروان چڑھنے اور معمولی قدرتی ماحول میں بھی نشو ونما پانے کی صلاحیت ہوتی ہے، لیکن آپ ﷺ کا یہ فرمان نباتاتی عروج سے صدیوں پہلے اس اَمر کی نشاندہی فرماچکا ہے اور قحط سالی کے زمانے میں اس کا مفید ہونا تاریخ کے کئی واقعات میں محفوظ ہے، کیونکہ اس پر قحط سالی دیر سے اَثر انداز ہوتی ہے، نیز اس کے پھل کو خشک کر کے سالوں تک استعمال کیا جاسکتا ہے جو قحط میں بقائے حیات کیلئے نعمت خداوندی ہے۔ حدیث بالا کے بارے میں کسی امام کی جرح وتنقید معلوم نہیں ہو سکی۔ امام ابن حجر عسقلانی نے "میزان الاعتدال "میں اور متاخرین میں سے عجلونی نے "کشف الخفاء "میں اسے بغیر کسی نقد کے ذکر کیا، جو ان کی جانب سے توثیق کے مترادف ہے۔ قضاعی نے حدیث کو دو مختلف اسناد سے وارد کیا ہے، جو شیخ ابن خلاد پر متصل ہوتی ہیں۔ نیز حدیث کے شواہد بھی موجود ہیں، چنانچہ قضاعی نے "مسند الشهاب "اور طبرانی نے "المعجم الأوسط، (٤/ ١٨٠، الرقم ٣٩١٦، دار الحرمين) "میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، جبکہ ابویعلیٰ موصلی نے "المسند، (٣/ ٨٤، الرقم ١٥١٥، دار المأمون للتراث) "میں عبداللہ بن عبدالرحمن انصاری رضی اللہ عنہ سے روایات نقل کی ہیں۔

٥٦- **مسند الشهاب** ، للقضاعي ، باب نعم المال النخل الراسخات..إلخ ، ٢/ ٢٥٨ ، الرقم ١٣١٢، مؤسسة الرسالة. **أمثال الحديث** ، للرامهرمزي ، الصفحة ٧٣ ، الرقم ٣٤ ، مؤسسة الكتب الثقافية . **كنز العمال** ، للمتقي ، ١٢/ ٣٤٢ ، الرقم ٣٥٣١٩ ، مؤسسة الرسالة . **ميزان الإعتدال** ، للذهبي ، ٤/ ٢٠٢ ، دار المعرفة بيروت . **كشف الخفاء** ، للعجلوني ، ١/ ١٧٢ ، مكتبة القدسي بالقاهرة .

(٣١) أخبرني القاضي أبو القاسم علي بن المحَسِّن بن علي التَّنُوْخي، حدثنا أبو محمد سهل بن أحمد بن عبد الله الدِّيباجي ، حدثنا أبو علي محمد بن محمد بن الأشعث بمصر، حدثنا أبو الحسن موسى بن إسماعيل بن موسى بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب ، قال: حدثني أبي ، عن أبيه ، عن جدّه جعفر ، عن أبيه ، عن جدّه علي بن الحسين ، عن أبيه ، عن علي بن أبي طالب:

تَلَقَّاهُ رَسُوْلُ الله – صلى الله عليه وسلم – فَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ ، فَلَمَّا جَلَسَا ، قَالَ لَهُ – رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم – : أَلَا أُعْطِيْكَ ؟ أَلَا أَمْنَحُكَ ؟ أَلَا أَحبُوْكَ ؟ قَالَ : بَلَى يَا رَسُوْلَ الله ! قَالَ : تُصَلِّي أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ : تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ : اَلحَمْدَ وَسُوْرَةً ، ثُمَّ تَقُوْلُ : سُبْحَانَ الله ، وَالحَمْدُ لله ، وَلَا إِلهَ إِلَّا اللهُ ، وَالله أَكْبَرُ ، خَمْسَ عَشَرَةَ مَرَّةٍ ، ثُمَّ تَرْكَعُ ، فَتَقُوْلُ عَشْراً ، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ ، فَتَقُوْلُ عَشْراً ، ثُمَّ تَسْجُدُ ، فَتَقُوْلُ عَشْراً ، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ ، فَتَقُوْلُ عَشْراً ، ثُمَّ تَسْجُدُ ، فَتَقُوْلُ عَشْراً ، ثُمَّ تَرْفَعُ ، فَتَقُوْلُ عَشْراً ، فَذَلِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ مَرَّةً ، فِي كُلِّ رَكْعَةٍ . فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ ، فَافْعَلْ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فِي كُلِّ يَوْمٍ ، فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ ، فَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ ، فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فِي كُلِّ سَنَةٍ ، فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً ، فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ ، غَفَرَ اللهُ ذَنْبَكَ: كَبِيْرَهُ وَصَغِيْرَهُ ، خَطَأَهُ وَعَمَدَهُ ، قَدِيْمَهُ وَحَدِيْثَهُ . (٥٧)

ترجمہ: *آپ(سیّدنا علی رضی اللہ عنہ) کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی،تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا،پس جب دونوں حضرات تشریف*

٥٧ـ **ذكر صلاة التسبيح** ، للخطيب البغدادي ، الصفحة ٤٩ ، الرقم ٢ ، دار البشائر الاسلامية ، الطبعة الاولى . **الترجيح لحديث صلاة التسبيح** ، للإمام ابن ناصر الدين الدمشقي ، الصفحة٥٢ ، دار البشائر الاسلامية . **الترشيح لبيان صلاة التسبيح** ، للابن طولون المصري ، الصفحة ٤٤–٤٣ ، الرقم ١٧–١٥ ، دار الكتب العلمية . **مجالس أمالي الأذكار في صلاة التسبيح** ، للامام العسقلاني ، الصفحة٦٧–٦٦، مؤسسة قرطبة .

فرماہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمھیں کچھ دے نہ دُوں، کیا تمھیں کچھ عطانہ کر دُوں، کیا تمھیں محبوب بات نہ بتاؤں؟ آپ نے عرض کی: یارسول اللہ! ضرور بتائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

چار رکعات یوں پڑھو، کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھو اور پھر پندرہ مرتبہ کہو "سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر" پھر رکوع کرو اور اسے دس مرتبہ پڑھو، پھر سر اُٹھا کر دس مرتبہ پڑھو، پھر سجدے میں جاکر دس مرتبہ پڑھو، پھر سر اُٹھا کر دس مرتبہ پڑھو، پھر سجدے میں جاکر دس مرتبہ پڑھو، پھر اُٹھ کر دس مرتبہ پڑھو، تو یہ ہر رکعت میں ۷۵ مرتبہ ہو جائے گا۔

اگر تم میں طاقت ہو تو یہ نماز ہر روز پڑھ لیا کرو، اور اگر ہر روز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو ہر جمعہ کو، اور اگر ہر جمعہ پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو ہر مہینے میں، اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو سال میں، اور اگر سال بھر میں بھی پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو ساری زندگی میں ایک بار ضرور پڑھ لو، پس اگر تم نے اسے پڑھ لیا تو اللہ عزوجل تمہارے چھوٹے بڑے، جان بوجھ کر یا انجانے میں، اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

امام ابن ناصر الدین دمشقی نے "الترجيح لحديث صلاة التسبيح ،(الصفحة٥٢)" میں امام دارقطنی کے حوالے سے بطریق عمر بن عبد اللہ مولی غفرہ حدیث کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، نیز اسی میں شواہد حدیث کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی متعدد اسانید سے وارد کیا ہے، چنانچہ شواہد کے تعدد طرق حدیث بالا کے لیے واضح تائیدی دلائل ہیں۔ اسی طرح امام ابن طولون مصری نے "الترشيح لبيان حديث التسبيح ،(الصفحة ٤٣،الرقم ١٥/ ١٦)" میں حدیث کی ایک سند کو بطریق سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ از سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نقل کیا، جبکہ دوسری سند وہی خطیب بغدادی والی ہے، لیکن آخری سند کے بعد یوں لکھا: كذا رواه الخطيب البغدادي ولم يزد

على ذلك . یعنی انھوں نے اس بات کو عیاں کیا ہے کہ حدیث میں متکلم فیہ راوی پائے جانے کے باوجود خطیب بغدادی نے ناصرف روایت درج کی، بلکہ اس پر کوئی نقد بھی نہیں کی، تو یہ ان کی طرف سے صحت کی واضح دلیل ہے۔

حافظ عسقلانی نے "مجالس أمالي الأذكار في صلاة التسبيح ،(الصفحة٦٧-٦٤)" مولی غفرہ والی سند پر "ضعف وانقطاع" کا حکم لگایا، جبکہ شیخ واحدی کی سند مذکوراَزابن اشعث کے بارے میں "وقد طعنوا فيه وفي نسخته" ذکر کیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ ناقدین کے برعکس آپ نے موضوع نہیں کہا، حالانکہ اس راوی پر آپ کی جرح موجود تھی، توشاید اس کی وجہ یہی ہو کہ حدیث بالا چونکہ دیگر صحیح اسانید وطرق اور شواہد کے ساتھ متعدد ائمہ ومحدثین کے یہاں معتبر شمار ہوئی ، اسی لیے ابن الاشعث کی روایت موضوعیت سے نکل گئی، کیونکہ بایں صورت تفرد باقی نہ رہااور پھر خطیب بغدادی ، ابن ناصر الدین دمشقی اورابن طولون مصری وغیرہ کا نقل کے بعد سکوت اختیار کرنا بھی اسی بات کو بیان کر رہا ہے کہ تفرداور متکلم فیہ راوی ہونے کے باوجود حدیث موضوع نہیں، البتہ ضعیف ضرور ہے، واللہ اعلم۔

(۳۲) قال شيخنا – أدام الله أيامه– ، أشهد بالله وأشهد لله لقد أخبرنا أبو عبد الله الحسين بن علي الخياط المقريء ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثنا أبو محمد عبد الله بن عطاء بن عبد الله الهروي ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثنا عبد الرحمن بن أبي عبد الله الثقفي ، قال: أشهد بالله وأشهد لله أبو عبد الله الحسين الدينوري ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثنا أبو القاسم عبد الله بن إبراهيم الجرجاني ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثنا أبو الحسن محمد بن علي بن الحسن العلوي ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني عبد الله الشعبي– أو الشيعي ، البغدادي– ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني الحسن بن علي العسكري ، – قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي علي بن محمد– ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي محمد بن علي بن موسى ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي علي بن موسى بن جعفر ، – قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي موسى بن جعفر– ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي جعفر بن محمد ، – قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي محمد بن علي– ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي علي بن الحسين ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني الحسين بن علي ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي علي بن أبي طالب ،

قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني جبريل عليه السلام ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني ميكائيل عليه السلام ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني إسرافيل عن اللوح المحفوظ ، أنه يقول الله تبارك وتعالى:

شَارِبُ الـخَمْرِ كَعَابِدِ وَثَنٍ . (۵۸)

ترجمہ: حضرت علی کہتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں، مجھ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں، مجھ سے جبریل نے بیان کیا اور وہ کہتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم!

۵۸۔ **المسلسلات** ، للابن الجوزي ، الورقة الأولى ، الحديث الثالث ، مخطوطة من المكتبة الظاهرية ، الرقم ۳۷۷٤ ، له صورة بمكتبة الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة ، الرقم ۲/ ۷۰۵۵ واللفظ له . **الحبائك في أخبار الملائك** ، للسيوطي ، ما جاء في ملك الموت عليه السلام ، الرقم ۸٤ ، الصفحة ۳۰ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الثانية . **جامع الأحاديث** ، للسيوطي ، ۱/ ٤٥۳ ، الرقم ۳۱۳۸ ، دار الفكر بيروت . **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ۱/ ۵۱۷ ، الرقم ۵۹٦ ، مكتب المطبوعات الإسلامية.

میں گواہی دیتا ہوں، مجھ سے میکائیل نے بیان کیا اور وہ کہتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں، مجھے اِسرافیل نے لوح محفوظ میں دیکھ کر بیان کیا کہ اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: شراب نوش بُت پرست کی طرح ہے۔

(۳۳) قال شيخنا: أشهد بالله وأشهد لله لقد سمعت أبا الفتح محمد بن عبد الباقي ، يقول: أشهد بالله وأشهد لله لقد سمعت أبا الفضل بن أحمد يقول: أشهد بالله وأشهد لله لقد سمعت أبا القاسم أحمد ابن عبد الله الحافظ يقول: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني القاضي أبو الحسن علي بن محمد القزويني ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني محمد بن أحمد بن عبد الله بن قضاعة ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني الحسن بن محمد بن علي بن موسى الرضا، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي محمد بن علي ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي علي بن موسى الرضا، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي موسى بن جعفر، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي جعفر بن محمد ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي محمد بن علي ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي علي بن الحسين، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي الحسين بن علي ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني أبي علي بن أبي طالب، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد حدثني رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال: أشهد بالله وأشهد لله لقد قال لي جبريل عليه السلام:

يَا مُحَمَّدُ ! إِنَّ مُدْمِنَ الْخَمْرِ كَعَابِدِ وَثَنٍ . (۵۹)

ترجمہ: اے محمد! بیشک شراب (پینے) کا عادی بُت پرست کی طرح ہے۔

ان اَحادیث کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے روایت کرنے والا ہر شخص "أشهد بالله وأشهد لله" کے کلمات ذکر کرنے کے بعد حدیث بیان کرتا ہے اور اسی طرح یہ حدیث مسلسل آخری سند تک انھیں کلمات سے نقل ہوتی چلی آئی

۵۹۔ **المسلسلات** ، للابن الجوزي ، الورقة الأولى ، الحديث الثالث ، مخطوطة من المكتبة الظاهرية ، الرقم ۳۷۷٤ ، له صورة بمكتبة الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة ، الرقم ۲/ ۷۰۵۵ ، واللفظ له . **حلية الأولياء** ، للإمام أبي نعيم ، ۳/ ۲۰٤ ، تحت الترجمة ؛ جعفر بن محمد ، دار الكتب العلمية . **التدوين في أخبار القزوين** ، للرافعي ، ۳/ ٤۰۸-٤۰۹ ، دار الكتب العلمية . **جياد المسلسلات** ، للسيوطي ، الصفحة ۱۷۷، الرقم ۱٤ ، دار البشائر الإسلامية . **الحبائك فى أخبار الملائك** ، للسيوطي ، باب : ما جاء في ملك الموت عليه السلام ، الرقم ۱۷۱، الصفحة ۵۳ ، دار الكتب العلمية . **جمع الجوامع** ، للسيوطي ، ۱/ ٦۵٤ ، الرقم ۳۳۱۰ ، طبعة الأزهر. **إستجلاب ارتقاء الغُرف بحب أقرباء الرسول وذَوي الشَّرف** ، للسخاوي ، الصفحة ۷۱۲ ، الرقم ٤۲٦ ، دار البشائر الإسلامية . **لسان الميزان** ، للعسقلاني ، ۱/ ۵۱۷ ، الرقم ۵۹٦ ، مكتب المطبوعات الإسلامية.

ہے اور یہ اُن چند مسلسل اَحادیث میں سے ایک ہے؛ جسے شیوخ اِجازت حدیث دیتے وقت پڑھا کرتے ہیں۔ اسی طرح حدیث مسلسل بالمصافحہ، مسلسل بالمعانقہ اور مسلسل بالعیدین وغیرہ ہیں۔ الغرض جہاں تک متن حدیث کے شواہد کا معاملہ ہے، تو اُن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

امام عبد الرزاق صنعانی نے "المصنّف ، (۹/ ۲۳۷، الرقم۱۷۰٦٤)" اور امام ابن ابی شیبہ "المصنّف ، (۸/ ۱٤۲ ، الرقم ، ۲٤٤۲٦، طبعة الرشد)" میں مسروق بن اَجدع سے "شَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ الْوَثَنِ ، وَشَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ اللَّاتَ وَالْعُزَّى" کے کلمات روایت کیے ہیں، جبکہ امام حارث بغدادی المعروف ابن ابی اُسامہ، متوفی ۲۸۲ھ نے "مسند الحارث،(بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، ۱/ ۵۹۱، الرقم٥٤٩)" اور امام ابو بکر المعروف بزار، متوفی ۲۹۲ھ نے "مسند البزار ، (٦/ ۳٦۷ ، الرقم ۲۳۸۲، مكتبة العلوم والحكم)" میں انھیں کلمات کو حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، لہٰذا حدیث بالا کا متن صحیح الاسناد روایات اور اکابر محدثین کی کتب میں موجود ہے۔

حدیث بالا کی سند امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المسلسلات" سے نقل کی گئی ہے اور یہ کتاب ہنوز مخطوط ہے، اگرچہ اس کی تبییض انٹرنیٹ پر موجود ہے، لیکن اس میں شاید عجلت اور تقابل نہ ہونے کے سبب بعض رُواۃ کے نام ساقط تھے، چنانچہ ہم نے حتی الوسع مخطوط سے سند و متن کے کلمات نقل کیے ہیں، اور جس مخطوط سے کلمات نقل ہوئے، یہ اصل ہے، کیونکہ اس کی تاریخ کتابت ۵۸۱ھ یعنی امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات سے تعلق رکھتی ہے، بلکہ اس پر سماعات میں درج ہے کہ نسخہ ہذا کو کاتب نے ابن جوزی کے سامنے پڑھا بھی تھا۔

ان اَحادیث کو امام سیوطی نے بھی اپنی مختلف کتب میں شیخ محب الدین محمد ابن نجار بغدادی، متوفی ٦٤۳ھ کی "التاريخ المجدد لمدينة السلام وأخبار فضلائها الأعلام ومَن وردها من علماء الأنام" المعروف تاریخ ابن نجار کی سند متصل سے نقل کیا ہے، جیسا کہ "الحبائك في أخبار الملائك" میں درج ہے، لیکن انھوں نے "جياد المسلسلات، (الصفحة ۱۷۷ ، الرقم ١٤)" میں اسے اپنی سند متصل کے ساتھ بھی روایت کیا ہے، جس میں شیخ ابن نجار مذکور نہیں۔

اس طرح امام ابو نعیم اصبہانی نے اِسے "حلية الأولياء ، (٣/ ٢٠٤)" میں لکھنے کے بعد "هذا حديث صحيح ثابت ، روَته العترة الطيبة ولم نكتبه على هذا الشرط بالشَّهادة بالله ولله إلا عن هذا الشيخ" بیان کیاہے۔ اس پر شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ،(٦/ ٣٠٥،الرقم ٢٧٩٠)" میں تعقب کیا کہ اگر تو امام ابو نعیم کی مراد متن حدیث کی صحت ہے، تو البتہ بات درست ہے، کیونکہ اس کے متعدد شواہد ہیں، لیکن اگر اس سے مراد سند ہے، تو ایسا ممکن نہیں، انتہیٰ۔ اور ہمارے نزدیک بھی اس مقام پر البانی کی وضاحت دُرست اور معاملہ ایسا ہی ہے، کیونکہ اس میں کئی رجال مجہول الحال ہیں، جن کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اسی لیے شیخ البانی نے اس مقام پر حدیث کو "ضعیف" شمار کیا ہے۔

امام عسقلانی نے "لسان الميزان" میں دونوں اَحادیث کو نقل کرتے ہوئے سند میں جہالت کا بیان کیا، لیکن اس کے علاوہ کوئی جرح نہیں کی، لہٰذا ان کے نزدیک بھی یہ حدیث "ضعیف" ہی معلوم ہوتی ہے اور یوں ہی حافظ سخاوی نے "إستجلاب ارتقاء الغُرف بِحُبِّ أقرباء الرَّسول وذَوي الشَّرف" میں حدیث وسند کو بغیر جرح کے نقل کیا ہے۔

اس بارے میں امام سیوطی کی "جياد المسلسلات" اور حافظ سخاوی کی "إستجلاب ارتقاء الغُرف" کے محققین نے خاصی تحقیق پیش کی ہے، جس میں شواہدِ متن اور رجال و مصادر کے بارے میں تحقیقی کلام کیا گیا ہے، اہل علم مزید تفصیلات کے لیے وہاں مراجعت کریں۔

(۳۴) حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ إِسْحَاقَ الْمُعَدِّلُ ، ثَنَا أَبُو عَلِيٍّ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْأَنْصَارِيُّ بِنَيْسَابُورَ ، ثَنَا أَبُو الصَّلْتِ عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ صَالِحٍ الْهَرَوِيُّ ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا ، حَدَّثَنِي أَبِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، حَدَّثَنِي أَبِي الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ ، حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، قَالَ : قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ:

إِنِّي أَنَا اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِي ، مَنْ جَاءَنِي مِنْكُمْ بِشَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ بِالْإِخْلَاصِ دَخَلَ فِي حِصْنِي ، وَمَنْ دَخَلَ فِي حِصْنِي أَمِنَ مِنْ عَذَابِي . [۲۰]

ترجمہ: بیشک میں ہی خدا ہوں، میرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، تو میری ہی عبادت کرو۔ جو میرے پاس اخلاص کے ساتھ "لا الہ الا اللہ" کی گواہی دیتا ہوا آیا، میرے قلعے میں داخل ہو گا اور جو میرے قلعے میں داخل ہوا، میرے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

(۳۵) أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْإِمَامُ- إِمَامُ مَسْجِدِ عَبْدِ اللهِ- ثنا الْحُسَيْنُ بْنُ غِيَاثٍ ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ ، ثنا عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ ، حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ، حَدَّثَنِي أَبِي الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَقُولُ اللهُ تَعَالَى :

لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ حِصْنِي ، فَمَنْ دَخَلَهُ ، أَمِنَ عَذَابِي . [۲۱]

ترجمہ: (کلمہ) لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، جو اس میں داخل ہوا (یعنی جس نے کلمہ پڑھ لیا)، میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

۲۰۔ **حلية الأولياء** ، للامام أبي نعيم ، باب محمد بن علي الباقر ، ۳/ ۱۹۲ ، ، دار الكتب العلمية . **تاريخ دمشق الكبير** ، للابن عساكر ، ٤٨/ ٣٦٧ ، الرقم ١٠٤٥٧ ، رقم الترجمة ٥٦٢٧ ، دار الفكر بيروت . **الفردوس بمأثور الخطاب** ، للديلمي ، ٥/ ٢٥١ ، الرقم ٨١٠١ ، دار الكتب العلمية . **تخريج أحاديث إحياء العلوم الدين** ، للإمام العراقي ، ١/ ٣٧١ ، الرقم ٤٣٦ ، دار العاصمة الرياض . **الفوائد الجليلة في مسلسلات ابن عقيلة** ، للشيخ محمد ابن سعيد الحنفي ، الصفحة ٩١ ، الرقم ١٠ ، دار البشائر.

۲۱۔ **مسند الشهاب** ، للقضاعي ، باب لا اله الا الله حصني.. الخ ، ٢/ ٣٢٣، الرقم ١٤٥١. **تاريخ دمشق الكبير** ، للابن عساكر ، ٤٨/ ٣٦٧ ، الرقم ١٠٤٥٧ ، رقم الترجمة ٥٦٢٧ ، دار الفكر بيروت .

ان دونوں احادیث میں کلمہ طیبہ کو خلوص دل کے ساتھ قبول کرنے کی فضیلت کا بیان ہے کہ یہ کلمہ بندے کو اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں کامیاب کرنے اور اس کے عذاب سے بچانے والا ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص دنیا میں صمیم قلب سے اس کی گواہی دینے والا ہو۔ یہاں پڑھنے سے مراد قبول کرنا ہے صرف زبانی ادائیگی مراد نہیں، ورنہ تو بہت سے جوگی وراہب زندگی بھر جنگلات میں اس کا ورد کرتے اور اللہ اللہ کی ضربیں لگاتے رہتے ہیں لیکن عملی اور اعتقادی لحاظ سے اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کی وحدانیت کے قائل نہیں ہیں، تو ایسے میں ان کا کلمہ پڑھنا آخرت میں انھیں عذاب خداوندی سے محفوظ نہیں رکھے گا۔

امام ابونعیم نے "حلية الأولياء ، (٣/ ١٩٢)" میں حدیث اوّل کو اپنی سند متصل سے نقل کرنے کے بعد لکھا: هذا حديث ثابت مشهور بهذا الإسناد من رواية الطاهرين عن آبائهم الطيبين ، وكان بعض سلفنا من المحدثين إذا روى هذا الإسناد ، قال : لو قرىء هذا الاسناد على مجنون لأفاق ۔

اس پر شیخ ناصر الدین البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ،(٩/ ٣٨، الرقم٤٠٣٧)" میں گرفت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سند میں تو ابوالصلت ہروی بھی ہے جو اہل بیت میں سے نہیں، بلکہ وہ تو شیعہ تھا۔ لیکن اس معاملے میں البانی کو لغزش ہوئی:

اَوّلاً: تو امام ابونعیم نے سند کے بارے میں صرف اہل بیت کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ خط کشیدہ کلمات سے واضح ہے، بقیہ رُواۃ اُن کے یہاں اس ضمن میں شامل ہی نہ تھے کہ نہ تو وہ اہل بیت سے تھے اور نہ ہی وہ اپنے آباء سے روایت کر رہے تھے۔ لہٰذا ابونعیم کی سند میں جن رُواۃ نے اپنے آبائے گرامی سے روایت بیان کی، وہ سیّدنا علی رِضا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے بعد سے اُوپر جناب علی مرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تک ہیں، تو ایسے میں ان کے علاوہ رُواۃ خود ہی "رواية الطاهرين عن آبائهم الطيبين" میں سے خارج ہیں۔

ثانیاً: ابوالصلت ہروی نے تو اپنی ذات کو خود ہی ان برکات سے خارج شمار کیا، جیسا کہ امام ابن ماجہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے "السنن ،(الصفحة ٢٦،الرقم ٦٥، مكتبة المعارف)" میں حدیث "الْإِيمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ، وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ، وَعَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ" کے بعد ان کا واضح قول یوں رقم کیا ہے: قَالَ: أَبُو الصَّلْتِ: لَوْ قُرِئَ هَذَا الْإِسْنَادُ عَلَى مَجْنُونٍ لَبَرَأَ ۔ یعنی

ابو الصلت ہروی نے کہا: اگر اس سند کو مجنون پر پڑھا جائے، تو وہ ٹھیک ہو جائے۔ اس میں صاف ہے کہ وہ سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ سے نبی مکرم ﷺ کی ذوات مبار کہ کا بیان کر رہے ہیں، انھوں نے اپنی ذات کو اس میں شامل ہی نہیں کیا؟ چنانچہ جس طرح امام ابن ماجہ کا بیان تھا، ویسا ہی امام ابو نعیم کے یہاں بھی مراد ہے۔ فافہم

ثالثاً: صرف ابو الصلت ہروی پر ہی البانی کی نگاہ ٹھہری، حالانکہ ابو نعیم کے شیخ ابو اسحاق ابراہیم اوران کے شیخ ابو علی انصاری بھی تو اہل بیت میں سے نہیں ہیں، انھیں کیوں داخل حکم نہیں کیا گیا؟

الغرض ہم نے نقل ائمہ کے پیش نظر ”لو قریء هذا الإسناد علی مجنون لأفاق“ پر تفصیلات مہیا کی ہیں، اس کے شرعی واعتقادی احکام اہل علم پر عیاں ہیں، اور ہم اس کی بحث سے اِعراض کر رہے ہیں، کہ بہر دو جانب افراط و تفریط کا بازار گرم ہے اور حق قبول کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں، إلَّا مَن شاءَ الله تعالی. البتہ یہ ذہن خاطر پر منقش رہے کہ تمام اُمور اللہ تعالی جَلَّ جَلَالُہٗ کے حکم واِرادے سے ہی متحقق ہوتے ہیں، اوراتباع شریعت میں عافیت ہے کہ اس سے تجاوز کی صورت میں دنیاوآخرت میں رسوائی ہے۔ ونعوذ باللہ۔ نیز ویسے بھی متعلقہ کلمات امام ابن ماجہ کے یہاں بحوالہ ابو الصلت ہروی یا پھر امام ابو نعیم کے مشائخ کے بیان کردہ ہیں، حدیث رسول نہیں، کہ اس سے انکار وقبول کو دینی واعتقادی مسئلہ بنالیا جائے، یہ زیادہ سے زیادہ اُن حضرات کے مجربات ومشاہدات ہیں، لہٰذا اسی درجہ میں دیکھا جائے۔ هذا ما ظهر لي والعلم عندالله .

سابق میں امام ابو نعیم اور پھر امام قضاعی سے دو مختلف اسناد درج ہوئی ہیں، لیکن امام ابن عساکر نے ایک ہی مقام پر دونوں کو اپنی سند متصل سے بیان کیا ہے، اگرچہ ان میں بعد کے رُواۃ میں تبدیلی ہے، لیکن سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ پر جا کر ان کا تسلسل بھی سابق ائمہ کی مثل ابو الصلت ہروی سے منتہی ہوتا ہے، ہاں دوسری روایت میں ان کے یہاں عبد اللہ بن احمد بن عامر طائی موجود ہیں، جو قضاعی کے راوی احمد بن علی ابن صدقہ سے مختلف ہیں، لیکن مؤخر الذکر دونوں رُواۃ پر کافی جرح ہے، لہٰذا ضُعف میں ان کا حال یکساں ہے۔ ابن عساکر کی یہ اسناد غالباً شیخ البانی کے پیش نظر نہیں تھی، اسی لیے انھوں نے اس سے تعرض نہیں کیا، واللہ اعلم۔ البتہ سند پر شیخ البانی کی بقیہ جرح قرین صواب ہے اورانھوں نے حدیث کو ضعیف شمار کیا جو دُرست ہے۔

شیخ سیوطی نے "الزيادات على الموضوعات،(الصفحة٣٨ ،الرقم)" میں ابن عساکر کی سند سے حدیث ذکر کرکے عبداللہ بن احمد بن عامر پر ذہبی کی معروف جرح نقل کی ہے، لیکن جہاں تک ان کے یہاں حکم حدیث کا معاملہ ہے تو اس میں اضطراب ہے، چنانچہ انھوں نے "الجامع الصغير، (الصفحة ٣٧٥ ، الرقم ٦٠٤٧)" میں "قال الله تعالى: إني أنا الله لا إله إلا أنا ، فمن أقرّ لي بالتوحيد دخل حصني ومن دخل حصني أمن من عذابي" کے کلمات کو بطریق سیّدنا علی رضی اللہ عنہ شیرازی کی "الألقاب" سے نقل کرتے ہوئے "صحیح" کہا اور اسی "الجامع الصغير، (الصفحة ٢٢٤ ، الرقم ٣٦٩٤)" میں ابن عساکر سے بطریق سیّدنا علی رضی اللہ عنہ "حدثني جبريل قال: يقول الله تعالى: لا إله إلا الله حصني فمن دخله أمن عذابي" کے کلمات ذکر کرتے ہوئے سکوت کیا ہے۔ لیکن "جمع الجوامع" میں دونوں اَحادیث کو مختلف کلمات کے ساتھ متعدد مقامات پر درج کیا اور صرف ایک مقام پر بحوالہ مناوی "ضعیف" اور بحوالہ دیلمی "حديث ثابت مردود" لکھا اور بقیہ مقامات پر صرف اس کے اَطراف کی نشاندہی کی ہے۔ نیز اس میں تو ابن عساکر کی ابوالصلت ہروی والی سند درج کرنے کے بعد کوئی جرح ہی نہیں کی، لیکن "الزيادات" میں اس پر عبداللہ بن احمد بن عامر کے سبب نقد کیا ہے، تو یوں ان کے یہاں اختلاط کے سبب کسی واضح حکم سے تمسک کرنا موزوں نہیں رہتا۔

البتہ ہمارے نزدیک اس میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ امام سیوطی کی "اللآلي المصنوعة . الزيادات على الموضوعات" دونوں ۹۰۵ھ سے قبل کی تالیفات ہیں، پس "اللآلي المصنوعة" کو سیوطی نے دو مرتبہ تالیف و تصحیح کے مراحل سے گزارا، پہلی مرتبہ ۸۷۰ھ سے آغاز کرتے ہوئے ۸۷۵ھ میں تکمیل کی، اور پھر ۹۰۵ھ میں دوبارہ اضافہ جات اور نظر ثانی کرتے ہوئے مرتب کیا۔ یہ تفصیل خود سیوطی نے کتاب کے مقدمے میں بھی بیان کی ہے۔

اور "الزيادات" سے مراد اگر "النكت البديعات على الموضوعات" ہے، تو اس کا ذکر "التحدث بنعمة الله ، للسيوطي ، الصفحة١٠٦" اور "فهرس مؤلفات السيوطي ، الصفحة ٤٠" پر موجود ہے، چنانچہ "التحدث" ۸۹۶ھ، جبکہ "فهرس" ۹۰۴ھ کی تالیفات ہیں، تو یوں یہ بھی ۹۰۵ھ سے قبل ہی تالیف ہوئی۔ اور ویسے بھی غالب گمان یہی ہے کہ

اسے بھی موضوعاتِ ابن جوزی پر کیے گئے بقیہ کاموں کے ساتھ ۹۰۵ھ سے قبل ہی تالیف کیا گیا ہوگا، جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤخر الذکر دونوں مقامات پر اُسلوب کلام سے واضح ہے۔

ان کے برعکس "الجامع الصغير" کی تالیف سے موصوف اٹھارہ ربیع الاوّل بروز پیر ۹۰۷ھ میں فارغ ہوئے اور "جمع الجوامع أو جامع الأحاديث" تو وصال تک تبییض کے مراحل میں رہی، لہٰذا مؤخر ہونے کی صورت میں ان ہی کا بیان زیادہ لائق اعتناء ٹھہرتا ہے۔ واللہ اعلم

امام عراقی نے "تخريج أحاديث إحياء العلوم الدين، (١/ ٣٧١)" میں بیان کیا ہے کہ اسے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور انھوں نے اس پر حاکم کی صرف تخریج کا ذکر کیا ہے، ان سے کسی نقد و جرح کو نقل نہیں کیا، کیونکہ اگر کوئی نقد ہوتی، تو شیخ عراقی وہ بھی اُن کے حوالے سے لکھ دیتے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث کسی سند سے امام حاکم کے یہاں بھی قابل تمسک و اعتناء تھی، اسی لیے انھوں نے بغیر نقد و جرح کے اسے اپنی کتاب میں شامل کیا۔

یہاں تک تو امام ابونعیم اور قضاعی کی اسناد سے مذکور حدیث پر جرح تھی، جن میں متکلم فیہ رُواۃ موجود تھے، لیکن بحمد اللہ تلاش و تتبع کے بعد ہمیں اس کی ایسی سند دستیاب ہوئی، جس میں سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں متذکرہ بالا افراد کے بجائے حسن بن علی مجبوب مذکور ہیں، اور اس سند کو شیخ محمد بن احمد بن سعید حنفی مکی، متوفی ۱۱۵۰ھ نے اپنی مسلسل سند سے "الفوائد الجليلة في مسلسلات ابن عقيلة، (الصفحة ٩١)" میں درج کیا ہے۔ اگرچہ اس کے بعض رُواۃ بھی مجہول ہیں، لیکن یہ طریق بقیہ کی مثل مطعون نہیں۔ فتدبر

اس حدیث "لَا إِلَهَ إِلَّا الله حِصْنِي" کے طرق و شواہد کی جمع و تحقیق پر امام لغت سیّد محمد مرتضیٰ زبیدی، متوفی ۱۲۰۵ھ صاحبِ تاج العروس نے "الإسعاف بالحديث المسلسل بالاشراف" لکھی، جس کا ذکر شیخ عبدالحی کتانی، متوفی ۱۳۸۲ھ نے "فهرس الفهارس، (الصفحة ٦٦٢، الرقم ٤١٤، دار الغرب الإسلامي)" میں کیا ہے۔ اسی طرح شیخ کتانی کی "الأربعون المسلسلة بالأشرف" بھی "مكتبة نظام يعقوبي الخاصة بيروت، دار المقتبس ١٤٤٠ هـ/ ٢٠١٩ء" سے شائع ہو چکی ہے، لیکن ہمیں دستیاب نہ ہو سکی۔ ممکن ہے کہ انھوں نے بھی اس کے بارے میں کچھ کلام کیا ہو۔

(٣٦) حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُوسَى السَّهْمِيُّ الْجُرْجَانِيُّ ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَزْوِينِيُّ ، ثَنَا دَاوُدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْقَزَّازُ ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا، حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ الله تَعَالَى عَنْهُمْ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

الْعِلْمُ خَزَائِنُ ، وَمِفْتَاحُهَا السُّؤَالُ ، فَاسْأَلُوا يَرْحَمْكُمُ الله ، فَإِنَّهُ يُؤْجَرُ فِيهِ أَرْبَعَةٌ : السَّائِلُ ، وَالـمُعَلِّمُ ، وَالـمُسْتَمِعُ ، وَالـمُحِبُّ لَهُمْ . (٦٢)

ترجمہ: علم مقفل خزانہ اور سوال اس کی کنجی ہے، پس سوال کرو، اللہ تم پر رحم فرمائے، کیونکہ اس سے چار لوگ اَجر پاتے ہیں: سوال کرنے والا، تعلیم دینے والا، سننے والا اور ان (تینوں) سے محبت رکھنے والا۔

علم کا تعلق انسان کے باطن سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کے انوار میں سے ہے، لیکن باطنی جہت کے اَثرات ظاہری تشخص پر بھی دلالت کرتے ہیں، چنانچہ حدیث میں مقفل خزانہ کہہ کر اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ اس خزانے سے مستفید ہونے کے لیے یہ چار ذرائع ہیں، جن کی بدولت صاحب علم کے ساتھ ساتھ دیگر تین افراد بھی اس کے علم سے فیضیاب ہو کر اَجر کے حق دار بن سکتے ہیں۔

بیشتر کتب میں اسے کلمات "الْعِلْمُ خَزَائِنُ وَتَفْتَحُهَا المَسْأَلَةُ" کے ساتھ حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا گیا، ملاحظہ ہو: "السنن ، للدارمي ، (١/ ٤٥٨، الرقم ٥٦٦ ، دار المغني). المدخل إلى سنن الكبرى للبيهقي ،

٦٢- **الفقيه والمتفقه** ، للخطيب البغدادي ، باب في السوال والجواب ، ٢/ ٦١ ، الرقم ٦٩٣، دار ابن الجوزي الرياض ، الطبعة الاولى ، واللفظ له . **حلية الأولياء وطبقات الأصفياء** ، لأبي نعيم الاصفهاني ، باب محمد بن علي الباقر ، ٣/ ١٩٢ ، دار الكتب العلمية . **ديوان المعاني** ، للإمام أبي هلال العسكري ، الباب الثاني ، كتاب المبالغة ، الصفحة١٤٥-١٤٤ ، دار الكتب العلمية . **أدب الدين والدنيا** ، للإمام الماوردي ، فصل في آداب المتعلم ، الصفحة ١٢٢ ، دار المنهاج . **التدوين في أخبار قزوين** ، للإمام الرافعي ، ٣/ ٤ ، دار الكتب العلمية . **التيسير شرح الجامع الصغير** ، للمناوي ، ٢/ ١٥٦ ، طبعة قديمة . **فيض القدير** ، للمناوي ، ٤/ ٣٨٩ ، دار الفكر . **تخريج أحاديث إحياء العلوم الدين** ، للإمام العراقي ، ١/ ٣٧١ ، الرقم ٤٣٦ ، دار العاصمة الرياض .

(۲/ ۱۰ ، الرقم ٤٢٩ ، مكتبة أضواء السلف) . إتحاف المهرة ، للعسقلاني ، (١٩/ ٤٨٥ ، الرقم٢٥٢٧٥، مكتبة فهد الوطنية)"۔

حدیث بالا پر شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ، (١/ ٤٤٧، الرقم٢٧٨)" میں داود بن سلیمان غازی جرجانی اور عبد اللہ بن احمد بن عامر طائی کے سبب موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے اور ان کے پیش نظر خطیب بغدادی، ابو نعیم اور شیر وی کی العوالی کے مآخذ تھے۔ لیکن حافظ زین الدین عراقی نے "المغني عن حمل الأسفار،(الصفحة ١٦،الرقم ٣٧، مكتبة طبرية)" حافظ سخاوی نے "المقاصد الحسنة ، (الصفحة ٤٦٠،الرقم ٧٠٤)"، شیخ سیوطی نے "الجامع الصغير ،(الصفحة ٣٥٢ ، الرقم ٥٧١٢)"، شیخ مناوی نے "التيسير، (٢/ ١٥٦) . فيض القدير، (٤/ ٣٨٩)" اور شیخ عجلونی نے "كشف الخفاء ،(٢/ ٦٥،الرقم ١٧٥٤)" میں "ضعیف" پر ہی اکتفا کیا ہے اور یہ تو اُس سند کے بارے میں ہے، جسے امام ابو نعیم اور خطیب بغدادی، نیز عسکری نے انہی کی مثل سند سے روایت کیا۔

لیکن امام ادب شیخ ابو ہلال عسکری، متوفی ۳۹۵ھ نے "ديوان المعاني ، (الصفحة١٤٥-١٤٤)" میں اس کی مختلف سندیوں بیان کی:

ثم أخبرنا (أبا أحمد ، شيخ العسكري) قال: أخبرنا الحسن بن علي بن عاصم ، ثنا الهيثم بن عبد الله ، حدثنا علي بن موسى الرضى ، حدثني أبي ، حدثني أبو جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن علي بن الحسن (لعل الصواب ؛ الحسين) رضي الله تعالى عنهم ، قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم.

اس سند میں شیخ البانی و مناوی وغیرہ کے نزدیک مطعون رُواۃ کے بجائے "ہیثم بن عبد اللہ" مذکور ہیں، جنھوں نے حدیث کو سیّدنا رِضا رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، اگرچہ ان کی جرح و تعدیل کا حال مجہول ہے، لیکن ان سے دیگر ائمہ کے یہاں بھی مرویات منقول ہیں، چنانچہ جہالت کے سبب انتہائی درجہ حکم ضُعف عائد ہو گا اور شیخ عسکری کی یہ سند شاید اُن حضرات کی نگاہوں میں نہ تھی۔ واللہ اعلم

(۳۷) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيل بْنِ إِبْرَاهِيم بْنِ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، قَالَ: حَدَّثَتْنِيْ عَمَّةُ أَبِي أُمُّ أَبِيْهَا بْنتِ مُوْسَى ، عَنْ أَبِيْهَا مُوْسَى بْن جَعْفَر ، عَنْ أَبِيْهِ ، عَنْ جَدِّهِ ، عَنْ عَلِيّ بْنِ الحُسَيْنِ ، عَنِ الحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ الله عَنْهُ ؛ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ الله ﷺ:

لَا يَقْضِي أَحَدٌ وَهُوَ غَضبَانٌ . (۶۳)

ترجمہ: کوئی شخص (حاکم) غصے کی حالت میں فیصلہ صادر نہ کرے۔

غصہ ایسی کیفیت سے عبارت ہے جس میں انسانی شخصیت رَذالت وکمتری کی جانب عود کرنے لگتی ہے اور بندہ اپنے حواس وجذبات کی لگاموں کو تھامنے سے عاجز ہوتا چلا جاتاہے۔ غصہ دراصل شیطانی محرک کا نتیجہ ہے اوراسی لیے قرآن مجید میں نیک بندوں کی ایک صفت "غصہ پی جانے والے" بیان ہوئی ہے، نیز حدیث میں ہے: جب کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ شیطان سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے شیطان کا تسلط زائل اور آدمی کے حواس بحال ہو جائیں گے، جس کے سبب وہ حق وباطل کو پرکھنے کی کیفیت استعمال کر سکے گا، چنانچہ بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضرت سلیمان بن صُرد رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں:

> دو شخص نبی کریم ﷺ کے پاس جھگڑتے ہوئے فحش گوئی کر رہے تھے، پس اسی اثنا میں ایک کو شدید غصہ آیا اور اُس کا چہرہ (یعنی چہرے کی رگیں) پھول کر متغیر ہو گئیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے ایک کلمہ معلوم ہے، اگر اسے پڑھا جائے، تو اس کی غصے والی کیفیت جاتی رہے گی۔ چنانچہ ایک شخص نے جاکر انھیں نبی کریم ﷺ کا فرمان سنایا کہ "أعوذ بالله من الشيطن الرجيم" پڑھو۔ اس پر وہ شخص بولا: تم نے مجھ میں کیا دیکھا، کیا میں مجنون ہوں؟ تم چلے جاؤ۔ (۶۴)

۶۳۔ **أخبار القضاة** ، للإمام ابن حيان المعروف بالوكيع البغدادي ، باب ما جاء في ألا يقضى القاضي وهو غضبان ، ۱/ ۸۳ ، عالم الكتب بيروت .

۶۴۔ **الجامع الصحيح** ، للبخاري ، كتاب الأدب ، باب ما ينهى عن السباب واللعن ، الصفحة ۱۵۱۵ ، الرقم ۶۰۴۸ ، دار ابن كثير . **صحيح مسلم** ، للقشيري ، كتاب البر والصلة ، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب ، الصفحة ۱۲۰۹ ، الرقم ۲۶۱۰ ، دار طيبة الرياض .

غصہ انسانی صحت کے لیے بھی شدید مضر ہے، غصے کی حالت میں انسانی اَعصاب و قویٰ پر اچانک دباؤ پڑ تا ہے، ذہن اس ہنگامی اُفتاد کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن وقت کی قلت اور دباؤ کی زیادتی اسے کسی حد تک مفلوج بنا دیتی ہے، توایسی صورت میں بسااوقات سنگین حادثات رونما ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے کئی مریض موجود ہیں، جو غصے کی حالت میں دماغ کی رگ پھٹنے سے یا تو ہلاک ہو گئے، یا پھر دماغی توازن کی خرابی اور اعصاب کی کمزوری کا شکار ہو چکے ہیں۔

الغرض حدیث بالا میں وارد الفاظ اگرچہ ہر فیصلہ کرنے والے کے لیے عام ہیں، لیکن اس کا خاص تعلق قاضی وحاکم سے ہے، چونکہ انھیں روزمرہ کی بنیاد پر فیصلے صادر کرنا ہوتے ہیں، اسی لیے اُن سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ وہ اگر کسی سبب سے غصے کی حالت میں ہوں، تو ہرگز فیصلہ نہ کریں، کیونکہ ایسی حالت میں غلطی اور عدم انصاف کا پہلو غالب ہو گا، بلکہ انھیں چاہیے کہ معتدل حالت میں آنے تک فیصلے کو ملتوی کر دیں اور پھر اطمینان سے اُمور کا جائزہ لے کر حق کے مطابق فیصلہ کریں۔ نیز حدیث بالا میں ہر شخص کے لیے سامانِ نصیحت موجود ہے کہ وہ زندگی کے کسی بھی مرحلے پر ہو، خواہ وہ گھریلو معاملات ہی کیوں نہ ہوں، غصہ و عجلت میں فیصلہ نہ کرے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی باتوں پر طلاق اور قتال وغیرہ ایسے مسائل اسی غصے کی پیداوار ہیں، جن سے بعد میں پچھتانا پڑتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند و تخریج ذخائر حدیث میں تلاش و جستجو کے باوجود میسّر نہیں آسکی، چنانچہ ہنوز یہ صرف امام محمد بن خلف بن حیان المعروف وکیع بغدادی، متوفی ۳۰۶ھ کی "أخبار القضاة" میں ہی مذکور ہے اور یہ محدثین وائمہ کے نزدیک بلند پایہ علمی شخصیت ہیں، چنانچہ امام خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد ، (۳/ ۱۲٦، الرقم ۷٤۷)" میں انھیں "كان عالماً فاضلًا عارفاً بالسِّير" اور امام ذہبی نے "سير أعلام النبلاء ، (١٤/ ٢٣٧ ، الرقم ١٤٠)" میں بحوالہ امام دارقطنی "كَانَ نَبِيلًا ، فَصِيحًا ، فَاضِلًا ، مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالنَّحْوِ ، لَهُ تَصَانِيفُ كَثِيرَةٌ" اور خود انھوں نے "ميزان الاعتدال ، (٣/ ٥٣٨ ،الرقم ٧٤٨٩)" میں "صدوق إن شاء الله" ذکر کیا ہے۔ اسی طرح حافظ عسقلانی نے "لسان الميزان ،(٧/ ١٢٠ ، الرقم ٦٧٥٥)" میں بھی ان کی توصیف ہی بیان کی ہے۔

لہٰذا ان کی علمی شخصیت کے طفیل یہاں راوی "محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن موسیٰ کاظم" کا معاملہ بھی واضح ہو گیا، جسے شیخ البانی و دیگر نے مجہول الحال ہونے کے سبب مطعون قرار دیا ہے، چنانچہ ابن اشعث کوفی کی بیشتر روایات ان

کے منسوب نسخے سے بیان کی جاتی ہیں، جس پر محدثین کو کلام تھا، لیکن اب ثقہ شخصیت نے انہی سے روایت کیا، جو دلیل ہے کہ نا صرف "محمد بن اسماعیل" معتبر راوی تھے، بلکہ ان سے دیگر محدثین وائمہ نے احادیث بھی نقل کیں، البتہ ان کی مرویات زیادہ محفوظ نہ رہ سکیں، بہر کیف یہاں امام ابن حبان و کیع نے ان سے روایت کیا ہے اور یوں وہ آپ کے شیخ ہیں، پھر انہوں نے حدیث کو اپنے والد "اسماعیل بن ابراہیم" کی پھوپھی اور امام کاظم کی صاحبزادی "أمّ أبيها" سے اور انھوں نے اپنے باباجان سیّدنا کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ امام کاظم رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور معروف صاحبزادی ہیں، البتہ ان کے نام میں معمولی سا اختلاف ہے، بعض کے یہاں "أمّ البهاء" بھی مذکور ہے، اس بارے میں تفصیل اَولادِ کاظم کے تحت گزر چکی ۔ ان کے بعد سے اَخیر تک سند بالا مشہور اور بقیہ تمام رُواۃ اہل بیت اور ثقہ ہیں، چنانچہ اس طور پر یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، نیز متن حدیث کے متعدد شواہد و متابع صحاح و سنن میں بکثرت موجود ہیں، اسی لیے اُن کے ایراد کی حاجت نہیں۔

(۳۸) وَقَدْ أَسْنَدَهُ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ فَقَالَ :حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ النَّسَائِيُّ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الله الْهَاشِمِيُّ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَشْعَثُ ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ جَدِّي ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ علي قال :

أَتَى رَسُولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِامْرَأَةٍ لَهُ ، فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ الله ! إِنَّ زَوْجَهَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ الْأَنْصَارِيُّ ، وَإِنَّهُ ضَرَبَهَا ، فَأَثَّرَ فِي وَجْهِهَا. فَقَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَيْسَ له ذلك . فأنزل الله تعالى : «الرِّجالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّساءِ » أي فِي الْأَدَبِ . فَقَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَرَدْتُ أَمْرًا وَأَرَادَ اللهُ غَيْرَهُ . (۲۵)

ترجمہ :ایک انصاری شخص کسی خاتون کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اُس خاتون نے عرض کی :یارسول اللہ!میرا شوہر فلاں بن فلاں انصاری ہے اوراس نے چہرے پر اس زور سے مارا کہ نشان پڑ گئے ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔پس اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت نازل فرمائی:مرد عورتوں پر نگہبان ہیں۔یعنی عورتوں کو اَدب سکھانے میں۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:میں نے ایک بات کاارادہ کیااوراللہ نے اس کے علاوہ کو ظاہر فرمایا۔

حدیث بالا دراصل ایک آیت کی تفسیر ہے، جس میں مردوں کی خواتین پر فضیلت کاذکر کیا گیا، چنانچہ مردوں کو خواتین پر جو مرتبت بخشی گئی؛وہ مارپیٹ اور حاکمیت جتانے کے لیے نہیں، بلکہ آداب وتعلیمات کے بارے میں آگاہی دینے کے لیے ہے کہ اگر تمہاری بیوی سمجھانے کے باوجود نصیحت ماننے کو تیار نہیں ہوتی، توبقدرِ ضرورت مارنے کی اجازت

۲۵۔ **تفسير القرآن الكريم** ، للامام ابن كثير ، سورة النساء ، الآية ٣٤ ، ٢/ ٢٩٣ ، دار طيبة السعودية ، الطبعة الثانية ، واللفظ له . **تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في تفسير الكشاف** ، للإمام الزيلعي ، تحت سورة النساء ، ١/ ٣١٢ ، رقم الحديث٢٤ ، طبعة وزاة الشؤون الإسلامية ، السعودية ، الطبعة الأولى . **تفسير الدر المنثور** ، للسيوطي ، ٤/ ٣٨٣ ، تفسير سورة النساء ، الآية ٣٤ ، طبعة مركز هجر للبحوث مصر . **كنز العمال** ، للمتقي ، ٢/ ٣٨٧ ، الرقم ٤٣٢٧ ، مؤسسة الرسالة بيروت . **محاسن التأويل** ، للقاسمي ، ٥/ ١٢١٨ ، تفسير سورة النساء ، الآية ٣٤ ، دار إحياء الكتب العربية عيسى البابي مصر .

ہے، لیکن وہ مار ایسی ہو جس میں درد دینے کے بجائے تعلیم اور اصلاح کا پہلو غالب رہے، تشدد کی اجازت نہیں۔ لہٰذا اس آیت کا خود ساختہ مفہوم نکال کر ظالمانہ تشدد کرنا کسی طرح بھی روا نہیں رکھا جا سکتا۔ نیز مارنا تو اس تعلیمی و تادیبی سلسلے کی آخری کڑی ہے، پس اس سے پہلے کے مراحل نظر انداز کرتے ہوئے صرف مار پر ہی اکتفاء کرنا اسلامی تعلیمات کا غیر ذمہ دَارانہ استعمال ہے، لہٰذا طرفین کو چاہیے کہ محبت و مشاورت سے باہمی اُمور طے کریں اور امن و سکون کی زندگی گزاریں۔ آپ ﷺ سے کسی بھی موقع پر منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے اَزواج مطہرات کو مارا ہو، بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ نصیحت و گفتگو سے ہی کام لیا کرتے تھے۔ اس بارے میں تفصیلات کے لیے متعلقہ کتب کی طرف مراجعت کریں۔

اس حدیث کو شیخ ابن کثیر دمشقی نے "تفسير القرآن،(٢/ ٢٩٣)" میں امام ابو بکر احمد بن موسیٰ اصبہانی المعروف ابن مردویہ، متوفی ۴۱۰ھ کے حوالے سے نقل کیا، نیز انہی کے حوالے سے حافظ جمال الدین عبد اللہ زیلعی حنفی، متوفی ۷۶۲ھ نے "تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في تفسير الكشاف،(١/ ٣١٢)"، شیخ سیوطی نے "تفسير الدر المنثور ، (٤/ ٣٨٣)" اور سلفی عالم شیخ جمال الدین قاسمی نے " محاسن التأويل ،(٥/ ١٢١٨)" میں نقل کیا ہے۔

ہمیں تلاش کے باوجود دیگر مصادر میں اس سند کے مزید حوالے نہیں مل سکے، البتہ اسی مفہوم کی دیگر اَحادیث تفسیر طبری، تفسیر ابن ابی حاتم اور دیگر میں مذکور ہیں۔ اس پر شیخ البانی سمیت کسی ناقد کا کلام معلوم نہیں ہو سکا، البتہ اس میں وہی متکلم فیہ راوی "ابن اشعث" موجود ہے، لیکن ہمارے نزدیک نقل ائمہ بالخصوص ابن مردویہ اور پھر ابن کثیر کا بغیر جرح کے اس راوی کی روایت کو بیان کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ابن اشعث کی ان مرویات میں سے نہیں، جن پر نقد کی گئی ہے، اگر ایسا نہ ہو تو پھر متذکرہ بالا سب ہی ائمہ موضوع حدیث کو بغیر تنبیہ بیان کرنے کے مرتکب ہوں گے، حالانکہ ان میں سے اوّل تو حدیث و فقہ میں بلند مرتبہ ہوئے ہیں، ان کے بارے میں امام ذہبی نے "سير أعلام النبلاء،(١٧/ ٣١٠)" میں "وكان من فرسان الحديث ، فهماً يقظاً متقناً ، كثيرَ الحديث جداً، ومن نظر في تواليفه، عرف محلّه من الحفظ" بیان کیا ہے، جبکہ ابن کثیر دمشقی اور حافظ زیلعی کا علم حدیث میں رُسوخ بھی معروف ہے، لہٰذا ان حضرات میں سے کسی کا بھی روایت بالا پر متکلم فیہ راوی کے پائے جانے کے باوجود نقد و جرح نہ کرنا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سند بالا سے مروی حدیث کا متن دُرست ہے، البتہ بعض رُواۃ کی جہالت کے باعث سند ضعیف ہے۔

(۳۹) أخبرني أبو القاسم عبيد الله بن عبد الله التاجر السرخسي ببخاري ، أخبرنا إسماعيل بن عبد الوهاب بقزوين ، حدثنا داود بن سليمان الغازي قال : سمعت علي بن موسى الرضا ، حدثني أبي موسى بن جعفر ، عن أبيه جعفر بن محمد ، عن أبيه محمد بن علي ، عن أبيه علي بن الحسين ، عن أبيه الحسين بن علي ، عن أبيه علي بن أبي طالب رضوان الله عليهم أجمعين قال: قال رسول الله ﷺ :

مَنْ مَرَّ عَلَى الـمَقَابِرِ فَقَرَأَ{ قُلْ هُوَ الله أَحَدٌ } عَشَرَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ وَهَبَ أَجْرَهُ لِلْأَمْوَاتِ أُعْطِيَ مِنَ الأَجْرِ بِعَدَدِ الأَمْوَاتِ . (۲۶)

ترجمہ:جو قبرستان سے گزرے اور دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور پھر اس کا ثواب مُردوں کو ایصال کردے ،تو اُسے تمام مرنے والوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔

(۴۰) إِسْمَاعِيل بْن عَبْدِ الوهاب أَبُو سهل ، حدث بِقَزْوِينَ عن داؤد بْن سليمان الغازي ، وحدث عَنْهُ أَبُو بكر بْن المعزل ، قرأت عَلَى والدي رحمه الله ليلة الخميس التاسع عشر من ذي الحجة سنة خمس وستين وخمسمائة ، أَخْبَرَكُمْ أَبُو الْفَضْلِ عَبْدُ الْمُلِكِ بْن سعد بْن عنتر التميمي ، أنبأ أبو عثمان إسماعيل ابن مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَد الْوَاعِظُ ، أَنْبَأَ الْخَطِيبُ أَبُو مَنْصُورٍ عَبْدُ الرَّزَّاقِ بن أحمد ابن عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، ثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغَزَّالُ ، ثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ ابن مُحَمَّدِ بْنِ مَهْرَوَيْهِ ، وَأَبُو سَهْلٍ إِسْمَاعِيل بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ بِقَزْوِينَ سنة ثلاثين وثلاثمائة ، ثنا داؤد بْنُ سُلَيْمَانَ الْغَازِيُّ ، أَنْبَأَ عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا ، حَدَّثَنِي أَبُو مُوسَى بْن جَعْفَرٍ ،عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ الله عَنْهُ ، قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ:

۲۶۔ **فضائل القرآن** ، للامام المستغفري ، ۲/ ۷۱۸ ، الرقم ۱۰۷۵ ، ، دار ابن حزم بيروت ، الطبعة الاولى ، واللفظ له . **فضائل سورة الإخلاص وما لقارئها** ، للإمام ابن خلال البغدادي ، الورقة ۱۱ ، مخطوطة من دار الكتب الظاهرية . **نفحات النسمات في وصول إهداء الثواب للأموات** ، للإمام السروجي ، ۱/ ۲۹۱ ، الدار الاثرية . **فردوس الأخبار** ، للديلمي ، ٤/ ۳۸ ، الرقم ٥٦٠۸ ، دار الكتاب العربي . **الكلام على وصول القراءة للميت** ، للإمام ابن أبي السرور المقدسي ، ۱/ ۲۲۱ ، الدار الاثرية . **جامع الأحاديث** ، للسيوطي ، ۱۰/ ۲۱٦ ، الرقم ۲۳۳۰٤ ، طبعة الأزهر . **البناية شرح الهداية** ، للإمام العيني ، كتاب الحج ، باب الحج عن الغير ، ٤/ ٤۲۳ ، دار الفكر بيروت . **التذكرة بأحوال الموتى والقبور** ، للإمام القرطبي ، الصفحة ۲۷٦ ، دار المنهاج الرياض . **فتح القدير** ، للإمام ابن الهمام الحنفي ، كتاب الحج ، باب الحج عن الغير ، ۳/ ۱۳۳ ، دار الفكر بيروت . **مرقاة المفاتيح** ، للقاري ، كتاب الجنائز ، باب دفن الميت ، ٤/ ۱۷۳ ، الرقم ۱۷۱۷ ، دار الكتب العلمية .

مَنْ مَرَّ عَلَى الْمَقَابِرِ فَقَرَأَ فِيهَا إِحْدَى عَشَرَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ثُمَّ وَهَبَ أَجْرَهُ الأَمْوَاتَ أُعْطِيَ مِنَ الأَجْرِ بِعَدَدِ الأَمْوَاتِ . (٦٧)

ترجمہ: جو قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور پھر اس کا ثواب مُردوں کو ایصال کر دے، تو اُسے تمام مرنے والوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔

ان دونوں احادیث میں ایصالِ ثواب کی ایک نوعیت کا بیان ہوا ہے۔ پہلی حدیث میں دس اور دوسری حدیث میں گیارہ مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ایصال ثواب کرنا ایک مستحسن امر ہے اور اس کے جائز ہونے پر بہت سی احادیث موجود ہیں۔ اس دنیا سے چلے جانے کے بعد جو اعمال مردے کے لیے فائدہ مند اور قابلِ اجر ہوتے ہیں، ان میں سے ایک ایصال ثواب بھی ہے جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوت شدہ والدہ کے لیے کنواں کُھدوا کر ثواب ایصال کیا۔ اسی طرح حدیث میں قبرستان سے گزرتے وقت ایک آسان سے عمل کی جانب رغبت دلائی گئی ہے، جس کے کرنے سے مُردوں کو اور خود اسے بھی اَجر ملے گا۔

شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ، (٧/ ٢٧٨،الرقم ٣٢٧٧-٣/ ٤٥٢،الرقم١٢٩٠)" میں حسبِ مزاج راوی داود بن سلیمان غازی کو دیکھتے ہی یحییٰ بن معین اور ابو حاتم کی جرح کے پیش نظر موضوع کہہ ڈالا۔ بہر کیف صرف عبد الکریم رافعی صاحب "التدوين في أخبار قزوين" ہی نہیں، بلکہ دیگر محدثین اور فقہاء کے یہاں بھی اس حدیث کو بطریق سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے تمسک کیا گیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابو العباس جعفر بن محمد المعروف مستغفری، متوفی ۴۳۲ھ نے "فضائل القرآن ،(٢/ ٧١٧)" میں امام رافعی کی مثل داود بن سلیمان سے، جبکہ امام ابو محمد حسن بن محمد المعروف خلال بغدادی، متوفی ۴۳۹ھ نے "فضائل سورة الإخلاص وما لقارئها ، (الورقة ١١)" میں عبد اللہ بن عامر طائی کے طریق سے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے، ان

٦٧۔ التدوين في أخبار قزوين ، للامام الرافعي القزويني ، ٢/ ٢٩٧ . كشف الخفاء ، للعجلوني ، ٢/ ٢٧٢ ، الرقم ٢٦٣٠ ، مكتبة القدسي .

کے علاوہ امام شمس الدین ابن ابی السرور مقدسی حنبلی، متوفی ۶۷۶ھ نے "الكلام على وصول القراءة للميت، (١/ ٢٢١)" میں قاضی ابو یعلی حنبلی، متوفی ۵۱۶ھ کی سند سے بیان کرنے کے بعد لکھا کہ اسے امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے، جبکہ شیخ احمد بن ابراہیم، ابو العباس شمس الدین سروجی، متوفی ۷۱۰ھ نے "نفحات النسمات في وصول إهداء الثواب للأموات، (١/ ٢٩١)" میں بحوالہ دار قطنی اسے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ شیخ ملا علی قاری، متوفی ۱۰۱۴ھ نے "مرقاة المفاتيح، (٤/ ١٧٣)" میں بحوالہ شیخ ابو محمد سمرقندی از سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے۔

البانی نے پہلے مقام پر ان دونوں رُواۃ کے سبب وہی طے شدہ فارمولے والی جرح بیان کر دی، لیکن اس دوران امام دار قطنی اور قاضی ابو یعلیٰ حنبلی کی اپنی اسانید سے روایت کرنے پر نقد وجرح نہیں کی، بلکہ اس پر صرف سخاوی کا "الفتاوى الحديثية" سے مختصر کلام نقل کرنے پر اکتفا کیا، لیکن حافظ سخاوی نے بھی ان ائمہ کی تخریج روایت کو ذکر کرنے کے علاوہ کوئی نقد نہیں کی۔ لہٰذا ہمارا سوال یہ ہے کہ متذکرہ بالا محدثین وفقہاء کو داود بن سلیمان غازی اور عبد اللہ ابن عامر طائی کے بارے میں موضوعات گھڑنے کی جرح معلوم نہیں تھی، یا پھر یہ صرف بعد کے ناقدین پر ہی عیاں ہوئی؟ نیز بر صدق نقل ائمہ شیخ دار قطنی اور پھر قاضی ابو یعلیٰ حنبلی ایسے کبار محدثین پر اس موضوع حدیث کو روایت کرنے پر کیا حکم لگایا جائے، کیونکہ کم اَز کم دار قطنی تو خود ان پر نقد کر چکے، پھر بھلا انھوں نے ایسے راوی سے روایت کیوں نقل کی؟

حافظ سخاوی نے دار قطنی کی کتاب "الأفراد" میں اس کے وقوع کا اشارہ کیا ہے، لیکن اس کے بعض اجزاء جنھیں حافظ ابن طاہر مقدسی نے "أطراف الغرائب والأفراد" کی صورت میں مرتب کیا ہے، اس میں یہ حدیث موجود نہیں، ممکن ہے کہ بقیہ مفقود اجزاء میں ہو، کیونکہ امام دار قطنی کی بقیہ بیس کے قریب کتب میں تلاش کے باوجود یہ حدیث نہیں مل سکی۔ الغرض ہم نے حدیث بالا کو اس لیے شامل کیا ہے کہ اسے امام دار قطنی، ابو یعلیٰ اور رافعی سمیت مشہور محدثین نے بغیر نقد وجرح کے نقل کیا اور پھر امام عینی، ابن ہمام اور ملا علی قاری جیسے فقہاء نے فضائلِ احکام میں اس سے تمسک کیا ہے، اتنے حضرات کے نزدیک حدیث کا موضوع ہونا مخفی رہے، یہ بات موزوں و معقول نہیں۔ اسی لیے ہماری رائے یہ ہے کہ اگرچہ یہ رُواۃ مطعون ہیں، لیکن لازمی نہیں کہ ان کی ہر حدیث گھڑی ہوئی ہو اور شاید اسی سبب سے محدثین نے متذکرہ بالا روایت کو بھی ان کے طریق سے نقل کیا، کیونکہ اُن کے نزدیک یہ روایت مطعون نہیں تھی، واللہ اعلم۔

(۴۱) أَنْبَأَ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مهروية (بسند) ، ثنا داؤد بْنُ سُلَيْمَانَ الْغَازِيُّ ، ثنا عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا ، عَنْ أَبِيهِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عليه وآله وَسَلَّمَ:

خَيْرُ الأَعْمَالِ عِنْدَ الله تَعَالى : إِيْمَانٌ لا شَكَا فِيْهِ ، وَغَزْوٌ لا غُلُولَ فِيْهِ ، وَحَجٌّ مَبْرُورٌ ، أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الجَنَّةَ شَهِيدٌ ، وَعَبْدٌ مَمْلُوكٌ عَبَدَ رَبَّهُ وَنَصَعَ لِسَيِّدِهِ ، وَرَجُلٌ عَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُو عِبَادَةٍ ، وَأَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ النَّارَ أَمِيرٌ مُسَلَّطٌ لا يَعْدِلُ بَيْنَ النَّاسِ ، وَذُو ثَرْوَةٍ مِنَ المَالِ لا يُعْطِي حَقَّهُ ، وَفَقِيرٌ فَخُورٌ . (۲۸)

ترجمہ: اللہ تعالی عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک بہترین اعمال میں سے یہ ہے: ایمان ایسا ہو؛ جس میں شکایت نہ ہو، غزوہ ایسا ہو؛ جس میں خیانت نہ ہو اور حج مبرور۔ سب سے پہلے جنت میں یہ داخل ہوں گے: شہید اور ایسا غلام جس نے اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت بھی کی اور اپنے آقا کی صحیح خدمت بھی، اور ایسا شخص جو پاک بازو عبادت گزر رہا اور سب سے پہلے یہ جہنم جائیں گے: ایسا حاکم؛ جو لوگوں کے درمیان عدل نہ کرتا ہو، ایسا مال دار؛ جو اس کا حق (زکوۃ) ادا نہ کرتا ہو اور تکبّر کرنے والا فقیر۔

سند بالا کے ساتھ مکمل حدیث صرف امام رافعی کی "التدوين في أخبار قزوين" میں ہی میسّر آئی، لہٰذا حدیث کے اوّل حصے میں یہ اپنی سند و متن کے ساتھ متفرد ہیں، البتہ بعد کا حصہ "أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الجَنَّةَ" سے اَخیر تک کا شاہد منقول ہے، چنانچہ امام ابو محمد عبد الحمید ابن نصر کشی، متوفی ۲۴۹ھ کی "مسند عبد بن حميد ، (۲/ ۳٤٦)" میں سیّدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے قدرے مختلف کلمات کے ساتھ بسند ضعیف یوں مروی ہے:

أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الجَنَّةَ ثَلَاثَةٌ : عَبْدٌ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَدَّى حَقَّ مَوَالِيهِ ، وَرَجُلٌ فَقِيرٌ عَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ ، وَرَجُلٌ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ الله حَتَّى قُتِلَ ، وَأَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ النَّارَ ثَلَاثَةٌ : فَقِيرٌ فَخُورٌ وَأَمِيرٌ مُسَلَّطٌ وَذُو مَالٍ لَمْ يُؤَدِّ حَقَّ مَالِهِ .

۲۸ـ **التدوين في أخبار قزوين** ، للرافعي القزويني ، ۲/ ۲۱٦ . **مسند عبد بن حميد** ، ۲/ ۳٤٦ ، الرقم ۱٤٤٤ ، دار بلنسية الرياض .

(۴۲) أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الله الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُثْمَانَ النَّصِيبِيُّ قَالَ : قَرَأْنَا عَلَى الْقَاضِي أَبِي عَبْدِ الله الْحُسَيْنِ بْنِ هَارُونَ الضَّبِّيُّ ، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بن مُحَمَّد بن سعيد قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الله بْنُ عَبْدِ الله ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ ابْنُ سَعِيدٍ : وَأَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بن مُحَمَّدُ بْنُ الأَشْعَثِ فِي كِتَابِهِ إِلَيَّ قَالَ : حَدَّثَنِي مُوسَى يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ ، عَنْ جَعْفَرِ بْنُ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ الله عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ مِنْ اِمْرَأَةٍ حَتَّى تُوَارِيَ أُذُنَيْهَا وَنَحْرَهَا فِي الصَّلَاةِ .(۲۹)

ترجمہ: کسی عورت کی نماز اُس وقت تک قبول نہیں ہوتی، جب تک وہ اپنے کان اور سینے کے بالائی حصے کو نماز میں ڈھانپ نہ لے۔

حدیث مذکورہ سند و متن کے ساتھ صرف امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی "الموضح لأوهام الجمع والتفريق" میں معلوم ہو سکی، لیکن انھوں نے اسے بغیر کسی نقد و جرح کے بیان کیا ہے، اسی لیے ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہوئے یہاں شامل کیا جارہا ہے، البتہ رُواۃ بالخصوص ابن اشعث پر محدثین کی جرح معروف ہے، لیکن سند و متن کو اس طریق سے نقل کرتے ہوئے امام خطیب بغدادی کا سکوت اختیار کرنا ایک گونہ تائید اور اقل درجہ ضُعف پر مشیر ہے۔ واللہ اعلم

(۴۳) أخبرني محمد بن علي بن محمد بن عبد الرحيم ، أبو الحسن الحسيني الأرجيشي خطيب أرجيش بها ، قال : حدثني والدي أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الرحيم العلوي الواعظ المروزي بأرجيش ، أبنا القاضي أبو طاهر إبراهيم بن أحمد السَّلَماسي ، أخبرني أبو نصر أحمد بن يوسف الطَّبري ، أبنا أبو مسعود أحمد بن محمد البجلي ، أخبرني أبو المكارم ناصر بن محمد بن أبي المعالي الأنصاري المروزي قال : سمعت جَدِّي أبا المعالي منبِّه بن وهب بن يوسف قال : سمعت أبا الصَّلت عبد السلام بن صالح الهروي ، حدثني علي بن موسى الرضا ، حدثني أبي موسى ، حدثني أبي جعفر ، حدثني أبي محمد ، حدثني أبي زين العابدين ، حدثني أبي الحسين بن علي ، حدثني أبي عليٌّ ، قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يقول الله عزَّ وجلَّ:

عَبْدِيْ مَا تُنْصِفُنِي ، أَتَحَبَّبُ إِلَيْكَ بِالنِّعَم وَتَتَمَقَّتُ إِلَيَّ بِالْمَعَاصِي ، خَيْرِي عَلَيْكَ مُنْزَلٌ ، وَشَرُّكَ إِلَيَّ صَاعِدٌ ، وَلا يَزَالُ مَلَكٌ كَرِيمٌ يَأْتِينِي مِنْكَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ بِعَمَلٍ قَبِيحٍ ، عَبْدِيْ ! لَوْ سَمِعْتَ وَصْفَكَ مِنْ غَيْرِكَ وَأَنْتَ لا تَدْرِيْ

۲۹۔ **الموضّح لأوهام الجمع والتفريق** ، للخطيب البغدادي ، باب الميم ، ذكر موسى بن جعفر ، ۲/ ۲۱۵.

مَنِ الْـمَوْصُوْفُ ، لَتَسَارَعْتَ إِلَى مَقْتِهِ . (۷۰)

ترجمہ:اے میرے بندے!میرے معاملے میں تیرا کیاانصاف ہے؟ میں تجھے اپنی نعمتیں دیناپسند کرتاہوں اور تومیری جانب گناہ لے کر آتاہے،(حالانکہ) میری خیر تجھ پر نازل ہوتی ہے اور تیرے گناہ میرے سامنے پیش ہوتے ہیں،ایک فرشتہ ہر روز تیرے گناہ میرے سامنے پیش کرتا رہتاہے، اے میرے بندے! اگر تو اپنے(گناہوں کے)بارے میں کسی اور شخص سے سُنے اور تجھے معلوم نہ ہو کس کی بات کی جارہی ہے،توضرور تواس سے نفرت کرنے میں جلدی کرے گا۔

شیخ البانی نے ”سلسلة الأحاديث الضعيفة ، (۷/ ۲۸٦ ، الرقم ۳۲۸۷)“میں امام دیلمی اور رافعی کی اسناد کو داود بن سلیمان غازی کے سبب مقررہ فارمولے کے تحت موضوع کہااور ساتھ ہی بیان کیاہے کہ امام دیلمی کے یہاں اس کامتابع بطریق احمد بن علی بن مہدی الرقی بھی منقول ہے اور یہی طریق شیخ ابوعبداللہ محمد بن فضل الفراءالمعروف نظیف مصری،متوفی ۴۳۱ھ کی ”الفوائد“اور شیخ احمد بن عمرالمعروف ابونصرالغازی،متوفی ۵۳۲ھ کی ”جزء من الأمالي“میں بھی مذکورہے، نیز اس میں متن کے اضافی کلمات بھی درج ہیں۔لیکن پھر اس سے خلاصی کے لیے یوں راہ لی، کہ مجھے راوی کے بارے میں معلوم نہیں،لگتاہے کہ انھوں نے بھی داود بن سلیمان سے ہی روایت چوری کی ہو گی،انتہیٰ۔

الغرض یہ نقد توداود بن سلیمان غازی کے سبب تھا، کہ وہ مطعون ہیں،اس لیے حدیث موضوع ہے، لیکن مجہول الحال ہونے کی بنیاد پر حکمِ وضع عائد نہیں ہوتا،لہٰذاالبانی کایہ تبصرہ؛اس راوی نے بھی داود ہی سے چوری کی ہو گی۔ محض تحکم والزام ہے،جس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں،چنانچہ امام دیلمی کاوارد کردہ دوسراطریق صرف ضعیف ہے۔

لیکن ہمیں بحمداللہ اس کاایک اور متابع بھی میسّر آگیا،جس پر شیخ البانی کی نگاہ نہیں پڑی،ورنہ اسے بھی معاف نہ کرتے،بہر کیف امام ابن عساکر،متوفی ۵۷۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ ”معجم الشيوخ “میں بطریق ابوالصلت عبدالسلام

۷۰۔ **معجم الشيوخ** ، للامام ابن عساكر ، ۲/ ۹۹٤، الرقم ۱۲۷۰ ، دار البشائر دمشق ، واللفظ له . **الفردوس بمأثور الخطاب** ، للديلمي ، ٥/ ۲۳۳ ، الرقم ۸۰٤۳ ، دار الكتب العلمية . **التدوين في أخبار قزوين** ، للرافعي القزويني ، ۳/ ٤ .

بن صالح ہروی از سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے، چنانچہ بایں طور حدیث کے ایک نہیں دو متابع موجود ہیں، اگرچہ البانی کو یہ راوی بھی ہضم نہیں، لیکن محدثین کے یہاں شیخ ہروی کی توثیق وصدق ہی راجح ہے، جیسا کہ ابحاث گزر چکیں۔

(۴۴) كَتَبَ إِلَيَّ أَبُو الطَّيِّبِ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ الْجَعْفَرِيُّ مِنَ الْكُوفَةِ ، وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الصُّورِيُّ عَنْهُ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو الْمُفَضَّلِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْخَالِقِ (الشيباني)لَفْظًا ، حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَلَوِيُّ الْحَسَنِيُّ بِبَغْدَادَ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَمْزَةَ الْعَلَوِيُّ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا ، عَنْ أَبِيهِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ و عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ آبَائِهِ عَن عَلِيّ بن أبي طَالب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :

تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَنْسَأَةٌ فِي الأَجَلِ مَثْرَاةٌ لِلْمَالِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ تَعَالَى . (۷۱)

ترجمہ: اپنے نسب کا اتنا علم ضرور حاصل کرو، جس سے صلۂ رحمی کر سکو، کیونکہ صلۂ رحمی موت میں تاخیر (یعنی عمر میں برکت)، مال میں اضافے اور ربّ تعالیٰ عزوجل کی رضا کا سبب ہے۔

صلۂ رَحمی سے مراد اپنے نسبی قرابت داروں کے ساتھ بہتر تعلقات اُستوار کرنا ہے۔ قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ میں صلۂ رَحمی کی بہت تاکید بیان فرمائی گئی ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے: "جو تجھ سے تعلق جوڑے تو بھی اس کے ساتھ جوڑ اور جو تعلق توڑے تو اُس سے بھی جوڑنے کی کوشش کر"۔ یہ صلۂ رَحمی کی اصل بنیاد ہے، پس حدیث مذکور میں اس بات کی جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ اپنے نسب اور رشتے داروں کی اتنی معرفت ضرور حاصل کر لو، جس سے ان پر احسان کرنے اور شرعی احکامات کو بَرلانے میں سہولت رہے، کیونکہ اگر رشتے داروں کا علم ہی نہیں ہو گا تو ان کے بعض حقوق کی ادائیگی میں دشواری ہو گی۔

حدیث بالا کی سند میں خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متفرد ہیں، ان کے علاوہ دیگر مصادر وکتب میں وجود معلوم نہیں ہو سکا، البتہ متن کے صحیح شواہد صحاح وسنن کی معتبر کتب میں معمولی اختلاف کے ساتھ مذکور ہیں، چنانچہ امام ترمذی "السنن،

۷۱- **الموضح لأوهام الجمع والتفريق** ، للخطيب البغدادي ، باب الميم ، ذكر ابو المفضل محمد الشيباني ، ۲/ ۳۹٤ ، دار الفكر الاسلامي ، الطبعة الثانية .

(الصفحة ٤٤٩ ، الرقم ١٩٧٩)"اورامام احمد بن حنبل"المسند ،(١٤/ ٤٥٦،الرقم٨٨٦٨)"میں سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے،جبکہ امام طبرانی" المعجم الكبير ،(١٨/ ٩٨،الرقم ١٧٦)"میں حضرت علاء بن خارجہ مدنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں،اور سنن ترمذی کے کلمات یوں ہیں:

تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي المَالِ ، مَنْسَأَةٌ فِي الأَثَرِ.

(٤٥) أنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْفَتْحِ ، أنا سَهْلُ بْنُ أَحْمَدَ الدِّيبَاجِيُّ ، نا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَشْعَثِ الْكُوفِيُّ ، بِمِصْرَ ، نا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، نا أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

مَنْ أَحْزَنَ وَالِدَيْهِ فَقَدْ عَقَّهُمَا. [٤٢]

ترجمہ: جس نے اپنے والدین کو غمگین کیا،تو بیشک اس نے اُن کی نافرمانی کی۔

خطیب کا متابع امام ابو بکر محمد کلاباذی بخاری، متوفی ۳۸۴ھ کی"بحر الفوائد ، (الصفحة١٥٩)"میں بایں سند مذکور ہے:

حدثنا محمد بن عمر المعدل ، قال: ح أحمد بن عبد الله بن مالك ، قال: ح إسحاق بن إبراهيم الشامي ، قال: أخ علي بن حرب الموصلي ، قال: ح موسى بن داود الهاشمي ، قال: ح ابن لهيعة ، عن محمد بن عبد الرحمن بن نوفل ، عن عامر بن عبد الله بن الزبير ، عن علي بن أبي طالب ، رضي الله عنه ..إلخ .

نیز انھوں نے تفصیلی حدیث بیان کی،جس کے ضمن میں متذکرہ بالا کلمات بھی موجود ہیں۔خطیب بغدادی کی سند سے حدیث کو شیخ البانی نے"الجامع الصغير وزيادته"کی تحکیم کے دوران ضعیف کہا،لیکن خطیب بغدادی نے اسے وارد کرنے کے بعد کوئی جرح ذکر نہیں کی۔

٤٢۔ **الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع** ، للخطيب البغدادي ، ٢/ ٢٣١ ، الرقم ١٦٩٩ ، مكتبة المعارف الرياض . **بحر الفوائد** ، للإمام الكلاباذي ، الصفحة ١٥٩ ، دار الكتب العلمية . **الجامع الصغير وزيادته** ، للسيوطي ، الصفحة ٧٧٢ ، الرقم ٥٣٥٣ ، المكتب الإسلامي بيروت .

(۴۶) أَخْبَرَنَا الْحَاكِمُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْفَارِسِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ بْنُ مَطَرٍ ، حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ الْولاهِيجِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ جَعْفَرُ بْنُ عَلِيٍّ الْخُوَارِيُّ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْعَلَوِيُّ ، حَدَّثَنِي عَمِّي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ ، عَنْ أَبِي سَهْلِ بْنِ مَالِكٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ :

دُورُوا مَعَ الْقُرْآنِ حَيْثُمَا دَارَ ، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ ! أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ نُطِقْ ذَلِكَ؟ قَالَ : كُونُوا كَحَوَارِيِّ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ شُقُّوا بِالْمَنَاشِيرِ فِي اللهِ ، وَصُلِّبُوا فِي جُذُوعِ النَّخْلِ فِي اللهِ ، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ ! أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ نُطِقْ ذَلِكَ؟ قَالَ: قَتْلٌ فِي طَاعَةِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ حَيَاةٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ ، إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ مَلَكَتْهُمْ مُلُوكٌ بَعْدَ أَنْبِيَائِهِمْ فَغَيَّرُوا سُنَنَهُمْ ، وَعَمِلُوا فِيهِمْ بِغَيْرِ الحَقِّ ، فَلَمْ يَمْنَعْهُمْ ذَلِكَ مِنْ جَوْرِهِمْ أَنْ حَابَوْهُمْ وَضَاحَكُوهُمْ وَآكَلُوهُمْ وَشَارَبُوهُمْ ، فَلَمَّا رَأَى اللهُ ذَلِكَ مِنْهُمْ ضَرَبَ بِقُلُوبِ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ ، وَلُعِنُوا عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ، ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ، لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُسَلِّطَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ فَيَدْعُوا عَلَيْهِمْ خِيَارُكُمْ فَلا يُسْتَجَابُ لَهُمْ . (۴۳)

ترجمہ: قرآن کے ساتھ ساتھ چلتے رہو (یعنی جیسا کہ قرآن حکم دے، اُس پر عمل کرو اور جس سے روکے، اُس سے باز آجاؤ)۔ انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کیا فرماتے ہیں، اگر ہمیں اس کی طاقت نہ رکھیں (تو کیا کریں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر عیسی بن مریم کے اَصحاب کی طرح ہو جاؤ، جنھیں راہِ خدا میں آریوں سے چیرا گیا اور راہِ خدا میں کھجور کے درختوں پر پھانسی دی گئی۔ انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کیا فرماتے ہیں، اگر ہمیں اس کی بھی طاقت نہ رکھیں (تو پھر کیا کریں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے قتل ہو جانا، اُس کی نافرمانی میں زندہ رہنے سے بہتر ہے، بیشک بنی اسرائیل میں انبیاء کے بعد جو بادشاہ

۴۳۔ **الوسيط في تفسير القرآن المجيد** ، للواحدي النيشابوري ، سورة المائدة ، الآية ۷۸-۸۱ ، ۲/ ۲۱۵ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الاولى .

آئے ،انھوں نے انبیاء کے طریقوں کو بدل دیا اور ناحق کاموں میں لگ گئے، توانھیں سرکشی سے کسی نے منع نہیں کیا اور لوگ اُن کے ساتھ گناہ کرتے، ہنستے اور کھاتے پیتے رہے، جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اُن کا یہ معاملہ دیکھا، تو اُن کے دلوں میں باہم عداوت پیدا کر دی، اور داود اور عیسیٰ کی زبانوں سے اُن پر لعنت کی گئی، یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو گئے تھے، لہٰذا تم لوگ ضرور بھلائی کا حکم کرو اور گناہوں سے روکو، یا اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر بھی بدترین لوگوں کو مسلط کر دے، پھر تمہارے اچھے لوگ دعا کریں گے، لیکن اُن کی دعا قبول نہیں کی جائے گی۔

حدیث بالا کو امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۴۶۸ھ نے "التفسير المحيط" میں متذکرہ سند کے ساتھ سیّدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت کیا ہے، ان کلمات کے ساتھ حدیث مبارکہ دیگر مصادر و مآخذ میں میسّر نہیں آسکی، البتہ "المستدرك،(٣/ ٤١٤،الرقم ٢٦٨٨-٦/ ١٩٠، الرقم ٥٧٨٧، طبعة دار التأصيل)" میں حضرت ابو سعید (سعد بن مالک) خدری اور حضرت ابو مسعود (عقبہ بن عمرو بدری) انصاری سے سیّدنا عمار بن یاسر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے فضائل میں مختلف کلمات سے روایت کیا ہے اور مؤخر الذکر سے روایت کو امام ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

لیکن اس میں صرف ابتدائی کلمات "دُورُوا مَعَ كِتَابِ اللهِ حَيْثُ مَا دَارَ" میں موافقت ہے، بقیہ متن میں شیخ واحدی اپنی سند کے ساتھ متفرد ہیں۔

امام سیوطی نے "الجامع الصغير، (الصفحة ٢٥٨،الرقم ٤٢٣٥)" میں اسے "صحیح" کی رمز کے ساتھ نقل کیا ہے، لیکن شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ،(٨/ ٩٨، الرقم٣٦٠٥)" میں ضعیف کہتے ہوئے بیان کیا ہے کہ سند میں موسی بن جعفر سے مراد "موسی بن جعفر بن ابراہیم جعفری" ہیں، اوران کے بارے میں شیخ عقیلی نے "في حديثه نظر" کہا ہے، جبکہ اس کے بقیہ رُواۃ کے بارے میں علم نہیں، انتہیٰ۔

لیکن یہاں البانی کو لغزش ہوئی، کہ انھوں نے موسی کاظم بن جعفر کو موسی بن جعفر بن ابراہیم جعفری گمان کرتے ہوئے عقیلی کی جرح ملحق کر دی، حالانکہ یہاں امام کاظم رضی اللہ عنہ مراد ہیں، چنانچہ اس کی دلیل یہ ہے کہ راوی محمد بن اسماعیل علوی ہے، محمد بن اسماعیل جعفری نہیں، اوراوّل کی موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے روایات معروف ہیں۔ نیز اس کی مزید واضح دلیل یہ ہے کہ امام دارقطنی نے انہی کی سند سے حدیث "كَيْفَ تَقْرَأُ إِذْ قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ" بطریق حسین بن موسی از موسی کاظم رضی اللہ عنہ درج کی ہے، جس میں صاف بیان موجود ہے کہ یہ راوی جعفری نہیں، بلکہ علوی ہی ہے، دارقطنی کی سند یوں ہے:

حدثنا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ دُلَيلِ الْإِخْبَارِيُّ ، حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمُقْرِئُ ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنِي عَمُّ أَبِي الْحُسَيْنِ بْنِ مُوسَى ، حَدَّثَنِي أَبِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ . (۷۴)

نیز شیخ البانی نے کہا کہ بقیہ راویوں کو میں نہیں جانتا، حالانکہ سند میں مذکور محمد بن اسماعیل علوی "سنن دارقطنی" کے رُواۃ میں سے ہیں۔ اب چونکہ البانی نے تعیین میں ہی خطا کی، لہٰذا ان کا حکم ضعف بھی باقی نہیں رہے گا اور شیخ سیوطی نے اگرچہ اسے صحیح کہا، لیکن ہمیں اس پر شرح صدر نہیں، البتہ بر سبیل تنزل درجہ حسن قریب صواب معلوم ہوتا ہے، لیکن بقیہ رُواۃ کی جرح کے بعد ہی تفصیلات واضح ہوں گی، جو ہمارا مقصود نہیں، فافہم۔

(۴۷) أنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْفَتْحِ ، أنا سَهْلُ بْنُ أَحْمَدَ الدِّيبَاجِيُّ ، نا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَشْعَثُ الْكُوفِيُّ ، بِمِصْرَ ، نا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، نا أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

مَنْ أَكْرَمَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ بِكَلِمَةٍ يُلَطِّفُهُ بِهَا، أَوْ مَجْلِسٍ يُكْرِمُهُ بِهِ ، لَمْ يَزَلْ فِي ظِلِّ اللهِ مَمْدُودٌ عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ مَا كَانَ فِي ذَلِكَ . (۷۵)

۷۴۔ **السنن** ، للدارقطني ، باب في الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، ۲/ ٦٦، الرقم ١١٥٧، مؤسسة الرسالة ، الطبعة الأولى .

۷۵۔ **الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع** ، للخطيب البغدادي ، ١/ ٤٠٣ ، الرقم ٩٥٠ ، مكتبة المعارف الرياض .

ترجمہ: جو اپنے مسلمان بھائی کی توقیر کرتے ہوئے اُسے کسی بات سے خوشی پہنچائے، یا کسی مجلس میں اُسے عزت بخشے، تو جب تک یہ معاملہ باقی رہے، وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سایۂ رحمت میں رہتا ہے۔

امام خطیب بغدادی سند و متن کے ساتھ اس روایت میں متفرد ہیں، ہمیں تلاش و جستجو کے باوجود کسی مصدر میں اس کی نظیر معلوم نہیں ہو سکی، البتہ خطیب بغدادی نے اسے درج کرنے کے بعد کوئی نقد و جرح بیان نہیں کی۔

(۴۸) أَخْبَرَنِي أَبُو الْقَاسِمِ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عُثْمَانَ الْأَزْهَرِيُّ الصَّيْرَفِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْمُفَضَّلِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الشَّيْبَانِيُّ قَالَ : حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُوسَائِيُّ ، أَخْبَرَنِي أَبِي إِسْحَاقُ بْنُ الْعَبَّاسِ قَالَ : حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَخِيهِ مُوسَى ، عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيٍّ ،

أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ ! أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْعِلْمُ بِاللهِ ، وَالْفِقْهُ فِي دِينِهِ ، فَظَنَّ الرَّجُلُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، لَمْ يَفْهَمْ قَوْلَهُ ، فَسَأَلَهُ الثَّانِيَةَ ، فَقَالَ لَهُ مِثْلَ قَوْلِهِ الْأَوَّلِ ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ ! أَسْأَلُكَ عَنِ الْعَمَلِ فَتُخْبِرُنِي عَنِ الْعِلْمِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ ، إِنَّ الْعِلْمَ يَنْفَعُكَ مَعَهُ قَلِيلُ الْعَمَلِ وَكَثِيرُهُ ، وَإِنَّ الجَهْلَ لَا يَنْفَعُكَ مَعَهُ قَلِيلُ الْعَمَلِ وَلَا كَثِيرُهُ . (۷۲)

ترجمہ: ایک انصاری شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت اور اپنے دین کی سمجھ بوجھ۔

۷۲- **الفقيه والمتفقه** ، للخطيب البغدادي ، ۱/ ۱۱٦ ، الرقم ۷۵، دار ابن الجوزي . **نوادر الأصول** ، للحكيم الترمذي ، الأصل التاسع والستون والمائتان ، الصفحة ۱۱۵۲ ، الرقم ۱٤۵۵ ، مكتبة الإمام البخاري . **جامع بيان العلم وفضله** ، للإمام ابن عبد البر ، الصفحة ۲۰۲ ، الرقم ۲۱٤ ، دار ابن الجوزي . **الجامع الصغير** ، للسيوطي ، الصفحة ۷۹ ، الرقم ۱۲٤۰ ، دار الكتب العلمية ، **فيض القدير** ، للمناوي ، ۲/ ۲۷ ، الرقم ۱۲٤۰، دار المعرفة .

اس شخص نے گمان کیا کہ آپ ﷺ نے شاید میری عرض کی جانب توجہ نہیں فرمائی (اس لیے کوئی اور جواب دے دیا)، تو اس نے دوسری مرتبہ اپنا سوال دوہرایا، آپ ﷺ نے اس بار بھی وہی جواب دیا جو پہلی مرتبہ دیا تھا، تب اس شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے آپ ﷺ سے عمل کے بارے میں دریافت کیا، لیکن آپ مجھے علم کے بارے میں ارشاد فرمارہے ہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! بیشک علم تجھے اعمال کے کم زیادہ ہونے باوجود بھی نفع دے گا اور جہالت تجھے اعمال کی کمی وزیادتی کے باوجود نفع نہیں دے گی۔

اس حدیث کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متذکرہ سند کے ایراد میں خطیب بغدادی متفرد ہیں، البتہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دیگر ائمہ کے یہاں اس کا شاہد موجود ہے، چنانچہ امام ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف حکیم ترمذی، متوفی ۳۲۰ھ نے "نوادر الأصول في أحاديث الرسول" اورامام ابن عبدالبر نے "جامع بيان العلم وفضله" میں اسے سند متصل کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة ، (١٤/ ١١٣٣ ، الرقم ٧٠٣١)" میں اسے موضوع کہا ہے، ان کے پیش نظر حکیم ترمذی اور ابن عبدالبر کی اسناد تھیں، شاید خطیب بغدادی کے یہاں ان کی نگاہوں نے تعقب نہیں کیا، ورنہ اسے بھی شامل کر لیتے۔ بہر حال اس مقام پر موصوف نے سیوطی اور مناوی پر خوب نقد کی ہے کہ سیوطی نے "الزيادات على الموضوعات المسمّى ذيل اللآلي المصنوعة ، (١٨٠ ، الرقم ٢٠٥)" میں تو اسے موضوع کہا، لیکن پھر خود ہی "الجامع الصغير" میں لے آئے۔ نیز انھوں نے مناوی پر بھی تعجب کیا کہ وہ پہلے "فيض القدير ،(٢/ ٢٧)" میں زین الدین عراقی کے حوالے سے ضعیف کا حکم لائے، لیکن پھر خود اس کی تقویت کے لیے ابن عبدالبر کی جانب بھی اشارہ کیا۔

ہمارے نزدیک سیوطی کے ظاہری تضاد پر البانی کی گرفت اگرچہ بجا ہے، لیکن البانی تالیفاتِ سیوطی کے تقدم وتاخر سے غافل رہے، پس "اللآلي المصنوعة" ۸۷۵ھ میں پہلی بار تالیف ہوئی، اور پھر ۹۰۵ھ میں اس پر نظر ثانی کرتے ہوئے اضافہ جات شامل کیے گئے، جیسا کہ اسی کتاب کے مقدمے میں سیوطی نے خود وضاحت کی ہے۔

اور ”ذیل اللآلي المسمّی الزیادات علی الموضوعات“ کا حتمی سن تالیف تو معلوم نہیں، البتہ غالب گمان یہی ہے کہ اسے بھی ۹۰۵ھ کے قریب ہی تالیف کیا گیا ہو گا، اس بارے میں کچھ کلام ما قبل گزر چکا، وہاں ملاحظہ کریں۔ لیکن اس کے بر عکس ”الجامع الصغیر“ ۹۰۷ھ میں مکمل ہوئی، لہٰذا اس تقدم و تاخر کے پیش نظر آخری بیان ہی راجح قرار پائے گا۔ اور جب سیوطی نے ”الجامع الصغیر“ میں اسے درج کرتے ہوئے ”ضعیف“ کی رمز بیان کر دی، تو اُن کا یہی بیان زیادہ مؤکد ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں موضوع اَحادیث نہ لانے کا عزم کیا ہے۔

اور معذرت کے ساتھ سیوطی کے جس جرم پر البانی اتنے جلال میں ہیں، یہی کام تو انھوں نے خود بھی کر رکھا ہے، پھر سیوطی کو موردِ تنقید کیوں ٹھہرا رہے ہیں؟ پس البانی نے سیوطی کی اسی کتاب ”الجامع الصغیر“ پر تحکیم کے دوران ”ضعیف الجامع الصغیر وزیادته، (الصفحة ۱٤۱ ، الرقم ۹۹۷)“ میں حدیث بالا پر صرف ”ضعیف“ کا حکم لگایا، لیکن پھر اپنی کتاب ”سلسلة الأحاديث الضعيفة ، (۱٤/ ۱۱۳۳ ، الرقم ۷۰۳۱)“ میں ”موضوع“ کہہ ڈالا۔ اب اس پر خود البانی صاحب کو بھلا کیا کہا جائے؟

اسی طرح ان کا مناوی پر برہم ہونا بھی عبث ہی ہے، کیونکہ زین الدین عراقی سے انھوں نے صرف حکم نقل کیا، جو ان کی دیانت علمی کا غماز ہے، لیکن پھر انھیں یہی حدیث ابن عبد البر کے یہاں بھی دکھائی دی، لہٰذا ممکن ہے کہ اس سے انھوں نے گمان کیا کہ مصنّف سیوطی اگر جمعِ طُرق کے بارے میں مزید تفحص کرتے، تو شاید یہ حدیث ابن عبد البر کی طرح دیگر کتب میں بھی مل جاتی۔ اس میں بھلا مناوی نے کون سی قیامت ڈھا دی، جس پر انھیں ہدف تنقید بنایا جا رہا ہے؟ نیز البانی کا کہنا کہ مناوی سند میں مذکور متہم رُواۃ سے غافل رہے، یہ محض قیاس آرائی ہے، کیونکہ ابن عبد البر کی سند مؤمل بن عبد الرحمن ثقفی کے بعد سے بعینہ وہی ہے، جو حکیم ترمذی کی ہے، لہٰذا جب انھوں نے ایک کے بارے میں کلام کر دیا، تو دوسری پر خود ہی جرح ہو گئی۔ اس اَمر سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ مناوی دراصل دیگر اسانید سے اس کی صحت کے بارے میں اُمید رکھتے تھے کہ جس طرح ابن عبد البر کے یہاں یہ حدیث پائی جاتی ہے، اسی طرح دیگر ائمہ میں سے کسی اور نے بھی روایت کی ہو گی، شیخ مناوی کی اصل عبارت ملاحظہ کریں اور قارئین خود فیصلہ کر لیں:

فكان على المصنّف استيعاب مخرجيه إيماءً إلى تقويته ؛ فمنهم ابن عبد البر وغيره.

(۴۹) حدثنا أبو بكر محمد بن عمر بن مسلم القاضي بن الجعابي قال : حدثنا أبي قال : حدثنا عبد الله بن بشر، عن علي بن موسى الرضا قال : حدثنا موسى بن جعفر قال : حدثني جعفر بن محمد قال : حدثني محمد بن علي قال : حدثني أبي ، عن أبيه ، عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال : سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قال :

أنا أَبُو الْحُسَيْنِ زَيْدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ الْحُسَيْنِ الْعَلَوِيُّ الْمُحَمَّدِيُّ ، نا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى التَّمَّارُ ، بِالْبَصْرَةِ ، نا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَامِرٍ الطَّائِيُّ ، نا أَبِي ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الْحَسَنِ: عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي : مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي: جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي: مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي: عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي: عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

مَنْ أَفْتَى بِغَيْرِ عِلْمٍ ، لَعَنَتْهُ مَلاَئِكَةُ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ.[۷۷]

ترجمہ: جو بغیر علم کے فتویٰ دے، فرشتے اُس پر لعنت کرتے ہیں۔

حدیث بالا کو امام ابو القاسم عبد الرحمن بن عمر بن نصر سامری دمشقی المعروف ابن نصر بزّاز، متوفی ۴۱۰ھ نے "فوائد ابن نصر عن مشایخہ" **میں متذکرہ سند سے روایت کیا ہے، یہ سند عمدہ ہے، جبکہ اسی روایت کو امام خطیب بغدادی نے** "الفقیہ والمتفقہ، (۲/ ۳۲۷)" **اور امام ابن عساکر نے** "معجم الشیوخ، (الصفحۃ ۵٤۷)" **میں بطریق ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بن عامر طائی درج کیا ہے، خطیب نے روایت کے بعد کوئی جرح نہیں کی، البتہ ابن عساکر نے ابو القاسم کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن ابن عساکر نے** "تاریخ دمشق الکبیر، (۵۲/ ۲۰)" **اس کی دوسری سند بیان کی ہے، جس میں ابو القاسم سرے سے موجود ہی نہیں، یہ سند ابو بکر محمد بن عمر جعابی سے واسطہ عبد اللہ ہو کر سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتی ہے اور یہ متن بالا میں درج امام ابن نصر کی سند سے مشابہ ہے، جس میں راوی عبد اللہ بن بشر مذکور ہیں۔**

۷۷۔ **فوائد ابن نصر عن مشايخه** ، للإمام أبي القاسم ابن نصر السامري البزاز ، الصفحة ۹۲ ، الرقم ۸۸ ، مكتبة دار النصيحة ، الطبعة الأولى ، واللفظ له . **الفقيه والمتفقه** ، للخطيب البغدادي ، باب ما جاء من الوعيد لمن افتى ..الخ ، ۲/ ۳۲۷ ، الرقم ۱۰٤۳ ، دار ابن الجوزي . **تاريخ دمشق الكبير** ، لابن عساكر ، ۵۲/ ۲۰ ، الرقم ۱۰۹۱٤ ، دار الفكر بيروت . **معجم الشيوخ** ، لابن عساكر ، الصفحة ۵٤۷ ، الرقم ٦۷٦ ، دار البشائر دمشق . **الجامع الصغير** ، للسيوطي ، الصفحة ۵۱۷ ، الرقم ۸٤۹۱ ، دار الكتب العلمية .

امام سیوطی نے "الجامع الصغیر" میں درج کرنے کے بعد "حسن" کہاہے اور ہمارا گمان یہ ہے کہ ان کے پیش نظر تاریخ دمشق کی سند ہوگی، کیونکہ معجم الشیوخ میں وارد دوسری سند کو ابن عساکر خود ضعیف کہہ چکے ہیں، اسی لیے حافظ سیوطی نے تاریخ دمشق کی سند پر حسن کا حکم لگایاہوگا، واللہ اعلم۔ شیخ البانی نے "ضعیف الجامع الصغیر وزیاداته، (۷۸۷، الرقم ۵٤۵۹)" میں اسے "ضعیف" کہاہے۔ ہمارے نزدیک امام سیوطی کا بیان موزوں ہے۔

(۵۰) حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْأَسَدِيُّ الْحَافِظُ بِهَمْدَانَ ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحُسَيْنِ ، ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ ، ثنا مُوسَى بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ أَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ،

أَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ تَقُولُ: وَا أَبَتَاهُ مِنْ رَبِّهِ مَا أَدْنَاهُ ، وَا أَبَتَاهُ جِنَانُ الْخُلْدِ مَأْوَاهُ ، وَا أَبَتَاهُ رَبُّهُ يُكْرِمُهُ إِذَا أَتَاهُ ، وَا أَبَتَاهُ الرَّبُّ وَرُسُلُهُ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ حِينَ يَلْقَاهُ . فَلَمَّا مَاتَتْ فَاطِمَةُ ، قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ :

لِكُلِّ اجْتِمَاعٍ مِنْ خَلِيلَيْنِ فُرْقَةٌ   وَكُلُّ الَّذِي دُونَ الْفِرَاقِ قَلِيلُ
وَإِنَّ افْتِقَادِي وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ   دَلِيلٌ عَلَى أَنْ لَا يَدُومَ خَلِيلُ

ترجمہ: جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یوں کہا: اے بابا جان! جو اپنے ربّ عزوجل کے قرب میں چلے گئے۔ اے بابا جان! جنت الفردوس جن کا مسکن ہے، اے باباجان! آپ کا ربّ عزوجل اپنے پاس آنے پر آپ کو بزرگی بخشے، اے باباجان! جب آپ وہاں گئے تو ربّ عزوجل اور رسولوں (فرشتوں) علیہم السلام نے آپ پر سلام بھیجا ہوگا۔ پھر جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہوگیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے فرمایا:

"دو محبت کرنے والوں کے ملنے میں کچھ فاصلہ ہوتاہے اور ہر ایک کے طرف سے یہ فراق تھوڑا ہی ہوتاہے، بیشک میرا ایک کے بعد ایک محبوب کو کھودینا اس بات کی دلیل ہے کہ دوست زیادہ دیر جدائی برداشت نہیں کرسکتا" (اسی لیے پہلے

میرے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور پھر ان کی پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا جدائی کی
تاب نہ لاتے ہوئے تھوڑے سے عرصے میں ہی اُن سے جاملیں)۔ (۷۸)

امام حاکم نے "المستدرك" میں اسے بطریق موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے اور اس پر حافظ ذہبی نے کوئی جرح نہیں کی، اور یوں ہی امام عسقلانی نے "إتحاف المهرة" میں سند کے ساتھ ذکر کرنے کے باوجود کوئی تعرض نہیں، اس طرح ان کے نزدیک توثیق ہی راجح معلوم ہو رہی ہے۔ امام ابن عساکر نے اسے "تاريخ دمشق" میں دو مختلف اسناد سے روایت کیا ہے، جس میں سعید بن مسیّب اور عمرو بن علاء مذکور ہیں، جبکہ امام ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے "الثقات" میں نقل کیا ہے، حاکم کے علاوہ بقیہ روایات میں سیاق وسباق میں معمولی اختلاف ہے، البتہ متذکرہ بالا اشعار سب ہی نے نقل کیے ہیں، ان اشعار کی عالی سند امام زبیر بن بکار، متوفی ۲۵۶ھ کی "الأخبار الموفقيات" میں بھی بطریق مدائنی منقول ہے۔
چنانچہ ان شواہد ومتابع کی روشنی میں اس کی صحت آشکار ہے۔

(۵۱) قُلْت: وَيُؤَيِّدُ اخْتِيَارَ الشَّيْخِ قَدَّسَ الله رُوحَهُ مَا رَوَاهُ الْخَطِيبُ فِي كِتَابِ الْفَقِيهِ وَالْمُتَفَقِّهِ ، أَنْبَأَ الْأَزْهَرِيُّ ، أَنْبَأَ سُهَيْلُ بْنُ أَحْمَدَ ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَشْعَثُ الْكُوفِيُّ ، حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ- صَلَوَاتُ الله عَلَيْهِمْ - ثنا أُبَيٌّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيٍّ- عَلَيْهِ السَّلَامُ-

فِي رَجُلٍ حَلَفَ فَقَالَ: امْرَأَتُهُ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِنْ لَمْ يَطَأْهَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ نَهَارًا،
قَالَ: يُسَافِرُ ثُمَّ يُجَامِعُهَا نَهَارًا. (۷۹)

۷۸۔ **المستدرك** ، للحاكم ، كتاب معرفة الصحابة ، باب ذكر وفاة فاطمة ، ۳ / ۱۷۸ ، الرقم ۴۷۶۸ ، دار الكتب العلمية . **الأخبار الموفقيات** ، للإمام زبير بن بكار ، الصفحة ۱۶۹ ، الرقم ۱۰۶ ، عالم الكتب بيروت . **الثقات** ، للإمام ابن حبان ، ۹/ ۲۳٤ ، طبعة دائرة المعارف الهندية . **إتحاف المهرة** ، للعسقلاني ، ۱۱/ ۵۷۷ ، الرقم ۱٤۶۵٤ ، مكتبة فهد الوطنية . **تاريخ دمشق الكبير** ، للابن عساكر ، ۲۷/ ۳۹۵ ، رقم الترجمة ۳۲٤۶ –٤۲/ ۵۲۷ ، رقم الترجمة ٤۹۳۳ ، دار الفكر بيروت . **البداية والنهاية** ، للابن كثير ، ۱۱/ ۱۲۲ ، طبعة مركز هجر للبحوث مصر .

۷۹۔ **الفقيه والمتفقه** ، للخطيب البغدادي ، ۲/ ٤۱۱ ، الرقم ۱۱۸۳ ، دار ابن الجوزي ، الطبعة الاولى . **إعلام الموقّعين** ، للابن القيم الجوزية ، كتاب الطلاق ، باب الابرار من حلف بالطلاق ، ۵/ ٤۵۰ ، دار ابن الجوزي .

ترجمہ:(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا) ایک شخص جس نے یوں قسم اُٹھائی؛
اگر میں اپنی بیوی سے رمضان کے دن میں صحبت نہ کروں، تو اُسے تین طلاقیں،
آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ شخص سفر کرے اور اُس دوران دن میں صحبت کرلے
(چونکہ مسافر کو رمضان میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے لہٰذا سفر کرے اور دن میں روزہ نہ
رکھے، تب صحبت کرلے تو کوئی گناہ نہیں، اور طلاق بھی نہیں ہو گی)۔

اس روایت کو خطیب بغدادی نے "الفقیہ والمتفقہ" میں اور پھر ان کے حوالے سے ابن قیم جوزیہ نے "إعلام الموقعین عن ربّ العالمین ، (٥/ ٤٥٠)" میں ذکر کیا ہے اور دونوں حضرات نے اس کی سند پر ابن اشعث کی موجودگی کے باوجود کوئی نقد نہیں کی، لہٰذا ان کے نزدیک اس کی صحت واضح ہے اور ابن قیم کو اسے بطور خاص تائید میں بیان کرتے ہوئے تمسک کیا ہے، جس سے اس کی استنادی حیثیت عیاں ہو رہی ہے، لہٰذا ناقدین پہلے ابن قیم پر ایسے راوی کی روایت سے استناد و تمسک کرنے پر جرح کریں، اور پھر خطیب بغدادی کی جانب آئیں۔ ہمارے نزدیک ابن اشعث اگرچہ متکلم فیہ رُواۃ میں سے ہیں، لیکن جب ان کی مرویات مستند ائمہ کے یہاں بغیر جرح منقول ہوں، تو قابل اعتبار ہوں گی، واللہ اعلم۔

(٥٢) حدثنا أحمد بن عمر الجيزي قال : حدثنا محمد بن المظفر قال : حدثنا أحمد بن فارس قال : ثنا الحسين بن حميد العكي قال : حدثنا جعفر بن عمرو بن زياد الباهلي قال : حدثنا موسى بن جعفر بن محمد ، عن أبيه عن آبائه رضي الله عنهم ، في قوله؛ [مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ]، قال :

{مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ}: أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ رضي الله عنه ، {أَشِدَّاءُ عَلَى الكُفَّارِ }: عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ ، {رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ}: عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ ، {تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً }: عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، {سِيْمَاهُمْ فِي وُجُوْهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ }: عَبْدُ الرَّحْمنُ بْنُ عَوْفٍ وَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ . {ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الإِنْجِيْلِ}، إِلَى آخِرِ السُّوْرَةِ (الفتح ٤٨، الآية٢٩) .[(٨٠)]

٨٠۔ **المكتفى في الوقف والابتدا في كتاب الله عزّوجلّ** ، للامام ابي عمرو الداني ، سورة الفتح ، الصفحة ٥٣١-٥٣٠ ، مؤسسة الرسالة بيروت. **تفسير الدر المنثور** ، للإمام السيوطي ، ١٣/ ٥٢٤ ، مركز هجر للبحوث والداسات مصر . **التدوين في أخبار**

ترجمہ: آیت میں "محمد اللہ کے رسول ہیں، اوران کے ساتھ والے" سے مراد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، "کافروں پر سخت ہیں" سے مراد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، "اور آپس میں نرم دل" سے مراد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، "تو انھیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے" سے مراد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، "ان کی علامت اُن کے چہروں میں ہے؛ سجدوں کے نشان سے" مراد عبد الرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما ہیں، "یہ ان کی صفت توریت میں ہے اوران کی صفت انجیل میں"۔ یوں ہی اختتام سورتِ (فتح) تک۔

امام عثمان بن سعید ابو عمرو الدانی، متوفی ۴۴۴ھ نے "المكتفى في الوقف والابتدا في كتاب الله عزَّ وجلَّ" میں حدیث بالا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متذکرہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے، یہ علم قراءت، اور حدیث کے معتبر امام ہوئے ہیں، حافظ ذہبی نے "سير أعلام النبلاء، (١٨/ ٧٧، الرقم ٣٦)" میں ان کی مدح وتوثیق بیان کی ہے، الغرض ان کی وارد کردہ سند "صحیح" ہے اوراس کے متعدد شواہد بھی مروی ہیں۔

اسے شیخ سیوطی نے "الدر المنثور، (١٣/ ٥٢٤)" میں امام ابن مردویہ، قاضی احمد بن محمد زہری (زبیری، کذا فی التدوین) کی "فضائل الخلفاء الأربعة" اور امام شیرازی کی "الألقاب" کے حوالے سے سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، نیز اسی طرح امام عبد الکریم رافعی کی "التدوين في أخبار قزوين، (٢/ ٤٦١)" میں بھی سند متصل کے ساتھ منقول ہے، جبکہ امام محی السنہ ابن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ نے "معالم التنزيل المعروف تفسير البغوي، (٧/ ٣٢٥)" اور شیخ ابو حفص عمر ابن عادل دمشقی حنبلی، متوفی ۸۸۰ھ نے "اللباب في علوم الكتاب، (١٧/ ٥١٧)" میں مبارک بن فضالہ کی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ذکر کی ہے۔

قزوين، للإمام الرافعي، ٢/ ٤٦٢-٤٦١، دار الكتب العلمية . **تفسير البغوي**، ٧/ ٣٢٥، دار طيبة الرياض . **اللباب في علوم الكتاب**، للشيخ ابن عادل الحنبلي، ١٧/ ٥١٧، دار الكتب العلمية .

(۵۳) ذَكَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي حَاتِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الله مَوْلَى الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ ، عَنْ أَخِيهِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ :

سُئِلَ أَبِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْقُرْآنِ خَالِقٌ هُوَ أَوْ مَخْلُوقٌ؟ فَقَالَ: لَوْ كَانَ خَالِقًا لَعُبِدَ ، وَلَوْ كَانَ مَخْلُوقًا لَنَفِدَ . (۸۱)

ترجمہ: میں نے اپنے والد جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ سے قرآن کے خالق یا مخلوق ہونے کے بارے میں سوال کیا؟ تو آپ نے فرمایا: اگر وہ خالق ہوتا، تو اس کی عبادت کی جاتی اور اگر مخلوق ہوتا تو فنا ہو جاتا۔

(۵۴) أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ الله بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَلِيٍّ الْمُقْرِئُ ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الله بْنِ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ الْمَرْوَزِيُّ ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَرْوَزِيُّ ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ:

سَيَأْتِي قَوْمٌ يُجَادِلُونَكُمْ فَخُذُوهُمْ بِالسُّنَنِ ؛ فَإِنَّ أَصْحَابَ السُّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ الله . (۸۲)

ترجمہ: عنقریب ایک قوم آئے گی؛ جو تم سے جھگڑے گی، تو تم انھیں سنتوں سے گرفت کرنا، پس بیشک سنت سے تمسک کرنے والے قرآن کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

حدیث بالا کو متذکرہ سند کے ساتھ امام ابو القاسم ھبۃ اللہ لالکائی رازی، متوفی ۴۱۸ھ نے "شرح أصول اعتقاد أهل السنة" **اور امام ابو القاسم اسماعیل المعروف قوام السنہ اصبہانی، متوفی ۵۳۵ھ نے** "الحجة في بيان المحجة" **میں ذکر**

۸۱۔ **شرح أصول إعتقاد أهل السنة** ، للامام هبة الله اللالكائي ، باب ما روى عن اتباع التابعين من الطبقة الاولى ، ۱ / ۲۴۳ ، الرقم ۴۰۳ ، دار طيبة السعودية. **منهاج السنة** ، للشيخ ابن تيمية الحنبلي ، ۲/ ۲۵۴، جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية ، الطبعة الاولى .

۸۲۔ **شرح أصول إعتقاد أهل السنة** ، للإمام اللاكائي ، ۱/ ۱۲۳ ، الرقم ۲۰۳ ، دار الراية ، واللفظ له . **الحجة في بيان المحجة** ، للامام قوام السنة الاصبهاني ، فصل في النهي عن مناظرة اهل البدع ..الخ ، ۱/ ۳۱۳ ، دار طيبة الرياض ، الطبعة الثانية .

کیا ہے، نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ اس کے شواہد خطیب بغدادی نے "الفقیه والمتفقه ، (۱/ ۵۵۹ ، الرقم ۶۰۸)" اور ابن عبد البر کی "جامع بیان العلم وفضله ، (الصفحة ۱۰۱۰ ، الرقم ۱۹۲۷)" میں موجود ہیں۔ مؤخر الذکر کا متن یوں ہے:

سَيَأْتِي قَوْمٌ يُجَادِلُونَكُمْ بِشُبُهَاتِ الْقُرْآنِ فَخُذُوهُمْ بِالسُّنَنِ ؛ فَإِنَّ أَصْحَابَ السُّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ .

(۵۵) أخبرنا شيخنا الإمام المحدث جمال الدين يوسف بن محمد البغدادي فيما شافهني به ، أنا أبو هاشم محمد بن محمد بن الكوفي ، أنا عيسى بن محمد ابن أبي الفتوح بن السدار الهاشمي ، أنا الشيخ أبو منصور محمد بن علي بن عبد الصمد الخياط ، أنا الإمام الحافظ أبو محمد عبد العزيز بن محمود بن المبارك بن الأخضر ، أنا أبو الفضل محمد بن ناصر بن محمد السلامي الحافظ ، أنا أبو منصور عبد المحسن بن محمد بن علي بن أحمد القزاز ، أنا أبو محمد الحسن بن محمد بن الحسن الخلال الحافظ ، سمعت محمد بن أحمد بن رزق ، سمعت أحمد بن نصر بن محمد بن أشكاب البخاري ، سمعت مسلم بن صالح ، سمعت الرضى علي بن موسى ، يقول : سمعت موسى بن جعفر ، يقول : سمعت جعفر بن محمد يقول : سمعت محمد بن علي يقول : سمعت علي بن الحسين يقول : سمعت الحسين بن علي يقول : سمعت عليا رضي الله عنه يقول:

عَجِبْتُ مِمَن يَحْفَظُ الْقُرْآنَ كَيْفَ لَا يَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ بِالْغَدَاةِ كُلِّ يَوْمٍ لِيَحْفَظَهُ الله :{ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ . فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ الله وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ .(آل عمران ۳:۱۷۳/ ۱۷۴)}. وَقَوْلُهُ عَزَّوَجَلَّ: {وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى الله ، إِنَّ اللهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ .(الغافر: ۴۰/ ۴۴)} . وَقَوْلُهُ : {مَّا يَفْتَحِ اللهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ . (الفاطر۳۵/ ۲)}. [۸۳]

ترجمہ: مجھے اُن پر لوگوں پر حیرت ہے جو قرآن حفظ کرنے کے بعد ہر صبح ان تین آیات کو تلاوت نہیں کرتے، تاکہ اللہ عزوجل ان کی حفاظت فرمائے:"اور

۸۳۔ **مناقب الأسد الغالب علي بن أبي طالب** ، للامام شمس الدين الجزري ، الصفحة ۵۷-۵۶ ، الرقم ۶۰ ، مكتبة القرآن القاهرة .

بولے اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز، تو پلٹے اللہ کے احسان اور فضل سے
اورانھیں کوئی بُرائی نہ پہنچی"، اور فرمان باری تعالی عَزَّوَجَلَّ: "اور میں اپنا کام اللہ کو
سونپتاہوں" اور فرمان باری تعالی عَزَّوَجَلَّ: "اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھولے"۔

یہ حدیث صرف امام شمس الدین محمد بن جزری، متوفی ۸۳۳ھ کی "مناقب الأسد الغالب علي بن أبي طالب" میں موصوف کی سند متصل کے ساتھ میسّر آئی، اس کے علاوہ مصادر وکتب میں معلوم نہیں ہو سکی۔

(۵٦) أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ الْأَزْهَرِيُّ، قَالَ: أَنْبَأَ سَهْلُ بْنُ أَحْمَدَ الدِّيبَاجِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَشْعَثِ الْكُوفِيُّ، بِمِصْرَ، ثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَلِيًّا، كَانَ يَقُولُ:

اعْمَلْ كُلَّ يَوْمٍ بِمَا فِيهِ تَرْشُدْ . [۸۴]

ترجمہ: اپنے ہر دن کے لمحات کام میں لاؤ، کامیاب ہو جاؤ گے۔

یہ اور متصل بعد والی دونوں احادیث صرف امام خطیب بغدادی کے یہاں معلوم ہو سکیں، ان کے علاوہ مصادر میں سراغ نہیں ملا، اور خطیب بغدادی نے انھیں وارد کرنے کے بعد کوئی نقد وجرح نہیں کی، اس لیے ان کی نقل کی بنیاد پر اسے یہاں درج کیا جارہاہے۔

(۵۷) أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عُثْمَانَ الصَّيْرَفِيُّ، قَالَ: أَنَا سَهْلُ بْنُ أَحْمَدَ الدِّيبَاجِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَشْعَثِ الْكُوفِيُّ، بِمِصْرَ، ثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ:

الزَّاهِدُ عِنْدَنَا مَنْ عَلِمَ فَعَمِلَ، وَمَنْ أَيْقَنَ فَحَذِرَ، فَإِنْ أَمْسَى عَلَى عُسْرٍ حَمِدَ اللهَ، وَإِنْ أَصْبَحَ عَلَى يُسْرٍ شَكَرَ اللهَ، فَهَذَا هُوَ الزَّاهِدُ . [۸۵]

۸۴- **إقتضاء العلم العمل** ، للخطيب البغدادي ، الصفحة ۱۰۹ ، الرقم ۱۸۹ ، المكتب الاسلامي .

۸۵- **إقتضاء العلم العمل** ، للخطيب البغدادي ، الصفحة ٤٥ ، الرقم ٦٣، المكتب الاسلامي .

ترجمہ: ہمارے نزدیک زاہد وہ ہے جو علم حاصل کرے تو اُس پر عمل کرے، جسے یقین ہو پھر بھی ڈرتا رہے، پس اگر شام تنگی کی حالت میں ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد کرے اور اگر صبح خوشحالی کی حالت میں ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرے، پس حقیقت میں یہی ''زاہد'' ہے۔

(٥٨) أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بن عمر بن مُحَمَّد بن إِسْمَاعِيلَ الدَّاوُدِيُّ ، أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عُثْمَانَ الْوَاعِظُ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الله بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَغَوِيُّ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَبْدِ الله (جعفر الصادق) ، عَنْ عون ابْن مُحَمَّد بْن عَلِيّ بْن أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ الله عَنْهُ ، عَنْ أُمِّهِ أُمِّ جَعْفَرٍ ابْنَةِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ الله عَنْهُ ، عَنْ أَسْمَاءَ ابْنَةِ عُمَيْسٍ :

أَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ الله عَنْهَا بِنْت رَسُول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَـمَّا حَضَرَتْهَا الْوَفَاةُ قَالَتْ : يَا أَمَةُ ! إِنِّي لأَسْتَحِيي مِمَّا يُصْنَعُ بِالنِّسَاءِ ، فَقَالَتْ لَهَا : إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ بِأَرْضِ الحَبَشَةِ شَيْئًا ، يُصْنَعُ عَلَى النِّسَاءِ فَأَمَرْتُهَا أَنْ تَصْنَعَهُ عَلَيْهَا وَلَا يَلِي غُسْلَهَا إِلَّا هِيَ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ الله عَنْهُمَا ، قَالَتْ أَسْمَاءُ: فَعَمِلْتُ نَعْشًا وَغَسَّلْتُهَا عَلَيْهِ أَنَا وَعَلِيٌّ .(٨٦)

ترجمہ: جب فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا، تو انھوں نے (اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے) کہا: اے باندی! وفات کے بعد عورتوں کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے، مجھے اُس سے حیا آتی ہے (یعنی جنازہ اعلانیہ باہر آتا ہے)۔ انھوں نے عرض کی: میں نے حبشہ کی سرزمین پر دیکھا تھا کہ وہ عورتوں کے لیے ایک چیز بناتے تھے (حبشہ والے عورتوں کے جنازے کی ڈولی پر کجاوے کی مثل چادر ڈال کر ڈھک دیتے تھے)، پس آپ نے فرمایا: اسے میرے لیے بنا دینا اور میرے غسل میں تمہارے اور علی بن ابو طالب کے علاوہ کوئی شریک نہ ہو۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا

٨٦۔ الموضّح لاوهام الجمع والتفريق ، باب الميم ، ذكر موسى بن جعفر ، ٢/ ٤٠٣.

کہتی ہیں: پھر میں نے آپ کے جنازے کے لیے وہی چیز تیار کی، نیز میں نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی آپ کو غسل دیا۔

یہ روایت بیشتر ائمہ کے یہاں دیگر رُواۃ سے مروی ہے، لیکن شیخ خطیب بغدادی نے اسے محولہ کتاب میں امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کے عنوان میں لاتے ہوئے تعیین کر دی ہے کہ ابن ابی فدیک نے امام کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، لہٰذا اسی بنیاد پر ہم نے بھی ان کا ذکر تلامذہ میں درج کرتے ہوئے یہاں روایت کو درج کیا ہے۔ اس بارے میں کچھ تفصیل سابقاً ذکر ہو چکی، قارئین اس کی جانب مراجعت کریں۔

(٥٩) حدثنا أحمد بن محمد بن سعيد ، ثنا محمد بن المفضل بن إبراهيم الأشعري ، ثنا إسماعيل بن همام ، حدثني علي بن موسى الرضا ، عن أبيه ، عن جده ، عن آبائه ، أن النبي صلى الله عليه وسلم :

« فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى مِمَّنْ تَمُونُونَ ». (٨٧)

ترجمہ: صدقہ فطر چھوٹے، بڑے، مرد اور عورت؛ جن کی تم کفالت کرتے ہو، پر فرض (لازم) کیا گیا ہے۔

اس حدیث کو امام دار قطنی نے سیّدنا علی رضا رضی اللہ عنہ کے طریق سے واضح طور پر باب الاحکام میں ذکر کیا، جس میں بالخصوص تساہل نہیں برتا جاتا، تو یوں سیّدنا رضا رضی اللہ عنہ پر جرح کے نشتر چلانے والوں کو اسے بھی ذہن میں حاضر رکھنا چاہیے۔ نیز سند میں ہمارا مقصود تو صرف سیّدنا رضا ہیں، لیکن ان سے روایت کرنے والا اسماعیل بن ہمام ناقدین کے لیے مزید دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے کہ ایسے راوی پر یا تو ائمہ کی جرح محل نظر ہے، یا پھر دار قطنی ایسے باریک بیں ناقد و محدث کا تمسک جائے مقال ہے۔ روایت بالا کے سند و متن کی تائید بیہقی کی "السنن الكبرى ، ٤/ ٢٧٢ ، الرقم٧٦٨٢-٧٦٨٣ " سے بھی ہوتی ہے، جہاں سیّدنا رضا کے علاوہ امام صادق رضی اللہ عنہ سے بطریق آخر بھی سند کو متن کے معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا گیا، لہٰذا روایت اَحکام کے باب میں وارد کیے جانے سے التزاماً اور دو کبار محدثین کے تمسک کرنے سے درایۃً قابل اعتبار ٹھہرتی ہے، البتہ دونوں مقامات پر روایت مرسل ہے، لیکن اس کا اتصال دیگر قوی شواہد کی صورت میں موجود ہے۔

٨٧- **السنن** ، للدارقطني ، كتاب زكاة الفطر ، ٣/ ٦٦، الرقم ٢٠٧٧ ، مؤسسة الرسالة . ودار المعرفة ، ٢/ ٣٣٠ ، الرقم ٢٠٥٢.

اختتام تالیف

مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد کتاب اختتام کو پہنچی۔ اس کی تالیف کا آغاز ۲۰۱۴ء کے اَواخر میں ہوا اور پہلی کاوش ''تذکرۂ امام علی رِضا'' شائع ہوئی، پھر ۲۰۱۷ء میں ''امام موسی کاظم'' منصۂ شہود پر آئی، اور اَب ۲۱۰۹ء کے آغاز سے تصحیح و نظر ثانی اور علمی اضافہ جات کے ساتھ صورتِ ہذا پیش کی جارہی ہے۔ اتنے سالوں میں مواد کا انتشار اور جمع و تالیف میں سقم کارُو نما ہونا لازمی اَمر ہے، تاہم بشری تقاضوں کے مطابق حتی الوسع احتیاط برتی گئی ہے، پھر بھی ناصحانہ آراء و تجاویز کا خیر مقدم رہے گا۔ اللہ تعالی جَلَّ جَلَالَہٗ اسے محض اپنے کرم سے قبول فرمائے اور کوتاہیوں سے دَرگزر کرتے ہوئے آلِ رسول پر لکھے گئے محاسن و تذکار سے مستفید ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ نیز خلوصِ نیت عطا فرماتے ہوئے اسے بروزِ حشر میرے اور میرے والدین گرامی، بلکہ جملہ اُمت مسلمہ کے حسنات میں شامل فرمائے، آمین۔

کہ بقولِ مولانا احمد رضا خان محدثِ حنفی:

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش، حصہ دوم، صفحہ ۳۱۶، مکتبہ المدینہ کراچی، سن ۲۰۱۲ء)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ . (سورة البقرة ، ۲/ ۱۲۷) .

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لله رَبِّ الْعَالَمِينَ . (سورة يونس ، ۱۰/ ۱۰) . أَقُوْلُ قَوْلِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ الله لي وَلِلْمُؤمِنِيْنَ وَالمُؤمِنَات. آمين .

مآخذ و مراجع

(Bibliography)

عربی کتب و تالیفات

القُرآن الـمجيد والفُرقان الـحميد ، كلام ربّ السموات والأرض تبارك وتعالى . ترجمة القرآن الكريم المسمَّى كَنْز الإيمان ، للشيخ أحمد رضا خان الحنفي ، المتوفى ١٣٤٠هـ ، طبعة مكتبة المدينة كراتشي . وترجمة القرآن ، للعلامة محمد كرم شاه الأزهري ، المتوفى ١٩٩٨ء ، طبع مع تفسيره من مكتبة ضياء القرآن پبلي كيشنز لاهور .

الإبانة عن أصول الدِّيانة ، للإمام أبي الحسن الأشعري ، المتوفى ٣٢٤هـ ، دار الأنصار مصر ، الطبعة الأولى ، ١٣٩٧هـ/ ١٩٧٧ء .

الإبانة عن شريعة الفِرقَة النَّاجية ومُجانبة الفِرَق الـمَذْمُومة المعروف الإبانة الكبرى ، للإمام أبي عبد الله عبيدالله بن محمد بن بَطَّة العكبري الحنبلي ، المتوفى ٣٨٧هـ ، دار الراية الرياض ، الطبعة الأولى ٢٠٠٥ء – ١٤٢٦هـ .

إتحاف الخيرة الْـمَهْرَة بزوائد الـمَسَانيد العَشرة ، للإمام شهاب الدين أحمد البُوصَيري ، المتوفى ٨٤٠هـ ، دار الوطن الرياض ، الطبعة الأولى .

إتحاف الْـمَهْرَة بالفوائد الـمُبْتكرة من أطراف العَشرة ، للإمام أحمد بن علي ابن حجر العَسقلاني،المتوفى ٨٥٢هـ .

آثارُ البِلاد وأخبارُ العِباد ، للشيخ زكريا بن محمد بن محمود القزويني ، المتوفى ٦٨٢هـ ، دار صادر بيروت .

الآثار الـمَرْوِيَّة في الأَطعمة السَّرِيَّة والآلات العِطريَّة ، للإمام أبي القاسم خلف بن عبد الملك المعروف إبن بشكوال ، المتوفى ٥٧٨هـ ، مكتبة أضواء السلف الرياض ، الطبعة الأولى ٢٠٠٤ء .

الأحاديث الـمُخْتَارة ، أو الْـمُسْتَخْرَج من الأحاديث الـمُخْتَارة مِمَّا لَـمْ يُخَرِّجه البخاري ومسلم في صَحِيْحَيْهِمَا ، للإمام ضياء الدين محمد المقدسي الحنبلي ، المتوفى ٦٤٣هـ ، دار خضر بيروت ، الطبعة الرابعة ، ١٤٢١هـ/ ٢٠٠١ء.

الإحسان في تقريب صحيح ابن حِبَّان ، للشيخ علاء الدين علي بن بَلْبَان الفارسي ، المتوفى ٧٣٩هـ ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٨هـ/ ١٩٨٨ء.

أخبار الدُّول وآثار الأُول في التاريخ ، للشيخ أحمد بن يوسف القِرماني ، المتوفى ١٠١٩هـ ، عالم الكتب بيروت ، الطبعة الأولى١٤١٢هـ/ ١٩٩٢ء.

أخبار القُضَاة ، للإمام محمد بن خلف بن حيان المعروف بالوكيع ، المتوفى ٣٠٦هـ ، عالم الكتب بيروت .

الأخبارُ الْـمُوَفَّقِيَّات ، للإمام زبير بن بَكَّار القرشي الـمَكِّي ، المتوفى ٢٥٦هـ ، عالم الكتب بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٤١٦هـ/ ١٩٩٦ء .

الأَخوان ، للإمام أبي بكر عبد الله القرشي المعروف بابن أبي الدنيا ، المتوفى ٢٨١ هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٨٨ء.

الآداب الشَّرْعيَّة والْـمِنَح الْـمَرْعِيَّة ، للشيخ محمد بن مفلح الـمقدسي الراميني الحنبلي ، المتوفى ٧٦٣هـ ، عالم الكتب بيروت .

أدب الدِّين والدُّنيا ، ، للإمام القاضي أبي الحسن علي بن محمد الـمَاوَرْدِي ، المتوفى ٤٥٠هـ ، دار المنهاج ، الطبعة الأولى ، ١٤٣٤هـ/ ٢٠١٣ء.

الأربعين حديثاً ، للإمام صدر الدين أبي علي الحسن بن محمد البكري ، المتوفى ٦٥٦هـ ، دار الغرب الإسلامي ، الطبعة الثانية ١٠٨٣ء .

إستِجْلَاب اِرتقاءِ الغُرَف بِحُبِّ أقرباءِ الرَّسول وذَوي الشَّرَف ، للشيخ محمد بن عبد الرحمن السخاوي ، المتوفى ٩٠٢هـ ، دار البشائر الإسلامية بيروت .

الإسْتِذكار ، للإمام أبي عمرو يوسف ابن عبد البر الأندلسي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، دار الوعي بالقاهرة ودار قتيبة دمشق . الطبعة الأولى ، ١٤١٤هـ/ ١٩٩٣ء.

الإشارات إلى معرفة الزِّيارات ، للشيخ أبي الحسن علي بن أبي بكر الهروي ، المتوفى ٦١١هـ ، مكتبة الثقافة الدينية بالقاهرة ، الطبعة الأولى م ١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٢ء .

الإصابة في تمييز الصّحابة ، للإمام ابن حجر العسقلاني الشافعي ، المتوفى ٨٥٢هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤١٥هـ/ ١٩٩٥ء . ومركز هجر للبحوث والدراسات ، القاهرة ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨ء .

أَطراف الغَرائب والأَفراد للدَّارقُطْنِي ، للشيخ أبي الفضل محمد بن طاهر بن علي المقدسي المعروف ابن القيسراني ، المتوفى ٥٠٧هـ ، بتحقيق الشيخ جابر بن عبد الله السريِّع ، طبعة مصر ، السنة ١٤٢٨هـ .

الإعتقاد والـهداية إلى سبيل الرَّشاد ، للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين البَيْهَقِي ، المتوفى ٤٥٨هـ ، دار الفضيلة الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٠هـ/ ١٩٩٩ء.

الأعلام ، للشيخ خير الدين الزركلي ، التوفى ١٣٩٦هـ ، دار العلم للملايين بيروت ، الطبعة الخامسة عشر .

إعلام الْـمُوَقِّعِين عَن ربِّ العالمين ، للشيخ أبي عبد الله محمد المعروف بابن القيم الجوزية ، المتوفى ٧٥١هـ ، دار ابن الجوزي الرياض ، الطبعة الأولى ١٤٢٣ هـ .

الإِعْلَام بِحُكْمِ عيسى عليه السَّلام ، للإمام جلال الدين السيوطي الشافعي ، المتوفى ٩١١هـ ، دار ابن خلدون ، إسكندرية ، مصر .

الأَغَاني ، للشيخ أبي الفرج علي بن الحسين الأصفهاني ، المتوفى ٣٥٦هـ ، دار صادر بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨ء ، وطبعة قديمة من الهيئة المصرية العامة .

إقتضاءُ العِلْم العَمَل ، للإمام الحافظ أبي بكر أحمد الخطيب البغدادي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، المكتب الإسلامي بيروت ، الطبعة الخامسة ١٩٨٤ء .

الإكمال في رَفْع الإرتِيَاب عن الـمُؤتَلِف والـمُخْتَلِف في الأسماء والكُنَى والأنساب ، للإمام الأمير ابن ماكولا ، المتوفى ٤٧٥هـ ، دار الكتاب الإسلامي ، القاهرة ، الطبعة الثانية ١٩٩٣ء .

إكمال تَهذِيْب الكمال في أسماء الرِّجال ، للإمام علاء الدين مُغْلَطَائي الحنفي ، المتوفى ٧٦٢ هـ ، الفاروق الحديثية للطباعة ، القاهرة ، الطبعة الأولى ١٤٢٢ هـ .

اِلتِماس السَّعد في الوفاء بالوَعد ، للشيخ محمد بن عبد الرحمن السخاوي ، المتوفى ٩٠٢هـ ، مكتبة العبيكان الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤١٧هـ/ ١٩٩٧ء .

إمتَاع الأَسْمَاع بما لِلنَّبِيِّ من الأَحوال والأَموال والحَفَدة والـمَتَاع ، للشيخ تقي الدين أحمد الـمَقْريزي ، المتوفى ٨٤٥هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٠هـ/ ١٩٩٩ء .

أمثال الحديث ، للإمام أبي محمد الحسن الرامَهُرْمُزِي ، المتوفى ٣٦٠هـ ، الدار السلفية ، بومبائي ، الهند ، الطبعة الأولى ١٤٠٤ هـ . ومؤسسة الكتب الثقافية بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٩هـ/ ١٩٨٨ء .

الأمثال والحِكَم ، ، للإمام القاضي أبي الحسن علي بن محمد المَاوَردي ، المتوفى ٤٥٠هـ ، دار الوطن الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٠هـ/ ١٩٩٩ء .

الأنباه على قبائل الرَّواة ، للإمام أبي عمر يوسف بن عبد الله ابن عبد البر القُرطبي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، دار الكتاب العربي بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٥هـ/ ١٩٨٥ء .

الأنساب ، للإمام أبي سعد عبد الكريم السَّمْعَاني ، المتوفى ٥٦٢هـ ، مكتبة ابن تيمية القاهرة ، الطبعة الثانية .

أنساب الطَّالِبِيِّنَ والعَلوِيِّنَ القادِمينَ لِلمَغْرب ونُبذة من أخبارهم ، للشيخ عبد الرحمن بن ماجد الرفاعي الحسيني الزَّرعيني ، طبعة وزارة الثقافة جمهورية مصر العربية.

الإنصاف في مسائل الخِلاف بين النَّحوِيين ، للشيخ أبي البركات كمال الدين الأنباري ، المتوفى ٥٧٧هـ ، المكتبة العصرية ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٤هـ/ ٢٠٠٣ء .

بَحْرُ الفَوائد ، للإمام أبي بكر محمد الكلاباذي البخاري ، المتوفى ٣٨٠هـ ، دار السلام القاهرة ، الطبعة الأولى ٢٠٠٨ء.

البِداية والنِّهاية ، للإمام عماد الدين إسماعيل إبن كثير الدمشقي ، المتوفى ٧٧٤ هـ ، مركز البحوث والدراسات العربية والإسلامية بدار هجر مصر ، الطبعة الأولى١٩٩٧ء . وطبعة خاصة بوزراة الأوقاف دولة قطر، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥ء.

بَرنَامج التَّجِيْبي السَّبتي ، للشيخ القاسم بن يوسف التجيبي السبتي ، المتوفى ٧٣٠هـ ، الدار العربية للكتاب ، ليبيا ، تونس ، الطبعة ١٩٨١ء .

البَصَائر و الذَّخائر ، للشيخ أبي حيان التوحيدي ، المتوفى ٤١٤هـ ، دار صادر بيروت ، الطبعة الأولى .

بُغْية الباحِث عن زوائد مسند الحارث ، للإمام نور الدين علي الهيثمي الشافعي ، المتوفى ٨٠٧هـ ، الطبعة الأولى ، طبعة الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة ، ١٤١٣هـ/ ١٩٩٢ء .

بُغْية الطلب في تاريخ حَلب ، للإمام كمال الدين عمر المعروف ابن العَديم ، المتوفى ٦٦٠هـ ، دار الفكر بيروت

البُلدان ، للشيخ أحمد بن أبي يعقوب المعروف ابن واضِح الأخباري ، المتوفى٢٨٤هـ ، دار الكتب العلمية.

بَهْجَة الـمَجالس وأنس الـمجالس ، للإمام أبي عمر يوسف بن عبد الله ابن عبد البر القُرطبي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، دار الكتب العلمية بيروت .

تاريخ الإسلام ووَفِيات الـمَشَاهير والأعلام ، للإمام شمس الدين محمد الذَّهبي ، المتوفى ٧٤٨هـ ، دار الكتاب العربي بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٠ ء .

التاريخ الأوسط ، للإمام الحافظ أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري ، المتوفى ٢٥٦هـ ، دار الصميعي الرياض ، الطبعة الأولى ١٩٩٨ء .

تاريخ التُّراث العربي ، للدكتور فواد سزكين ، تعريب : محمود فهمي حجازي ، طبع جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية الرياض ، الطبعة ١٩٩١ء .

تاريخ الـخُلَفاء ، للإمام جلال الدين السيوطي الشافعي ، المتوفى ٩١١هـ ، طبعة وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية ، دولة قطر ، الطبعة الثانية ، ١٤٣٤هـ/ ٢٠١٣ء.

تاريخ الـخَميس في أحوال أَنفس نَفيس ، للشيخ حسين بن محمد الدياربكري ، مؤسسة شعبان بيروت .

التاريخ الكبير المعروف تاريخ ابن أبي خَيْثَمة ، للإمام أبي بكر أحمد بن أبي خيثمة ، المتوفى ٢٧٩هـ ، الفاروق الحديثية للطباعة والنشر ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٤هـ/ ٢٠٠٤ء . والسِّفر الثاني ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦ء .

تاريخ اليَعْقُوبي ، للشيخ أحمد بن أبي يعقوب المعروف ابن واضح الأخباري ، المتوفى ٢٩٢هـ ، المكتبة الحيدرية النجف ، الطبعة ١٣٨٤هـ/ ١٩٦٣ء.

تاريخ بُغْدَاد ، للإمام الحافظ أبي بكر أحمد الخطيب البغدادي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، دار الغرب الإسلامي بيروت ، الطبعة الأولى ٢٠٠١ ء.

تاريخ خليفة بن الـخياط ، للإمام أبي عمرو خليفة بن خياط العُصْفُري اللَيْثي، المتوفى ٢٤٠هـ ، دار طيبة الرياض ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٥هـ/ ١٩٨٥ء .

تاريخ مدينة دِمَشْق ، للإمام أبي القاسم علي المعروف ابن عساكر الشافعي ، المتوفى ٥٧١هـ ، دار الفكر بيروت ، الطبعة ١٤١٥هـ/ ١٩٩٥ء.

تالي تلخيص الْـمُتشابة ، للإمام الحافظ أبي بكر أحمد الخطيب البغدادي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، دار الصميعي الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤١٧هـ/ ١٩٩٧ء .

تأويل مختلف الحديث ، للإمام أبي محمد عبد الله بن مسلم بن قُتَيبة الدِّينَوري ، المتوفى ٢٧٦هـ ، المكتب الإسلامي بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٩ء .

التبصرة والتذكرة في علوم الحديث المعروف ألفية العراقي ، للإمام أبي الفضل عبد الرحيم العراقي الشافعي ، المتوفى ٨٠٦هـ ، مكتبة دار المنهاج الرياض ، الطبعة الثانية ، السنة ١٤٢٨هـ .

تَبيِين الإمتِنَان بالأمر بالإخْتِنَان ، للإمام أبي القاسم علي المعروف إبن عساكر ، المتوفى ٥٧١هـ ، دار الصحابة بطنطا ، الطبعة الأولى . ١٩٨٩ء .

تجارِبُ الأمَم وتعاقُبُ الْـهِمَم ، للشيخ أبي علي أحمد ابن مِسْكَوَيْه ، المتوفى ٤٢١هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٤هـ/ ٢٠٠٢ء ، وطبعة دار سروش للنشر تهران ، الطبعة الأولى ، ١٤٢١هـ/ ٢٠٠١ء.

تجريد أسماء الصّحابة ، للإمام شمس الدين محمد الذَّهبي ، المتوفى ٧٤٨هـ ، دار المعرفة بيروت .

تجريد الأَغَاني ، للشيخ ابن واصل الحموي ، المتوفى ٦٩٧هـ ، مطبعة مصر شركة مساهمة مصرية بالقاهرة ، الطبعة ١٣٧٤هـ/ ١٩٥٥ء .

تحفة الأَشراف بمعرفة الأَطراف ، للإمام جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزي ، المتوفى ٧٤٢هـ ، ومعه **النُكَتُ الظِّراف على الأطراف** ، للإمام ابن حجر العسقلاني ، المتوفى ٨٥٢هـ ، المكتب الإسلامي بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٣هـ/ ١٩٨٣ء .

تحفة التَّحْصيل فى ذكر رُواة الْـمَراسِيل ، للإمام ولي الدين أحمد أبي زُرْعَة العِراقي ، المتوفى ٨٢٦هـ ، مكتبة الرشد الرياض ، الطبعة الأولى ١٩٩٩ء .

التحفة اللطيفة في تاريخ الـمدينة الشَّريفة ، للشيخ شمس الدين عبد الرحمن السخاوي ، المتوفى ٩٠٢هـ ، مطبعة دار النشر الثقافة بالقاهرة ، الطبعة ١٣٩٩هـ/ ١٩٧٩ء .

تخريج أحاديث إحياء العُلوم الدِّين ، للعراقي والسُّبكي والزَّبيدي ، إستخراج : أبي عبد الله محمود الحداد ، دار العاصمة الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٨هـ/ ١٩٨٧ء.

تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في تفسير الكَشَّاف للزَمخشري ، للإمام جمال الدين عبد الله الزَّيلعي الحنفي ، المتوفى ٧٦٢هـ ، وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف السُّعودية ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٤هـ/ ٢٠٠٣ء.

التَّدوين في أخبار قَزْوِين ، للإمام عبد الكريم بن محمد الرَّافعي القَزويني ، المتوفى ٦٢٣هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة ١٤٠٨ هـ .

التذكرة الْحَمْدُونِية ، للشيخ محمد بن الحسن إبن حمدون ، المتوفى ٥٦٢هـ ، دار صادر بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٦ء .

تذكرة الخَواص ، للشيخ شمس الدين أبي المظفر يوسف المعروف سبط إبن الجوزي ، المتوفى ٦٥٤هـ ، مكتبة نينوى الحديثة ، طهران .

التذكرة بأَحْوال المَوتى والقُبُور ، للإمام أبي عبد الله محمد الأندلسي القُرطبي ، المتوفى ٦٧١هـ ، دار المنهاج الرياض ، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ .

التذكرة بمعرفة رِجال الكُتُب العَشرة ، للإمام أبي المحاسن محمد العلوي الحسيني ، المتوفى ٧٦٥هـ ، مكتبة الخانجي بالقاهرة .

تَذهِيْبُ تَهذِيْبِ الكَمال في أسماء الرِّجال ، للإمام شمس الدين محمد الذَّهبي ، المتوفى ٧٤٨هـ ، الفاروق الحديثية للطباعة والنشر القاهرة ، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ/ ٢٠٠٤ء.

التَّرجِيْح لحديث صلاة التَّسْبِيح ، للإمام ابن ناصر الدين الدِّمشقي ، المتوفى ٨٤٢هـ ، دار البشائر الإسلامية ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٩هـ/ ١٩٨٨ء .

التَّرشِيْح لبيان صلاة التَّسْبِيح ، للشيخ محمد ابن طُولُون الدِّمشقي ، المتوفى ٩٥٣هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤١٥هـ/ ١٩٩٥ء .

التَّرغيب في الدعاء و الحثّ عليه ، للإمام أبي محمد عبد الغني إبن سرور المقدسي ، مطابع إبن تيمية بالقاهرة ، الطبعة الأولى ١٩٩١ء .وطبعة دار ابن حزم بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤١٦هـ/ ١٩٩٥ء.

التَّرغيب في فضائل الأعمال ، للإمام أبي حفص عمر إبن شاهين ، المتوفى ٣٨٥هـ ، دار ابن الجوزي ، الطبعة الأولى ١٤١٥هـ .

تزيين الممالك بمناقب الإمام مالك ، للإمام جلال الدين السيوطي الشافعي ، المتوفى ٩١١هـ ، دار الرشاد الحديثية ، المغرب ، الطبعة الأولى .

تَسْديدُ القَوس مختصر مسند الفِردوس ، للإمام ابن حجر العسقلاني ، المتوفى ٨٥٢هـ ، مخطوطة .

تسهيل النَّظر وتعجِيل الظَّفر في أخلاق الْـمَلِك وسياسة الْـمُلْك ، للإمام القاضي أبي الحسن علي بن محمد الماوَردي ، المتوفى ٤٥٠هـ ، دار النهضة العربية بيروت ، الطبعة ١٩٨١ء .

التَّعديل و التَّجريح لِـمَن خَرَّج عنه البخاريّ في الجامع الصحيح ، للإمام أبي الوليد سليمان بن خلف الباجي المالكي ، المتوفى ٤٧٤هـ ، طبعة المراكش ، المغرب .

تفسير البَغوي الـمُسمّى مَعالم التَّنْزِيل ، للإمام محي السنة أبي محمد الحسين بن مسعود البغوي ، المتوفى ٥١٦هـ ، دار طيبة الرياض ، الطبعة ١٤٠٩هـ .

تفسير الدُّر الـمَنثُور ، للإمام جلال الدين السيوطي ، المتوفى ٩١١هـ ، مركز هجر للبحوث و الدراسات بدار هجر مصر ، الطبعة الأولى ٢٠٠٣ء .

تفسير القاسمي الـمُسمّى مَحاسِنُ التأويل ، للشيخ محمد جمال الدين القاسمي ، المتوفى ١٩١٤ء ، دار إحياء الكتب العربية عيسى البابي ، مصر ، الطبعة الأولى ، ١٣٧٦هـ/ ١٩٥٧ء .

تفسير القرآن ، ، للإمام عماد الدين إسماعيل إبن كثير الدِّمشقي ، المتوفى ٧٧٤ هـ ، دار طيبة السُّعودية ، الطبعة الثانية ١٩٩٩ء.

التفسير الوسيط ، للإمام أبي الحسن علي الواحدي النيسابوري ، المتوفى ٤٦٨هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ١٤١٥هـ .

تفسير فتح القدير ، للقاضي محمد الشوكاني ، المتوفى ١٢٥٠هـ ، دار المعرفة بيروت ، الطبعة الرابعة ، ١٤٢٨هـ / ٢٠٠٧ء .

تَقْرِيْبُ التَّهْذِيْب ، للإمام أحمد بن علي بن حجر العسقلاني ، المتوفى ٨٥٢هـ ، دار العاصمة بيروت .

التكميل في الـجَرْح والتعديل ، للإمام عماد الدين إسماعيل إبن كثير الدِّمشقي ، المتوفى ٧٧٤ هـ ، مركز النعمان للبحوث والدراسات الإسلامية ، اليمن ، صنعاء ، الطبعة الأولى ١٤٣٢هـ .

تلخيص تاريخ نيسابور للحاكم ، للشيخ أحمد بن محمد المعروف الخليفة النيسابوري ، طبعة كتابخانه ابن سينا تهران ، إيران .

التَّمهيد لِـمَا في الـمُوطأ من الـمَعَاني والأسانيد ، للإمام يوسف بن عبد الله ابن عبد البر الأندلسي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، طبعة وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية، المغرب . طبع ١٩٦٧ء.

التَّنبيه والإشراف ، للشيخ أبي الحسن علي بن الحسين الـمَسْعُودي ، المتوفى ٣٤٦هـ ، دار الصادي بالقاهرة .

تنزيه الشَّريعة الـمَرفوعة عن الأخبار الشَّنِيْعِة الـمَوضوعة ، للشيخ أبي الحسن علي إبن عراق الكناني ، المتوفى ٩٦٣هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الثانية ١٩٨١ ء .

التَّنوير شرح الجامع الصغير ، للشيخ محمد بن إسماعيل الأمير الصَّنعاني ، المتوفى ١١٨٢هـ ، مكتبة الملك فهد الوطنية الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٣٢هـ/ ٢٠١١ء .

تهذيب الآثار وتفصيل الثَّابت عَنْ رسول الله صلى الله عليه وسلّم مِنَ الأخبار ، للإمام أبي جعفر محمد بن جرير الطَّبري ، المتوفى ٣١٠هـ ، بتحقيق الشيخ محمود محمد شاكر ، مطبعة المدني بالقاهرة .

تَهذِيب التَّهذِيب ، للإمام أحمد بن علي بن حجر العسقلاني ، المتوفى ٨٥٢هـ ، طبعة دائرة المعارف النظامية ، بحيدر آباد ، الهند . وطبعة مؤسسة الرسالة بيروت. وطبعة وزارة الأوقاف السُّعودية من دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ/ ٢٠٠٤ء .

تهذيب الكمال في أسماء الرِّجال ، للإمام جمال الدين أبي الحجاج يوسف المِزِّي ، المتوفى ٧٤٢هـ ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الثانية ١٩٨٣ء .

التَّيسِير شرح الجامع الصَّغير ، للشيخ عبد الرؤف المُناوي ، المتوفى ١٠٣١هـ ، دار الطباعة الخديويه مصر ، الطبعة ١٢٨٦هـ .

الثِّقات ، للإمام محمد بن حبان بن أحمد أبي حاتم التَّمِيْمِي البُستي ، المتوفى ٣٥٤هـ ، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن الهند ، الطبعة الأولى ، ١٣٩٣هـ/ ١٩٧٣ء .

الجامع الصَّغير في أحاديث البشير النَّذِير ، للإمام جلال الدين السُّيوطي ، المتوفى ٩١١هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الثانية ، ١٤٢٥هـ/ ٢٠٠٤ء .

الجامع الكبير أو جَمْعُ الجَوامِع ، للإمام جلال الدين عبد الرحمن السُّيوطي ، المتوفى ٩١١هـ ، دار السعادة للطباعة ، طبعة الأزهر الشريف ، الطبعة ١٤٢٦هـ/ ٢٠٠٥ء . ودار الفكر بيروت ، الطبعة ١٤١٤هـ/ ١٩٩٤ء .

جامع المسانيد والسُّنَن الهادِي لِأَقْوم سنن ، للإمام عماد الدين إسماعيل ابن كثير الدِّمشقي ، المتوفى ٧٧٤هـ ، دار خضر بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨ء .

جامع بيان العِلم وفَضْلِه ، للإمام أبي عمر يوسف بن عبد الله إبن عبد البر القُرطبي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، دار إبن الجوزي ، الطبعة الأولى ١٤١٤هـ .

الجامع لِأَحكام القرآن ، للإمام أبي عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القُرطبي ، المتوفى ٦٧١هـ ، دار عالم الكتب الرياض ، الطبعة الثانية ، ١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٣ء . وطبعة مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦ء.

الجامع لِأَخْلاق الرَّاوي وآداب السَّامِع ، للإمام أبي بكر أحمد الخطيب البغدادي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، مكتبة المعارف الرياض ، الطبعة ١٩٨٣ء .

جَدُّ المُمْتَار على رَدِّ المُحْتَار لإبن عابدين الشامي ، للشيخ أحمد رضا خان الحنفي الهندي ، المتوفى ١٣٤٠هـ ، المكتبة المدينة ، الباكستان ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٦هـ/ ٢٠٠٦ء.

الجَرْح والتَّعديل ، للإمام أبي محمد عبد الرحمن بن أبي حاتم الرازي ، المتوفى ٣٢٧هـ ، طبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية ، بحيدر آباد دكن ، الهند ، الطبعة الأولى ١٩٥٣ء .

جَمْهَرَة أنساب العَرب ، للشيخ أبي محمد علي المعروف إبن حزم الأندلسي ، المتوفى ٤٥٦هـ ، دار المعارف ، الطبعة الخامسة .

جِيَاد الـمُسَلْسَلَات ، للإمام جلال الدين السُّيوطي ، المتوفى ٩١١هـ ، دار البشائر الإسلامية بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٢ء.

حاشية الـحَفْني على الجامع الصَّغير للسُّيوطي ، للشيخ أبي المكارم نجم الدين محمد الحسيني الشافعي الخلوتي ، المعروف شيخ الأزهر الحفني ، المتوفى ١١٨١هـ ، دار النَّوادر ، الطبعة الأولى ، ١٤٣٤هـ/ ٢١٠٣ء.

الـحَبائِك في أخبار الـمَلائِك ، للإمام جلال الدين السُّيوطي ، المتوفى ٩١١هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الثانية ١٩٨٨ء .

الـحُجَّة في بيان الْـمَحَجَّة وشرح عقيدة أهل السُّنة ، للإمام قِوَام السُّنة أبي القاسم إسماعيل الأصبهاني ، المتوفى ٥٣٥ هـ ، دار الراية الرياض .

حِلية الأولياء و طبقات الأصفياء ، للإمام أبي نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهاني ، المتوفى ٤٣٠هـ ، دار الكتب العلمية بيروت .

حِلية البشر في تاريخ القرن الثالث عشر ، للشيخ عبد الرزاق البيطار ، المتوفى ١٣٣٥هـ ، دار صادر بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٤١٣هـ/ ١٩٩٣ء.

حياة الـحيوان الكُبرى ، للإمام كمال الدين محمد بن موسى الدَّمِيري ، المتوفى ٨٠٨هـ ، دار البشائر دمشق ، الطبعة الأولى ٢٠٠٥ ء .

خلاصة الأثر في أعيان القرن الـحادي عشر ، للشيخ محمد أمين بن فضل الله الـمُحِبِّي الـحَموي الدِّمشقي ، المتوفى ١١١١هـ ، طبع في دار صادر بيروت عن طبعة قديمة .

خلاصة الذَّهب الـمَسْبُوك مختصر من سِيَرِ الْـمُلُوْك ، للشيخ عبد الرحمن سُنْبُط قَنِيتُو الأربلي ، المتوفى ٧١٧هـ ، مكتبة المثنى ، بغداد ، عراق .

خلاصة الوفا بأخبار دار الـمُصطفى صلّى الله تعالى عليه وسلّم ، للشيخ نور الدين علي السَّمْهُودِي ، المتوفى ٩٢٢هـ ، المكتبة العلمية بالمدينة المنورة ، الطبعة ١٣٩٢هـ/ ١٩٧٢ء .

خلاصة تَذْهِيْب تَهذِيب الكمال ، للإمام صفي الدين أحمد بن عبد الله الخزرجي الأنصاري ، المتوفى ٩٢٣هـ ، المطبعة الكبرى بولاق ، الطبعة الأولى .

الدُّرَرُ الـمُنتَشرة في الأحاديث الـمُشْتَهرة ، للإمام جلال الدين السُّيوطي ، المتوفى ٩١١هـ ، طبعة عمادة شؤون المكتبات ، جامعة الملك سعود ، الرياض .

دلائل النُّبوة ومعرفة أحوال صاحب الشَّريعة ، للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين البَيْهَقِي ، المتوفى ٤٥٨هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٨٨ء .

دُوَلُ الإسلام ، للإمام شمس الدين محمد الذَّهبي ، المتوفى ٧٤٨هـ ، دار صادر بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٩ء .

الدِّيباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب ، للشيخ ابن فرحون المالكي ، المتوفى ٧٩٩هـ ، دار التراث القاهرة .

ديوان الـمَعَاني ، للإمام أبي هلال الحسن بن عبدالله العَسْكري ، المتوفى٣٩٥هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤١٤هـ/ ١٩٩٤ء .

ديوان دِعْبِل الـخُزاعي ، شرحه ؛ ضياء حسين الأعلمي ، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت ، الطبعة الأولى ،١٤١٧هـ/ ١٩٩٧ء .

ديوان دِعْبِل بن علي الـخُزَاعِي ، شرحه ؛ للشيخ حسن حمد ، دار الكتاب العربي بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤١٤هـ/ ١٩٩٤ء .

ذكر أخبار إصبهان ، للإمام أبي نعيم أحمد الإصبهاني ، المتوفى ٤٣٠هـ ، دار الكتاب الإسلامي بيروت .

ذكر صلاة التَّسْبِيح ، للإمام الحافظ أبي بكر أحمد الخطيب البغدادي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، الدار الأثرية ، الطبعة الأولى .

ذمّ الكلام وأهله ، للإمام أبي إسماعيل عبد الله الهروي ، المتوفى ٤٨١هـ ، طبع مكتبة الغرباء الأثرية. و طبعة مكتبة العلوم والحكم ، المدينة المنورة .

ربيع الأبرار ونُصوص الأخبار ، للشيخ أبي القاسم محمود بن عمر الزَّمخشري ، المتوفى ٥٣٨هـ ، مؤسسة الأعلمي بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٢ء .

رَحْمَةُ المَلَكُوْت حاشية على فَوَاتِح الرَّحْمُوت شرح مُسَلَّم الثُّبوت لِلبَحْرِ العُلوم عبد العلي السَّهالوي ، للشيخ أحمد رضا خان الهندي الحنفي ، المتوفى ١٣٤٠هـ ، مخطوطة ، عكس لدي المؤلف .

رفع الحَاجِب عن مختصر ابن الحاجِب ، للإمام تاج الدين عبد الوهاب بن تقي الدين السُّبكي الشَّافعي ، المتوفى ٧٧١هـ ، عالم الكتب بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٩ء .

الرفع والتكميل في الجرح والتعديل ، للشيخ أبي الحسنات محمد عبد الحي اللكنوي الهندي ، المتوفى ١٣٠٤هـ ، بتحقيق ؛ الشيخ عبد الفتاح أبو غدة ، مكتبة ابن تيمية القاهرة .

الرَّوضتين في أخبار الدَّولتين ؛ النُّورية والصَّلاحية ، للإمام شهاب الدين عبد الرحمن المعروف أبي شامة المقدسي الشافعي ، المتوفى ٦٦٥هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ٢٠٠٢ ء .

الزَّاهر في بيان معاني كلمات النَّاس ، للإمام أبي بكر محمد بن القاسم الأنباري ، المتوفى ٣٢٧هـ ، مؤسسة الرسالة ، الطبعة الأولى ، ١٤١٢هـ/ ١٩٩٢ء .

الزّهرة ، للشيخ أبي بكر محمد بن داود الأصبهاني الظاهري ، المتوفى ٢٩٧هـ ، مكتبة المنار ، الأردن ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٦هـ/ ١٩٨٥ء .

الزِّيادات على الموضوعات المسمّى ذيل اللآلي المصنوعة، للإمام أبي الفضل جلال الدين السُّيوطي ، المتوفى ٩١١هـ ، مكتبة المعارف الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٣١هـ/ ٢٠١٠ء.

السِّراج المُنير شرح الجامع الصَّغير ، للشيخ علي بن أحمد البُولاقي الشَّافعي المعروف العَزِيْزِي ، المتوفى ١٠٧٠هـ ، المطبعة الخيرية مصر ، الطبعة الأولى ، السنة ١٣٠٤هـ .

سَفَطُ الْـمُلَح وزَوح التَّرح ، للإمام سعد الله بن نصر الدجاجي ، المتوفى ٥٦٤هـ ، مؤسسة بين النهرين للإنتاج الفني والثقافي ، دمشق ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٦هـ/ ٢٠٠٥ء.

سلسلة الأحاديث الضَّعِيفَة وأثرها السّيئ في الأمة ، للشيخ محمد ناصر الدين الألباني ، المتوفى ١٩٩٩ء ، مكتبة المعارف الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤١٢هـ/ ١٩٩٢ء إلى السنة ١٤٢٥هـ.

سمط النُّجوم والعَوالي في أنباء الأَوائل والتَّوالي ، للشيخ عبد الملك العصامي المكي الشَّافعي ، المتوفى ١١١١هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨ء.

السُّنَن ، للإمام أبي محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدَّارِمِي ، المتوفى ٢٥٥هـ ، دار المغني ، السعودية ، الطبعة الأولى ، ١٤٢١هـ/ ٢٠٠٠ء .

السُّنَن ، للإمام أبي عبد الله محمد بن يزيد المعروف ابن ماجة ، المتوفى ٢٧٣هـ ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع الرياض ، الطبعة الأولى .

السُّنَن ، للإمام أبي داود سليمان بن الأَشعث السِّجستاني ، المتوفى ٢٧٥هـ ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع الرياض ، الطبعة الثانية .

السُّنَن ، للإمام محمد بن عيسى التِّرمِذِي ، المتوفى ٢٧٩هـ ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع الرياض ، الطبعة الأولى .

السُّنَن ، للإمام علي بن عمر الدَّارقُطْنِي ، المتوفى ٣٨٥هـ ، مؤسسة الرسالة ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٤هـ/ ٢٠٠٤ء .

السُّنَن الكُبرى ، للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين البَيهَقِي ، المتوفى ٤٥٨هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الثالثة ٢٠٠٣ ء .

السُّنَن الوَارِدة في الفِتَن وغَوَائلها والسَّاعة وأَشْرَاطِهَا ، للإمام أبي عمرو عثمان بن سعيد المُقْرِىء الدَّاني ، المتوفى ٤٤٤هـ ، دار العاصمة الرياض ،

سُؤالات حمزة بن يوسف السَّهْمِي للدَّارقُطْني وغيره من المشايخ ، مكتبة المعارف الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٤هـ/ ١٩٨٤ء .

سِيَرُ أَعْلَام النُّبلاء ، للإمام شمس الدين محمد الذَّهبي ، المتوفى ٧٤٨هـ ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الثانية ١٩٨٢ ء .

شَذرات الذَّهَب في أخبار مَنْ ذَهَب ، للإمام شهاب الدين عبد الحي المعروف إبن العِمَاد الحنبلي الدِّمشقي ، المتوفى ١٠٨٩هـ ، دار إبن كثير بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٨٨ ء .

شُذُور العُقُود في تاريخ العُهُود ، للإمام أبي الفرج عبد الرحمن ابن الجوزي ، المتوفى ٥٩٧هـ ، مركز نجيبويه للمخطوطات وخدمة التراث ، توزيع : مكتبة المتنبي ، الطبعة الأولى ١٤٢٨هـ/ ٢٠٠٧ء .

شرح أصول إعتقاد أهل السُّنة ، للإمام أبي القاسم هبة الله اللالكائي ، المتوفى ٤١٨هـ ، دار طيبة السعودية .الطبعة الثانية ١٤١١هـ .

شرح الزَّرقاني على الـمَوَاهب اللدنية ، للعلامة أبي عبدالله محمد بن عبد الباقي الزَّرقاني المالكي ، المتوفى ١١٢٢هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤١٧هـ / ١٩٩٦ء .

شرح الـمَوَاقف ، للسيّد الشريف علي بن محمد الـجرجاني ، المتوفى ٨١٦هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨ء .

شرح مُشكل الآثار ، للإمام أبي جعفر أحمد ابن سلامة الطَّحَاوي ، المتوفى ٣٢١هـ ، مؤسسة الرسالة ، الطبعة الأولى ، ١٤١٥هـ/ ١٩٩٤ء .

الشَّريعة ، للإمام أبي بكر محمد بن الحسين الآجُرِّي ، المتوفى ٣٦٠هـ ، دار الوطن الرياض ، الطبعة الأولى ١٩٩٧ء .

شُعَبُ الإيمان ، للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين البَيهَقِي ، المتوفى ٤٥٨هـ ، مكتبة الرشد الرياض ، الطبعة الأولى ٢٠٠٣ء .

شعر دِعْبِل بن علي الـخُزَاعي ، للدكتور عبد الكريم الأشتر ، مطبوعات مجمع اللغة العربية بدمشق ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٣هـ/ ١٩٨٤ء .

الشِّفاء بتعريف حُقوق الـمُصطفى صلّى الله تعالى عليه وسلّم، للإمام القاضي أبي الفضل عِيَاض المالكي ، المتوفى ٥٤٤هـ ، جائزة دبي الدولية للقرآن الكريم ، الطبعة الأولى٢٠١٣ء .

الشَّمائل الـمُحمَّدية والخَصائل الـمُصطفوية ، للإمام أبي عيسى محمد الترمذي ، المتوفى ٢٧٩هـ ، مكتبة التجارية مصطفي الباز ، مكة المكرمة ، الطبعة الأولى ، ١٤١٣هـ/ ١٩٩٣ء . وطبعة دار الغرب الإسلامي بيروت ، الطبعة الأولى .

صبح الأَعْشِي في صَنَاعة الإنشَاء ، للشيخ أحمد بن علي القَلْقَشَنْدي القاهري ، المتوفى ٨٢١هـ ، دار الكتب العلمية بيروت .

الصَّحِيْح ، للإمام أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البُخاري ، المتوفى ٢٥٦هـ ، دار ابن كثير بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٢ء . وطبعة بيت الأفكار الدولية الرياض ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨ء .

الصَّحِيْح ، للإمام أبي الحسين مسلم بن الحجاج القُشَيْري ، المتوفى ٢٦١هـ ، دار طيبة الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦ء . وطبعة بيت الأفكار الدولية الرياض ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٧ء .

الصَّداقة والصَّديق ، للشيخ أبي حيان التوحيدي ، المتوفى ٤١٤هـ ، دار الفكر المعاصر بيروت ، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ .

صَفوة الصَّفوة ، للإمام أبي الفرج جمال الدين إبن الجوزي ، المتوفى ٥٩٧ هـ ، دار المعرفة بيروت .

صِلَةُ الـخَلف بِمَوصول السِّلف ، للشيخ محمد بن سليمان الرَّوداني ، المتوفى ١٠٩٤ هـ ، دار الغرب الإسلامي بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٨٨ء .

الصَّواعِق الـمُحْرِقة ، للشيخ شهاب الدين أحمد بن حجر المكي الهيتمي الشَّافعي القادري ، المتوفى ٩٧٤ هـ ، مكتبة فياض للتجارة والتوزيع ، الطبعة الأولى ٢٠٠٨ ء . والمترجم في الأردية ؛ أختر فتح بوري ، طبعة شبّير برادرز لاهور .

الضُّعفاء الكبير ، للشيخ أبي جعفر محمد إبن حماد العُقَيلي المكي ، المتوفى ٣٢٢هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى .

ضعيف الجامع الصَّغير وزِيادته للسيوطي ، للشيخ محمد ناصر الدين الألباني ، المتوفى ١٩٩٩ء ، المكتب الإسلامي بيروت .

الطِّب النَّبوي ، للإمام أبي نعيم أحمد الأصفهاني ، المتوفى٤٣٠هـ ، دار إبن حزم بيروت ، الطبعة الأولى ١٤٢٧هـ .

طبعة وزارة الشؤون الإسلامية السُّعودية والجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة، الطبعة الأولى ، ١٤١٥هـ/ ١٩٩٤ء.

طبقات الأولياء ، للإمام سراج الدين أبي حفص عمر المصري المعروف ابن المُلَقِّن ، المتوفى ٨٠٤هـ ، مكتبة الخانجي بالقاهرة ، الطبعة الثانية ، ١٤١٥هـ/ ١٩٩٤ء .

طبقات الحُفَّاظ ، للإمام جلال الدين السُّيوطي الشافعي ، المتوفى ٩١١هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٣هـ/ ١٩٨٣ء .

طبقات الشَّافعية الكُبرى ، للإمام أبي نصر تاج الدين عبد الوهاب السُّبكي ، المتوفى ٧٧١هـ ، دار إحياء التراث العربية ، مصر ، مطبعة عسيى البابي الحلبي .

الطَّبقات الكبرى ، للإمام عبد الوهاب الشَّعراني ، المتوفى ٩٧٣هـ ، مكتبة الثقافة الدينية القاهرة ، الطبعة الأولى ٢٠٠٥ ء .

الطَّبقات الكبير ، للإمام محمد بن سعد بن منيع الزُّهري ، المتوفى ٢٣٠هـ ، مكتبة الخانجي بالقاهرة ، الطبعة الأولى ، ١٤٢١هـ/ ٢٠٠١ء .

الطّرق الصُّوفية في مصر ، نشأتها ونظمها وروادها ..الخ ، للدكتور عامر النجار ، طبعة دار المعارف ، الطبعة الخامسة .

الطّيوريات ، للإمام صدر الدين أبي طاهر أحمد بن محمد السِّلفي الأصبهاني ، المتوفى ٥٧٦هـ ، مكتبة الأضواء السلف الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٥هـ/ ٢٠٠٤ء .

العِبَاب الزَّاخِر واللُّباب الفَاخِر ، للشيخ رضي الدين الحسن بن محمد الصِّغَاني ، المتوفى ٦٥٠هـ ، مطبعة المجمع العلمي العراقي ، الطبعة ١٣٩٨هـ/ ١٩٧٨ء .

العِبَر فِي خَبر مَنْ غَبَر ، للإمام شمس الدين محمد الذَّهبي ، المتوفى ٧٤٨هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٨٥ء .

عجائب الآثار في التراجم والأخبار ، للشيخ المؤرخ عبد الرحمن بن حسن الـجَبَرتي ، المتوفى ١٢٣٧هـ ، مطبعة دار الكتب المصرية بالقاهرة ، السنة ١٩٩٧ء.

العِظَة والاعتِبَار ، آراء في حياة السَّيد البَدوي الدّنيوية وحياته البرزخيَّة ، للشيخ أحمد محمد حجاب ، طبعة المجلس الأعلى للشئون الاسلامية ، القاهرة ، السنة ١٣٨٦هـ .

العَظَمة ، للإمام أبي محمد عبد الله المعروف أبي الشيخ الأصبهاني ، المتوفى ٣٦٩هـ ، دار العاصمة الرياض ،

عمدة القاري شرح صحيح البخاري ، للإمام أبي محمد محمود المعروف بدر الدين العَيني الحنفي ، المتوفى ٨٥٥هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ/ ٢٠٠١ء .

الفتاوى ، للإمام أبي الحسن تقي الدين السُّبكي ، المتوفى ٧٥٦هـ ، دار المعرفة بيروت .

الفتاوى الـحديثية ، للشيخ شهاب الدين أحمد ابن حجر المكي الهيتمي ، المتوفى ٩٧٤هـ ، دار المعرفة بيروت.

الفتح الكبير في ضَمِّ الزِّيادة إلى الجامع الصَّغير ، للشيخ يوسف بن إسماعيل النَّبهَاني ، المتوفى ١٣٥٠هـ ، دار الكتاب العربي بيروت .

فتح الـمُغِيْث بشرح ألفية الحديث ، للشيخ عبد الرحمن السخاوي ، المتوفى ٩٠٢هـ ، مكتبة دار المنهاج الرياض ، الطبعة الأولى ، السنة ١٤٢٦هـ .

الفرج بعد الشِّدة ، للشيخ القاضي أبي علي المُحَسِّن بن علي التَّنوخي ، المتوفى ٣٨٤هـ ، دار صادر بيروت ، الطبعة ١٣٩٨هـ/ ١٩٧٨ء .

الفردوس بمأثور الخطاب ، للإمام أبي شجاع شيرويه الدَّيلمي ، المتوفى ٥٠٩ هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ١٩٨٦ء.

الفَرْق بين الفِرَق وبيان الفرقة النَّاجية منهم ، للإمام أبي منصور عبد القاهر البغدادي ، المتوفى ٤٢٩هـ ، مكتبة إبن سينا بالقاهرة .

فصل الـخِطَاب بِوَصْلِ الأَحْبَاب ، للشيخ خواجة محمد بن محمد بن محمود البارسا البخاري النقشبندي ، المتوفى ٨٢٢هـ ، دار الإشاعة العربية ، الباكستان .

فضائل التَّسمية بأحمد و محمّد ، للإمام الحيسن بن أحمد بن عبدالله بن بكير الصَّيرفي ، المتوفى ٣٨٨هـ ، دار الصحابة للتراث بطنطا ، الطبعة الأولى ١٤١١هـ .

فضائل الصّحابة ، للإمام أبي عبد الله أحمد بن حنبل ، المتوفى ٢٤١ هـ ، مركز البحث العلمي ، جامعة أم القرى ، المكة المكرمة ، الطبعة الأولى ١٩٨٣ ء .

فضائل القرآن ، للإمام أبي العباس جعفر بن محمد المُسْتَغْفِري ، المتوفى ٤٣٢هـ ، دار إبن حزم بيروت ، الطبعة الأولى ١٤٢٧هـ .

فضائل سورة الإخلاص وما لِقَارِئها ، للإمام أبي محمد الحسن ابن خَلَّال البغدادي ، المتوفى ٤٣٩هـ ، مخطوطة من دار الكتب الظاهرية ، نسخة مصورة لدي الباحث .

الفَقِيه والـمُتفَقِّه ، للإمام الحافظ أبي بكر أحمد الخطيب البغدادي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، دار إبن الجوزي الرياض ، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ .

فهرس الفهارس والأثبات ، للشيخ عبد الحي بن عبد الكبير الكتَّاني ، المتوفى ١٣٨٢هـ ، دار الغرب الإسلامي بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٢هـ/ ١٩٨٢ء.

الفوائد ، للإمام أبي القاسم تمام الرَّازي ، المتوفى ٤١٤هـ ، مكتبة الرشد الرياض ، الطبعة الأولى.

فوائد ابن نَصْر عن مشايخه ، للإمام أبي القاسم عبد الرحمن ابن نصر السَّامري الدِّمشقي البزَّاز ، المتوفى ٤١٠هـ ، مكتبة دار النصيحة ودار المدينة المنورة ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٨هـ/ ٢٠٠٧ء .

الفوائد الـجَلِيْلَة في مُسلسلات ابن عَقِيْلَة ، للشيخ محمد أحمد بن سعيد الحنفي المكي ، المتوفى ١١٥٠هـ ، دار البشائر الإسلامية بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٢١هـ/ ٢٠٠٠ء .

الفوائد الـمَجْمُوعة في الأحاديث الـمَوْضُوعة ، للشيخ محمد بن علي الشوكاني ، المتوفى ١٢٥٠هـ ، بتحقيق المعلمي اليماني ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، الطبعة ١٤١٦هـ/ ١٩٩٥ء .

الفوائد الـمعروف الغِيلانيَّات ، للإمام أبي بكر محمد بن عبد الله الشافعي ، المتوفى ٣٥٤هـ ، دار ابن الجوزي ، الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤١٧هـ/ ١٩٩٧ء .

فيض القدير شرح الجامع الصَّغير ، للشيخ عبد الرؤف المناوي ، المتوفى ١٠٣١هـ ، دار المعرفة، الطبعة الثانية.

قضاء الـحَوَائج ، للإمام أبي بكر عبد الله القُرشي المعروف ابن أبي الدُّنيا ، المتوفى ٢٨١ هـ ، مؤسسة الكتب الثقافية بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٣ ء .

القضاء والقدر ، للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين البَيهَقي ، المتوفى ٤٥٨هـ ، مكتبة الرشد الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٦هـ/ ٢٠٠٥ء .

قُوْت القُلُوب في معاملة الـمَحْبُوب ، للإمام أبي طالب محمد المكي ، المتوفى ٣٨٦هـ ، مكتبة دار التراث القاهرة ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٢هـ/ ٢٠٠١ء .

الكَاشِف في معرفة مَنْ له رواية في الكُتُب السِّتة ، ، للإمام شمس الدين محمد الذَّهبي ، المتوفى ٧٤٨هـ ، مؤسسة علوم القرآن ، ودار القبلة جدة .

الكامل في التاريخ ، للإمام عِزّ الدِّين أبي الحسن علي المعروف ابن الأَثِير الجَزرِي ، المتوفى ٦٣٠ هـ ، بيت الأفكار الدولية .

الكامل في ضُعفاء الرِّجال ، للإمام أبي أحمد عبد الله بن عَدِي الجُرجاني ، المتوفى ٣٦٥هـ ، دار الفكر بيروت ، وطبعة دار الكتب العلمية بيروت .

كتاب الأَمثال في الحديث النبوي ، للإمام أبي محمد عبد الله المعروف أبي الشيخ الأصبهاني ، المتوفى ٣٦٩هـ ، الدار السلفية بومباي ، الهند ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٢هـ/ ١٩٨٢ء .

كتاب الإيمان ، للإمام محمد بن إسحاق المعروف ابن مَنْدَه ، المتوفى ٣٩٥هـ ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٦هـ/ ١٩٨٥ء .

كتاب الفِتَن ، للإمام أبي عبد الله نعيم بن حماد الخزاعي المَروزي ، المتوفى ٢٢٨هـ ، مكتبة التوحيد القاهرة ، الطبعة الأولى ، ١٤١٢هـ/ ١٩٩١ء .

الكشف الحَثِيْث عَمَّن رُمي بِوَضْع الحديث ، للشيخ برهان الدين الحلبي ، المتوفى ٨٤١هـ ، عالم الكتب بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧ء.

كشف الخِفَا ومُزِيل الألباس عمَّا اشتَهر مِنَ الأحاديث عَلَى ألسِنَة النَّاس ، للشيخ إسماعيل العَجْلُوْني ، المتوفى ١١٦٢هـ ، مكتبة القدسي ، الطبعة ١٣٥١هـ .

كشف الظّنون عَن أَسامى الكُتُب والفُنُون ، للشيخ مصطفى المعروف حاجي خليفة ، المتوفى ١٠٦٨هـ ، دار إحياء التراث العربي ، بيروت .

كشف الغُمَّة في معرفة الأئِمَّة ، للشيخ أبي الحسن علي بن عيسى الأربلي ، المتوفى ٦٩٣هـ ، مركز الطباعة والنشر للمجمع العالمي لأهل البيت ، دار التعارف بيروت ، الطبعة ١٤٣٣هـ/ ٢٠١٢ء . وطبعة دار الأضواء بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٥هـ/ ١٩٨٥ء .

الكفاية في علم الرِّواية ، للإمام أبي بكر أحمد الخطيب البغدادي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، طبعة بيروت .

كنز الدُّرَر وجامِع الغُرَر ، للشيخ أبي بكر بن عبدالله بن أَيبَك الدَّوَادَارِي ، المتوفى بعد ٧٣٦هـ ، طبعة القاهرة.

كنز العُمَّال في سُنَن الأقوال والأفعال ، للشيخ علي الـمُتَّقِي الهندي ، المتوفى ٩٧٥هـ ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الخامسة ١٤٠٥ هـ .

الكُنى و الأسماء ، للإمام محمد بن أحمد الدَّولابي ، المتوفى ٣١٠هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ١٩٩٩ء .

الكواكب الدُّرية في تراجم السَّادة الصُّوفية ، للشيخ زين الدين محمد عبد الرؤف المناوي ، المتوفى ١٠٣١هـ ، دار صادر بيروت .

الكواكب السَّائِرة بِأَعيان المائة العَاشرة ، للشيخ نجم الدين محمد الغَزِّي ، المتوفى ١٠٦١هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤١٨هـ/ ١٩٩٧ء.

اللآلي الـمَصنوعة في الأحاديث الـمَوضوعة ، للإمام جلال الدين السيوطي ، المتوفى ٩١١هـ، دار المعرفة بيروت.

لُباب الآداب ، للشيخ الأمير أسامة بن منقذ الكلبي الشِّيرازي ، المتوفى ٥٨٤هـ ، مكتبة السنة القاهرة ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧ء .

اللباب في علوم الكتاب ، للشيخ أبي حفص عمر بن علي ابن عادل الدِّمشقي الحنبلي ، المتوفى ٨٨٠هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨ء .

مآثر الإنافة في مَعَالم الـخِلَافة، للشيخ أحمد بن علي القَلْقَشَنْدِي القاهري ، المتوفى ٨٢١هـ ، عالم الكتب بيروت.

الـمُتَحَابِّين في الله ، للإمام أبي محمد عبد الله ابن قُدَامة المَقدِسي ، المتوفى ٦٢٠هـ ، مكتبة القرآن بيروت .

الـمُتَّفِق والـمُفْتَرِق ، للإمام أبي بكر أحمد الخطيب البغدادي ، المتوفى ٤٦٣هـ ، دار القادري دمشق ، الطبعة الأولى ، ١٤١٧هـ/ ١٩٩٧ء .

مُثِير الغَرَام السَّاكِن إلى أَشْرَف الأماكِن ، للإمام أبي الفرج جمال الدين إبن الجوزي ، المتوفى ٥٩٧ هـ ، دار الحديث القاهرة ، الطبعة الأولى ١٩٩٥ ء .

مجالس أمالي الأذكار في صلاة التَّسْبِيْح ، للإمام ابن حجر العسقلاني ، المتوفى ٨٥٢هـ ، مؤسسة قرطبة ، مطبعة المدني بالقاهرة ، الطبعة الأولى ، ١٤١٣هـ/ ١٩٩٣ء .

الـمجالسة وجواهر العِلْم ، للإمام أبي بكر أحمد الدِّينَوري المالكي ، المتوفى ٣٣٣هـ ، دار ابن حزم بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٨ء.

الـمَجْرُوحِين مِنَ الـمُحَدِّثين ، للإمام أبي حاتم محمد ابن حبان البُسْتِي ، المتوفى ٣٥٤هـ ، دار الصميعي بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٠هـ/ ٢٠٠٠ء.

مَجْمع الزَّوائد ومَنْبع الفوائد ، للإمام أبي الحسن على نور الدين الهيثُمي ، المتوفى ٨٠٧هـ ، دار المنهاج جدة ، الطبعة الأولى ، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥ء .

مجموعة الـمَعَاني ، للشيخ عبد السلام هارون ، دار الجيل بيروت ، الطبعة ١٤١٢هـ/ ١٩٩٢ء .

مُحَاضَرَاتُ الأدَبَاء ومُحَاوَرَاتُ الشُّعَراء وَالْبُلَغَاء ، للشيخ أبي القاسم حسين بن محمد الراغب الأصبهاني ، المتوفى ٥٠٢هـ ، دار مكتبة الحياة بيروت .

الـمُخْتَار مِن مناقب الأخيار ، للإمام مَجد الدِّين أبي السَّعادات المبارك بن محمد المعروف إبن الأثير الجزري الموصلي ، المتوفى٦٠٦هـ ، مركز زايد للتراث والتاريخ ، دولة الإمارات العربية المتحدة . الطبعة الأولى ٢٠٠٣ ء .

مختصر اسْتِدْرَاك الحافظ الذَّهبي عَلَى مُسْتَدرك أبي عبد الله الحاكم ، للإمام سراج الدين عمر بن علي المعروف ابن المُلقِّن ، المتوفى ٨٠٤هـ ، دار العاصمة الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤١١هـ .

الـمُخْتصر في أخبار البشر ، للشيخ عِماد الدِّين أبي الفَدَاء ، المطبعة الحسينة المصرية ، بولاق .

مختصر التُّحْفَة الإثْنَي عَشَرية ، تعريب: الشيخ غلام محمد الأسلمي ، إختصره محمود شُكري الآلوسي ، طبع المكتبة السلفية بالقاهرة .

الـمَداوِي لِعِلَلِ الجامِع الصَّغير وشَرْحي الـمَناوي ، للشيخ أبي الفيض أحمد بن محمد الصِّديق الغُماري الحسني ، المتوفى ١٣٨٠هـ ، دار الكتاب ، الطبعة الأولى .

الـمَدْخل إلى السُّنَن الكُبرى ، ، للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين البَيهَقي ، المتوفى ٤٥٨هـ ، أضواء السلف ، الرياض ، الطبعة الثانية ١٤٢٠هـ .

مِرْآة الجِنَان وعِبْرة اليَقْظَان ، للإمام أبي محمد عبد الله بن أسعد اليافعي المكي ، المتوفى ٧٦٨ هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٧ء.

مِرْآة الزَّمان وتواريخ الأعيان ، للشيخ شمس الدِّين أبي الـمُظَفَّر يوسف المعروف سِبْط إبن الجوزي ، المتوفى ٦٥٤هـ ، الرسالة العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ٢٠١٣ء .

مَراصِدُ الإطِّلَاع على أَسْماء الأَمكِنَة والبقَاع ، للشيخ صفي الدِّين عبد المؤمن البغدادي ، المتوفى ٧٣٩هـ ، دار المعرفة بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٣٧٣هـ/ ١٩٥٤ء .

مِرْقاة الـمَفَاتِيْح شرح مشكاة الـمَصَابِيْح ، للشيخ علي بن سلطان المعروف مُلَّا علي القاري الحنفي ، المتوفى ١٠١٤هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، ١٤٢٢هـ/ ٢٠٠١ء .

مُرُوْجُ الذَّهَب ومَعَادِنُ الجَوْهَر ، للشيخ أبي الحسن علي بن الحسين المسعودي ، المتوفى ٣٤٦هـ ، المكتبة العصرية بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٥هـ/ ٢٠٠٥ء .ونسخة محققة من منشورات الجامعة اللبنانية ، طبعة بيروت ، السنة ١٩٦٥ء .

الـمُسْتَدرك على الصَّحِيْحَيْن ، للإمام أبي عبد الله محمد الحاكم النَّيسابوري ، المتوفى ٤٠٥هـ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الثانية ٢٠٠٢ء . ودار التأصيل ، الطبعة الأولى ، ١٤٣٥هـ/ ٢٠١٤ء . ودار الحرمين القاهرة ، الطبعة الأولى ، ١٤١٧هـ/ ١٩٩٧ء . ودار المعرفة بيروت .

الـمُسَلْسَلَات ، للإمام أبي الفرج جمال الدين إبن الجوزي ، المتوفى ٥٩٧ هـ ، مخطوطة من المكتبة الظاهرية ، الرقم ٣٧٧٤ ، له صورة بمكتبة الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة ، الرقم ٢/ ٧٠٥٥ . نسخة مصورة لدي الباحث .

الـمُسند ، للإمام أبي عبد الله أحمد بن حنبل ، المتوفى ٢٤١ هـ ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٥ء .

الـمُسند ، للشيخ الهيثم بن كليب الشَّاشِي ، المتوفى ٣٣٥هـ ، مكتبة العلوم والحكم بالمدينة المنورة ، الطبعة الأولى ١٤١٠هـ .

مسند أبي عَوَّانة أو الـمُسند الصَّحيح الـمُخَرَّج على صحيح مُسلم ، للإمام أبي عوانة يعقوب بن إسحاق الإسْفَرائِني ، المتوفى ٣١٦هـ ، دار المعرفة بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨ء . وطبعة الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة ، السنة ١٤٣٣هـ .

مسند أبي يَعْلَى الـمَوصلي ، للإمام أحمد بن علي بن المثنى التَّمِيْمِي ، المتوفى ٣٠٧هـ ، دار المأمون للتراث دمشق ، الطبعة الثانية ، ١٤١٠هـ/ ١٩٨٩ء .وطبعة دار التأصيل ، الطبعة الأولى ، ١٤٣٨هـ/ ٢٠١٧ء .

مسند البزَّار أو البَحْرُ الزَّخَّار ، للإمام أبي بكر أحمد بن عمرو البزَّار ، المتوفى ٢٩٢هـ ، مكتبة العلوم والحكم ، المدينة المنورة ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٩هـ/ ١٩٨٨ء.

مسند الـحُمَيدي ، للإمام أبي بكر عبد الله بن الزُّبير القُرشي ، المتوفى ٢١٩هـ ، طبعة دار السقاء دمشق، الطبعة الأولى ، السنة ١٩٩٦ء .وطبعة عالم الكتب بيروت .

مسند الرُّوياني ، للإمام أبي بكر محمد بن هارون الرُّوياني ، المتوفى ٣٠٧هـ ، مؤسسة قرطبة ، الطبعة الأولى ، ١٤١٦هـ/ ١٩٩٥ء .

مسند الشَّاميين ، للإمام أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبراني ، المتوفى ٣٦٠ هـ ، مؤسسة الرسالة ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٩هـ/ ١٩٨٩ء .

مسند الشِّهَاب ، للإمام أبي عبد الله محمد بن سلامة القضاعي ، المتوفى ٤٥٤هـ ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٨٥ء .

المسند الـمُسْتَخْرج على صحيح الإمام مُسلم ، للإمام أبي نعيم الأصبهاني ، المتوفى ٤٣٠هـ، دار الكتب العلمية.

مسند عَبْد بن حُمَيد ، للإمام أبي محمد عبد بن حميد ابن نصر الكَشِّي ، المتوفى ٢٤٩هـ ، دار بلنسية الرياض ، الطبعة الثانية ، ١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٢ء .

الـمُشَجَّر الكشَّاف لِتَحْقِيْقِ أصول السَّادة الأشراف ، أو بحر الأنساب ، للشيخ محمد بن أحمد بن عميد الدين الحسيني النجفي النسابة ، المتوفى ٩٢٧هـ ، وبذيله استدراكات الإمام محمد مرتضى الزبيدي ، المتوفى ١٢٠٥هـ ، دار كنان ، دمشق ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٢هـ/ ٢٠٠١ء . وطبعة دار الـمجتبى بالمدينة المنورة ، الطبعة الأولى ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٩ء .

مَشِيْخَة ابن شَاذان الصُّغْرَى ، للإمام أبي علي الحسن ابن شاذان البزَّاز ، المتوفى ٤٢٥هـ ، مكتبة الغرباء الأثرية ، المدينة المنورة ، الطبعة الأولى ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨ء .

مَشِيْخَة أبي الـحسين ابن الـمُهتدي بالله ، أو الفوائد الـمُخَرَّجة مِنَ الأُصول ، للشيخ القاضي أبي الحسين محمد بن علي الـمهتدي بالله ، المتوفى ٤٦٥هـ ، عكس مخطوطة لدي المؤلف . **وجزء فيه مشيخة أبي الحسين ابن الـمهتدي بالله** ، بتحقيق ؛ الشيخ قاسم بن محمد ضاهر ، دار البشائر الإسلامية ، الطبعة الأولى ، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١١ء، في سلسلة لقاء العشر الأواخر بالـمسجد الـحرام ، الرقم١٥٣ .

مَشِيْخَة القَزْوِيني ، للإمام سراج الدين أبي حفص عمر بن علي القزويني ، المتوفى ٧٥٠هـ ، دار البشائر الإسلامية ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٦هـ/ ٢٠٠٥ء .

الـمُصَنَّف ، للإمام أبي بكر عبد الرزاق بن هَمَّام الصَّنْعَاني ، المتوفى ٢١١هـ ، المكتب الإسلامي بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٣٩٠هـ/ ١٩٧٠ء.

الـمُصَنَّف ، للإمام أبي بكر عبد الله بن محمد المعروف ابن أبي شَيْبَة ، المتوفى ٢٣٥هـ ، مكتبة الرشد الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٥هـ/ ٢٠٠٤ء.وطبعة دار كنوز إشبيليا ، الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥ء .

الـمَطَالِب العالية بزوائد الـمَسَانيد الثَّمانية، للإمام ابن حجر العسقلاني الشافعي ، المتوفى ٨٥٢هـ ، دار العاصمة الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨ء.

الـمَعَارِف ، للإمام أبي محمد عبد الله بن مسلم المعروف ابن قُتَيبَة الدِّينَوري ، المتوفى ٢٧٦هـ ، دار المعارف ، الطبعة الرابعة .

الـمُعجم الكبير ، للإمام أبي القاسم سليمان بن أحمد الطَّبَراني ، المتوفى ٣٦٠ هـ ، مكتبة إبن تيمية القاهرة .

الـمُعْجَم ، للإمام أبي بكر محمد الأصبهاني المعروف ابن المُقْرِئ ، المتوفى ٣٨١هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٣ءهـ/ ٢٠٠٣ء .

الـمُعْجَم ، للإمام أبي سعيد أحمد بن محمد المعروف ابن الأعرابي ، المتوفى ٣٤٠هـ ، دار ابن الجوزي الرياض ، الطبعة الأولى ١٩٩٧ء.

معجم الأدباء – إرشاد الأريب إلى معرفة الأديب ، للشيخ شهاب الدين ياقوت الحموي البغدادي ، المتوفى ٦٢٦هـ ، دار الغرب الإسلامي بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤١٤هـ/ ١٩٩٣ء .

الـمعجم الأوسط ، للإمام أبي القاسم سليمان بن أحمد الطَّبَراني ، المتوفى ٣٦٠ هـ ، دار الحرمين القاهرة ، الطبعة ١٤١٥هـ .

معجم البُلدان ، ، للشيخ شهاب الدين ياقوت الحموي البغدادي، المتوفى ٦٢٦هـ، دار الكتب العلمية بيروت .

معجم الشُّيُوخ ، للإمام أبي القاسم علي المعروف إبن عساكر ، المتوفى ٥٧١هـ ، دار البشائر دمشق ، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ .

الـمُعجم الصَّغير، للإمام أبي القاسم سليمان بن أحمد الطَّبَراني ، المتوفى ٣٦٠ هـ ، المكتب الإسلامي بيروت ، الطبعة الأولى ١٤٠٥ هـ .

الـمُعجم المُفْهَرس أو تجريد أسانيد الكُتُب المَشْهُورة والأجزاء المَنْثُورة ، للإمام أحمد بن علي ابن حجر العسقلاني ، المتوفى ٨٥٢هـ ، مؤسسة الرسالة بيروت . الطبعة الأولى ١٩٩٨ء .

مَعرِفة الثِّقات ، للإمام أبي الحسن أحمد العِجْلي الكوفي ، المتوفى ٢٦١هـ ، مطبعة المدني بالقاهرة . وطبعة دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٥هـ/ ١٩٨٣ء .

معرفة الصّحابة ، للإمام أبي نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني ، المتوفى ٤٣٠هـ ، دار الوطن الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨ء.

مُغْني اللَّبِيْب عن كُتُبِ الأَعَارِيْب ، للشيخ جمال الدين إبن هشام الأنصاري ، المتوفى ٧٦١هـ ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٢ء .

الـمُغْني عن حَمل الأسفار في الأسفار في تخريج ما في الإحياء من الأخبار ، للإمام أبي الفضل زين الدِّين عبد الرحيم العراقي ، المتوفى ٨٠٦هـ ، مكتبة طبرية الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤١٥هـ/ ١٩٩٥ء .

الـمُغْني في الضُّعَفاء ، للإمام شمس الدين محمد الذَّهبي ، المتوفى ٧٤٨هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤١٨هـ/ ١٩٩٧ء .

مَقَاتِلُ الطَّالِبِيِّن ، للشيخ أبي الفَرَج الأصفهاني ، المتوفى ٣٥٦هـ ، منشورات الشريف الرَّضي ، قُم إيران ، الطبعة الثانية ، ١٤١٦هـ .

الـمَقَادِير الشَّرعية والأحكام الفِقْهيَّة ، للدكتور محمد نجم الدين الكردي، طبعة القاهرة،السنة ١٤٢٦هـ/ ٢٠٠٥ء.

الـمَقاصد الـحَسَنة في بيان كثير من الأحاديث الـمُشْتَهَرة على الألسِنَة ، للإمام شمس الدين محمد السخاوي ، المتوفى ٩٠٢هـ ، دار الكتب العلمية .

الـمُقَفَّى الكبير ، للشيخ تقي الدين الـمَقْرِيزي ، المتوفى ٨٤٥هـ ، دار الغرب الإسلامي بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤١١هـ/ ١٩٩١ء.

الـمُكْتَفَى في الوَقْف والإبتِدَاء في كتاب الله عزّوجلّ ، للإمام أبي عمرو عثمان الدَّاني الأندلسي الـمُقْرِئ ، المتوفى ٤٤٤هـ ، دار الصحابة بطنطا ، الطبعة ٢٠٠٦ ء. وطبعة مؤسسة الرسالة ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧ء .

مناقب الأسد الغالب علي بن أبي طالب ، للإمام شمس الدين محمد الجزري ، المتوفى ٨٣٣هـ ، مكتبة القرآن ، القاهرة .

الـمُنتخَب مِن السِّيَاق لِتَاريخ نيسابور ، للشيخ أبي الحسن عبد الغافِر الفارسي ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٩هـ/ ١٩٨٩ء .

الـمُنْتَظَم في تاريخ الـمُلُوْك والأمَم ، للإمام أبي الفَرَج جمال الدين إبن الجوزي ، المتوفى ٥٩٧ هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ١٤١٢ هـ .

الـمُنتَقى مِن السُّنَن الـمُسْندة عَن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، للإمام أبي محمد عبدالله بن الجارُوْد ، المتوفى ٣٠٧هـ ، دار التأصيل ، الطبعة الأولى ، ١٤٣٥هـ/ ٢١٠٤ء .وطبعة دار الجنان ومؤسسة الكتب الثقافية بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٨هـ/ ١٩٨٨ء .

الـمُنْصِف شرح كتاب التَّصْرِيف للمازني ، للشيخ أبي الفتح عثمان بن جِنِّي النَّحوي ، المتوفى ٣٩٢هـ، إدارة إحياء التراث القديم ، الطبعة الأولى ، ١٣٧٣هـ/ ١٩٥٤ء .

مِنْهَاج السُّنة ، للشيخ تقي الدين أبي العباس أحمد المعروف إبن تيمية الحنبلي ، المتوفى ٧٢٨هـ ، طبع جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية ، الرياض ، الطبعة الأولى ١٩٨٦ء .

موارد الظَّمأن إلى زوائد صحيح ابن حبَّان ، للإمام نور الدين علي الهَيْثُمِي الشَّافعي ، المتوفى ٨٠٧هـ ، دار الثقافة العربية دمشق ، الطبعة الأولى ، ١٤١١هـ/ ١٩٩٠ء .

الـمَوسوعة الفِقْهِيَّة الكُويتية ، لجنة من الباحثين ، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية ، الكويت ، الطبعة الثانية ، ١٤٠٤هـ/ ١٩٨٣ء .

موسوعة سيرة أهل البيت ، للشيخ باقر شريف القُرشي ، دار المعروف مؤسسة الإمام الحسن ، النَّجف ، الطبعة الثانية ١٤٣٣هـ/ ٢٠١٢ء.

الـمُوَضِّحُ لِأَوْهام الجَمْع والتَّفْرِيق ، للإمام أبي بكر أحمد الخطيب البغدادي ، المتوفى٤٦٣هـ ، دار الفكر الإسلامي بيروت ، الطبعة الثانية ١٩٨٥ء .

الـمَوْضُوْعَات ، للإمام أبي الفَرَج جمال الدِّين إبن الجوزي ، المتوفى ٥٩٧ هـ ، دار أضواء السلف ، الطبعة الأولى ١٩٩٧ء .

الـمُوَطَّأ ، للإمام أبي عبدالله مالك بن أنس ، المتوفى ١٧٩هـ ، دار إحياء التراث العربي بيروت .

ميزان الإعتِدَال في نَقْدِ الرِّجال ، للإمام شمس الدين محمد الذَّهبي ، المتوفى ٧٤٨هـ ، دار المعرفة بيروت .

النِّبراس شَرْحُ شَرْحِ العَقَائِد النَّسفية للتَّفْتَازاني ، للعلامة عبد العزيز الفَرْهاروي القُرشي المُلتَاني ، المتوفى ١٢٤٠هـ ، طبعة قديمة ، آستانه ، تركي . وطبعة مكتبة رشيدية ، كويتة ، الباكستان .

النُّجوم الزَّاهرة في مُلُوك مصر والقاهرة ، للشيخ جمال الدين إبن تَغْرِي بَرْدِي الأتابكي ، المتوفى ٨٧٤ هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٢ء .

نُزْهَة الألباب في الألقاب ، للإمام أحمد بن علي ابن حجر العسقلاني ، المتوفى ٨٥٢هـ ، مكتبة الرشد الرياض ، الطبعة الأولى ، ١٤٠٩هـ/ ١٩٨٩ء.

نُزْهَة الـمُشْتَاق في اخْتِرَاق الآفاق ، للشيخ محمد المعروف الشَّرِيف الإِدْرِيسي، المتوفى ٥٦٠هـ ، مكتبة الثقافة الدينية بالقاهرة ، الطبعة ١٤٢٢هـ/ ٢٠٠٢ء.

النُّزُول ، للإمام علي بن عمر الدَّارقُطْنِي ، المتوفى ٣٨٥هـ ، طبعة بيروت بتحقيق الدكتور علي الفقيهي . الطبعة الأولى ١٩٨٣هـ .

نِهَاية الأرب في فُنُون الأدب ، للإمام شهاب الدين أحمد النُّوَيْرِي ، المتوفى ٧٣٣هـ ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى ٢٠٠٤ء .

النِّهَاية في غريب الحديث ، للإمام مَجد الدِّين أبي السَّعادات محمد الجزري ، المتوفى ٦٠٦هـ ، دار إحياء التراث العربي بيروت .

نَوَادِرُ الأصُول في معرفة أحاديث الرَّسُول ، للإمام أبي عبد الله محمد بن علي المعروف الحكيم التِّرمذي ، المتوفى ٣٢٠هـ ، مكتبة الإمام البخاري ، الطبعة الأولى ، ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨ء.وطبعة دار الجيل بيروت ، الطبعة الأولى ، ١٤١٢هـ / ١٩٩٢ء .

نور الأبصار ، للسيِّد مؤمن بن حسن الشِبْلَنْجِي ، المتوفى ١٣٠٨هـ ، المكتبة العصرية بيروت ، الطبعة ٢٠٠٦ ء .

نور الأنوار في فضائل وتراجم وتواريخ ومناقب ومزارات آل البيت الأطهار ، للشيخ السيد حسين محمد الرفاعي ، مكتبة الثقافة الدينية ، الطبعة الأولى ، ١٤٢١هـ/ ٢٠٠١ء. وطبعة قديمة من قبل المؤلف الرفاعي ، السنة ١٣٥٦هـ.

النور السافر عن أخبار القرن العاشر ، للشيخ عبد القادر العيدروس الحسيني اليمني الهندي ، المتوفى ١٠٣٨هـ ، دار صادر بيروت ، الطبعة الأولى ، السنة ٢٠٠١ء .

هَدْيُ السَّاري مُقدّمة فَتْح البَاري ، للإمام ابن حجر العسقلاني ، المتوفى ٨٥٢هـ ، طبعة السعودية ، الطبعة الأولى ، ١٤٢١هـ/ ٢٠٠١ء.

هَوَاتِفُ الجِنَان ، للإمام أبي بكر عبد الله القُرشي المعروف ابن أبي الدُّنيا ، المتوفى ٢٨١ هـ ، مؤسسة الكتب الثقافية بيروت ، الطبعة الأولى ١٩٩٣ء .

الوسيط في تفسير القرآن المجيد ، للإمام أبي الحسن علي بن أحمد الواحدي النَّيسابوري ، المتوفى ٤٧٨هـ ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى ، ١٤١٥هـ/ ١٩٩٤ء .

وَفِيَاتُ الأعيان وأَنْبَاءُ أَبْنَاءِ الزَّمان ، للإمام أبي العباس شمس الدِّين إبن خَلِّكَان ، المتوفى ٦٨١ هـ ، دار صادر.

الوُلَاة وكتاب القُضَاة ، للإمام أبي عمر محمد بن يوسف الكِنْدِي المصري ، المتوفى ٣٥٥هـ ، مطبعة الآباء اليسوعيين بيروت ، السنة ١٩٠٨ء .

کتب اہل تشیع

الإرشاد في معرفة حُجَج الله على العِباد ، للشيخ أبي عبد الله محمد المعروف الشيخ المفيد ، المتوفى ٤١٣هـ ، طبع في سلسلة مؤلفات الشيخ المفيد ، بيروت لبنان ، الطبعة الثانية ، ١٤١٤هـ/ ١٩٩٣ء .

الإمام موسى بن جعفر ، للشيخ محمد حسن آل ياسين ، المطبعة العربية بيروت ١٩٩٩ء .

بحار الأنوار الجامعة لِدُرَرِ أخبار الأئمة الأطهار ، للشيخ محمد باقر المجلسي ، مؤسسة احياء الكتب الإسلامية ، قم المقدسة ، إيران ، طبعة محققة . الطبعة الأولى ١٣٨٨هـ .

حياة الإمام موسى بن جعفر ، للشيخ باقر الشريف القرشي ، طبعة قسم الثقافية والأعلام في العتبة الكاظمية المقدسة ، العراق ، الطبعة الثانية .

شرح الرَّضي على الكافية لإبن حاجِب ، للشيخ نجم الدين محمد بن الحسن الرضي الإستراباذي ، المتوفى ٦٨٦هـ ، منشورات جامعة يونس بنغازي ، الطبعة الثانية ، ١٩٩٦ء .

الفائق في رُواة أصحاب الإمام الصَّادق ، للشيخ عبد الحسين الشبستري ، مؤسسة النشر الإسلامي ، التابعة لجماعة المدرسين بقم المشرفة ، إيران .

الـمَجْدِي في أنساب الطَّالبيِّين ، للشيخ نجم الدين ابن أبي الغنائم النسَّابة ، من أعلام القرن الخامس ، مكتبة آية الله المرعشي النجفي ، قم إيران ، الطبعة الثانية ١٤٢٢هـ .

الواقِفيَّة ، للشيخ رياض حبيب الناصري ، المؤتمر العالمي للإمام الرِّضا ، المشهد المقدس ، الطبعة سنة ١٤٠٩.

اُردو / فارسی

أَشِعَّة اللَّمْعَات شرح المِشْكَاة ، في اللغة الفارسية ، للشيخ الـمحدث عبد الحق الدِّهلوي ، المتوفى١٠٥٢هـ ، المترجم في الأردية : لجنة من العلماء ، فريد بك ستال ، لاهور ، الباكستان .

تحفة إثنى عشرية ، في اللغة الفارسية ، للشيخ الـمحدث عبد العزيز الدِّهلوي ، المتوفى ١٢٣٩هـ ، المترجم في الأردية : عبد الحميد خاں ، طبعة مير محمد كتب خانه ، كراتشي ، الباكستان .

تذكرة الأنساب ، للسيّد إمام الدين أحمد النقوي الحنفي گلشن آبادي ، المتوفى ١٣٣١هـ ، طبعة رفاعي مشن ، ناسك ، مهاراسترا ، الهند ، ١٤٣٧هـ/ ٢٠١٦ء.

تفسير تبيان القرآن ، للعلامة الـمحدث غلام رسول السعيدي ، فريد بك ستال ، لاهور ، الباكستان .

تفسير ضياء القرآن ، للعلامة محمد كرم شاه الأزهري ، ضياء القرآن ، لاهور ، الباكستان .

خَزِينة الأصفياء ، في اللغة الفارسية ، للعلامة غلام سرور اللاهوري ، المتوفى ١٨٩٠ء ، والمترجم في الأردية ، لجنة من العلماء ، مكتبة نبوية ، لاهور ، الطبعة الأولى ١٤١٠هـ .
سَفِيْنَة الأولياء ، في اللغة الفارسية ، للشيخ دارا شِكوه القادرى ، مطبع مدرسة آكره ، الهند ، السنة ١٨٥٣ء، طبعة قديمة. والمترجم في الأردية: محمد علي لطفي ، طبعة نفيس أكيدمي ، كراتشي ، الطبعة السابعة .
شواهد النُّبوة لِتَقْوِية يقين أهل الفُتوة ، في اللغة الفارسية ، للشيخ نور الدِّين عبد الرحمن الجامي ، المتوفى ٨٩٨هـ ، مطبع نول كشور ، الهند ، طبعة قديمة . والمترجم في الأردية : إقبال أحمد الفاروقي ، مكتبة نبوية ، لاهور ، الباكستان .
الفتاوى الرَّضوية ، للإمام أحمد رضا الحنفي ، المتوفى ١٣٤٠ هـ ، طبعة رضا فاؤنديشن ، لاهور ، الباكستان .
كشف الـمَحْجُوْب ، في اللغة الفارسية ، للسّيد أبي الحسن علي بن عثمان الجلابي الـهُجْويري الغَزنوي ، من أعلام القرن الخامس الهجري ، الـمترجم في اللغة الأردية ؛ علامة فضل الدين گوهر ، طبعة ضياء القرآن پبلي كيشنز ، لاهور ، الباكستان ، السنة ٢٠١٠ء . ونسخة أخرى الـمترجم ؛ العلامة أبي الحسنات السيِّد محمد أحمد القادري ، مكتبة شمس وقمر ، لاهور ، السَّنة ١٤٣٣هـ/ ٢٠١٢ء.
لطائف أشرفي في بيان طوائف صوفي ، في اللغة الفارسية ، للسّيد الـمخدوم مِير أَوحد الدِّين أشرف جَهَانگِير السَّمْنَاني ، المتوفى ٨١٢هـ/ ٨٣٢هـ ، طبعة حلقة أشرفية كراتشي ، الباكستان ، الطبعة الثانية ١٤١٩هـ/ ١٩٩٩ء . والـمترجم في الأردية ؛ لجنة من العلماء ، طبع تحت الاشراف محمد هاشم رضا الأشرفي .
الـمَأمُون ، للعلامة محمد شِبْلي النُّعماني ، المتوفى ١٣٣٢هـ ، طبعة دار المصنّفين ، الدِّهلي ، الهند .
مِرآة الأسرار ، في اللغة الفارسية ، للشيخ عبد الرحمن الجشتي ، المتوفى ١٠٩٤هـ ، والمترجم في الأردية ؛ واحد بخش سيال الجشتي ، مكبتة ضياء القرآن ، لاهور ، الطبعة١٩٩٣ء .
الـمَكتوبات ، للشيخ أحمد السِّرهندي الفاروقي النَّقْشبندي ، المتوفى ١٠٣٤هـ ، الـمترجم في اللغة الأردية: العلامة محمد سعيد أحمد النَّقْشبندي ، پروگريسو بكس ، لاهور ، الباكستان ، الطبعة الثانية ، ٢٠١٢ء .
الـمَلْفُوظ ، للإمام أحمد رضا خان الحنفي، المتوفى ١٣٤٠ هـ، في اللغة الأردية، مكتبة المدينة ، كراتشي .

صفحات برائے نکات و یادداشت